ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
جلد ششم
افادات
امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ
جمع و ترتیب
مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ذخیرۃ الجنان

فی

فہم القرآن

جلد 6 ← حصہ 16، 17، 18

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظر ثانی

مولانا علامہ زاہد الراشدی

شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

جمع و ترتیب

مولانا محمد نواز بلوچ

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الی جمیع اولادی واحبابی وتلامذتی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راقم اثیم گکھڑ میں قرآن کریم و حدیث شریف
کا پنجابی میں جو درس دیتا رہا اس درس
قرآن کریم کا بڑی عرقریزی کے ساتھ اردو میں ترجمہ
مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جسکی طباعت
کا انتظام الحاج میر محمد لقمان اللہ صاحب
نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے راقم اثیم
طباعت کے حقوق انکو دیتا ہے ہاں اگر علمی
طور پر اصلاح کی ضرورت پڑے تو راقم اثیم
کے بیٹے مثلاً عزیزم زاہد اور عزیزم قارن سلمہما اللہ
تعالیٰ وغیرہ مشورہ دے سکتے ہیں باقی
سب حقوق طباعت جناب میر صاحب
کو دیدئے ہیں واللہ الموفق۔

ابو الزاہد محمد سرفراز عفی عنہ
۱۴ صفر ۱۴۲۳ھ
۲۸ اپریل ۲۰۰۲ء

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ

ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

نام کتاب .... ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن
جلد 6 ⟸ حصہ 16، 17، 18

افادات .... امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرتب .... مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

نظر ثانی مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

سرورق .... محمد خاور بٹ، گوجرانوالہ

طابع و ناشر .... لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

فون .... 0300 - 8741292
0321 - 8741292

قیمت ....

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصّہ سولہ)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام شیخ العلام حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں میں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیشِ لفظ

نَحْمَدُهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات وتنازعات۔ اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کیساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندوں حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر وضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار ونظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

جب کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدوجہد بھی اسی کا تسلسل تھی بالخصوص پنجاب میں بدعات واوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن وسنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے جن اربابِ عزیمت نے عزم و ہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن وتشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

جنہوں نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ مگر ان ارباب ہمت کے عزم واستقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول وعرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درس قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی کم وبیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے اور ترجمہ وتفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ واجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب وطرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن وحدیث کے علوم وتعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نماز فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسطہ اور منتہی درجہ کے طلبہ کیلئے ہوتا تھا اور دو سال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چار حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم ومعارف کے موتی ان کے دامن قلب وذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لئے جامع مسجد گکھڑ والا درس قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض دفعہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا پورا ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آ کر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرت خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے۔ اس لئے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم

محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر و تبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرضِ کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور اَن گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔ (آمین)

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس و خطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس کے لوازمات میں سے ہے۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس کو ملحوظ رکھا جائے اس کے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنھوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب جامع مسجد مرکزی، گوجرانوالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ السَّجۡدَةِ مَکِّیَّةٌ

پارہ ⇦ اُتۡلُ مَآ اُوۡحِیَ

(۲۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ﴾ اُتاری ہوئی کتاب ہے ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ نہیں کوئی شک اس میں ﴿مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رب العالمین کی طرف سے ہے ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ کیا کہتے ہیں یہ لوگ ﴿افْتَرٰىهُ﴾ اس نبی نے یہ کتاب گھڑی ہے اپنی طرف سے ﴿بَلْ﴾ بلکہ ﴿هُوَ الْحَقُّ﴾ یہ حق ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿لِتُنْذِرَ﴾ تاکہ آپ ڈرائیں ﴿قَوْمًا﴾ اس قوم کو ﴿مَّآ اَتٰىهُمْ﴾ نہیں آیا ان کے پاس ﴿مِّنْ نَّذِيْرٍ﴾ کوئی ڈرانے والا ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ ہدایت پالیں ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر ﴿مَا لَكُمْ﴾ نہیں ہے تمھارے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ اس سے نیچے نیچے ﴿مِنْ وَّلِيٍّ﴾ کوئی حمایتی ﴿وَّلَا شَفِيْعٍ﴾ اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہ تدبیر کرتا ہے کام کی ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿اِلَى الْاَرْضِ﴾ زمین تک ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ﴾ پھر وہ کام لوٹے گا اس کی طرف ﴿فِيْ يَوْمٍ﴾ اس دن میں ﴿كَانَ مِقْدَارُهٗٓ﴾ جس کا اندازہ ﴿اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ہزار سال ﴿مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ اس گنتی کے اعتبار سے جو تم شمار کرتے ہو۔

وجہ تسمیہ :

اس سورۃ کا نام سورۃ سجدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں چودہ پندرہ مقام ہیں جہاں سجدے آئے ہیں پھر ان سورتوں کا نام سجدہ کیوں نہیں رکھا گیا؟

جواب یہ ہے کہ اس سورۃ میں جس سجدے کا ذکر ہے وہ آدمی رات کو نرم بستر کو چھوڑ کر کرتا ہے جو کافی مشکل ہے کہ آرام و سکون کو چھوڑ کر رب تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ اس لیے اس سورت کا نام سجدہ ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے چوہتر [۷۴] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا پچھتر واں [۷۵] نمبر ہے۔ اس کے تین [۳] رکوع اور تیس [۳۰] آیات ہیں۔

﴿الٓـمّٓ﴾ کے متعلق کئی دفعہ گزر چکا ہے کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے کہ اس کا ایک ایک حرف ایک ایک لفظ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ الف سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اور لام سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں اور میم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ﴾ اُتاری ہوئی کتاب ہے ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ کوئی شک نہیں ہے ﴿مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ یہ جو ہمارے سامنے کتاب ہے اصلی بھی ہے اور برکت والی بھی ہے۔ اس کا ایک ایک حرف پڑھنے پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کو سمجھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ جب تک مسلمانوں کا اس کتاب کے ساتھ صحیح تعلق رہا اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے مسلمانوں کو بہت بلندی پر پہنچایا اور جب سے مسلمانوں نے قرآن کریم سے روگردانی کی ہے اس وقت سے وہ انتہائی پستی میں چلے گئے ہیں۔ مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان اس وقت تقریباً ڈیڑھ ارب کے قریب ہیں مگر دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم سے دوری کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تین دفعہ مردم شماری ہوئی ہے۔ ایک دفعہ صرف پانچ سو تھے دوسری مردم شماری میں چھ سات سو کے درمیان تھے۔ تیسری دفعہ مردم شماری میں پندرہ سو تھے۔

دوسری مرتبہ کی مردم شماری کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت ہماری تعداد چھ اور سات سو کے درمیان ہے ساری دنیا مل کر بھی ہمیں نہیں مٹا سکتی۔ اندازہ لگاؤ چھ سات سو کی تعداد ہے اور ساری دنیا کا مقابلہ ہو رہا ہے اور آج دنیا مسلمانوں سے بھری ہوئی ہے اور مسلمان ہیں کہ بھاگتے پھر رہے ہیں۔

قرآن کا چیلنج

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ کیا کہتے ہیں یہ کافر لوگ ﴿افْتَرٰىهُ﴾ اس نبی نے یہ کتاب گھڑی ہے اپنی طرف سے ﴿بَلْ﴾ ایسا نہیں ہوا بلکہ ﴿هُوَ الْحَقُّ﴾ وہ حق ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے۔ جواب تو اتنا ہی کافی تھا کہ میں نے نہیں بنائی یہ کتاب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کو چیلنج کر دیں کہ اگر یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے اور میں خود بنا کر لایا ہوں تو تم سارے مل کر اس جیسی کتاب لے آؤ اور تم سارے مل کر بھی ایسی کتاب نہیں لا سکتے تو میں اکیلا کیسے بنا سکتا ہوں ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ﴾ " آپ کہہ دیں اگر اکٹھے ہو جائیں انسان اور جنات سارے ﴿عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس بات پر کہ وہ لائیں اس قرآن کے مثل ﴿لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ تو نہیں لا سکیں گے اس کے مثل ﴿وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ۸۸] اگرچہ بعض ان کے بعض کے مددگار رہوں۔"

پھر اس میں چھوٹ دی کہ اگر تم سارا قرآن اس جیسا نہیں بنا سکتے ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ﴾ [ہود: ۱۳] " تو لاؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی ﴿وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اور بلا لو تم جس کی تم طاقت رکھتے ہو

اللہ تعالیٰ کے سوا۔" قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں ایک سو چار تمھیں معاف صرف دس سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس جس کو تم بلا سکتے ہو بلا لو۔ انسانوں کو، جنوں کو، فرشتوں کو لاؤ دس سورتیں۔ مزید چھوٹ دے دی اور فرمایا ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ "پس لاؤ تم ایک چھوٹی سی سورت اس جیسی۔" تین سورتیں سب سے چھوٹی ہیں سورۃ العصر، سورۃ الکوثر اور سورۃ النصر۔ ان کی تین تین آیتیں ہیں۔ تین آیتوں سے کم کوئی سورت نہیں ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فتویٰ دیا ہے کہ ہر رکعت میں کم از کم تین آیتیں پڑھنی چاہییں۔

تو فرمایا تم کوئی چھوٹی سی سورت ہی لے آؤ ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۳] "اور بلا لو اپنے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اور میں خود بنا کر لایا ہوں تو تم سب مل جل کر کوئی چھوٹی سی سورت بنا لاؤ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ [البقرۃ: ۲۴] "پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔" انسان، جنات، فرشتے سارے مل کر بھی، تو پھر یہ شوشے چھوڑنے بند کر دو اور اس کو تسلیم کر و اور جہنم کی آگ سے بچ جاؤ۔

تو فرمایا یہ کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے۔ کیوں اُتاری گئی ہے؟ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا﴾ تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو ﴿مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ﴾ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے۔ دوسری قوموں اور علاقوں میں تو پیغمبر آتے رہے ہیں بنی اسرائیل میں تقریباً چار ہزار پیغمبر تشریف لائے ہیں۔ ان کے آخری پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے تقریباً پونے چھ سو سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل میں تشریف لائے ہیں۔ بنو اسماعیل میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی صحیح تعلیمات ہزار ہا سال تک رہی ہیں۔ ان کی تعلیم میں گڑبڑ کرنے والا سب سے پہلا شخص عمرو بن لُحی بن قمع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے اڑھائی سو سال پہلے اس شخص نے بت پرستی شروع کی اور کعبۃ اللہ میں ہبل کا بت کھڑا کیا۔ پھر آہستہ آہستہ بت بڑھتے گئے اور ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہوگئی۔ یہ شخص اخلاق کا اتنا گرا ہوا تھا کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حاجیوں کے کندھوں سے کنڈی کے ذریعے چادریں اُتار لیتا تھا۔ اگر ان کو پتا چل جاتا تو معذرت کر لیتا کہ بھائی جی! ویسے ہی کنڈی کے ساتھ اٹک گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ ایسے بے وقوف تھے کہ پھر اس کو مانتے تھے۔ لوگوں کا کوئی حال نہیں ہے کوئی غلط سے غلط دعویٰ بھی کرے تو اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ غلط ہے تو لوگ اس کے پیچھے کیوں لگے ہیں؟ تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیوں کہ لوگوں کا کوئی معیار نہیں ہے۔ تم لوگ کپڑے پہن کر بازاروں میں چلتے پھرتے ہو تمھارے پیچھے کوئی نہیں لگتا اگر کپڑے اتار کر ننگے بازار میں جاؤ تو پھر دیکھو کتنے لوگ تمھارے پیچھے لگتے ہیں۔ (ہنستے ہوئے فرمایا) محض اس بات (یعنی ننگے ہونے) سے مقبولیت نہیں ہوئی۔ یعنی ننگا ہونا تو مقبولیت کی دلیل نہیں ہے۔ تو فرمایا ڈرائیں آپ اس قوم کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ ہدایت پالیں راہ راست پر آجائیں۔

سب سے پہلی بات توحید ہے یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں انہوں نے پہلا سبق ہی یہ دیا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارا کوئی معبود، مشکل کشا اس کے سوا۔" اور ہر نبی کے کلمے کا پہلا جز ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ آگے پھر آدم صفی اللہ اور کسی دور میں ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ اور اب آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دلائل توحید

تو اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے۔ آسمانوں میں چاند، سورج، ستارے اور فرشتے ہیں اور زمینوں میں انسان، جنات، حیوانات اور بے شمار مخلوقات ہیں اور جو کچھ پیدا کیا ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں پیدا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ ایک لمحے میں بھی تو کر سکتے تھے مگر چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ چھ دنوں میں پیدا کیا مخلوق کو بتلانے کے لیے کہ اس جہان کی بنیاد تدریج پر ہے نظام زندگی آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ ہر چیز نے آہستہ آہستہ عروج پر پہنچنا ہے۔ میں نے خالق ہو کر ہر چیز کو تدریجاً پیدا کیا ہے تمھیں تعلیم دینے کے لیے کہ کسی کام میں جلدی نہیں کرنی ہر کام تدریج کے ساتھ ہونا چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ "جلد بازی شیطان کا کام ہے۔" قول ہو یا فعل کسی شے میں جلدی نہ کرو۔ بات زبان سے نکالنے سے پہلے سوچو، کام کرنے سے پہلے سوچو، پیاروں سے مشورہ کرو، استخارہ کرو پھر کام شروع کرو۔ جلد بازی سے کام نہ لو۔ چھ دنوں سے مراد چھ دنوں کا وقفہ ہے ورنہ اس وقت نہ چاند تھا، نہ سورج تھا، نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی۔

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا مطلب

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر، بیٹھا عرش پر۔ یاد رکھنا! ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیسے قائم ہوا، کیسے بیٹھا؟ امام دار الہجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی میں پڑھا رہے تھے جب یہ آیت کریمہ آئی تو شاگردوں نے کہا کہ حضرت ہمیں سمجھائیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کس طرح قائم ہے؟ مطلب یہ کہ مثلاً میں مصلے پر بیٹھا ہوں اور تم اس وقت قالینوں پر بیٹھے ہو کوئی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، کوئی پلنگ پر بیٹھتا ہے، کوئی چٹائی پر، تو اللہ تعالیٰ کس طرح مستوی ہے؟ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَّ كَيْفِيَّتُهٗ مَجْهُوْلَةٌ وَّ السُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ "اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے یعنی ہمیں معلوم نہیں ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔" یعنی اس کے متعلق خواہ مخواہ کی بحث کرنا بدعت ہے۔

بس یہ ایمان رکھو کہ وہ عرش پر مستوی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ عرش پر قائم ہے بلکہ

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ماننا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ بھی ہے ﴿هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید:۴] "وہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔" اور اٹھائیسویں پارے میں ہے ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ [المجادلۃ:۷] "نہیں ہوتا کوئی مشورہ تین آدمیوں کا مگر اللہ تعالیٰ چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کا مگر چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔" علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہے ساتھ ہونا اس طرح وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور اتنا قریب ہے کہ فرمایا ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق:۱۶] "ہم زیادہ قریب ہیں انسان کے شہ رگ سے۔" جس کو رگِ جان بھی کہتے ہیں۔ جو دل سے دماغ تک جاتی ہے کہ اگر وہ کٹ جائے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے باوجود تم رب تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے۔ اس کو دیکھنا ہو تو اس کی قدرتوں کو دیکھو۔ زمین کو اور آسمان کو دیکھو، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھو، حیوانات کو دیکھو، انسانوں کے الگ الگ ماڈل اور شکلوں کو دیکھو۔

فرمایا ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے اس سے نیچے نیچے کوئی حمایتی ﴿وَّلَا شَفِيْعٍ﴾ اور نہ کوئی سفارشی۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکے گا ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [بقرۃ:۲۵۵] "کون ہے جو اس کے سامنے سفارش کرے اس کی اجازت کے بغیر۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر خدا کی مخلوق میں اور کوئی بلند ذات نہیں ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کریں گے۔ ایسا نہیں ہے جیسے مشرکوں نے عقیدے بنا رکھے ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸] "کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں ہمارے کام کروا دیں گے ایسا نہیں ہے۔" رب تعالیٰ قادر مطلق ہے سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ رب ہی آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اس کے بغیر تمھارا کوئی حمایتی نہیں ہے نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے۔ یہ موٹی موٹی باتیں بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آتیں۔ ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہ تدبیر کرتا ہے کام کی ﴿مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ آسمان سے زمین تک۔ آسمان سے لے کر زمین تک تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا صرف رب تعالیٰ ہے اور رب تعالیٰ کی اس صفت کو مشرک بھی مانتے ہیں۔ سورہ یونس آیت نمبر ۳۱ میں ہے ان سے پوچھیں ﴿مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ اور کون ہے جو کام کی تدبیر کرتا ہے ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾ یقیناً کہیں گے یہ لوگ کہ اللہ ہی ہے۔ تدبیر کا معنیٰ ہے انتظام کرنا۔ کسی کو دینا، کسی سے لینا، کسی کو بیمار کرنا، کسی کو تندرست کرنا، کسی کا رزق بڑھانا، کسی کا رزق گھٹانا، کسی کو بادشاہ بنانا، کسی کو گدا بنانا، یہ سب کچھ صرف رب ہی کرتا ہے۔ لیکن لوگوں نے مخلوق کو مدبّر بنایا ہوا ہے۔

احمد رضا خان بریلوی کا غلو

پھر یہ بات کوئی معمولی آدمی کہتا تو اس کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ ان پڑھ آدمی نے یہ بات کہی ہے مگر افسوس کی بات یہ

ہے کہ یہ بات احمد رضا خاں صاحب نے کہی ہے جس کو بریلوی لوگ امام سے بھی آگے بڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب حدائق بخشش حصہ دوم میں لکھا ہے:

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یاغوث

احد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کن مکن کے اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن مکن کے اختیارات سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو الاٹ کر دیئے ہیں۔

اور حدائق بخشش حصہ دوم صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے:

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

اندازہ لگاؤ اللہ تعالیٰ کی یہ اہم صفت بھی اس کے لیے نہیں چھوڑی۔ پھر یہاں تک غلو کیا کہ اپنی کتاب "الامن والعلیٰ" کے صفحہ ۸۵ پر لکھا ہے کہ آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک کہ حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے۔ یعنی ان سے اجازت نہ لے۔ سوال یہ ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۴۹۵ھ میں اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ تو ۴۹۵ھ سے پہلے سورج چڑھتا تھا یا نہیں؟ اگر طلوع ہوتا تھا اور یقیناً ہوتا تھا تو کس کو سلوٹ مارتا تھا؟ غلو بُری شے ہے۔ اور اگر یہ شرک نہیں ہے تو پھر دنیا میں شرک ہے ہی نہیں۔ او خدا کے بندے! مدبر امر صرف رب تعالیٰ ہے ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ [آل عمران:۲۶] "جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلیل کرے۔" جس کو چاہے بادشاہ بنائے جس کو چاہے گدا بنائے رب تعالیٰ کے کارخانے میں کوئی دخیل نہیں ہے۔ تو فرمایا تدبیر کرتا ہے کام کی آسمان سے زمین تک۔ ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ﴾ پھر وہ کام لوٹے گا اس کی طرف ﴿فِيْ يَوْمٍ﴾ اس دن میں ﴿كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ جس کی مقدار ہزار سال ہے ﴿مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ اس گنتی کے اعتبار سے جو تم شمار کرتے ہو۔

ہر شے محفوظ ہو رہی ہے سب کچھ سامنے آجائے گا اور قیامت والے دن کا مدبر بھی وہی ہے۔ آج تو کہتے ہیں میری بادشاہی، میری حکومت، میری وزارت یہ تیری میری کے وہاں جھگڑے نہیں ہوں گے وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہوگی۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ "بتلاؤ کس کے لیے ہے بادشاہی آج کے دن۔" بس یہی آواز آئے گی ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [مومن:۱۶] "اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو اکیلا ہے قہار ہے۔" یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اس مقام پر ﴿مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ کہا ہے اور سورہ معارج میں فرمایا ﴿كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ "جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔" تو یہ مجرموں کے اعتبار سے ہوگا کہ چھوٹے مجرموں کو ہزار سال معلوم ہوگا اور بڑے مجرموں کے لیے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جو محض کافر ہے اس کے لیے ہزار سال کا دن ہوگا اور جو کافر گر ہے دوسرے کو کافر بناتا ہے اس

کے لیے پچاس ہزار سال کا دن ہوگا۔

اس کو آپ یوں سمجھیں کہ صحت مند آدمی رات کو سویا۔ اس کو گھنٹوں کی رات منٹوں کی طرح لگتی ہے کہ ابھی سویا اور ابھی جاگا اور جس کے جوڑ جوڑ میں درد ہے اس کو رات لمبی نظر آئے گی اور وہ یہ کہے گا کہ میں نے رات کیا گزاری سال گزارا ہے۔ رات اتنی ہی ہے لیکن ایک کے حق میں منٹوں کے برابر اور دوسرے کے حق میں سال کے برابر۔ تو یہ مجرموں کے اعتبار اور حساب سے ہوگا۔ اور مومنوں کے بارے میں آتا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مومنوں کے لیے وہ وقت اتنا ہوگا۔ كَوَقْتِ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ "جیسے ایک فرض نماز کا وقت۔" اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے حق فرمایا ہے اس کو سمجھو اور اس پر عمل کرو۔

﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ﴾ وہی ذات عالم الغیب ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ اور حاضر چیزوں کو جاننے والی ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ غالب ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿الَّذِيْٓ﴾ وہ ذات ہے ﴿اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ جس نے اچھا کیا ہے ہر چیز کو ﴿خَلَقَهٗ﴾ جس کو اس نے پیدا کیا ہے ﴿وَبَدَاَ﴾ اور اس نے ابتدا کی ﴿خَلْقَ الْاِنْسَانِ﴾ انسان کی پیدائش کی ﴿مِنْ طِيْنٍ﴾ گارے سے ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ﴾ پھر بنایا اس کی نسل کو ﴿مِنْ سُلٰلَةٍ﴾ خلاصے اور نچوڑ سے ﴿مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ حقیر پانی کے ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ﴾ پھر برابر کیا اس کو ﴿وَنَفَخَ فِيْهِ﴾ اور پھونکی اس میں ﴿مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ اپنی طرف سے روح ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ﴾ اور بنائے اس اللہ تعالیٰ نے تمھارے کان ﴿وَالْاَبْصَارَ﴾ اور آنکھیں ﴿وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ اور دل ﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت تھوڑا تم شکر ادا کرتے ہو ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا﴾ کیا جس وقت ہم خلط ملط ہو جائیں گے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ کیا بے شک ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے ﴿بَلْ هُمْ﴾ بلکہ وہ ﴿بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی ملاقات کے ﴿كٰفِرُوْنَ﴾ منکر ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿يَتَوَفّٰىكُمْ﴾ جان نکالتا ہے تمھاری ﴿مَّلَكُ الْمَوْتِ﴾ موت کا فرشتہ ﴿الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾ جو مسلط کیا گیا ہے تم پر ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور اگر آپ دیکھیں ﴿اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ جس وقت کہ مجرم ﴿نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ﴾ جھکائے ہوئے ہوں گے اپنے سروں کو ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے ہاں (اور کہیں گے) ﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا﴾ اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا ﴿وَسَمِعْنَا﴾ اور ہم نے سن لیا ﴿فَارْجِعْنَا﴾ پس ہمیں لوٹا دے (دنیا کی طرف) ﴿نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ تاکہ ہم اچھے عمل کریں ﴿اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں ﴿وَلَوْ شِئْنَا﴾ اور اگر ہم چاہیں

﴿لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا﴾ تو دے دیں ہر نفس کو اس کی ہدایت ﴿وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ﴾ لیکن لازم ہو چکی ہے بات ﴿مِنِّیْ﴾ میری طرف سے ﴿لَاَمْلَــٴَنَّ جَهَنَّمَ﴾ ضرور بھروں گا میں جہنم کو ﴿مِنَ الْجِنَّةِ﴾ جنات سے ﴿وَ النَّاسِ﴾ اور انسانوں سے ﴿اَجْمَعِیْنَ﴾ اکٹھے۔

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا اور آسمان سے لے کر زمین تک تدبیر بھی وہ خود ہی کرتا ہے۔ ﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ وہی ذات ہے عالم الغیب والشہادۃ۔ اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مخلوق سے غائب ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور شہادۃ کا مطلب ہے کہ جو چیزیں مخلوق کے سامنے ہیں رب ان کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ یعنی عالم الغیب کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ رب تعالیٰ سے جو چیز غائب ہے۔ اس سے تو کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ تمام مفسرین رحمہم اللہ معنیٰ کرتے ہیں مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ "جو چیز مخلوق سے غائب ہے رب تعالیٰ اس کو جانتا ہے والشہادۃ اور جو چیز مخلوق کے سامنے ہے رب تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے۔" ﴿الْعَزِیْزُ﴾ غالب ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس سے زیادہ مہربان اور کون ہو سکتا ہے؟ وہ رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے۔ ﴿الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ﴾ جس نے اچھا کیا ہر چیز کو جس کو اس نے پیدا کیا ہے۔

تخلیقِ انسانی

انسان کو دیکھو کہ اس کے اعضاء اعتدال کے ساتھ جہاں جہاں مناسب تھے وہاں وہاں لگائے ہیں عین فطرت کے مطابق۔ اگر ایک آنکھ بندے کی اتنی ہی ہوتی جتنی ہے اور دوسری بھینس کی آنکھ کے برابر ہوتی، ایک بازو اتنا ہوتا جتنا ہے اور دوسرا گھوڑے کی ٹانگ کے برابر لمبا ہوتا، ایک ٹانگ اتنی ہوتی اور دوسری ستون کے برابر لمبی ہوتی، وہ قادرِ مطلق ہے کر سکتا تھا پھر شکل کیا بنتی؟ مگر اس نے ہر عضو کو موزوں اور مناسب رکھا ﴿فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ [سورۃ انفطار] "جس صورت میں رب نے چاہا رب تعالیٰ نے اسی طرح بنا دی۔" اسی طرح باقی چیزوں کو دیکھ لو۔ ﴿وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ﴾ اور اس نے ابتدا کی انسان کی پیدائش کی گارے سے۔ خشک مٹی کو تراب کہتے ہیں اور طین گارے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ساری زمین سے خشک مٹی لی پھر اپنے دستِ قدرت سے اس کو گوندھا پانی ڈال کر پھر اس کو خشک کیا اس طرح کہ وہ بجتا تھا ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ ٹھیکری کی طرح۔ اس کو ﴿صَلْصَالٍ﴾ بھی کہتے ہیں بجنے والی مٹی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا وجود بنایا ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ﴾ پھر بنایا انسان کی نسل کو ﴿مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ﴾ حقیر پانی کے خلاصے اور نچوڑ سے۔ شہوت کے ساتھ بدن سے نکلے تو سارا بدن ناپاک ہو جاتا ہے۔ کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا ناپاک۔ اس ناپاک قطرے سے پھر سارے قطرے

سے بھی نہیں بلکہ اس میں جو جراثیم ہوتے ہیں ان سے انسان کو پیدا فرمایا۔

سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان سے بڑھ کر کوئی عجیب شے نہیں ہے کہ کس قطرے سے اس کو پیدا کیا اور کیا بنا دیا۔ کاش! کہ انسان اپنی حقیقت سمجھے کہ میں کیا ہوں؟ تو فرمایا پھر بنائی رب تعالیٰ نے انسان کی نسل حقیر پانی کے نچوڑ سے ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ﴾ پھر اس کو برابر کر دیا۔ اس کے اعضاء برابر کر کے اس کی شکل بنائی، ڈھانچا تیار کیا ﴿وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ اور پھونکی اس میں روح اپنی طرف سے۔ کہتے ہیں کہ چار ماہ میں ماں کے پیٹ میں بچے کا جسم تیار ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ اس میں روح پھونک دیتا ہے اور بچہ نقل و حرکت شروع کر دیتا ہے اور تقریباً پانچ ماہ تک اس کے بعد ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ نہ وہاں سانس لینے کی جگہ ہے اور نہ خوراک کا انتظام ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ سے ایک رگ (ناڑو) اس کی ناف کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں جس کے ذریعے اس کو خوراک پہنچتی رہتی ہے۔ اس کو اگر ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد ہوا نہ ملے تو زندہ نہیں رہ سکتا مگر وہاں زندہ رہا۔ اگر کوئی رب تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنا چاہے تو سمجھنا آسان ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رحم میں بچہ بند ہوتا ہے کوئی سوراخ نہیں ہوتا مگر فرشتہ روح پھونکنے کے لیے وہاں بھی پہنچ جاتا ہے اور کئی بچے ماں کے پیٹ ہی میں مر جاتے ہیں جان نکالنے والا بھی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ فرشتوں کے لیے یہ دیواریں ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لیے ہوا۔ دیکھو! قبر پر کتنی مٹی ڈالی جاتی ہے؟ ابھی لوگ وہیں کھڑے ہوتے ہیں کہ تُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ "اس کی روح اس کے وجود میں لوٹائی جاتی ہے۔" اتنی مٹی ڈالنے کے باوجود فرشتے روح لے کر پہنچ جاتے ہیں اور منکر نکیر بھی سوال جواب کے لیے پہنچ جاتے ہیں، علیہم السلام۔ اور سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ، مَنْ نَبِيُّكَ، مَا دِيْنُكَ۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے اِنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ "بے شک میت جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے۔" یعنی جب لوگ دفن کرنے کے بعد واپس جاتے ہیں۔ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ تو فرشتوں کے لیے مٹی اور دیواریں ہوا کی طرح ہیں جیسے ہوا پرندوں کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کا شکر

فرمایا ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ﴾ اور بنائے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کان جن کے ساتھ تم سنتے ہو ﴿وَالْاَبْصَارَ﴾ اور تمہارے لیے آنکھیں بنائیں جن کے ساتھ تم دیکھتے ہو ﴿وَالْاَفْئِدَةَ﴾ اور دل بنائے۔ اَفْئِدَہ فُؤَاد کی جمع ہے اور تمہارے لیے دل بنائے جن کے ساتھ تم سمجھتے ہو۔ رب تعالیٰ کے علاوہ یہ چیزیں اور کون دے سکتا ہے؟ ﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت تھوڑا تم شکر ادا کرتے ہو۔ سورۃ سبا آیت ۱۳ میں ہے ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ "اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں سے شکر ادا کرنے والے۔" اس کا اندازہ تم اس سے لگا لو کہ اس وقت (جس سال حضرت نے یہ درس دیا) تقریباً چالیس ہزار کی آبادی ہوگی لیکن صبح کی نماز کی حاضری تمام مسجدوں کی ملا کر ہزار بھی نہیں ہوگی۔ لوگ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں۔ جب ڈیوٹی پر

جانا ہوگا اور پیشاب پاخانہ تنگ کرے گا، ناشتے کا وقت ہوگا تب آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھیں گے۔ یہ شہر کی حالت ہے جہاں کچھ ماحول ہے اور دیہات کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ اور جو غیر مسلموں کے علاقے ہیں جہاں خدا کا نام ہی نہیں ہے وہاں اس کو کون یاد کرے گا؟ رب تعالیٰ کا ارشاد بالکل بجا ہے کہ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہا ان کافروں نے۔ کیا کہا؟ ﴿ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ﴾ کیا جس وقت ہم خلط ملط ہو جائیں گے، رَل مل جائیں گے زمین میں، خاک ہو جائیں گے، ہمارے اجزاء زمین کے اجزاء کے ساتھ رَل مل جائیں گے ﴿ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ کیا بے شک ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے۔ یعنی ان کے لیے یہ بڑی عجیب چیز تھی کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی، انسان زمین میں رل مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوگا۔ تعجب کے مارے پوچھتے تھے ﴿مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ ھِیَ رَمِیْمٌ﴾ [سورۃ یسین] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالاں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ "آپ کہہ دیں ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ زندہ کیا ہے۔" پہلی مرتبہ زندہ کرنے کا تو تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اپنی خلقت کا انکار بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فرمایا ﴿بَلْ ھُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ﴾ بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ کہتے ہیں کوئی قیامت نہیں ہے اور جو آدمی قیامت کا منکر ہوگا نہ اس میں نیکی کا جذبہ پیدا ہوگا اور نہ برائی سے بچنے کا جذبہ ہوگا۔ ان چیزوں کا احساس اور فکر تو اس کو ہوگا جس کو پتا ہو کہ میرا امتحان ہونا ہے۔ جس کو امتحان کی فکر ہو تیاری تو اس نے کرنی ہے، محنت تو اس نے کرنی ہے کہ قیامت والے دن، اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ میں نے تجھے بندہ بنایا تو نے بندوں والا کون سا کام کیا؟ میں نے تجھے اعضاء دیئے، جوانی دی، صحت دی، تو نے ان کو کہاں خرچ کیا؟ تندرستی سے کیا فائدہ اٹھایا؟ میں نے تجھے فراغت دی تھی تو نے وقت کہاں خرچ کیا؟ میں نے ان سوالوں کا جواب دینا ہے پھر تیاری بھی کرے گا۔ دیکھو! یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اگر وہ چھین لے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ اور دنیا کی کوئی طاقت یہ نعمتیں دے بھی نہیں سکتی لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اس پر اُس کا وعدہ ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ﴾ "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بالضرور تمھیں زیادہ دوں گا ﴿وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾ [ابراہیم: ۷] اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔" صحیح معنیٰ میں تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ اس کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ ہم یہ جو سانس لیتے ہیں جس سے دن رات ہماری نبض چلتی ہے ہم تو اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے اور حال یہ ہے کہ ہمیں اس نعمت کا احساس ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾ جان نکالتا ہے تمھاری موت کا فرشتہ جو مسلط کیا گیا ہے تم پر ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام عزرائیل علیہ السلام کے سپرد کیا ہے وہ اس محکمہ کے انچارج ہیں۔ ان کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں لیکن موت کے وقت کا کسی کو علم نہیں ہوتا۔ عین موقع پر اللہ تعالیٰ کا حکم ملتا ہے اور وہ جان نکال لیتے ہیں اور اس میں نہ وہ کوتاہی کرتے ہیں اور نہ ان سے بھول چوک

ہوتی ہے۔ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ یہ جو بعض لوگوں نے کہانیاں بنائی ہوئی ہیں کہ فرشتے نے اس نام کے دوسرے آدمی کی جان نکال لی یہ بالکل بے حقیقت اور غلط باتیں ہیں۔فرشتہ نہ بھولتا ہے اور نہ اس کو غلطی لگتی ہے۔

روزِ قیامت کافروں کی حالت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوْ تَرٰٓی﴾ اور اگر آپ دیکھیں ﴿اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ﴾ جس وقت کہ مجرم جھکائے ہوئے ہوں گے اپنے سروں کو ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے سامنے (اور کہیں گے) ﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا ﴿وَ سَمِعْنَا﴾ اور سن لیا ہم نے ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ پس ہمیں لوٹا دے دنیا کی طرف تاکہ ہم اچھے عمل کریں۔ وہاں منتیں کریں گے کہیں گے ﴿اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔ ہمیں یقین آ گیا ہے۔ اس وقت یقین کا کیا معنیٰ؟ اس وقت یقین کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اب یقین کرو اور اچھے عمل کرو، برائیوں سے باز آ جاؤ اگلے جہان افسوس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے ﴿وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ﴾ "جس دن کاٹیں گے ظالم لوگ اپنے ہاتھوں کو ﴿یَقُوْلُ﴾ کہیں گے ﴿یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا﴾ کاش کہ میں پکڑتا رسول کے ساتھ راستہ ﴿یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا﴾ [فرقان:۲۸] اے خرابی! کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔"

﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا﴾ اور اگر ہم چاہیں تو دے دیں ہر نفس کو اس کی ہدایت۔ یعنی سب کو ہدایت پر مجبور کر دیں۔ ان میں سے برائی کا مادہ ختم کر دیں۔ جیسے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے اسی طرح اگر وہ چاہے تو تمام نفوس انسانیہ کو اور تمام نفوس جنات کو ہدایت دے سکتا ہے کہ ان میں سے کفر کا مادہ ہی نکال دے لیکن ایسا کرے گا نہیں۔ کیونکہ پھر امتحان ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں اور کر سکنا اور چیز ہے، کرنا اور چیز ہے۔

پندرہویں پارے میں گزر چکا ہے ﴿وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ﴾ [بنی اسرائیل:۸۶] "اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو وحی بھیجی ہے ہم نے آپ کی طرف۔" اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے مگر نہ چھینی ہے اور نہ چھینے گا۔ تو کرنا اور چیز ہے، کر سکنا اور چیز ہے۔ رب تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے سکتا ہے جبراً لیکن اگر ایسا کرے تو اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس نے انسان کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے اپنے ارادے سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنے ارادے اور اختیار سے کفر اختیار کرے۔" اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ دیا ہے، قوت اور طاقت دی ہے، انسان اپنی نیکی اور بدی میں مختار ہے۔

اختلافی مسائل

دو تین مسئلے اختلافی ہیں وہ سمجھ لیں۔

① ...... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خلاف واقعہ بول سکتا ہے یا نہیں؟

خلافِ واقعہ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً : اس وقت تم سارے بیٹھے ہو اور میں کہوں کہ نہیں تم کھڑے ہو۔ یہ خلافِ واقعہ ہے۔ تو کیا اس کے بولنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے یا نہیں؟ اہلِ حق کہتے ہیں کہ قادر ہے، قدرت رکھتا ہے مگر نہ خلافِ واقعہ اس نے بولا ہے نہ بولتا ہے اور نہ بولے گا۔ معتزلہ، خارجی، رافضی اور بریلوی کہتے ہیں کہ رب کو ایسی قدرت ہی نہیں ہے۔

② ...... دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ مثلاً : ابوجہل، ابولہب کو جنت مین بھیجنا چاہے تو بھیج سکتا ہے یا نہیں؟

اہلِ حق کہتے ہیں کہ بھیج سکتا ہے مگر بھیجے گا نہیں کہ اس نے فرمایا ہے جنت کافروں پر حرام ہے۔ مگر شیعہ رافضی، خارجی، بریلوی اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نہیں بھیج سکتا۔ رب تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں ہے۔

③ ...... تیسرا مسئلہ امکانِ نظیر کا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟

اہلِ حق کہتے ہیں کہ قادر ہے، پیدا کر سکتا ہے۔ مگر نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور نہ ہی پیدا کرے گا۔

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

اور یہ سارے فرقے کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کو قدرت ہی نہیں ہے اور اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بھئی! تم نے رب تعالیٰ کی قدرت کو محدود کر دیا ہے۔ کرنا اور چیز ہے اور کر سکنا اور چیز ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شاہ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک ترین آدمی کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے؟ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان بھی فاروقی ہے یہ سید نہیں ہیں۔ تو مجدد صاحب جلال میں آگئے اور فرمایا اے پوچھنے والے! "اگر ہمہ را بہ دوزخ فرستادجائے اعتراض نیست۔" اگر اللہ تعالیٰ تمام نیکوں کو دوزخ میں بھیج دے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ مگر بھیجے گا نہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اس مسئلے پر کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر نہ وہ خلافِ واقعہ بولے گا نہ مشرکوں، کافروں کو جنت میں بھیجے گا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر پیدا فرمائے گا۔ کرنے اور کر سکنے میں بڑا فرق ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت دے سکتے ہیں ﴿وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ﴾ لیکن لازم ہو چکی ہے بات میری طرف سے ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ﴾ البتہ میں ضرور پُر کروں گا جہنم کو ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ جنات اور انسانوں سے اکٹھے۔ یعنی وہ اپنی مرضی سے نیکی اور بدی کریں گے اپنی مرضی سے ایمان لائیں گے اور اپنی مرضی سے کفر اختیار کریں گے جس کے نتیجے میں دوزخ میں جائیں گے۔ رب تعالیٰ زبردستی کسی پر نہیں کرتا۔

﴿فَذُوْقُوْا﴾ پس چکھو تم ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا مزہ ﴿نَسِيْتُمْ﴾ جو تم نے بھلا دیا تھا ﴿لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ اپنے اس دن کی ملاقات کو ﴿اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ﴾ بے شک ہم نے بھی تم کو بھلا دیا ہے ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ اور چکھو تم ہمیشہ کا عذاب ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس کے بدلے میں جو تم عمل کرتے تھے ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا﴾ ایمان لائے ہیں ہماری آیتوں پر ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا﴾ جب یاددہانی کرائی جاتی ہے ان آیتوں کے ذریعے ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا﴾ گر پڑتے ہیں سجدے میں ﴿وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر نہیں کرتے ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ﴾ الگ رہتے ہیں ان کے پہلو ﴿عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ بستروں سے ﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ پکارتے ہیں اپنے رب کو ﴿خَوْفًا﴾ خوف کرتے ہوئے ﴿وَّطَمَعًا﴾ اور طمع کرتے ہوئے ﴿وَّمِمَّا﴾ اور اس چیز میں سے ﴿رَزَقْنٰهُمْ﴾ جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿يُنْفِقُوْنَ﴾ خرچ کرتے ہیں ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ﴾ پس نہیں جانتا کوئی نفس ﴿مَّآ﴾ اس چیز کو ﴿اُخْفِيَ لَهُمْ﴾ جو ان کے لیے مخفی رکھی گئی ہے ﴿مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ آنکھوں کی ٹھنڈک ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بدلہ اس چیز کا جو وہ عمل کرتے تھے ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا﴾ کیا پس وہ شخص جو مومن ہے ﴿كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا﴾ اس کی طرح ہوگا جو فاسق ہے ﴿لَا يَسْتَوٗنَ﴾ یہ برابر نہیں ہیں ﴿اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿فَلَهُمْ﴾ پس ان کے لیے ہے ﴿جَنّٰتُ الْمَاْوٰى﴾ ٹھکانا جنتیں ﴿نُزُلًا﴾ مہمانی ہوگی ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کے بدلے جو وہ عمل کرتے تھے ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا﴾ اور بہرحال وہ لوگ جنھوں نے نافرمانی کی ﴿فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ پس ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا﴾ جب کبھی وہ ارادہ کریں گے ﴿اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ﴾ کہ اس سے نکل جائیں ﴿اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ تو لوٹا دیے جائیں گے اس میں ﴿وَقِيْلَ﴾ اور کہا جائے گا ﴿لَهُمْ﴾ ان کو ﴿ذُوْقُوْا﴾ چکھو ﴿عَذَابَ النَّارِ﴾ آگ کا عذاب ﴿الَّذِيْ﴾ وہ عذاب ﴿كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

ربط آیات

کل کے سبق کی آخری آیت کریمہ میں تم نے پڑھا ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ "البتہ ضرور بھروں گا میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے اکٹھے۔" تو جس وقت یہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو کہا جائے گا ﴿فَذُوْقُوْا﴾ پس چکھو تم ﴿بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ اس چیز کا مزہ کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس دن کی ملاقات کو۔ آج اس کا بدلہ چکھو۔

ملحدین کا اعتراض اور اس کا جواب

بعض ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ انسانوں کو دوزخ میں سزا کا ہونا تو سمجھ آتا ہے کیونکہ انسان خاکی ہیں اور دوزخ نار۔ لیکن جنات تو ناری ہیں تو آگ کو آگ میں کیا سزا ہوگی۔ قرآن کریم میں نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ سورۃ حجر آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ "اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی لو سے۔" سورۃ ص آیت نمبر ۷۶ میں ہے ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ "آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔" میں اس کو سجدہ کیوں کروں؟

تو ملحد کہتے ہیں کہ آگ کو آگ میں کیا سزا ہوگی؟ آسان جوابوں میں سے ایک جواب یہ ہے کہ محققین فرماتے ہیں جنات کو دنیا کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہوگی۔ تو اس تیز آگ کے مقابلے میں اس دنیا کی آگ کی کیا حیثیت ہے کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کا شکوہ کیا اے پروردگار! اس کی حرارت اور تپش مجھے کھا گئی۔ اتنا تفاوت اور فرق ہے ایک طبقے کا دوسرے طبقے سے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے کا شاکی ہے۔ لہٰذا جو دنیا کی آگ سے پیدا ہوئے ہیں ان کو جہنم کی آگ میں سزا ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہنم میں ایک طبقہ زمہریر ہے یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اس میں تو سزا ہوسکتی ہے۔ اگر کسی کو جنات کی سزا آگ میں سمجھ نہیں آتی تو زمہریر کے طبقے میں تو سمجھ آجانی چاہیے۔

تو دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد کہا جائے گا چکھو مزہ اس لیے کہ تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، میدان محشر کو بھلا دیا تھا، جنت و دوزخ کو بھلا دیا تھا، رب تعالیٰ کی عدالت میں کھڑے ہونے کو بھلا دیا تھا ﴿اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ﴾ بے شک ہم نے بھی تم کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نہیں بھولتا ﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا﴾ [مریم: ۶۴] "اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔" لیکن یہ ان کے جواب میں فرمایا۔ مراد یہ ہے کہ تم نے آج کے دن کی پروا نہیں کی آج مجھے تمھاری کوئی پروا نہیں ہے ﴿وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ اور چکھو تم ہمیشہ کا عذاب۔ کافر مشرک کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کی سزا ہوگی۔ وہ نہ ختم ہونے والی زندگی ہے جس کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس کے بدلے میں جو تم عمل کرتے تھے ﴿اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ﴾ پختہ بات ہے ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر وہ لوگ ﴿اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا﴾ جب ان کو یاد دہانی کرائی جاتی ہے ان آیتوں کے ذریعے۔ یعنی قرآن کریم کی آیات کے ذریعے ان کو توحید و رسالت اور قیامت کے مسائل یاد کرائے جاتے ہیں تو وہ فوراً ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا﴾ وہ گر پڑتے ہیں سجدے میں ﴿وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ یہ فرشتوں کی تسبیح ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے: اَفْضَلُ الْكَلَامِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ یہ وظیفہ بڑے بلند درجے کا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ساری صفات آجاتی ہیں۔

صفاتِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی صفات دوقسم کی ہیں، سلبی اور وجودی۔ سلبی ان صفات کو کہا جاتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی والدہ نہیں ہے، رب پیدا نہیں ہوا، اس کی اولاد نہیں ہے، وہ کھاتا نہیں ہے، وہ پیتا نہیں ہے، وہ سوتا نہیں ہے۔ تو 'نہیں نہیں' کے ساتھ جو صفات آتی ہیں وہ سلبی کہلاتی ہیں۔ ایک دفعہ کہا سبحان اللہ تو تمام سلبی صفات آگئیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ہر کمزوری سے۔ دوسری صفات وجودی اور ایجابی ہیں۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، خالق ہے، مالک ہے، رزاق ہے، بادشاہ بنانے والا ہے، گدا بنانے والا ہے۔ تو جو صفات 'ہے ہے' کے ساتھ آتی ہیں وہ ایجابی کہلاتی ہیں۔ تو جب کہا وَ بِحَمْدِہٖ تو یہ ساری صفات آگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا ذکر کثرت سے کرو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ۔

مستدرک حاکم حدیث کی کتاب ہے اس میں روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کلمے کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کشادہ فرمادیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ لیکن جلدی کھولتے ہیں یا دیر سے یہ رب تعالیٰ کی حکمت ہے مگر کھولتے ضرور ہیں۔ جب کہ ہم لوگ بڑے جلد باز قسم کے ہیں دو دن دعا کی، چار دن دعا کی مراد پوری نہ ہوئی تو ہم دعا ہی کرنی چھوڑ دیتے ہیں۔ دعا کرتے رہنا چاہیے اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں اس کو معلوم ہے کب منظور کرنی ہے۔ عوام میں مشہور ہے کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی دعا تین سو سال بعد قبول ہوئی تھی۔ رب بہتر جانتا ہے یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ تو اگر نوح علیہ السلام کی دعا تین سو سال بعد قبول ہوئی ہے تو پھر ہماری تو دو ہزار سال بعد قبول ہونی چاہیے تو دعا سے اُکتانا نہیں چاہیے۔

تو فرمایا وہ تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کی ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر نہیں کرتے ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ﴾ الگ رہتے ہیں پہلو ان کے ﴿عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾، مضجع کی جمع ہے بستر۔ الگ رہتے ہیں بستروں سے۔ رات کو نرم اور گرم بستر سے الگ ہوکر ﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ پکارتے ہیں وہ اپنے رب کو ﴿خَوْفًا﴾ خوف کرتے ہوئے رب کے عذاب سے ﴿وَّطَمَعًا﴾ اور طمع کرتے ہوئے رب کی رحمتوں کی۔ رات کو سحری کے وقت عبادت کا جو اثر ہے اور جو لطف ہے اس کو کوئی بیان نہیں کرسکتا۔

ان کی اور کیا صفت ہے ﴿وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ اور اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ مال دیا ہے، قوت بدنی دی ہے، علم دیا ہے، ہنر دیا ہے۔ مال دیا ہے مال خرچ کرتے ہیں، قوت بدنی دی ہے وہ استعمال کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرتے ہیں، علم دیا ہے وہ علم کے ساتھ لوگوں کی صحیح راہنمائی کرتے ہیں، عقل دی ہے اس کے ساتھ لوگوں کی صحیح راہنمائی کرتے ہیں۔ صرف مال ہی نہ سمجھو جو بھی کسی کو اللہ تعالیٰ نے نعمت دی ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کرو کثرت کے ساتھ کہ صدقے کی برکت سے بلائیں ٹلتی ہیں اِنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ الْبَلَآءَ اور صدقہ بُری موت سے بھی بچاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! اگر کسی کے پاس مال نہ ہو تو وہ کیا

صدقہ کرے؟ فرمایا تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ "ناتجربہ کار آدمی کو تم کوئی تجربے کی بات سکھا دو" یہ تمھارا صدقہ ہے۔ کہنے لگے حضرت! اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں؟ فرمایا امر بالمعروف نہی عن المنکر کرو۔ نیکی کا حکم دو برائی سے منع کرو۔ کہنے لگے حضرت! اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں؟ فرمایا پھر خاموش رہو کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ تو نیکی کی مدّات بہت ہیں۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

یہ آیت سجدہ ہے جس جس نے سنی ہے مردوں میں سے اور عورتوں میں سے اس پر سجدہ لازم ہو گیا ہے اور اس سجدے کی وہی شرائط ہیں جو نماز کے سجدے کی ہیں۔ باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا، نماز کا وقت ہونا، سورج کے طلوع ہونے کے وقت، غروب ہونے کے وقت، زوال کے وقت سجدہ کرو گے تو ادا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ یہ تین اوقات ہر قسم کے سجدے کے لیے مکروہ ہیں۔ صبح صادق کے بعد، سورج طلوع ہونے تک کوئی نفلی نماز جائز نہیں ہے۔ ہاں! قضا نمازیں پڑھ سکتا ہے، سجدہ تلاوت ادا کرسکتا ہے، نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرسکتا ہے۔ اسی طرح عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نفلی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نہ تحیۃ الوضو، نہ تحیۃ المسجد، نہ کوئی شکرانے کی نماز، ہاں! سجدہ تلاوت کرسکتا ہے کہ یہ واجب ہے۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے پڑھ سکتا ہے، قضا نمازیں بھی پڑھ سکتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرسکتا ہے، ذکر اذکار کرسکتا ہے، ان کے لیے قطعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور کئی دفعہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کو بے وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے زبانی پڑھ سکتے ہو۔ ذکر اذکار کے لیے وضو کی کوئی شرط نہیں ہے، نہ کسی حالت کی شرط ہے۔ بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، لیٹ کر، چلتے پھرتے، باوضو، بے وضو، ہر حالت میں ذکر کرسکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ﴾ پس نہیں جانتا کوئی نفس اس چیز کو جو ان کے لیے مخفی رکھی گئی ہے جنت میں ﴿مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ آنکھوں کی ٹھنڈک۔ یعنی وہ نعمتیں جن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی ان نعمتوں کا آج تصور بھی کوئی نہیں کرسکتا ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بدلہ ہوگا ان چیزوں کا جو وہ عمل کرتے تھے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [توبہ: ۱۲۰] "بے شک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکی کرنے والوں کے اجر کو" ایک رتی برابر بھی اگر کسی نے نیکی کی ہوگی تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اگر کسی نے ایک رتی برابر بھی بدی کی ہوگی تو اس کی سزا پائے گا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ معاف کر دے تو اس کے خزانوں میں کسی شے کی کمی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا﴾ کیا پس وہ شخص جو مومن ہے انصاف سے بتلاؤ ﴿كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا﴾ اس شخص کی طرح ہوگا جو فاسق ہے۔ مومن و کافر، نیک و بد برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿لَا يَسْتَوٗنَ﴾ یہ برابر نہیں ہیں۔ توحید اور شرک برابر نہیں ہیں، بدعت اور سنت برابر نہیں ہیں، حق و باطل برابر نہیں ہیں، سچ اور جھوٹ برابر نہیں ہیں تو ان کا بدلہ کیسے برابر ہو سکتا ہے۔ دنیا کی کوئی ایسی حکومت نہیں ہے جو وفادار اور غدار کو ایک نگاہ سے دیکھے۔ یہ نقطۂ نظر الگ ہے کہ حکومت غدار کس کو کہتی ہے اور

وفادار کس کو کہتی ہے؟ لیکن جس کو وفادار کہے گی اس کا نتیجہ اور ہوگا اور جس کو غدار کہے گی اس کا نتیجہ الگ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے ﴿ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ﴾، ماوٰی کا معنیٰ ہے ٹھکانا۔ پس ان کے لیے ٹھکانا جنتیں ہیں۔

بخاری شریف میں حدیث ہے فرمایا ایک چابک کی جگہ جنت کی اتنی قیمتی ہے کہ دنیا کے خزانے اس کی قیمت نہیں بن سکتے ﴿ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ مہمانی ہوگی ان کے اعمال کے بدلے کی جو وہ کرتے رہے ہیں۔ ان کے اعمال کے بدلے میں ان کی اللہ تعالیٰ عمدہ قسم کی مہمانی کرے گا جس کا آج کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

جہنمیوں کی سزا

یہ تو مومنوں کے لیے ہوگا ﴿ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ﴾ اور بہر حال وہ لوگ جو فاسق ہیں نافرمان ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، آگ کے شعلے ہوں گے ﴿ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا ﴾ جب کبھی وہ ارادہ کریں گے ﴿ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ ﴾ کہ وہ اس سے نکلیں ﴿ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ﴾ لوٹا دیئے جائیں گے اس میں۔ آگ کے شعلوں کے ساتھ چلتے ہوئے اوپر کو آئیں گے کنارہ دیکھ کر تھوڑا سا خوش ہوں گے کہ نکل چلے ہیں مگر کنارے پر فرشتے کھڑے ہوں گے ہتھوڑے لے کر وہ ان کے سر پر ماریں گے وہ پھر نیچے چلے جائیں گے۔ سورۃ حج آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴾ "ان کے لیے ہتھوڑے ہوں گے لوہے کے ﴿ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴾ [آیت: ۲۲] "جب وہ ارادہ کریں گے کہ وہ نکلیں اس (دوزخ) کے غم سے تو لوٹا دیئے جائیں گے اس کے اندر اور چکھو جلانے والے عذاب کا مزہ۔" تو دوزخ سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں! البتہ طبقوں میں سے اُوپر والا طبقہ نکل آئے گا جو اہل ایمان اور اہل توحید ہوں گے اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر نکل آئیں گے۔ یہ طبقہ خالی ہو جائے گا۔ باقی کسی طبقے میں عیسائی ہوں گے، کسی میں یہودی ہوں گے، کسی میں مشرک ہوں گے، کسی میں منافق ہوں گے، کسی میں مجوسی ہوں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ﴿ وَ قِیْلَ ﴾ اور کہا جائے گا ﴿ لَهُمْ ﴾ ان کو ﴿ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ ﴾ چکھو تم اس آگ کے عذاب کا مزہ ﴿ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ دنیا میں تم کہتے تھے ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے، نہ جنت ہے، نہ دوزخ ہے، نہ کوئی ثواب ہے نہ کوئی عقاب ہے۔ آج تم اس کا مزہ چکھو۔

﴿ وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ ﴾ اور البتہ ہم ضرور چکھائیں گے ان کو ﴿ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی ﴾ تھوڑا سا عذاب ﴿ دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ﴾ بڑے عذاب سے پہلے ﴿ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴾ تاکہ وہ لوٹ آئیں ﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ ﴾ اور کون زیادہ ظالم ہے ﴿ مِمَّنْ ﴾ اس شخص سے ﴿ ذُكِّرَ ﴾ جس کو یاد دہانی کرائی جائے ﴿ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ﴾ اس کے رب کی آیات کے

ساتھ ﴿ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا﴾ پھر وہ ان سے اعراض کرے ﴿اِنَّا﴾ بے شک ہم ﴿مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ مجرموں سے ﴿مُنْتَقِمُوْنَ﴾ انتقام لینے والے ہیں ﴿وَلَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ﴿فَلَا تَكُنْ﴾ پس آپ نہ ہوں ﴿فِيْ مِرْيَةٍ﴾ شک میں ﴿مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ اس کی ملاقات سے ﴿وَجَعَلْنٰهُ﴾ اور بنائی ہم نے وہ کتاب ﴿هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ہدایت بنی اسرائیل کے لیے ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ﴾ اور بنائے ہم نے ان میں سے ﴿اَئِمَّةً﴾ پیشوا ﴿يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ جو راہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم کے مطابق ﴿لَمَّا صَبَرُوْا﴾ جب انھوں نے صبر کیا ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور وہ تھے ہماری آیتوں پر ﴿يُوْقِنُوْنَ﴾ یقین رکھتے ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿هُوَ يَفْصِلُ﴾ وہ فیصلہ کرے گا ﴿بَيْنَهُمْ﴾ ان کے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿فِيْمَا﴾ ان چیزوں میں ﴿كَانُوْا فِيْهِ﴾ جن میں وہ ﴿يَخْتَلِفُوْنَ﴾ اختلاف کرتے تھے ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ﴾ کیا اور ان کو سمجھ نہیں آئی اس سے ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہلاک کیں ہم نے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ جماعتیں ﴿يَمْشُوْنَ﴾ یہ چلتے ہیں ﴿فِيْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ ان کے گھروں میں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ البتہ کئی نشانیاں ہیں ﴿اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ﴾ کیا پس وہ نہیں سنتے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ﴾ بے شک ہم چلاتے ہیں پانی کو ﴿اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ﴾ چٹیل زمین کی طرف ﴿فَنُخْرِجُ بِهٖ﴾ پس ہم نکالتے ہیں اس پانی کے ذریعے ﴿زَرْعًا﴾ کھیتی ﴿تَاْكُلُ مِنْهُ﴾ کھاتے ہیں اس سے ﴿اَنْعَامُهُمْ﴾ ان کے جانور ﴿وَاَنْفُسُهُمْ﴾ اور وہ خود بھی ﴿اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ﴾ کیا پس وہ دیکھتے نہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ﴾ کب ہوگی یہ فتح ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿يَوْمَ الْفَتْحِ﴾ فتح والے دن ﴿لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ﴾ نہیں نفع دے گا ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْٓا﴾ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿اِيْمَانُهُمْ﴾ ان کا ایمان ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ اعراض کریں ان سے ﴿وَانْتَظِرْ﴾ اور انتظار کریں ﴿اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ بے شک وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیات

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ہم ضرور چکھائیں گے ان کو ﴿مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى﴾ تھوڑا سا عذاب، ادنیٰ قسم کا عذاب ﴿دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ﴾ بڑے عذاب سے پہلے۔ کیوں؟ چکھائیں گے ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ

یہ لوٹ آئیں۔ کفر و شرک سے، گناہوں سے باز آ جائیں۔ اصل عذاب تو شروع ہو گا مرنے کے بعد۔ قبر کا عذاب، برزخ کا عذاب، پھر میدان محشر کا عذاب، پھر پل صراط کا عذاب، پھر دوزخ کا عذاب، پھر عذاب ہی عذاب ہے۔ لیکن رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کو تھوڑی سی سزا دنیا میں بھی دیتے ہیں تاکہ گناہوں سے باز آ جائیں، نافرمانیوں سے باز آ جائیں۔ وہ سزا کبھی گرمی کے ساتھ ہو گی، کبھی قحط سالی کے ساتھ، کبھی سیلاب کے ساتھ سزا ہو گی، کبھی چیزوں کی گرانی کی وجہ سے ہو گی اور کبھی زلزلے کے ساتھ سزا ہو گی۔ بارشوں کا زیادہ ہونا بھی خدا کا عذاب ہے۔ کبھی دشمن کا خوف، کبھی بدنی بیماری کے ساتھ۔ دیکھو! آج کل (جن دنوں حضرت نے یہ درس دیا تھا) ہندوستان میں کچھ لوگ طاعون کا شکار ہوئے جس کی وجہ سے سارا یورپ اور سارا ایشیا کانپ رہا ہے۔ وہاں نہ کوئی جہاز جا رہا ہے اور نہ وہاں سے کوئی جہاز آ رہا ہے مگر کوئی سمجھے تب۔ حالاں کہ آدمی چند ہی مرے ہیں۔ اس سے زیادہ تو بس اور جہاز کے حادثے میں مر جاتے ہیں مگر ان چیزوں کو سمجھے کون؟ جب انسان انسانیت سے گرتا ہے تو پھر حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ [اعراف:۱۷۹] "یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔" اگر انسان، انسان ہو تو پھر ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ [سورۃ البینۃ : پارہ ۳۰] "یہ لوگ ساری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔" تو یہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں بہتر ہوتا ہے اور جس وقت انسانیت سے گر جائے تو ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ [سورۃ البینۃ : پارہ ۳۰] "یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔" گدھے، کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہوتا ہے۔

تمام تفسیروں اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتے، کتیا، بلے، بلی، خنزیر، خنزیرنی اور چوہا، چوہیا کو جگہ ملی مگر نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کو جگہ نہ ملی کہ انسانیت سے گر چکا تھا توحید اختیار نہ کی مشرک تھا۔ تو فرمایا بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب دیتا ہوں تاکہ وہ لوٹ آئیں۔ فرمایا ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ﴾ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے ﴿ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾۔ تذکیر کا معنیٰ ہوتا ہے بار بار یاد دلانا۔ جس کو بار بار یاد دہانی کرائی جائے اس کے رب کی آیات کے ساتھ۔ قرآن کریم کے ذریعے جو آسمانی کتابوں میں سب سے بلند درجہ کتاب ہے۔ جس طرح کائنات میں سب سے پہلا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے دوسرا درجہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے تیسرا درجہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اسی طرح تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں پہلا درجہ قرآن کریم کا ہے دوسرا تورات کا ہے۔ ﴿ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا﴾ پھر وہ ان سے اعراض کرے ﴿اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

فرمایا ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات ﴿فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ پس آپ نہ ہوں شک میں اس کی ملاقات سے۔ اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ہ ضمیر کا مرجع کتاب ہے۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات کے ملنے کے بارے میں شک نہ کریں ان کو کتاب ضرور ملی ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ہ ضمیر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تو پھر مطلب یہ ہو گا اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے بارے میں شک نہ کریں۔ معراج کی رات چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی اور ان کے مشورہ سے نمازوں میں تخفیف ہوئی۔

تین عرشی تحفے !

وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں تین تحفے ملے۔

① ...... ایک سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے لے کر آخر تک۔ یہ آیتیں جبرئیل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر براہ راست رب تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔

② ...... دوسرا یہ وعدہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے جو اس حال میں مرے گا کہ لَا یُشْرِكُ بِیْ شَیْئًا اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا میں اس کی مغفرت کر دوں گا۔ پہلے قدم پر ہو یا آخر پر ہو مغفرت ضرور ہوگی۔

③ ...... اور تیسرا تحفہ چوبیس گھنٹوں میں پچاس نمازیں۔

یہ لے کر آپ ساتویں آسمان پر تشریف لائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کیا تحفہ لے کر آئے ہو؟ فرمایا یہ تحفہ ہے۔ انھوں نے کوئی بات نہ کی۔ چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انھوں نے پوچھا کیا تحفہ ملا ہے؟ فرمایا یہ تین تحفے عنایت ہوئے ہیں۔ فرمایا میرے تجربے سے فائدہ اٹھاؤ میری قوم نے دو نمازیں چوبیس گھنٹوں میں پوری نہیں کیں واپس جا کر رب تعالیٰ سے درخواست کر کے کمی کراؤ۔ یہ پچاس نمازیں نہیں پڑھیں گے تو پانچ کم ہوگئیں۔ دوسری دفعہ اور پانچ کم ہوگئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر نو چکر لگائے پینتالیس معاف ہوگئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ایک چکر اور لگا لو۔ فرمایا نہیں اب مجھے رب سے شرم آتی ہے۔ شرم اس بات پر آتی ہے کہ کافی دفعہ جا چکا ہوں۔ تو یہ جو ملاقات ہوئی تھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں آپ شک نہ کریں وہ موسیٰ علیہ السلام ہی سے ملاقات تھی۔ ﴿وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اور بنائی ہم نے وہ کتاب ہدایت بنی اسرائیل کے لیے۔ ﴿وَجَعَلْنٰهُ﴾ کی ہ ضمیر کتاب کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے یعنی یہ کتاب بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ پھر معنیٰ ہوگا بنایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لیے راہنما ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً﴾ اور ہم نے بنائے بنی اسرائیل میں سے امام۔ امام کا معنیٰ پیشوا، راہنمائی کرنے والا۔ ﴿یَّهْدُوْنَ﴾ راہنمائی کرتے تھے لوگوں کی ﴿بِاَمْرِنَا﴾ ہمارے حکم کے مطابق۔ حق کی راہنمائی کرتے تھے۔ امام ان کو کب بنایا ﴿لَمَّا صَبَرُوْا﴾ جس وقت انھوں نے صبر کیا تکالیف پر، عہدہ مفت میں نہیں ملتا ﴿وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ﴾ اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر یقین رکھا ہم نے ان کو امام بنایا اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے اعراض کیا تو اس کے متعلق سن چکے ہو ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا﴾ "اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کو اس کے رب کی آیات کے ساتھ یاد دہانی کرائی جائے پھر وہ ان سے اعراض کرے۔" یاد رکھنا! اصل کام رب تعالیٰ کی طرف دعوت ہے، حق کی راہنمائی کرنا ہے، لوگوں کی اصلاح کرے جتنی توفیق ہو۔ اور نہ سہی کم از کم گھر کے افراد ہی کی فکر کرے۔ آج ہم نے یہ سمجھا ہے کہ بس دنیا کمانا ہے۔ بے شک دنیا کمانے سے شریعت نہیں روکتی تجارت کرو، کھیتی باڑی کرو، جائز قسم کی ملازمت اختیار کرو مگر خدا کو نہ بھولو، دین کو نہ بھولو، موت، قبر اور آخرت کو نہ بھولو۔ ان چیزوں کو سبق کے طور پر سامنے

رکھو ہم مسلمان ہیں نماز ہمارے ذمہ ہے، ہم نے مرنا ہے قبر میں جانا ہے فرشتوں کے ذریعے رب تعالیٰ نے امتحان لینا ہے ﴿مَنْ رَّبُّكَ﴾ تمھارا رب کون ہے، تم کس نبی کے اُمتی ہو، تم کس دین پر تھے؟

فرمایا ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک آپ کا رب ہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿فِيْمَا﴾ ان چیزوں میں ﴿كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن میں اختلاف کرتے تھے۔ عقائد میں اختلاف، اعمال میں اختلاف، ذاتیات میں اختلاف، دین کا اختلاف، سیاست کا اختلاف، لیکن دین کا اختلاف۔ دنیا میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ سچا جھوٹا ہو جاتا ہے چاہے قاضی، جج کتنی دیانت داری سے کام لیں دھوکا ہو جاتا ہے لیکن وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ وہاں کوئی گڑبڑ نہیں کر سکے گا صحیح سچا فیصلہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ﴾ کیا ان لوگوں کو سمجھ نہیں آئی اس سے ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے ﴿مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ جماعتیں۔ قرن کے معنیٰ صدی کے بھی آتے ہیں اور جماعت کے بھی آتے ہیں۔ ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کیں نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم، موسیٰ علیہ السلام کی قوم ﴿يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ یہ چلتے ہیں ان کے گھروں میں، ان کی جگہوں میں۔ جہاں وہ رہتے تھے وہاں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ تو جو رب اُن کو ہلاک کر سکتا ہے وہ تمھیں بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ وہی جرم تمھارے اندر بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حالات سنا کر تمھیں سبق دیا ہے اس کو مت بھولو ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں کئی نشانیاں ہیں رب تعالیٰ کی قدرت کی ﴿اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ﴾ کیا پس یہ سنتے نہیں ہیں۔ ایسا سننا کہ جس کے بعد قبول کریں۔ محض سننا کیا سننا ہوا؟ وہ سننا معتبر ہے جس کے بعد عمل ہو۔

رب تعالیٰ اپنی قدرت کی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ﴾ بے شک ہم چلاتے ہیں پانی ﴿اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ﴾ ایسی زمین کی طرف جو چٹیل ہے جس میں نہ کھیت، نہ درخت، نہ گھاس کچھ بھی نہیں ﴿فَنُخْرِجُ بِهٖ﴾ پس ہم نکالتے ہیں اس پانی کے ذریعے ﴿زَرْعًا﴾ کھیتی ﴿تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ﴾ کھاتے ہیں اس سے ان کے جانور ﴿وَاَنْفُسُهُمْ﴾ اور وہ خود بھی کھاتے ہیں اناج، پھل، سبزیاں۔ رب تعالیٰ کی اس قدرت پر تم غور نہیں کرتے۔ مصر کا علاقہ تھا وہاں رودِ نیل تھے ان کے ذریعے زمینیں سیراب ہوتی تھیں۔ آج بھی نہروں کے فوائد سے کون انکار کر سکتا ہے ہمیشہ تو بارش نہیں ہوتی۔ اگر انسان خدا کی قدرت دیکھنا چاہے تو دنیا میں بہت کچھ ہے اور اگر آنکھیں بند کر لے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

اگر آدمی آنکھیں کھول کر دیکھے تو بہت کچھ نظر آتا ہے۔ فرمایا ﴿اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ﴾ کیا پس وہ دیکھتے نہیں ہیں رب تعالیٰ کی قدرت کو ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ کب ہوگی یہ فتح اگر تم سچے ہو۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور حقیقت کھول کر رکھ دے گا تو وہ کہتے تھے کہ وہ فیصلہ والا دن، حقیقت کھولنے والا، دن کب ہوگا؟ مذاق کرتے تھے قیامت کب قائم ہوگی، فیصلہ کب ہوگا؟

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اور پچھلی سورت میں گزر چکا ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم۔" نہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا وقت کسی کو بتلایا ہے اور نہ مرنے کا وقت کسی کو بتلایا ہے۔ یہ بنیادی عقائد ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مرنے کا وقت بتلا دیتا تو امتحان ختم ہو جاتا کیونکہ جب کسی کے علم میں ہوتا ہے کہ میں نے دس سال کے بعد مرجانا ہے تو وہ ابھی سے تیاری شروع کر دیتا اور سوکھنا (پتلا اور کمزور ہونا) شروع ہو جاتا۔ امتحان اسی میں ہے کہ موت کا وقت کسی کو نہ بتلایا جائے۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿یَوْمَ الْفَتْحِ﴾ فیصلے والے دن یعنی جس دن فیصلہ ہوگا ﴿لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا﴾ نہیں نفع دے گا ان کو جو کافر ہیں ﴿اِیْمَانُھُمْ﴾ ان کا ایمان۔ بڑی منتیں کریں گے لیکن شنوائی نہیں ہوگی۔ پرسوں کے سبق میں تم سن (اور پڑھ) چکے ہو کہیں گے پروردگار! ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم اچھے کام کریں لیکن یاد رکھنا! اس جہان سے واپس آنا مشکل ہے اب کرلو جو کچھ کرنا ہے۔ ے

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جواز جو

"اے بندے اپنے اعمال کے نتیجے سے غافل نہ ہو۔ اگر تم یہاں گندم کاشت کرو گے تو وہاں گندم کاٹو گے اور اگر جو کاشت کرو گے تو وہاں جو کاٹو گے۔"

اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کاشت تو کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اُمیدیں سب کچھ کاٹنے کی لگائے بیٹھے ہیں۔

فرمایا کافروں کو فیصلے والے دن ایمان فائدہ نہیں دے گا ﴿وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ فوراً عذاب میں داخل کر دیئے جائیں گے ﴿فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ﴾ پس آپ اعراض کریں ان سے یعنی ان کی باتوں کو، ان کے مذاق اُڑانے کو خاطر میں نہ لائیں، پروا نہ کریں ﴿وَانْتَظِرْ﴾ اور انتظار کریں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا ﴿اِنَّھُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ بے شک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں کہ فیصلہ کیا ہوتا ہے، حقیقت کیا ہے، حق کیا ہے، باطل کیا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِيۡر

سُوۡرَةُ الۡاَحۡزَابِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ اُتۡلُ مَآ اُوۡحِيَ ، وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ

(۲۱) (۲۲)

آیاتھا ۷۳ (۳۳) سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۰) رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اتَّقِ اللّٰہَ﴾ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ لَا تُطِعِ﴾ اور اطاعت نہ کرو ﴿الْکٰفِرِیْنَ﴾ کافروں کی ﴿وَالْمُنٰفِقِیْنَ﴾ اور منافقوں کی ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَّاتَّبِعْ﴾ اور پیروی کریں آپ ﴿مَا یُوْحٰٓی﴾ اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے ﴿اِلَیْکَ﴾ آپ کی طرف ﴿مِنْ رَّبِّکَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿کَانَ﴾ ہے ﴿بِمَا﴾ اس کارروائی سے ﴿تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿خَبِیْرًا﴾ خبر رکھنے والا ﴿وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ﴾ اور آپ بھروسا رکھیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ﴿وَ کَفٰی بِاللّٰہِ﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ ﴿وَکِیْلًا﴾ کارساز ﴿مَا جَعَلَ اللّٰہُ﴾ نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ﴿لِرَجُلٍ﴾ کسی مرد کے لیے ﴿مِّنْ قَلْبَیْنِ﴾ دو دل ﴿فِیْ جَوْفِہٖ﴾ اس کے سینے میں ﴿وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ﴾ اور نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمھاری بیویاں ﴿الّٰٓئِیْ تُظٰھِرُوْنَ مِنْھُنَّ﴾ جن سے تم ظہار کرتے ہو ﴿اُمَّھٰتِکُمْ﴾ تمھاری مائیں ﴿وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ﴾ اور نہیں بنائے تمھارے منہ بولے بیٹے، حقیقی بیٹے ﴿ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ﴾ یہ تمھاری باتیں ہیں ﴿بِاَفْوَاھِکُمْ﴾ اپنے مونہوں سے ﴿وَاللّٰہُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿یَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ حق بات کہتا ہے ﴿وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ﴾ اور وہ راہنمائی کرتا ہے سیدھے راستے کی ﴿اُدْعُوْھُمْ﴾ نسبت کرو ان کی ﴿لِاٰبَآئِھِمْ﴾ ان کے باپوں کی طرف ﴿ھُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ﴾ یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا﴾ پس اگر تم نہیں جانتے ﴿اٰبَآءَھُمْ﴾ ان کے باپوں کو ﴿فَاِخْوَانُکُمْ﴾ پس وہ تمھارے بھائی ہیں ﴿فِی الدِّیْنِ﴾ دین میں ﴿وَمَوَالِیْکُمْ﴾ اور تمھارے دوست ہیں ﴿وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ﴾ اور نہیں ہے تمھارے اُوپر کوئی گناہ ﴿فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِہٖ﴾ اس چیز میں جو تم نے خطا کی ہے ﴿وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ﴾ اور لیکن گناہ ہے اس چیز کے بارے میں جو تمھارے دلوں نے پختہ ارادہ کیا ہے ﴿وَ کَانَ اللّٰہُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِیْمًا﴾ مہربان۔

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام سورۃ الاحزاب ہے۔ اَحْزَاب حِزْبٌ کی جمع ہے۔ حِزْبٌ کا معنیٰ ہے گروہ، خاندان، قبیلہ اور طائفہ۔

اس سورت کے دوسرے رکوع میں غزوہ احزاب کا واقعہ آ رہا ہے جو ہجرت کے چوتھے سال ہوا۔ اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ خندق اس لیے کہ مدینہ طیبہ کے ایک طرف بہت گہری خندق کھودی گئی تھی تا کہ دشمن یک بارگی حملہ نہ کر سکے۔ اور احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کافروں کے مختلف خاندان اتفاق کر کے اسلام کے خلاف نکلے تھے۔ چوں کہ اس میں احزاب کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کا نام سورۃ الاحزاب ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نوے [۹۰] نمبر ہے۔ اس کے نو [۹] رکوع اور تہتر [۷۳] آیات ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اتَّقِ اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ خطاب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر سمجھایا اُمت کو گیا ہے۔ فارسی کا مقولہ ہے:

گفتہ آید در حدیث دیگراں

کہ سنانا کسی کو ہوتا ہے اور سمجھانا کسی کو ہوتا ہے۔ تو پیغمبر کو خطاب کر کے ہمیں، تمھیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو سمجھایا ہے کہ ہر وقت خدا کا خوف دل میں رکھو ﴿وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور اطاعت نہ کرو کافروں کی ﴿وَ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ اور نہ منافقوں کی اطاعت کرو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے اُمت کو سمجھایا ہے کافر چاہے کتنا خیر خواہی کا اظہار کرے اس میں اس کا کفر ضرور چھپا ہوا ہوگا۔ منافق چاہے جتنے مخلص نظر آئیں اس میں ان کا نفاق شامل ہوگا۔ کافر قوم نے کبھی اپنے کفر کو چھوڑ کر کسی کے ساتھ ہمدردی نہیں کی۔

ایک واقعہ

۱۹۴۰ء کے قریب کا واقعہ ہے ہم دار العلوم دیو بند میں پڑھتے تھے تین سو بتیس [۳۳۲] کی کلاس تھی۔ بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا کہ ایک ساتھی نے اخبار کا تراشا حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیا کہ ظاہر شاہ نے روس کی پیش کش کو مان لیا ہے کہ افغانستان کے طلبہ روس میں آ کر پڑھیں تو ان کا خرچہ ہم برداشت کریں گے اور روس سے اساتذہ پڑھانے کے لیے تمھارے کالجوں میں بھیجیں گے اور ان کی تنخواہ ہمارے ذمہ ہوگی۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اخبار کا تراشا پڑھ کر رونے لگ گئے اور فرمایا ظاہر شاہ! بڑی نادانی کی بات ہے ظاہر شاہ! بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ یہ قومیں پہلے اپنے نظریات پہنچاتی ہیں امداد تو بعد کی بات ہے۔ حضرت نے جو کچھ فرمایا تھا اسی طرح ہوا وہاں سے جو پڑھ کر آئے تھے آج کل وہی اسلام کے مقابلے میں آئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے جب پہلی کھیپ پڑھ کر آئی تو ایک کے باپ نے کہا بیٹے! میں تمھاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میری شادی میری بہن کے ساتھ کر دو۔ باپ نے کہا کیا..... کیا کہہ رہے ہو؟ بیٹے نے کہا کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میری شادی میری بہن کے ساتھ کر دو۔ سب عورتیں ایک ہی مقصد کے لیے ہیں۔ والد غیرت مند تھا اس نے بیٹے کو اسی وقت گولی مار کر ختم کر دیا۔ یہ قومیں کبھی مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچاتیں۔ اس میں ان کے مقاصد ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ویسے ہی نہیں فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو۔

اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ان کے مکمل اطاعت گزار ہیں۔ ہمارے اقتصادی معاملات سارے وہاں سے بن کر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری بجلی اور گیس کی قیمتیں بھی وہ مقرر کرتے ہیں۔ جب وہ ان کو کہتے ہیں کہ بجلی اور گیس کی قیمتیں بڑھادو توان کی کیا مجال ہے کہ نہ بڑھائیں بلکہ یہ بے چارے تو لباس ان کے اشارے پر بدلتے ہیں۔ اس ملک کو کون آزاد کہہ سکتا ہے؟ ہم پہلے برطانیہ کے غلام تھے اور اب امریکہ کے غلام ہیں۔ یہ درمیان والے ان کے مہرے اور کارندے ہیں ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ روز بہ روز تمھیں اسلام سے دور کریں گے قریب نہیں آنے دیں گے۔

تو یہ سبق یاد رکھنا! کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور کافروں اور منافقوں کی کبھی بھی اطاعت نہ کرو۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ﴾ اور آپ پیروی کریں اس چیز کی جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے۔ قرآن پاک اور حدیث شریف کی پیروی کریں ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والا۔ لہٰذا اس بات کو نہ بھولنا کہ معاملہ تمھارا رب تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ جب کافروں کے ساتھ بھی تعلق نہیں رکھنا اور منافقوں کے ساتھ بھی نہیں رکھنا تو ان کے بغیر دنیاوی معاملات کیسے چلیں گے؟ جیسے آج کل سیاست دانوں کی منطق ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور آپ بھروسا کریں اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔ کافروں اور منافقوں کے اختیار میں کیا ہے۔ اور سورۃ طلاق آیت نمبر ۲ اور ۳ میں ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ "اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے بنا تا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نکلنے کا سامان ﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اور روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ اور جو شخص بھروسا کرے گا اللہ تعالیٰ پر تو وہ اس کے لیے کفایت کرنے والا ہے۔"

فرمایا ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔ قرآن کریم کے جتنے تراجم ہیں ان سب میں حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ پہلے نمبر پر ہے۔ لیکن چوں کہ اُردو بہت پرانی ہے ان کے بعض لفظ لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ مثلاً: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ کا انھوں نے ترجمہ کیا ہے "اللہ نرادھار ہے۔" اس کو آج کل کے اُردو والے نہیں سمجھ سکتے لہٰذا اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ترجمے کو سامنے رکھتے ہوئے بہترین ترجمہ کیا ہے اور مشکل الفاظ میں آسانی پیدا کی ہے۔ نرادھار کا معنیٰ ہے بے نیاز۔ تو حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَكِيْلًا﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں کارساز، کام بنانے والا۔ سب کے کام بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کافروں اور منافقوں کے پاس کیا تلاش کرتے پھرتے ہو؟

شانِ نزول اور ایک فقہی مسئلہ

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک کافر تھا معمر بن اسد۔ اس کی کنیت تھی ابو جمیل۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میرے دو دل ہیں۔ ظاہری طور پر باتیں بڑی سمجھ داری کی کرتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ

میرے دو دل ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک دل ہے تم اس کی بات سنتے ہو میری کیوں نہیں سنتے ؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس دعویٰ کی تردید فرمائی ہے ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ﴾ نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے کسی مرد کے لیے ﴿مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ دو دل اس کے سینے میں۔

سینے میں کسی کے دو دل نہیں ہوتے

دل ایک ہی ہے۔ یہ خواہ مخواہ تم پر رعب ڈالتا ہے۔ کافروں کی یہ بات صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے دو دل کسی کے نہیں بنائے۔ تو ابو جمیل رعب ڈالنے کے لیے کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں۔

رعب ڈالنے کی مناسبت سے ایک فقہی مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی ایسا کرتے تھے اور آج کل بھی اس پر عمل ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑتا ہے تو بسا اوقات کہہ دیتا ہے تم میری ماں ہو، بیٹی ہو، دادی ہو۔ یہ کنائے کے الفاظ ہیں۔ ان کا نتیجہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔ اگر ان الفاظ کے ساتھ طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق نہیں ویسے ہی رعب ڈالنے کے لیے کہے گا تو طلاق نہیں ہوگی مگر الفاظ بُرے ہیں۔ اور اگر ان میں تشبیہ کا لفظ آ جائے، تو میری ماں کی طرح ہے، دادی کی طرح ہے تو اس کو شریعت میں ظہار کہتے ہیں۔ اس کا کفارہ اٹھائیسویں پارے میں مذکور ہے۔ غلام آزاد کرے گا یا ساٹھ روزے رکھے گا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا تب بیوی کے پاس جا سکے گا ورنہ نہیں۔ کیوں کہ یہ محرمات ابدیہ ہیں جن کے ساتھ کبھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تشبیہ نہیں دی ویسے کہہ دیا کہ تو میری ماں ہے، میری بہن ہے تو اس سے اگر طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق ہو جائے گی۔ اگر طلاق کی نیت نہیں کرے گا تو طلاق نہیں ہوگی مگر الفاظ بُرے ہیں۔ یعنی ایسا کہنا مناسب نہیں ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ رائج تھا کہ جس عورت کو اپنی ماں بہن کے ساتھ تشبیہ دے دیتے تھے اس کے ساتھ ساری زندگی بیوی والا معاملہ نہیں کرتے تھے کہتے تھے ماں ہو گئی ہے، بہن ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ﴾ اور نہیں بنائیں اللہ تعالیٰ نے تمھاری وہ بیویاں ﴿تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ جن سے تم ظہار کرتے ہو تمھاری مائیں۔ ظہر کا معنیٰ ہے پیٹھ۔ یعنی اپنی بیوی کو ماں کی پیٹھ کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اور یوں کہتا ہے اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ "تو میرے اُوپر ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔" تو اس کو ظہار کہتے ہیں۔ کفارہ دینے کے بعد بیوی کے پاس جا سکتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس کو سچ مچ ماں سمجھ لیتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رب نے تمھاری بیویوں کو مائیں نہیں بنایا مگر یہ بُرے لفظ جو استعمال کیے ہیں ان کا کفارہ ادا کرو۔

فرمایا ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ﴾۔ اَدْعِيَا دِعِيٌّ کی جمع ہے اور دِعِيٌّ کا معنیٰ ہے کسی کو بیٹا کہہ کر بلایا جائے۔ متبنّٰی لے پالک، منہ بولا بیٹا۔ تو فرمایا یہ جو تمھارے منہ بولے بیٹے ہیں وہ رب نے تمھارے بیٹے نہیں بنائے نہ ان کو وراثت ملے گی نہ دوسرے اولاد والے احکام نافذ ہوں گے۔ ﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ یہ تمھارے منہ کی باتیں ہیں۔ اس سے رب تعالیٰ

کے احکام پر کوئی زد نہیں پڑتی ﴿وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے ﴿وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ﴾ اور وہ راہنمائی کرتا ہے سیدھے راستے کی ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ نسبت کرو ان کی ان کے باپوں کی طرف، پکارو ان کو ان کے باپ دادا کی طرف نسبت کر کے ﴿هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی انصاف والی ہے۔ تاکہ عوام کو مغالطہ نہ لگے۔ تم نے اس کو پیار سے بیٹا کہا ہے وہ حقیقی بیٹا نہ سمجھ لیں ﴿فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ﴾ پس اگر تم نہیں جانتے ان کے باپوں کو ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ پس وہ تمھارے بھائی ہیں دین میں ﴿وَمَوَالِیْكُمْ﴾ اور تمھارے دوست ہیں۔ ان کو اخونا ومولانا کہہ کر پکارو۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنّٰی بنایا تھا۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنْتَ اَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا ”تم ہمارے بھائی ہو، دوست ہو۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے ﴿فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ﴾ اس چیز میں جو تم نے خطا کی ہے۔ مثلاً: لوگ کہتے تھے زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ چوں کہ نیا نیا حکم آیا تھا لہٰذا خطأً اگر منہ سے نکل جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ ﴿وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ اور لیکن گناہ ہے اس چیز کے بارے میں جو تمھارے دلوں نے پختہ ارادہ کیا ہے۔ یعنی اب اگر قصداً غیر باپ کی طرف نسبت کرو گے تو گناہ ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اپنی قوم بدلتے ہیں میں ان سے بیزار ہوں وہ کافر ہیں۔ قومیت بدلنا بڑے گناہوں میں سے ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔

﴿اَلنَّبِیُّ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ﴿اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ زیادہ قریب ہیں ایمان والوں کے ﴿مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ان کی جانوں سے ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ﴾ اور نبی کی بیویاں ﴿اُمَّهٰتُهُمْ﴾ ان کی مائیں ہیں ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ اور قریبی رشتہ دار ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ﴾ ان میں بعض بعض کے زیادہ قریب ہیں ﴿فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ایمان والوں سے ﴿وَالْمُهٰجِرِیْنَ﴾ اور ہجرت کرنے والوں سے ﴿اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا﴾ مگر یہ کہ کرو تم ﴿اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا﴾ اپنے دوستوں کے ساتھ بھلائی ﴿كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ ہے یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا﴾ اور جس وقت لیا ہم نے ﴿مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ﴾ انبیاء علیہم السلام سے ان کا عہد ﴿وَمِنْكَ﴾ اور آپ سے ﴿وَمِنْ نُّوْحٍ﴾ اور نوح علیہ السلام سے ﴿وَّاِبْرٰهِیْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام سے ﴿وَمُوْسٰی﴾ اور موسیٰ علیہ السلام سے ﴿وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ﴾ اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے ﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا﴾ اور لیا ہم نے ان سے پختہ عہد ﴿لِّیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ تاکہ پوچھے اللہ تعالیٰ سچوں سے ﴿عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ ان کی سچائی کے بارے میں ﴿وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ اور تیار کیا ہے اس نے کافروں کے لیے عذاب دردناک۔

ماقبل سے ربط

اس سے قبل یہ بیان ہوا تھا کہ منہ بولے بیٹے کی نسبت ان کے ماں باپ کی طرف کرو اپنی طرف نہ کرو۔ اگر تمھیں ان کے باپ دادا کا علم نہیں ہے تو پھر وہ تمھارے بھائی ہیں دین میں اور تمھارے دوست ہیں۔ ضمناً یہ بات بھی آ گئی کہ آج سے زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر نہ پکارو۔ اور آگے آ رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ تو اس سے وہم گزرتا تھا کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اب کسی اُمتی سے تعلق نہیں رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے رشتہ بتلا کر وہم کو دور کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتۂ قرابت مسلمانوں کے لیے ان کی ذات سے بھی زیادہ ہے۔

اولیٰ بالمومنین کی تفسیر

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نورِ اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے اور آفتاب نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس بنا پر من حیث المومن اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لیے فکر کو حرکت دے تو اپنی ایمانی ہستی سے پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے اور اس روحانی تعلق کی بنا پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی بہ منزلہ باپ کے ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ نبی کے ساتھ اس روحانی تعلق کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے حق میں بہ منزلہ باپ کے ہیں۔"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عمر صحیح قول کی بنا پر اڑھائی سو سال تھی۔ لیکن اتنے صحت مند تھے کہ دیکھنے والا سمجھتا کہ ان کی عمر ساٹھ ستر سال ہوگی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! آج مجھے یہودیوں نے قابو کر لیا تھا کہتے تھے کہ تمھارا نبی تمھیں پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی بتلاتا ہے، تھوکنے اور ناک صاف کرنے کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ میں نے کہا ہاں! ہمارے پیغمبر نے بتلایا ہے کہ پیشاب کرتے وقت نہ منہ قبلے کی طرف کرنا ہے نہ پیٹھ قبلے کی طرف کرنی ہے۔ (قبلہ کا احترام کرو۔) اور ہمیں بتلایا ہے کہ ہڈی کے ساتھ استنجا نہ کرو، پلید چیز کے ساتھ استنجا نہ کرو، دائیں ہاتھ سے ناک صاف نہ کرو، دائیں ہاتھ سے جوتا نہ اُٹھاؤ۔ کون سی بُری بات بتلائی ہے؟ ظاہر بات ہے کہ یہ چیزیں نبی نے نہیں بتلانی تو اور کون بتلائے گا؟ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان پر چڑھائی کر دی۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک جواب دیا ہے اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ " میں تمھارے لیے ایسے ہی ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔" باپ اولاد کی تربیت کے لیے چھوٹی بڑی بات ان کو بتلاتا ہے کہ بیٹا اس طرح کرو اس طرح کرو، اس طرح نہ کرو بیٹی اس طرح نہ کرو۔ تو میں تمھارے لیے بہ منزلہ باپ کے ہوں۔ جتنی خیر خواہی انسانوں کی دنیاوی معاملات میں ہو سکتی ہے اس سے بہت زیادہ خیر خواہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی فرمائی ہے اور آخرت کی

خیر خواہی کا تو کوئی حساب ہی نہیں لگا سکتا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مائیں ہونا :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ خیر خواہ ہیں، زیادہ ہمدرد ہیں مومنوں کے ﴿مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ان کی جانوں سے۔جتنی ایک مومن کو اپنی جان کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی ہے اس سے بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو اس کے ساتھ ہے ﴿وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔مگر یہ روحانی مائیں ہیں جسمانی نہیں۔حکم الگ الگ ہے۔جسمانی ماں چاہے حقیقی ہو یا سوتیلی ہو اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی بیویاں باوجود اس کے کہ مائیں تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اور رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا۔اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔یہ مائیں ہیں۔حرمت نکاح میں جس طرح ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں، حلال نہیں ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے ساتھ بھی کسی اُمتی کا نکاح جائز نہیں ہے۔

دوسرا فرق :

دوسرا فرق پردے میں بھی ہے کہ اپنی ماں سے کوئی پردہ نہیں ہے مگر نبی کی بیویوں سے اُمتیوں کو پردہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں کہ نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا، السلام علیکم کہا اور اندر آنے کی اجازت چاہی کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں بیویوں سے فرمایا: قُوْمَا وَاحْتَجِبَا مِنْهُ "اُٹھ جاؤ اس سے پردہ کرو۔" بیویوں نے کہا أَوَ لَيْسَ هُوَ رَجُلٌ اَعْمٰی "کیا یہ آدمی نابینا نہیں ہے۔" اس کو کیا نظر آئے گا آپ کے ساتھ بات کرے گا اور چلا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَفَعَمْيَا وَ اِنِ اَنْتُمَا "تو تم دونوں بھی اندھی ہو؟" تو پردے کا حکم دونوں فریقوں کو ہے۔سورۃ نور آیت نمبر ۳۰ میں ہے ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ "اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کہہ دیں ایمان والے مردوں کو کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں۔" اور اگلی آیت میں فرمایا ﴿وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ "اور آپ کہہ دیں ایمان والی عورتوں کو وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہوں کو۔" دونوں مکلف ہیں۔وراثت کے مسئلے میں بھی روحانی اور جسمانی ماؤں میں فرق ہے۔سگی ماں کی وراثت بیٹے کو ملے گی اور بیٹے کی ماں کو ملے گی لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی وراثت اُمتیوں کو نہیں ملے گی اور نہ اُمتیوں کی ان کو ملے گی۔دیکھو! اگر کوئی شخص اپنی سگی ماں کو زکوٰۃ دے تو نہیں لگے گی۔سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔اسی طرح سگی ماں بیٹے کو زکوٰۃ یا واجب قسم کا صدقہ دے تو جائز نہیں ہے اور سوتیلی ماں اپنے سوتیلے بیٹے کو زکوٰۃ دے یا کوئی واجب قسم کا صدقہ دے تو لگ جائے گا۔یہ فرق ہے حقیقی اور سوتیلی ماں کا۔تو فرمایا آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

مسئلہ مواخات

جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنایا اس کو مواخات کہتے ہیں، بھائی چارا۔ اس وقت مہاجر فوت ہوتا تو وارث انصاری بنتا اور اگر انصاری فوت ہوتا تو وارث مہاجر بنتا۔ پھر اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

فرمایا ﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ﴾ اور قریبی رشتہ داران میں بعض بعض کے زیادہ قریب ہیں ﴿ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی نوشت میں ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ ﴾ ایمان والوں سے اور ہجرت کرنے والوں سے۔ اب اگر کوئی انصاری فوت ہو جائے تو اس کے مہاجر بھائی کو وراثت نہیں ملے گی۔ وراثت رشتہ داروں کو ملے گی۔ ہاں! ایک شق قرآن نے چھوڑ دی ہے ﴿ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ﴾ مگر یہ کہ کرو تم اپنے دوستوں کے ساتھ بھلائی کہ ان کے لیے وصیت کر دو کہ میرے مال میں سے اتنا میرے فلاں دوست کو دے دینا۔ وصیت تیسرے حصے میں جائز ہے۔ وارث بننے کا حکم تو منسوخ ہوگیا کیوں کہ پہلے مہاجر بھی اِکا دُکا مسلمان تھے اور انصار بھی۔ اب دونوں کی برادریاں مسلمان ہوگئیں تو اب وراثت رشتہ داروں میں چلے گی۔ دوست کے لیے وصیت رہ گئی ہے تیسرے حصے میں۔ مثلاً:

ایک آدمی کے پاس تین ہزار روپے ہیں تو وہ ایک ہزار میں وصیت کا شرعاً مجاز ہے باقی دو ہزار وارثوں کو ملیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تم میں سے کون شخص ہے جس کو اپنے رشتہ داروں کے مال کے ساتھ زیادہ پیار ہے اور اپنے مال کے ساتھ کم ہے۔ کہنے لگے کوئی بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سارے تو ایسے ہی ہو۔ کیوں کہ اپنے مال میں تمھارا تو وہی ہے جو تم نے کھالیا، پہن لیا، صدقہ کر لیا باقی تو وارثوں کا ہے جو تم سنبھال سنبھال کر رکھتے ہو۔ تو فرمایا اب بھائی چارے میں وراثت نہیں ہے وصیت کرنے کا حق ہے ﴿ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴾ ہے یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی۔ لوح محفوظ میں بھی اور قرآن پاک میں بھی جو اُوپر حکم بیان ہوا ہے۔ اُوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر تھا آگے دوسرے پیغمبروں کا ذکر ہے۔

عہد انبیاء علیہم السلام

فرمایا ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ ﴾ اور جس وقت لیا ہم نے انبیاء علیہم السلام سے ان کا عہد کہ رب تعالیٰ کی توحید پر قائم رہو گے اور یہی سبق لوگوں کو بھی دو گے۔ حق پر قائم رہنا اور حق کی دعوت دینا یہ تمھارے فریضے میں داخل ہے۔ پانچ پیغمبروں کا نام لیا کیوں کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں بڑی شان والے۔ باقی برحق تو سارے پیغمبر ہیں۔ ویسے قرآن کریم میں پچیس پیغمبروں کے نام آئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ دو لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں۔ روایتیں دونوں ضعیف ہیں قابلِ اعتبار نہیں ہیں اس لیے قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ پیغمبروں کی کل تعداد کتنی تھی؟ اگر یہ روایت بیان کرنی پڑے تو یوں کہو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم وبیش جتنے بھی رب تعالیٰ کے پیغمبر تشریف لائے

ہیں ہم سب کو مانتے ہیں۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے حقیقت میں پیغمبر زیادہ ہوں اور ہم ان کی نفی کردیں یا تھوڑے ہوں اور ہم زیادہ کہہ دیں۔ تو غیر نبی کو نبی بنادیں گے۔

تو فرمایا اور جس وقت لیا ہم نے انبیاء علیہم السلام سے عہد ﴿وَ مِنْكَ﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ سے بھی ہم نے عہد لیا ﴿وَمِنْ نُّوْحٍ﴾ اور نوح علیہ السلام سے بھی ﴿وَّ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام سے بھی ﴿وَ مُوْسٰى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام سے بھی ﴿وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے بھی۔ یہ پانچ اولوالعزم پیغمبر ہیں بڑی شان والے۔ پھر ان میں سے سب سے بلند درجہ اور مقام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا پھر موسیٰ علیہ السلام کا پھر نوح علیہ السلام کا پھر عیسیٰ علیہ السلام کا۔ تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ہے مگر اطاعت صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنی ہے دوسرے پیغمبروں کی اطاعت نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام پیغمبروں کو مانیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے مگر ان کی شریعت نہیں مانیں گے۔ مثلاً: اگر آدم علیہ السلام کی شریعت مانتے ہیں تو بہن کے ساتھ نکاح کرنا پڑے گا لہٰذا اب اطاعت صرف آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

فرمایا ﴿وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور لیا ہم نے ان سے پختہ عہد۔ بڑا مضبوط وعدہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے اپنی جانیں مصیبت میں ڈال کر رب تعالیٰ کے اس وعدے کو نبھایا اور توحید کو بیان کیا، حق بیان کیا۔ ایسے پیغمبر بھی تھے جن کو ظالموں نے قتل کیا۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۶۱ میں ہے ﴿وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ "اور قتل کیا انھوں نے نبیوں کو ناحق۔" یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے، زکریا علیہ السلام شہید ہوئے، شعیا علیہ السلام کو شہید کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑے علاقے میں بہت سی قومیں آباد تھیں۔ وہاں کے خبیثوں نے ایکا کر کے صبح سے لے کر دوپہر تک تینتالیس [۴۳] پیغمبروں کو شہید کیا اور ایک سو ستر [۱۷۰] ان کے صحابی، شاگرد، حواری شہید کیے جو ان کی نصرت کے لیے آئے تھے۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ﴾ "اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں انصاف کا۔" یہ پختہ وعدہ لیا اللہ تعالیٰ نے ﴿لِيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ تا کہ سوال کرے اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں ﴿وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور تیار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے دردناک عذاب۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ﴾ اے وہ لوگو ﴿اٰمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿اذْكُرُوْا﴾ یاد کرو ﴿نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ﴿عَلَيْكُمْ﴾ جو تم پر ہوئی ﴿اِذْ جَآءَتْكُمْ﴾ جب آئے تمھارے مقابلے میں ﴿جُنُوْدٌ﴾ لشکر ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا﴾ پس چھوڑی ہم نے ان پر ہوا ﴿وَّ جُنُوْدًا﴾ اور لشکر ﴿لَّمْ تَرَوْهَا﴾ جس کو تم نے نہیں دیکھا ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ اس کارروائی کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ﴾ جس وقت آئے

تمھارے پاس ﴿مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ تمھاری بالائی طرف سے ﴿وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ اور تمھاری نچلی طرف سے ﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ﴾ اور جس وقت آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ﴾ اور پہنچ گئے دل ﴿الْحَنَاجِرَ﴾ ہنسلی کی ہڈی تک ﴿وَتَظُنُّوْنَ﴾ اور تم خیال کرتے تھے ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿الظُّنُوْنَا﴾ مختلف قسم کے خیال ﴿هُنَالِكَ﴾ اس مقام میں ﴿ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ آزمائش میں ڈالے گئے مومن ﴿وَزُلْزِلُوْا﴾ اور زلزلہ طاری کیا گیا ﴿زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾ سخت زلزلہ ﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ اور جس وقت کہا منافق لوگوں نے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور ان لوگوں نے ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے ﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ﴾ نہیں وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ ﴿وَرَسُوْلُهٗ﴾ اور اس کے رسول نے ﴿اِلَّا غُرُوْرًا﴾ مگر دھوکے کا ﴿وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ﴾ اور جس وقت کہا ایک گروہ نے ان میں سے ﴿يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ﴾ اے یثرب والو! ﴿لَا مُقَامَ لَكُمْ﴾ تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے ﴿فَارْجِعُوْا﴾ پس لوٹ جاؤ تم اپنے گھروں کو ﴿وَيَسْتَاْذِنُ﴾ اور اجازت مانگتا ہے ﴿فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ﴾ ایک گروہ ان میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ﴾ بے شک ہمارے مکان کھلے ہیں ﴿وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ﴾ اور وہ کھلے بے پردہ نہیں ہیں ﴿اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا﴾ نہیں ارادہ کرتے مگر وہ مکان سے بھاگنے کا ﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ﴾ اور اگر داخل کر دی جائے ان پر (فوج) ﴿مِّنْ اَقْطَارِهَا﴾ اس کے اطراف سے ﴿ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ﴾ پھر ان سے سوال کیا جائے فتنے کا ﴿لَاٰتَوْهَا﴾ البتہ ضرور آئیں اس میں وہ ﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ﴾ اور نہ ٹھہریں اپنے گھروں میں ﴿اِلَّا يَسِيْرًا﴾ مگر بہت تھوڑا۔

غزوۂ خندق

آج کی آیات میں غزوۂ خندق یعنی غزوہ احزاب کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سب سے اہم معرکہ بدر کا تھا کہ تین سو تیرہ [۳۱۳] مسلمانوں کا مقابلہ ایک ہزار کافروں کے ساتھ تھا۔ ظاہری طور پر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے حالات ایسے پیدا فرمائے کہ ان کمزور ضعیفوں کو ان طاقت وروں پر فتح نصیب ہوئی۔ ستر [۷۰] کافر مارے گئے، ستر [۷۰] گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ یہ رمضان المبارک ۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ۳ھ شوال کے مہینے میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ اس میں ظاہری طور پر کافروں کا پلہ بھاری رہا۔ ستر [۷۰] مسلمان شہید ہوئے اور کافی زخمی ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس بھی زخمی ہوا۔ ایک دانت مبارک بھی شہید ہوا لیکن باوجود اس کے کافر میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ چند میل کے فاصلے پر حمراء الاسد کے مقام پر جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کامیابی تو ہماری تھی ہم نے ان کا صفایا کیوں

نہیں کیا، کیوں آ گئے۔ ایک نے کہا میں نے تجھے آتے ہوئے دیکھا میں بھی آ گیا۔ دوسرے نے کہا میں نے تجھے آتے ہوئے دیکھا میں بھی آ گیا۔ بڑے پریشان اور پشیمان ہوئے۔ چوتھے پارے میں موجود ہے کہ پھر حملے کا پروگرام بنایا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی آپ ﷺ اپنے زخمی ساتھیوں کو لے کر چل پڑے ان کو جب معلوم ہوا تو بھاگ گئے۔

غزوۂ خندق ۴ھ میں پیش آیا۔ اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ کافروں نے عرب کے سارے قبیلے اکٹھے کیے۔ دس ہزار صرف قریشی تھے باقی بنو غطفان، بنو اسد، بنو بکر اور دیگر قبائل تھے۔ انھوں نے یہ سارا پروگرام خفیہ طریقہ پر تیار کیا اور قبائل کو آگاہ کیا۔ قریش مکہ مکرمہ سے چلے اور باقی راستے میں ساتھ ملتے گئے۔ سب کو ملا کر ان کی تعداد چوبیس ہزار [۲۴۰۰۰] تھی۔ اس زمانہ میں یہ چوبیس ہزار کا لشکر بڑی بات تھی۔ اب چوں کہ مخلوق زیادہ ہوگئی ہے اس لیے ہمیں اس کی کوئی اہمیت معلوم نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا کوئی علم نہیں تھا جب یہ لشکر مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو اطلاع ہوئی۔ سخت سردی تھی مدینہ طیبہ میں سردی خوب ہوتی ہے اور مکہ مکرمہ میں گرمی ہی گرمی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ساتھیوں کو مسجد نبوی میں بلا کر مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] "اور اہم معاملے میں ان سے مشورہ کریں۔" ان کی دل جوئی بھی ہو جائے گی اور کوئی صحیح رائے بھی قائم ہو جائے گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دشمنوں کی تعداد کافی ہے ہمیں چرواہوں اور اپنے ساتھیوں کے ذریعے معلوم ہوا ہے بتاؤ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہمیں شہر میں رہ کر دفاع کرنا چاہیے یا باہر جا کر کھلے میدان میں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے؟ نوجوان طبقے کی رائے یہ تھی کہ ہمیں ان کے ساتھ کھلے میدان میں لڑنا چاہیے۔ سمجھ دار، عمر رسیدہ حضرات خاموش تھے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نوجوانوں کی رائے کی قدر کرتا ہوں لیکن صورت حال یہ ہے کہ سردی کا موسم ہے دشمن کے پاس خیمے ہیں سردی سے بچاؤ کے لیے اور ہمارے پاس اس وقت کوئی انتظام نہیں ہے۔ کھلی جگہ پر رات گزارنا بڑی مشکل بات ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم باہر جاتے ہیں تو یہاں منافق بھی ہیں، یہودی بھی ہیں یہ ہماری عورتوں کے سلسلے میں کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دیں لہٰذا دوسرے حضرات بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہمیں گھروں میں رہ کر اپنے اپنے انداز میں مقابلہ کرنا چاہیے۔ بات طے ہوگئی۔

مدینہ طیبہ کے تین اطراف میں درخت تھے۔ جگہ نشیب و فراز تھی یعنی اُونچی نیچی جگہ تھی، پتھر بھی تھے کہ درختوں کے پیچھے چند تیر اندازوں کے ہوتے ہوئے فوج اندر نہیں آ سکتی تھی۔ تو تین اطراف خطرے والے نہیں تھے چوتھی جانب سے دشمن یک بارگی حملہ کر سکتا تھا اور اندر آنے کا شدید خطرہ تھا۔ اس خطرے کے پیش نظر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ اس کے متعلق سوچو کہ دفاع کیسے ہو؟ سب خاموش رہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! ہمارے علاقے میں جب لڑائیاں ہوتی تھیں تو جس طرف سے دشمن کے داخل ہونے کا شدید خطرہ ہوتا تھا اس طرف ہم خندق کھود لیتے تھے۔ اتنی چوڑی کہ نہ بندہ اس کو پار کر سکے اور نہ گھوڑا چھلانگ لگا سکے۔ اتنی گہری کہ اس میں اُتر کر دوسری طرف چڑھ نہ سکے۔ چنانچہ دس

دس آدمیوں کے ذمہ ایک ایک ٹکڑا لگایا گیا۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خندق کھودی۔ پورا ایک مہینہ کافر رہے۔ اِکا دُکا تیز اندازی ہوتی رہی مگر کھلی جنگ کی نوبت نہ آئی۔ مسلمان تین ہزار تھے وہ چوبیس ہزار تھے۔ تنگ پڑ گئے حالاں کہ تین ہزار کی چوبیس ہزار کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے دیکھو کیسی نصرت فرمائی۔

فرمایا ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی ﴿اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ﴾ جس وقت آئے تمھارے مقابلے میں لشکر دشمنوں کے تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح مدد کی ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا﴾ پس بھیجی ہم نے ان پر ہوا ﴿وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور ایسا لشکر جس کو تم نے نہیں دیکھا۔ ہوا ٹھنڈی اور اتنی تیز تھی کہ ان کے خیمے اکھڑ گئے، آگ بجھ گئی، ہانڈیاں اُلٹ گئیں اور افراتفری پھیل گئی۔ فرشتوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا انھوں نے سمجھا کہ مسلمان آ گئے ہیں اب ہماری خیر نہیں ہے۔ ابوسفیان اس وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوئے تھے اس نے اعلان کیا کہ واپس چلو اب ہمارا کوئی بس نہیں ہے۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ان کاموں کا جو تم کرتے ہو۔

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ﴾ جس وقت آئے تمھارے دشمن تمھارے پاس ﴿مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ تمھاری بالائی طرف سے ﴿وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ اور تمھاری نچلی طرف سے، نیچے کی جانب سے۔ مدینہ کی شرقی جانب اُونچی جگہ ہے جب کہ مغربی حصہ نیچا ہے۔ دشمن دونوں طرف سے حملہ آور ہوئے تھے ﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ﴾ اور جس وقت تمھاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور طرف سے پھر کر دشمن پر لگ گئیں کہ اس طرف سے آئیں گے اور کتنے آئیں گے ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾۔ حَنَاجِرَ حَنجرۃ کی جمع ہے، ہنسلی کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اور پہنچ گئے دل ہنسلی کی ہڈی تک خوف کی وجہ سے ﴿وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾ اور تم خیال کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں مختلف قسم کے خیال کہ ہمیں کامیابی ہوگی یا ان کو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کیا ہوگا تقدیر میں کیا ہے، ہم میں سے کتنے شہید ہوں گے کتنے زخمی ہوں گے کیا بنے گا کیا نہیں بنے گا۔ یہ طرح طرح کے خیال تھے ﴿هُنَالِكَ﴾ اس مقام میں ﴿ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ آزمائش میں ڈالے گئے ایمان والے ﴿وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا﴾ اور زلزلہ طاری کیا گیا ان پر سخت زلزلہ۔ یہ زمین والا زلزلہ نہیں تھا بلکہ یہ حالات کا زلزلہ تھا۔

منافقین کا کردار

﴿وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ اور جس وقت کہا منافق لوگوں نے ﴿وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں کفر اور نفاق کی بیماری تھی۔ کیا کہا؟ ﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ﴾ نہیں وعدہ کیا ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ﴿اِلَّا غُرُوْرًا﴾ مگر دھوکے کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے فتح ہونے کے بعد سُوق بَنُو قَیْنُقَاع. بَنُو قَیْنُقَاع یہودی تھے ان کا یہ بازار تھا اور بڑا بارونق بازار تھا۔ آج کل اس مقام پر کھجوریں بکتی ہیں اور اس کا نام سُوق التمر ہے۔ اس بازار میں کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس طرح تمھیں اللہ تعالیٰ نے بدر میں فتح

عطا فرمائی ہے اسی طرح قیصر و کسریٰ بھی تم فتح کرو گے اور روم و ایران پر تمھاری حکومت ہوگی۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے خندق کے موقع پر ایک منافق جس کا نام طلیحہ بن خالد اسدی تھا اس نے کہا کہ اِس نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا ایران فتح ہوگا، روم فتح ہوگا ہم تو پیشاب استنجاء کرنے سے بھی رہ گئے۔ یہ وعدے ہمارے ساتھ نِرا دھوکا ہیں۔ اس نے کھلے طور پر یہ باتیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جس وقت کہا منافقوں نے اور انھوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے نہیں وعدہ کیا ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مگر دھوکے کا۔ فرمایا اس بات کو بھی دھیان میں لاؤ ﴿وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ﴾ اور جس وقت کہا ایک گروہ نے منافقوں میں سے اے یثرب کے رہنے والو! ﴿لَا مُقَامَ لَكُمْ﴾ تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے یہاں ﴿فَارْجِعُوْا﴾ پس لوٹ جاؤ اپنے گھروں کو۔ دشمن بہت زیادہ اور طاقت ور ہے تم مورچوں سے گھروں کو بھاگ جاؤ۔ مدینہ طیبہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ یثرب کا معنیٰ ہے ملامت۔ دیکھو! یوسف علیہ السلام کے قصے میں جب ان کے والد گرامی اور بھائی ان کے پاس آئے اور بھائیوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ﴾ [یوسف: ۹۲] "آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔" تو یثرب کا معنیٰ ملامت کا ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام مدینہ منورہ رکھا۔ طابہ، طیبہ یہ بھی نام ہیں۔ اب بطور حکایت کے تو یثرب کا نام استعمال کر سکتے ہو اس کے علاوہ یثرب کا لفظ مدینہ منورہ کے لیے استعمال نہ کرو۔

﴿وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ﴾ اور اجازت مانگتا ہے ایک گروہ ان میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ﴾ بے شک ہمارے گھر بے پردہ ہیں۔ ان کی دیواریں نہیں ہیں غیر محفوظ ہیں ہمیں اجازت دو ہم گھروں میں رہ کر اپنی عورتوں اور بچیوں کی حفاظت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ﴾ ان کے گھر بے پردہ نہیں ہیں محفوظ ہیں خطرے والی کوئی بات نہیں ہے ﴿اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا﴾ یہ نہیں ارادہ کرتے مگر بھاگنے کا۔ وہ کہتے ہیں نا :

خوئے بد را بہانہ ہائے بسیار

"دل بُرا ہو نیت خراب ہو تو طرح طرح کے بہانے آتے ہیں۔" غزوۂ تبوک میں رومیوں کے ساتھ لڑائی تھی گرمی کا موسم تھا، فصلیں پکی ہوئی تھیں ایک مہینے کا سفر تھا۔ ترکوں کے زمانے میں جو ریل چلتی تھی اس کا تیسواں [۳۰] اسٹیشن تھا۔ ان منافقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر مختلف بہانے بنا کر اجازت لے لی۔ کسی نے کہا میری والدہ بالکل قریب المرگ ہے حرکت تک نہیں کر سکتی اگر مر گئی تو اس کو دفنانے والا کوئی نہیں۔ کسی نے اپنے غلام کو دوڑا دیا اور آکر کہا کہ حضرت! میرا غلام بھاگ گیا ہے پیچھے بے زبان جانور بھوکے پیاسے رہ جائیں گے گھر میں کوئی مرد نہیں ان کو چارا ڈالنے والا، پانی پلانے والا کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح ان کا یہ بھی بہانہ تھا کہ ہمارے گھر کھلے ہیں، بے پردہ ہیں، غیر محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ صرف فرار چاہتے ہیں، بھاگنے کا ارادہ کرتے ہیں۔

﴿وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا﴾۔ دُخِلَتْ کی ضمیر مدینہ منورہ کی طرف لوٹتی ہے جس کا ذکر اُوپر یثرب میں آیا

ہے۔ معنیٰ ہوگا اور اگر داخل کر دی جائے ان پر اس کے اطراف سے فوج ﴿ ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ ﴾ پھر ان سے سوال کیا جائے مسلمانوں کے خلاف فتنے کا ﴿ لَاٰتَوْهَا ﴾ البتہ ضرور آئیں گے اس میں یعنی مسلمانوں کے خلاف مدد دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اس سلسلہ میں کوئی تاخیر روا نہیں رکھیں گے ﴿ وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴾ اور نہ ٹھہریں اپنے گھروں میں مگر بہت تھوڑا۔ پھر ان کے گھر محفوظ ہی محفوظ ہوں گے۔ یہ لڑائی چوں کہ ان کی مرضی کے خلاف ہے اس لیے یہ منافق بہانہ بناتے ہیں کہ ہمارے گھر بے پردہ ہیں، غیر محفوظ ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ ﴾ انھوں نے معاہدہ کیا تھا اللہ تعالیٰ سے ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے ﴿ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ﴾ کہ وہ پشت نہیں پھیریں گے ﴿ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ ﴾ ہرگز نہیں فائدہ دے گا تمھیں بھاگنا ﴿ اِنْ فَرَرْتُمْ ﴾ اگر تم بھاگو ﴿ مِّنَ الْمَوْتِ ﴾ موت سے ﴿ اَوِ الْقَتْلِ ﴾ یا قتل کیے جانے سے ﴿ وَاِذًا ﴾ اور اس وقت ﴿ لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ تمھیں نہیں نفع دیا جائے گا مگر تھوڑا ﴿ قُلْ ﴾ آپ فرما دیں ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ ﴾ کون ہے وہ ﴿ يَعْصِمُكُمْ ﴾ جو بچائے گا تمھیں ﴿ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ سے ﴿ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا ﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ برائی کا ﴿ اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ﴾ یا وہ ارادہ کرے تمھارے ساتھ مہربانی کا ﴿ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ ﴾ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے ﴿ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿ وَلِيًّا ﴾ کوئی حمایتی ﴿ وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ اور نہ کوئی مددگار ﴿ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان لوگوں کو جو روکتے ہیں تم میں سے ﴿ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ ﴾ اور کہنے والے ہیں اپنے بھائیوں کو ﴿ هَلُمَّ اِلَيْنَا ﴾ ہماری طرف چلے آؤ ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ ﴾ اور وہ نہیں جاتے لڑائی میں ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ﴾ وہ حریص ہیں تمھارے اُوپر ﴿ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ ﴾ پس جب آجائے خوف ﴿ رَاَيْتَهُمْ ﴾ تو آپ دیکھیں ان کو ﴿ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ ﴾ وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف ﴿ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ ﴾ گھومتی ہیں ان کی آنکھیں ﴿ كَالَّذِيْ ﴾ اس شخص کی طرح ﴿ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ﴾ جس پر غشی طاری ہوتی ہے موت کی وجہ سے ﴿ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ ﴾ پس جب چلا جائے خوف ﴿ سَلَقُوْكُمْ ﴾ چلاتے ہیں تم پر ﴿ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ ﴾ تیز زبانیں ﴿ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ﴾ حریص ہیں وہ مال پر ﴿ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا ﴾ یہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے ﴿ فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ پس ضائع کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان

کے اعمال کو ﴿وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور ہے یہ اللہ تعالیٰ پر آسان۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر منافق مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس گھروں کو چلے گئے تھے۔ جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا مگر اس لحاظ سے مسلمانوں کا ہی پلہ بھاری رہا کہ دشمن ان کا تعاقب نہ کر سکا بلکہ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بھگا دیا۔ اس موقع پر منافقوں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے ساتھ غداری نہیں کریں گے مگر غزوۂ احزاب کے موقع پر انھوں نے پھر حیلے بہانوں سے یہی کام کیا حالاں کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے تھے۔ اس کا ذکر ہے۔

منافقین کی غداری

فرمایا ﴿وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ﴾ اور البتہ تحقیق انھوں نے معاہدہ کیا تھا اللہ تعالیٰ سے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ﴾ کہ پشت نہیں پھیریں گے اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں برابر شریک رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کو علم ہونا چاہیے ﴿وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا﴾ اللہ تعالیٰ کے عہد کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے عہد شکنی کیوں کی تھی؟ یہ منافق موت کے ڈر سے میدان جنگ سے بھاگتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ فرما دیں ﴿لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ﴾ ہرگز نہیں نفع دے گا تمھیں بھاگنا ﴿اِنْ فَرَرْتُمْ﴾ اگر تم بھاگو ﴿مِّنَ الْمَوْتِ﴾ موت سے ﴿اَوِ الْقَتْلِ﴾ یا قتل کیے جانے سے۔ موت سے تو نہیں بچ سکتے چاہے تم مضبوط قلعے میں چھپ جاؤ اس کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لو ملک الموت وہاں بھی پہنچ جائے گا۔ کیوں کہ فرشتوں کے لیے دیواریں ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لیے ہوا۔ جس طرح ہوا پرندوں کو اُڑنے سے نہیں روکتی ایسے ہی فرشتوں کے لیے دیواروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تو فرمایا موت سے بھاگنا، قتل سے بھاگنا تمھیں فائدہ نہیں دے گا موت تمھارے لیے مقدر ہے۔ اگر قتل ہونا لکھا ہوا ہے تو قتل ہو گے بھاگ نہیں سکتے۔

موت سے فرار کسی کو نہیں

تاریخ میں آتا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آخری دنوں میں چارپائی پر لیٹے ہوئے ہوتے تھے جب کوئی ساتھی سامنے آتا تو اس کو دیکھ کر رونے لگ جاتے۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! موت تو برحق ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [الانبیاء: ۳۵] "ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" گھبراتے کیوں ہو؟ فرماتے موت سے نہیں گھبراتا اور نہ اس لیے روتا ہوں۔ میرے جسم پر سر سے لے کر پاؤں تک کوئی عضو ایسا نہیں ہے جہاں دشمن کی تلوار، تیر اور نیزے کا نشان نہ ہو مگر شہادت نصیب نہیں ہوئی اَمُوْتُ كَمَوْتِ الْحِمَارِ "چارپائی پر گدھے کی طرح مر رہا ہوں، رب کے راستے میں شہید نہیں ہوا۔" تو جو میدانوں میں اتنے زخمی ہوئے لیکن موت مقدر نہیں تھی اس لیے نہیں مرے۔

غزوۂ خیبر میں کامیابی کے بعد واپس آ رہے تھے مِدْعَم نامی ایک شخص تھا کَرکَرَہ بھی اس کو کہتے تھے۔ وہ

ایک باغ میں کھڑا تھا نا گہانی ایک تیر آیا جس سے وہ فوت ہو گیا۔لڑائی ختم ہو چکی تھی واپس آ رہے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا هَنِيْئًا لَهُ الشَّهَادَةُ اس کو شہادت مبارک ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اس نے مالِ غنیمت میں سے جو کمبل چرایا تھا وہ آگ کا شعلہ بن کر اس کو چمٹے گا یہ شہید نہیں ہے۔ جہاد ختم ہو چکا ہے واپس جا رہے ہیں تیر لگا اور فوت ہو گیا کیوں کہ موت اس طرح مقدر تھی۔

تو موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا۔کتنا عرصہ بھاگو گے ﴿وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور اس وقت تمھیں نہیں فائدہ دیا جائے گا مگر بہت تھوڑا۔تھوڑا سا وقت بچ گئے موت پھر آئے گی موت سے تو چھٹکارا نہیں ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ وہ ذات کون ہے وہ شخص جو تم کو اللہ تعالیٰ سے بچائے ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، دکھ کا ارادہ کرے، اللہ تعالیٰ تمھیں تکلیف دے تو کون ٹالے گا؟ ﴿اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً﴾ یا ارادہ کرے تمھارے ساتھ مہربانی کا۔اپنی رحمت سے تمھیں نوازے تو رب تعالیٰ کی رحمت کو کون روکے گا۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ

اسلام کے بنیادی عقیدے میں سے یہ بھی ہے ﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾ "اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف پس کوئی نہیں اس کو دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [یونس:۱۰۷] اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے پس اس کو کوئی نہیں رد کر سکتا۔" اے انسان! اگر اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں سکھ چین کا ارادہ فرمائیں، رحمت کا ارادہ فرمائیں تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا اگر دکھ تکلیف کا ارادہ فرمائیں تو اس کو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی نافع ہے اور نہ کوئی ضار ہے، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ کوئی فریاد رس ہے، نہ کوئی دست گیر ہے۔یہ تمام صفتیں صرف رب تعالیٰ کی ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں یہی سبق ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، کوئی معبود نہیں ہے، کوئی عالم الغیب نہیں ہے، کوئی حاضر و ناظر نہیں ہے، کوئی مختار کل نہیں ہے، کوئی سجدے اور نذر و نیاز کے لائق نہیں ہے، کوئی قانون بنانے والا نہیں ہے ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [یوسف:۴۰] "حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔"

ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کا نام عفیر تھا۔تاریخ میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے اور عفیر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہ آئے تو وہ دیوانوں کی طرح پھرتا تھا، کبھی مسجد کے دروازے کے آگے آ کر کھڑا ہو جاتا، کبھی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس آ کر کھڑا ہو جاتا۔ جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً تشریف لے جاتے وہاں وہاں وہ گیا۔کئی دن اس نے اس طرح چکر لگائے جب اس کو یہ احساس ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہیں رہے تو ایک ٹیلے پر چڑھ کر اپنے آپ کو نیچے گرا کر خودکشی کر لی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عفیر پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے، بچے تھے۔جب

آنحضرت ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت ان کی عمر پورے دس سال تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یَا غُلَامُ احْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْكَ "برخوردار! اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے گا اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ جب سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ جب مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے طلب کرو اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے دکھ لکھا ہے ساری مخلوق جمع ہو کر بھی اس دکھ کو دور نہیں کر سکتی اور اگر تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھ لکھا ہوا ہے تو ساری کائنات جمع ہو کر بھی اس کو روک نہیں سکتی جَفَّ الْقَلَمُ قلم خشک ہو گیا ہے جو قلم تقدیر نے لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" فرمایا کون بچائے گا تمھیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمھارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے یا مہربانی کا ارادہ کرے ﴿وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ﴾ اور نہیں پائیں گے وہ اپنے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿وَلِیًّا﴾ کوئی حمایتی ﴿وَّلَا نَصِیْرًا﴾ اور نہ کوئی مددگار۔ ولی اسے کہتے ہیں جو زبانی طور پر تائید اور حمایت کرے اور نصیر اسے کہتے ہیں جو عملی طور پر مدد کرے۔ تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے کے لیے نہ کوئی زبانی تائید کرے گا اور نہ عملاً کوئی تمھیں بچا سکے گا۔

منافقین کا حال

﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ﴾ تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ روکنے والوں کو تم میں سے ﴿وَالْقَآئِلِیْنَ﴾ اور کہنے والوں کو ﴿لِاِخْوَانِهِمْ﴾ اپنے بھائیوں کو۔ کیا کہنے والے ہیں؟ ﴿هَلُمَّ اِلَیْنَا﴾ ہماری طرف آؤ۔ منافق خود بھی لڑائی میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اپنے رشتہ داروں کو بھی روکتے تھے جو مخلص مومن تھے۔ کسی کا بھائی تھا، کسی کا چچا تھا، کسی کا بیٹا تھا۔ طبعی طور پر اپنے عزیزوں کے ساتھ اُنس تو ہوتا ہے۔ تو ان کی ہمدردی کی خاطر کہتے تھے نہ جاؤ۔ خود بھی شریک نہیں ہوتے تھے اور ان کو بھی روکتے تھے ﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اور وہ نہیں جاتے لڑائی میں مگر بہت تھوڑے۔ کیوں کہ قلبی میلان ہی نہیں ہے ان میں اور کام وہ ہوتا ہے جس کو انسان کا دل چاہے ﴿اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ﴾۔ اَشِحَّہ شَحِیْحٌ کی جمع ہے اور شَحِیْحٌ کا معنیٰ ہے حریص۔ وہ تمھارے خلاف کارروائیاں کرنے میں بڑے حریص ہیں۔ علی ضرر کے لیے ہے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہر وہ کام کرتے ہیں جس میں تمھارا نقصان ہو ﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ﴾ پس جب آجائے خوف یعنی کوئی دشمن حملہ کر دے جیسے یہاں خندق کے موقع پر ہوا کہ تقریباً چوبیس ہزار کافر حملے کے لیے آئے ﴿رَاَیْتَهُمْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان کو دیکھتے ہیں ﴿یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ﴾ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں ﴿تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ﴾ گھومتی ہیں آنکھیں ان کی ﴿كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہوتی ہے۔ جب دشمن حملہ آور ہوتا ہے تو ان پر خوف طاری ہوتا ہے کہ یہ اب مرچلے ہیں۔ پھر وہ آپ ﷺ کی طرف دیکھتے ہیں کہ ہمیں چھٹی دیتے ہیں یا روکتے ہیں اگر آپ ان کو رخصت دے دیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر رخصت نہ دیں اور کہیں کہ جہاد میں شریک ہونا ہے تو پھر یہ حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حال ہے منافقوں کا۔ اس کے برعکس جو مومن تھے ان کا حال دیکھیے!

مومنین کا حال :

حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ کا بدر کے موقع پر جھگڑا ہو گیا کہ باپ نے کہا میں نے جانا ہے اور بیٹے نے کہا کہ میں نے جانا ہے۔ گھر میں دو ہی فرد ہیں باپ بیٹا۔ نہ اور کوئی گھر کی نگرانی کرنے والا ہے نہ پانی لا کر دینے والا ہے نہ کوئی جانوروں کو پانی پلانے والا ہے۔ باپ کہتا ہے میں نے جانا ہے بیٹا کہتا ہے میں نے جانا ہے۔ ساتھیوں نے کہا جھگڑا نہ کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرا لو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں اس پر عمل کرو۔ دونوں باپ بیٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے باپ کا اصرار ہے میں نے جانا ہے بیٹے کا اصرار ہے میں نے جانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد! یہ تمھارا باپ ہے اس کی بات مان لو۔ کہنے لگا حضرت! شہادت کا موقع ہے میں خود جاؤں گا۔ قرعہ اندازی ہوئی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام آیا۔ بدر کے چودہ شہداء میں سے آٹھ انصاری تھے اور چھ مہاجر تھے ان میں سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

مومنوں کا حال یہ ہے کہ وہ قرعہ اندازی کر رہے ہیں اور جھگڑا کر رہے ہیں کہ میں نے جانا ہے اور دوسرا کہتا ہے میں نے جانا ہے۔ اور منافقوں کا حال یہ ہے کہ خود جاتے نہیں اور دوسروں کو روکتے ہیں۔ کتنا ذہن کا تفاوت ہے۔ فرمایا ﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ﴾ پس جس وقت خوف چلا جاتا ہے ﴿سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾۔ اَلْسِنَةٌ لِسَانٌ کی جمع ہے اور حِدَادٍ حَدِيْدٌ کی جمع ہے۔ پھر کاٹتے ہیں تمھیں تیز زبانوں کے ساتھ جیسے قینچی کے ساتھ کپڑا وغیرہ کاٹتے ہیں اس طرح تمھارے خلاف تیز زبانیں استعمال کرتے ہیں ﴿اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ﴾ حریص ہیں مال پر۔ مال کے لیے جان دیتے ہیں۔ اگر کبھی جہاد میں بھی شریک ہوتے ہیں تو محض اس لیے کہ ہمیں کچھ مال غنیمت مل جائے گا ﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا﴾ یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ زبان سے اٰمَنَّا کہنے سے کوئی مومن نہیں بنتا ان کے دل میں ایمان نہیں ہے انھوں نے صرف زبان سے اٰمَنَّا کہا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرۃ: ۸] "اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر حالاں کہ وہ مومن نہیں ہیں۔" منافق خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں یہ مومن نہیں ہیں ﴿فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ﴾ پس ضائع کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال۔ یہ جو ظاہری طور پر نیکیاں کرتے ہیں کبھی چندہ دے دیا، کسی مسلمان کو کھانا کھلا دیا، نماز پڑھ لی، ان کے یہ سب عمل باطل ہیں۔ اس لیے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔ نیکی کے قبول ہونے کی بنیادی طور پر تین شرطیں ہیں، ایمان، اخلاص، اتباع سنت۔ یہ چوں کہ ایمان کی دولت سے محروم ہیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال اکارت کر دیئے ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور ہے یہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان۔ منافقوں کے اعمال ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں ہے۔

﴿یَحْسَبُوْنَ﴾ یہ گمان کرتے ہیں ﴿الْاَحْزَابَ﴾ آنے والے گروہوں کے بارے میں ﴿لَمْ یَذْهَبُوْا﴾ کہ وہ نہیں گئے ﴿وَ اِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ﴾ اور اگر آئیں وہ گروہ ﴿یَوَدُّوْا﴾ تو یہ پسند کرتے ہیں اس کو ﴿لَوْ اَنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿بَادُوْنَ﴾ چلے جائیں ﴿فِی الْاَعْرَابِ﴾ دیہاتیوں میں ﴿یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىٕكُمْ﴾ پوچھتے رہیں تمھاری خبریں ﴿وَ لَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ﴾ اور اگر ہوں وہ تمھارے اندر ﴿مَّا قٰتَلُوْۤا﴾ نہیں لڑیں گے وہ ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ﴾ البتہ تحقیق ہے تمھارے لیے ﴿فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول میں ﴿اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اچھا نمونہ ﴿لِّمَنْ﴾ اس شخص کے لیے ﴿كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ﴾ جو اُمید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ اور آخرت کے دن کی ﴿وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا﴾ اور یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ ﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور جب دیکھا ایمان والوں نے ﴿الْاَحْزَابَ﴾ ان گروہوں کو ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿هٰذَا مَا﴾ یہ وہ ہے ﴿وَعَدَنَا اللّٰهُ﴾ جس کا وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ ﴿وَ رَسُوْلُهٗ﴾ اور اس کے رسول نے ﴿وَ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿وَ رَسُوْلُهٗ﴾ اور اس کے رسول ﷺ نے ﴿وَ مَا زَادَهُمْ﴾ اور نہ زیادہ کیا اس بات نے ان کے لیے ﴿اِلَّاۤ اِیْمَانًا﴾ مگر ایمان ﴿وَّ تَسْلِیْمًا﴾ اور اطاعت کو ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ﴾ مومنوں میں کچھ مرد ایسے ہیں ﴿صَدَقُوْا﴾ جنھوں نے سچ کر دکھایا ہے ﴿مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ﴾ اس چیز کو جس پر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا ﴿فَمِنْهُمْ﴾ پس ان میں سے ﴿مَّنْ﴾ وہ بھی ہیں ﴿قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ جنھوں نے پوری کی نذر اپنی ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں ﴿وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا﴾ اور انھوں نے نہیں تبدیلی کی کسی قسم کی تبدیلی ﴿لِیَجْزِیَ اللّٰهُ﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ﴿الصّٰدِقِیْنَ﴾ سچوں کو ﴿بِصِدْقِهِمْ﴾ ان کی سچائی کا ﴿وَ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ اور تاکہ سزا دے منافقوں کو ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر چاہے ﴿اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ﴾ یا ان پر رجوع فرمائے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان۔

ماقبل سے ربط

اس سورت کا نام سورۃ الاحزاب ہے کہ اس میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے۔ پہلے سن چکے ہو کہ ۴ ھ شوال کے مہینے میں چوبیس ہزار [۲۴۰۰۰] کا لشکر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا۔ ابوسفیان کی قیادت میں جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ کم وبیش ایک مہینہ انھوں نے محاصرہ کیے رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا بھیجی اور فرشتے نازل ہوئے۔ ہوا نے ان کے خیمے اکھاڑ دیے، ہانڈیاں اُلٹ گئیں، فرشتوں نے نعرے لگائے، مجبور ہو کر واپسی کا طبل بجا دیا اور چلے گئے۔ مگر منافقوں کا ذہن کیا تھا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ﴾ یہ منافق لوگ خیال کرتے ہیں ان گروہوں کے بارے میں کہ ﴿لَمْ یَذْهَبُوْا﴾ کہ وہ نہیں گئے۔ منافقوں پر اتنا خوف تھا کہ باوجود ان کے چلے جانے کے ان کو یقین نہیں تھا کہ وہ چلے گئے ہیں یہ گھروں میں ہی ڈرتے رہے۔ فرمایا ﴿وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ﴾ اور اگر آئیں وہ گروہ۔ بالفرض وہ گروہ واپس آ جائیں تو ﴿یَوَدُّوْا﴾ یہ منافق پسند کریں گے ﴿لَوْ﴾ اس کو ﴿اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ﴾ بے شک چلے جائیں یہ دیہاتوں میں۔ یعنی بالفرض اگر وہ پھر آ جائیں تو یہ منافق مدینہ منورہ میں نہیں رہیں گے بلکہ بھاگ کر دیہاتوں میں چلے جائیں گے اور وہاں رہ کر ﴿یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ﴾ پوچھتے رہیں تمھاری خبریں، کیا ہوا، کیا بنا ﴿وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ﴾ اور اگر ہوں وہ تمھارے اندر ﴿مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا﴾ نہیں لڑیں گے وہ مگر بہت تھوڑے مجبور ہو کر۔ کیوں کہ جہاد تو قلبی شوق کا نام ہے کہ شہید ہونے کا شوق ہو تو جہاد ہوتا ہے ان میں تو ایمان ہی نہیں ہے شہادت کا شوق کیسے پیدا ہوگا؟ منافقوں کا حال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بہ طور نمونہ کے پیش کیا ہے کہ تم اپنے پیغمبر کی اطاعت کرو اور جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ان کی تعریف فرمائی ہے۔

اسوۂ حسنہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ البتہ تحقیق ہے تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول میں بہترین نمونہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کئی کے ساتھ، کدال کے ساتھ خندق کھودی ہے اور ٹوکری میں مٹی ڈال کر باہر پھینکتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مٹی کی تہیں جمی ہوئی تھیں اگر تم نے صحیح کلمہ پڑھا ہے تو پھر بچتے پھرتے کیوں ہو؟ تمھارے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔ دس دس گز کا ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں میں تقسیم کیا تھا کہ یہ تم نے کھودنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کھودتے بھی تھے اور نگرانی بھی کرتے تھے۔

ایک مقام پر چٹان آئی پتھر بڑا سخت تھا ساتھیوں نے بڑا زور لگایا مگر نہ ٹوٹا، مشورہ کیا، بعض نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیں کہ چٹان بڑی سخت ہے ہم عاجز آ گئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اطلاع نہ دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوں گے ابھی زور لگاتے ہیں۔ جب بالکل قاصر ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم نے بڑا زور لگایا ہے مگر چٹان نہیں ٹوٹی۔ پہلے تو ہم نے مناسب نہیں سمجھا مگر مجبور ہو کر آئے ہیں کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اجر دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر کدال پکڑ کر مارا تو حدیث پاک میں آتا ہے ایسا لگا جیسے ریت کا ٹیلا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے بھوک کی وجہ سے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو سمجھ گئے گھر جا کر بیوی سے پوچھا کہ تیرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ بیوی نے بتایا کہ ساڑھے تین سیر جو کے دانے ہیں اور یہ ٹیڈی بکری کا بچہ ہے۔ بیوی سے کہا کہ جو پیسو اور آٹا بناؤ میں بکری کا بچہ ذبح کر کے لاتا ہوں۔ بیوی نے فوراً آٹا پیس دیا

انھوں نے گوشت بنا دیا۔ بیوی بڑی سمجھ دارتھی کہنے لگی دیکھو! تمھاری شرمیلی طبیعت ہے بات گول مول نہ کرنا کہ تشریف لاؤ دعوت ہے وہاں کافی لوگ جمع ہیں بہت سارے چل پڑیں گے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا کہ حضرت ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور تین یا چار ساتھی اور لے آئیں۔ بات صاف کر کے آنا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضرت ! آپ تشریف لائیں اور تین یا چار ساتھی ساتھ لے لیں کہ میں نے جَو کی روٹی پکوائی ہے اور ٹیڈی بکری ذبح کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا: یَا اَھْلَ خَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ لَکُمْ سُوْرًا "اے خندق والو! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے سارے چلو۔" سب کو بھوک لگی ہوئی تھی بخاری شریف کی روایت ہے کہ سارے ہی ساتھ چل پڑے جو کہ ایک ہزار آدمی تھے۔ جب گھر پہنچے تو بیوی بڑی پریشان ہوئی کہ انتظام تو تھوڑا سا ہے اور اس نے ساری مخلوق گھر بلا لی ہے۔ بیوی نے اشارہ کر کے اندر بلایا اور کہا کہ مَا فَعَلْتَ ھٰذَا "یہ تو نے کیا کیا ہے؟" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے تمھارے سبق کے مطابق جا کر عرض کیا تھا کہ حضرت ! آپ تشریف لائیں اور چند ساتھی ساتھ لے لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ بات سنی اور سمجھی اور پھر اعلان فرمایا کہ سارے خندق والے آجاؤ جابر نے تمھارے لیے دعوت تیار کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات پڑھ کر ہنڈیا پر دم کیا بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک ہزار آدمی نے کھانا سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی بچ گیا۔ یہ معجزہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور معجزہ حق ہے اور کرامت بھی حق ہے۔

تو فرمایا البتہ تحقیق تمھارے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں اچھا نمونہ ہے۔ لیکن کس کے لیے ہے؟ ﴿لِمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے اور آخرت کے دن کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اور تیسری علامت یہ ہے ﴿وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا﴾ اور یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عقل مندوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے ﴿الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ﴾ [آل عمران:۱۹۱] "جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور پہلو کے بل۔" کئی دفعہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ ذکر کے لیے وضو شرط نہیں ہے اور جن دنوں میں عورتیں نماز نہیں پڑھتیں ان دنوں میں بھی وہ باقاعدہ ذکر کر سکتی ہیں، درود شریف پڑھ سکتی ہیں صرف قرآن شریف نہیں پڑھ سکتیں۔

آیات کا مصداق

فرمایا ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ﴾ اور جس وقت دیکھا مومنوں نے گروہوں کو جب وہ میدان میں آئے لڑائی کے لیے ﴿قَالُوْا﴾ مومنوں نے کہا ﴿ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ﴾ یہ وہ چیز ہے جس کا وعدہ کیا تھا ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ﴾ اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سچ فرمایا۔ اس وعدے سے کون سا وعدہ مراد ہے؟ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وعدہ ہے جس کا

ذکر دوسرے پارے کی اس آیت کریمہ میں ہے ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ [بقرہ: ۲۱۴] "کیا خیال کرتے ہو تم کہ جنت میں مفت میں داخل ہو جاؤ گے حالاں کہ ابھی تک تمھارے پاس پہلے لوگوں کی مثالیں نہیں آئیں انہیں پہنچی سختی اور تکلیف اور ان پر زلزلے کی سی کیفیت طاری کر دی گئی یہاں تک کہ کہا اس وقت کے رسول نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی مدد۔" ان پر مالی تکلیفیں بھی آئیں اور بدنی تکلیفیں بھی آئیں، میدان جنگ میں بھی تکالیف آئیں، تم ان تکلیفوں کے بغیر کیسے جنت میں چلے جاؤ گے؟ تو یہ وعدہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچا کر دکھایا کہ تکلیفیں نظر آ رہی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جنت بڑی قیمتی ہے تو اس کے لیے قیمت بھی بڑی ہوگی۔ جیسے سونا یا ہیرا خریدنے کے لیے تھیلا پیسوں سے بھر کے لے جانا پڑتا ہے۔

جب کہ دوسرے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مصداق یہ نہیں ہے۔ بلکہ ہوا اس طرح کہ غزوۂ احد ختم ہونے کے بعد مشرک جب مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو کہنے لگے کہ ہمارا پلڑا بھاری تھا کہ ہم نے بہت سے لوگ مار دیے اور بہت سے زخمی کیے اور بغیر فیصلہ کن جنگ کے واپس آ گئے آؤ پھر چلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مشرکین دوبارہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت بھی زخمی تھی۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۷۲ میں ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ "بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں ان کا تعاقب کرنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زخمی شیروں کو تعاقب کا حکم دے دیا۔ مشرکین کو جب اطلاع ہوئی تو کہنے لگے کہ زخمی شیر کا حملہ بڑا خطرناک ہوتا ہے انھوں نے ہمیں اب چھوڑنا نہیں ہے اور وہ وہاں سے بھاگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تین دن قیام پذیر رہے، سترہ (۱۷)، اٹھارہ (۱۸)، انیس (۱۹) شوال۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا وحی بھیجی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو سنائی کہ تمھارے پاس گروہوں کی شکل میں بڑا لشکر آئے گا مگر تمھارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا وَالْعَاقِبَةُ لَكُمْ "انجام تمھارے حق میں ہوگا۔" اس وعدے کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ گروہوں کی شکل میں بڑا لشکر آئے گا وہ سچ فرمایا تھا۔ ﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ اور نہ زیادہ کیا ان کے لیے اس بات نے مگر ایمان اور اطاعت کو۔ مومنوں کا ایمان اور بڑھ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کا جذبہ اور زیادہ ہو گیا۔

مومنین کی صفات

فرمایا ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ﴾ مومنوں میں کچھ ایسے مرد ہیں ﴿صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ جنھوں نے سچا کر دکھایا ہے وہ وعدہ جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں

شریک نہیں ہو سکے تھے سفر پر ہونے کی وجہ سے۔ جب سفر سے واپس آئے تو بڑا افسوس ہوا کہ پہلا غزوہ تھا، پہلا جہاد تھا میں اس سے محروم ہو گیا۔ اچھا! اگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ موقع دیا تو میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کروں گا۔ اُحد کے موقع پر مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا، ستر (۷۰) مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے سے مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک چٹان کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے تھے کہ پاس سے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ گزرے اور کہنے لگے عمر! کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ کہنے لگے کوئی مرہم پٹی وغیرہ کریں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مرہم پٹی والا معاملہ نہیں ہے بلکہ ستر مسلمانوں کا شہید ہونا، اکثر مسلمانوں کا زخمی ہونا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے کمر ٹوٹ گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہمارے لیے جنت کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟ کہنے لگے نہیں بند ہوا۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا میں جا رہا ہوں السلام علیکم اب تمھارے ساتھ ملاقات قیامت والے دن ہوگی۔ جا کر لڑے بخاری شریف میں روایت ہے کہ بدن پر تلوار اور نیزوں کے اسی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے۔ لاش پہچانی نہیں جاتی تھی۔ ہمشیرہ نے انگلی کے نشان سے بھائی کی لاش پہچانی۔

تو فرمایا بعض مومنوں نے وعدہ سچا کر دکھایا ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ بعضے ان میں سے وہ ہیں جنھوں نے پوری کی اپنی منت ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ﴾ اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جو شہید نہیں ہوئے انتظار کر رہے ہیں اپنی باری کا، وعدے کو نبھانے کے لیے ﴿وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ اور انھوں نے نہیں تبدیلی کی کسی قسم کی۔ جن کے مقدر میں شہادت تھی وہ شہید ہو گئے اور باقی منتظر ہیں ﴿لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا۔ ان کو سچائی کا بدلہ ضرور ملے گا ﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور تاکہ منافقوں کو سزا دے۔ ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر چاہے ﴿اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ یا ان پر رجوع کرے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے دے۔ بعض منافق توبہ کر کے سچے مسلمان ہو گئے تھے جیسے جلاس بن عمرو اور مخشی بن حُمیر رضی اللہ عنہما۔ مگر ایسے بہت تھوڑے تھے جنھوں نے سچے دل سے توبہ کی ہو اور سچے دل سے ایمان قبول کیا ہو اور اپنی پہلی کارروائیوں پر نادم ہوئے ہوں۔ ایسوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔

~~~

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ﴾ اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿بِغَيْظِهِمْ﴾ ان کے غصے کے ساتھ ﴿لَمْ يَنَالُوْا﴾ نہ حاصل کر سکے ﴿خَيْرًا﴾ کوئی خیر ﴿وَكَفَى اللّٰهُ﴾ اور کفایت کی اللہ تعالیٰ نے ﴿الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کی ﴿الْقِتَالَ﴾ لڑائی سے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿قَوِيًّا﴾ قوت والا ﴿عَزِيْزًا﴾ زبردست ﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ﴾ اور اُتارا ان لوگوں کو ﴿ظَاهَرُوْهُمْ﴾ جنھوں نے ان کی مدد کی ﴿مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اہل کتاب میں سے ﴿مِنْ صَيَاصِيْهِمْ﴾ ان کے قلعوں سے ﴿وَقَذَفَ﴾ اور ڈالا ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمُ﴾ ان کے دلوں میں ﴿الرُّعْبَ﴾ رعب ﴿فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ ایک فریق کو تم قتل کرتے ہو ﴿وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا﴾ اور قیدی
~~~

بناتے ہوا ایک گروہ کو ﴿ وَاَوْرَثَكُمْ ﴾ اور وارث بنایا تمھیں ﴿ اَرْضَهُمْ ﴾ ان کی زمین کا ﴿ وَدِیَارَهُمْ ﴾ اور ان کے گھروں کا ﴿ وَاَمْوَالَهُمْ ﴾ اور ان کے مالوں کا ﴿ وَاَرْضًا ﴾ اور اس زمین کا بھی ﴿ لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ﴾ جس کو تم نے پامال نہیں کیا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لِّاَزْوَاجِكَ ﴾ اپنی بیویوں کو ﴿ اِنْ كُنْتُنَّ ﴾ اگر ہو تم ﴿ تُرِدْنَ ﴾ ارادہ کرتی ﴿ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴾ دنیا کی زندگی کا ﴿ وَزِیْنَتَهَا ﴾ اور اس کی زینت کا ﴿ فَتَعَالَیْنَ ﴾ پس تم آؤ ﴿ اُمَتِّعْكُنَّ ﴾ میں تمھیں فائدہ پہنچاؤں گا ﴿ وَاُسَرِّحْكُنَّ ﴾ اور تمھیں چھوڑ دوں گا ﴿ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴾ اچھے طریقے سے چھوڑنا ﴿ وَاِنْ كُنْتُنَّ ﴾ اور اگر تم ہو ﴿ تُرِدْنَ اللّٰهَ ﴾ ارادہ کرتی اللہ تعالیٰ کا ﴿ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ﴿ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ ﴾ اور آخرت کے گھر کا ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ﴿ اَعَدَّ ﴾ تیار کیا ہے ﴿ لِلْمُحْسِنٰتِ ﴾ نیکی کرنے والیوں کے لیے ﴿ مِنْكُنَّ ﴾ تم میں سے ﴿ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ بڑا اجر ﴿ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ ﴾ اے پیغمبر کی بیویو! ﴿ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ ﴾ جو کرے گی تم میں سے ﴿ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ﴾ برائی واضح ﴿ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ﴾ دگنا کیا جائے گا اس کے لیے عذاب کو ﴿ ضِعْفَیْنِ ﴾ دوگنا ﴿ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴾ اور ہے یہ اللہ تعالیٰ پر آسان۔

غزوۂ خندق کا ذکر چلا آرہا ہے کہ تقریباً چوبیس ہزار [۲۴۰۰۰] کا لشکر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا اور مقابلے میں صرف تین ہزار [۳۰۰۰] آدمی تھے۔ اور حملہ آوروں کے علاوہ منافقوں اور یہودیوں کے شر کا بھی خطرہ تھا۔ موسم بھی سردی کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خصوصی نصرت فرمائی اور کافروں کو ناکام اور نامراد واپس لوٹا دیا۔ اس کا ذکر ہے۔

نصرتِ خداوندی

فرمایا ﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ ﴾ اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا ان کے غصے کے ساتھ۔ فرشتے بھیج کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کیا کہ وہ کافروں کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ اور دوسری طرف تیز آندھی بھیج کر ان کے خیمے اکھاڑ دیئے، ہانڈیاں اُلٹ گئیں اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے ﴿ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ﴾ نہ حاصل کر سکے کسی قسم کی کوئی خیر۔ وہ مدینہ طیبہ کو فتح کر کے لوٹ مار کرنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے آئے تھے مگر ناکام و نامراد واپس لوٹے ﴿ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ﴾ اور کفایت کی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جنگ سے کہ وہ جنگ لڑنے سے بچ گئے اور انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ قوت والا اور ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتا لہٰذا اس پر بھروسا رکھنا چاہیے کیوں کہ قوت کا سرچشمہ وہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل کے ساتھ معاہدے کیے۔ ان

میں بنوقریظہ بھی شامل تھے مگر جنگ خندق کے موقع پر انھوں نے غداری کی اور کافروں کی طرف داری کی۔ حملہ آوروں کے واپس چلے جانے کے بعد جب مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا اور ہتھیار اُتارنے کا ارادہ کیا آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی زرہ اُتارنے کا ارادہ فرمایا تو اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آ گئے اور کہنے لگے کہ آپ لوگ تو ہتھیار اُتارنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اُتارے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ کی عہد شکنی کا بھی فیصلہ کر لیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ کوئی شخص ہتھیار نہ اُتارے بلکہ اسی حالت میں بنوقریظہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ مدینہ طیبہ میں بھی اور باہر دیہات میں ان کے بڑے مضبوط قلعے تھے، دو منزلہ، چھ منزلہ، سات منزلہ۔ آنحضرت ﷺ کے حکم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں پہنچ گئے، اس کا ذکر ہے۔

غزوۂ بنوقریظہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ﴾ اور اُتارا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ﴿ظَاهَرُوْهُمْ﴾ جنھوں نے مشرکوں اور قریشیوں کی مدد کی ﴿مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اہل کتاب میں سے، یہودیوں میں سے۔ کہاں سے اُتارا؟ ﴿مِنْ صَيَاصِيْهِمْ﴾۔ صِيْصَةٌ کی جمع ہے اور صیصہ کا معنیٰ ہے قلعہ۔ ان کو قلعوں سے اُتارا ﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اور ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ﴿فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو ﴿وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا﴾ اور قیدی بناتے ہو ایک گروہ کو۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت ﷺ وہاں پہنچے تو یہود بنوقریظہ قلعہ بند ہو گئے تقریباً پچیس (۲۵) دن اپنے قلعوں میں رہ کر مسلمانوں کو للکارتے رہے۔ اِکا دُکا معمولی حملے بھی ہوتے رہے پچیس (۲۵) دنوں کے بعد مجبور ہو کر انھوں نے ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا اور کہا کہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ سعد بن معاذ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار مدینہ میں سے تھے اور یہودیوں کے محلے میں رہتے تھے اور تاجر تھے۔ ان کے ساتھ لین دین کا معاملہ ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بلا کر فرمایا کہ یہود بنوقریظہ تمھارے فیصلے پر راضی ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے کہ اگر میں قرآن کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں تو وہ کہیں گے کہ ہم یہودی ہیں اس لیے اس طرح کیا ہے اور اگر میں فیصلہ برادری کی سطح پر کرتا ہوں تو کہیں گے کہ اس نے مسلمانوں کی طرف داری کی ہے۔ بڑے ذہین تھے کہنے لگے میں فیصلہ تورات کے موافق کروں گا تاکہ وہ اس سے بھاگ نہ سکیں۔ آج بھی تورات میں موجود ہے کہ جب دو قومیں آپس میں لڑیں تو غالب آنے والی قوم کو حق حاصل ہے کہ وہ شکست خوردہ قوم کے نوجوانوں کو قتل کر دے اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تورات کے مطابق فیصلہ سنایا کہ ان کے نوجوانوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے۔

بخاری شریف میں روایت ہے اور مسلم شریف میں بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قَضَيْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ " آپ نے ان کے بارے میں وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا۔" چنانچہ ان کے نوجوانوں کو قتل کر دیا گیا اور عورتوں

اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا، بوڑھوں کو بھی قیدی بنالیا گیا۔ تو فرمایا ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور ایک کو قیدی بناتے ہو ﴿وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے یہود بنو قریضہ کی زمینوں کا تمھیں وارث بنایا ﴿وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ﴾ اور ان کے گھروں کا بھی وارث بنایا اور ان کے مالوں کا بھی۔ ﴿وَ اَرْضًا﴾ اور ایک اور زمین کا تمھیں وارث بنایا ﴿لَّمْ تَطَـُٔوْهَا﴾ جس کو تم نے ابھی کچلا نہیں ہے، روندا نہیں ہے ابھی تک تمھارے پاؤں وہاں نہیں پڑے۔ اس سے مراد خیبر کی زمین ہے جو مدینہ طیبہ سے دو سو میل کے فاصلے پر شام کی طرف ہے بڑا زرخیز علاقہ ہے وہاں سو فیصد یہودی رہتے تھے۔ خیبر کے علاقے میں بے شمار قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں اتنی قسم کی کھجوریں دنیا کے کسی علاقے میں نہیں ہے۔ چشمے تھے، باغات تھے، بڑے کھاتے پیتے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کا بھی مسلمانوں کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ اس زمین کا بھی تمھیں وارث بنایا کہ جس کو تم نے ابھی تک روندا نہیں ہے۔ فرمایا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

غزوۂ خیبر اور ازواج مطہرات کی طلبی وسعت

غزوۂ خیبر ۷ ھ محرم کے مہینے میں پیش آیا۔ پندرہ سو (۱۵۰۰) مجاہدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں خیبر پہنچے۔ مقابلے میں بیس ہزار (۲۰۰۰۰) یہودی تھے۔ بظاہر کوئی نسبت نہیں ہے۔ پھر یہودیوں کے اپنے قلعے اور اپنے مکان تھے یہ بے چارے پردیسی تھے سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اس زمین کا بھی میں نے تمہیں وارث بنایا ہے۔ ترانوے (۹۳) یہودی مارے گئے اور پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور خیبر فتح ہو گیا اور اس کے بعد مسلمانوں کے مالی حالات بدل گئے۔ گھروں میں چولہے جلنے لگے، کپڑے عمدہ پہننے لگے، عورتیں زیورات پہننے لگیں، خوراک اور پوشاک کی وسعت ہو گئی۔

اگلا واقعہ بھی اسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ازواج مطہرات بھی آخر انسان تھیں۔ لوہے اور ربڑ کی بنی ہوئی تو نہیں تھیں۔ ان کی بھی طبعی خواہشات تھیں۔ انھوں نے جب غریب سے غریب تر عورتوں کو دیکھا کہ اچھا لباس اور زیور پہنے ہوئی ہیں۔ دوپٹا بھی عمدہ ہے اوپر والی چادر اوڑھنی بھی عمدہ ہے تو ان کے دلوں میں بھی خیال آتا کہ ہمارے بھی حالات بدلنے چاہئیں کہ ان کے پاس وہی سوئی دھاگا ہوتا اور فرصت کے وقت کبھی قمیص پر پیوند لگاتیں اور کبھی شلوار کو۔ چنانچہ تمام ازواج مطہرات کے اتفاق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مطالبہ پیش کیا کہ ہمارے حالات بھی پہلے سے کچھ بدلنے چاہئیں۔ اس گفتگو کے لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا گیا کہ وہ بڑے ٹھنڈے مزاج کی مالک تھیں۔ کوئی کتنی بھی بات کہہ دیتا وہ گرم نہیں ہوتی تھیں اور بات بڑے سلیقے کے ساتھ کرتی تھیں۔ تو تمام نے ان کو اپنا وکیل بنایا۔ کچھ پہلے موجود تھیں اور کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد فوراً پہنچ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا اللہ خیر کرے آج میں گھیرے میں آ گیا ہوں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت دیکھو! پہلے اور آج کے حالات میں فرق آ گیا ہے مہاجرین کے گھروں میں چولہے جلنے لگ گئے، ان کی عورتوں کے لباس میں بھی فرق آ گیا ہے۔ ہم سب کا مطالبہ ہے کہ ہمارے حالات بھی بدلنے چاہئیں۔ اچھا لباس اور کھانے

پینے میں بھی سہولت ہونی چاہیے۔ اور زیور بھی عورت کی طبعی خواہش ہے وہ بھی ہمیں حیثیت کے مطابق ملنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے مطالبہ سنا تو ناراض ہو گئے اور قسم اُٹھالی کہ میں ایک مہینہ کسی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ مسجد کے اُوپر چوبارا تھا آپ ﷺ ایک مہینہ وہاں رہے۔ ایک ماہ کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ ذرا غور کرو سطحی طور پر دیکھا جائے تو بظاہر ازواج مطہرات کا مطالبہ غلط نہیں تھا۔ آپ ﷺ کیوں ناراض ہوئے اور ایک مہینے کا بائیکاٹ کیوں کیا؟ اس میں کئی حکمتیں تھیں۔ مثلاً: اگر آپ ﷺ اپنی بیویوں کے لیے سہولتیں مہیا فرما دیتے تو یہودیوں کی عورتیں، عیسائیوں کی عورتیں، منافقوں کی عورتیں دیکھ کر کہتیں کہ دیکھو! نبی ﷺ نے جو ماریں کھائی تھیں وطن چھوڑا تھا اس کا نتیجہ نکل آیا ہے۔ کیوں کہ ہر آدمی اپنے ذہن سے سوچتا ہے۔ تو انھوں نے کڑی اس کے ساتھ ملانی تھی کہ دیکھو! اس کی بیویاں کیا عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں ان کے پاس زیورات ہیں۔ حالاں کہ آپ ﷺ نے تکلیفیں تو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے اُٹھائی ہیں۔

دوسری بات یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ کی بیویاں عمدہ لباس اور زیور پہنتیں تو اُمت کی غریب عورتوں کے لیے کوئی نمونہ نہ ہوتا وہ اپنے دل کو کیسے مطمئن کرتیں۔ تو آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ میری بیویاں اُمت کی ان عورتوں کے لیے نمونہ بنیں جن کے لیے اچھا کھانا نہیں ہوگا، جو زیورات سے محروم ہوں گی۔ وہ جس وقت سنیں گی کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس بھی زیور نہیں تھا، عمدہ لباس نہیں تھا تو ان کی تسلی ہوگی کہ ہم کون ہیں ہماری مائیں بھی ایسے ہی رہیں۔ تو ایک ماہ کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ﴾ اے نبی کریم ﷺ! ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لِّاَزْوَاجِكَ ﴾ اپنی بیویوں کو ﴿ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴾ اگر ہو تم ارادہ کرتی دنیا کی زندگی کا ﴿ وَ زِیْنَتَهَا ﴾ اور دنیا کی زینت کا کہ تمھیں زیور چاہئیں ﴿ فَتَعَالَیْنَ ﴾ پس تم آؤ ﴿ اُمَتِّعْكُنَّ ﴾ میں تمھیں فائدہ پہنچاؤں گا۔ متعہ کہتے ہیں ایک جوڑا کپڑوں کا طلاق والی عورت کو دیا جاتا ہے۔ تو میں تمھیں ایک ایک جوڑا دیتا ہوں ﴿ وَ اُسَرِّحْكُنَّ ﴾ اور میں تمھیں رخصت کرتا ہوں ﴿ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴾ اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ میں تمھیں طلاق دے کر ایک ایک جوڑا دوں گا پھر جہاں جانا چاہو جاؤ ﴿ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ اور اے بیویو! اگر ہو تم ارادہ کرتی اللہ تعالیٰ کی رضا کا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا چاہتی ہو ﴿ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ﴾ اور آخرت کا گھر چاہتی ہو ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے ﴿ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ بڑا اجر۔ یہ چند دن تو تم مشکل میں رہو گی آگے نہ ختم ہونے والی زندگی میں آسانی ہی آسانی ہوگی ﴿ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ ﴾ اے پیغمبر کی بیویو! ﴿ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ ﴾ بالفرض جو بھی تم میں سے بے حیائی کرے گا ﴿ مُّبَیِّنَةٍ ﴾ کھلی ﴿ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ﴾ اسے دگنا عذاب دیا جائے گا ﴿ ضِعْفَیْنِ ﴾ دوگنا۔ ایک تو اس لیے کہ نبی کی بیوی ہے اور ایک اس لیے کہ کلمہ پڑھنے والی ہے۔ عذاب بھی دگنا اور اجر بھی دگنا۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ آیتیں پیش کیں اور فرمایا کہ اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کر کے پھر جواب دینا۔ کہنے لگیں حضرت! میں خود بھی رائے رکھتی ہوں اُرِیْدُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ "میں

اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتی ہوں اور اس کے رسول کی رضا چاہتی ہوں اور آخرت کا گھر چاہتی ہوں۔" دنیا کی زیب و زینت نہیں چاہیے۔ یہی جواب تمام بیویوں نے دیا ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اور ہے یہ اللہ تعالیٰ پر آسان تمھیں دگنا عذاب دینا۔

﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ﴾ اور جو فرماں برداری کرے گی ﴿مِنْكُنَّ﴾ تم میں سے ﴿لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿وَتَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور عمل کرے گی اچھا ﴿نُّؤْتِهَاۤ﴾ ہم دیں گے اس کو ﴿اَجْرَهَا﴾ اس کا اجر ﴿مَرَّتَيْنِ﴾ ڈبل (دُہرا) ﴿وَاَعْتَدْنَا لَهَا﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے اس کے لیے ﴿رِزْقًا كَرِيْمًا﴾ رزق عمدہ ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ﴾ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویو! ﴿لَسْتُنَّ﴾ نہیں ہو تم ﴿كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ عام عورتوں کی طرح ﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ اگر تم ڈرتی رہو ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ پس نہ دب کر کرو بات ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِيْ﴾ پس طمع کرے گا وہ شخص ﴿فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ جس کے دل میں بیماری ہے ﴿وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ اور کہو تم بات اچھی ﴿وَقَرْنَ﴾ اور ٹھہری رہو تم ﴿فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اپنے گھروں میں ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ﴾ اور نہ کھلے طریقے پر باہر پھرو ﴿تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ جیسا کہ عورتیں پہلی جاہلیت کے زمانے میں پھرتی تھیں ﴿وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم رکھو نماز کو ﴿وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتی رہو زکوۃ ﴿وَاَطِعْنَ اللّٰهَ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول کی ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے ہیں ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ﴾ تاکہ دور کر دے تم سے ﴿الرِّجْسَ﴾ گندگی ﴿اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ اے گھر والو! ﴿وَيُطَهِّرَكُمْ﴾ اور تاکہ تم کو پاک کر دے ﴿تَطْهِيْرًا﴾ پاک کرنا ﴿وَاذْكُرْنَ﴾ اور یاد کرو ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿يُتْلٰى﴾ جو پڑھی جاتی ہیں ﴿فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ تمھارے گھروں میں ﴿مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ﴿وَالْحِكْمَةِ﴾ اور سنت سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿لَطِيْفًا﴾ باریک بین ﴿خَبِيْرًا﴾ خبردار ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ بے شک مسلمان مرد ﴿وَالْمُسْلِمٰتِ﴾ اور مسلمان عورتیں ﴿وَالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مومن مرد ﴿وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور مومن عورتیں ﴿وَالْقٰنِتِيْنَ﴾ اور فرماں برداری کرنے والے مرد ﴿وَالْقٰنِتٰتِ﴾ اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ﴾ اور سچے مرد ﴿وَالصّٰدِقٰتِ﴾ اور سچی عورتیں ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ اور صبر کرنے والے مرد ﴿وَالصّٰبِرٰتِ﴾ اور صبر کرنے والی عورتیں ﴿وَالْخٰشِعِيْنَ﴾ اور ڈرنے والے مرد ﴿وَالْخٰشِعٰتِ﴾ اور ڈرنے والی عورتیں ﴿وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾ اور صدقہ کرنے والے مرد ﴿وَالْمُتَصَدِّقٰتِ﴾ اور صدقہ کرنے والی عورتیں ﴿وَالصَّآئِمِيْنَ﴾ اور روزہ رکھنے والے مرد ﴿وَالصّٰٓئِمٰتِ﴾ اور روزہ رکھنے والی

عورتیں ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ﴾ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ﴿وَالْحٰفِظٰتِ﴾ اور حفاظت کرنے والی عورتیں ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور یاد کرنے والے مرد اللہ تعالیٰ کو کثرت سے ﴿وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ اور ذکر کرنے والی عورتیں ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ تیار کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ﴿مَّغْفِرَةً﴾ بخشش ﴿وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور اجر بہت بڑا۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلی آیات کے شان نزول کے متعلق عرض کیا تھا کہ خیبر کے فتح ہونے کے بعد ازواج مطہرات نے دوسری عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے بود و باش کے متعلق سہولتوں کا مطالبہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے ناراض ہو کر ایک مہینہ کا بائیکاٹ کیا اور یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اختیار دیا گیا کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو میں تمھیں طلاق دے کر فارغ کر دیتا ہوں تمھارا جہاں جی چاہے وہاں چلی جاؤ اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اے پیغمبر کی بیویو! اگر تم میں سے کوئی گناہ کرے گی تو اس کو ڈبل سزا ہوگی اس لیے کہ تم نبی کی بیوی ہو۔ جتنا بڑا عہدہ ہوتا ہے سزا بھی ویسی ہوتی ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہدایات

اب اس کے برعکس فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ﴾ اور جو فرماں برداری کرے گی تم میں سے ﴿لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿وَتَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور عمل کرے گی اچھا ﴿نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ ہم اس کو دیں گے اس کا ڈبل (دہرا)۔ مثلاً: اگر عام عورت کہے سبحان اللہ تو اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی کہے سبحان اللہ تو اس کو بیس نیکیاں ملیں گی۔ عام عورت قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے تو قاعدے کے مطابق اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی ایک حرف پڑھے تو اس کو بیس نیکیاں ملیں گی۔ ایک اس لیے کہ مومن ہیں اور دوسرا اس لیے کہ پیغمبر کی بیویاں ہیں۔ ﴿وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا﴾ اور ہم نے ان کے لیے تیار کیا ہے عمدہ رزق۔ وہ جنت کا رزق ہے جس کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مرنے کے بعد خوشیاں بھی شروع ہو جاتی ہیں اور غمیاں بھی۔ اس لیے مسئلہ ہے کہ بغیر کسی اشد مجبوری کے دفن میں تاخیر نہ کرو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مرنے والا اگر نیک آدمی ہے تو اسے جلدی جلدی خوشیوں میں پہنچاؤ اور اگر دوسری مد کا ہے تو بلا سے جلدی جان چھڑاؤ۔

آگے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کر کے اُمت کی عورتوں کو مسئلہ سمجھایا ہے۔ فرمایا ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ﴾ اے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویو! ﴿ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو لیکن شرط یہ ہے کہ ﴿ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ ﴾ اگر تم ڈرتی رہو رب تعالیٰ سے۔ عام عورتوں والا قانون تم پر لاگو نہیں ہوگا۔ تمھارے لیے رب تعالیٰ کا قانون ہی الگ ہے سزا بھی ضعفین اور اجر بھی ڈبل۔ فرمایا ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ ﴾ پس تم دب کے بات نہ کرو، نرمی سے بات نہ کرو ﴿ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ ﴾ پس طمع کرے گا وہ شخص ﴿ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ﴾ جس کے دل میں بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ سبق دیا کہ اگر غیر محرم کوئی بات کرے تو اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات نہ کرو ﴿ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ اور بات کہو تم اچھی۔ لہجہ روکھا پھیکا ہو کہ اس کو دوبارہ بات کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اگر نرمی اور پیار کے انداز میں بات ہوگی تو وہ بات کو لمبا کرے گا تو اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے سمجھا دیا کہ بات روکھی ہو۔ بُری نہ ہو، گالی گلوچ نہ ہو معقول بات ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ازواج مطہرات کو خطاب کر کے ہماری ماؤں بہنوں کو سمجھایا ہے کہ بعض دفعہ آدمی گھر نہیں ہوتا اگر غیر محرم سے بات کرنی پڑے اس انداز میں کرنی ہے کہ بات معقول ہو لہجہ نرم نہ ہو۔ اس سے وساوس پیدا ہوتے ہیں، خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اور سبق فرمایا ﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو ﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ ﴾ اور زینت کا اظہار نہ کرو ﴿ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ﴾ جیسے جہالت اولیٰ میں اظہار زینت تھا یا جیسے آج کل عورتیں کرتی ہیں کہ ہار سنگار کر کے بے پردہ بازاروں میں جاتی ہیں اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ ہاں! ضرورت کے مطابق عورتوں کو کسی جگہ آنے جانے سے نہیں روکنا چاہیے۔ اپنے عزیز رشتہ داروں کے گھروں میں جائیں، کوئی عزیز بیمار ہوگیا ہے اس کی خبر لینے کے لیے جائیں لیکن شرعی حدود میں رہ کر۔ اسی سورت میں آگے آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیں ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ "کہ وہ اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔" تاکہ ان کے جسم کے نشیب و فراز نظر نہ آئیں اور نہ ان کی زیب و زینت کسی کو فتنے میں ڈالے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو عورت گھر میں رہ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گی اور نیکی کے کام سرانجام دے گی، برائی سے بچے گی اللہ تعالیٰ اس کو مجاہدین جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ عورت کا بغیر اجازت باہر جانا مکروہ تحریمی ہے۔ عورتوں کی اصل وضع گھر میں قرار پکڑنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ عورت کا گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا بڑے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور صحن کی نسبت بڑے کمرے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عورتوں کو فرما دیں کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور جاہلیت اولیٰ کے طور و اطوار اختیار نہ کریں۔ ﴿ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ اور نماز کو قائم رکھو ﴿ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ اور زکوٰۃ دیتی رہو ﴿ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

اہل بیت کا مصداق

پھر ان کاموں کی حکمت بیان فرمائی ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ ﴾ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے ہیں ﴿ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ

الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ تا کہ دور کر دے تم سے گندگی اے اہل بیت، اے گھر والو! ﴿وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيْرًا﴾ اور پاک کر دے تم کو اللہ تعالیٰ پاک کرنا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ احکامات جو بیان کیے ہیں تمھارے لیے اے پیغمبر کی بیو یو! اس سے غرض تمھیں ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھنا ہے۔

اہل بیت کے اول مصداق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں پھر اولاد ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کر کے ان کے لیے اہل بیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۲۱ میں ہے ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ "اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے صبح کے وقت اپنے گھر سے۔" یہ واقعہ احد کا ذکر ہے۔ اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے اور وہاں سے اُحد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اور سورۃ ہود آیت نمبر ۷۳ میں ہے ﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ "فرشتے کہنے لگے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں تم پر اے اہل بیت۔" اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہل بیت کا اولین مصداق بیوی ہے۔ کیونکہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر ان کی بیوی حضرت سارہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور فرشتوں نے ان کو اہل بیت کہا۔

اور ہماری زبان میں بھی اہل بیوی کو کہتے ہیں۔ مثلاً: دو دوست ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں اہل وعیال کا کیا حال ہے؟ تو اہل سے بیوی اور عیال سے بچے۔ اور اگر کسی نے نئی شادی کی ہو تو دوست اس سے پوچھتے ہیں گھر والوں کا کیا حال ہے؟ اب دیکھو! کل تو شادی ہوئی ہے راتوں رات تو بچہ نہیں ہو جائے گا۔ تو گھر والوں سے مراد بیوی ہے۔ اہل کا اصل مصداق بیوی ہے پھر اس کے تحت اولاد بھی آتی ہے۔ رہی وہ حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر کے نیچے جمع فرما کر کہا: اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِيْ "اے مولا کریم یہ میرے اہل بیت ہیں۔" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میری ازواج تو نص قرآنی کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں میری یہ اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہے۔ ان سے بھی گندگی کو دور کر کے انہیں پاک وصاف کر دے۔

فرمایا اے ازواج مطہرات! ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اور یاد کرو اس چیز کو جو پڑھی جاتی ہیں تمھارے گھروں میں ﴿مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ﴿وَالْحِكْمَةِ﴾ اور سنت۔ ان کو خود سیکھو اوروں کو سکھاؤ تا کہ یہ چیزیں ان کے لیے بھی نمونہ بن جائیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ باریک بین، خبر رکھنے والا۔

پہلے خاص خطاب تھا ازواج مطہرات کو۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عمومی خطاب فرمایا ہے اور مومن مردوں اور عورتوں کا اکٹھا ذکر کر کے ان کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر ازواج مطہرات اور بعض دوسری مومن عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کا ذکر تو کثرت کے ساتھ کیا ہے مگر عورتوں کا بہت کم۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مردوں اور عورتوں کا اکٹھا ذکر فرمایا اور

انہیں اچھے انجام کی خوش خبری سنائی۔

مومنات کی صفات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ ﴾ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ اسلام کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے جو نظر آتے ہیں۔ حدیث جبرئیل میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے متعلق فرمایا: اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِیَ الزَّكٰوةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا "اسلام یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دے نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کرے رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اگر توفیق ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔" پھر فرمایا ﴿ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں۔ ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتا اسی حدیث جبرئیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی تعریف یہ فرمائی: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ "کہ تو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور خیر اور شر کی تقدیر کو حق جانے۔" تو ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔

آگے فرمایا ﴿ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ ﴾ اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں۔ قنوت کا معنیٰ ہے بخوشی و رضا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو قبول کرنا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل بخوشی و رضا کرنے والے ہیں۔ کسی حیلے بہانے سے اس کی اطاعت سے باہر نہیں نکلتے۔ پھر فرمایا ﴿ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ ﴾ اور سچے مرد اور سچی عورتیں کہ وہ زندگی کے کسی موڑ پر سچائی کا دامن نہیں چھوڑتے ﴿ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ ﴾ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ دین اور دنیا کی وجہ سے جو تکلیفیں آتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور وہی ٹالنے والا ہے۔ جزع فزع کر کے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے ﴿ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ ﴾ اور ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے ڈرتے ہیں، نافرمانی سے ڈرتے ہیں، قبر کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حشر کی گرمی اور پیاس سے ڈرتے ہیں، دوزخ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں۔ اور خشوع کا معنیٰ عاجزی کا بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کمال عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ ﴿ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ ﴾ صدقہ خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات کرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور ضرورت مندوں کی مالی اعانت کرتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ "صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔" صدقہ و خیرات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مصیبتوں کو ٹالتا ہے۔ فرمایا

﴿وَالصَّآ ىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ﴾ اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔فرض روزے بھی رکھتے ہیں اور نفلی روزے بھی رکھتے ہیں۔حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ "میرا بندہ خالص میرے لیے روزہ رکھتا ہے اور اس کی جزا بھی میں اپنی مرضی کے مطابق دوں گا۔" آنحضرت ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جنت کے ایک دروازے کا نام باب الرّیان ہے جس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔

﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ نے پاک باز مردوں اور عورتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ اپنے ناموس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کرتے۔ سورۃ مومنون میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی حاصل کرنے والے مومنوں کی بعض صفات کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ "وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" زنا، لواطت سے بچتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان میں جنسی خواہشات رکھی ہیں۔نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لیے تو اس کو اپنے محل میں رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

بلکہ احادیث میں آتا ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے میں صدقے کا ثواب ہے۔آدمی جتنا صدقہ کرے گا اس کو اتنا ثواب ملے گا۔ناحق کرے گا تو سزا پائے گا۔﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ اور یاد کرنے والے مرد اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور ذکر کرنے والی عورتیں۔آیت نمبر ۴۱ میں آرہا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کرو۔" حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ يَذْكُرُ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ "تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔" قرآن کریم کی تلاوت، سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ورد کرتے رہنا چاہیے۔سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ "اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔" ذکر اللہ کی برکت سے آدمی بہت سی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔

ان اوصاف والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً﴾ تیار کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش ﴿وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور اجر بہت بڑا۔اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گے اور آخرت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

~~~

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ﴾ اور حق حاصل نہیں ہے کسی مومن مرد کو ﴿وَّلَا مُؤْمِنَةٍ﴾ اور نہ کسی مومن عورت کو ﴿اِذَا قَضَى اللّٰهُ﴾ جب فیصلہ کر دے اللہ تعالیٰ ﴿وَرَسُوْلُهٗٓ﴾ اور اس کا رسول ﴿اَمْرًا﴾ کسی معاملے کا ﴿اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ﴾ یہ کہ ہو ان مومنوں کے لیے ﴿الْخِيَرَةُ﴾ اختیار ﴿مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ اپنے معاملے میں ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ﴾ اور جو شخص
~~~

نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول کی ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہی کھلی ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ﴾ اور جب آپ کہہ رہے تھے ﴿لِلَّذِیْٓ﴾ اس شخص کو ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا ﴿وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾ اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے ﴿اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ﴾ روک رکھو اپنے واسطے بیوی کو ﴿وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿وَتُخْفِیْ﴾ اور آپ چھپاتے تھے ﴿فِیْ نَفْسِكَ﴾ اپنے دل میں ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا ہے ﴿وَتَخْشَى النَّاسَ﴾ اور آپ ڈرتے ہیں لوگوں سے ﴿وَاللّٰهُ اَحَقُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے ﴿اَنْ تَخْشٰىهُ﴾ کہ آپ اس سے ڈریں ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا﴾ پس جب پوری کر لی زید نے اس سے ﴿وَطَرًا﴾ حاجت ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ ہم نے نکاح کر دیا اس عورت کا آپ کے ساتھ ﴿لِكَیْ لَا يَكُوْنَ﴾ تاکہ نہ ہو ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں پر ﴿حَرَجٌ﴾ کوئی تنگی ﴿فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ﴾ ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں ﴿اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا﴾ جب وہ پوری کر لیں ان سے غرض ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ طے شدہ ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی حرج ﴿فِيْمَا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی ہے ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے ﴿فِی الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے بارے میں ﴿خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ ﴿قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ ایک اندازے سے طے شدہ ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿يُبَلِّغُوْنَ﴾ جو پہنچاتے ہیں ﴿رِسٰلٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے پیغامات ﴿وَيَخْشَوْنَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ﴿وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾ اور وہ نہیں ڈرتے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب دان۔

شانِ نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت پچیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ اس سے قبل وہ دو خاوندوں سے بیوہ ہو چکی تھیں اور ان سے اولاد بھی تھی۔ نکاح مقدر تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گیا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام تھا زید بن حارثہ جس کو انھوں نے چار سو درہم کے عوض خریدا تھا۔ یہ بڑا محنتی، وفادار اور دیانت دار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح کے بعد یہ غلام انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ غلام قبول کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ میں اس کو غلام بنا کر رکھوں کہ

پیغمبر دنیا میں آتے ہیں توحید و رسالت اور قیامت کی تبلیغ کے ساتھ قوموں کو آزادی دلانے کے لیے۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے توحید و رسالت اور قیامت کا مسئلہ بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا ﴿ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ [الشعراء:۱۷] "یہ کہ بھیج دے تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔" ان کو تو نے غلام بنا رکھا ہے آزاد کر دے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد وہ پریشان ہو گئے کہ اب میں اکیلا کہاں جاؤں؟ کہنے لگے حضرت! آپ نے مجھے آزاد کر دیا ہے لیکن میں آپ کے پاس بطور خادم کے رہ سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں اور ان کو اپنا متبنّٰی یعنی منہ بولا بیٹا بنا لیا یہاں تک کہ محلے داران کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں نے اس کو متبنّٰی بنالیا ہے تو اس کی شادی کا بھی انتظام کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ ان کے بھائی تھے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ ماں باپ دونوں فوت ہو چکے تھے۔ ۳ھ میں غزوۂ اُحد میں گیارہ (۱۱) شوال کو حق کی خاطر شہید ہوئے۔ احد کے مقام پر جو تین قبروں کے نشان نظر آتے ہیں ان میں سے ایک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور ایک عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی ہے اور ایک مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے بھی مشورہ کیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بھی مشورہ کیا۔ دونوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت رشتے کا کوئی جوڑ نہیں ہے کہ بنو ہاشم خاندان جو کہ بڑا اونچا خاندان ہے اس کی لڑکی ہو، عبدالمطلب کی نواسی ہو، جواں سال اور عقل و صورت کے اعتبار سے بھی ٹھیک ہو وہ ایسے شخص کو دیں جو غلام رہ چکا ہو کہ غلام، معاشرے میں حقیر سمجھا جاتا ہے جیسے آج کل تم لوگ کمی کو حقیر سمجھتے ہو۔ اب ظاہر بات ہے کہ اُونچے خاندان کا آدمی مضبوط ایمان کے بغیر تو کمی کو بیٹی دینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ تو نہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس رشتے کے لیے تیار تھیں اور نہ ان کے بھائی۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ﴾ اور نہیں حق حاصل کسی مرد مومن کو اور نہ مومنہ عورت کو ﴿ اِذَا قَضَى اللّٰهُ ﴾ جب فیصلہ کر دے اللہ تعالیٰ ﴿ وَرَسُوْلُهٗٓ ﴾ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ﴿ اَمْرًا ﴾ کسی معاملے کا ﴿ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ یہ کہ ہو ان مومنوں کے لیے اختیار اپنے معاملے میں۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کر دیں تو مومن کو اپنے معاملے میں ذرا اختیار بھی نہیں ہے کہ وہ اس میں پس و پیش کرے ﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ ﴾ اور جو نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ پس تحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہی کھلی۔ چوں کہ دونوں مومن تھے رب تعالیٰ کا حکم نازل ہونے کے بعد دونوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور نکاح پر راضی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھایا۔ حضرت زینب سخت مزاج کی تھیں اور حضرت زید ٹھنڈے مزاج کے تھے۔ بی بی کا مزاج اور خاوند کا مزاج اور۔ مزاج کا نہ ملنا بھی بدمزگی کا سبب ہوتا ہے اس لیے شریعت نے کفو کا مسئلہ رکھا ہے۔

مسئلہ کفو

کفو کا مسئلہ یہ ہے کہ اپنی برادری میں ملتے جلتے خاندان کے ساتھ نکاح کرو۔ غیر برادری، غیر کفو میں عموماً مزاج نہیں ملتے اور بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ کفو کا مسئلہ کوئی فرض، واجب اور سنت مؤکدہ نہیں ہے کہ بعض لوگ اس کو اس طرح فرض سمجھتے ہیں کہ برادری سے باہر نکلنے کو ایسے سمجھتے ہیں جیسے اسلام سے نکل گیا۔ یہ بات بھی شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ کوئی بھی مسلمان خاندان ہو اور رشتہ جائز ہو تو ہو سکتا ہے۔ کفو کا مسئلہ صرف اس لیے ہے کہ ممکن ہے آپس میں مزاج نہ ملیں اور اَن بن رہے۔ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت! ہمارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت زینب زبان کی بھی ذرا تیز تھیں اور یہ بے چارے غلامی میں رہ چکے تھے۔ کہنے لگے حضرت! نباہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب آپ کہہ رہے تھے ﴿لِلَّذِیْٓ﴾ اس شخص کو ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ﴾ جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا کہ اس کو پیدا فرمایا، اسلام کی توفیق دی، غلامی سے آزادی دلائی وغیرہ۔ ﴿وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس پر انعام کیا کہ اس کو آزاد کر دیا۔ آزادی بڑی نعمت ہے پھر اپنا متبنّٰی بنا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ﴿اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ﴾ روکے رکھ اپنے واسطے بیوی کو طلاق کا نام نہ لے طلاق بُری چیز ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی کہا ﴿وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو طلاق اچھی چیز نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ اَبْغَضَ الْمُبَاحَاتِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ " جو چیزیں جائز ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں بُری چیز طلاق ہے۔" ضرورت کے وقت جائز ہے مگر ہے بُری شے۔ حتّٰی کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس عورت نے بغیر کسی مجبوری کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا تو رب تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو طلاق کا نام نہ لو لیکن حالات بہت کشیدہ ہو چکے تھے نباہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی ﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مخفی رکھتے تھے اپنے نفس میں، اپنے دل میں ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل میں یہ بات مخفی رکھتے تھے کہ یہ نباہ بالکل نہیں ہو سکے گا اور لازماً طلاق کی نوبت آئے گی تو عدت کے بعد میں خود اس کے ساتھ نکاح کر لوں گا اس سے اس کی دل جوئی ہو سکے گی کیوں کہ نکاح میں نے کرایا ہے تو اس طرح رنجش بھی دور ہو جائے گی ﴿وَتَخْشَی النَّاسَ﴾ اور آپ ڈرتے ہیں لوگوں کے پروپیگنڈے سے کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹوں کا مقام دیتے تھے اور ان کی بیویوں کے ساتھ نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔ جیسے: حقیقی بیٹا ہو یا رضاعی بیٹا ہو اور یہ فوت ہو جائیں تو ان کی بیوہ کا سسر کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ وہ طلاق دے پھر بھی جائز نہیں ہے۔

تو جس طرح حقیقی بیٹے یا رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح جائز نہیں تھا زمانہ جاہلیت میں متبنّٰی کی بیوی کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ میں نکاح کر لوں جو کہ شریعت میں جائز ہے تو لوگوں کا منہ کون بند

کرے گا۔ اس پروپیگنڈے کا خوف تھا۔ فرمایا﴿ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور لوگوں کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ﴾ پس جب پوری کر لی زید رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی حاجت۔ دل بھر گیا، نباہ کی کوئی صورت نہ نکلی ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ ہم نے نکاح کر دیا آپ کے ساتھ اس عورت کا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے قرآن کریم میں صرف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نام آیا ہے اور کسی صحابی کا نام قرآن کریم میں نہیں آیا۔ فرمایا جس وقت زید نے حاجت پوری کر لی دل بھر گیا اور نباہ کی کوئی صورت نہ رہی اور طلاق ہوگئی عدت گزر گئی تو مسلم شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ پڑھا دیا۔ جس طرح نکاح کی مجلس ہوتی ہے اور گواہ ہوتے ہیں اس کی ضرورت نہیں سمجھی عرش پر خود ہی نکاح پڑھا دیا۔ عورتیں جب آپس میں اپنے اپنے فخر بیان کرتی تھیں کہ مجھے یہ فخر حاصل ہے، مجھے یہ فخر حاصل ہے تو یہ خاموش بیٹھی رہتی تھیں آخر میں فرماتی تھیں کہ تم نے جو اپنے فخر بیان کیے ہیں وہ اپنی جگہ صحیح ہیں مگر مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے عرش پر کیا ہے اور یہ فخر سب سے اُونچا ہے۔

فرمایا یہ ہم نے اس لیے کیا ﴿ لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ ﴾ تاکہ نہ ہو ایمان والوں پر کوئی تنگی ﴿ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ ﴾ ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں۔ اَدْعِيَاءُ دَعِيٌّ کی جمع ہے۔ منہ بولا بیٹا، لے پالک۔ ﴿ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ﴾ جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں اور نباہ کی صورت نہ ہو طلاق دے دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر تمھارے ذریعے اس مسئلے کو واضح کر دیا کہ متبنّٰی کی بیوی کے ساتھ طلاق کے بعد نکاح جائز ہے ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا حکم طے شدہ۔ جو رب تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ﴿ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ ﴾ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرج۔ لوگوں کے پروپیگنڈے سے نہ ڈریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی تنگی نہیں ہے ﴿ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ﴾ اس چیز کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی ہے لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کریں ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے ان لوگوں کے بارے میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا معاملہ ﴿ قَدَرًا ﴾ ایک اندازے سے ﴿ مَّقْدُوْرًا ﴾ طے شدہ۔ رب تعالیٰ نے جو بات طے کی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ وہ پہلے کون لوگ گزرے ہیں ﴿ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ ﴾ وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغامات اس کی مخلوق تک ﴿ وَيَخْشَوْنَهٗ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے ﴿ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا ﴾ اور وہ نہیں ڈرتے کسی ایک سے ﴿ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے حکم دیا ہے اس پر عمل کریں اور لوگوں کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴾ اور اللہ کافی ہے حساب دان۔

﴿مَا كَانَ﴾ نہیں ہیں ﴿مُحَمَّدٌ﴾ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ﴿اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ کسی ایک کے باپ تمھارے مردوں میں سے ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور خاتم النبیین ہیں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ ہر چیز کو جاننے والا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کو ﴿ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ کثرت سے یاد کرنا ﴿وَّسَبِّحُوْهُ﴾ اور اس کی تسبیح بیان کرو ﴿بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ وہ وہ ذات ہے ﴿يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ﴾ جو رحمت بھیجتی ہے تم پر ﴿وَمَلٰٓئِكَتُهٗ﴾ اور اس کے فرشتے دعائیں کرتے ہیں ﴿لِيُخْرِجَكُمْ﴾ تاکہ وہ نکالے تم کو ﴿مِّنَ الظُّلُمٰتِ﴾ اندھیروں سے ﴿اِلَى النُّوْرِ﴾ روشنی کی طرف ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہے مومنوں کے بارے میں ﴿رَحِيْمًا﴾ شفقت کرنے والا ﴿تَحِيَّتُهُمْ﴾ دعا ان کی ﴿يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ﴾ جس دن ملاقات کریں گے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿سَلٰمٌ﴾ سلام ہے ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ﴾ اور تیار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ﴿اَجْرًا كَرِيْمًا﴾ اجر عمدہ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو ﴿شَاهِدًا﴾ گواہی دینے والا ﴿وَّمُبَشِّرًا﴾ اور خوش خبری سنانے والا ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور ڈرانے والا ﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ﴾ اور دعوت دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ اس کے حکم کے ساتھ ﴿وَسِرَاجًا﴾ اور چراغ ﴿مُّنِيْرًا﴾ روشنی پہنچانے والا ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور خوش خبری سنا دیں آپ ایمان والوں کو ﴿بِاَنَّ لَهُمْ﴾ بے شک ان کے لیے ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿فَضْلًا كَبِيْرًا﴾ فضل ہے بہت بڑا ﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور آپ بات نہ مانیں کافروں کی ﴿وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور منافقوں کی ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ﴾ اور چھوڑ دیں ان کی اذیت کا بدلہ لینا ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور توکل کریں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔

ماقبل سے ربط

کل کے سبق میں تم نے سنا (اور پڑھا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ عدت ختم ہونے پر نکاح کیا تو مخالفین نے بڑا پروپیگنڈا کیا۔ کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ متبنّیٰ کی بیوی کے ساتھ نکاح کو حرام سمجھتے تھے جیسا کہ حقیقی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ اس پروپیگنڈے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگوں سے نہ ڈریں مجھ سے ڈریں جو رب تعالیٰ کا حکم ہے اس کو پورا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی مرد کے باپ نہیں ہیں زبان سے بیٹا کہنے سے کوئی بیٹا تو نہیں بن جاتا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ﴾ نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ﴿اَبَآ

﴿اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ﴾ کسی ایک کے باپ تمھارے مردوں میں سے۔تو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی طور پر کسی کے باپ نہیں ہیں تو صرف زبان سے بیٹا کہنے سے وہ بیٹا کیسے بن گیا؟ اس کے حقوق حقیقی بیٹے والے کیسے ہو گئے؟ پیار سے کسی کو بیٹا کہنا الگ بات ہے اور بیٹوں والے حقوق الگ بات ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین بیٹے تھے۔حضرت قاسم رضی اللہ عنہ جو نو دس ماہ کی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔دوسرے بیٹے کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا۔ان کا لقب طیب بھی تھا اور طاہر بھی تھا۔ یہ بھی بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔تیسرے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے جو اٹھارہ ماہ کی عمر میں فوت ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بیٹا رجل نہیں بنا بالغ نہیں ہوا۔بیٹیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار تھیں۔حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، یہ چاروں جوان ہوئی ہیں۔دو کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹوں عتبہ عتیبہ کے ساتھ ہوا۔ انھوں نے طلاق دے دی تو عدت کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح ہوا لیکن ان سے اولاد نہیں ہوئی۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ ہوا۔ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام امامہ تھا پھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا اور یہ بھی فوت ہو گئے۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا ان سے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور بیٹیاں ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا ہوئیں۔تو فرمایا آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں زید کو اگر منہ سے بیٹا کہا ہے تو وہ حقیقی بیٹا نہیں بن گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی اور ان کی وجہ تسمیہ

قرآن پاک میں چار مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آیا ہے۔غزوہ احد کے موقع پر خبر مشہور ہو گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کمر ٹوٹ گئی بہت پریشان ہوئے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ٮِٕنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انْقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ﴾ [آل عمران: ۱۴۴] "اور نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر اللہ تعالیٰ کے رسول تحقیق گزر چکے ہیں ان سے پہلے کئی رسول اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے، دین چھوڑ جاؤ گے۔" اور دوسرا مقام یہی آیت ہے ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ﴾۔تیسرا مقام سورۃ محمد میں ہے ﴿بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ﴾ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔اور چوتھا مقام سورۃ فتح میں ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ﴾۔ لفظ محمد کا لفظی معنیٰ ہے تعریف کیا ہوا۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جتنی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں ہوئی اور نہ ہو گی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اپنوں نے بھی کی اور بے گانوں نے بھی کی۔انسانوں نے بھی کی، جنات نے بھی کی، فرشتوں نے بھی کی، حیوانات میں بھی یہ جذبہ ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ سے گزر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اُونٹ بڑ بڑایا۔یہ

اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اُونٹ کے پاس گئے پھر پوچھا لِمَنْ هٰذَا الْبَعِيْرُ "یہ اُونٹ کس کا ہے؟ ساتھیوں نے بتایا کہ لِرَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ ایک انصاری کا ہے۔" فرمایا فوراً اس کو بلاؤ۔ وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تمھارے اُونٹ نے تمھاری تین شکایتیں کیں ہیں۔

① ...... یہ کہ تم اس کو ضرورت کے مطابق چارا نہیں ڈالتے۔

② ...... بروقت پانی نہیں پلاتے۔

③ ...... اس کو دھوپ میں باندھے رکھتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ "ان بے زبانوں کے بارے میں رب تعالیٰ سے ڈرو۔"

ایک خاص مقام پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر سے الگ ہو گئے۔ نہتے ہیں کوئی ہتھیار پاس نہیں ہے۔ جنگل کا ببر شیر باہر آ گیا یہ پریشان ہوئے کہ میرے پاس نہ تلوار ہے نہ نیزہ ہے اور یہ موذی ہے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے شیر سے اتنے لفظ کہے: يَا اَبَا الْحَارِثِ یہ شیر کی کنیت ہے، اے شیر! اَنَا سَفِيْنَةُ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ "میرا نام سفینہ ہے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم ہوں۔" یہ الفاظ سنتے ہی شیر نے دم ہلانا شروع کر دی جیسے کتا، بلی، مالک کے سامنے پیار کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ راستہ بھول گئے تھے اس شیر نے آگے ہو کر ان کو راستے پر ڈال دیا۔ جس وقت اسلامی فوج نظر آئی تو شیر نے سلام کیا اور چلا گیا۔

عقیدۂ ختم نبوت

تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں یعنی روحانی باپ سب کے ہیں چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانی باپ ہیں اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں جیسا کہ تم اسی سورت میں پڑھ چکے ہو وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ مائیں تب بنیں گی نا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپ ہوں۔ مگر روحانی باپ ہیں جسمانی نہیں ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد قیامت تک کوئی سچا نبی دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہے اور جو اس کو مانتا ہے وہ بھی کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کو تو شریف انسان کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ مرزے نے اپنی کتاب "اربعین" کے بارے میں اعلان کیا کہ میں چالیس جلدوں میں ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں لہٰذا مجھے چندے کی ضرورت ہے۔ اس کے حواریوں نے کافی چندہ دیا۔ چار چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے، اربعین نمبر ۱، اربعین نمبر ۲، اربعین نمبر ۳، اربعین نمبر ۴۔ رقم کافی اکٹھی ہوئی تھی دو تین سال گزر گئے اور کوئی کتاب نہ آئی۔ چار پانچ سال گزر گئے اور کوئی حصہ نہیں آیا۔ آٹھ دس سال کے بعد بھی جب اور کوئی

حصہ نہ آیا تو حواریوں نے کہا تم نے تو کہا تھا چالیس جلدیں لکھوں گا لیکن صرف چار حصے آئے ہیں اور وہ بھی چھوٹے چھوٹے باقی کب آئیں گے؟ بناوٹی نبی کا جواب سنو! کہنے لگا چار تو میں نے لکھ دیئے ہیں صفر تم اپنی طرف سے اس کے ساتھ لگا دو چالیس ہو جائیں گے۔ یہ ہے پیغمبر، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

مرزائی عام طور پر یہ دھوکا دیتے ہیں کہ مرزا صاحب تشریعی نبی یعنی شریعت والے نبی نہیں تھے اور غیر شریعت والا نبی آئے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے دھوکے سے بچنے کے لیے یہ حوالہ نوٹ کر لیں۔ مرزا اربعین نمبر ۴ میں لکھتا ہے "تشریعی نبی کون سا ہوتا ہے؟ تشریعی نبی وہ ہوتا ہے جس کی وحی میں امر بھی ہو، نہی بھی، حلال بھی ہو، حرام بھی ہو اور میری وحی میں امر بھی ہے، نہی بھی ہے، میں تشریعی نبی ہوں۔" عجیب پینترے اس نے بدلے ہیں۔ اس وقت کا یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ برطانیہ نے اس کو کھڑا کیا تھا اور وہ آج بھی ان کی سرپرستی کر رہا ہے۔ چار براعظموں میں روزانہ ان کی دو گھنٹے تقریر نشر ہوتی ہے۔ اس میں آدھا گھنٹہ مرزا قادیانی کے فضائل اور ڈیڑھ گھنٹہ دوسری گفتگو ہوتی ہے۔ مرزائیوں نے بہتر [۷۲] زبانوں میں اپنی من پسند کا ترجمہ چھپوا کر پوری دنیا میں تقسیم کیا ہے۔ بوسنیا ابھی آزاد ہوا ہے۔ بوسنیائی زبان میں بھی انھوں نے ترجمہ شائع کر دیا ہے۔ مال ان کے پاس بہت زیادہ ہے۔

تو یاد رکھنا! آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے بعد کوئی سچا نبی دنیا میں نہ آ سکتا ہے نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرما دیا ہے ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ۔ تمھیں خاتم النبیین کی اُمت بننے کا شرف حاصل ہوا ہے جس کے متعلق پیغمبر آرزوئیں کرتے گئے ہیں لہٰذا کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو ﴿وَّسَبِّحُوْهُ﴾ اور اس کی تسبیح بیان کرو۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ ﴿بُكْرَةً﴾ پہلے پہر ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ اور پچھلے پہر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی ہے حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) جیسا پیغمبر عطا فرمایا ہے یہ دو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں بڑی ہیں لیکن ہمیں ان نعمتوں کی قدر نہیں ہے۔ ہمیں قدر ہے مال و دولت کی، زر اور زمین کی۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ﴾۔ لفظ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے۔ تو معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ تم پر رحمت بھیجتا ہے۔ ہم جو درود شریف پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے اے اللہ! اپنی رحمت بھیج محمد ﷺ پر ﴿وَمَلٰٓئِكَتُهٗ﴾ اور جب لفظ صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے رحمت کی دعا کرنا۔ تو معنیٰ ہوگا اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ﴾ تاکہ نکالے تمھیں اندھیروں سے کفر و شرک کے، بدعت کے، تکبر، حسد، بغض اور کینہ کے اندھیروں سے نکالے ﴿اِلَى النُّوْرِ﴾ روشنی کی طرف۔ نورِ ایمان، نورِ توحید، نورِ حق کی طرف۔ اور کیا پوچھتے ہو؟ ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بڑی شفقت کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کتاب دی، پیغمبر دیا،

ایمان دیا، ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا۔ بڑی شفقت ہے۔ ﴿تَحِيَّتُهُمْ﴾۔ تَحِيَّةُ اصل میں اس دعا و سلام کو کہتے ہیں کہ جب دو آدمی آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعا کریں۔

جیسے فارسی والے کہتے ہیں خوش آمدید۔ پنجابی میں کہتے ہیں جی آیاں نوں۔ پشتو والے کہتے ہیں ہر کلہ راغلے۔ عربی میں تحیہ کہتے ہیں۔ تو پہلی ان کی جو آؤ بھگت ہوگی، دعا ہوگی ﴿يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ﴾ جس دن ملاقات کریں گے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿سَلٰمٌ﴾ سلام کے ساتھ ہوگی ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ [یٰسین: ۵۸] "سلام ہوگا اپنے بندوں کو رب رحیم کا۔" آج دیکھو! مزدور کو کارخانے کا مالک سلام کہے یا ملازم کو بڑے ہیڈ والا اس کا افسر سلام کہے تو وہ سارا دن خوش رہتا ہے کہ میرے افسر نے مجھے سلام کیا ہے اور رب تعالیٰ اپنے بندوں کو سلام کرے تو کتنے فخر اور خوشی کی بات ہے ﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا﴾ اور تیار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجر عمدہ۔

شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا کی تفسیر

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی کریم ﷺ! ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾ بے شک بھیجا ہم نے آپ کو گواہی دینے والا۔ اس گواہی کی وضاحت خود قرآن کریم نے فرمائی ہے لہٰذا قرآن کریم کی تفسیر کی موجودگی میں کسی اور تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۳ میں ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ "اور اسی طرح بنایا ہم نے تمھیں اُمت وسط، اعتدال والی تاکہ ہو جاؤ تم لوگوں پر گواہ اور ہو جائے رسول تم پر گواہ۔" تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہے۔ مثلاً: قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی پیشی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو فرمائیں گے هَلْ بَلَّغْتَ "کیا آپ نے تبلیغ کی تھی؟" وہ جواب دیں گے ہاں کی تھی۔ قوم سے پوچھا جائے گا کہ نوح علیہ السلام نے تمھیں میرا پیغام دیا تھا؟ تو وہ کہیں گے ہمیں انھوں نے تبلیغ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نوح علیہ السلام کو تم مدعی ہو کہ میں نے تبلیغ کی ہے اور وہ منکر ہیں لہٰذا گواہ پیش کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ میرے گواہ ہیں آخری پیغمبر کے صحابہ آپ ﷺ کی اُمت۔ تو اس اُمت کو بلایا جائے گا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی ہے؟ یہ اُمت کہے گی کہ ہاں! انھوں نے تبلیغ کی ہے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ یہ لوگ ہمارے خلاف کیسے گواہی دے سکتے ہیں یہ تو موقع پر موجود ہی نہیں تھے۔ یہ تو ہم سے ہزاروں سال بعد آئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے سنتے ہو وہ فریق کیا کہہ رہا ہے؟ یہ اُمت کہے گی اے پروردگار! اگر آپ سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں اور آپ کا آخری پیغمبر سچا ہے اور یقیناً سچا ہے تو پھر ہماری گواہی بھی سچی ہے۔ آپ کی کتاب میں ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الاعراف: ۵۹] "البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو پس کہا انھوں نے اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی کوئی نہیں تمھارا معبود اس کے سوا۔" جس وقت یہ اُمت گواہی دے چکے گی تو آنحضرت ﷺ اپنی اُمت کی گواہی کی تصدیق کریں گے کہ میری اُمت نے صحیح گواہی دی ہے۔ یہ معنیٰ ہے شَاهِدًا کا۔ ﴿وَ مُبَشِّرًا﴾ اور

خوشخبری دینے والا ﴿ وَّ نَذِيْرًا ﴾ اور ڈرانے والا۔ قرآن کریم کے اُردو ترجمے بہت سے ہیں۔ سب سے بہترین ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے پھر ان کے بھائی شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے پھر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ہے پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا پھر مولانا فتح محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے پھر مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے پھر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان اکابر نے جو ترجمے کیے ہیں بالکل صحیح ہیں۔

احمد رضا خان صاحب کی ترجمہ قرآن میں لفظی تحریف

اور ایک لفظی ترجمہ احمد رضا خان صاحب نے کیا ہے اس کا نام "کنز الایمان" ہے۔ لفظی ترجمے میں جتنی تحریف اس نے کی ہے خدا کی دنیا میں اور کسی نے نہیں کی۔ وہ شاہِدًا کا ترجمہ کرتا ہے حاضر ناظر۔ اے نبی! بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر۔ حالاں کہ تمام فقہاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر کہنے والے کو کافر کہتے ہیں۔ تو کفر قرآن کریم کا ترجمہ کیسے ہو گیا۔ دیکھو! جب ایک سادہ مسلمان اس کو پڑھے گا تو وہ کہے گا حاضر ناظر تو قرآن کا ترجمہ ہے۔ اتنا ظلم قرآن کریم پر کسی نے نہیں کیا جتنا احمد رضا خان صاحب نے کیا ہے کہ لفظی ترجمہ میں تحریف کی ہے۔ تفسیر میں تو لوگ گڑبڑ کرتے ہیں لیکن اتنی جرأت تو قادیانیوں نے بھی نہیں کی، بابیوں نے بھی نہیں کی، بہائیوں نے بھی نہیں کی کہ لفظی ترجمہ بگاڑ دیں۔ تشریح اپنی علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں۔ خاتم النّبیین کا ترجمہ مرزائی یہ کرتے ہیں کہ آپ خاتم النّبیین ہیں۔ تشریح میں تحریف کی ہے۔ اس اللہ کے بندے نے لفظی ترجمہ بدل دیا ہے۔ اس کے ترجمے پر بہت سارے ملکوں نے پابندی لگائی ہے۔ سعودیہ، متحدہ عرب امارات حتیٰ کہ ایران نے بھی اس پر پابندی لگائی ہے۔ قبائلی علاقوں میں بھی اس پر پابندی ہے۔ آزادی ہے ہمارے پاکستان میں جو اسلام کے لیے بنا تھا لیکن یہاں اسلام کا نام ہی نہیں ہے اور ہماری محترمہ (بے نظیر بھٹو سابق وزیر اعظم پاکستان) امریکہ کو خوش کرنے کے لیے وہاں کہہ آئی ہیں کہ پردہ وغیرہ کوئی شے نہیں ہے۔ بھئی! لعنت ہو ایسی عورت پر۔ اس علاقے میں جو ہماری بچیاں ہیں کالجوں میں پڑھتی ہیں وہ تو بضد ہیں کہ ہمارے سر پر دوپٹا ہونا چاہیے، سکارف ہونا چاہیے اور حکومت کہتی ہے نہیں ہونا چاہیے اور یہ وہاں جا کر کہہ آئی ہے کہ پردہ کوئی شے نہیں ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ تو شاھدًا کا ترجمہ حاضر ناظر قطعاً نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ حاضر ناظر کرنے والا پکا کافر ہے۔ فقہائے کرام سے زیادہ محتاط طبقہ کوئی نہیں ہے وہ بھی کافر کہتے ہیں۔

فرمایا ﴿ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ ﴾ اور دعوت دینے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿ بِاِذْنِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ اور ہم نے چراغ بنا کر بھیجا ہے روشنی پہنچانے والا۔ جیسے چراغ کے ذریعے روشنی پہنچتی ہے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایمان، اسلام اور شریعت کی روشنی پہنچتی ہے ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور خوش خبری سنا دیں ایمان والوں کو ﴿ بِاَنَّ لَهُمْ ﴾ کہ بے شک ان کے لیے ﴿ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴾ فضل ہے بہت بڑا۔ یہ آپ کو خطاب کر کے ہمیں تمھیں سمجھایا گیا ہے ﴿ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں

﴿وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور نہ منافقوں کی اطاعت کریں۔ آپ تو پیغمبر تھے آپ نے کب اطاعت کرنی تھی یہ بھی ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ نہ کافروں کی اطاعت کرو اور نہ منافقوں کی اطاعت کرو ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ﴾ اور ان کی اذیت کا بدلہ چھوڑ دو۔ وہ جو زبانی کلامی آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں اس کا تم بدلہ نہ لو۔ اب دیکھو! کتا کسی پر بھونکے تو وہ کہے کہ میں بھی اس پر بھونکوں گا۔ کتے کا تو کام ہے بھونکنا لہٰذا ان کی اذیت کا بدلہ چھوڑ دو ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کر ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز، کام بنانے والا۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ جب تم نکاح کرو مومن عورتوں کے ساتھ ﴿ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾ پھر تم ان کو طلاق دے دو ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ پہلے اس سے کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ﴾ پس نہیں ہے تمھارے لیے ان پر ﴿مِنْ عِدَّةٍ﴾ کوئی عدت ﴿تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ جس کو تم شمار کرو ﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ﴾ پس تم ان کو فائدہ پہنچاؤ ﴿وَسَرِّحُوْهُنَّ﴾ اور ان کو رخصت کر دو ﴿سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ رخصت کرنا اچھے طریقے سے ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ﴿اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ﴾ بے شک ہم نے حلال کیں آپ کے لیے ﴿اَزْوَاجَكَ﴾ آپ کی بیویاں ﴿الّٰتِيْٓ﴾ وہ ﴿اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ جن کا ادا کیا ہے آپ نے حق مہر ﴿وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ اور وہ جن کے مالک ہوئے آپ کے دائیں ہاتھ ﴿مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ﴾ جو اللہ نے لوٹائیں ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿وَبَنٰتِ عَمِّكَ﴾ اور آپ کے چچے کی بیٹیاں ﴿وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ﴾ اور آپ کی پھوپھی کی لڑکیاں ﴿وَبَنٰتِ خَالِكَ﴾ اور آپ کے ماموں کی لڑکیاں ﴿وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ﴾ اور آپ کی خالہ کی بیٹیاں ﴿الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ﴾ جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً﴾ اور وہ مومن عورت ﴿اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا﴾ اگر وہ ہبہ کرے اپنی جان کو ﴿لِلنَّبِيِّ﴾ نبی کے لیے ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ﴾ اگر ارادہ کرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﴿اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا﴾ کہ نکاح کرے اس کے ساتھ ﴿خَالِصَةً لَّكَ﴾ یہ خالص ہے آپ کیلئے ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کے علاوہ ﴿قَدْ عَلِمْنَا﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ﴾ جو کچھ ہم نے ان پر فرض کیا ہے ﴿فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ﴾ ان کی بیویوں کے بارے میں ﴿وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ اور ان کے بارے میں کہ مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ ﴿لِكَيْلَا يَكُوْنَ﴾ تا کہ نہ ہو ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿حَرَجٌ﴾ کوئی تنگی ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِيْمًا﴾ مہربان۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا ذکر تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے خود عرش پر کر دیا۔ اب نکاح کے متعلق مومنوں کو ہدایات ہیں۔ ارشاد ہے ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿ اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ جس وقت تم نکاح کرو مومن عورتوں کے ساتھ ﴿ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ ﴾ پھر تم ان کو طلاق دے دو ﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ ﴾ اس سے پہلے کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ یعنی ہم بستری کرو ﴿ فَمَا لَكُمْ عَلَیْھِنَّ ﴾ پس نہیں ہے تمھارے لیے ان عورتوں پر ﴿ مِنْ عِدَّةٍ ﴾ کوئی عدت ﴿ تَعْتَدُّوْنَھَا ﴾ جس کو تم شمار کرو۔

غیر مدخولہ بہا کی عدت

مسئلہ یہ ہے کہ نکاح ہو گیا لیکن رخصتی سے پہلے طلاق ہو گئی تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت کی عدت نہیں ہے۔ طلاق کے فوراً بعد بھی جہاں چاہے وہ عورت نکاح کر سکتی ہے کہ ایسی مطلقہ عورت کی کوئی عدت نہیں ہے۔ صدر ایوب کا دور تھا اس نے کچھ خاندانی قانون نافذ کیے جو ابھی تک نافذ ہیں۔ ان کی ایک شق یہ بھی ہے کہ مطلقہ غیر حاملہ کی عدت نوے (۹۰) دن ہے۔ اس پر علماء نے احتجاج کیا کہ قرآن کریم کی نص کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اس شق میں وہ مطلقہ بھی آتی ہے جس کی رخصتی نہیں ہوئی اور مطلقہ حائضہ اس کی زد میں ہے۔ کیوں کہ اس کی عدت تین حیض ہے اور حیض میں عورتوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں لہٰذا حیض والی کے لیے نوے (۹۰) دن مقرر کرنا بھی قرآن کریم کے خلاف ہے۔ صرف اس عورت کی عدت تین ماہ ہے جس کو حیض نہیں آتا مگر نوے (۹۰) دن عدت اس کی بھی نہیں بنتی۔ اس لیے کہ مہینہ کبھی تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دن کا۔ تو یہ قانون قرآن کے بالکل صریحاً خلاف ہے۔ علمائے کرام نے ایوب خان سے رابطہ کر کے وقت مانگا کہ ہم ملاقات کرنا چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر بات کرنی ہے تو اس نے ٹائم نہ دیا۔ دوسرے تیسرے دن جاپان کے ناچنے گانے والے مرد اور عورتیں آئیں تو ایوب خان نے ان کو ٹائم دے دیا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ بڑے مجاہد آدمی تھے انھوں نے ایوب خان کی خبر لی اور کہا کہ تیرے پاس جاپان سے آئے ہوئے بھانڈوں کے لیے ٹائم تھا اور علمائے کرام کے لیے نہیں تھا۔ حالاں کہ ہم تیرے ملک کے رہنے والے ہیں۔ پھر صدر ایوب خان کے خلاف اخبارات میں، رسالوں میں، تقریروں اور درسوں میں بہت کچھ ہوا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ حامد ناصر چٹھہ کے والد صاحب ہمارے حلقہ قومی اسمبلی کے ممبر تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کیا کہ یہ ہمارے حلقے کا قومی اسمبلی کا ممبر ہے اس کے ذریعے بات پہنچانی چاہیے اور اپنا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے حاجی اللہ دتہ مرحوم، صوفی نذیر احمد مرحوم، میر محمد شفیع صاحب، ملک حاجی محمد اقبال صاحب اور میں اس کے پاس احمد نگر گئے اور اس کے ساتھ گفتگو کی کہ صدر صاحب نے ہمیں تو وقت نہیں دیا ملاقات کے لیے اور

آپ ہمارے علاقے کے قومی اسمبلی کے ممبر ہیں آپ اپنے حلقے کی طرف سے یہ آواز پہنچادیں۔ میں نے لکھ کر بھی اس کو دیا۔ وہ ہماری بات سن کر بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا کہ قرآن میں اس طرح ہے اور ایوب خان نے اس طرح قانون بنایا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں! یہ قرآن آپ کے سامنے ہے اس کا ترجمہ دیکھ لیں۔ انگریزی ترجمہ دیکھ لیں اُردو کا دیکھ لیں۔ چودھری صلاح الدین کان پکڑ کر توبہ توبہ کرنے لگ گیا۔ پھر خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے ہماری بات پہنچائی یا نہیں۔

تو جس عورت کا نکاح ہوا اور رخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی تو اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ ﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ﴾ پس تم ان کو فائدہ پہنچاؤ۔ ان کو ایک جوڑا کپڑوں کا دے دو۔ مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کا حق مہر مقرر ہوا ہے اس عورت کو ایک جوڑا اپنی حیثیت کے مطابق دینا مستحب ہے اور اگر حق مہر مقرر نہیں ہوا تو پھر جوڑا دینا واجب ہے یعنی طلاق کے بعد۔ اسلام طلاق کے بعد بھی انسانی درجے سے نہیں گراتا کہ چلو جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوگیا کم از کم اب تم اس کو ایک جوڑا کپڑوں کا تو دے دو۔ لیکن یہاں صورت حال یہ ہے ان چیزوں کو کوئی نہیں سمجھتا۔ طلاق کے بعد لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَسَرِّحُوْهُنَّ﴾ اور اس کو رخصت کر دو، الگ کر دو ﴿سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ عمدگی اور شرافت کے ساتھ اس کو الگ کر دو۔

خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ﴾ بے شک ہم نے حلال کر دیں آپ کے لیے ﴿اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ﴾ آپ کی وہ بیویاں ﴿اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ جن کو حق مہر دے کر لائے ہو۔ بیشتر آپ کی بیویاں وہ تھیں کہ ان کو حق مہر دے کر آپ نے نکاح کیا ﴿وَمَا﴾ اور وہ بھی حلال ہیں ﴿مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ کہ آپ کا دایاں ہاتھ ان کا مالک ہے۔ یہ لفظ بار بار قرآن کریم میں آتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ لڑائی ہو اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں تو ان کے قیدی جو تمھارے پاس ہوں گے یا تو ان کا اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لو اور اگر تم ان پر احسان کرو اور مفت میں رہا کر دو تو اس کا بھی تمھیں حق ہے یا ان کو معاوضہ لے کر چھوڑ دو اس کا بھی اختیار ہے۔ اور آخری اور سخت صورت یہ ہے کہ ان کو غلام بنا لو۔ امیر لشکر تقسیم کرے گا دائیں ہاتھ سے پکڑائے گا اور دائیں ہاتھ میں دے گا اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شے دو تو دائیں ہاتھ سے دو اور جب لو تو دائیں ہاتھ سے لو۔ چوں کہ لینے اور دینے والے دونوں کا دایاں ہاتھ ہوتا تھا اس لیے اس کو ملک یمین کہتے ہیں۔ لونڈیاں اگر اہل کتاب میں سے ہوتی تھیں یہود و نصاریٰ میں سے تو ان کے ساتھ میاں بیوی والا معاملہ بھی ہو سکتا ہے اور اگر اہل کتاب میں سے نہ ہوں تو لونڈی ملک تو ہوگی لیکن اس کے ساتھ ہم بستری جائز نہیں ہوگی۔ ایسے سمجھو جیسے کوئی گدھی کا مالک ہے، کوئی خچری، بھینس کا مالک ہے۔ غیر اہل کتاب لونڈیوں کے ساتھ ہم بستری تب جائز ہوگی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اس طرح کی دو عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس تھیں۔ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا جو غزوۂ بنی مصطلق میں قید ہو کر آئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنے حرم میں لے لیا۔ دوسری حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہود میں سے تھیں۔ ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا۔

تو فرمایا کہ آپ کے لیے حلال ہیں وہ عورتیں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور وہ بھی کہ مالک ہے آپ کا دایاں ہاتھ ﴿مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر لوٹائی ہیں کہ مالِ غنیمت کے طور پر آپ کو دی ہیں ﴿وَ بَنٰتِ عَمِّکَ﴾ اور آپ کے چچے کی لڑکیاں ﴿وَ بَنٰتِ عَمّٰتِکَ﴾ اور آپ کی پھوپھی کی بیٹیاں ﴿وَ بَنٰتِ خَالِکَ﴾ اور ماموں کی لڑکیاں ﴿وَ بَنٰتِ خٰلٰتِکَ﴾ اور خالہ کی لڑکیاں ﴿الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَکَ﴾ جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور جنھوں نے ہجرت نہیں کی وہ آپ کے لیے حلال نہیں ہیں۔ یہ قانون عام مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ اسی لیے آگے آرہا ہے ﴿خَالِصَةً لَّکَ﴾ یہ خالص آپ کے لیے ہے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں تو ہیں دین پھیلانے کے لیے اور جنھوں نے ہجرت نہیں کی انھوں نے دین سیکھا ہی نہیں ہے تو آگے کیا دین پھیلائیں گی۔ محض عورتوں کی بھرتی تو نہیں کرنی۔ فرمایا ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً﴾ اور وہ عورت جو مومن ہو ﴿اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ﴾ اگر وہ اپنا نفس ہبہ کر دے نبی کے لیے ﴿اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ﴾ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارادہ کریں ﴿اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا﴾ کہ ان کے ساتھ نکاح کریں تو آپ کو اجازت ہے ﴿خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ یہ خاص ہے آپ کے لیے مومنوں کے سوا۔ کوئی عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہہ دے وَهَبْتُ لَکَ نَفْسِیْ "میں نے اپنا نفس آپ کو بخش دیا۔" بے شک تنہائی میں ہو، گواہ بھی نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمادیں کہ میں نے قبول کیا مجھے تو قبول ہے تو نکاح ہو جائے گا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص ہے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا نہیں ہے۔ اُمت میں سے کسی فرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ اُمت میں سے کسی کا نکاح گواہوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں جو ہم نے مقرر کیا ہے ان پر ﴿فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ﴾ ان کی عورتوں کے بارے میں یہ کہ اُمت میں سے کوئی چار سے زائد عورتوں کے ساتھ بہ یک وقت نکاح نہیں کر سکتا اور گواہوں کے بغیر نہیں کر سکتا اور نکاح کا مہر بھی دیں اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو عدل و انصاف سے کام لیں کہ ان کے شرعی حقوق پورے کریں اگر انصاف نہیں کر سکتے تو پھر ایک ہی پر گزارا کرے۔ ﴿وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ﴾ اور لونڈیوں کے بارے میں جو حکم ہے وہ بھی پورا کریں کہ لونڈی بت پرست مشرکہ نہ ہو۔ کتابیہ یعنی یہود و نصاریٰ میں سے ہو۔ اور چھٹے پارے میں مذکور ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز ہے۔

قادیانی اور رافضی عورتوں سے نکاح کا مسئلہ

لیکن یاد رکھنا! جیسے آج مسلمان کہلانے والے سارے مسلمان نہیں ہیں مثلاً: قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں،

رافضی شیعہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، منکرین حدیث، بابی، بہائی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ غالی مشرک بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ تو کہنے سے تو کوئی مسلمان نہیں بن جاتا۔ یہ سارے قطعی کافر ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں میں بھی بہت سے فرقے ہیں محض عیسائی کہنے سے ان کی میم کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہو جائے گا۔ اور یہودیوں میں بھی بہت فرقے ہیں زرا اتنا کہنے سے کہ میں یہودی ہوں تو ایسی عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے جب تک صحیح یہودی نہ ہو اور صحیح عیسائی نہ ہو تو نکاح جائز نہیں ہے۔ جیسے: ان مسلمان کہلانے والے فرقوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ بلوچستان میں ایک ذکری فرقہ ہے جن کے ہاں نہ نماز ہے نہ روزہ ہے چند اشغال وہ کرتے ہیں۔ وہاں ایک پہاڑ ہے کوہ مراد وہاں یہ حج کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مکہ کے حاجی کی طرح سمجھتے ہیں۔ ایسے فرقے مسلمان نہیں ہیں۔ اس لیے نکاح میں بڑی احتیاط کریں۔ رافضی پہلے اپنے آپ کو امامیہ کہتے ہیں اب فقہ جعفریہ والے کہلاتے ہیں۔ اس کو یاد رکھنا! کبھی نہ بھولنا یہ پکے کافر ہیں۔ ان کو کبھی نہ رشتہ دو اور نہ لو۔ چلو کسی کمزور مسلمان کو دو گے ایمان تو محفوظ رہے گا۔ ایمان بڑی چیز ہے۔

انگریز کے دور میں بہاول پور کے اندر ایک دین دار کی لڑکی کا رشتہ لاعلمی میں قادیانی کے ساتھ ہو گیا۔ وہاں جا کر ساس سسر، خاوند کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ تو مرزائی ہیں۔ واپس آ کر اس نے کہا کہ جائیداد کی خاطر تم میرا ایمان برباد کر رہے ہو وہ تو مرزائی ہیں۔ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی مرزائی ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ تم مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو میں نہیں جاؤں گی۔ اس نکاح کے ختم کرنے کا مقدمہ چلا۔ اس طرف سے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند وکیل تھے۔ دونوں طرف سے بڑا زور لگا۔ شاہ صاحب بیمار ہو گئے بچنے کی اُمید نہیں تھی۔ فرمایا کہ اگر میری زندگی میں اس مقدمے کا فیصلہ ہو گیا تو بڑی اچھی بات ہے ورنہ میری قبر پر آ کر مجھے فیصلہ سنانا کہ انور شاہ فیصلہ تمھارے حق میں ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد اکبر جج نے فیصلہ لکھا کہ قادیانی کافر ہیں، مرزائی کافر ہیں اور مسلمان کا نکاح کافر کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ اب تو ججوں کا بھی کوئی حال نہیں ہے سب تمھارے سامنے ہے۔

تو ﴿لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ تاکہ نہ ہو تم پر کوئی حرج، کوئی تنگی نہ ہو اس لیے ہم نے اجازت دے دی ہے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔

﴿تُرْجِیْ﴾ آپ پیچھے ہٹا دیں ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿تَشَآءُ﴾ جس کو آپ چاہیں ﴿مِنْهُنَّ﴾ ان بیویوں میں سے ﴿وَ تُـْٔوِیْۤ﴾ اور قریب کر لیں ﴿اِلَیْكَ﴾ اپنی طرف ﴿مَنْ تَشَآءُ﴾ جس کو آپ چاہیں ﴿وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ﴾ اور جس کو آپ چاہیں ﴿مِمَّنْ﴾ ان میں سے ﴿عَزَلْتَ﴾ الگ کر دیا تھا ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ﴾ پس کوئی حرج نہیں آپ پر ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿اَدْنٰۤى﴾ زیادہ قریب ہے ﴿اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ﴾ کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں ان کی ﴿وَ لَا

﴿ یَحۡزَنَّ ﴾ اور نہ ہوں غمگین ﴿ وَیَرۡضَیۡنَ ﴾ اور راضی ہو جائیں ﴿ بِمَاۤ ﴾ اس چیز پر ﴿ اٰتَیۡتَهُنَّ ﴾ جو آپ ان کو دیں ﴿ كُلُّهُنَّ ﴾ سب کو ﴿ وَاللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿ یَعۡلَمُ ﴾ جانتا ہے ﴿ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ﴾ جو تمھارے دلوں میں ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴾ سب کچھ جاننے والا، تحمل کرنے والا ﴿ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ ﴾ حلال نہیں ہیں آپ کے لیے (اے پیغمبر) عورتیں ﴿ مِنۢ بَعۡدُ ﴾ ان کے بعد ﴿ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ ﴾ اور نہ یہ کہ آپ تبدیل کریں ان کے بدلے میں ﴿ مِنۡ اَزۡوَاجٍ ﴾ دوسری بیویاں ﴿ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ ﴾ اور اگر چہ اچھا لگے آپ کو ﴿ حُسۡنُهُنَّ ﴾ ان کا حسن ﴿ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ﴾ مگر وہ جن کے مالک ہیں آپ کے دائیں ہاتھ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِیۡبًا ﴾ ہر چیز پر نگران ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿ لَا تَدۡخُلُوۡا ﴾ نہ داخل ہو ﴿ بُیُوۡتَ النَّبِیِّ ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَكُمۡ ﴾ مگر یہ کہ تمھیں اجازت دی جائے ﴿ اِلٰی طَعَامٍ ﴾ کھانے کی طرف ﴿ غَیۡرَ نٰظِرِیۡنَ اِنٰىهُ ﴾ اس حال میں کہ نہ دیکھنے والے ہو اس کے پکنے کو ﴿ وَلٰكِنۡ ﴾ اور لیکن ﴿ اِذَا دُعِیۡتُمۡ ﴾ جب تمھیں دعوت دی جائے ﴿ فَادۡخُلُوۡا ﴾ پس داخل ہو جاؤ ﴿ فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ ﴾ پس جس وقت تم کھانا کھا چکو ﴿ فَانۡتَشِرُوۡا ﴾ پھر چلے جاؤ ﴿ وَلَا مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ ﴾ اور نہ مانوس ہو ﴿ لِحَدِیۡثٍ ﴾ کسی بات میں ﴿ اِنَّ ذٰلِكُمۡ ﴾ بے شک یہ چیز ﴿ كَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ ﴾ تکلیف دیتی ہے اللہ تعالیٰ کے نبی کو ﴿ فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡكُمۡ ﴾ پس وہ حیا کرتے ہیں تم سے ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَسۡتَحۡیٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہیں شرماتے ﴿ مِنَ الۡحَقِّ ﴾ حق بیان کرنے سے ﴿ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ ﴾ اور جب تم سوال کرو ان سے ﴿ مَتَاعًا ﴾ کسی سامان کا ﴿ فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ ﴾ پس سوال کرو ان سے ﴿ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ پردے کے پیچھے سے ﴿ ذٰلِكُمۡ ﴾ یہ بات ﴿ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ ﴾ زیادہ پاکیزہ ہے تمھارے دلوں کے لیے ﴿ وَقُلُوۡبِهِنَّ ﴾ اور ان کے دلوں کے لیے ﴿ وَمَا كَانَ لَكُمۡ ﴾ اور نہیں ہے تمھارے لیے ﴿ اَنۡ تُؤۡذُوۡا ﴾ کہ تکلیف پہنچاؤ ﴿ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ﴿ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا ﴾ اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو ﴿ اَزۡوَاجَهٗ ﴾ اس کی بیویوں سے ﴿ مِنۢ بَعۡدِهٖۤ ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ﴿ اَبَدًا ﴾ کبھی بھی ﴿ اِنَّ ذٰلِكُمۡ ﴾ بے شک یہ ﴿ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِیۡمًا ﴾ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی چیز۔

ماقبل سے ربط

بہ یک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ پہلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ان عورتوں کی باری نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے جس کو چاہیں

قریب رکھیں اور جس کو چاہیں دور رکھیں آپ ﷺ پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔ عام مومنوں کے لیے قانون یہ ہے کہ اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہیں تو ان کے درمیان عدل وانصاف قائم رکھے۔ اگر ایک دن ایک کے پاس ہے تو دوسرے دن دوسری کے پاس رہے۔ خوراک، لباس، رہائش، علاج معالجہ، جتنی ضروریات ہیں ان میں سب کا خیال رکھے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کے پاس کم وبیش وقت گزار سکتے ہیں کہ بیویاں یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا حق ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے عدل وانصاف کو برقرار رکھا۔ بیویوں کے الگ الگ حجرے تھے۔ ایک دن رات ایک کے پاس رہتے تھے۔ پھر چوبیس گھنٹے دوسری کے پاس پھر تیسری کے پاس پھر چوتھی کے پاس۔ آپ ﷺ نے اس طرح باریاں مقرر کی ہوئی تھیں اور ظاہری طور پر مکمل برابری رکھتے تھے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسَمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا تَمْلِكُ وَ لَا اَمْلِكُ "یہ میری تقسیم ہے اس میں جو میرے اختیار میں ہے پس میرا مواخذہ نہ کرنا اس میں جو آپ کے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔" یعنی بیویوں کے درمیان جو عدل وانصاف، رہائش، لباس، خوراک کے لحاظ سے تھا وہ میں نے پورا کر دیا۔ اے پروردگار! جس چیز کا میں مالک نہیں اس میں مجھے نہ پکڑنا۔ آپ ﷺ کو طبعی طور پر محبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تھی۔ فرمایا پروردگار! وہ میرے بس میں نہیں ہے اس پر میرا مواخذہ نہ کرنا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ ﷺ کے ذمہ بیویوں کی باریاں لازم نہیں ہیں۔

اختیاراتِ نبوی ﷺ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ﴾ آپ پیچھے ہٹا دیں جس کو چاہیں ان میں سے باری نہ دیں۔ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہیں پیچھے ہٹا دیں باری نہ دیں ﴿ وَ تُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ﴾ اور قریب کرلیں اپنے جس کو چاہیں ﴿ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ ﴾ اور جس کو آپ چاہیں ﴿ مِمَّنْ عَزَلْتَ ﴾ ان میں سے جس کو الگ کیا ہے باری سے کہ اس کو باری نہیں دی تھی اگر اس کو باری دینا چاہتے ہیں ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ﴾ تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى ﴾ یہ بات زیادہ قریب ہے ﴿ اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ ﴾ کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں کہ باری نہیں تھی پھر دے دی تو سمجھیں گی کہ ہم پر احسان کیا ہے ﴿ وَ لَا يَحْزَنَّ ﴾ اور وہ غمگین اور پریشان نہیں ہوں گی ﴿ وَ يَرْضَيْنَ ﴾ اور راضی ہو جائیں ﴿ بِمَآ ﴾ اس چیز پر ﴿ اٰتَيْتَهُنَّ ﴾ جو آپ ان کو دیں ﴿ كُلُّهُنَّ ﴾ سب کو۔ لیکن میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے اپنے اخلاقِ حسنہ کی بنا پر اس رخصت پر عمل نہیں کیا بلکہ سب کو برابری کے ساتھ باری دی ﴿ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے ﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، تحمل والا۔ سب کچھ جانتا بھی ہے مگر فوری طور پر سزا نہیں دیتا یہ اللہ تعالیٰ کا تحمل ہے۔ اگر فوری طور پر نہیں پکڑتا تو یہ نہ سمجھو کہ گرفت سے بچ گئے ہو۔

اقتناعات

اور مسئلہ۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں اور کوئی بیوی نہیں تھی۔ وہ مکہ مکرمہ ہی میں فوت ہوگئی تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کا پچاسواں سال تھا اور نبوت کا دسواں سال تھا۔ اور دوسری بیوی حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ میں چند ماہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں رہیں اور فوت ہوگئیں۔ باقی نو بیویاں بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں۔ جن کی باری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر کی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جتنی بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں ہیں ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ﴾ حلال نہیں ہیں آپ کے لیے بیویاں ﴿مِنْۢ بَعْدُ﴾ اس کے بعد۔ ان کے بعد اب اور کوئی بی بی جائز نہیں ہے ﴿وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ﴾ اور نہ یہ کہ آپ تبدیل کریں ان کے بدلے میں ﴿مِنْ اَزْوَاجٍ﴾ دوسری بیویاں۔ بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی بیوی کو طلاق دے دیں اور اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرلیں اس کی اجازت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خانگی معاملات میں مختار کل نہ تھے۔ گھریلو معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کلی اختیار نہیں دیا تھا اور یہاں لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر مختار کل ہیں جو چاہیں کریں۔ کتنی واضح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حق نہیں ہے کہ ان بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کر کے گنتی پوری کرلیں۔ ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ اور اگرچہ ان عورتوں کا حسن آپ کو اچھا لگے۔ ان کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتے۔ بالفرض اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں فوت ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور نکاح کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور کتنے اُمتی ایسے ہیں کہ ایک بیوی مرجاتی ہے تو دوسری سے نکاح کر لیتے ہیں اور ایسے معمر لوگ بھی ہیں کہ انھوں نے یکے بعد دیگرے کئی کئی بیویاں کی ہیں۔ ان کے لیے پابندی نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پابندی ہے اور یہ بات قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور غلط عقیدے والے کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختار کل ہیں جو چاہیں کریں۔ یہ کیا منطق ہے؟ خدا کی پناہ! ﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ مگر وہ جن کے مالک ہیں آپ کے ہاتھ یعنی اگر کوئی عورت لونڈی کے طور پر آجائے تو وہ جائز ہے۔ اس کے بعد ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا لونڈی آئی تھیں ان کے پیٹ سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان۔ رقیب کا معنیٰ محافظ اور نگران۔

شانِ نزول

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گنجائش تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو خُبْزًا وَّ لَحْمًا گوشت روٹی کے ساتھ سیر کرایا۔ ایسا ولیمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور کسی کا نہیں کیا۔ چھوٹا سا کمرہ تھا اور پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ایک کونے میں بیٹھ کر عورتیں پکاتی رہیں اور دس دس آدمی آتے کھاتے اور چلے جاتے۔ تین صوفی قسم کے بزرگ صحابی کھانا کھانے کے بعد نہ اُٹھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسجد میں،

سفر میں، میدان جہاد میں باتیں سنتے رہتے ہیں آج ہمیں یہ فخر ہے کہ ہم گھر میں بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتیں کر رہے ہیں۔ عورتیں بے چاری کونے کے ساتھ لگ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ آخر انھوں نے بھی کھانا کھانا تھا، برتن صاف کرنے تھے مگر یہ جم کے بیٹھے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان مبارک سے کہنا مناسب نہ سمجھا کہ اب تم اُٹھ کر چلے جاؤ۔ آپ نے یہ حکمت عملی اختیار فرمائی کہ خود اُٹھ کر باہر تشریف لے گئے کہ میں چلا جاؤں گا تو یہ بھی چلے جائیں گے۔ کافی دیر باہر چلتے پھرتے رہے۔ انس رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے ان کو بھیجا کہ دیکھو بیٹھے ہیں یا چلے گئے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے آکر بتلایا کہ حضرت! وہ تو بیٹھے ہیں۔ پھر اندر نہ آئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر بھیجا کہ دیکھ کر آؤ چلے گئے ہیں؟ کہنے لگے حضرت! وہ تو جم کے بیٹھے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر چلنے پھرنے لگ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر بھیجا۔ تیسرے چکر میں ایک کو کوئی ضرورت پیش آئی وہ اُٹھ کر چلا گیا دو پھر بیٹھے رہے۔ اس موقع پر یہ اور آئندہ والی آیتیں نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ ﴾ نہ داخل ہو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں ﴿ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ ﴾ مگر یہ کہ تم کو اجازت دی جائے ﴿ اِلٰى طَعَامٍ ﴾ کھانے کی طرف ﴿ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ﴾۔ اِنٰه کا معنیٰ ہے پکنا۔ اس حال میں کہ نہ دیکھنے والے ہو پکنے کو کہ کیسے روٹی پکاتی ہے، چمچہ کیسے پھیرتی ہے؟ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھو ﴿ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ ﴾ اور لیکن جس وقت تم کو دعوت دی جائے ﴿ فَادْخُلُوْا ﴾ پس داخل ہو جاؤ، کھاؤ ﴿ فَاِذَا طَعِمْتُمْ ﴾ پس جب تم کھانا کھا چکو ﴿ فَانْتَشِرُوْا ﴾ تو فوراً چلے جاؤ ﴿ وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ﴾ اور نہ مانوس ہو کسی بات میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مانوس ہو کر بیٹھے نہ رہو ﴿ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ ﴾ بے شک یہ بات تکلیف دیتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو تکلیف دیتی ہے ﴿ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ﴾ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیا کرتے ہیں آپ سے کہ تمھیں کہیں کہ اُٹھ کر چلے جاؤ۔

ہم جیسے گنہگاروں کے گھر میں بھی کوئی اچھا یا بُرا آدمی آجائے طبیعت گوارا کرے یا نہ کرے لیکن زبان سے یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ تم اُٹھ کر چلے جاؤ۔ لڑائی جھگڑے کے لیے کوئی آئے، فتنے کے لیے آئے تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ بھئی! لڑائی جھگڑا نہیں ہے مسئلے کی حد تک رہو۔ کئی دفعہ ہوا لوگ بازو چڑھا کر مسئلہ پوچھتے تھے کہ تم کہتے ہو نبی حاضر و ناظر نہیں ہے، عالم الغیب نہیں ہے یہ نہیں ہے اور وہ نہیں ہے۔ ان کے مولوی ان کو سکھاتے تھے اور وہ لڑنے کے لیے آتے تھے۔ اب تو لوگ کافی سمجھ گئے ہیں الحمد للہ! مسئلے کی حد تک تو ان کو سمجھاتا تھا لیکن جب وہ لڑائی جھگڑے پر آتے تھے تو کہتا تھا برخوردار، بھائی، عزیز! جھگڑا کسی اور سے جا کر کرو پہلوانی ہمیں نہ دکھاؤ۔ ایسوں کو کہہ دیتا تھا چلے جاؤ۔ ان کے سوا دوسروں کو کہتا کہ اُٹھ کر چلے جاؤ بڑی مشکل بات ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خلق عظیم کے مالک تھے کیسے کہتے کہ اُٹھ کر چلے جاؤ۔ تو وہ تم سے حیا کرتے ہیں ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتے۔

پردہ کا حکم

اور مسئلہ۔ فرمایا﴿ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ ﴾اور جب تم ازواجِ مطہرات سے سوال کرو﴿ مَتَاعًا ﴾ کسی سامان کا ﴿فَسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ پس سوال کرو تم ان سے پردے کے پیچھے سے۔ پردے کا حکم آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا انس! یہ آیتیں سن لو اب تم نے اندر نہیں آنا۔ پہلے ایسے ہوتا تھا کہ کسی کو دابڑے کی ضرورت ہوتی، پرات کی ضرورت ہوتی آٹا گوندھنے کے لیے، چمچے کی ضرورت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے آ کر لے جاتے تھے اور فخر کرتے تھے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کٹھالی میں آٹا گوندھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چمچے کے ساتھ کھانا پکایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دابڑے میں کپڑے دھوئے ہیں۔ سیدھے آتے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو سلام کرتے اور کہتے کہ ہمیں فلاں چیز چاہیے۔ اب پابندی لگ گئی کہ پردے کی اوٹ میں ہو کر مانگو پردے کے پیچھے رہو اندر نہیں آ سکتے۔

فرمایا﴿ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ ﴾ اس حکم میں زیادہ پاکیزگی ہے تمھارے دلوں کے لیے ﴿ وَ قُلُوْبِهِنَّ ﴾ اور ان کے دلوں کے لیے بھی بڑی پاکیزگی ہے ﴿ وَ مَا كَانَ لَكُمْ ﴾ اور تمھیں حق نہیں پہنچتا ﴿ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ کہ تم تکلیف پہنچاؤ اللہ تعالیٰ کے رسول کو۔ ایک صحابی نے لاعلمی کی بنیاد پر اپنے ایک دوست کے سامنے اس بات کا ذکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عدت کے بعد نکاح کروں گا۔ اس کو مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ پیغمبروں کی بیویوں کے ساتھ کسی اور کا نکاح جائز نہیں ہوتا۔ پہلے پڑھ چکے ہو وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کہ پیغمبر کی بیویاں اُمتیوں کی مائیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ﴿وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا﴾ اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو ان کی بیویوں سے ان کی وفات کے بعد کبھی بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہیں۔

فرمایا﴿ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ بے شک تمھارا یہ ارادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ ماں بیوہ ہو جائے تو بیٹے کے ساتھ تو نکاح نہیں ہو سکتا۔

﴿اِنْ تُبْدُوْا﴾ اگر تم ظاہر کرو گے ﴿شَيْـًٔا﴾ کسی چیز کو ﴿اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ یا چھپاؤ گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ كَانَ ﴾ ہے ﴿ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾ ہر چیز کو جاننے والا ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ ﴾ کوئی گناہ نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر ﴿فِيْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ﴾ ان کے باپوں کے بارے میں ﴿ وَ لَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ ﴾ اور نہ بیٹوں کے بارے میں ﴿وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ﴾ اور نہ ان کے بھائیوں کے بارے میں ﴿وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ﴾ اور نہ بھائیوں کے بیٹوں کے بارے میں ﴿وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ اور نہ بہنوں کے بیٹوں کے بارے میں ﴿وَ لَا نِسَآىِٕهِنَّ﴾ اور نہ

اپنی مسلمان عورتوں کے بارے میں ﴿ وَلَا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ اور نہ ان کے بارے میں کہ جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ ﴿ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ﴾ اور ڈرتی رہو اللہ تعالیٰ سے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ كَانَ ﴾ ہے ﴿ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴾ ہر چیز پر گواہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ ﴾ اور اس کے فرشتے ﴿ يُصَلُّوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے دعائیں کرتے ہیں ﴿ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اے ایمان والو! ﴿ صَلُّوْا عَلَيْهِ ﴾ رحمت کی دعا کرو ان کے لیے ﴿ وَسَلِّمُوْا ﴾ اور سلام بھیجو ﴿ تَسْلِيْمًا ﴾ سلام بھیجنا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ ﴾ جو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ﴿ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ان پر ﴿ فِي الدُّنْيَا ﴾ دنیا میں ﴿ وَالْاٰخِرَةِ ﴾ اور آخرت میں ﴿ وَاَعَدَّ لَهُمْ ﴾ اور تیار کیا ہے ان کے لیے ﴿ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ عذاب رسوا کرنے والا ﴿ وَالَّذِيْنَ ﴾ اور وہ لوگ ﴿ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ جو ایذا پہنچاتے ہیں مومن مردوں کو ﴿ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ اور مومن عورتوں کو ﴿ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا ﴾ بغیر ان کے کسی گناہ کے ﴿ فَقَدِ احْتَمَلُوْا ﴾ پس تحقیق انھوں نے اُٹھایا ہے ﴿ بُهْتَانًا ﴾ بہتان کو ﴿ وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ اور کھلے گناہ کو۔

ماقبل سے ربط

کل کے درس میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ صحابہ میں سے کسی نے یہ خیال ظاہر کیا اپنے دوست کے سامنے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پیغمبر کی بیویاں تمھاری مائیں ہیں ان کے ساتھ نکاح کرنے کا تمھیں بالکل حق نہیں ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا ﴾ اگر تم ظاہر کرو کسی چیز کو ﴿ اَوْ تُخْفُوْهُ ﴾ یا اس کو مخفی رکھو دل میں تو یاد رکھو! ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾ پس بے شک ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ظاہر باطن، نیتوں اور دل کے ارادوں کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اُوپر حکم بیان ہوا تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اگر کچھ مانگنا ہے تو پردے کی اوٹ میں رہ کر مانگنا اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

محللات کے احکام

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ ﴾ کوئی گناہ نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر ان کے باپوں کے بارے میں۔ اس میں چچے اور دادے بھی شامل ہیں وہ اندر آسکتے ہیں۔ پہلا حکم عام لوگوں کے متعلق ہے۔ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے لیے کوئی پردہ نہیں ہے وہ بغیر پردے کے اندر آ سکتے ہیں۔

﴿وَلَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ﴾ اور نہ بیٹوں کے بارے میں کوئی حرج ہے۔مثلاً: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے جواں سال بیٹے تھے پہلے خاوند سے گو وہ پردے کی آیات سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ دوسرے خاوند سے بھی بیٹے تھے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا ابوسلمہ سے بیٹا تھا عمرو، نوجوان تھا۔ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بھی پہلے خاوندوں سے بیٹے تھے تو ان کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے ﴿وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ﴾ اور نہ ان کے بھائیوں کے بارے میں کوئی گناہ ہے کہ وہ بغیر اجازت کے آ سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں ان کو اپنی بہن کے پاس آنے کے لیے اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن کے بھائی تھے ان کو اندر آنے کے لیے نہ اجازت لینے کی کوئی ضرورت ہے نہ پردے کے پیچھے کھڑے ہونے کی کوئی ضرورت ہے چاہے وہ بھائی حقیقی ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے ہوں۔

﴿وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ﴾ اور نہ بھائیوں کے بیٹوں کے بارے میں کہ بھتیجوں سے بھی کوئی پردہ نہیں ہے پھوپھیوں کا، وہ بھی اندر آ سکتے ہیں ﴿وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ اور نہ بہنوں کے بیٹوں کے بارے میں کوئی حرج ہے کہ بھانجے بھی محرم ہیں ان کو بھی پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ ان کی خالائیں ہیں ان سے کوئی پردہ نہیں ہے ﴿وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ﴾ اور نہ مسلمان عورتوں سے کوئی پردہ ہے۔

غیر مسلم عورتوں سے پردہ کا حکم

یہ مسئلہ یاد رکھنا! غیر مسلم عورتوں سے اسی طرح پردہ کرنا ہے جس طرح غیر محرموں سے پردہ کرنا ہے۔ مثلاً: آج کل ہمارے گھروں میں جو عیسائی عورتیں کام کرتی ہیں ان کے سامنے بازو ننگے کرنا، ٹانگیں ننگی کرنا، پشت ننگی کرنا حرام ہے۔ اس مسئلے کو بھولنا نہیں ہے۔ میں تمھیں نصیحت کے طور پر ایک بات کہتا ہوں کہ گھروں میں عیسائی عورتوں کو کام کے لیے، برتن صاف کرنے کے لیے، کپڑے دھونے کے لیے رکھنا بڑی غلطی ہے۔ سب سے پہلے تو عورتیں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ گھر کے کام کرنے کا ثواب نفلی نماز، روزہ سے زیادہ ہے۔ بچوں کا پیشاب دھوئیں ثواب ملے گا، کپڑے دھوئیں، نہلائیں ثواب ملے گا، برتن دھوئیں ثواب ملے گا، جھاڑو دیں ثواب ملے گا۔ تو مسلمان عورتیں یہ ثواب کیوں ضائع کرتی ہیں۔ پھر طبی لحاظ سے یہ بھی یاد رکھنا! یہ اعضاء اگر حرکت نہ کریں تو کچھ عرصہ کے بعد بے کار ہو جاتے ہیں۔ آج کل زیادہ بیماریاں تن آسانی کی وجہ سے ہیں۔ کام کاج کرنے سے اعضاء حرکت میں رہتے ہیں اس طرح بہت سی بیماریوں سے بچا جا سکتا ہے۔ لہٰذا طبی نقطۂ نظر سے ان کے لیے کام ضروری ہے اور شرعی لحاظ سے ثواب بھی ہے تو گھر کا کام خود کریں تاکہ صحت برقرار رہے۔ آج چھوٹی چھوٹی بچیاں کہتی ہیں

یہاں درد ہو رہا ہے، یہ درد ہو رہا ہے۔ یہ دردیں کیوں نہ ہوں؟ جب تن آسانی ہوگی تو دردیں بھی ہوں گی چار پائیوں کو تم نے لازم پکڑا ہوا ہے اور کھانے پینے کے سوا کام کوئی نہیں دردیں تو ہونی چاہییں۔

میں کئی دفعہ یہ واقعہ عرض کر چکا ہوں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی کا رشتہ اس گھر میں نہ دیا کہ جنھوں نے گھر میں لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں کہ گھر کے افراد کی خدمت تو وہ کریں گی۔ میری لڑکی کو اہل خانہ کی خدمت کا موقع نہیں ملے گا اس کی جنت نہیں بنے گی حالاں کہ گھرانا بھی شریف تھا، لڑکا بھی شریف تھا اور آج ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ لڑکی تو ہم بیاہ دیں گے مگر وہ چولہے کے پاس نہیں بیٹھے گی، یہ کپڑے نہیں دھوئے گی، جھاڑو نہیں پھیرے گی۔ اس کو یہ نہ کہنا کہ روٹی لا کر دے، پلیٹ لا کر دے۔ جب یہ صورتِ حال ہوگی تو یقیناً عورتیں بیمار ہوں گی۔ آج نہ سہی کل سہی، سال نہ سہی دو سال سہی، بیماریاں لگ جائیں گی۔ لہٰذا عورتیں گھروں کا کام خود کریں، ہڈحرام نہ بنیں۔

اور یہ مسئلہ یاد رکھیں کہ گھر کے سارے کام نفلی نماز، روزہ سے زیادہ ثواب والے ہیں۔ اسی طرح مردوں کو کام کرنا چاہیے اعضاء جتنی حرکت کریں گے اتنا خون گردش کرے گا اتنی قوت آئے گی اور گھر میں عیسائی عورتوں کو رکھنا بڑا غلط طریقہ ہے۔

﴿ وَلَا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ اور نہ ان کے بارے میں کوئی حرج ہے کہ جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ یعنی لونڈیاں اور غلام۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں غلام بھی شامل ہیں یعنی وہ آ جا سکتے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف لونڈیوں کے لیے ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی ہوں وہ آ سکتی ہیں لیکن غلام مرد نہیں آ سکتا۔ اس کا مرد ہونا ہی مانع ہے۔ غلام مرد کا اپنی آقا سے اسی طرح پردہ ہوگا جیسے غیر محرم سے ہوتا ہے۔ فرمایا ﴿ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ﴾ اور ڈرتی رہو اللہ تعالیٰ سے۔ یہ جمع مؤنث امر حاضر کا صیغہ ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کر کے اُمت کی ماؤں بہنوں کو سمجھایا جا رہا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی اور اوجھل نہیں ہے۔

فضائلِ درود شریف

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے دعائیں کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ پہلے میں نے عرض کیا تھا کہ لفظ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو معنیٰ ہوتا ہے رحمت۔ ہم جو درود شریف پڑھتے ہیں اللّٰھم صلّ علی محمدٍ تو اس کا معنیٰ ہے اے پروردگار! آپ رحمت بھیجیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اے اللہ! آپ بھی درود پڑھیں جیسے بعض کہتے ہیں۔ اور جس وقت لفظ صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو یا انسانوں کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے رحمت کی دعا کرنا۔ درود شریف پڑھنا بہت بڑی فضیلت کی بات ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ درود شریف پڑھنے والے کو دس نیکیاں ملتی ہیں، ایک صغیرہ گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے حق تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ لہٰذا درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھو۔ اور کئی دفعہ

بیان کر چکا ہوں کہ درود شریف پڑھنے کے لیے اور دیگر ذکر واذکار کے لیے وضو شرط نہیں ہے بے وضو بھی پڑھ سکتے ہو۔ عورتوں نے جن دنوں میں نماز نہیں پڑھنی ہوتی ان دنوں میں بھی ذکر اذکار، درود شریف پڑھ سکتی ہیں صرف قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں باقی ذکر اذکار، تو بہ استغفار کرنا سب درست ہے۔ سب سے بہتر درود شریف نماز والا ہے درود ابراہیمی۔ اگر وقت نہیں ملتا تو مختصر الفاظ والا درود شریف پڑھنا بھی درست ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے دار العلوم دیو بند کی بنیاد رکھی تھی ان سے کسی نے پوچھا حضرت! الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ کے الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھا جا سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر اس نظریہ سے پڑھتا ہے کہ یہ مختصر ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں تو صحیح ہے۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھ کر پڑھتا ہے تو پھر کفر ہو گا۔ تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ نہ اس بات کو بھولنا اور نہ کسی کے مغالطے میں آنا۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ "جو شخص میری قبر کے پاس آکر درود پڑھے گا میں خود سنوں گا اور جواب بھی دوں گا وَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ اور جو شخص دور سے میرے اوپر درود شریف پڑھے گا مجھے پہنچایا جائے گا۔"

نسائی شریف کی روایت ہے: اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِيْ السَّلَامَ [نسائی: رقم ۲۸۲] "اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ایک الگ محکمہ قائم کیا ہے جو زمین پر پھرتے رہتے ہیں جہاں بھی کوئی درود شریف پڑھ رہا ہوتا ہے اس کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔" اہل حق کا یہی مسلک ہے کہ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب درود شریف پڑھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور دور سے پڑھتا ہے تو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور جہاں پڑھو خود سنتے ہیں تو یہ شخص پکا کافر ہے۔ اہل بدعت بریلویوں کو مغالطہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت پر ہمارا عمل ہے تمھارا نہیں کہ ہم ان لفظوں کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہیں الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ۔ تو اس میں صلوٰۃ کا لفظ بھی ہے اور سلام کا لفظ بھی ہے اور تم (اے دیو بندیو!) جو درود شریف پڑھتے ہو اس میں نہ صلوٰۃ کا لفظ آتا ہے نہ سلام کا۔ لہٰذا اس آیت پر ہمارا عمل ہے تمھارا نہیں۔ یہ ان بے چاروں کو مغالطہ ہے۔ اس لیے آپ حضرات نے بارہا دیکھا اور سنا کہ ہم کہتے ہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تو اس میں صل کا لفظ بھی ہے اور سلام کا لفظ بھی ہے۔ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی صلوٰۃ وسلام کے بغیر نہیں لیتے۔ ہمارا تو تکیہ کلام ہی صلوٰۃ وسلام ہے۔ لہٰذا الحمد للہ! قرآن پاک پر ہمارا عمل ہے۔ اور کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے، کوئی تفسیر کی کتاب نہیں ہے، کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہو جو ہم پڑھتے ہیں۔ تم

نے کھڑے ہو کر دو مرتبہ الصلوٰۃ و السلام علیك یا رسول اللہ۔ پڑھ لیا تو عامل بالقرآن کے دعوے دار ہو گئے۔

بخاری شریف میں روایت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ حضرت! ہم نے سَلِّمُوْا کا مفہوم تو سمجھ لیا السلام علیك اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رحمة اللہ وبرکاته جو نماز میں پڑھتے ہیں تو صَلُّوْا پر عمل کن الفاظ کے ساتھ کریں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درودِ ابراہیمی بتلایا: قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ یہ مفہوم صلّوا کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا۔ یہ درود شریف چوں کہ لمبا تھا اس لیے ان لوگوں نے محض لوگوں کو سنانے کے لیے الصّلوٰۃ و السلام علیك یا رسول اللہ کو پکڑ لیا۔

فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! ﴿صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ رحمت کی دعا کرو ان کے لیے اور سلام بھیجو سلام بھیجنا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے رب تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کو ناراض کرتے ہیں ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ﴾ اور تیار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ﴿عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ عذاب رسوا کرنے والا۔ اسی طرح ﴿وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور وہ لوگ جو مومن مردوں کو اذیت پہنچاتے ہیں ﴿وَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور مومن عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں ﴿بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا﴾ بغیر اس جرم کے جو انھوں نے کیا ہے۔ جرم انھوں نے کیا نہیں خواہ مخواہ ان پر بہتان باندھتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں ان کو دکھ پہنچاتے ہیں ﴿فَقَدِ احْتَمَلُوْا﴾ پس تحقیق انھوں نے اٹھایا ہے ﴿بُهْتَانًا﴾ بہتان کو ﴿وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ اور کھلے گناہ کو۔ انھوں نے کھلا گناہ کیا ہے۔ اور یہ مسئلہ تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ حقوق العباد توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ جب تک بندے سے معافی نہیں مانگو گے یا اس کا حق ادا نہیں کرو گے کروڑ مرتبہ بھی توبہ کرو معافی نہیں ملے گی۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾ آپ کہہ دیں اپنی بیویوں سے ﴿وَ بَنٰتِكَ﴾ اور اپنی بیٹیوں سے ﴿وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور مومنوں کی عورتوں کو ﴿یُدْنِیْنَ﴾ لٹکائیں ﴿عَلَیْهِنَّ﴾ اپنے اوپر ﴿مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ﴾ اپنی چادروں کو ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤی﴾ یہ زیادہ قریب ہے ﴿اَنْ یُّعْرَفْنَ﴾ کہ وہ پہچانی جائیں ﴿فَلَا یُؤْذَیْنَ﴾ پس ان کو تکلیف نہ دی جائے ﴿وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ﴿لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ البتہ اگر باز نہیں آئیں گے منافق لوگ ﴿وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے ﴿وَّ الْمُرْجِفُوْنَ﴾ اور بے پر کی اُڑانے والے ﴿فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ مدینہ طیبہ میں ﴿لَنُغْرِیَنَّكَ﴾

بِهِمْ﴾ البتہ ہم ابھاریں گے ان کے خلاف ﴿ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ﴾ پھر وہ نہ رہیں گے آپ کے پڑوس میں ﴿فِيهَآ﴾ مدینہ طیبہ میں ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ مگر تھوڑے سے ﴿مَّلْعُونِينَ﴾ لعنت کیے ہوئے ہیں ﴿أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا﴾ جس جگہ بھی وہ پائے جائیں ﴿أُخِذُوا﴾ پکڑے جائیں گے ﴿وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا﴾ اور قتل کر دیے جائیں گے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ﴿سُنَّةَ اللهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے ﴿فِي الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کے بارے میں ﴿خَلَوْا مِن قَبْلُ﴾ جو گزرے ہیں اس سے پہلے ﴿وَلَن تَجِدَ﴾ اور آپ ہرگز نہیں پائیں گے ﴿لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا﴾ اللہ تعالیٰ کے دستور کے لیے کوئی تبدیلی ﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ﴾ سوال کرتے ہیں آپ سے لوگ ﴿عَنِ السَّاعَةِ﴾ قیامت کے متعلق ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿إِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿عِلْمُهَا عِندَ اللهِ﴾ قیامت کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَمَا يُدْرِيكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ﴾ شاید کہ قیامت ﴿تَكُونُ قَرِيبًا﴾ قریب ہو ﴿إِنَّ اللهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿لَعَنَ الْكَافِرِينَ﴾ لعنت کی ہے کافروں پر ﴿وَأَعَدَّ لَهُمْ﴾ اور تیار کی ہے ان کے لیے ﴿سَعِيرًا﴾ بھڑکتی ہوئی آگ ﴿خَالِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا﴾ ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿لَّا يَجِدُونَ وَلِيًّا﴾ نہیں پائیں گے کوئی حمایتی ﴿وَلَا نَصِيرًا﴾ اور نہ کوئی مددگار ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ جس دن پلٹے جائیں گے ان کے چہرے دوزخ کی آگ میں ﴿يَقُولُونَ﴾ وہ لوگ کہیں گے ﴿يَا لَيْتَنَآ﴾ ہائے افسوس ہمارے اوپر ﴿أَطَعْنَا اللهَ﴾ ہم اطاعت کرتے اللہ تعالیٰ کی ﴿وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا﴾ اور اطاعت کرتے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

پردے کے احکامات

اس سے پہلی آیات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پردے کا حکم تھا کہ تم ان سے اگر کوئی شے مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ اس سے بظاہر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شاید پردے کا حکم صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ شبہ دور فرمایا ﴿يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿لِّأَزْوَاجِكَ﴾ اپنی بیویوں کو ﴿وَبَنَاتِكَ﴾ اور اپنی بیٹیوں کو ﴿وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور مومنوں کی عورتوں کو۔ کیا کہیں؟ ﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ﴾ لٹکا لیں اپنے اوپر ﴿مِن جَلَابِيبِهِنَّ﴾ اپنی چادروں کو۔ جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ جو عورتیں برقع نہیں پہنتیں وہ بڑی چادر پہن کر جائیں جس سے سر سے لے کر ٹخنوں تک سارا جسم ڈھکا ہوا ہو۔ اور یہ حکم سب کے لیے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے لیے اور مومنوں کی عورتوں کے لیے بھی۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں صرف ایک بیٹی نہیں تھی۔ مگر رافضی تمام اصولوں کا انکار کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک بیٹی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ کیوں کہ ان کے خیال کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور بیٹیاں ثابت ہو جائیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شرافت اور بزرگی ثابت ہو جائے گی اور اس سے تاریخ بھری پڑی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا ہے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا ہے۔ تو جب دو بیٹیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت ہو جائے گا تو ان کی شرافت اور بزرگی ثابت ہو جائے گی۔ حالاں کہ روافض تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بھی قائل نہیں ہیں اور نہ کسی اور صحابی کو مومن مانتے ہیں (سوائے دو چار کے) تو قرآن پاک میں جمع کا لفظ آیا ہے بنات یہ بِنْتٌ کی جمع ہے اور جمع کے کم از کم تین فرد ہوتے ہیں۔ تو قرآن کریم سے ایک سے زائد بیٹیاں ثابت ہوئیں۔ پھر احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی بیٹیاں تھیں۔

اصولِ کافی

پھر بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اصول کافی جو ان کی مستند ترین کتاب ہے۔ جیسے ہمارے ہاں قرآن کریم کے بعد بخاری شریف کو سمجھا جاتا ہے رافضیوں کے ہاں اصول کافی کو سمجھا جاتا ہے۔ اس میں مستقل باب ہے باب مولد النبی ﷺ و اولادہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی پیدائش" اس بات کی تصریح ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ اور اس سے پہلے وہ دو دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ پہلے خاوندوں سے بھی اولاد تھی پھر آگے تفصیل ہے کہ نکاح کے دو سال بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، حضرت طیب رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نبوت سے ایک سال پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ ضد اتنی ہے کہ اپنی کتاب ہی کو نہیں مانتے اور یہ بڑے منظم ہو کر چل رہے ہیں اور پاکستان میں بھی سازشیں کر رہے ہیں۔

دیکھو! شمالی علاقہ جات میں ان کی تعداد کافی ہے اب وہاں شیعہ ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں کہ جس کی بھاگ ڈور ایران کے ہاتھ میں رہے گی۔ پاکستان میں شیعہ ریاست بنانے کی ان کے پاس دلیل یہ ہے کہ وہاں ان کی اکثریت ہے۔ بھئی! اگر تم نے اسی منطق پر چلنا ہے تو زاہدان میں نوے فیصد آبادی سنیوں کی ہے وہاں تم نے نہ گورنر سنی بنایا ہے، نہ ڈی سی سنی بنانے کے لیے تیار ہو۔ بلکہ کوئی معتبر اور با اختیار افسر سنی نہیں ہے۔ تہران میں پانچ لاکھ سنیوں کی آبادی ہے مگر سنیوں کی ایک مسجد بھی نہیں ہے۔ گرجے موجود ہیں، ہندوؤں کے مندر ہیں، سکھوں کے گردوارے ہیں۔ پہلے ایک مسجد تھی مسجد فیض، اس کو خامنہ آئی نے بلڈوزر پھروا کر ختم کر دیا ہے۔ پرسوں میرے شاگرد مولوی رحمت اللہ زاہدان سے آئے تھے اسی درس میں شریک تھے۔ انھوں نے جو حالات بیان کیے ہیں تو بہ توبہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عوام اس شیعہ فتنے سے آگاہ نہیں ہیں یہ خبیث فتنہ ہے۔

توفرمایا اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیں اپنے اوپر بڑی بڑی چادریں لٹکالیا کریں ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰۤى﴾ یہ زیادہ قریب ہے ﴿اَنْ یُّعْرَفْنَ﴾ کہ پہچانی جائیں کہ یہ شریف عورتیں ہیں ﴿فَلَا یُؤْذَیْنَ﴾ پس ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ اس زمانے میں جو شریف عورتیں ہوتی تھیں وہ اس طرح پردے میں آتی جاتی تھیں۔ غنڈے قسم کے لوگ اس زمانے میں بھی تھے اگرچہ تھوڑے تھے اب زیادہ ہیں۔ ہر طرح کے آدمی ہر زمانے میں رہے ہیں۔ تو وہ پہچان لیں گے کہ یہ شریف عورتیں ہیں اس لیے ان کو ایذا نہیں پہنچائیں گے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔

منافقین کو دھمکی

﴿لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ البتہ اگر باز نہ آئے منافق لوگ ﴿وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں برائی کی بیماری ہے ﴿وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ﴾۔ اِرْجاف کا معنیٰ ہوتا ہے شوشہ چھوڑنا، بے پر کی اُڑانا۔ اور جو لوگ شوشے چھوڑتے ہیں، افواہیں پھیلاتے ہیں مدینہ طیبہ میں اگر یہ لوگ باز نہ آئے ﴿لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ﴾ ہم اے نبی کریم ﷺ! آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔ ہم نام بتلا دیں گے فلاں ہے، فلاں ہے، ان کا علاج کرو ﴿ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ﴾ پھر وہ نہیں رہیں گے آپ کے پڑوس میں۔ نہیں ٹھہر سکیں گے مدینہ طیبہ میں ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر تھوڑے سے۔

فرمایا اگر یہ منافق قسم کے لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو بتلا دیں گے مگر رب تعالیٰ کی حکمت تھی آخر تک بعض منافقوں کے نام نہیں بتلائے۔ آخری سورت سورہ توبہ ہے اور بڑی سورتوں میں سے ہے۔ دسویں پارے سے شروع ہوتی ہے اور گیارھویں پارے میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [آیت: ۱۰۱] "اے نبی کریم ﷺ! مدینہ طیبہ میں کچھ بڑے پکے منافق ہیں، سکہ بند منافق، آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔" تو فرمایا کہ اگر یہ باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں پھر یہ مدینہ طیبہ میں نہ ٹھہر سکیں گے مگر تھوڑے ﴿مَّلْعُوْنِیْنَ﴾ لعنت کیے ہوئے ہیں۔ ان پر رب تعالیٰ کی لعنت ہے ﴿اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا﴾ جہاں کہیں بھی پائے جائیں۔ جہاں بھی یہ ملیں اُخِذُوْا پکڑے جائیں گے ﴿وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا﴾ اور قتل کر دیئے جائیں گے ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی ہے کہ اگر یہ باز نہ آئے تو ہم آپ کو پیچھے لگا دیں گے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے ﴿فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ان لوگوں میں جو پہلے گزر چکے ہیں۔

پہلے بھی جو شرارتی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو قانون کے مطابق ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آج بھی اگر شرعی قانون کے مطابق دو چار سزائیں ہو جائیں تو کسی کو جرم کرنے کی جرأت نہ ہو۔ مگر سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ان غنڈوں کے پیچھے انتظامیہ کا ہاتھ ہوتا ہے، قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبروں کا ہاتھ ہوتا ہے، وڈیروں کا ہاتھ ہوتا ہے لہٰذا ان کو جرم کرتے وقت کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اگر ان کی پشت پناہی نہ ہو تو یہ شرارتیں نہ کریں۔

﴿وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے ﴿يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ﴾ سوال کرتے ہیں لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں کہ وہ کب ہوگی۔ اس سے پہلے رکوع کے آخر میں ہے کہ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ "اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی ہے دنیا میں اور آخرت میں۔" تو جب آخرت کا نام آیا تو منکرین قیامت نے پوچھا کہ وہ قیامت کب آئے گی؟ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے قیامت کب آنی ہے اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اتنا تو اجمالی طور پر سب جانتے ہیں کہ قیامت آئے گی مگر کس سن میں آئے گی اور کون سی تاریخ ہوگی اور وقت کیا ہوگا؟ یہ رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہم نے مرنا ہے لیکن کس گھڑی مرنا ہے یہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ میں نے دس سال بعد فلاں تاریخ کو مرنا ہے تو ابھی سے سوکھنا شروع ہو جائے۔ یہ رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ اس نے کسی کو نہیں بتلایا۔

فرمایا آپ کہہ دیں قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کس نے بتلایا ہے آپ صرف اتنا سمجھ لیں شاید کہ قریب ہی ہو۔ وقت رب تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے کافروں پر ﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا﴾ اور تیار کی ہے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ۔ سعیر اس آگ کو کہتے ہیں جس میں شعلے ہوں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ رہیں گے اس دوزخ کی آگ میں ہمیشہ۔ کافروں کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہیں ہوگا ﴿لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا﴾ وہ نہیں پائیں گے کوئی حمایتی۔ کوئی ان کی زبانی حمایت بھی نہیں کرے گا اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔ عملی طور پر بھی ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا کہ دوزخ سے نکال لے ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ اس دن ان کے چہرے الٹ پلٹ کر کے آگ میں پھینکے جائیں گے۔ کافر جب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں آئیں گے تو ان کے سر نیچے ہوں گے اور ٹانگیں اُوپر ہوں گی، سر کے بل چل کے آئیں گے۔ یہ علامت ہوگی کہ دنیا میں ان کی کھوپڑی اُلٹی تھی یہ رب تعالیٰ کی تعلیم کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتے تھے۔

یہاں کسی نے سوال کیا کہ حضرت! سر کے بل بندہ کیسے چلے گا؟ تو فرمایا جو رب ٹانگوں پر چلا سکتا ہے وہ سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ پھر جب فرشتے ان کو دوزخ میں پھینکیں گے تو سر نیچے اور ٹانگیں اُوپر ہوں گی اس وقت کافر کیا کہیں گے؟ یہ لفظ بھی یاد رکھنا! ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ وہ کہیں گے ﴿يٰلَيْتَنَآ﴾ افسوس ہمارے اُوپر ﴿اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ مگر اس وقت افسوس کا کیا فائدہ؟ آج اطاعت کا وقت ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، قرآن سمجھو، حدیث سمجھو، فقہ اسلامی سمجھو، اخلاق بناؤ، قبر اور آخرت کی فکر کرو۔

﴿وَقَالُوْا﴾ اور وہ کہیں گے ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اِنَّآ اَطَعْنَا﴾ بے شک ہم نے اطاعت کی ﴿سَادَتَنَا﴾ اپنے سرداروں کی ﴿وَكُبَرَآءَنَا﴾ اور اپنے بڑوں کی ﴿فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ پس انھوں نے بہکا یا ہمیں راستے سے ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اٰتِهِمْ﴾ دے ان کو ﴿ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ دگنا عذاب ﴿وَالْعَنْهُمْ﴾ اور ان پر لعنت کر ﴿لَعْنًا كَبِيْرًا﴾ بہت بڑی لعنت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَكُوْنُوْا﴾ نہ ہو تم ﴿كَالَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرح ﴿اٰذَوْا مُوْسٰى﴾ جنھوں نے اذیت پہنچائی موسیٰ علیہ السلام کو ﴿فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا ﴿مِمَّا قَالُوْا﴾ اس چیز سے جو انھوں نے کہی تھی ﴿وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت والے تھے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَقُوْلُوْا﴾ اور کہو تم ﴿قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ بات درست ﴿يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ وہ درست کر دے گا تمھارے اعمال ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ اور بخش دے گا تمھارے گناہ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ پس تحقیق وہ کامیاب ہو گیا کامیابی بڑی ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ﴾ بے شک ہم نے پیش کی امانت ﴿عَلَى السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں پر ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین پر ﴿وَالْجِبَالِ﴾ اور پہاڑوں پر ﴿فَاَبَيْنَ﴾ پس ان سب نے انکار کر دیا ﴿اَنْ يَّحْمِلْنَهَا﴾ کہ اٹھائیں اس کو ﴿وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ اور سب ڈر گئے اس امانت سے ﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ اور اٹھالیا اس امانت کو انسان نے ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ بے شک وہ ظالم جاہل ہے ﴿لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ سزا دے منافق مردوں کو ﴿وَالْمُنٰفِقٰتِ﴾ اور منافق عورتوں کو ﴿وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور شرک کرنے والے مردوں کو ﴿وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ اور شرک کرنے والی عورتوں کو ﴿وَيَتُوْبَ اللّٰهُ﴾ اور تاکہ رجوع فرمائے اللہ تعالیٰ ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومن مردوں پر ﴿وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور مومن عورتوں پر ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِيْمًا﴾ مہربان۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سبق میں تم نے پڑھا ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ ”جب پلٹے جائیں گے ان کے چہرے جہنم کی آگ میں ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ اس وقت کہیں گے ﴿يٰلَيْتَنَآ﴾ ہائے افسوس ہمارے اُوپر ﴿اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔“ اور سورہ فرقان آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى

﴿يَدَيۡهِ﴾ "اور جس دن کاٹیں گے ظالم اپنے ہاتھوں کو ﴿يَقُوۡلُ﴾ کہے گا ﴿يٰلَيۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا﴾ کاش میں نے پکڑ لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ۔" اور یہ بھی کہیں گے ﴿وَقَالُوۡا﴾ اور کہیں گے ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا﴾۔ سَادَةٌ سَيِّدٌ کی جمع ہے۔ عربی لغت میں سیّد بڑے آدمی کو کہتے ہیں اور ہماری اصطلاح میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہو یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہو۔ لغت میں سید کے معنی ہیں بڑا آدمی، سردار۔ تو معنی ہوگا بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی۔ اور یہاں سرداری سے مراد مذہبی سرداری ہے، مذہبی پیشوا۔ ہم نے اپنے مذہبی پیشواؤں کی اطاعت کی ﴿وَكُبَرَآءَنَا﴾۔ اور کُبَرَاء کبیر کی جمع ہے۔ سیاسی طور پر بڑے۔ ہم نے اپنے مذہبی سرداروں کی اور سیاسی سرداروں کی اطاعت کی ﴿فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا﴾ پس انھوں نے بہکایا ہمیں سیدھے راستے سے ﴿رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ ضِعۡفَيۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ﴾ اے ہمارے رب! دے ان کو دگنا عذاب۔ ہمارا عذاب بھی ان پر ڈال ﴿وَالۡعَنۡهُمۡ لَعۡنًا كَبِيۡرًا﴾ اور ان پر لعنت کر بہت بڑی لعنت۔ اس مقام پر تو جواب نہیں ہے سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۳۰ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِيۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا﴾ "کیا نہیں آئے تھے تمھارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کرتے تھے تم پر میری آیتیں اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کی ملاقات سے۔" یہ شوشے جو تم چھوڑ رہے ہو کہ ہمارے مذہبی اور سیاسی راہنماؤں نے ہمیں گمراہ کیا۔ کیا میں نے تمھیں عقل، سمجھ نہیں دی تھی؟ میرے پیغمبر تمھیں میری آیتیں پڑھ کر نہیں سناتے تھے؟ کیا تمھارے پاس میرا یہ ضابطہ نہیں پہنچا تھا ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى﴾ [سورہ نجم: ۳۸] "کہ نہیں اٹھائے گا بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ۔" تم نے اپنا بوجھ اُٹھانا ہے انھوں نے اپنا بوجھ اُٹھانا ہے۔

سورہ ابراہیم آیت نمبر ۲۱ میں ہے کمزور لوگ بڑوں کو کہیں گے ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمۡ تَبَعًا﴾ "بے شک ہم تمھارے تابع تھے۔" (تم ہمیں بڑے سبز باغ دکھاتے تھے۔) پس کیا تم بچانے والے ہو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ۔ پھر یہ ابلیس کو لعن طعن کریں گے کہ اس نے ہمیں گمراہ کر کے ذلیل کیا۔ ابلیس کہے گا ﴿فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ "پس نہ ملامت کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنی جانوں کو۔" میرا تمھارے اُوپر کوئی زور تو نہیں تھا ﴿اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ﴾ "مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی تم نے میری بات قبول کر لی۔" تم میری بات نہ مانتے، کیوں مانی تھی؟ بلکہ آیت نمبر ۲۲ میں ہے ﴿اِنِّیۡ كَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَكۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ﴾ "بے شک میں نے کفر کیا اس وجہ سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔" میرے کافر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم نے مجھے رب تعالیٰ کا شریک بنایا اور میں نے سمجھا کہ ما بدولت بھی کچھ ہوتے ہیں۔ تو میرے کفر کے ذمہ دار بھی تم ہو۔ یاد رکھنا! وہاں کوئی کسی کو نہیں چھڑائے گا، نہ مذہبی پیشوا، نہ سیاسی راہنما۔

ایک واقعہ :

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کھوکھر کی میں ایک مسجد کی بنیاد رکھنی تھی ساتھیوں نے مجھے بھی دعوت دی کہ سنگ بنیاد آپ

نے رکھنا ہے۔ انھوں نے محلے کے لوگوں کو بھی دعوت دی۔ ان میں ایک وکیل صاحب تھے محلے والوں نے ان کو موقع دیا کہ بڑا آدمی ہے یہ بھی کچھ کہے۔ اس کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام کے نافذ نہ ہونے میں رکاوٹ صرف مولوی ہیں۔ انھوں نے آپس میں اختلافات ڈالے ہوئے ہیں، فرقہ بازی کی ہوئی ہے ہم کون سا اسلام نافذ کریں؟ کس کے بارے میں کہیں۔ اس کا دوسرا پوائنٹ یہ تھا کہ ایک مولوی کہتا ہے اس طرح کرو دوسرا کہتا ہے اس طرح کرو تیسرا کہتا ہے اس طرح کرو، ہم کس کی بات مانیں؟

چوں کہ اس پروگرام کا صدر بھی میں تھا میں نے اُٹھ کر کہا کہ وکیل صاحب نے اپنے انداز میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کے مرکزی نکتے دو ہیں۔ ایک یہ کہ پاکستان میں اسلام کے نافذ نہ ہونے میں رکاوٹ مولوی ہیں، ذمہ دار مولوی ہیں کہ فرقہ واریت ہے۔ دیوبندیوں کا نافذ کریں، بریلویوں کا نافذ کریں، غیر مقلدوں کا نافذ کریں، شیعوں کا نافذ کریں، منکرینِ حدیث کا نافذ کریں، کون سا دین صحیح ہے؟ میں نے کہا اس وقت دنیا میں تقریباً پچاس ملک ہیں جن کے سربراہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان میں سے بیش تر ملک ایسے ہیں کہ ان میں امام خطیب کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس اُوپر سے جو لکھا ہوا آتا ہے وہ پڑھ کر سنا دیتا ہے۔ جیسے: سعودیہ، ترکی، اردن، شام، مصر اور اس طرح کے دوسرے ممالک ہیں کہ مولوی ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا۔ ان ملکوں میں کوئی فرقہ واریت نہیں ہے۔ ان میں اسلام کیوں نافذ نہیں ہوتا جہاں صرف حکمران طبقے کی بات سنائی جاتی ہے۔ لہٰذا رکاوٹ حکمران طبقے کی طرف سے ہے جہاں مرضی چلے جاؤ۔

اور رہی تمھاری دوسری بات کہ ہم کس مولوی کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔ تو تم کسی کی نہ سنو خود تمھارے اُوپر فرض ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کریم کا سرسری ترجمہ بھی پڑھ لے وہ کبھی گمراہی کے قریب نہیں جا سکتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو سب کچھ سمجھ آجائے گا۔ اور یہ میرا تجربہ ہے۔ مجھے ساٹھ سال ہو گئے ہیں یہاں جس نے ترجمہ پڑھ لیا وہ کفر و شرک سے بچ گیا۔ خود پڑھتے نہیں سارا جھگڑا مولوی کے سر ڈالتے ہو۔ بے شک علمائے سوء بھی ہیں جنھوں نے دین میں بگاڑ پیدا کیا ہوا ہے۔

دین کو بگاڑنے والی قوتیں

چنانچہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ الاستاذ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں چوٹی کے محدث اور مفسر ہیں، فقیہ ہیں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ۔ صحاح ستہ میں ان کی بے شمار روایات ہیں۔ وہ فرماتے ہیں دین کو بگاڑنے والی تین قوتیں ہیں۔

①...... بادشاہ ②......جھوٹے پیر اور ③......علمائے سوء

بادشاہوں نے، علمائے سوء نے اور بدکردار پیروں نے دین بگاڑا ہے۔ سچ فرمایا حضرت نے بادشاہ سرفہرست ہیں۔ یاد رکھنا! قیامت والے دن تمھارا یہ جواب ناکافی ہوگا کہ ہمیں مولویوں نے اس طرح بتلایا تھا۔ وہاں تمھیں یہ جواب دینا پڑے گا

کہ تم نے قرآن کیوں نہیں پڑھا تھا؟ اور جو مذہبی پیشوا گم راہ ہیں اور سیاسی پہلوان گم راہ ہیں ان کے متعلق تم ابھی سن چکے ہو کہ ان کے متعلق کہیں گے اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے مذہبی پیشواؤں کی اطاعت کی اور سیاسی لیڈروں کی اطاعت کی۔ انھوں نے ہمیں راستے سے بہکایا اے ہمارے رب! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر لعنت بھیج بڑی۔ اب لعنت بھیجنے کا کیا فائدہ؟ اب وقت ہے قرآن کریم کو خود سمجھو۔ اس کو سمجھنے والا گمراہ نہیں ہوسکتا۔ گمراہی کے قریب بھی نہیں بھٹکے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ﴾ نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح ﴿اٰذَوْا مُوْسٰى﴾ جنھوں نے اذیت پہنچائی موسیٰ علیہ السلام کو، ستایا موسیٰ علیہ السلام کو، ان پر طرح طرح کے عیب لگائے ﴿فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا اس چیز سے جو انھوں نے کہی تھی ﴿وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا﴾ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی وجاہت اور عزت والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی تھے، صاحبِ کتاب رسول تھے، کلیم اللہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت بخشی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاداری

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے حیادار آدمی تھے۔ جب غسل فرماتے تھے تو سخت پردے کی حالت میں تاکہ کسی شخص کی نظر ننگے جسم پر نہ پڑے۔ اس سے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ آپ کو ادرہ کی بیماری ہے جس سے جسم کے فوطے پھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس اتہام سے بری کرنے کے لیے یہ سبب پیدا فرمایا کہ ایک دفعہ آپ نے تنہائی میں غسل کرنے کے لیے کپڑے اُتار کر پتھر پر رکھ دیئے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ آپ اس کے پیچھے پیچھے دوڑے بس یہ کہتے جاتے تھے ثوبی حجر اُو پتھر! میرے کپڑے دے۔ یہاں تک کہ وہ ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں بنی اسرائیل کی ایک جماعت بیٹھی تھی اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ کا جسم بالکل بے داغ ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس اتہام سے چھٹکارا دلایا۔

اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے صاحبِ حیثیت لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا تو وہ بگڑ گئے۔ ان میں قارون سب سے پیش پیش تھا کہ اس کے پاس بے شمار دولت تھی اور اس کی زکوٰۃ کی مقدار بھی اچھی خاصی تھی۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس نے ایک فاحشہ عورت کو لالچ دے کر تیار کیا۔ چنانچہ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام مجمع کے سامنے بدکاری کی مذمت بیان کر رہے تھے تو اس فاحشہ عورت نے سرعام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انھوں نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔ لہٰذا ان کو بدکاری کی سزا ملنی چاہیے۔ اس الزام سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی۔ موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ پڑھا اور اس عورت کو خطاب کیا کہ تو اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور گواہ کر کے سچ سچ بیان کر۔ پس وہ عورت رونے لگی اور اس نے قارون کی ساری سازش بیان کر دی کہ اس نے مال کے لالچ سے مجھ سے یہ سب کچھ کرایا ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں قارون کے حق میں بددعا کی۔تو اللہ تعالیٰ نے اس سے سخت انتقام لیا کہ اس کو مال اور محل سمیت زمین میں غرق کر دیا جیسا کہ سورہ قصص میں بیان ہوا ہے۔تو یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح تم بھی اپنے نبی کی شان میں کوئی گستاخی نہ کر بیٹھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچے۔

قوانین خداوندی :

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ایک قانون بیان فرمایا ہے۔فرمایا ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو﴿ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴾ اور ہمیشہ سیدھی بات کہو۔مفسر قرآن حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قولِ سدید سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرو۔بعض دوسرے مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قولِ سدید ہر سچی بات کا نام ہے۔ہر بات واقع کے مطابق ہونی چاہیے۔جب تم سچی بات کرو گے تو ﴿ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کی اصلاح کر دے گا ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔جب انسان خود اپنے اعمال اور زبان کو درست رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کو معاف کر دے گا۔فرمایا ﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اس کے احکام کی تعمیل کرے گا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا پس تحقیق وہ کامیاب ہو گیا کامیابی بڑی۔جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کامیابی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا۔

امانتِ الٰہیہ :

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک بارِ امانت کا ذکر کیا ہے جو انسان نے اپنے کندھوں پر اُٹھا رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ﴾ بے شک ہم نے پیش کی امانت ﴿عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمینوں پر ﴿ وَالْجِبَالِ ﴾ اور پہاڑوں پر ﴿ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا ﴾ پس انھوں نے انکار کر دیا کہ اس کو اُٹھائیں۔اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا ﴿ وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ اور اس سے ڈر گئے ﴿ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ﴾ اور انسان نے اس امانت کو اُٹھا لیا ﴿ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔وہ امانت کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین پر پیش کیا، پہاڑوں پر پیش کیا مگر انھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس امانت کے اُٹھانے سے ڈر گئے۔تو اس امانت سے مراد عقائد، احکام، عبادات کی امانت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں سے کہا کہ میں تمھیں ادراک اور علم و شعور دے دیتا ہوں پھر یہ امانت، عقائد اور عبادات اور احکامِ شرع کی پابندی تمھارے حوالے کرتا ہوں۔تو انھوں نے انکار کر دیا کہ ان میں اس امانت کے اُٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی اور انسان نے اُٹھا لیا کہ اس میں استعداد و صلاحیت تھی ﴿ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ہمارے نزدیک ان الفاظ کی تشریح جو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں کی ہے وہ بہت آسان ہے۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظلوم و جھول کے الفاظ انسان کی مذمت کے لیے نہیں آئے بلکہ ان کو امانت کے اُٹھانے کی

علت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ظالم اسے کہتے ہیں کہ جس میں عدل وانصاف کی صلاحیت موجود ہو مگر وہ انصاف نہ کرے۔ اور جاہل اسے کہتے ہیں کہ اس میں علم حاصل کرنے کی استعداد موجود ہو مگر وہ علم حاصل نہ کرے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ انسان میں چوں کہ عدل کرنے کی استعداد تھی، علم حاصل کرنے کی استعداد تھی اس لیے اس نے اس امانت کو اُٹھالیا اور آسمانوں اور پہاڑوں میں اور زمینوں میں یہ صلاحیت اور استعداد نہیں تھی اس لیے انھوں نے انکار کردیا کہ اُٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے۔

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس امانت کے اُٹھوانے کی غایت یہ ہے کہ ﴿ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ ﴾ تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں کو اور منافق عورتوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ اس امانت کی حفاظت نہیں کرسکے وہ بلاشبہ سزا کے مستحق ہیں۔ ﴿ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ ﴾ اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات اور عبادات میں دوسروں کو شریک کیا ہے اور ان کے دلوں میں جو امانت کی صلاحیت تھی اس کا حق ادا نہیں کیا ﴿ وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی کے ساتھ رجوع فرمائے گا مومن مردوں اور مومن عورتوں پر۔ جب کوئی بندہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی مہربانی کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور ورحیم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
روزانہ درسِ قرآن پاک
تفسیر
سُوۡرَةُ سَبَاٍ مَّكِيَّةٌ
پارہ ⇐ وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ
۲۲

آیاتھا ۵۴ سُوْرَۃُ سَبَاٍ مَّکِّیَّۃٌ (۳۴) (۵۸) رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِیْ﴾ وہ ذات ہے ﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ اسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں ﴿وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ ہے زمین میں ﴿وَلَہُ الْحَمْدُ﴾ اور اسی کے لیے ہے تعریف ﴿فِی الْاٰخِرَۃِ﴾ آخرت میں ﴿وَھُوَ الْحَکِیْمُ﴾ اور وہی حکمت والا ہے ﴿الْخَبِیْرُ﴾ خبردار ﴿یَعْلَمُ﴾ وہ جانتا ہے ﴿مَا﴾ اس کو ﴿یَلِجُ فِی الْاَرْضِ﴾ جو داخل ہوتی ہے زمین میں ﴿وَمَا﴾ اور اس چیز کو ﴿یَخْرُجُ مِنْھَا﴾ جو نکلتی ہے اس زمین سے ﴿وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور اس چیز کو جو اترتی ہے آسمان سے ﴿وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا﴾ اور اس چیز کو جو چڑھتی ہے آسمان میں ﴿وَھُوَ الرَّحِیْمُ﴾ اور وہ مہربان ہے ﴿الْغَفُوْرُ﴾ بخشنے والا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿کَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَۃُ﴾ نہیں آئے گی ہمارے پاس قیامت ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں ﴿وَرَبِّیْ﴾ قسم ہے میرے رب کی ﴿لَتَاْتِیَنَّکُمْ﴾ البتہ ضرور آئے گی تم پر قیامت ﴿عٰلِمِ الْغَیْبِ﴾ وہ جاننے والا ہے غائب کا ﴿لَا یَعْزُبُ عَنْہُ﴾ نہیں ہے غائب اس سے ﴿مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ﴾ ایک ذرہ برابر ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَلَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور نہ زمین میں ﴿وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ﴾ اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ﴿وَلَآ اَکْبَرُ﴾ اور نہ کوئی بڑی چیز ﴿اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ مگر وہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے ﴿لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے ہیں اچھے ﴿اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے ﴿وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ اور رزق ہوگا عمدہ ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿سَعَوْ فِیْٓ اٰیٰتِنَا﴾ جنھوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں ﴿مُعٰجِزِیْنَ﴾ عاجز کرنے کے لیے ﴿اُولٰٓئِکَ لَھُمْ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہے ﴿عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ﴾ عذاب بڑا دردناک ﴿وَیَرَی الَّذِیْنَ﴾ اور دیکھتے ہیں وہ لوگ ﴿اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ جن کو دیا گیا علم ﴿الَّذِیْٓ﴾ وہ چیز ﴿اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ جو اُتاری گئی آپ کی طرف ﴿مِنْ رَّبِّکَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿ھُوَ الْحَقَّ﴾ وہ حق ہے ﴿وَیَھْدِیْٓ﴾ اور راہنمائی کرتی ہے ﴿اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ اس ذات کے راستے کی طرف جو زبردست ہے قابلِ تعریف ہے۔

تعارف سورت

اس سورت کا نام سبا اس لیے ہے کہ اس میں سبا کے علاقہ کے واقعات ہیں ۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ۔ ستاون [۵۷] سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس کا اٹھاون [۵۸] نمبر ہے ۔ اس کے چھ [۶] رکوع اور چون [۵۴] آیتیں ہیں ۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بھی اسی کا ہے ۔ پیدا بھی اس نے کیا ہے، تصرف بھی اسی کا چلتا ہے اور تدبیر بھی وہی کرتا ہے ۔ نہ آسمانوں میں کسی اور کا تصرف چلتا ہے نہ زمین میں کسی اور کا تصرف چلتا ہے ۔ ملک بھی اسی کا، تصرف بھی اسی کا ﴿وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور اسی کے لیے تعریف ہے آخرت میں ۔ آج دنیا میں لوگ لوگوں کی تعریف کے پل باندھتے ہیں وہاں صرف رب تعالیٰ کی تعریف ہوگی ۔ جھوٹے مداحوں، جھوٹی تعریفیں کرنے والوں کے منہ بند ہوں گے اور جنھوں نے تعریفیں سن کر انعام دیے ان کے بھی سر نیچے ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ﴾ [مومن:۱۶] "کس کے لیے ہے بادشاہی آج کے دن ۔" بتلاؤ آج ملک کس کا ہے، بادشاہت کس کی ہے، اقتدار کس کا ہے؟ حدیث پاک میں ہے قریب کے بھی آواز سنیں گے دور کے بھی آواز سنیں گے ۔ اتنی مخلوق ہونے کے باوجود وہ منظر بیک وقت سارا نظر آئے گا آواز سب کو پہنچ جائے گی ۔ سارے جواب دیں گے ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ "اللہ تعالیٰ کا ہے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے ۔"

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کوئی منہ پر کسی کی تعریف کرتا ہے تو ایسے شخص کے منہ میں مٹی ڈالو ۔ لیکن حال یہ ہے کہ آج ہم تعریفیں سن کر خوش ہوتے ہیں ۔ تو فرمایا آخرت میں تعریف اسی کی ہوگی ﴿وَ هُوَ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہ حکمت والا ہے ﴿الْخَبِیْرُ﴾ خبر رکھنے والا ہے ﴿یَعْلَمُ﴾ جانتا ہے ﴿مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ﴾ اس چیز کو جو داخل ہوتی ہے زمین میں ۔ بارش ہوتی ہے زمین اس کو جذب کر لیتی ہے، اناج بوتے ہیں اس کے دانے زمین میں داخل ہوتے ہیں گٹھلی زمین میں داخل ہوتی ہے، کیڑے مکوڑے زمین میں داخل ہوتے ہیں، ہم تم سارے مر کر زمین میں ہی جائیں گے، ہم سے پہلے لوگ بھی وہیں گئے ہیں ہم نے بھی وہیں جانا ہے ۔

سورت طٰہٰ آیت نمبر ۵۵ میں ہے ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی﴾ "اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمھیں دوبارہ نکالیں گے ۔" اور جو کچھ بھی زمین میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا﴾ اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے ۔ پانی نکلتا ہے، اناج نکلتا ہے، درخت اور پودے نکلتے ہیں، کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں ۔ زمین میں بڑی بڑی قیمتی چیزیں ہیں ۔ آج سے پچاس سال پہلے سوئی گیس کا نام و نشان

نہیں تھا۔ اگر اس وقت کوئی بڑا سمجھ دار آدمی بھی کہتا کہ بھئی! ایک ایسا ایندھن آئے گا کہ وہ تمھیں سر پر نہیں اُٹھانا پڑے گا اور نہ ہی اس کی راکھ اُٹھا کر تمھیں باہر پھینکنی پڑے گی۔ تم اس پر سالن پکاؤ گے، روٹیاں پکاؤ گے تو ہم اس کو پاگل خانے میں داخل کر دیتے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے کہ ایسا ایندھن ہوگا اور ہوگا بھی گھروں میں۔ اسی طرح سونا ہے، چاندی ہے، تانبا ہے اللہ جانے کیا کیا چیزیں زمین سے نکلتی ہیں۔

﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ [سورۂ زلزال] کی ایک تفسیر یہ ہے کہ زمین میں جتنے خزانے ہیں سب نکال دے گی۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ دریائے فرات اپنا راستہ چھوڑ دے گا اس کے نیچے سونے کے پہاڑ ہوں گے لوگ وہاں لینے کے لیے جائیں گے سو [۱۰۰] میں سے ایک بچے گا مگر پھر بھی جائیں گے۔ اس خیال سے کہ بچنے والا میں ہوں گا فرمایا تم قریب نہ جانا۔ تو سب چیزیں زمین اُگل دے گی اور رب ہر چیز کو جانتا ہے۔ ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور جو کچھ نازل ہوتا ہے آسمان کی طرف سے۔ بارش اُترتی ہے، وحی اُترتی رہی، فرشتے اُترتے ہیں، رب تعالیٰ کی رحمت اُترتی ہے ﴿وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا﴾ اور اس کو بھی جانتا ہے جو اُوپر چڑھتی ہے آسمان میں۔ نیک اعمال اُوپر جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی مومن فوت ہو جاتا ہے تو جن جگہوں میں وہ عبادت کرتا تھا وہ جگہیں روتی ہیں اور آسمان کے دروازے بھی اس کے مرنے پر روتے ہیں۔ ایک وہ دروازہ جس سے اس کی نیکیاں اُوپر جاتی تھیں نیکیاں بند ہو جانے پر وہ دروازہ روتا ہے اور ایک وہ دروازہ جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر اُترتی تھی۔

پچیسویں پارے میں ہے ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ [دخان: ۲۹] "نہ آسمان رویا ان پر اور نہ زمین روئی۔" نیک لوگوں کی روحیں اوپر پہنچائی جاتی ہیں۔ ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے علیین۔ نیک لوگوں کی روحوں کو وہاں پہنچایا جاتا ہے۔ اور ساتویں زمین کے نیچے ہے مقام سجین۔ بُرے لوگوں کی روحیں وہاں پہنچائی جاتی ہیں۔ ان کے باوجود روحوں کا قبر میں پڑے میت کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے جس سے اس کو ایک قسم کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ منکر نکیر فرشتے آ کر اس سے پوچھتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ، مَنْ نَبِيُّكَ، مَا دِيْنُكَ۔ وہ سوال سمجھتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ پھر وہ راحت محسوس کرتا ہے اور برا ہے تو تکلیف محسوس کرتا ہے اور یہی اہل حق اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں ہے۔

تو فرمایا اس چیز کو بھی جانتا ہے جو چڑھتی ہے آسمان میں ﴿وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ﴾ اور وہی مہربان ہے، بخشنے والا ہے۔ اُوپر آخرت کا ذکر تھا ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور اسی کی ہے تعریف آخرت میں اور آخرت یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں۔ کیا کہا؟ ﴿لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ﴾ نہیں آئے گی ہم پر قیامت۔ قیامت کوئی شے نہیں ہے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ [مومنون: ۳۷] "نہیں ہے مگر ہماری دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے۔" تو کافروں نے کہا کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی قُلْ آپ فرما دیں ﴿بَلٰى وَرَبِّيْ﴾ کیوں نہیں میرے رب کی قسم ہے۔ ﴿بَلٰى﴾ کے معنی میں کسی چیز کی نفی کے **بعد اثبات ضرور آئے گا**

میرے رب کی قسم ہے ﴿لَتَاْتِيَنَّكُمْ﴾ البتہ ضرور آئے گی تمھارے اُوپر قیامت اس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ﴾ ۔ یہ رَبِّیْ کی صفت ہے۔ میرا رب عالم الغیب ہے۔

عالم الغیب کا معنی:

کئی دفعہ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ عالم الغیب کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ رب سے جو چیز غائب ہے۔ رب تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ عالم الغیب کا مطلب ہے مَا غَابَ عَنِ الْمَخْلُوْقِ جو چیز مخلوق سے غائب ہے رب اس کو بھی جانتا ہے۔ ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ﴾ غائب نہیں ہے اس سے ﴿مِثْقَالُ ذَرَّةٍ﴾ ذرہ برابر۔ چیونٹیوں کی قسم میں سے سرخ رنگ کی ایک چیونٹی ہوتی ہے سب سے چھوٹی اس کو ذرہ کہتے ہیں عربی میں۔ اور ایک یہ ہوا کے اندر اڑنے والے ذرات بھی ہوتے ہیں۔ تو رب تعالیٰ چھوٹی مخلوق چیونٹی اور فضا میں اڑنے والے ذرات کو بھی جانتا ہے ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہ زمین میں کوئی ذرہ ہے جو رب تعالیٰ سے غائب ہو ﴿وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ﴾ اور نہ اس ذرے سے کوئی چھوٹی چیز اس سے غائب ہے ﴿وَلَآ اَكْبَرُ﴾ اور نہ اس ذرے سے بڑی چیز کوئی اللہ تعالیٰ سے غائب ہے اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اور پھر ساری چیزیں ﴿اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ مگر وہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے اور لوح محفوظ اللہ تعالیٰ کے علم کا کروڑ در کروڑ در کروڑ واں حصہ بھی نہیں ہے۔ جب سے مخلوق پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر فنا ہونے تک سب کچھ لوح میں درج ہے۔ لیکن مخلوق کی پیدائش سے پہلے ازل میں کیا ہوا اور اس کے فنا ہونے کے بعد ابد تک کیا ہوگا وہ لوح محفوظ میں نہیں ہے اور رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔

تو فرمایا یہ سب کچھ کھلی کتاب میں درج ہے ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ انھی لوگوں کے لیے ہے بخشش ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور رزق عمدہ۔ دیکھو! اگر قیامت قائم نہ ہو تو دنیا میں بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جو اپنی نیکیوں کا پھل نہیں پا سکے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو کہ مسلسل دو دو مہینے آپ کے گھر آگ نہیں جلتی تھی، پکانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی تھی، گھر میں کوئی چراغ نہیں تھا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیکیوں کا بدلہ نہیں ملے گا؟ لاکھوں ایسے مومن ہیں جن کو دنیا میں کوئی راحت نہیں ملی کیا ان کو بدلہ نہیں ملے گا؟ ضرور ملے گا قیامت اسی لیے قائم ہونی ہے۔ اور یاد رکھنا! جو مومن دنیا میں آسانی میں ہوگا جنت میں اس کی نعمتوں میں کمی ہوگی اگرچہ وہاں اتنا کچھ ملے گا کہ وہ کمی محسوس نہیں کرے گا لیکن جو نعمتیں دنیا میں حاصل کر چکے ہیں اتنی کمی آئے گی۔ اور جو مشکل اور تنگی میں گزارے گا اس مومن کا سب کچھ ذخیرہ ہے۔

تو فرمایا قیامت ضرور آنے گی ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿مُعٰجِزِيْنَ﴾ عاجز کرنے کے لیے، ہرانے کے لیے، دین کو ختم کرنے کے لیے اور مٹانے کے لیے کوشش کرتے ہیں اسلام

کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں ان کو بھی بدلہ ملنا چاہیے۔ اگر قیامت قائم نہ ہو تو اس کا مطلب ہوا العیاذ باللہ کہ رب تعالیٰ کی حکومت عدل والی نہیں ہے۔ نہ نیک کو نیکی کا بدلہ ملے اور نہ برے کو برائی کا لہٰذا قیامت ضرور قائم ہوگی۔

آخرت کا عذاب اور اس کی سختی

تو فرمایا وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو ہرانے کی کوشش کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہوگا رجز کا، دردناک۔ مشہور مفسر علامہ خطابی رجز کا معنیٰ کرتے ہیں سَيِّئُ الْعَذَاب سخت عذاب۔ رجز کا معنیٰ سخت۔ آج تم دنیا کی آگ میں انگلی تو ڈال کر دیکھو کیا حال ہوتا ہے؟ اور دوزخ کی آگ اس سے اُنہتر گنا تیز ہے تو وہ کیا حشر کرے گی۔ آج اگر دنیا کا سانپ کسی کو ڈس لے تو وہ ڈسنے کے خوف سے ہی مرجاتا ہے ڈنک کی تکلیف الگ ہے۔ اور مجرموں پر قبر میں ننانوے ننانوے سانپ مسلط کیے جائیں گے۔ یہ نماز چھوڑنے کا اژدہا، یہ روزہ چھوڑنے کا اژدہا، یہ جھوٹ بولنے کا اژدہا، یہ غیبت کرنے کا اژدہا، ایک ایک بڑے گناہ کے بدلے میں اژدہا ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک اژدہا اگر دنیا میں سانس لے لے تو کوئی سبز چیز باقی نہ رہے۔ یہ قبر کی بات ہے اور قبر دور نہیں ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔ اور ایک بچھو گدھے گدھے کے برابر ہوگا اور اس کے علاوہ کئی قسم کے عذاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

فرمایا ﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ اور دیکھتے ہیں جانتے ہیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا یعنی اہل کتاب جانتے سمجھتے ہیں۔ کیا؟ ﴿الَّذِيْٓ﴾ اس چیز کو ﴿اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ جو اُتاری گئی آپ کے رب کی طرف سے، قرآن کریم۔ وہ سمجھتے ہیں ﴿هُوَ الْحَقَّ﴾ وہ حق ہے ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ راہنمائی کرتی ہے اس رب کے راستے کی طرف جو غالب بھی ہے اور قابل تعریف بھی ہے۔

~~~~~~

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ﴾ کیا ہم راہنمائی کریں تمھاری ﴿عَلٰى رَجُلٍ﴾ ایسے آدمی پر ﴿يُّنَبِّئُكُمْ﴾ جو خبر دیتا ہے تم کو ﴿اِذَا مُزِّقْتُمْ﴾ جس وقت تم ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے ﴿كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ پورے طریقے سے ریزہ ریزہ کر دیئے جانا ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ نئی مخلوق بنائے جاؤ گے ﴿اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ﴾ کیا اس نے افترا باندھا ہے اللہ تعالیٰ پر ﴿كَذِبًا﴾ جھوٹ کا ﴿اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ یا اس کو جنون ہے ﴿بَلِ الَّذِيْنَ﴾ بلکہ وہ لوگ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے ﴿بِالْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿فِي الْعَذَابِ﴾ عذاب میں ہوں گے ﴿وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ﴾ اور دور کی گمراہی میں ہیں ﴿اَفَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا پس انھوں نے
~~~~~~

نہیں دیکھا ﴿اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ جو کچھ ان کے آگے ہے ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین ﴿اِنْ نَّشَاْ﴾ اگر ہم چاہیں ﴿نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ﴾ دھنسا دیں ان کو زمین میں ﴿اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ﴾ یا گرادیں ان پر ﴿كِسَفًا﴾ ٹکڑا ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک البتہ اس میں نشانی ہے ﴿لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ﴾ ہر اس بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے ﴿دَاوٗدَ﴾ داؤد علیہ السلام کو ﴿مِنَّا فَضْلًا﴾ اپنی طرف سے فضیلت ﴿یٰجِبَالُ﴾ اے پہاڑ! ﴿اَوِّبِیْ مَعَهٗ﴾ لوٹاؤ اس کے ساتھ تسبیح ﴿وَالطَّیْرَ﴾ اور پرندوں کو بھی حکم دیا ﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ﴾ اور ہم نے نرم کیا ان کے لیے لوہا ﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ﴾ بناؤ کامل زرہیں ﴿وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾ اور اندازہ ٹھہراؤ کڑیاں جوڑنے میں ﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ اور عمل کرو اچھا ﴿اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ بے شک میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں ﴿وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ﴾ اور ہم نے مسخر کی سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ﴾ پہلا پہر ایک ماہ کی مسافت طے کرتا ﴿وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ اور پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی ﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ﴾ اور بہادیا ہم نے اس کے لیے ﴿عَیْنَ الْقِطْرِ﴾ تانبے کا چشمہ ﴿وَمِنَ الْجِنِّ﴾ اور جنات میں سے ﴿مَنْ یَّعْمَلُ﴾ جو عمل کرتے تھے ﴿بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ اس کے سامنے ﴿بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ اس کے رب کے حکم کے ساتھ ﴿وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ﴾ اور جو کوئی ٹیڑھا ہوتا ان میں سے ﴿عَنْ اَمْرِنَا﴾ ہمارے حکم سے ﴿نُذِقْهُ﴾ ہم اس کو چکھاتے تھے ﴿مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ﴾ شعلے مارنے والا عذاب۔

تفسیر آیات

مشرکین مکہ جن چیزوں کی سختی کے ساتھ تردید اور انکار کرتے تھے ان میں ایک توحید کا مسئلہ تھا دوسرا رسالت کا مسئلہ تھا اور تیسرا قیامت کا اور قرآن کریم کی حقانیت کا۔ توحید و رسالت کے منکر تھے قرآن پاک کی حقانیت کا انکار کرتے تھے اور بڑے زوردار الفاظ میں قیامت کا بھی انکار کرتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں۔ کافر ایک دوسرے کو کفر پر پختہ کرنے کے لیے کہتے۔ ﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ﴾ عربی میں دلالت کے معنیٰ راہنمائی کے ہیں، راستہ دکھانا، راستے کی نشاندہی کرنا۔ معنیٰ ہوگا کیا ہم تمھاری راہنمائی کریں، نشان دہی کریں ﴿عَلٰی رَجُلٍ﴾ ایسے شخص کی ﴿یُّنَبِّئُكُمْ﴾ جو تمھیں خبر دیتا ہے ﴿اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جانا۔ تو یہ آدمی کیا کہتا ہے؟ ﴿اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ

جَدِیْدٍ ﴾ بے شک تم نئی مخلوق بنائے جاؤ گے۔ ان کے خیال کے مطابق اجزاء کا مٹی میں مل جانے کے بعد، ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد انسان بننا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ سورہ یٰسین میں ہے کہتے تھے ﴿مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ﴾ "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟" اور سورہ ق آیت نمبر ۳ میں ہے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ﴾ "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا بہت بعید ہے۔"

تو ایک دوسرے کو اپنے عقیدہ کفریہ پر پختہ کرنے کے لیے کہتے تھے اور ہم تمھیں ایسا شخص بتلائیں جو تمھیں خبر دیتا ہے۔ شخص سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ تم نئی مخلوق بنائے جاؤ گے ﴿اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اصل میں تھا ﴿ءَاِفْتَرٰی﴾ ایک ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ معنیٰ ہوگا کیا اس نے افترا باندھا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا (معاذ اللہ تعالیٰ) اس نے جھوٹ بولا ہے ﴿اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ﴾ یا اس کو جنون ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ! یہ پاگل ہے کہ کہتا ہے ہم مر کر دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون دوبارہ اُٹھائے گا ان ریزوں کو کون اکٹھا کرے گا؟ یہ اس نے جھوٹ کا افترا باندھا ہے یا اس کو جنون ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اللہ تعالیٰ نے حرف بَل کے ساتھ بات کی ہے۔ ﴿بَلْ﴾ نہ اس نے افترا باندھا اور نہ اس کو جنون ہے بلکہ وہ تو ساری دنیا سے زیادہ عقل مند ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ﴿فِی الْعَذَابِ﴾ یہ یقیناً عذاب میں ہوں گے ﴿وَ الضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ﴾ اور اس وقت وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ یہ حق سے اتنے دور ہیں کہ اب ان کا حق کے قریب آنا بڑا مشکل ہے۔ یہ منکر عذاب میں مبتلا ہوں گے اور رب اس پر قادر ہے ﴿اَفَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا پس انھوں نے نہیں دیکھا ﴿اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ اس کی طرف جو کچھ ان کے آگے ہے ﴿وَ مَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان ﴿وَ الْاَرْضِ﴾ اور زمین۔ مثال کے طور پر دیکھو! اس وقت میرا منہ مشرق کی طرف ہے میرے آگے آسمان بھی ہے اور زمین بھی ہے۔ کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ان کے آگے بھی زمین آسمان ہے اور پیچھے بھی آسمان زمین ہے ﴿اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ﴾ اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو زمین میں۔ جہاں سے آئے ہیں وہاں دھنسا دیں، آگے جہاں جا رہے ہیں وہاں زمین میں دھنسا دیں ﴿اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا﴾ یا ہم ان پر گرا دیں کوئی ٹکڑا ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے۔ یہ رب کے عذاب سے کیوں بے خوف ہیں؟ وہ قادرِ مطلق ہے آگے جہاں جا رہے ہیں وہاں ان کو زمین میں دھنسا دے پیچھے جہاں سے آئے ہیں وہاں زمین میں دھنسا دے۔ جو آسمان پیچھے چھوڑ آئے ہیں وہاں سے ٹکڑا ان پر گرا کر تباہ کر دے آگے جہاں جا رہے ہیں وہاں سے آسمان کا ٹکڑا گرا کر تباہ کر دے۔ رب تعالیٰ کے لیے یہ تمام چیزیں آسان ہیں۔

قارون اور اس کا خاندان

پہلے تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہو قارون کا واقعہ۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا سگا چچا زاد بھائی تھا اس کے باپ دادا بڑے نیک تھے

یصھر اور قہس، پردادا لاوی تھا جو یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ سارا خاندان نیکوں کا تھا خود بھی بڑا عقل مند تھا دنیا کے معاملے میں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بمع کوٹھی بمع مال کے زمین میں دھنسا دیا ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ [قصص:۸۱] "پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں۔" زمین سب کچھ نگل گئی۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین علاقے زمین میں دھنس جائیں گے خَسْفٌ فِي الْمَشْرِقِ وَ خَسْفٌ فِي الْمَغْرِبِ وَ خَسْفٌ فِي جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ "ایک علاقہ مشرق کا ہوگا ایک علاقہ مغرب کا ہوگا اور ایک جزیرہ عرب میں ہوگا۔" یہ وہی جگہ ہوگی جہاں امریکہ نے ڈیرا ڈالا ہوا ہے زمین سب کو نگل جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہر وقت ڈرنا چاہیے اور اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک البتہ اس میں نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ ہر اس بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے اس کے لیے عبرت ہے اور جو پتھر کی طرح سخت ہے اس کے لیے نہیں ہے۔ چوں کہ عبد منیب کا ذکر تھا اس لیے آگے منیب بندوں کا ذکر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا﴾ البتہ تحقیق دی ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضیلت۔ نبوت بھی دی، رسالت بھی دی اور چار مشہور آسمانی کتابوں میں سے ایک کتاب زبور بھی عطا فرمائی اور حکومت بھی عطا فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویاں بھی تھیں اور لونڈیاں بھی تھیں۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ چار بیٹے بھی تھے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المال میں سے اپنے اوپر اپنے اہل وعیال پر کبھی ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے محنت کرتے تھے اور اپنی جملہ ضروریات اپنے ہاتھوں کی کمائی اور محنت سے پورا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ذاتی مہمانوں کا خرچہ بھی بیت المال سے نہیں لیتے تھے۔ آج تو حکمران کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ لیں۔

فرمایا ﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ﴾ تاویب کا معنی ہے دہرانا۔ معنی ہوگا اے پہاڑو! لوٹاؤ اس کے ساتھ تم بھی۔ اس کے ساتھ تسبیح لوٹاؤ۔ جب داؤد علیہ السلام کہتے سبحان اللہ۔ تو پہاڑ بھی کہتے سبحان اللہ۔ اور جب کہتے الحمد للہ تو پہاڑ بھی کہتے الحمد للہ۔ اللہ اکبر کہتے تو وہ کہتے اللہ اکبر۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتے تو وہ بھی کہتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ایسے ہی جیسے میں سبحان اللہ کہتا ہوں تو تم سنتے، سمجھتے ہو اسی طرح پہاڑ بھی سنتے، سمجھتے تھے۔

باطل پرست لوگ جو معجزات کے منکر ہیں وہ اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہاڑ کے دامن میں کوئی آواز لگائے، کوئی بڑا مکان ہو وہاں صدا لگائے، بڑے ٹیلے کے پاس آواز لگائے تو آواز واپس آتی ہے یہ مراد ہے۔ بھئی! وہ تو میرے جیسا آدمی بھی کسی پہاڑ کے دامن میں آواز لگائے تو وہ واپس آئے گی۔ تو پھر داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور فضیلت قرآن میں بیان فرمائی ہے۔ بہر حال یہ حقیقت پر مبنی ہے کہ بعض اوقات حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح

پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔ یہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتے تھے تو وہ بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتے تھے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ چار کلمات بڑی فضیلت والے ہیں جس کلمے سے چاہے ابتداء کرے۔ وہ چار کلمے یہ ہیں سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَر، بخاری شریف کی روایت ہے۔ ﴿وَالطَّیْرَ﴾ اور پرندوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ تسبیح پڑھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام سبحان اللہ پڑھتے تھے تو چڑیاں، طوطے، چیلیں بھی ساتھ سبحان اللہ پڑھتی تھیں۔ فرمایا ﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ﴾ اور ہم نے نرم کر دیا داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا، جلا کر گرم کر کے نہیں بلکہ ان کے ہاتھوں میں۔ وہ جب لوہے کو پکڑتے تھے تو موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اس سے زرہ کی کڑیاں بناتے تھے، تلواریں بناتے تھے، نیزے اور تیر بناتے تھے۔ اور جو معجزات کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو لوہا نرم کرنے کا طریقہ بتلایا تھا کہ پہلے بھٹی میں آگ جلاؤ پھر اس میں لوہا ڈالو جب نرم ہو جائے تو پھر کوٹ کر جو چاہو بناؤ۔ بھئی! اگر یہی مراد ہے تو یہ تو سب کر سکتے ہیں داؤد علیہ السلام کی خصوصیت کیا ہوئی؟ یہ لوگ معجزات کو اپنی عقل پر پرکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کو معیار بنا کر معجزات کا انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معیار ایمان ہے، ماننا ہے جاننا نہیں۔ (انسانی عقل جاننے کی کوشش ہی میں ٹھوکر کھاتی ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے داؤد کی صفت ذکر فرمائی ہے کہ ہم نے ان کو یہ فضیلت اور شان عطا فرمائی تھی کہ ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا ﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ﴾۔ سَابِغَۃٌ کی جمع ہے سابغہ کا معنیٰ ہے ایسی زرہ جو سر سے لے کر پاؤں تک ہو۔ بناؤ کامل زرہیں ﴿وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾ اور اندازہ ٹھہرائیں کڑیاں جوڑنے میں۔ کڑیاں جوڑو ایک اندازے کے ساتھ کہ سب برابر ہوں ایسا نہیں کہ ایک پتلی ہو ایک موٹی ہو ﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ اور عمل کرو نیک۔ کیوں؟ ﴿اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ بے شک میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھنے والا ہوں۔

تذکرہ حضرت سلیمان علیہ السلام

آگے داؤد علیہ السلام کے فرزند کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ﴾ اور مسخر کیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو۔ سورہ ص آیت نمبر ۳۶ میں ہے ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ﴾ "پس ہم نے تابع کیا سلیمان کے ہوا کو۔" ﴿غُدُوُّهَا﴾ ای سَیْرُ غُدُوِّهَا اس ہوا کا پہلے پہر کا سفر ﴿شَهْرٌ﴾ ایک مہینے کا ہے ﴿وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ ای سَیْرُ رَوَاحِهَا شَهْرٌ اور پچھلے پہر کا سفر ایک مہینے کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک شام تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حمص میں رہتے تھے اور بعض غوطی بتلاتے ہیں اور بعض دمشق بتلاتے ہیں۔ اتنی بات صحیح ہے کہ شام میں رہتے تھے۔ وہاں سے سبا کا سفر ایک مہینے کا تھا پیدل لوگ ایک مہینے میں پہنچتے تھے اور فارس میں ایک مقام تھا اُصْطُخَر شام سے وہاں تک سفر بھی ایک مہینے کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کیا تھا وہ ان کا تخت اُٹھا کر لے جاتی تھی۔ تخت پر کرسیاں بچھی ہوتی تھیں۔ صبح کو دمشق سے چلتے دوپہر سے پہلے سبا پہنچ جاتے تھے دوپہر وہاں

گزار کر پچھلے پہر چلتے شام کو دمشق پہنچ جاتے تھے۔ اگر فارس جانا ہوتا تھا تو ہوا ان کا تخت اُڑا کر دو پہر سے پہلے اُصْطُخَر پہنچا دیتی تھی۔ پھر پچھلے پہر واپسی ہوتی تھی۔

فرمایا ﴿ وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ ﴾ اور بہا دیا ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ۔ عین کا معنیٰ چشمہ اور قطر کا معنیٰ تانبا۔ جیسے تم یہاں پانی کے چشمے دیکھتے ہو پہاڑوں میں سے قدرتی طور پر پانی نکلتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کے چشمے چلائے تھے۔ یہ رب تعالیٰ کا کام ہے۔ ﴿ وَمِنَ الۡجِنِّ ﴾ اور جنات میں سے ﴿ مَنۡ ﴾ وہ تھے ﴿ يَّعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ ﴾ جو عمل کرتے تھے ان کے سامنے ﴿ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ﴾ اس کے رب کے حکم کے ساتھ۔ جیسے آج کے دور میں ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں سلیمان کے زمانے میں انسان اور جنات ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ جنات چوں کہ ناری مخلوق ہے ان میں قوت انسانوں سے زائد ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کو جو حکم دیتے تھے وہ کرتے تھے جو کام ان سے لینا چاہتے تھے لیتے تھے ﴿ وَمَنۡ يَّزِغۡ مِنۡهُمۡ ﴾ اور جو کوئی ٹیڑھا ہوتا ان میں سے، حکم عدولی کرتا ﴿ عَنۡ اَمۡرِنَا ﴾ ہمارے حکم سے کہ سلیمان علیہ السلام کی بات نہ مانتا ﴿ نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴾ ہم اس کو چکھاتے تھے شعلے مارنے والا عذاب۔ آگ کے کوڑے اس کو لگتے تھے فرشتے آکر آگ کے کوڑے مارتے تھے۔ باقی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ درس میں بیان ہوگی۔

﴿ يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ ﴾ کام کرتے تھے وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ﴿ مَا يَشَآءُ ﴾ جو وہ چاہتا تھا ﴿ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ ﴾ قلعے ﴿ وَتَمَاثِيۡلَ ﴾ اور مجسمے ﴿ وَجِفَانٍ ﴾ اور پیالے ﴿ كَالۡجَوَابِ ﴾ جیسے حوض ہوتے ہیں ﴿ وَقُدُوۡرٍ ﴾ اور دیگیں ﴿ رّٰسِيٰتٍ ﴾ جمی ہوئی ﴿ اِعۡمَلُوۡٓا ﴾ عمل کرو ﴿ اٰلَ دَاوٗدَ ﴾ اے داؤد علیہ السلام کے اہل! ﴿ شُكۡرًا ﴾ شکر گزاری کا ﴿ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِيَ الشَّكُوۡرُ ﴾ اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے ﴿ فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ ﴾ پس جس وقت ہم نے فیصلہ کرلیا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ﴿ الۡمَوۡتَ ﴾ موت کا ﴿ مَا دَلَّهُمۡ ﴾ نہ بتلایا ان جنات کو ﴿ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ ﴾ موت کا ﴿ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ ﴾ مگر زمین کے ایک کیڑے نے ﴿ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ﴾ جو کھا گیا اس کی لاٹھی کو ﴿ فَلَمَّا خَرَّ ﴾ پس جب وہ گر پڑے ﴿ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ ﴾ واضح پایا جنات نے ﴿ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ ﴾ اس بات کو اگر ہوتے وہ جانتے غیب کو ﴿ مَا لَبِثُوۡا ﴾ نہ ٹھہرتے ﴿ فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ﴾ ذلت ناک عذاب میں ﴿ لَقَدۡ كَانَ ﴾ البتہ تحقیق ﴿ لِسَبَاٍ ﴾ سبا کے لیے ﴿ فِىۡ مَسۡكَنِهِمۡ ﴾ ان کی رہائش گاہوں میں ﴿ اٰيَةٌ ﴾ نشانی ہے ﴿ جَنَّتٰنِ ﴾ دو باغ ﴿ عَنۡ يَّمِيۡنٍ ﴾ دائیں طرف ﴿ وَّشِمَالٍ ﴾ اور بائیں طرف ﴿ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ ﴾ کھاؤ اپنے رب کے رزق سے ﴿ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ﴾ اور اس کا شکر ادا کرو ﴿ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ ﴾ یہ شہر ہے پاکیزہ ﴿ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴾ اور رب

بڑا بخشنے والا ﴿فَاَعْرَضُوْا﴾ پس انھوں نے اعراض کیا ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ﴾ پس چھوڑا ہم نے ان پر ﴿سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ سیلاب بند کا ﴿وَبَدَّلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے بدل دیا ان کے لیے ﴿بِجَنَّتَيْهِمْ﴾ ان کے دونوں باغوں کے بدلے ﴿جَنَّتَيْنِ﴾ دو باغ اور ﴿ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ﴾ جن کا پھل کسیلا تھا ﴿وَّ اَثْلٍ﴾ اور کچھ جھاؤ کے درخت ﴿وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ﴾ اور کچھ تھوڑے سے بیر ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ﴾ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ﴿بِمَا كَفَرُوْا﴾ ان کے کفر کا ﴿وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ اور ہم نہیں بدلہ دیتے مگر کافروں کو۔

ماقبل سے ربط

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو تابع کیا وہ ان کا تخت اُڑا کر لے جاتی تھی۔ اس تخت پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا سارا عملہ اور پوری کابینہ ہوتی تھی، فوجی غیر فوجی۔ پھر فرمایا کہ ہم نے جنات کو ان کے تابع کیا جو ان کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ انہی جنات کے متعلق ارشاد ہے ﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ﴾ وہ جنات عمل کرتے تھے سلیمان علیہ السلام کے لیے جو وہ چاہتا تھا۔ ان سے جو کام وہ لیتے تھے وہ کرتے تھے ﴿مِنْ مَّحَارِيْبَ﴾۔ محاریب محراب کی جمع ہے۔ جیسے یہ ہماری مسجد کی محراب ہے اس طرح کے گول کمرے بنواتے تھے۔ اس محراب کے بارے میں تاریخی طور پر اختلاف ہے کہ یہ کب بنی ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ جب مسجد بنی تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ مسجد کے منہ کی طرف محراب بنالیں۔ تو جبرئیل علیہ السلام کی نشاندہی کے ساتھ آنحضرت علیہ السلام نے محراب بنائی۔ تو محراب کا گول کمرہ ہوتا ہے اور اس کے نیچے کوئی ستون نہیں ہوتا۔ جنات ان کے لیے ایسے کمرے بناتے تھے ﴿وَتَمَاثِيْلَ﴾۔ تَمَاثِيل، تِمْثَال کی جمع ہے تِمْثَال کا معنیٰ ہے تصویر۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس دور میں جان دار چیز کی تصویر حرام نہیں تھی۔ ہماری شریعت میں جان دار چیز کی تصویر بنانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ غیر جان دار چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ مثلاً: پل کا نقشہ بنادیا، ٹیلے اور پہاڑ کا نقشہ بنادیا، درخت کی تصویر بنادی تو ایسی مورتیاں بناتے تھے ﴿وَ جِفَانٍ﴾ جِفان جَفْنَةٌ کی جمع ہے جَفْنَه کا معنیٰ ہے پیالہ۔ ﴿كَالْجَوَابِ﴾۔ جابیہ کی جمع ہے اور جابیہ کا معنیٰ ہے حوض۔ بڑے بڑے پیالے جیسے حوض ہوتے ہیں۔ چوں کہ سلیمان علیہ السلام کی فوج تھی انسانوں کی اور جنوں کی تو ان کے کھانے کے لیے بڑے بڑے پیالے ہوتے تھے حوض کی طرح۔ ان میں سالن ڈال دیتے اور فرماتے کھاؤ۔ ﴿وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ﴾۔ قُدُوْر قِدْرٌ کی جمع ہے۔ قِدْر کا معنیٰ ہے دیگ۔ رَاسِيٰت رَاسِيَةٌ کی جمع ہے بمعنیٰ ٹکی ہوئی بڑی بڑی دیگیں۔ جن میں کئی کئی سو آدمیوں کا کھانا پکتا تھا۔ یہ سارے کام سلیمان علیہ السلام جنات سے لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ﴾ عمل کرو آل داؤد، سلیمان علیہ السلام اور دوسرے شکر گزاری کا۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں نبوت دی، رسالت دی، انسانوں اور جنوں پر حکومت دی رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ آگے رب تعالیٰ شکوہ کرتے ہیں انسانوں کا۔ فرمایا ﴿ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ﴾ اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں ہم تو ایک سانس کا شکر ادا نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے جیتے ہیں۔ جب انسان بیماری اور مصیبت میں پھنستا ہے تو خدا یاد آتا ہے تندرست ہو جانے کے دو چار دن بعد، دس دن بعد، مہینہ بعد باغی ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے دولت دی تو اپنی غربت یاد ہی نہیں رہتی کہ میں کبھی غریب بھی ہوتا تھا۔

حالاں کہ اپنی غربت کے زمانے کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک وقت تھا میرے پاس رہنے کے لیے مکان نہیں تھا، کھانا پینا مرضی کے مطابق نہیں تھا، پیدل چلتا تھا سائیکل بھی نصیب نہیں ہوتی تھی آج میں کار چلاتا ہوں۔ میرے گھر میں لائٹ نہیں تھی، چراغ نہیں تھا اب کتنی لائٹیں جل رہی ہیں، میرے پاس کپڑا نہیں ہوتا تھا آج میرے پاس کتنے جوڑے ہیں۔ تو فرمایا بہت تھوڑے میرے بندوں میں سے ہیں شکر ادا کرنے والے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَلَمَّا قَضَیۡنَا عَلَیۡہِ الۡمَوۡتَ ﴾ پس جس وقت ہم نے طے کر لیا سلیمان علیہ السلام کے لیے موت کا کہ انھوں نے فلاں دن فوت ہونا ہے اور سلیمان علیہ السلام کو بھی بتلا دیا کہ فلاں دن آپ نے فوت ہونا ہے۔ لہٰذا ایک کمرہ بنا لیں شیشے کا (شیش محل) تیار کر لیں اور اس میں ایک لاٹھی گاڑ دیں اور اس پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر کھڑے ہو جائیں۔ چہرہ جنات کی طرف رہے وہ سمجھیں کہ ہمیں دیکھ رہے ہیں ہماری نگرانی کر رہے ہیں تاکہ مسجد اقصیٰ کا کام جو باقی رہ گیا ہے وہ مکمل ہو جائے۔ اگر جنات کو آپ کی موت کا علم ہو گیا تو وہ باغی ہو جائیں گے اور کام ادھورا رہ جائے گا۔

پورا ایک سال گزر گیا جنات دور سے دیکھ کر یہی سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے عبادت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ لکڑی کو کیڑا لگ گیا جس کو دیمک اور سیونگ کہتے ہیں۔ کیڑے نے جب نیچے سے لکڑی کھالی تو سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو جنات کو علم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام تو وفات پا گئے ہیں۔ پہلے جنات رعب ڈالتے تھے کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ چوں کہ پھرتیلی مخلوق ہے ایک لمحے میں یہاں ایک لمحے میں وہاں تو پھرتیلا ہونے کی وجہ سے حالات جلدی معلوم کر لیتے ہیں اور لوگوں پر رعب ڈالتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کا رد فرمایا ہے کہ جس وقت ہم نے فیصلہ کیا سلیمان علیہ السلام کی موت کا ﴿ مَا دَلَّہُمۡ عَلٰی مَوۡتِہٖۤ ﴾ نہیں بتلایا جنات کو سلیمان علیہ السلام کی موت کا ﴿ اِلَّا دَآبَّۃُ الۡاَرۡضِ ﴾ مگر زمین کے ایک کیڑے نے۔ یہاں ارض کا معنی کریدنے والا، کھانے والا۔ وہ کیڑا جو لکڑی کو کھاتا ہے، چاٹتا ہے اس نے بتلایا۔ اس نے کیسے بتلایا؟ ﴿ تَاۡکُلُ مِنۡسَاَتَہٗ ﴾ جو کھا گیا اس کی لاٹھی کو۔ دیمک نے لاٹھی کو کھایا تو وہ گر پڑے ﴿ فَلَمَّا خَرَّ ﴾ پس جس

وقت نیچے گرے ﴿تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ﴾ واضح پایا جنات نے۔ جنات پر بات واضح ہوگئی ﴿اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ﴾ یہ کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے ﴿مَالَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ تو نہ ٹھہرتے وہ اس سزا میں جو ان کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی۔ سال کے بعد جب سلیمان علیہ السلام نیچے گرے تو جنات کو پتا چلا کہ وہ تو وفات پا گئے ہیں ہم ویسے ہی اس کے خوف سے کانپتے رہے۔ تو پھر جنات باغی ہو گئے کیوں کہ جنات پر حکومت اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو دی تھی اور کسی کے قابو میں نہیں آئیں گے۔ ہاں کسی کے ساتھ دوستانہ قائم کرلیں تو اس کو باہر سے کوئی چیز لا کر دیں تو ہو سکتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن کسی کے قابو میں نہیں آتے بڑی باغی قوم ہے۔ دو نیک بندوں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد آگے ایک عبرت ناک واقعہ ذکر فرماتے ہیں۔

قومِ سبا کی تباہی کا عبرت ناک واقعہ

سبا کا مشہور علاقہ تھا۔ اصل میں سبا ایک آدمی کا نام تھا سبا بن یشحب بن یعرب بن قحطان۔ اس شخص کی آگے نسل چلی جو قوم سبا کہلائی۔ انھوں نے ایک شہر آباد کیا جو شہر سبا کہلاتا تھا۔ پھر اس سارے علاقے کا نام سبا پڑ گیا اس نسبت سے سارے علاقے کو سبا کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ﴾ البتہ تحقیق قوم سبا کے لیے ﴿فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ﴾ ان کی رہائش گاہوں میں نشانی ہے اپنے شہر کے بارے میں نشانی ہے۔ کیا نشانی ہے؟ ﴿جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ﴾ دو باغ دائیں اور بائیں طرف۔ یہ باغ میلوں کو محیط تھے۔ ایک سبا کے دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف تھا۔ اس مقام پر تفسیروں میں لکھا ہے کہ ان باغوں میں کیسے کیسے پھل تھے اور کیسی کیسی خوشبوئیں تھیں۔ اس شہر میں، نہ مکھی تھی، نہ مچھر، نہ سانپ، نہ بچھو، مسافر وہاں سے گزرتا تو ان کی خوشبوؤں سے اس کے بدن کی جوئیں مر جاتی تھیں۔ وہ باغ جنت کا منظر پیش کرتے تھے۔ بڑا صاف ستھرا شہر تھا وافر پھل تھے عیش کی زندگی تھی۔ تعین کے ساتھ آج ہم یہ نہیں بتلا سکتے کہ ان کی طرف کون سے پیغمبر آئے تھے؟

سبا شہر کے قریب ایک ابلق نامی پہاڑ تھا اس کوہِ ابلق کے دامن میں انھوں نے ڈیم بنایا ہوا تھا۔ جو انھوں نے بند باندھا تھا اس کا نام سدِ مارب تھا۔ جیسے منگلا ڈیم ہے، تربیلا ڈیم ہے۔ وہاں پانی کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ان لوگوں نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو رب تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایک چوہے کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ اس چوہے نے نیچے سے سوراخ نکالا جس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا رہتا تھا اس سے اس کی دیواریں کمزور ہو گئیں۔ خدا کی قدرت کہ اس سال بارشیں زیادہ ہوئیں پانی کا دباؤ زیادہ ہوا بند ٹوٹ گیا جس سے دونوں باغ بھی ختم ہو گئے اور کئی آدمی بھی اس سیلاب میں بہہ گئے۔ کچھ لوگ وہاں سے ہجرت کر کے شام چلے گئے اور کچھ مدینہ طیبہ جا کر آباد ہو گئے۔ اوس اور خزرج انھی لوگوں کی نسل سے تھے۔ بظاہر تباہی کا سبب وہ چوہا بنا۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

لَا تَحْتَقِرْ كَيْدَ الضَّعِيفِ فَرُبَّمَا
تَمُوتُ الْأَفَاعِي مِنْ سُمُوْمِ الْعَقَارِبِ
وَ قَدْ هَدَّ قِدْمًا عَرْشَ بِلْقِيسَ هُدْهُدٌ
وَ خَرَّبَ حَفْرُ الْفَأْرِ سَدَّ مَارِبِ

شاعر کہتا ہے کبھی کسی کمزور کی تدبیر کو حقیر نہ سمجھو۔ بچھو کی اقسام میں سے ایسی بھی قسم ہے کہ اژدہا کو ڈنک مارے تو فوراً مر جاتا ہے۔ ہدہد کتنا چھوٹا پرندہ ہے اس نے بلقیس کے تخت کو اُلٹ دیا اس طرح کہ اس نے سلیمان علیہ السلام کو بتلایا کہ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا کہ بادشاہ بنی ہوئی ہے اور اس کو ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں اور اس کا بہت بڑا عرش ہے میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ سجدہ کرتے ہیں سورج کے سامنے اللہ تعالیٰ کے سوا۔ یہ سارا واقعہ سورہ نمل میں موجود ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کی شاہی گئی۔ تو ہدہد اس کی تباہی کا سبب بنا۔ اور چوہے کے سوراخ نے سدّ مارب کو برباد کر دیا۔ مشہور مقولہ ہے کہ دشمنی کو کبھی حقیر نہ سمجھو چاہے خواہ وہ کتنی تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ بیماری کو چاہے تھوڑی ہو اور آگ کو چاہے چنگاری ہی کیوں نہ ہو کبھی حقیر نہ جانو۔ یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سونے سے پہلے چراغ بجھا کر سوؤ۔ حدیث پاک میں ہے نیچے سونا۔ آج بھی اکثر عربی نیچے سوتے ہیں چارپائیوں پر بہت کم سوتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت کا خلاصہ

ایک کچا مکان تھا مکینوں نے چراغ جلتا چھوڑ دیا۔ چوہے نے آکر بتی کھینچ کر نیچے پھینک دی دری کو آگ لگ گئی۔ مکان بھی جل گیا اور آدمی بھی جل گئے۔ تو چوہا ان کی تباہی کا سبب بن گیا۔ لہٰذا رات کو سونے سے پہلے چراغ بجھا کر سوؤ۔ اگرچہ آج کل ٹیوب، بلب وغیرہ میں وہ سبب نہیں ہے مگر ان کو جلتا چھوڑنا اسراف ہے، فضول خرچی ہے۔ یہ شادی بیاہ کے موقع پر مرچیں وغیرہ لگاتے ہیں چراغاں کرتے ہیں یہ سب اسراف ہے اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

فضول خرچی

گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے فخریہ طور پر یہ بات کہی کہ فلاں آدمی نے شادی کی اور چراغاں کیا۔ ایک لاکھ بجلی کا بل ادا کیا۔ اے مسلمان! رب تعالیٰ نے تجھے دولت ان کاموں کے لیے نہیں دی۔ تو اس کے ساتھ حج کر، عمرہ کر، مسجد بنا، دینی مدرسہ بنا، دین کے کاموں پر خرچ کر۔ جو کچھ تم کرتے ہو بڑے گناہ کی بات ہے۔ مجھے بہت افسوس اس وقت ہوتا ہے جب میں درس سننے والوں کے گھروں کو دیکھتا ہوں شادی کے موقع پر وہ یہ سارے کام کرتے ہیں۔ بڑی کوفت ہوتی ہے کہ ان کے درس سننے کا انھیں کیا فائدہ ہوا؟ عمل نہیں کرنا تو کیا فائدہ؟

تو فرمایا دو باغ تھے ان کے دائیں بائیں ﴿كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ﴾ کھاؤ اپنے رب کے رزق سے ﴿وَاشْكُرُوْا لَهٗ﴾

اور اس کا شکر ادا کرو ﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ﴾ یہ شہر ہے ستھرا ﴿وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ﴾ اور رب بخشنے والا ہے ﴿فَاَعْرَضُوْا﴾ پس انھوں نے اعراض کیا ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ﴾ پس ہم نے چھوڑا ان پر ﴿سَيْلَ الْعَرِمِ﴾۔ عرم کا معنیٰ ہے بند۔ وہ جو بند تھا ڈیم تھا اس کا سیلاب چھوڑا، کچھ بہہ گئے، کچھ چلے گئے، باغ تباہ ہوگئے ﴿وَبَدَّلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے بدل دیے ان کے لیے ﴿بِجَنَّتَيْهِمْ﴾ ان دو باغوں کے بدلے میں ﴿جَنَّتَيْنِ﴾ دو باغ اور ﴿ذَوَاتَيْ اُكُلٍ﴾ جو ایسی خوراک والے تھے ﴿خَمْطٍ﴾۔ خمط کا معنیٰ کڑوا، کھٹا۔ جو کڑوی اور کھٹی تھی۔ بندہ منہ میں ڈالے تو منہ کا ذائقہ بدل جائے کڑوا ہو جائے ایسی چیزیں چھوڑیں۔ ﴿وَّ اَثْلٍ﴾ اور کچھ جھاؤ کے درخت ﴿وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ﴾ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں چھوڑ دیں باقی تمام باغ ختم کر دیے۔ فرمایا ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا﴾ یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ان کے کفر کا ﴿وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ اور ہم ایسا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکری کرنے والوں کو۔ تو رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرنا بہت بڑا جرم ہے رب معاف فرمائے۔

﴿وَ جَعَلْنَا﴾ اور بنائی ہم نے ﴿بَيْنَهُمْ﴾ ان سبا والوں کے درمیان ﴿وَ بَيْنَ الْقُرَى﴾ اور ان بستیوں کے درمیان ﴿الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ جن میں ہم نے برکت ڈالی ﴿قُرًى﴾ ایسی بستیاں ﴿ظَاهِرَةً﴾ جو ظاہر تھیں ﴿وَّ قَدَّرْنَا﴾ اور ہم نے ٹھہرائی تھی ﴿فِيْهَا﴾ ان بستیوں کے درمیان ﴿السَّيْرَ﴾ مسافت ﴿سِيْرُوْا فِيْهَا﴾ چلو تم ان میں ﴿لَيَالِيَ﴾ راتوں کو ﴿وَ اَيَّامًا﴾ اور دنوں کو ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ پُرامن ﴿فَقَالُوْا﴾ پس کہا انھوں نے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ دور کر دے ہمارے سفروں کو ﴿وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور انھوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ﴾ پس کر دیا ہم نے ان کو کہانیاں ﴿وَ مَزَّقْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو بکھیر دیا ﴿كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ ہر طرح کا بکھیرنا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ کئی نشانیاں ہیں ﴿لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ ہر ایک صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے ﴿وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ﴾ اور البتہ تحقیق سچا کر دکھایا ان کے بارے میں ﴿اِبْلِيْسُ﴾ ابلیس نے ﴿ظَنَّهٗ﴾ اپنا خیال ﴿فَاتَّبَعُوْهُ﴾ پس انھوں نے پیروی کی اس کی ﴿اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مگر ایک گروہ مومنوں میں سے ﴿وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور نہیں تھا اس ابلیس کا ان پر کوئی زور اور تسلط ﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ﴾ مگر تاکہ ہم ظاہر کر دیں ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جو ایمان لاتا ہے آخرت پر ﴿مِمَّنْ هُوَ﴾ اس شخص سے کہ وہ ﴿مِنْهَا فِيْ شَكٍّ﴾ قیامت کے بارے میں شک کرتا ہے ﴿وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾ اور آپ کا رب ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا ہے ﴿قُلِ ادْعُوا﴾ آپ کہہ دیں پکارو تم ﴿الَّذِيْنَ﴾ ان کو ﴿زَعَمْتُمْ﴾ تم گمان کرتے ہو ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ﴾ نہیں وہ مالک

﴿مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ ذرہ برابر ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہ زمین میں ﴿وَمَا لَهُمْ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے ﴿فِيْهِمَا﴾ آسمانوں اور زمین میں ﴿مِنْ شِرْكٍ﴾ کوئی شراکت ﴿وَّمَا لَهٗ﴾ اور نہیں ہے اللہ کے لیے ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾ کوئی مددگار ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ﴾ اور نہیں نفع دے گی سفارش ﴿عِنْدَهٗٓ﴾ اس کے پاس ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿لِمَنْ﴾ اس شخص کے لیے ﴿اَذِنَ لَهٗ﴾ جس کے لیے رب نے اجازت دی ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ﴾ یہاں تک کہ جس وقت گھبراہٹ دور کی جاتی ہے ﴿عَنْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ان کے دلوں سے ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ﴾ کیا کچھ کہا ہے تمھارے رب نے ﴿قَالُوا﴾ کہتے ہیں ﴿الْحَقَّ﴾ حق کہا ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ اور وہی بلند ہے اور بڑائی والا ہے۔

قومِ سبا اور ان کا محلِ وقوع

یمن کے علاقے میں مشہور و معروف قوم سبا رہتی تھی جن کا مرکزی شہر سبا تھا جو اسی قوم کے نام کے ساتھ مشہور تھا۔ جیسے گکھڑ کوئی قوم تھی کہ جن کے نام سے گکھڑ شہر آباد ہے۔ سبا کا علاقہ بڑا زرخیز اور آباد علاقہ تھا جن کے ضروری حالات تم کل کے درس میں تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو۔ سبا سے لے کر شام تک سفر ایک مہینے کا تھا۔ اگرچہ پختہ سڑک نہیں تھی مگر سبا سے لے کر دمشق تک بڑی چوڑی سڑک تھی اور اس کے کنارے وقفے وقفے سے بستیاں اور شہر آباد تھے جیسے آج کل اسٹیشن ہیں کہ ایک گیا تو دوسرا آ گیا یا سڑکوں پر اڈے ہیں ایک اڈا آ گیا دوسرا آ گیا تیسرا آ گیا۔ دن رات قافلے چلتے رہتے تھے پُرامن کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا چور، ڈاکو کا اور سفر خرچ اُٹھانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی تھی کہ شہروں سے کھانے پینے کی چیزیں ملتی رہتی تھیں۔ بڑے بارونق شہر تھے۔

سبا والوں نے کہا کہ یہ کیا ہوا کہ ایک شہر گیا دوسرا آ گیا، دوسرا گیا تیسرا آ گیا پروردگار! ان شہروں کو درمیان سے مٹا دے تاکہ سفر لمبا ہو جائے ہم گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر جائیں اور یہ غریب لوگ ہمیں دیکھتے رہیں۔ اندازہ لگاؤ ان لوگوں کے نظریے کا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ﴾ اور ہم نے بنائی سبا والوں کے درمیان ﴿وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت ڈالی تھی۔ بستیوں سے مراد شام فلسطین کا علاقہ ہے۔ سبا کے علاقے سے لے کر شام کے علاقے تک کیا بنایا؟ ﴿قُرًى ظَاهِرَةً﴾ بستیاں نظر آنے والیاں۔ ایک بستی سے گزرے آگے دوسری نظر آ رہی ہے وہاں سے گزرے آگے تیسری نظر آ رہی ہے چوتھی نظر آ رہی ہے۔ سڑک کے دونوں کنارے آباد تھے، چیزوں کی فراوانی تھی خوش حالی تھی یہ ایسی بستیاں تھیں ﴿وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ﴾ اور ٹھہرائی ہم نے ان بستیوں کے درمیان مسافت خاص انداز ے سے

مطابق۔فرمایا اس راستے کے متعلق حکم تھا﴿ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴾ چلو تم ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن کے ساتھ۔

سبا والوں کی دولت کا انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ یہ لوگ کاشت کاری بھی کرتے تھے اور ان کے باغات میلوں پر پھیلے ہوئے تھے۔اس علاقے کے ایک طرف ہندوستان کا ساحل ہے اور دوسری طرف افریقہ کا ساحل ہے۔دونوں براعظموں کے درمیان خوب تجارت ہوتی تھی۔سونا، چاندی، قیمتی پتھر، مصالحے، خوشبو اور ہاتھی دانت کا لین دین ہوتا تھا۔ یہ بڑا پرامن راستہ تھا کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا چاہے رات کو سفر کریں یا دن کو۔اہل سبا کو بڑی آسودگی حاصل تھی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو چاہیے تھا کہ وہ ہماری نعمتوں کی قدر دانی کرتے لیکن اس کے برخلاف ﴿ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ﴾ کہنے لگے اے ہمارے رب! دور کردے ہمارے سفروں کو، لمبا کردے ہمارے سفروں کو۔ہم سنتے ہیں کہ دوسرے ممالک میں دوران سفر میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں مگر ہمارے سفر تو نہایت پرامن اور باسہولت ہیں ہمیں کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہمارے سفر بھی لمبے ہوں کہ ہم مصائب کا مزہ چکھیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور انھوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ان کی اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیلاب نے ان کے باغات، کھیتیاں، مکان سب کچھ تباہ کردیا۔سیلاب کے بعد زمین میں روئیدگی کی قوت کم ہو جاتی ہے پھر وہاں جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔اس کے بعد ان کے کچھ خاندان شام چلے گئے اور کچھ مدینہ منورہ چلے گئے جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا۔اس طرح یہ معروف ترین شاہراہ بھی بند ہوگئی اور قوم سبا کا نام ونشان مٹ گیا﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ﴾ پس کردیا ہم نے ان کو قصے کہانیاں۔افسانے بن گئے کہ لوگ ان کی خوش حالی، تاریخی ڈیم اور پھر ان کی تباہی کی داستانیں عبرت کے طور پر سناتے تھے۔

فرمایا﴿ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ﴾ اور ہم نے ان کو بکھیر دیا ہر طرح کا بکھیرنا۔کوئی پانی میں بہہ گئے کوئی کدھر چلے گئے اور کوئی کدھر چلے گئے ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ﴿ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ ہر ایک صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے کہ ناشکری کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ﴾ اور البتہ تحقیق سچا کردکھایا ان کے بارے میں ابلیس نے اپنا خیال۔تفسیروں میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا جب ڈھانچا تیار ہوا ابھی اس میں روح نہیں ڈالی گئی تھی تو ابلیس آدم علیہ السلام کے اردگرد گھوما، ٹانگیں دیکھیں ٹھوس تھیں، بازو دیکھے ٹھوس تھے کہنے لگا کہ مجھے ایسی جگہ نظر آئے کہ جہاں سے اس کی اولاد میں وساوس ڈالوں۔منہ دیکھا، ناک دیکھی تو کہنے لگا ہاں! میرے لیے بھی جگہ ہے وساوس ڈالنے کے لیے۔منہ اور ناک کے ذریعے میں وساوس ڈال سکوں گا۔ میں ان کی اکثریت کو انسان نہیں رہنے دوں گا وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوں گے۔تو ابلیس نے اس وقت جو خیال ظاہر کیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ اس نے سچا کردکھایا۔ وہ خیال اور گمان کیا تھا؟ کہ اکثریت میری پیروی کرے گی ﴿ فَاتَّبَعُوْهُ ﴾ پس انھوں نے اس کی پیروی کی ﴿ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ مگر ایک گروہ مومنوں میں سے۔

دنیا میں اکثریت کفار کی ہے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو فرمائیں گے آپ کی اولاد میں ایک ہزار میں سے ایک جنت میں جائے گا اور نو سو ننانوے جہنم میں جائیں گے۔ایک جنتی نو سو ننانوے دوزخی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! پھر کون بچے گا ہم میں سے؟ فرمایا نہیں یہ تقسیم تمھارے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ساری مخلوق کے اعتبار سے ہے۔اس میں یاجوج ماجوج بھی ہوں گے۔اس وقت تنہا چین کی آبادی ایک ارب چالیس کروڑ کے قریب ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد بہ مشکل دس کروڑ کے قریب ہے۔ اس وقت روس کی آبادی چالیس کروڑ کے قریب ہے۔ وہاں مسلمان مشکل سے ایک کروڑ بھی نہیں ہیں۔ پہلے زیادہ تھے مگر ظالم روس نے نہیں چھوڑے۔ ہندوستان کی اس وقت آبادی نوے کروڑ کے قریب ہے اور مسلمان انیس بیس کروڑ کے قریب ہیں۔ یہی حال دوسرے ممالک کا ہے۔تو تمام کافروں کی گنتی ہو گی اور اکثریت کافروں کی ہے۔

آٹھویں پارے کی آیت کا مفہوم ہے کہ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے تمھارے درمیان جو جھگڑا شروع ہو گیا ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ووٹنگ کرا لیتے ہیں کہ تمھارے ساتھ کتنے آدمی ہیں اور ہمارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث مان لیں جو وہ فیصلہ کرے اسے تسلیم کر لیں۔ دونوں باتوں کا اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ فرمایا ﴿أَفَغَيْرَ اللهِ أَبْتَغِي حَكَمًا﴾ [انعام: ۱۱۴] "کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ثالث تلاش کروں۔" میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ باقی تم ووٹنگ کی بات کرتے ہو تو اس کا جواب بھی سن لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ﴾ [آیت: ۱۱۶] "اگر آپ اطاعت کریں گے ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں (جن کی اکثریت ہے) تو وہ آپ کو بہکا دیں گے اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔" اکثریت ہمیشہ گمراہوں کی رہی ہے۔

کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی آبادی چھ ارب کے قریب ہے اور ان میں کلمہ پڑھنے والے مسلمان کہلانے والے ایک ارب کے قریب ہیں تو اس ایک ارب میں صحیح مسلمان کتنے ہیں؟ مردم شماری میں تو انھوں نے قادیانیوں، رافضیوں، ذکریوں، منکرین حدیث اور شرک میں ڈوبے ہوؤں کو بھی شامل کیا ہے حالاں کہ یہ مسلمان نہیں ہیں تو ابلیس نے جو رائے قائم کی تھی کہ اکثریت اس کی پیروی کرے گی ایسا ہی ہوا۔

مومنوں میں سے ایک گروہ نے شیطان کی بات نہیں مانی ﴿وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور نہیں تھا ابلیس کا ان پر کوئی زور اور تسلط۔ شیطان جبراً کسی کو غلط راستے پر نہیں لگا سکتا وہ تو ترغیب دیتا ہے، گناہ کا شوق دلاتا ہے چوں کہ نفس امارہ اس کا مرید ہے اس لیے اس پر اس کا جلدی اثر ہو جاتا ہے ﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ﴾ تاکہ ہم ظاہر کر دیں جو ایمان لاتا ہے آخرت پر ﴿مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ﴾ اس شخص سے جو قیامت کے بارے میں شک کرتا ہے۔ سارے مومن بھی شیطان سے آزاد نہیں ہیں صرف ایک گروہ ہے جو اس کی پیروی نہیں کرتا باقی کسی نہ کسی مد میں، کسی نہ کسی شق میں اس کے پیروکار ہیں

﴿وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾ اور آپ کا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ سب اسی کی حفاظت میں ہیں۔

تردید شرک :

آگے شرک کا رد ہے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم! آپ کہہ دیں ﴿ادْعُوا الَّذِیْنَ﴾ پکارو تم ان کو ﴿زَعَمْتُمْ﴾ جن کے بارے میں تم خیال کرتے ہو ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے جن کو تم حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہو پکارو تم ان کو اور ہمارا فیصلہ بھی سن لو ﴿لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ﴾ وہ مالک نہیں ہیں ذرہ برابر نہ آسمانوں میں نہ زمین میں۔ جب وہ کسی شے کے مالک ہی نہیں اور ان کے اختیار میں کوئی شے ہی نہیں وہ تمھارا کیا کام کریں گے؟ ﴿وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے آسمانوں میں اور زمینوں میں کوئی شراکت کہ کسی نے آسمان کا کوئی حصہ پیدا کیا ہو یا زمین کا کوئی حصہ پیدا کیا ہو۔ نہیں کوئی ان کی شراکت نہیں ہے تنہا پروردگار نے آسمان پیدا کیے، زمینیں پیدا کیں، انسان پیدا کیے، حیوان پیدا کیے، چرند پرند، حشرات الارض پیدا کیے وہ خالق کل شی ہے۔ خالق بھی وہی، مالک بھی وہی، رازق بھی وہی، حاکم بھی وہی ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [یوسف: ۶۷] "حکم صرف اللہ تعالیٰ کا۔" ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ [الاعراف: ۵۴] "سنو! اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔" مخلوق بھی اسی کی اور حکم بھی اسی کا۔ یہ تو دنیا میں جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کا قانون چل رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں خدا کی مخلوق پر خدا کا قانون نافذ ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں مگر آج ہم باطل نظاموں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہے۔

بے چارے طالبان کچھ تھوڑا بہت اسلامی قانون نافذ کرتے ہیں تو مغربی قوتیں ان کو بدنام کرنے کے لیے ان کے پیچھے ڈھول بجاتی ہیں (شور مچاتی ہیں کہ) وہاں یہ ہو گیا جی! وہاں یہ ہو گیا جی! اس وقت قرآن وسنت کے احکامات صرف افغانستان میں نافذ ہیں۔ (یہ اس وقت کی بات ہے جب طالبان کی حکومت تھی۔ بلوچ) طالبان کی حکومت کے سوا دنیا کے کسی خطے میں اسلام نافذ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک والوں کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ لوگ امن کے ساتھ سوئیں اور امن کے ساتھ اٹھیں اور امن کے ساتھ رہیں۔ کسی کو کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہو، جان محفوظ، مال محفوظ، عزت وآبرو محفوظ ہو۔

تو فرمایا جن کو یہ پکارتے ہیں ان کی آسمانوں اور زمین میں کوئی شراکت نہیں ہے ﴿وَمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ان میں سے کوئی مددگار۔ رب تعالیٰ کو قوی عزیز ہے اس کو کسی کی امداد کی کیا ضرورت ہے؟ امداد کی ضرورت تو کمزور کو ہوتی ہے۔ ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ﴾ اور نہیں نفع دے گی سفارش اس کے پاس۔ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے ہاں سفارش نفع نہیں دے گی ﴿اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ مگر اس کے لیے جس کے لیے رب نے اجازت دی۔ نہ ہر آدمی کی سفارش قبول ہے اور نہ ہر آدمی کے لیے

سفارش قبول ہے۔مومن متقی کی قبول ہوگی اور مومن کے لیے قبول ہوگی۔کافر کے لیے سفارش قبول نہیں ہے۔

کافر کے حق میں کسی کی بھی سفارش قبول نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر مخلوق میں کوئی مقبول نہیں ہے۔عبد اللہ بن اُبی کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کرتہ مبارک بطور کفن اس کو پہنایا، اپنا لعاب بھی اس کے بدن پر ملا، جنازہ بھی خود پڑھایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔اس سے بڑھ کر کیا سفارش ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک مرتبہ نہیں ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو میں نہیں بخشوں گا۔بے ایمان کے لیے سفارش نہیں ہے۔

﴿حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ﴾ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور کی جاتی ہے ان کے دلوں سے۔اس کی تفسیر بخاری وغیرہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دینا چاہتے ہیں تو پہلے ایک آواز آتی ہے جس طرح گھر کی گھنٹی (Bell) کی آواز ہوتی ہے۔اس سے فرشتوں پر ایک غشی سی طاری ہو جاتی ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس قدر خوف زدہ ہوتے ہیں۔تو جب ان سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو نچلے طبقے والے فرشتے اُوپر والوں سے مخاطب ہوتے ہیں ﴿قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ﴾ کہتے ہیں کیا کچھ کہا ہے تمھارے رب نے ﴿قَالُوا الْحَقَّ﴾ وہ کہتے ہیں کہ حق کہا ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ اور وہ ذات بہت بلند اور بڑی عظمت والی ہے۔مطلب یہ کہ فرشتے تو خود اس قدر بے بس اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے ہوش ہو جانے والے ہیں وہ کسی کی کیا سفارش کریں گے کیا یہ جبری طور پر سفارش کر سکتے ہیں؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔یہ باتیں ان لوگوں کی اپنی بنائی ہوئی ہیں حقیقت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿مَنْ يَّرْزُقُكُمْ﴾ کون ہے جو تم کو رزق دیتا ہے ﴿مِّنَ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں سے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے ﴿وَاِنَّآ﴾ اور ہم ﴿اَوْ اِيَّاكُمْ﴾ یا تم ﴿لَعَلٰى هُدًى﴾ البتہ ہدایت پر ہیں ﴿اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یا کھلی گمراہی میں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّا تُسْـَٔلُوْنَ﴾ تم سے نہیں پوچھا جائے گا ﴿عَمَّآ اَجْرَمْنَا﴾ ان چیزوں کے بارے میں جو جرم ہم نے کیے ہیں ﴿وَلَا نُسْـَٔلُ﴾ اور نہ ہم سوال کیے جائیں گے ﴿عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ان چیزوں کے بارے میں جو عمل تم کرتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿يَجْمَعُ بَيْنَنَا﴾ جمع کرے گا ہم سب کو ﴿رَبُّنَا﴾ ہمارا رب ﴿ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا﴾ پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ﴾ اور وہ فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ﴾ مجھے دکھاؤ وہ ﴿اَلْحَقْتُمْ بِهٖ﴾ جن کو تم نے ملایا ہے اس

کے ساتھ ﴿شُرَكَآءَ﴾ شریک بنا کر ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿بَلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ بلکہ وہ اللہ ہی ہے ﴿الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ غالب حکمت والا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ مگر تمام انسانوں کے لیے ﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ کب پورا ہوگا یہ وعدہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّكُمْ مِّيْعَادُ﴾ تمھارے لیے ایک میعاد ہے ﴿يَوْمٍ﴾ ایسے دن کی ﴿لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ﴾ نہیں تم پیچھے ہوسکو گے اس سے ﴿سَاعَةً﴾ ایک گھڑی ﴿وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ اور نہ آگے بڑھو گے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر ﴿وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اور نہ ان کتابوں پر جو ان سے پہلے آئی ہیں ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور اگر آپ دیکھیں ﴿اِذِ الظّٰلِمُوْنَ﴾ جس وقت کہ ظالم ﴿مَوْقُوْفُوْنَ﴾ کھڑے کیے جائیں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے ہاں ﴿يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ﴾ لوٹائیں گے بعض ان کے بعض کی طرف ﴿الْقَوْلَ﴾ بات کو ﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ﴾ کہیں گے وہ لوگ ﴿اسْتُضْعِفُوْا﴾ جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اسْتَكْبَرُوْا﴾ جنھوں نے تکبر کیا ﴿لَوْلَآ اَنْتُمْ﴾ اگر نہ ہوتے تم ﴿لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ﴾ البتہ ہم مومن ہوتے۔

دُنیاوی زندگی میں رزق کی اہمیت

دنیا کی زندگی میں رزق کا مسئلہ بھی بڑا اہم مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جان دار مخلوق کو رزق کا محتاج بنایا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی کھانے پینے سے مستغنی نہیں تھے۔ کافر کہتے تھے ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِى الْاَسْوَاقِ﴾ [فرقان: ۷] "کیا ہے اس رسول کو یہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں سودا سلف خریدنے کے لیے اور کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ﴾ [انبیاء: ۸] "اور نہیں بنایا ہم نے ان (رسولوں) کے ایسے اجسام کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔" تو جان دار مخلوق کے لیے رزق کا مسئلہ بہت اہم ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا "قریب ہے کہ غربت کفر تک پہنچا دے۔" کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ فقر و غربت کفر کے زمانے تک پہنچا دے گی، کافر بنا دے گی۔ یہ روٹی، کپڑا، مکان کا مسئلہ بڑا اہم مسئلہ ہے اور اسلام نے جتنے معقول طریقے سے حل کیا ہے دنیا کے کسی ازم اور قانون میں نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ جو قرآن، سنت اور فقہ اسلامی میں ہے اس پر عمل نہیں ہے۔ اگر ان پر عمل ہو تو رزق کا کوئی محتاج نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ یَّرْزُقُكُمْ﴾ تمھیں رزق کون دیتا ہے ﴿مِّنَ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں سے۔ آسمانوں سے رزق کا مطلب یہ ہے کہ اُوپر سے بارش ہوتی ہے جس سے فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ سورج کی کرنوں سے فصلیں بڑھتی اور پکتی ہیں۔ چاند کی چاندنی کا بھی اثر ہے، ہوا کا بھی اثر ہے، ستاروں کی مدہم روشنی کا بھی فصلوں پر اثر ہے۔ یہ سارا اُوپر کا نظام کس نے بنایا ہے؟ ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین سے۔ زمین میں روئیدگی کی طاقت کس نے رکھی ہے؟ دانے کو محفوظ رکھ کر کون اُگاتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو بیج کو کیڑے کھا جائیں۔ بتاؤ یہ رزق دینے والا کون ہے؟ اگر یہ گونگے ہوں تو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ﴾ صرف اللہ ہی دیتا ہے۔ سورج اس کے قبضے میں، چاند اس کے قبضے میں، بارش برسانا اس کا کام، ہوا چلانا اس کا کام، رزق دینا اس کا کام، خالق وہ، رازق وہ، مالک وہ، عالم الغیب والشہادہ وہ۔ تم رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ذرا سوچو تو سہی۔ دو فریق ہیں۔ ایک تم ہو اور ایک ہم ہیں۔ ایک طرف ہدایت ہے ایک طرف گمراہی ہے۔ سوچ لو ہدایت پر کون ہے؟ اور گمراہی پر کون ہے؟

فرمایا ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ﴾ بے شک ہم یا تم ﴿لَعَلٰى هُدًى﴾ البتہ ہدایت پر ہیں ﴿اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یا کھلی گمراہی میں کون ہے؟ ایک فریق ہم ہیں اور دوسرا فریق تم ہو، ایک نظریہ ہمارا ہے اور ایک نظریہ تمھارا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے؟ تم نے لات، منات، عزیٰ کو مشکل کشا، حاجت روا بنا رکھا ہے اور ان کے علاوہ کتنے الٰہ تم نے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ فیصلہ تم خود کرو حق پر کون ہے؟ باطل پر کون ہے؟ ہدایت کس کے پاس ہے اور گمراہی کس کے پاس ہے؟ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا﴾ تم سے نہیں پوچھا جائے گا اس چیز کے بارے میں جو ہم نے جرم کیا۔ ہمارے گناہوں کے بارے میں تم سے پوچھ گچھ نہیں ہوگی ﴿وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور ہم سے سوال نہیں ہوگا اس چیز کے بارے میں جو تم کرتے ہو۔ تمھارے عقائد تمھارے ساتھ اور ہمارے عقائد ہمارے ساتھ، تمھارے اعمال تمھارے ساتھ اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ ہم تمھیں حقیقت بتلاتے ہیں تمھاری راہنمائی کرتے ہیں اس پر چلنا تمھارا کام ہے۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا﴾ جمع کرے گا ہمیں ہمارا رب ﴿ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا﴾ پھر کھول دے گا ہمارے درمیان جو حقیقت اور راز ہے۔ عقائد، اعمال، اخلاق سب کھول دے گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے گا۔

دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی سچا ہوتے ہوئے بھی سچائی کو ثابت نہیں کر سکتا یا ظالم اس کی سچائی کو سنتا نہیں ہے اور وہ مجرم بن جاتا ہے۔ دنیا کی عدالتیں غلط فیصلہ کر دیتی ہیں کہ وہ غیب نہیں جانتیں۔ دیانت دار جج نے بھی فیصلہ بیانات پر کرنا ہے، گواہوں کی گواہی پر کرنا ہے اور قیامت والے دن اس ذات کے سامنے پیش ہونا ہے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے وہ رازوں اور بھیدوں کو جانتا ہے وہاں کون داؤ لگائے گا اور کس کو لگائے گا؟ وہاں اللہ تعالیٰ حقیقت کھول دے گا ہمارے درمیان ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ﴾ اور وہ حقیقت کھولنے والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ جاننے والا ہے۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں۔ ان سے پوچھیں ﴿اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ﴾ مجھے دکھاؤ وہ ﴿اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ﴾ جن کو تم نے ملایا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا کر۔ مجھے بتلاؤ

وہ کون ہیں اور انھوں نے کیا کیا ہے؟ پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ نہ تو زمین اور آسمانوں میں کسی کی شراکت ہے اور نہ ہی کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے۔ دکھاؤ وہ کون ہیں جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملایا ہے؟ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں کوئی رب تعالیٰ کا شریک نہیں ہے ﴿بَلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ بلکہ وہی اللہ تعالیٰ ہی ہے آسمانوں کا خالق بھی، زمین کا خالق بھی، رزق دینے والا بھی، بیمار کرنے والا بھی، صحت دینے والا بھی، بادشاہ بنانے والا بھی، گدا بنانے والا بھی ﴿الْعَزِيْزُ﴾ غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ حکمت والا ہے۔ وہ اتنا غالب ہے کہ ایک لمحے میں سب کچھ تباہ کردے۔ اس کی حکمت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ یہاں تک توحید کا مسئلہ بیان ہوا اور آگے رسالت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ کیوں کہ اہم مسئلے توحید، رسالت اور قیامت ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لیے پیغمبر ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ اے نبی کریم! نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ مگر تمام لوگوں کے لیے ﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ یہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور سورت فرقان آیت نمبر ایک میں ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ "برکت والی ہے وہ ذات جس نے اُتارا ہے فرقان اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے وہ تمام جہانوں کو ڈرانے والا۔" اس میں انسان بھی آ گئے، جنات بھی آ گئے۔ حدیث پاک میں ہے: بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَ الْاَحْمَرِ وَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ "میں بھیجا گیا ہوں کالے، سرخ سب جنوں اور انسانوں کی طرف۔"

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لیے پیغمبر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قیامت کو مان لے اس کو رب تعالیٰ کی رضا اور جنت کی خوش خبری سنا دیں۔ اور جو کفر و شرک پر ڈٹا اور اَڑا رہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر بستہ رہے، حق کو قبول نہ کرے اس کو رب کے عذاب سے ڈرا دے جو دنیا میں بھی آتا رہتا ہے اور آخرت میں تو ہونا ہی ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کو، بشیر، نذیر ہونے کو۔ کافر تو دور کی بات ہے آج جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں وہ بھی دین کی بہت ساری چیزوں سے غافل ہیں۔ میری معلومات کے مطابق بعض علاقے ایسے ہیں کہ جہاں جنازے کے بغیر ہی دفن کر دیتے ہیں۔ بعض کو پہلا کلمہ نہیں آتا، نماز نہیں آتی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان سمجھو کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان نے پھر آگے ان کے فیض یافتہ علمائے دیوبند، سہارن پور، دہلی، رام پور، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش کے علماء نے اصلی دین کی آبیاری کی، لوگوں کو حق بتایا اور سنایا۔ ایسا دین تمھیں کسی اور جگہ نظر نہیں آئے گا۔

بوسنیا کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ بس عورت کا نام فاطمہ ہے اور بندے کا نام عبداللہ ہے اس کے علاوہ کسی شے کا کچھ پتا نہیں ہے اور یہی حال دوسرے ملکوں کا ہے۔ اور یہاں الحمد للہ فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات بھی لوگ جانتے ہیں۔ یہ سب

ان بزرگوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اگر ان بزرگوں کی محنتیں نہ ہوتیں تو نہ جانے ہم کیا ہوتے۔

قیامت کا ذکر

رسالت کے بعد آگے قیامت کا مسئلہ ہے۔ مشرکینِ مکہ بڑے زور شور کے ساتھ قیامت کا انکار کرتے تھے۔ کہتے تھے ﴿ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ﴾ [یٰسین: ۷۸] "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟" کبھی کہتے ﴿ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴾ [انعام: ۲۹] "نہیں ہے مگر صرف ہماری دنیا کی زندگی اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔" کبھی کہتے ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ﴾ [ق: ۳] "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" اور اس مقام پر ہے ﴿ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ پورا اگر ہو تم سچے۔ یہ قیامت کب آئے گی بتاؤ؟ دیکھو! وقت معلوم نہ ہونے سے حقیقت کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً: سب جانتے ہیں کہ ہم نے مرنا ہے مگر موت کے وقت کا کسی کو علم نہیں ہے تو کیا اس سے ہم انکار کر سکتے ہیں کہ ہم نے مرنا نہیں ہے۔ تو مدت کا علم نہ ہونے سے کوئی موت کا انکار تو نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سمجھو کہ قیامت کے وقت کا ہمیں علم نہیں ہے کہ کب آئے گی لیکن آئے گی ضرور۔ وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ ﴾ تمھارے لیے میعاد ہے ایسے دن کی ﴿ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً ﴾ کہ تم مؤخر نہیں ہو گے اس میعاد سے ایک گھڑی بھی ﴿ وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ اور نہ آگے ہو سکو گے۔ شخصی قیامت ہر ایک کی موت ہے وہ نہیں ٹلتی۔ کیا مجال ہے کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہو جائے یا فرشتہ بھول جائے کہ کس کی جان نکالنی ہے۔ حاشا وکلّا! وہ ایسا مضبوط نظام ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ دنیا کے نظاموں میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور انسانوں کو غلطی لگ جاتی ہے۔ پرسوں کے اخبار میں میں نے پڑھا کہ ڈاکٹر نے ایک عورت کا آپریشن کیا تو تولیا اس کے پیٹ میں رہ گیا اور پیٹ کو سی دیا۔ ڈاکٹروں کی بدحواسی پھر دوبارہ پیٹ کھول کر تولیا نکالا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نظام میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ عالم کی قیامت تو جب آئے گی آئے گی شخصی قیامت تو سر پر کھڑی ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، فرشتے بھی نظر آئیں گے ﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ ﴾ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر ﴿ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ﴾ اور نہ ان کتابوں پر جو ان سے پہلے آئی ہیں۔ تورات، زبور، انجیل اور دیگر آسمانی صحیفے، ہم کسی کو نہیں مانتے۔ اب اس ضد کا کیا علاج ہے؟

رب تعالیٰ فرماتے ہیں اے مخاطب! آج تو یہ کہہ رہے ہیں ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ اور اگر آپ دیکھیں جس وقت یہ ظالم ﴿ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے۔ رب تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی اللہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق فیصلے کے لیے جلوہ افروز ہوں گے اس وقت کیا بنے گا؟ آنے والے جملے اچھی طرح یاد کر لیں بھولنا نہیں ہے کہ

﴿یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ﴾ لوٹائیں گے ان کے بعض بعض کی طرف بات کو یعنی بعض بعض کی تردید کریں گے۔ مرید پیروں کی، شاگرد استادوں کی، ووٹ دینے والے ووٹ لینے والوں کی یعنی چھوٹے بڑوں کی تردید کریں گے بات کو ﴿یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ کہیں گے وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے۔ شاگرد استاد کے مقابلے میں کمزور ہوتا ہے، مرید پیر کے مقابلے میں کچھ نہیں ہوتا، ووٹ دینے والے کمزور ہوتے ہیں جن کو دھکے دے کر لے جاتے ہیں۔ کن کو کہیں گے؟ ﴿لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا﴾ ان لوگوں سے کہیں گے جو متکبر تھے، طاقت ور تھے او ظالمو! ﴿لَوْلَآ اَنْتُمْ﴾ اگر تم نہ ہوتے ﴿لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ﴾ البتہ ہم ایمان لے آتے۔ ہم ایمان دار ہوتے اے غلط کار استادو، پیرو! ہمارے ممبرو! تم نے ہمارا بیڑا غرق کیا۔ تم ہمارے ایمان میں رکاوٹ بنے۔ کل کے درس میں ان شاء اللہ ان کا جواب آئے گا۔

~~~

﴿قَالَ الَّذِیْنَ﴾ کہیں گے وہ لوگ ﴿اسْتَكْبَرُوْا﴾ جنھوں نے تکبر کیا ﴿لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا﴾ ان کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ﴾ کیا ہم نے روکا تھا تم کو ﴿عَنِ الْهُدٰی﴾ ہدایت سے ﴿بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ﴾ بعد اس کے کہ وہ تمھارے پاس آچکی تھی ﴿بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ﴾ بلکہ تم خود مجرم ہو ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اسْتَكْبَرُوْا﴾ جنھوں نے تکبر کیا ﴿بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ﴾ بلکہ رات کی تدبیر ﴿وَالنَّهَارِ﴾ اور دن کی تدبیر ﴿اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ﴾ جس وقت تم حکم دیتے تھے ہمیں ﴿اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ﴾ ہم انکار کریں اللہ تعالیٰ کا ﴿وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا﴾ اور بنائیں ہم اس کے لیے شریک ﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ﴾ اور مخفی رکھیں گے ندامت کو ﴿لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ جب دیکھیں گے عذاب کو ﴿وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ﴾ اور ڈالیں گے ہم طوق ﴿فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کی گردنوں میں ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿هَلْ یُجْزَوْنَ﴾ نہیں بدلہ دیے جائیں گے ﴿اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ مگر اس چیز کا جو کچھ وہ کرتے رہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں ﴿مِّنْ نَّذِیْرٍ﴾ کوئی ڈرانے والا ﴿اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ﴾ مگر کہا اس کے آسودہ حال لوگوں نے ﴿اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ﴾ بے شک ہم اس چیز کے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ﴿كٰفِرُوْنَ﴾ منکر ہیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا﴾ ہم زیادہ ہیں مال میں ﴿وَّاَوْلَادًا﴾ اور اولاد میں ﴿وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ﴾ اور نہیں ہم سزا دیے جائیں گے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ رَبِّیْ﴾ بے شک میرا رب ﴿یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ کشادہ کرتا ہے رزق ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہتا ہے ﴿وَیَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ﴿لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ﴾ اور نہیں ہیں تمھارے مال ﴿وَلَآ
~~~

اَوْلَادُكُمْ﴾ اور نہ تمھاری اولاد ﴿ بِالَّتِیْ ﴾ ایسی ﴿ تُقَرِّبُكُمْ ﴾ تمھیں قریب کر دیں ﴿ عِنْدَنَا ﴾ ہمارے ہاں ﴿ زُلْفٰٓی ﴾ رتبے اور درجے میں ﴿ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ ﴾ مگر وہ شخص جو ایمان لایا ﴿ وَ عَمِلَ صَالِحًا ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ ﴾ پس یہی لوگ ہیں ان کے لیے ﴿ جَزَآءُ الضِّعْفِ ﴾ بدلہ ہوگا دگنا ﴿ بِمَا عَمِلُوْا ﴾ بہ وجہ اس کے جو انھوں نے عمل کیا ﴿ وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ ﴾ اور وہ بالا خانوں میں ﴿ اٰمِنُوْنَ ﴾ امن کے ساتھ رہیں گے۔

تفسیر آیات

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ ظالم لوگ، مجرم لوگ جرم کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالیں گے۔ انسان کا مزاج ہے کہ کام بگڑ جائے تو دوسرے کے ذمہ لگا دیتا ہے۔ اور اگر سنور جائے تو سہرا اپنے سر رکھتا ہے۔ مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوئے بھی اس چیز کا مظاہرہ کریں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھوک ہوگی کمزور لوگ بڑوں کو کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو البتہ ہم مومن ہوتے۔ اور متکبرین کہیں گے کمزوروں کو کیا ہم نے تمھیں ہدایت سے روکا تھا ہدایت کے آجانے کے بعد؟ بلکہ تم خود مجرم تھے۔ ہمارے اُوپر کیوں ڈالتے ہو؟

﴿ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ کہیں گے وہ لوگ جو متکبر اور وڈیرے تھے ﴿ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا ﴾ ان کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿ اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ ﴾ کیا ہم نے تم کو روکا تھا ﴿ عَنِ الْهُدٰی ﴾ ہدایت سے ﴿ بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ ﴾ بعد اس کے کہ وہ ہدایت تمھارے پاس آچکی تھی ﴿ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴾ بلکہ تم خود مجرم ہو۔ ہمارے اوپر بوجھ ڈالتے ہو ﴿ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿ لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ ان کو جو متکبر تھے ﴿ بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ ﴾ بلکہ رات دن کے فریب میں تم ہی ہمیں گمراہ کرتے تھے۔ ہمیں بلا کر میٹنگیں کرتے تھے اور طرح طرح کے ہمیں سبق پڑھاتے تھے اور آج کہتے ہو کہ ہم نے نہیں روکا ﴿ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ ﴾ جس وقت تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم انکار کریں اللہ تعالیٰ کا۔ رب تعالیٰ کے احکام نہ مانو آج تم بری الذمہ ہونا چاہتے ہو۔ آج بھی یہی حال ہے کمزور کو دھکے پڑتے ہیں اگر ان وڈیروں کے بلانے پر نہ آئیں تو بے عزتی کرتے ہیں تنگ کرتے ہیں۔ میں نے آج تک کسی کو ووٹ نہیں دیا۔ میری گلی کی نالی دیکھ لو بند پڑی ہے، گندہ پانی کھڑا ہے تین ماہ سے چلا رہا ہوں کوئی شنوائی نہیں ہے۔ ان کی جو آدمی بات نہ مانے اس کا یہ حال کرتے ہیں۔ تو کمزور کہیں گے تمھاری دن رات کی تدبیریں، اجتماع، جلسے، جس وقت تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم کفر کریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿ وَ نَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ﴾ اور بنائیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک۔

چنانچہ سورہ صٓ میں ﴿ وَ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ﴾ "اور تعجب کیا انھوں نے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈرسنانے والا انھی میں سے ﴿ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور کہا کافروں نے ﴿ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ یہ جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾ کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود ﴿ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴾ بے شک یہ ایک عجیب چیز ہے

﴿وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ایک جماعت چلی (گلی محلوں میں اور کہنے لگے) ﴿اَنِ امْشُوْا﴾ چلو ﴿وَ اصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ﴾ اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں پر۔" یہ ان وڈیروں نے کہا کہ گلی محلوں میں جاؤ اور جا کر کہو کہ اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑنا۔ تو چھوٹے کہیں گے بڑوں کو کہ او ظالمو! آج تم کیسے بنتے ہو کہ ہم نے پچھ نہیں لیا۔ ہمیں گمراہ کرنے کے سارے کرتوت تمھارے تھے۔

تو اس وقت یہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے ﴿وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ﴾ اور مخفی رکھیں گے ندامت کو دونوں گروہ چھوٹے بھی اور بڑے بھی، کمزور بھی اور طاقت ور بھی ﴿لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ جس وقت دیکھیں گے عذاب کو۔ میدانِ محشر میں جنت بھی نظر آئے گی اور دوزخ بھی نظر آئے گی ﴿وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ "اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے ﴿وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ﴾ [شعراء ۹۰-۹۱] اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو گمراہوں کے لیے۔" ﴿وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ﴾۔ اَغْلَال غُلٌّ کی جمع ہے بمعنی طوق۔ معنیٰ ہوگا اور ڈالیں گے ہم طوق ﴿فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾۔ اَعْنَاق جمع ہے عُنُقٌ کی۔ ان لوگوں کی گردنوں میں جو کافر ہیں۔

سورہ یٰسین میں ہے ﴿اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ "پس وہ طوق ٹھوڑیوں تک ہیں پس ان کے سر اوپر کو اٹھ رہے ہیں۔" طوق اس انداز کے ہوں گے کہ گردن جھکا نہیں سکیں گے۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو پکڑو۔ ٹانگیں اوپر ہوں ﴿مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ﴾ [ملک: ۲۲] "اوندھے منہ سر نیچے۔" سر کے بل چلیں گے جیسے آج لوگ پاؤں پر چلتے ہیں۔ ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ نہیں بدلہ دیئے جائیں گے مگر اس چیز کا جو وہ کرتے رہے۔

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں کہ یہ آپ کو جادوگر کہتے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ، کذاب کہتے ہیں، مجنون کہتے ہیں، مفتری کہتے ہیں، آپ ﷺ صبر کریں۔ ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا رب تعالیٰ کے عذاب سے ﴿اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ﴾ مگر کہا اس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے ﴿اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ بے شک ہم اس چیز کے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو منکر ہیں ہم نہیں مانتے توحید کو، رسالت کو، قیامت کو، کتابوں کو۔ آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اگر آج یہ نہیں مان رہے تو کوئی نئی بات نہیں ہے پہلے بھی منکر ہوتے رہے ہیں۔

انکار توحید اور ابتدائے شرک

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک منکر رہیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ہزار سال تھی۔ ان کے ایک ہزار سال بعد حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے پہلے اور گناہ تو تھے مگر کفر و شرک نہیں تھا۔ جس طرح توحید کا انکار حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے چلا آرہا ہے نبی کی بشریت کا انکار بھی اسی وقت سے چلا آرہا ہے۔ ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا﴾ ہم زیادہ ہیں مال میں اور اولاد میں ﴿وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ اور نہیں ہم سزا دیئے

جائیں گے۔تم ہمیں عذاب سے ڈراتے ہو ہمیں کوئی عذاب نہیں ملے گا۔

ان کی منطق یہ تھی کہ اگر رب ہم سے ناراض ہوتا تو ہمیں مال اور اولاد کیوں دیتا؟ دشمن کبھی دشمن کو نوازا نہیں کرتا۔ ہمیں مال اور اولاد دینے کا مطلب ہے کہ وہ ہم پر راضی ہے۔ الٹا مسلمانوں کو کہتے تھے کہ تم پر رب ناراض ہے کہ تم بھوکے ہو تمھیں کپڑے میسر نہیں، رہنے کے لیے ہمارے جیسے مکان نہیں، اولاد تمھاری تھوڑی ہے، تکالیف میں مبتلا ہو رب تم سے ناراض ہے ہم پر راضی ہے ہمیں کس طرح سزائیں دی جائیں گی؟ ﴿قُلْ﴾ آپ ان کو کہہ دیں ﴿اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے ﴿وَ یَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے جس کا چاہتا ہے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے نہیں سمجھتے کہ رزق کی تنگی اور فراخی کا تعلق رب تعالیٰ کی خوشی اور ناراضی کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ نظام الگ ہے۔ دنیا کے مال کی رب تعالیٰ کے ہاں کوئی قیمت نہیں ہے۔

رب تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر و قیمت

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دنیا و مافیہا کی قدر اگر جناح بعوضۃ مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ ملتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضی کا معیار مال ہوتا تو سب سے زیادہ دولت پیغمبروں کو دی جاتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں پیغمبروں سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا نمبر ہے مگر وہ بکریاں چرا کر اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات میں اول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کُنْتُ اَرْعٰی لِاَهْلِ مَكَّةَ عَلٰی قَرَارِیْطَ "میں ٹکے ٹکے پر مکہ والوں کی بکریاں چراتا رہا ہوں۔"

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے میں بھی تیشہ آری چلا کر اپنے رزق کا انتظام کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے زرہ تیار کرتے تھے اور روزی کماتے تھے تو اگر دولت معیار ہوتی تو سب سے زیادہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملتی۔ حالاں کہ بارہا یہ بات سن چکے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر دو دو ماہ چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ فرمایا تمھارا یہ قیاس غلط ہے سن لو ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ﴾ اور نہیں ہیں تمھارے مال ﴿وَلَآ اَوْلَادُكُمْ﴾ اور نہ تمھاری اولاد ﴿بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی﴾ ایسی ہیں کہ تمھیں قریب کر دیں ہمارے ہاں رتبے اور درجے میں۔ محض مال و دولت پر گھمنڈ نہ کرو یہ اچھے لوگوں کو بھی ملتی ہے اور بُروں کو بھی ملتی ہے۔ قارون جیسے باغی کو، فرعون جیسے سرکش کو، ہامان جیسے بے ایمان کو رب تعالیٰ نے بہت کچھ دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کفن

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں پیغمبروں کے بعد اول نمبر کی شخصیت ہیں مگر مرتے وقت کفن کے لیے پریشان ہیں کہ کیا بنے گا؟ عربی لوگ اس وقت عموماً کرتہ نہیں پہنتے تھے دو چادریں ہوتی تھیں ایک چادر اُوپر اور ایک چادر نیچے

ہوتی تھی۔ فرمایا بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ میری چادریں دھولینا اور انہی میں مجھے کفنا دینا۔ انھوں نے کہا ابا جی! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اگر ایسی صورت ہوئی تو ہم نیا کفن پہنا دیں گے۔ فرمایا نہیں میرے گھر میں طاقت نہیں اور میں نہیں چاہتا کہ مرتے وقت بیت المال پر بوجھ ڈالوں۔ بخاری شریف کی روایت ہے فرمایا میرے ساتھ وعدہ کرو۔ چنانچہ وہی دو چادریں دھوئی گئیں اور ایک مزید لی گئی اور اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دفنایا گیا۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس کے پاس مال زیادہ ہو گیا اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور جس بے چارے کے پاس کچھ نہیں ہم سمجھتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ یہ کافروں والا قیاس اور ذہن ہے۔

تو فرمایا محض مال اور اولاد ہمارے قریب نہیں کر سکتے ﴿اِلَّا مَنْ اٰمَنَ﴾ مگر وہ جو ایمان لایا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا۔ وہ ہمارے ہاں درجے میں قریب ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ﴾ پس یہی لوگ ہیں ان کے لیے بدلہ ہوگا دگنا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [انعام:۱۶۱] "جو کوئی نیکی کرے گا اسے دس گنا بدلہ ملے گا۔" اور فی سبیل اللہ کی مد میں جو نیکی کرے گا اس کا بدلہ سات سو گنا تک ہے یا جس قدر اللہ تعالیٰ عطا کر دے تاہم ہر نیکی کا بدلہ دگنا تو ضرور ہے ﴿بِمَا عَمِلُوْا﴾ بوجہ اس کے جو انھوں نے عمل کیا ہے ﴿وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ﴾ اور وہ بالا خانوں میں امن کے ساتھ رہیں گے۔ وہاں انہیں کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی۔ نہ کسی محنت اور مشقت کی ضرورت اور نہ نعمت کے چھن جانے کا کوئی خطرہ ہوگا۔

﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يَسْعَوْنَ﴾ جو کوشش کرتے ہیں ﴿فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿مُعٰجِزِيْنَ﴾ ان کو عاجز کرنے کے لیے ﴿اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ﴾ یہ لوگ عذاب میں ﴿مُحْضَرُوْنَ﴾ حاضر کیے جائیں گے ﴿قُلْ﴾ کہہ دیں ﴿اِنَّ رَبِّيْ﴾ بے شک میرا رب ﴿يَبْسُطُ﴾ کشادہ کرتا ہے ﴿الرِّزْقَ﴾ رزق ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَيَقْدِرُ لَهٗ﴾ اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہے ﴿وَمَآ﴾ اور وہ چیز ﴿اَنْفَقْتُمْ﴾ جو تم خرچ کرتے ہو ﴿مِّنْ شَيْءٍ﴾ کوئی بھی چیز ﴿فَهُوَ يُخْلِفُهٗ﴾ پس وہ اس کا عوض دے گا ﴿وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ﴾ اور جس دن وہ جمع کرے گا ﴿جَمِيْعًا﴾ سب کو ﴿ثُمَّ يَقُوْلُ﴾ پھر فرمائے گا ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ فرشتوں سے ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ کیا یہ لوگ تمھاری عبادت کرتے تھے ﴿قَالُوْا﴾ فرشتے کہیں گے ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ آپ کی ذات پاک ہے ﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا﴾ آپ ہمارے کارساز ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ ان کے سوا ﴿بَلْ كَانُوْا﴾ بلکہ تھے یہ

﴿یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ﴾ عبادت کرتے جنوں کی ﴿اَکۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ ان میں سے اکثر ان پر اعتقاد رکھتے تھے ﴿فَالۡیَوۡمَ﴾ پس آج کے دن ﴿لَا یَمۡلِكُ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ﴾ نہیں مالک ہوگا تم میں سے بعض بعض کے لیے ﴿نَّفۡعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ نفع کا نہ ضرر کا ﴿وَنَقُوۡلُ﴾ اور ہم کہیں گے ﴿لِلَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿ظَلَمُوۡا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ﴾ چکھو آگ کا عذاب ﴿الَّتِیۡ﴾ وہ آگ ﴿كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ﴾ جس کو تم جھٹلاتے تھے ﴿وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ﴾ اور جس وقت پڑھی جاتی ہیں ان پر ﴿اٰیٰتُنَا﴾ ہماری آیتیں ﴿بَیِّنٰتٍ﴾ واضح ﴿قَالُوۡا﴾ کہتے ہیں ﴿مَا هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ پیغمبر ﴿اِلَّا رَجُلٌ﴾ مگر ایک مرد ﴿یُّرِیۡدُ﴾ جو ارادہ کرتا ہے ﴿اَنۡ یَّصُدَّكُمۡ﴾ کہ روک دے تم کو ﴿عَمَّا﴾ ان چیزوں سے ﴿كَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُكُمۡ﴾ جن کی عبادت کرتے تھے تمھارے باپ دادا ﴿وَقَالُوۡا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿مَا هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ قرآن ﴿اِلَّآ اِفۡكٌ مُّفۡتَرًی﴾ مگر جھوٹ گھڑا ہوا ﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا ﴿لِلۡحَقِّ﴾ حق کو ﴿لَمَّا جَآءَهُمۡ﴾ جب حق ان کے پاس آگیا ﴿اِنۡ هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ مگر جادو کھلا ﴿وَمَآ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ﴾ اور نہیں دیں ہم نے ان کو کتابیں ﴿یَّدۡرُسُوۡنَهَا﴾ جن کو وہ پڑھتے ہوں ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡهِمۡ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے ان کی طرف ﴿قَبۡلَكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿مِنۡ نَّذِیۡرٍ﴾ کوئی ڈرانے والا ﴿وَكَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ﴾ اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿وَمَا بَلَغُوۡا﴾ اور یہ نہیں پہنچے ﴿مِعۡشَارَ مَآ اٰتَیۡنٰهُمۡ﴾ اس کے دسویں حصے کو جو ہم نے ان کو دیا ﴿فَكَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ﴾ پس انھوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو ﴿فَكَیۡفَ كَانَ نَكِیۡرِ﴾ پھر کیسے تھا میرا انکار کرنا۔

تفسیر آیات

کل کی آیات میں تم نے پڑھا کہ ﴿مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ "جو ایمان لایا اور عمل کیے اچھے ان کو دگنا اجر ملے گا اور بالاخانوں میں امن سے رہیں گے۔" اب ان کے مقابلے میں دوسرے لوگوں کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿وَالَّذِیۡنَ یَسۡعَوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿مُعٰجِزِیۡنَ﴾ ان کو عاجز کرنے کے لیے کہ ان کو ہرا دیں، گرا دیں ﴿اُولٰٓئِكَ فِی الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ﴾ یہ لوگ جہنم کے عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔ کل تھوڑی سی تفصیل تم نے سنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید و سنت کو ان کے سامنے بیان فرمایا، قیامت کا ذکر کیا تو وہ لوگ مقابلے پر اتر آئے، میٹنگیں کیں، دنوں کو اجتماع، راتوں کو اجتماع، گلیوں، محلوں میں پھرے، پوری کوشش کی کہ کسی طرح اس کو

ناکام کردیں۔لوگوں نے کہا ﴿وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ﴾ [ص:۶] "اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا۔" اس کی بات بالکل نہیں مانی۔

کفارمکہ کا مسلمانوں سے بائیکاٹ

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بخاری شریف میں روایت ہے خیف بنوکنانہ جو صفا مروہ کے نزدیک علاقہ ہے وہاں ایک بہت بڑے مکان میں اکٹھے ہوئے ایک برتن میں پانی رکھا اور کہا کہ ہر آدمی پانی میں ہاتھ ڈال کر قسم اٹھائے۔جیسے ہمارے ہاں لوگ قسم لینے کے لیے مسجد میں لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر قسم اُٹھاؤ اور بعض جاہل قسم کے لوگ پیروں کی قبروں پر لے جاتے ہیں۔جس کا جو عقیدہ ہے اس کے مطابق چلتے ہیں۔تو اس زمانے میں پانی میں ہاتھ ڈبو کر قسم اُٹھانے کو سخت قسم سمجھتے تھے۔تو انھوں نے قسمیں اُٹھائیں اَنْ لَّا يُنَاكِحُوْهُمْ وَ لَا يُبَايِعُوْهُمْ "کہ مسلمانوں کے ساتھ نہ رشتہ کریں گے اور نہ ان کے ساتھ خرید وفروخت کریں گے۔"

غریب مسلمان جنگل سے لکڑیاں لاکر بیچتے تھے۔لائے کہ لکڑیاں لے لو تو انھوں نے کہا کہ واپس لے جاؤ ہم نے نہیں لینی۔سودا لینے کے لیے جاتے تو سودا نہ دیتے کہ ہم نے قسمیں کھائی ہیں کہ تمھارے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرنا۔مسلمانوں کے تھوڑے سے گھر تھے کافی پریشان ہوئے کہ ایک تھے پہلے ہی غریب دوسرا ان لوگوں نے بائیکاٹ کر دیا۔ تو ان لوگوں نے دین کو مٹانے کے لیے حق کو روکنے کے لیے بڑے بڑے بند باندھے۔(انتہائی کوشش کی۔)ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کو ہرانے کی، گرانے کی،ختم کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ کافروں نے کہا ﴿نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا﴾ "ہم زیادہ ہیں مال میں اور اولاد میں ہمیں سزا نہیں دی جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے ﴿وَيَقْدِرُ لَهٗ﴾ اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔رزق کا ملنا قبولیت کی دلیل نہیں ہے۔کل کے سبق میں تم سن چکے ہو کہ رزق اور مال کا ہونا مقبولیت کی دلیل ہوتا تو انبیائے کرام علیہم السلام کو سب سے زیادہ ملتا۔اور فرعون، ہامان، قارون جیسے باغیوں کو کچھ نہ ملتا۔لہٰذا رب تعالیٰ کی رضا کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے، عمل صالح کے ساتھ ہے۔ہاں اگر مومن آدمی کو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ حلال طریقے سے مال بھی ملے اور اولاد بھی تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔اور یہ حدیث سن چکے ہو کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ "کیا اچھا مال ہے نیک بندے کے لیے مومن بندے کے لیے۔" محض مال اور اولاد سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔یہ تم نے غلط تصور قائم کیا ہے۔پھر جو مومن ہیں اور ان کے پاس مال بھی ہے اور وہ مال خرچ کرتے ہیں ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور وہ چیز جو تم خرچ کرتے ہو کچھ بھی ﴿فَهُوَ يُخْلِفُهٗ﴾ پس وہ اس کا عوض دے گا، ثواب دے گا۔بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ فرض ہے اگر کوئی بیوی کا خرچہ نہیں اُٹھاتا تو وہ

فرض کا تارک ہوگا اور گناہ گار ہوگا۔ اور اگر خرچہ دیتا ہے تو فرض بھی ادا ہوگا اور ثواب بھی ملے گا۔ اسی طرح بچوں کا خرچہ بھی والد کے ذمہ اور ان کے سرپرست کے ذمہ واجب ہے۔ اگر کوئی کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں گرفت ہوگی۔ ادا کرے گا تو ثواب ملے گا کہ رب کا حکم مانا ہے۔ یہ ایسے ہی سمجھو کہ نمازوں کا پڑھنا، روزوں کا رکھنا، زکوٰۃ کا ادا کرنا، حج کرنا، بندوں پر فرض بھی ہے شرائط کے ساتھ اور ثواب بھی ملے گا ﴿وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ رازقین جمع کا صیغہ ہے۔ بہت سارے لوگ ہیں ان کو مجازی طور پر دینے والا کہا جاتا ہے۔ آقا بھی اپنے غلام کو کھلاتا ہے مگر وہ رزق پیدا تو نہیں کرسکتا پیدا کرنا تو رب تعالیٰ کا کام ہے۔ مجازی طور پر مربی ہیں کہ کما کر دیتے ہیں لیکن رزّاق حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

فرمایا ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرے گا میدانِ محشر میں ﴿ثُمَّ يَقُوْلُ﴾ پھر فرمائے گا ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ فرشتوں سے ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ کیا یہ تمھاری عبادت کرتے تھے۔ آج بھی تم نے بعض مشرکوں اور عاملوں کے تعویذوں پر لکھا ہوا دیکھا ہوگا یا جبرئیل، یا میکائیل، یا عزرائیل، یا اسرافیل۔ یہ شرک ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا، غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے چاہے وہ فرشتے ہوں یا پیغمبر ہوں یا کوئی اور ہو۔ اسی طرح عرب کے کچھ لوگ اور دوسرے ملکوں کے کچھ لوگ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے تھے ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ [النحل: ۵۷] "اور وہ بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں۔" پھر ان کی عبادت کرتے تھے ان کو پکارتے تھے یاجبرئیل اَغِثْنِیْ یا میکائیل اغثنی یا اسرافیل اغثنی یا عزرائیل اغثنی "اے جبرئیل میری مدد کر، اے میکائیل میری مدد کر، اے اسرافیل میری مدد کر، اے عزرائیل میری مدد کر۔" تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا یہ تمھاری عبادت کرتے تھے؟ ﴿قَالُوْا﴾ فرشتے کہیں گے ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ آپ کی ذات پاک ہے ﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا﴾ آپ ہمارے آقا ہیں، کارساز ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ ان کے سوا۔ ان کے ساتھ ہمارا کیا تعلق ہے ﴿بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ﴾ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے۔ سورہ جن میں مذکور ہے ﴿وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ "اور یہ بات بھی ہے کہ کچھ مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے تھے جنوں میں سے کچھ مردوں کی۔" سفر پر ہوتے تو کہتے اے اس علاقے کے جنات کے سردار میں تجھ سے پناہ لیتا ہوں اپنی رعیت سے کہہ دے کہ مجھے گزرنے دیں کچھ نہ کہیں۔ اس سے جنات کی سرکشی بڑھ گئی کہ ہمارا ان پر رعب ہے۔ تو یہ جنات کی پوجا کرتے تھے اور ان کے کہنے پر ہماری پوجا کرتے تھے ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ﴿اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ ان میں سے اکثر ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اے پروردگار! آپ کی ذات پاک ہے آپ کا کوئی شریک نہیں ہے ہم بالکل بری ہیں۔

ایسا ہی سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوگا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [مائدہ: ۱۱۶] "اے عیسیٰ علیہ السلام کیا آپ نے کہا تھا لوگوں کو کہ مجھے اور میری والدہ مریم کو الٰہ بنا لو اللہ تعالیٰ سے نیچے حاجت روا بنا لو ﴿قَالَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ آپ کی ذات پاک ہے ﴿مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ﴾ نہیں ہے لائق میرے لیے کہ میں کہوں ایسی بات جس کا مجھے حق نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر شرک مٹانے کے لیے آئے ہیں نہ کہ

شرک کرانے کے لیے کہ اپنی عبادت کرائیں۔ اُس دن شرک کرنے والوں سے فرشتے بھی بیزار ہوں گے، پیغمبر بھی بیزار ہوں گے، نیک بندے بھی بیزار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَالْيَوْمَ﴾ پس آج کے دن ﴿لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ﴾ نہیں مالک ہوگا تم میں سے بعض بعض کے لیے ﴿نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ نفع کا نہ ضرر کا۔ اس دن کوئی کسی کو نفع نہیں پہنچا سکے گا ﴿وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور ہم کہیں گے ان کو جنھوں نے ظلم کیا۔ کیا کہیں گے؟ ﴿ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ﴾ چکھو تم اس آگ کا عذاب ﴿كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ جس کو تم جھٹلاتے تھے دنیا میں۔ کہتے تھے نہ کوئی جنت، نہ کوئی دوزخ، آج تمھیں آگ کے شعلے نظر آرہے ہیں کہ نہیں؟ ان میں تمھیں داخل ہونا ہے۔ اور جب پھینکیں جائیں گے تو ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ [فاطر: ۳۷] "اور وہ اس کے اندر چیخیں ماریں گے۔" آج تھوڑی سی تکلیف آئے تو چیخ نکل جاتی ہے وہ تو دوزخ کی آگ اور عذاب ہوگا اور صرف آگ ہی نہیں ﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ﴾ [حج: ۲۱] "اور ان کے لیے ہتھوڑے ہوں گے لوہے کے۔" فرشتوں کے ہاتھوں میں جو ان کے سروں پر ٹکا کر لگائیں گے، سانپ ہوں گے اللہ تعالیٰ کی پناہ! آج اگر معمولی سا سانپ نظر آجائے تو دوڑ لگ جاتی ہے۔ اور وہاں ایسے مجرم بھی ہوں گے کہ قبر میں ان پر ننانوے اژدہا مسلط ہوں گے۔ ایک اژدہا اگر دنیا میں سانس لے لے تو کوئی سبزہ باقی نہ رہے۔ قبر سے بندہ کہاں بھاگے گا؟ دنیا والوں کو کیا معلوم کہ اس کے ساتھ قبر میں کیا ہو رہا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ قبر کے حالات تمھیں دکھا دے تو تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو۔ بخاری اور مسلم شریف کی روایت ہے کہ ان کی چیخیں انسانوں اور جنوں کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے۔ بعض ملحد قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ قبروں میں سزا ہوتی ہے چیختے چلاتے ہیں تو قبرستان میں جانور چرتے ہیں وہ کیوں نہیں بھاگتے، درختوں پر بیٹھی ہوئی چڑیاں کیوں نہیں اُڑ جاتیں۔ گویا یہ لوگ ایسے ڈھکوسلوں کے ساتھ احادیث کو رد کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی چیز عادی ہو جاتی ہے تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھو! گاڑیوں کا کتنا شور ہوتا ہے مگر لائنوں کے پاس پرندے چگتے رہتے ہیں، جانور چرتے رہتے ہیں ان کو کھڑاک کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ لہٰذا صحیح احادیث کو ان ڈھکوسلوں کے ساتھ رد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سے آسان طریقہ عذاب سے بچنے کا یہ ہے کہ عقیدہ صحیح بناؤ اور اعمال درست کرو اور زندگی خدا اور رسول کی اطاعت میں گزارو۔

فرمایا ﴿وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا﴾ اور جس وقت تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ صاف صاف ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿مَا هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ﴿إِلَّا رَجُلٌ﴾ مگر ایسا شخص ﴿يُرِيْدُ﴾ جو ارادہ کرتا ہے ﴿أَنْ يَّصُدَّكُمْ﴾ کہ روک دے تمھیں ﴿عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ﴾ ان چیزوں سے جن کی عبادت تمھارے باپ دادا کرتے تھے۔ یہ تمھیں تمھارے باپ دادا کے دین سے پھیرنا چاہتا ہے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿مَا هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ قرآن ﴿إِلَّآ إِفْكٌ مُّفْتَرًى﴾ مگر جھوٹ گھڑا ہوا۔ یہ قرآن اس نے خود بنا لیا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿لِلْحَقِّ﴾ حق کے بارے میں ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جب ان کے پاس آگیا قرآن ان کے پاس پہنچ گیا، توحید کے مسائل پہنچ گئے

انھوں نے سن لیے۔رسالت کے دلائل ان کے پاس پہنچ گئے۔قرآن کے متعلق انھوں نے کہا ﴿ اِنۡ هٰذَآ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر کھلا جادو۔قرآن پاک کے اثر کے منکر نہیں تھے یہ نہیں کہتے تھے کہ قرآن میں اثر نہیں ہے۔وہ فصیح بلیغ عربی تھے اس کے اثر کو سمجھتے تھے لیکن حق کا اثر نہیں مانتے تھے جادو کا اثر مانتے تھے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ مَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ ﴾ اور ہم نے نہیں دیں ان کو کتابیں ﴿ يَّدۡرُسُوۡنَهَا ﴾ کہ جن کو یہ پڑھتے ہیں۔ان کی طرف ہم نے کتابیں نہیں اُتاریں ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِيۡرٍ ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا۔ابراہیم اور اسماعیل کے بعد اہل عرب کی طرف کوئی پیغمبر نہیں آیا۔عرب کے لوگ سینکڑوں سال توحید پر قائم رہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے مسلک پر چلتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے عمرو بن لُحی بن قمع بے ایمان نے بت لا کر رکھ دیئے۔اس نے شرک کی ایجاد کی۔اسی نے غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے۔جیسے: گوجرانوالہ میں گائیں پھرتی رہتی ہیں تم نے دیکھی ہوں گی۔وہ کسی کی مِلک نہیں ہیں وہ جاہل لوگوں نے پیروں کے نام پر چھوڑی ہوئی ہیں۔لوگ ان کو کچھ نہیں کہتے چاہے نقصان کریں کہ ان کو مارا تو پیر ہمیں نقصان پہنچائے گا۔

تو فرمایا ہم نے ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا ﴿ وَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ﴾ اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں۔انھوں نے بھی حق کو، توحید کو، رسالت کو، قیامت کو جھٹلایا ﴿ وَ مَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ ﴾۔ عُشَر کہتے ہیں دسویں حصے کو اور عشیر بھی عربی میں دسویں حصے کو کہتے ہیں۔ معشار کا معنیٰ بھی ہے دسواں حصہ۔تینوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں۔معنیٰ ہوگا اور نہیں پہنچے یہ دسویں حصے کو جو ہم نے ان کو دیا۔پہلے کافروں کو جو مال، دولت دی، جائیداد دی یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔پھر کیا ہوا؟ ﴿ فَكَذَّبُوۡا رُسُلِىۡ ﴾ پس انھوں نے جھٹلایا میرے پیغمبروں کو ﴿ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴾ پھر کیسے ہوا میرے دین کا انکار کرنا۔انکار کا مزہ انھوں نے چکھا، انکار کا وبال کیا ہوا؟ تمھیں سمجھ لینا چاہیے کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمھارا بھی وہی حشر ہوگا۔

﴿ قُلۡ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اِنَّمَاۤ ﴾ پختہ بات ہے ﴿ اَعِظُكُمۡ ﴾ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں ﴿ بِوَاحِدَةٍ ﴾ ایک بات کی ﴿ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا ﴾ یہ کہ تم کھڑے ہو جاؤ ﴿ لِلّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿ مَثۡنٰى ﴾ دو دو ﴿ وَفُرَادٰى ﴾ اور ایک ایک ﴿ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ﴾ پھر تم غور و فکر کرو ﴿ مَا بِصَاحِبِكُمۡ ﴾ نہیں ہے تمھارے ساتھی میں ﴿ مِّنۡ جِنَّةٍ ﴾ کوئی جنون ﴿ اِنۡ هُوَ ﴾ نہیں ہے وہ ﴿ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّكُمۡ ﴾ مگر ڈرانے والا تمھیں ﴿ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ ﴾ سخت عذاب سے پہلے ﴿ قُلۡ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ مَا سَاَلۡتُكُمۡ ﴾ میں نہیں سوال کرتا تم سے ﴿ مِّنۡ اَجۡرٍ ﴾ کوئی معاوضہ ﴿ فَهُوَ لَكُمۡ ﴾ پس وہ

تمھارے ہی لیے ہے ﴿اِنْ اَجْرِیَ﴾ نہیں ہے میرا اجر ﴿اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ﴾ بے شک میرا رب پھینکتا ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو ﴿عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ باتوں کو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿جَآءَ الْحَقُّ﴾ حق آ گیا ہے ﴿وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ﴾ اور نہیں ظاہر کرتا باطل کسی شے کو ﴿وَمَا یُعِیْدُ﴾ اور نہ لوٹا سکتا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنْ ضَلَلْتُ﴾ اگر میں بہکوں گا ﴿فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِیْ﴾ پس پختہ بات ہے میں بہکوں گا اپنے نفس کے لیے ﴿وَاِنِ اهْتَدَیْتُ﴾ اور اگر میں ہدایت پاؤں گا ﴿فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ﴾ پس اس لیے کہ میرا رب وحی بھیجتا ہے میری طرف ﴿اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ﴾ بے شک وہ سننے والا ہے قریب ہے ﴿وَلَوْ تَرٰٓی﴾ اور اگر آپ دیکھیں ﴿اِذْ فَزِعُوْا﴾ جس وقت یہ لوگ گھبرائیں گے ﴿فَلَا فَوْتَ﴾ پس نہیں چھٹکارا ہوگا ﴿وَاُخِذُوْا﴾ اور پکڑے جائیں گے ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ﴾ قریب کی جگہ سے ﴿وَّقَالُوْٓا﴾ اور وہ کہیں گے ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ ہم ایمان لائے ہیں اس پر ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ﴾ اور کیسے ہوگا ان کے لیے پکڑنا ﴿مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ﴾ دور کی جگہ سے ﴿وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ﴾ اور تحقیق انکار کیا انھوں نے اس کا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَیَقْذِفُوْنَ﴾ اور وہ پھینکتے ہیں تیر ﴿بِالْغَیْبِ﴾ بن دیکھے ﴿مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ﴾ دور کی جگہ سے ﴿وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ﴾ اور رکاوٹ ڈال دی جائے گی ان کے درمیان ﴿وَبَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ﴾ اور اس چیز کے درمیان جو وہ چاہتے تھے ﴿كَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ﴾ جیسا کہ کیا گیا ان جیسے لوگوں کے ساتھ ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا﴾ بے شک تھے وہ ﴿فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ﴾ تردد انگیز شک میں۔

کفار کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شوشے چھوڑنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کو قرآن سنا کر مسئلہ توحید بیان کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تو ان لوگوں نے مختلف قسم کے شوشے چھوڑے۔ ان میں سے ایک شوشے کا اس مقام پر ذکر ہے۔ وہ شوشہ یہ تھا کہ یہ معاذ اللہ تعالیٰ! مجنون اور دیوانہ ہے کہ ساری قوم ایک طرف اور یہ ایک طرف۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ﴾ پختہ بات ہے کہ میں تمھیں وعظ و نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی۔ توجہ کرو وہ کیا ہے؟ ﴿اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ﴾ کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہوئے ﴿مَثْنٰى﴾ دو دو ﴿وَفُرَادٰى﴾ اور ایک ایک۔ یہ فَرَدٌ کی جمع ہے۔ ﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا﴾ پھر تم غور و فکر کرو ﴿مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ﴾ نہیں ہے تمھارے ساتھی میں کوئی جنون، یہ دیوانہ نہیں ہے۔ بعض دفعہ صاحب بصیرت اکیلا ہی رائے قائم کر سکتا ہے اور

بعض دفعہ مل جل کر رائے قائم کرتے ہیں کہ مختلف آراء کے بعد نتیجے پر پہنچتے ہیں۔تو تم اس طرح کرو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک ایک ہو کر کھڑے ہو جاؤ یا دو دو ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور سوچو اور غور وفکر کرو کہ تمھارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے، کوئی دیوانوں والی بات نہیں ہے اور نہ ہی تم کوئی ایسی بات ثابت کر سکتے ہو۔

دم کرنے والا دم بہ خود ہو گیا

لیکن مکہ والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بڑے زور وشور سے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ مکہ مکرمہ سے تقریباً چار پانچ منزل دور قبیلہ ازدشنوءہ کا ایک آدمی پاگلوں کا دم کرتا تھا اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا تھا اس کا نام ضماد تھا۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ اس کو خبر پہنچی کہ مسجد حرام کے متولیوں میں سے ایک یتیم لڑکا ہے والدہ بھی فوت ہوگئی ہے اس کا علاج کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ضماد وہاں سے انسانی ہمدردی کے تحت چلا اور مکہ مکرمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا۔ کہنے لگا کہ آپ نے ازدشنوءہ قبیلہ سنا ہوگا اور ضماد نامی آدمی کا نام بھی سنا ہوگا جو پاگلوں کو دم کرتا ہے اور رب تعالیٰ ان کو شفا دے دیتا ہے۔فرمایا ہاں! سنا ہے۔ کہنے لگا وہ خادم میں ہوں میں نے سنا ہے کہ آپ کو جنون ہے اور آپ کے والدین بھی وفات پا گئے ہیں اور آپ کا علاج کرنے والا کوئی نہیں ہے۔اگرچہ میری کافی فیس ہے مگر میں آپ سے کچھ نہ لوں گا محض انسانی ہمدردی کے تحت تمھارا علاج کروں گا کہ آپ کعبۃ اللہ کے متولیوں کی اولاد ہیں۔تمھارے بڑے ایسے بزرگ گزرے ہیں اس نسبت سے تمھاری مفت خدمت کروں گا لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيكَ عَلٰى يَدِيْ "شاید اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھ پر شفا دے دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمھاری ہمدردی کی بڑی قدر کرتا ہوں لیکن میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاگل نہیں ہوں۔ کہنے لگا لوگ کیوں کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کی زبانیں ان کے منہ میں ہیں وہ جو کہتے رہیں وہ جانیں۔ کہنے لگا آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ مسنونہ پڑھا جو آپ لوگ ہمیشہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر سنتے ہیں۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ طارق پڑھ کر سنائی۔ جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے جاتے تھے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے گئے۔آخر میں اس نے کہا کہ میں شاعر بھی ہوں، خطیب اور مقرر بھی رہا ہوں مگر جو باتیں آپ کہہ رہے ہیں یہ انسانوں کی نہیں ہیں۔ضماد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکار کرنے آیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خود شکار ہو گیا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، رضی اللہ عنہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مجنون ہونے کا اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ چار پانچ منزلیں دور تک خبریں پہنچیں۔تو فرمایا تم غور وفکر کرو تمھارے ساتھی میں کوئی جنون نہیں ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ﴾ نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا ﴿لَّكُمْ﴾ تم کو ﴿بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ سخت عذاب سے پہلے کہ عذاب آنے سے پہلے درست ہو جاؤ عذاب آیا تو وہ نہیں ٹلے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

ان میں سے بعض کو شبہ ہوا کہ یہ پیسوں کے لیے لوگوں کو ساتھ ملاتا ہے کہ لوگ میرے گرویدہ ہو کر میری مالی امداد کریں

گے حتیٰ کہ ربیعہ اور ولید بن مغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ربیعہ نے کہا میری تین جوان خوبصورت لڑکیاں ہیں اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ جس کی طرف اشارہ کریں میں بغیر نکاح کے آپ کو دیتا ہوں۔ ولید بن مغیرہ بڑا مال دار آدمی تھا کہنے لگا میں آپ کو اتنا مال دینے کے لیے تیار ہوں کہ آپ کی سات نسلیں نہ کھا سکیں مگر لا الہ الا اللہ کی رٹ اور ضد چھوڑ دو۔ گویا بعض کے ذہن میں یہ آیا کہ یہ پیسوں کے لیے ایسا کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ﴾ میں نہیں سوال کرتا تم سے کسی معاوضے کا ﴿ فَهُوَ لَكُمْ ﴾ پس وہ تمھارے لیے ہوگا وہ اپنے پاس رکھنا نہ مانگا ہے نہ مانگوں گا ﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے۔ وہ خود مجھے دے گا اور میرا انتظام کرے گا ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ اور وہ ہر ہر چیز پر گواہ ہے ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ﴾ بے شک میرا رب پھینکتا ہے حق کو اللہ تعالیٰ حق کے دلائل کو باطل پر پھینکتے ہیں۔ سورہ انبیاء آیت نمبر ۱۸ میں ہے ﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ ﴾ " بلکہ ہم پھینکتے ہیں حق کو باطل پر پس وہ اس کے سر کو پھوڑ دیتا ہے، اس کا بھیجا نکل جاتا ہے۔" یعنی باطل پرست شوشے چھوڑتے ہیں تو ان کو زائل کرنے کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے حق کے دلائل آتے ہیں جو ان کا مغز نکال کر تباہ کر دیتے ہیں۔

عالم الغیب رب تعالیٰ کا خاصہ ہے

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ میرا رب ڈالتا ہے حق یعنی اُوپر سے وحی آتی ہے اللہ تعالیٰ پیغمبروں پر وحی اتارتا ہے ﴿ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ غیبوں کا جاننے والا ہے پروردگار۔ غیب دان صرف رب تعالیٰ ہے مخلوق میں کوئی غیب دان نہیں ہے۔ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ غیب کی خبریں بتاتا ہے اور سب سے زیادہ غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی ہیں۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ﴾ " یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبریں بتلائی ہیں اور بے شمار بتلائی ہیں اور بے شمار ہونے کے باوجود رب تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں محدود ہیں۔ کل کائنات کا ایک ایک ذرہ، ایک ایک قطرہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور یہ صرف رب تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ذرے ذرے اور قطرے قطرے کو کوئی نہیں جانتا مگر خدا ناس کرے کفر و شرک کو، معمولی آدمی کی بات نہیں ہے بلکہ احمد رضا خان صاحب جس کو یہ اپنا امام مانتے ہیں وہ اپنی کتاب "انباء المصطفیٰ" صفحہ نمبر ۴ پر لکھتے ہیں: " ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحبہ و بارك وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات جملہ ما کان و ما یکون الی یوم القیمۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔" اور صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں: " بلکہ ہر صغیر و کبیر ہر رطب و یابس جو پتا گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے برابر کھڑا کر دیا اور صفت غیب میں شریک کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑنا

حالاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر و شرک کو مٹانے کے لیے تشریف لائے اور مشرکین مکہ نے جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا کران کے بت اور تصویریں کعبۃ اللہ میں رکھی ہوئی تھیں۔خود اپنے دست مبارک سے گرائیں چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر پہلے ساتھیوں سے فرمایا کہ بیت اللہ کی دیواروں پر جو بت ہیں ان کو گرا کر آؤ۔ پھر خیال ہوا کہ رب تعالیٰ نے مجھے خود طاقت عطا فرمائی ہے میں خود جا کر کیوں نہ گراؤں۔ دونوں روایتیں بخاری شریف میں ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ایک مضبوط لاٹھی تھی ایک ایک کو مارتے تھے اور یہ آیت پڑھتے تھے ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [بنی اسرائیل:۸۱] ”حق آ گیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے بے شک باطل مٹنے والا ہے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ گرایا، اسماعیل علیہ السلام کا مجسمہ گرایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ، حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ گرایا اور بھی جتنے مجسمے تھے گرائے۔اس کے بعد باطل کو سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔اسلام کا لباس پہن کر اسلام کو نقصان پہنچایا ہے جیسے: عبداللہ بن سبا اور خویصرہ جو خارجیوں کا بابا تھا۔انھوں نے مسلمان بن کر لوگوں کے عقائد خراب کیے، اخلاق بگاڑے، ذہن خراب کیا اور آپس میں لڑایا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو جنگ جمل اور صفین ہوئی ہیں ان خبیثوں کی کارستانیوں کا نتیجہ تھیں۔

فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿جَآءَ الْحَقُّ﴾ حق آ چکا ﴿وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ﴾ اور نہیں ظاہر کرتا باطل کسی شے کو۔باطل اپنی قوت کو ظاہر نہیں کر سکتا ﴿وَمَا يُعِيْدُ﴾ اور نہ لوٹا سکتا ہے اپنی قوت کو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنْ ضَلَلْتُ﴾ اگر بالفرض میں بے راہ ہوں تم مجھے گمراہ کہتے ہو ﴿فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ﴾ پس پختہ بات ہے میں بھٹکوں گا اپنے نفس کے لیے، گمراہی کا وبال میرے نفس پر پڑے گا ﴿وَاِنِ اهْتَدَيْتُ﴾ اور اگر میں ہدایت یافتہ ہوں اور یقیناً ہدایت یافتہ ہوں ﴿فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ﴾ پس اس لیے کہ میری طرف وحی کرتا ہے میرا رب۔مجھے ہدایت وحی کے ذریعے حاصل ہوئی ہے میرا رب ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ﴾ وہ سننے والا قریب ہے اس سے زیادہ قریب اور کوئی ذات نہیں ہے۔

سورہ ق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ ”ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“ اور سورہ واقعہ آیت نمبر ۸۵ میں ہے ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ ”ہم زیادہ قریب ہیں اس کے تم سے لیکن تم دیکھ نہیں سکتے۔“ فرمایا آج تو یہ ظالم آپ کو کبھی ساحر کہتے ہیں کبھی مجنون کہتے ہیں، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتے ہیں۔مختلف قسم کے شوشے چھوڑتے ہیں ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور اے مخاطب ! اگر تم دیکھو ﴿اِذْ فَزِعُوْا﴾ جس وقت ان پر گھبراہٹ طاری ہوگی۔قیامت والے دن جب رب تعالیٰ کی عدالت کے سامنے کھڑے ہوں گے ﴿اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ﴾ [مومن:۱۸] ”جب دل گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے دبا رہے ہوں گے۔“ اتنے پریشان ہوں گے ﴿فَلَا فَوْتَ﴾ پس نہیں چھٹکارا ہوگا۔آج تو چور ڈاکو مجرم چھپ جاتے ہیں دوسرے صوبوں اور ملکوں میں چلے جاتے ہیں وہاں کس کے پاس جائیں گے کہاں چھپیں گے ﴿وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ اور پکڑے جائیں گے قریب کی جگہ سے۔میدانِ محشر بالکل ہموار ہوگا فرشتے فوراً پکڑ

کر رب تعالیٰ کے سامنے لے آئیں گے۔

اسی سورت میں تم پڑھ چکے ہو کہ کافروں نے کہا ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ "ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے آئی ہیں۔" لیکن قیامت والے دن کیا کہیں گے؟ ﴿وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ﴾ اور کہیں گے ہم ایمان لائے ہیں اس قرآن پر ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ﴾ اور کیسے ہوگا ان کے لیے پکڑنا دور کی جگہ سے۔ سورج ہم سے بہت دور ہے کوئی جھلا (نادان) چھلانگ لگا کر پکڑنا چاہے تو کیا پکڑ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! وہ ایمان لانے والی جگہ دور چلی گئی ہے اس وقت ﴿اٰمَنَّا﴾ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ﴿وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ﴾ اور تحقیق کفر کر چکے ہیں اس کے ساتھ اس سے پہلے دنیا میں کہ ہم اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا اب کوئی فائدہ نہیں ہے ﴿وَیَقْذِفُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ اور تیر پھینکتے ہیں بن دیکھے ﴿مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ﴾ دور کی جگہ سے۔ نشانہ نظر آئے بغیر آدمی اندھا دھند تیراندازی کرتا رہے اس کا کیا فائدہ ہے؟ تیر ہی ضائع کرنے ہیں۔ یہ قریب آئے بغیر دور سے تیر پھینکتے ہیں کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے۔

قرآن کریم کے متعلق کوئی کہتا ہے شعروشاعری ہے، کوئی کہانت کہتا ہے، کوئی جادو کہتا ہے، قریب آئیں پیغمبر کو دیکھیں، قرآن سنیں تو معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیا ہے، قرآن کیا ہے؟ دور بیٹھے شوشے چھوڑتے ہیں کوئی نشانے پر نہیں لگتا ﴿وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ﴾ اور رکاوٹ ڈال دی جائے گی ان کے درمیان ﴿وَبَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ﴾ اور اس چیز کے درمیان جس کو وہ چاہتے ہیں ایمان نہیں ملے گا ﴿كَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ﴾۔ اَشْیَاع، شیعةٌ کی جمع ہے۔ شیعہ کا معنیٰ گروہ ہے۔ معنیٰ ہوگا جیسا کہ کیا گیا ان جیسے لوگوں کے ساتھ ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ جو پہلے گزرے ہیں۔ وہ بھی انکار کرتے رہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ﴾ بے شک تھے وہ تردد انگیز شک میں۔ قرآن کے بارے میں، ایمان کے بارے میں ایسے شک میں تھے جو ان کو قلق اور اضطراب میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ اللہ تعالیٰ کفر و شرک سے بچائے اور برے اعمال سے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ

۲۲

آیاتہا ۴۵ سُوْرَۃُ فَاطِرٍ مَکِّیَّۃٌ (۳۵) (۴۳) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ﴾ جو بغیر نمونے کے بنانے والا ہے آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ﴾ جو بنانے والا ہے فرشتوں کو ﴿رُسُلًا﴾ پیغام پہنچانے والے ﴿اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ﴾ پروں والے ﴿مَّثْنٰی﴾ دو دو ﴿وَثُلٰثَ﴾ اور تین تین ﴿وَرُبٰعَ﴾ اور چار چار ﴿یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ﴾ زیادہ کرتا ہے مخلوق میں جو چاہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ﴾ جو کھول دی ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ﴿مِنْ رَّحْمَۃٍ﴾ رحمت سے ﴿فَلَا مُمْسِکَ لَہَا﴾ پس نہیں کوئی روک سکتا اس کو ﴿وَمَا﴾ اور وہ چیز ﴿یُمْسِکْ﴾ جس کو روک دے ﴿فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ﴾ پس نہیں ہے کوئی اس کو چھوڑنے والا ﴿مِنْۢ بَعْدِہٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے روکنے کے بعد ﴿وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ﴿عَلَیْکُمْ﴾ جو تم پر ہوئیں ﴿ھَلْ مِنْ خَالِقٍ﴾ کیا ہے کوئی خالق ﴿غَیْرُ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿یَرْزُقُکُمْ﴾ جو تم کو روزی دے ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین سے ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ﴿فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ﴾ پس کدھر الٹے پھرے جا رہے ہو ﴿وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ﴾ اور اگر یہ لوگ جھٹلا دیں آپ کو ﴿فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ﴾ پس تحقیق جھٹلائے گئے رسول ﴿مِّنْ قَبْلِکَ﴾ آپ سے پہلے ﴿وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سب کام ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنَّ﴾ بے شک ﴿وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے ﴿فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ﴾ پس ہرگز نہ دھوکے میں ڈالے تم کو ﴿الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی ﴿وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ﴾ اور ہرگز نہ دھوکے میں ڈالے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿الْغَرُوْرُ﴾ دھوکے باز ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ﴾ بے شک شیطان ﴿لَکُمْ عَدُوٌّ﴾ تمھارا دشمن ہے ﴿فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا﴾ پس بناؤ تم اس کو اپنا دشمن ﴿اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ﴾ پختہ بات ہے کہ وہ دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو ﴿لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾ تاکہ ہو جائیں وہ دوزخ والوں میں سے ﴿اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہوگا سخت ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿لَھُمْ

﴿مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے ﴿وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ اور بہت بڑا اجر ہے۔

تعارف سورت فاطر

اس سورۃ کا نام سورۃ فاطر ہے۔ فاطر کا لفظ پہلی آیت میں موجود ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اس سے پہلے بیالیس [۴۲] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا تینتالیسواں نمبر ہے۔ اس کے پانچ [۵] رکوع اور پینتالیس [۴۵] آیتیں ہیں۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور قیامت کا مسئلہ بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پہلے توحید کا مسئلہ ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿فَاطِرِ﴾۔ فاطر کا معنیٰ ہے بغیر نمونے کے کسی شے کو بنانا۔ کسی چیز کا نمونہ دیکھ کر اس کی شکل بنا لینا آسان ہوتا ہے لیکن بغیر نمونے اور مثال کے پیدا کرنا یہ رب تعالیٰ کا کام ہے۔ تو معنیٰ ہوگا جو بغیر نمونے کے بنانے والا ہے ﴿السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا۔ اور سورت انعام کی آیت نمبر ایک سو ایک میں ہے ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بدیع کے معنیٰ بھی نو ایجاد کے ہیں کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو۔ اور بدعت کو بدعت بھی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی پہلے دین میں نظیر نہیں ہوتی بدعتی اپنی طرف سے گھڑتا ہے۔ ﴿السَّمٰوٰتِ﴾ تو قرآن کریم میں بہت مقامات پر آیا ہے لیکن سات زمینوں کا ذکر صرف ایک مقام میں ہے۔ سورت طلاق کے اندر فرمایا ﴿وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ "اور اتنی ہی زمینیں رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔" فرمایا ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾۔ ملئکہ کا مجرد اُلوکہ اس کا معنیٰ ہے پیغام پہنچانے والا۔ ملائکہ کو ملائکہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے احکام پہنچاتے ہیں کسی پر رحمت کا، کسی پر وحی کا، کسی پر لعنت کا۔

تخلیق ملائکہ

مسلم شریف میں روایت ہے خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ "فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے۔" لیکن یہ وہ نور نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور ہے اس سے کوئی چیز نہیں بنائی گئی۔ فرشتے جس نور سے پیدا کیے گئے ہیں وہ مخلوق ہے۔ جیسے: پانی مخلوق ہے، ہوا مخلوق ہے، مٹی مخلوق ہے، آگ مخلوق ہے، اسی طرح نور مخلوق ہے جس سے فرشتوں کو پیدا فرمایا ہے۔ فرشتوں میں نر مادہ نہیں ہیں، نہ وہ کھاتے پیتے ہیں، نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں۔ ایک ایک آدمی کے ساتھ دن رات میں چوبیس چوبیس فرشتے ہوتے ہیں۔ معنیٰ ہوگا جو بنانے والا ہے فرشتوں کو پیغام پہنچانے والے۔ ﴿رُسُلًا﴾ رسول کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے پیغام پہنچانے والا۔ ﴿اُولِيْٓ﴾ یہ ذو کی جمع ہے من غیر لفظہ۔ ﴿اَجْنِحَةٍ﴾ جناح کی جمع ہے۔ معنیٰ ہوگا پروں والے۔ فرشتوں کے پر ہوتے ہیں ﴿مَّثْنٰى﴾ دو دو ﴿وَثُلٰثَ﴾ اور تین تین ﴿وَرُبٰعَ﴾ اور چار چار ﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾ زیادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ تخلیق میں جو چاہے پَر زیادہ کر دے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک دفعہ اجیاد پہاڑی پر مکہ مکرمہ میں جبرئیل علیہ السلام اُفق پر اپنے پر پھیلائے ہوئے تھے۔ بخاری شریف کی روایت

ہے کہ اس کے چھ سو پر تھے۔ دوسری مرتبہ معراج والی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے ﴿وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾۔ ان دو مقامات کے علاوہ جتنی مرتبہ بھی جبرئیل علیہ السلام آئے مختلف آدمیوں کی شکل میں آئے۔ کبھی دحیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کبھی کسی دیہاتی کی شکل میں۔ ایک موقع پر جبرئیل علیہ السلام آئے تین دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ "مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے مَا جَآءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ اِلَّا وَ قَدْ عَرَفْتُہٗ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ ھٰذِہِ الْمَرَّۃِ جب بھی جبرئیل میرے پاس آئے میں نے پہچان لیا سوائے اس مرتبہ کے کہ میں نہیں پہچان سکا۔" یہ واقعہ آپ کی وفات سے چند دن پہلے کا ہے۔

تو فرمایا وہ بڑھاتا ہے خلقت میں جو چاہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿مَا﴾ اسم موصول کا ہے الذی کے معنیٰ میں۔ نفی کا نہیں ہے۔ ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿یَفْتَحِ اللّٰهُ﴾ جو کھولتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ رحمت۔ رحمت کے دروازے جو رب کھولتا ہے ﴿فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ پس نہیں کوئی روک سکتا اس رحمت کو۔ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکتی۔ ﴿وَ مَا یُمْسِكْ﴾ اور جس کو روک دے ﴿فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ﴾ پس نہیں ہے کوئی اس کو چھوڑنے والا ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے روکنے کے بعد۔ یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دکھ سکھ آتا ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ سورت یونس آیت نمبر ایک سو سات میں ہے ﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ "اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف پس نہیں کھولنے والا اس کو اس کے سوا کوئی ﴿وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا پس کوئی نہیں رد کر سکتا اس کے فضل کو۔" ﴿وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہی ہے سب پر غالب حکمت والا ہے۔ نہ اس کے غلبے کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے نہ اس کی حکمت کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ بعض ترجمہ کرنے والے لفظ نعمت کا ترجمہ مفرد کا کرتے ہیں کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی اور بعض حضرات لفظ نعمت کا ترجمہ جمع کا کرتے ہیں کہ اے لوگو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر ہوئیں۔ گرامر کے اعتبار سے دونوں معنیٰ صحیح ہیں کیوں کہ لفظ نعمت مصدر ہے اور مصدر کا معنیٰ مفرد کا بھی ہو سکتا ہے جمع کا بھی ہو سکتا ہے۔ سورہ ابراہیم آیت نمبر ۳۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ "اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔" اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ نعمتوں کا تم شکر ادا کرو۔ مگر یاد رکھنا! بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کھانا کھانے اور اچھا لباس پہننے کے بعد الحمد للہ! کہہ دیا تو بس شکر ادا ہو گیا۔ بے شک یہ بھی شکر کا ایک شعبہ ہے لیکن اس کے ساتھ پورا حق ادا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

اطباء کہتے ہیں کہ پانی پینے کے دو منٹ بعد پانی آدمی کے ناخنوں تک پہنچ جاتا ہے اور پانی اور کھانے کا اثر پورے جسم

میں ہوتا ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ کھانے اور پینے کا اثر تو ہو پورے جسم میں اور شکر کے لیے دو تولے کی زبان ہلانا کافی سمجھی جائے، ہرگز نہیں۔ سب سے بہتر طریقہ شکر ادا کرنے کا نماز ہے کہ اس میں آدمی کے تمام اعضاء رب تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں۔

تو فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہوئی ہیں اور ان کا شکر ادا کرو ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کیا ہے کوئی خالق اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ جو تم کو رزق دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے۔ آسمان کی طرف سے بارش ہوتی ہے اور سورج کی شعاعیں اور کرنیں پڑتی ہیں، فصلوں پر چاند کی چاندنی پڑتی ہے، ستاروں کی مدھم روشنی پڑتی ہے، ہوا اُوپر سے آتی ہے۔ عالم اسباب میں ان ساری چیزوں کا فصلوں اور پھلوں پر اثر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا رزق کے سارے انتظام کرنے والا کون ہے؟ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں، کوئی رازق نہیں، کوئی مالک نہیں، کوئی حاکم نہیں، کوئی عالم الغیب نہیں، کوئی حاضر و ناظر نہیں، کوئی مختار کل نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی دست گیر نہیں ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ پس تم کدھر اُلٹے پھرے جاتے ہو۔ کھاؤ تم رب کا اور شکر شیطان کا ادا کرو، عبادت شیطان کی کرو۔ یہ کیا غلط راستہ تم نے اختیار کیا ہوا ہے؟

آگے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے کہ پریشان نہ ہوں ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ﴾ اور اگر یہ لوگ جھٹلا دیں آپ کو۔ آگے آئے گا کہ کافروں نے آپ ﷺ کو سَاحِرٌ كَذَّابٌ بھی کہا کہ یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے تو آپ صبر سے کام لیں ﴿فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ پس تحقیق جھٹلائے گئے اللہ تعالیٰ کے رسول آپ سے پہلے۔ نوح علیہ السلام کو لوگوں نے سامنے کھڑے ہو کر کہا كَذَّابٌ اَشِرٌ "بڑا جھوٹا اور شریر ہے۔" ہماری قوم میں آکر اختلاف ڈالے ہیں ساری قوم ایک طرف تھی اور تم نے آکر رٹ لگائی ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور کہا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾۔ اسی طرح دوسرے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے کام۔

آگے قیامت کا ذکر ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے قیامت ضرور آئے گی ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ پس ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے تمھیں دنیا کی زندگی۔ یہ زندگی عارضی اور فانی ہے۔ ایک سانس جو باہر نکلتا ہے ہو سکتا ہے پھر اندر نہ جائے۔ لیکن ہم غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اسی زندگی پر مفتون ہو گئے ہیں۔

اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے: اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ "لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرو۔" لیکن آج ہمیں نہ موت یاد ہے نہ قبر یاد ہے نہ آخرت یاد ہے۔ ہم جتنی محنت دنیا کے لیے کرتے ہیں اس سے دسواں حصہ بھی آخرت کے لیے کریں تو ان شاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ دنیا کے لیے ہم نہ گرمی دیکھتے ہیں نہ سردی دیکھتے ہیں، نہ طوفان، نہ بارش۔ دنیا کے کام کے لیے ہم نے ڈیوٹی پر ضرور پہنچنا ہے کہ غیر حاضری نہ ہو جائے ہمیں کوئی پوچھ نہ لے۔ بھئی! جس کے پاس تمھیں جانا ہے اس نے نہیں پوچھنا کہ جو ڈیوٹی میں نے لگائی تھی وہ پوری کر کے آئے ہو یا غیر حاضر رہے۔ ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ اور ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے تمھیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بڑا دھوکے باز یعنی شیطان کہ وہ تمھارا ازلی

دشمن ہے اور ہر وقت تمھیں گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے ﴿ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ ﴾ بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے ﴿فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا ﴾ لہٰذا اسے دشمن ہی سمجھو ﴿ اِنَّمَا یَدۡعُوۡا حِزۡبَہٗ ﴾ پختہ بات ہے وہ دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو ﴿ لِیَکُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴾ تاکہ ہو جائیں وہ دوزخ والوں میں سے۔ وہ وسوسہ اندازی کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تاکہ اس کی جماعت بڑی بن جائے۔

شیطان انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے

جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس نے انکار کیا تو وہ مردود ٹھہرا مگر اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہہ دیا کہ ﴿ لَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴾ [حجر:۳۹] "میں ضرور گمراہ کروں گا سب کو۔" سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ اور کہنے لگا میں آگے سے، پیچھے سے، دائیں اور بائیں، غرض یہ کہ ہر راستے سے آ کر انسان کو گمراہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اور اس کے چیلے ہر وقت انسان کو گمراہ کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اس سے بچو۔ پھر انسان کو اچھی طرح علم ہے کہ شیطان اس کا ازلی ابدی دشمن ہے مگر اس کے باوجود اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا، کتنے افسوس کی بات ہے۔

امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ وہ انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے انسان! تم کذاب اور مفتری ہو کہ ظاہر میں تم شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستی کرتے ہو کہ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق کرتے ہو۔ رسم و رواج، بدعات، کفریہ اور شرکیہ حرکات، فضول خرچی، یہ سب شیطان کی خواہش ہی کو پورا کرنا ہے۔ سورہ یٰسین آیت نمبر ۶۰ میں ہے ﴿ اَلَمۡ اَعۡہَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴾ "کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا اے اولادِ آدم! کہ نہ عبادت کرنا شیطان کی بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔" مگر تم پھر بھی اس کی طرف دوڑ دوڑ کے جاتے تھے۔ تو فرمایا پختہ بات ہے کہ شیطان دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو کہ وہ ہو جائیں دوزخ والوں میں سے۔

پھر کفر اور ایمان کا انجام کیا ہو گا؟ فرمایا ﴿ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ﴾ وہ لوگ جنھوں نے کفر کو اختیار کیا ﴿ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴾ ان کے لیے عذاب ہو گا سخت۔ جنھوں نے توحید و رسالت کا انکار کیا وہ سخت عذاب میں ہوں گے زنجیروں میں جکڑے ہوئے، آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں گے اور انھیں سانپ اور بچھو ڈسیں گے ﴿ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ﴿ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّاَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴾ ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ اعمال کے لیے ایمان شرط ہے۔ ایمان، اعتقاد درست ہو پھر اعمال اچھے ہوں تو جو چھوٹی موٹی کوتاہیاں ہوں گی وہ بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا اور بہت بڑا اجر بھی ملے گا۔

﴿ اَفَمَنۡ ﴾ کیا پس وہ شخص ﴿ زُیِّنَ لَهٗ ﴾ مزین کر دیا گیا اس کے لیے ﴿ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ ﴾ اس کا برا عمل ﴿ فَرَاٰهُ حَسَنًا ﴾ پس وہ اس کو دیکھتا ہے اچھا ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ ﴾ بہکاتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ ﴾ پس نہ ختم ہو جائے آپ کی جان ﴿ عَلَیۡهِمۡ حَسَرٰتٍ ﴾ ان پر افسوس کرتے ہوئے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ عَلِیۡمٌ ﴾ جانتا ہے ﴿ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ ﴾ جو کچھ بناتے ہیں ﴿ وَاللّٰهُ الَّذِیۡۤ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ ﴾ جس نے بھیجیں ہوائیں ﴿ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا ﴾ پس وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو ﴿ فَسُقۡنٰهُ ﴾ پس ہم ان کو چلاتے ہیں ﴿ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ ﴾ ایسے شہر کی طرف جو بنجر ہے ﴿ فَاَحۡیَیۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ ﴾ پس ہم زندہ کرتے ہیں اس کے ذریعے زمین کو ﴿ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ﴾ اس کے مردہ ہونے کے بعد ﴿ كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ ﴾ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا ہے ﴿ مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ ﴾ جو شخص چاہتا ہے ﴿ الۡعِزَّةَ ﴾ عزت ﴿ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِیۡعًا ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ساری عزت ﴿ اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّیِّبُ ﴾ اسی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات ﴿ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ ﴾ اور اچھے اعمال ﴿ یَرۡفَعُهٗ ﴾ اٹھالیتا ہے ان کو اللہ تعالیٰ ﴿ وَالَّذِیۡنَ یَمۡكُرُوۡنَ ﴾ اور وہ لوگ جو تدبیر کرتے ہیں ﴿ السَّیِّاٰتِ ﴾ برائیوں کی ﴿ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴾ ان کے لیے عذاب ہے سخت ﴿ وَمَكۡرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوۡرُ ﴾ اور ان کی تدبیر ہلاک ہوگی ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تم کو ﴿ مِّنۡ تُرَابٍ ﴾ مٹی سے ﴿ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ﴾ پھر نطفے سے ﴿ ثُمَّ جَعَلَكُمۡ اَزۡوَاجًا ﴾ پھر بنایا تمھیں جوڑے ﴿ وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی ﴾ اور نہیں اٹھاتی کوئی مادہ ﴿ وَلَا تَضَعُ ﴾ اور نہ کوئی جنتی ہے ﴿ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ﴿ وَمَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ ﴾ اور نہیں عمر دیا جاتا کوئی عمر دیا گیا ﴿ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ ﴾ اور نہ گھٹائی جاتی ہے اس کی عمر سے ﴿ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ ﴾ مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴾ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

ربط آیات

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کافر، جن کے لیے عذاب شدید ہے۔ اور مومن، جن کے لیے بخشش ہے۔ ان میں سے جو پہلا گروہ ہے کافروں کا اس کے متعلق فرماتے ہیں ﴿ اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ ﴾ کیا پس وہ شخص کہ مزین کر دیا گیا اس کے لیے اس کا برا عمل۔ مزین کرنے والا کون ہے؟ وہ شیطان ہے ﴿ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ ﴾ [الانفال: ۴۸] "مزین کیا شیطان نے ان کے اعمال کو۔" کہ چوری میں یہ فائدہ ہوگا، ڈکیتی میں یہ فائدہ ہوگا۔ کوئی نہ کوئی فائدہ

ذہن میں ڈالتا ہے۔تو یہ مزین کرتا ہے۔غلط کام پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے ﴿ فَرَاٰهُ حَسَنًا ﴾ پس وہ دیکھتا ہے اس کو اچھا۔ ظاہر بات ہے کہ بُرے کام کو اچھا سمجھنا بڑا جرم ہے۔اسی لیے شریعت نے بدعت کی بڑی سخت تردید کی ہے۔شرک کے بعد جتنی تردید بدعت کی ہوئی ہے شاید ہی کسی عمل کی اتنی تردید ہوئی ہو۔

بدعت کا گناہ سو گناہوں سے بھی زیادہ وزنی ہے

کئی دفعہ سن چکے ہو کہ سو گناہ کبیرہ سے بدعت کا گناہ زیادہ ہے۔مسجد میں بیٹھ کر کوئی آدمی شراب پیے۔شراب پینا گناہ مگر مسجد میں اور زیادہ گناہ ہے۔مگر بدعت کا اس سے بھی زیادہ گناہ ہے۔کیوں کہ گناہ سے شریعت کا نقشہ نہیں بدلتا کہ گناہ کرنے والا بھی سمجھتا ہے کہ میں گناہ کر رہا ہوں۔مگر بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے۔کیوں کہ بدعتی بدعت کو دین سمجھ کر کرتا ہے اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ دین ہے۔تو بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے۔اس لیے بدعت کا گناہ سو گناہوں سے بھی وزنی ہے۔اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ "اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔جو شخص گناہ کو ثواب سمجھ کر کرے گا تو وہ اس سے توبہ کیوں کرے گا؟ تو ان کافروں نے برے کاموں کو اچھا سمجھ کر دین کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

فرمایا ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بہکاتا ہے جس کو چاہے ﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔بات اچھی طرح سمجھ لینا مسئلہ کوئی مشکل نہیں ہے۔اس سے ظاہری طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بندے کا کوئی قصور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔اس طرح کی آیات قرآن کریم میں متعدد ہیں جن سے ظاہری طور پر غلطی کھانے والے غلطی کھا جاتے ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ ہدایت پر مجبور کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ [کہف:۲۹] "پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" جو جس چیز کا طالب ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو وہ دے دے گا۔سورہ رعد آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴾ "اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" اور سورہ عنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہمارے لیے ہم ضرور راہنمائی کرتے ہیں ان کی اپنے راستوں کی طرف۔" اور گمراہ ان کو کرتا ہے جو گمراہی کو پسند کرتے ہیں۔

چنانچہ سورہ صف پارہ ۲۸ میں ہے ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔" اور سورۃ نساء آیت نمبر ۱۱۵ میں ہے ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ﴾ "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف وہ پھرا۔" تو جبراً اللہ تعالیٰ نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ کسی کو ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ ﴾ پس نہ چلی جائے آپ کی جان ﴿ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ﴾ ان پر افسوس کرتے

ہوئے۔غم اور افسوس آدمی کے جسم کو گھٹاتا ہے۔غم کی وجہ سے آدمی کمزور ہوجاتا ہے۔کیوں کہ دماغ جسم کے تمام اعضاء کا حاکم اور بادشاہ ہے۔تو جب بادشاہ کمزور ہوگا تو باقی سب کمزور ہوں گے لہٰذا آپ ﷺ پریشان نہ ہوں اور اپنی جان کو ضائع نہ کریں ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ یہ بناتے ہیں، کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کارکردگی سے واقف ہے محشر والے دن سب کچھ ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا پھر اس کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول، کتابیں اور مبلغین بھیج کر آخرت کی زندگی کا سامان پیدا کیا ہے اسی طرح اس نے دنیا کی زندگی کا سامان اور وسائل بھی پیدا فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاللّٰہُ الَّذِیۡۤ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ﴾ جس نے بھیجیں ہوائیں ﴿فَتُثِیۡرُ سَحَابًا﴾ پس وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو اور جدھر لے جانے کا حکم ہوتا ہے ادھر لے جاتی ہیں ﴿فَسُقۡنٰہُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ﴾ پس ہم ان کو چلاتے ہیں ایسے شہر کی طرف جو بنجر ہے ﴿فَاَحۡیَیۡنَا بِہِ الۡاَرۡضَ﴾ پس ہم زندہ کرتے ہیں اس کے ذریعے زمین کو ﴿بَعۡدَ مَوۡتِہَا﴾ اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق سمندروں سے بخارات اُٹھاتا ہے پھر ہوائیں ان کو اُٹھا کر چلتی ہیں اور خشک علاقے کی طرف لے کر جاتی ہیں جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے جس سے مردہ زمین میں تروتازگی آجاتی ہے۔پھر وہ بنجر زمین میں پھل اور اناج پیدا کرتا ہے جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ بارش برسا کر مردہ زمین کو قابل کاشت بنا دیتا ہے ﴿کَذٰلِکَ النُّشُوۡرُ﴾ اسی طرح دوبارہ جی اُٹھنا ہے۔ جب قیامت کا بگل بجے گا تو تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور میدانِ محشر میں جمع ہوں گے اور حساب کتاب ہوگا۔

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور منکروں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔فرمایا ﴿مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ﴾ جو شخص عزت چاہتا ہے ﴿فَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعًا﴾ پس ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔سورہ مریم آیت نمبر ۸۱ میں ہے ﴿وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِہَۃً لِّیَکُوۡنُوۡا لَہُمۡ عِزًّا﴾ "مشرکوں، کافروں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں ان کی پرستش کرتے ہیں تاکہ ان کو عزت و غلبہ اور وقار حاصل ہو۔" مگر انھیں سمجھ لینا چاہیے کہ عزت ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

منافقین کافروں کے ساتھ دوستی رکھتے تھے کہ ہماری عزت ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَلَّذِیۡنَ یَتَّخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ "وہ لوگ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست مومنوں کے سوا ﴿اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَہُمُ الۡعِزَّۃَ﴾ کیا وہ ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں ﴿فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا﴾ پس بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔" سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۹ اور سورہ منافقون میں ہے ﴿وَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَلِرَسُوۡلِہٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ "اور عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور مومنوں کے لیے ہے۔" یہ عزت کہاں تلاش کرتے پھر رہے ہیں غیر اللہ کے پاس، جھوٹے خداؤں کے پاس؟ عزت اس شخص کو حاصل ہوگی جس کا عقیدہ درست اور عمل صحیح ہوگا۔ایسے شخص کے اعمال کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ﴾ اسی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات ﴿وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ﴾ اور اچھے عمل اُٹھالیتا ہے ان کو اللہ تعالیٰ۔

کلمہ طیبہ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مراد ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے سبحان اللہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ اکبر مراد ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ہر پاکیزہ کلمہ مراد ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اَفْضَلُ الْکَلَامِ سُبْحَانَ اللہِ "افضل ترین کلام سبحان اللہ ہے۔" یہاں ایک بات سمجھنے والی ہے۔ وہ یہ کہ کلمات طیبات، کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل صالح کے بارے میں فرمایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اُٹھاتا ہے۔ تو کلمات طیبات کے بارے میں خود چڑھنا فرمایا اور عمل صالح کو وہ خود اُٹھاتا ہے تو یہ فرق کیوں ہے؟ محققین فرماتے ہیں کہ کلمات طیبات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں ذاتی طور پر صعود (چڑھنا) ہے اور عمل بندے کی صفت ہے اس کو رب تعالیٰ اٹھائیں گے تو اوپر جائے گا۔ لہٰذا جو عمل اخلاص کے ساتھ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا اور کئی دفعہ سن چکے ہو کہ عمل صالح کی قبولیت کی تین بنیادی شرطیں ہیں۔

① ...... ایمان ② ...... اخلاص ③ ...... اور اتباع سنت

ان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ اور وہ لوگ جو بری تدبیریں کرتے ہیں اسلام کو مٹانے کے لیے، حق کو مٹانے کے لیے، اہل حق کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے سخت ﴿وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ﴾ اور ان لوگوں کی تدبیریں ہلاک ہوں گی۔

دار الندوہ میں کفار کا رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا مشورہ

دار الندوہ میں بیٹھ کر کافروں نے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ آدمی مقرر ہوئے، رات مقرر ہوئی، وقت مقرر کیا گیا، آپ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کیا گیا مگر ان کی ساری تدبیر ناکام ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچا لیا۔ سیرت ابن ہشام تاریخ کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ مٹی ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ صبح ہوئی تو تمام لوگوں نے کوان کو ملامت کی جو قتل کے لیے بھیجے گئے تھے کہ تم نے قتل کیوں نہیں کیا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب یہاں سے چلا گیا۔ تو فرمایا جو بری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہوگا اور ان کی تدبیر تباہ ہوگی۔

آگے توحید کی دلیل ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے ﴿مِّنْ تُرَابٍ﴾ مٹی سے۔ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا: ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران: ۵۹] "آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس نے فرمایا ہو جا پس وہ ہو گیا۔" ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر نطفے سے پیدا فرمایا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے تمھاری نسل حقیر انسانی قطرے سے چلائی کہ شہوت کے ساتھ نکلے تو سارا جسم پلید ہو جاتا ہے ﴿ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا﴾ پھر بنایا اللہ تعالیٰ نے تمھیں جوڑا جوڑا۔ عورتیں بنائیں، مرد بنائے ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى﴾ اور نہیں پیٹ میں اُٹھاتی کوئی مادہ ﴿وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾ اور نہ وہ جنتی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے

علم میں ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہے خود اس عورت کو معلوم نہیں ہوتا جو نر مادہ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی ہے، کالا ہے یا گورا ہے، صحیح الاعضاء ہے یا ناقص الاعضاء ہے۔ یہ رب تعالیٰ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ باقی یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے پتا چل جاتا ہے تو یہ قطعی نہیں ہوتا۔ یہ مصنوعی چیزیں ہیں ان کو غلطی لگ سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا علم قطعی ہے۔ ان سالوں میں دو تین اخبارات میں مَیں نے پڑھا کہ سانگلہ ہل میں ایک آدمی کو گھر کا بل لاکھ روپے آیا۔ وہ رویا پیٹا کہ میرا نہ کارخانہ ہے نہ مل ہے۔ تو اس کو کہا گیا کہ کمپیوٹر کی غلطی سے ایسا ہوا ہے۔ تو یہ مصنوعی چیزیں غلطی کر جاتی ہیں رب تعالیٰ کو غلطی نہیں لگتی اس کا علم قطعی ہے۔

معمر کسے کہا جاتا ہے؟

فرمایا ﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ﴾ اور نہیں عمر دیا جاتا کوئی معمر ﴿وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ﴾ اور نہ گھٹائی جاتی ہے کسی کی عمر سے ﴿اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو آدمی ساٹھ سال کا ہو جائے یا اس سے اُوپر چلا جائے تو وہ معمر ہے۔ اور ساٹھ سال سے کم ہو تو یہ معمر نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس وقت ڈاڑھی میں ایک بال بھی سفید ہو جائے تو بندے کو فکر کرنی چاہیے کہ اب حالات کچھ اور ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ڈاڑھی تو کیا ہمارے اَبرو بھی سفید ہو جائیں تو ہمیں آخرت کی فکر نہیں ہوتی۔ پہلے زمانے میں جب عمر ساٹھ سال ہو جاتی اور ڈاڑھی میں ایک بال سفید آ جاتا تھا تو وہ اس کو خطرے کا الارم سمجھتے تھے کہ اب وقت قریب آ گیا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کسی کا پوتا ہو جائے تو دادے کو اپنا بستر باندھ لینا چاہیے، جانے کی تیاری کرنی چاہیے۔ لہٰذا موت کو بھی یاد رکھو۔ یہ بھی رب تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ نعمت کیسے ہے؟ دیکھو! ہر آدمی چاہتا ہے میری ماں زندہ رہے ماں چاہتی ہے میری ماں زندہ رہے وہ چاہتی ہے میری ماں زندہ رہے۔ اور ہر آدمی چاہتا ہے کہ میرا والد زندہ رہے والد چاہتا ہے میرا والد زندہ رہے وہ چاہتا ہے میرا والد زندہ رہے۔ اس طرح تو بوڑھوں کی لائن لگی ہوتی، نہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہ سنبھالنے والا اور پاخانے کے ساتھ چارپائیاں بھری ہوتیں۔ موت رب تعالیٰ کی نعمت ہے کہ وقت پر ہر ایک کو سنبھالا جاتا ہے کہ وہ بھی عزت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے اور پسماندگان بھی مصیبت سے بچ گئے۔ ورنہ پچھلے ختم خواجگان کرتے کہ بابے کی جان جلدی نکلے، بے بے جی جلدی مرے۔ یہ سب رب تعالیٰ کی رحمتیں ہیں ہم ان کو نہیں سمجھتے۔ تو فرمایا یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

﴿وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ﴾ اور نہیں برابر دو سمندر ﴿هٰذَا عَذْبٌ﴾ ایک میٹھا ہے ﴿فُرَاتٌ﴾ خوش گوار ہے ﴿سَآئِغٌ﴾ آسانی سے گلے سے اترتا ہے ﴿شَرَابُهٗ﴾ اس کا پینا ﴿وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ اور یہ دوسرا نمکین کڑوا ہے ﴿وَمِنْ

كُلٍّ ﴾ اور ہر سمندر سے ﴿تَأْكُلُوْنَ﴾ تم کھاتے ہو ﴿لَحْمًا طَرِيًّا﴾ گوشت تازہ ﴿وَتَسْتَخْرِجُوْنَ﴾ اور نکالتے ہو تم ﴿حِلْيَةً﴾ زیور ﴿تَلْبَسُوْنَهَا﴾ جن کو تم پہنتے ہو ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ﴾ اور دیکھتے ہیں آپ کشتیوں کو ﴿فِيْهِ﴾ اس سمندر میں ﴿مَوَاخِرَ﴾ پانی چیرتی ہوئی چلتی ہیں ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تاکہ تلاش کرو تم اللہ تعالیٰ کے فضل کو ﴿وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم رب تعالیٰ کا شکر ادا کرو ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ داخل کرتا ہے رات کو دن میں ﴿وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں ﴿وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ﴾ اور اس نے کام میں لگایا سورج کو ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو ﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ﴾ ہر ایک چلتا ہے ﴿لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک میعاد تک جو مقرر ہے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ ﴿رَبُّكُمْ﴾ تمھارا رب ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ اسی کا ملک ہے ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ﴾ اور وہ جن کو تم پکارتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ نہیں مالک وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ﴾ اگر تم ان کو پکارو ﴿لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ﴾ نہیں سنتے تمھاری پکار کو ﴿وَلَوْ سَمِعُوْا﴾ اور اگر بالفرض سن لیں ﴿مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾ تو وہ تمھارا کام نہیں کر سکتے ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن ﴿يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ﴾ انکار کریں گے تمھارے شرک کا ﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ﴾ اور کوئی نہیں خبر دے گا تجھے ﴿مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ خبر رکھنے والے کی طرح۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے دو گروہوں کا ذکر تھا کافروں کا اور مومنوں کا۔ آگے دو سمندروں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایک سمندر ہے جس کا پانی میٹھا ہے آسانی سے حلق سے اتر جاتا ہے اور دوسرا سمندر نمکین اور کڑوا ہے۔ کیا یہ دونوں سمندر تمھارے خیال میں برابر ہیں؟ اگر یہ برابر نہیں ہیں تو ایمان اور کفر بھی برابر نہیں ہیں، توحید اور شرک بھی برابر نہیں ہیں، حق اور باطل بھی برابر نہیں ہیں، سنت اور بدعت بھی برابر نہیں ہیں ان میں نمایاں فرق ہے۔

فرمایا ﴿وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ﴾ اور نہیں ہیں برابر دو سمندر ﴿هٰذَا عَذْبٌ﴾ یہ ایک سمندر میٹھا ہے پانی اس کا ﴿فُرَاتٌ﴾ خوش گوار ہے ﴿سَآئِغٌ شَرَابُهٗ﴾ آسانی سے حلق سے اُترتا ہے اس کا پانی ﴿وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ اور یہ دوسرا سمندر نمکین کڑوا ہے۔

میٹھے پانی کی قدر

بعض علاقوں کا پانی کھارا ہے جیسے رنک کا علاقہ ہے جو ڈیرہ اسماعیل خان سے پچیس چھبیس میل دور ہے۔ میں نے وہاں کے پانی سے صرف وضو کیا ڈیرہ اسماعیل خان پہنچنے تک میرے منہ کی کڑواہٹ نہ گئی۔

مفتی محمد عیسیٰ صاحب ہمارے مدرسہ نصرۃ العلوم کے مفتی اور مدرس ہیں۔ میں ان کے اصرار پر ان کے گاؤں گیا تتری جنوبی ضلع ڈیرہ غازی خان۔ وہاں کے سارے لوگ صحیح العقیدہ نمازی، پرہیز گار، دین دار قسم کے لوگ ہیں۔ ان کے والد محترم اور چچا جان نے آپس میں مشورہ کیا کہ مولانا کے لیے پانی کا کیا انتظام ہے؟ گرمی کا زمانہ تھا اور میرے پاس ہی بیٹھے تھے۔ میں نے سمجھا کہ میرے لیے شربت بنانا ہوگا یا کوئی میٹھی بوتل تلاش کرتے ہوں گے۔ میں نے ان کو کہا کہ میں حتی الوسع بوتل نہیں پیتا۔ کہیں دوست احباب میں پھنس جاؤں تو الگ بات ہے۔ شربت پینے کی بھی مجھے عادت نہیں ہے لہٰذا میرے لیے سادہ پانی کی فکر نہ کرو۔ وہ دونوں ہنس پڑے۔ کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی عادت کا علم ہے۔ ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ آپ کو کہاں سے پانی پلائیں گے۔ میں نے کہا تمھارے پاس نلکا نہیں ہے تو کہنے لگے اس نلکے کا پانی آپ نہیں پی سکتے۔ اس مدرسے میں ایک نلکا لگا ہوا تھا جس کا پانی سارے علاقے کے پانی سے اچھا تھا مگر وہ خراب ہو گیا ہے میرے لیے وہ پانی دریائے سندھ سے اُونٹنی پر مشکیں بھر کر لائے تھے۔ دو دن میں نے دریائے سندھ کا پانی پیا۔ اور ہمارے علاقے کا پانی بالکل صاف ستھرا اور میٹھا ہے لیکن ہمیں رب تعالیٰ کی نعمتوں کی کوئی قدر نہیں ہے۔

تو فرمایا کہ ایک سمندر میٹھا ہے اور ایک نمکین اور کڑوا ہے۔ دونوں برابر نہیں ہیں تو ایمان اور کفر بھی برابر نہیں ہیں، توحید اور شرک بھی برابر نہیں ہیں، سنت اور بدعت بھی برابر نہیں ہیں، حق اور باطل بھی ایک شے نہیں ہے۔ ﴿وَ مِنۡ کُلٍّ تَاۡکُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا﴾ اور ہر سمندر سے کھاتے ہو تم تازہ گوشت۔ کھارے سمندر میں بھی مچھلیاں ہیں اور میٹھے سمندر میں بھی مچھلیاں ہیں ﴿وَ تَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَۃً﴾ اور نکالتے ہو تم زیور ﴿تَلۡبَسُوۡنَہَا﴾ جس کو تم پہنتے ہو۔ موتی مونگے نکالتے ہو اور عنبر بھی سمندر سے نکلتا ہے۔ موتی مونگے کے ہار بنا کر عورتیں بھی گلے میں ڈالتی ہیں اور مرد بھی۔ خدا کی شان کہ ان پر زکوٰۃ بھی نہیں ہے۔ ہیرے اور مرجان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے حالاں کہ یہ چیزیں سونے سے مہنگی ہیں۔ جو بڑے بڑے بے دین سیٹھ ہیں وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ہیرے خرید کر رکھ لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔

سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ مبارک میں سونے کا ٹکڑا لیا اور دوسرے میں ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا اور فرمایا: اَتَدۡرُوۡنَ مَا ھٰذَا "کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟" کہنے لگے حضرت! ایک ہاتھ میں سونا ہے اور دوسرے میں ریشمی کپڑا۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اَحَلَّھُمَا عَلٰی اُنَاثِ اُمَّتِیۡ وَ حَرَّمَھُمَا عَلٰی ذُکُوۡرِ اُمَّتِیۡ "اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو میری اُمت کی عورتوں پر حلال فرمایا اور میری اُمت کے مردوں پر حرام فرمایا ہے۔" اس سے مصنوعی ریشم مراد نہیں ہے۔ یہ میری پگڑی مصنوعی ریشم کی ہے۔ اصلی ریشم وہ ہے جو کیڑے سے نکلتا ہے وہ مردوں کے لیے جائز نہیں ہے۔ ہاں! اپنی چادر یا قمیص کی کناری لگائیں تو جائز ہے۔ سونا مرد کے لیے حلال نہیں ہے مگر سونے کے دانت اور ناک لگوا سکتا ہے اگر ناک کٹ گئی ہو۔ سونے کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں بو

پیدا نہیں ہوتی۔

تو فرمایا تم زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ﴾ اور اے مخاطب! آپ دیکھتے ہیں کشتیوں کو ﴿فِيهِ﴾ اس سمندر میں ﴿مَوَاخِرَ﴾۔ مَاخِرٌ کی جمع ہے بمعنی چیرنے والی۔ جب کشتیاں چلتی ہیں تو پانی کو پھاڑتی چیرتی ہوئی جاتی اور آتی ہیں ﴿لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ تاکہ تلاش کرو تم اللہ تعالیٰ کا فضل۔ اپنے ملک کی چیزیں دوسرے ملکوں میں جا کر فروخت کرو اور وہاں سے سستی خرید کر اپنے ملک میں لے آؤ تاکہ تمھیں نفع حاصل ہو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھارے لیے یہ ساری سہولتیں پیدا فرمائی ہیں۔

اور رب تعالیٰ کی قدرت ﴿يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ داخل کرتا ہے رات کو دن میں۔ گرمی کے موسم میں دن لمبے ہو جاتے ہیں رات کا حصہ نکال کر اللہ تعالیٰ دن میں داخل کر دیتا ہے ﴿وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ سردیوں کے موسم میں راتیں لمبی ہو جاتی ہیں دن کے اجزاء اللہ تعالیٰ رات میں داخل کر دیتے ہیں۔ یہ انقلاب تمھیں ہر جگہ نظر آتا ہے ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور مسخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو۔ چاند کو بھی کام میں لگا دیا سورج کو بھی کام میں لگا دیا کیا مجال ہے کہ وہ اپنی رفتار میں کمی بیشی کریں یا کسی جگہ اکڑ کر کھڑے ہو جائیں یا دائیں بائیں چل پڑیں۔ حقیقت کے ساتھ دیکھا جائے تو سورج اور چاند سے زیادہ اختیارات انسان کے پاس ہیں اگرچہ یہ جسم میں انسان سے بہت بڑے ہیں۔ دیکھو! ہم بیٹھے ہیں کھڑے ہونے کو دل کرے تو کھڑے ہو سکتے ہیں چل سکتے ہیں دائیں بائیں آ جا سکتے ہیں، آگے جا سکتے ہیں پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ تو اتنے اختیارات والا کسی بے بس کے آگے جھکے تو کتنی بڑی حماقت ہے۔ کیوں کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی چمک کو دیکھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى﴾ ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر میعاد تک۔ قیامت تک سورج بھی چلتا رہے گا چاند بھی چلتا رہے گا۔

شمس وقمر کی حرکت اور سائنس دانوں کی تحقیق

سائنس دانوں کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ سورج اور چاند حرکت کرتے ہیں یہ طبقہ حق ہے۔ دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ سورج اور چاند کھڑے ہیں زمین گھومتی ہے۔ یہ گروہ غلط ہے۔ سائنس دانوں کی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے کہ سورج بھی چلتا ہے اور چاند بھی چلتا ہے۔ مسلمان نے رب تعالیٰ کی بات ماننی ہے۔ ہاں! چاند اور سورج کی حرکت کو مان کر ان کی رفتار کو مان کر کوئی وزنی دلیل پیش کرے کہ زمین بھی گھومتی ہے تو الگ بات ہے کہ اس سے کسی کے عقیدے پر زد نہیں پڑتی۔ اگر کہیں کہ سورج اور چاند کھڑے ہیں اور زمین گھومتی ہے تو پھر ہم کہیں گے تمھارے سر پھرتے ہیں کہ تم سر پھرے ہو۔

یونان کا ایک بڑا حکیم تھا تالیق ملتی۔ سب حکیموں کا استاذ تھا۔ اس نے یہ تحقیق کی کہ پانی بسیط ہے مفرد ہے اس میں ترکیب نہیں ہے مرکب نہیں ہے۔ ساڑھے تین ہزار سال تک سارے حکماء اسی کو مانتے رہے۔ کاؤنڈس آیا اس نے اپنی تحقیق

نے ثابت کیا کہ پانی میں دو قوتیں ہیں۔ یہ آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے مفرد نہیں ہے۔اب سارے مرکب مانتے ہیں۔لاؤڈ سپیکر کے بارے میں سائنس دانوں کا اختلاف تھا۔ایک گروہ کہتا تھا کہ اصل آواز ختم ہو جاتی ہے اس کی مثل پیدا ہوتی ہے۔جیسے گنبد یا پہاڑ کے دامن میں آواز دو تو واپس آتی ہے۔اس پر علماء نے فتویٰ دیا کہ سپیکر پر نماز جائز نہیں ہے کہ مقتدی آواز کی اقتداء کریں گے امام کی نہیں۔ کچھ عرصہ گزرا سائنس دان بیٹھے۔انگریز کا دور تھا انھوں نے تحقیق کی اور نوے فیصد سائنس دانوں نے کہا کہ لاؤڈ سپیکر اصل آواز کو دو چند کرتا ہے۔ پھر علماء نے فتویٰ دیا کہ اس پر نماز جائز ہے اور یہ آلہ ہے دو چند کرنے کا۔اس دور میں "خدام الدین" رسالہ نکلتا تھا اس کے آخر میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جلی حروف میں شائع ہوا کہ ہم پہلے فتویٰ دیتے رہے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز جائز نہیں ہے اس لیے کہ سائنس دانوں کا اختلاف تھا اب سارے متفق ہو گئے کہ اصل آواز کو بلند کر دیتا ہے لہٰذا لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھ سکتے ہو۔تو سائنس دانوں کی تحقیق بدلتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمھارا پروردگار، تمھارا پالنے والا ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ اسی کا ہے ملک ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ﴾ اور وہ جن کو تم پکارتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔خواہ وہ فرشتے ہوں یا پیغمبر یا پیر فقیر ہوں، ولی ہوں، شہید ہوں۔ یاد رکھو! ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ قطمیر کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اس کو۔عربی لوگ جب کسی شے کی قلت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ اس کے پاس تو قطمیر بھی نہیں ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں فلاں دے کول ککھ بھی نہیں (پھوٹی کوڑی بھی نہیں) فلاں کے پاس تنکا بھی نہیں ہے۔تو معنیٰ ہوں گے کہ وہ تنکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔تم ان کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کے پکارتے ہو، فریاد رس اور دست گیر سمجھ کر پکارتے ہو جو تنکے کے بھی مالک نہیں ہیں ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ﴾ اگر تم ان کو پکارو دور سے ﴿لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ﴾ وہ تمھاری پکار کو نہیں سنتے۔

حاجت روا اور مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

اب یہاں سے کوئی شخص کہے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للہ "اے شیخ عبدالقادر جیلانی مجھے کوئی شے دے دو اللہ تعالیٰ کے واسطے۔" وہ اپنی جگہ آرام فرما رہے ہیں تمھاری پکار کو کیسے سن لیں گے؟ اگرچہ وہ سننے کے بعد بھی کچھ نہیں دے سکتے مگر دور سے تو سن بھی نہیں سکتے۔

جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے پاس بڑے اختیارات ہیں۔سوال یہ ہے کہ پچھلے دنوں جب انتیس ممالک نے جن میں ہماری مہربان حکومت بھی شامل تھی نے عراق پر حملہ کیا تو بمباری میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ اقدس کی عمارت کو بھی بہت نقصان پہنچا اور بعد میں انھوں نے عمارت درست کی۔ وہ وہاں کچھ نہیں کر سکے یہاں وہ تمھارے کیا کام کریں گے؟ یاد رکھنا! نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی ایک تنکے کا بھی مالک نہیں ہے۔

فرمایا﴿ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ﴾ اور اگر بالفرض قریب ہونے کی وجہ سے سن لیں تو وہ تمھارا کام نہیں کر سکتے۔ قریب سے وہ سن بھی لیں تو وہ کیا کر سکتے ہیں؟ سب کچھ کرنے والا صرف پروردگار عالم ہے۔﴿ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ﴾ اور وہ قیامت والے دن تمھارے شرک کا انکار کریں گے۔ تمھاری اس پکار کا انکار کریں گے۔ کہیں گے اے پروردگار! نہ ہم نے ان کو کہا تھا اور نہ ہم اس پر راضی تھے آپ جانیں اور یہ جانے، اللہ تعالیٰ کے سوا دکھ تکلیف میں مصیبت میں کسی کو پکارنا یہ شرک ہے۔ قیامت والے دن اللہ والے بے زاری کا اعلان کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے انسان! سن لے ﴿ وَ لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ﴾ اور نہیں تجھے کوئی خبر دے گا مثل اس ذات کے جو ہر چیز کی خبر رکھتی ہے۔ رب تعالیٰ جیسا کوئی اور خبر دار ہے ہی نہیں۔ میں رب خبیر تمھیں خبر دیتا ہوں کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ قیامت والے دن تمھاری پکار اور شرک کا انکار کر دیں گے۔ اس لیے رب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ﴾ اے انسانو! ﴿ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ﴾ تم محتاج ہو اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿ وَ اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿ هُوَ الْغَنِیُّ ﴾ ہی غنی ہے ﴿ الْحَمِیْدُ ﴾ قابل تعریف ہے ﴿ اِنْ یَّشَاْ ﴾ اگر وہ چاہے ﴿ یُذْهِبْكُمْ ﴾ تم کو لے جائے ﴿ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴾ اور لے آئے مخلوق نئی ﴿ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ پر ﴿ بِعَزِیْزٍ ﴾ کوئی مشکل ﴿ وَ لَا تَزِرُ ﴾ اور نہیں اُٹھائے گا ﴿ وَازِرَةٌ ﴾ کوئی بوجھ اُٹھانے والا ﴿ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ دوسرے کا بوجھ ﴿ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ ﴾ اور اگر بلائے بوجھ کے نیچے دبا ہوا ﴿ اِلٰى حِمْلِهَا ﴾ اپنا بوجھ اُٹھانے کی طرف ﴿ لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ ﴾ نہیں اُٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز ﴿ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ اور اگر چہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو ﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ ﴾ پختہ بات ہے آپ ڈراتے ہیں ان لوگوں کو ﴿ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿ بِالْغَیْبِ ﴾ بن دیکھے ﴿ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور قائم کی انھوں نے نماز ﴿ وَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ اور جس شخص نے اپنے نفس کو پاک کر لیا ﴿ فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ﴾ پس پختہ بات ہے وہ تزکیہ حاصل کرے گا اپنے نفس کے لیے ﴿ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے ﴿ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ﴾ اور نہیں ہیں برابر اندھا اور دیکھنے والا ﴿ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴾ اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی ﴿ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ﴾ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ ﴿ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ﴾ اور نہیں برابر زندے اور مردے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ سناتا ہے جس کو چاہے ﴿ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴾ اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو قبروں میں ہیں ﴿ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ﴾ نہیں ہیں آپ مگر ڈرانے والے ﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ بے شک ہم نے بھیجا آپ کو

﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿بَشِيْرًا﴾ خوش خبری سنانے والا ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور ڈرانے والا ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ﴾ اور نہیں کوئی اُمت ﴿اِلَّا خَلَا فِيْهَا﴾ مگر یہ کہ ہوا ہے اس میں ﴿نَذِيْرٌ﴾ ڈرانے والا ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ﴾ اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں ﴿فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ﴾ پس تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ﴾ آئے ان کے پاس ان کے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿وَبِالزُّبُرِ﴾ اور صحیفے لے کر ﴿وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ﴾ اور روشن کتاب لے کر ﴿ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ﴾ پھر پکڑا ہم نے ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ پھر کس طرح تھا میرا انکار کرنا۔

ربط آیات

کل کے سبق میں تم نے پڑھا ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ "جن کو تم حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر سمجھ کر پکارتے ہو وہ تنکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔" دور دراز سے پکارو تو وہ تمھاری پکار کو سنتے نہیں اور قریب سے پکارو کہ وہ سن لیں تو تمھارا کام نہیں کر سکتے۔ ان کے پاس اختیار نہیں ہے۔ مانگو اس سے جو غنی ہے۔

فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! رب تعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتے ہیں ﴿اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾ تم محتاج ہو اللہ تعالیٰ کی طرف۔ جنات اور دیگر مخلوقات بھی اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں مگر چوں کہ حکمرانی اس نے انسانوں کے سپرد کی ہے باقی تابع ہیں تو بالتبع سب کو خطاب ہے۔ تمام محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے ﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی غنی ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ قابل تعریف ہے۔ تعریفوں والا ہے۔

ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر تو کوئی نہیں ہے۔ بدر کے مقام پر عشاء کی نماز پڑھا کر آپ چمڑے کے خیمے میں تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوئے اور ساری رات دعائیں کرتے رہے کہ اے پروردگار! یہ تین سو بارہ میری پندرہ سال کی محنت ہے اگر یہ ہلاک ہو گئے تو قیامت تک تیری توحید کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اے پروردگار! ظاہری طور پر ان کا کوئی سہارا نہیں ہے، کوئی آسرا نہیں ہے صرف آپ ہی سہارا اور آسرا ہیں۔ اے پروردگار! یہ بھوکے ہیں ان کو سیر آپ نے کرانا ہے اے پروردگار! بعض ان میں سے ننگے پاؤں ہیں بعض کے سر پر ٹوپی نہیں ہے اے پروردگار! ان کی نصرت آپ نے کرنی ہے۔ اتنے روئے اتنی زاری کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر تھے ان کو ترس آ گیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے خیمے میں گئے اور کہنے لگے حضرت! اب بس کریں۔ آپ نے لَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ "بڑی آہ وزاری کی ہے۔"

تو فرمایا تم محتاج ہو رب کی طرف وہ غنی ہے تعریفوں والا ہے۔ ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے تمھیں ایک لمحے میں ہلاک کر دے ﴿وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ اور لے آئے نئی مخلوق ﴿وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ﴾ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں فنا کر کے اور مخلوق لے آئے گا تم خدا کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے۔ سورہ رحمٰن میں ہے ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ "اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ نکل جاؤ تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل جاؤ تم نہیں نکل سکتے مگر غلبے کے ساتھ۔" مگر تمھارے پاس غلبہ کہاں ہے؟ نکل جاؤ گے تو جاؤ گے کس زمین میں، کس آسمان کے نیچے جاؤ گے؟

ایک غلط نظریے کا رد

آگے ایک غلط نظریے کا رد ہے۔ یہودیوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ہم جتنے بھی گناہ کریں بس کچھ دن کے لیے دوزخ میں جائیں گے ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ [بقرہ: ۸۰] "ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو دوزخ کی آگ مگر چند دن گنتی کے۔" ان میں سے بعض کہتے تھے کہ ہم سات دن کے لیے دوزخ میں جائیں گے۔ ان کے خیال کے مطابق دنیا سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن دوزخ میں رہیں گے۔ بعض کہتے تھے کہ چالیس دن دوزخ میں رہیں گے کہ ہمارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد چالیس دن بچھڑے کی پوجا کی تھی ان کی وجہ سے ہمیں سزا ہوئی۔ بھائی! سوال یہ ہے کہ پوجا وہ کریں اور سزا تم پاؤ؟ یہ کون سا انصاف ہے۔

عیسائیوں نے یہ نظریہ بنایا کہ ہم چاہے جتنے گناہ کریں ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹک کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹکنے سے بعد آسمانوں پر اُٹھائے گئے۔ اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سولی پر لٹکائے جانے سے پہلے ہی آسمانوں پر اُٹھا لیا۔ تو عیسائی کہتے ہیں کہ وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔ شیطانو! گناہ کرو تم اور کفارہ بنیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، گناہ کرو تم اب دو ہزار سال بعد اور وہ تمھارے گناہوں کا کفارہ ہوں دو ہزار سال پہلے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان باطل نظریات کا رد فرمایا ہے ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ اور نہیں اُٹھائے گا کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ۔

ہر ایک کو اپنے کیے کا پھل ملے گا۔ اگر تمھارے آباؤ اجداد نیک ہیں تو ان کی نیکی ان کے لیے ہے۔ اگر تم بد ہو تو تمھاری بدی تمھاری گردن پر ﴿وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ﴾ اور اگر بلائے قیامت والے دن بوجھ کے نیچے دبا ہوا ﴿اِلٰی حِمْلِهَا﴾ اپنا بوجھ اُٹھانے کی طرف کسی کو کہ مجھ پر بوجھ زیادہ ہے تھوڑا سا تم اُٹھا لو ﴿لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ﴾ نہیں اُٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز۔ اس کے گناہوں کے بوجھ سے کوئی شے نہیں اُٹھائی جائے گی ﴿وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی﴾ اور اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو کوئی اس کے

قریب نہیں جائے گا ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝﴾ [سورہ عبس: پارہ ۳۰] "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور بھاگے گا اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔" کوئی کسی کے قریب نہیں آئے گا۔ بھائی کہے گا میرا تھوڑا سا بوجھ اُٹھا لے آپ کا بھائی ہوں، وہ بھاگ جائے گا۔ ماں کہے گی باپ کہے گا میرا تھوڑا سا بوجھ اُٹھا لے بھاگ جائے گا۔ بیوی خاوند سے کہے گی میرا تھوڑا سا بوجھ اُٹھا لے وہ بھاگ جائے گا۔ بیٹے کہیں گے ابا جی! ہمارا تھوڑا سا گناہوں کا بوجھ اُٹھا لو ہر کوئی بھاگ جائے گا کوئی قریب نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی کریم ﷺ! آپ اپنا کام کریں ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ﴾ پختہ بات ہے آپ ڈراتے ہیں ان لوگوں کو ﴿يَخْشَوْنَ رَبَّهُم﴾ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے۔ رب تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں ہے مگر مومن مانتے ہیں وہ ایک ذات قادر المطلق اور واجب الوجود ہے۔ اسی نے کائنات کو پیدا کیا ہے وہ مالک ہے اور وہی یہ سارا نظام چلا رہا ہے۔ کل کے سبق میں گزر چکا ہے ﴿ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ "یہ اللہ تمھارا پروردگار ہے اسی کا ملک ہے۔" اسی کو پکارو۔ فرمایا وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بن دیکھے ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ اور قائم کی انھوں نے نماز۔ اور جو نماز نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ ہم رب تعالیٰ کو مانتے ہیں یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اور جو آنحضرت ﷺ کو نبی ماننے کا دعویٰ کرتا ہے اور آپ ﷺ کی بات نہیں مانتا آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتا وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ تو رب تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی بنیادی شرط ہے نماز قائم کرنا ﴿وَمَن تَزَكَّىٰ﴾ اور جس شخص نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ تزکیہ کا معنیٰ ہے دل کی صفائی۔ جس نے اپنے دل کو سنوار لیا، صاف کر لیا، کفر و شرک سے، بغض و حسد سے، تکبر سے، حب دنیا سے ﴿فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ﴾ پس پختہ بات ہے وہ تزکیہ حاصل کرے گا اپنے نفس کے لیے۔ اس کے دل کی صفائی اس کی جان کے لیے ہے ﴿وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ سب سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا کر کے آئے ہو؟ آج سب جانتے ہیں کہ اسکول، کالج، یونیورسٹی اور مکاتب میں سال بعد امتحان ہوتا ہے۔ اس امتحان کی پہلے ہی دن سے فکر ہوتی ہے حالاں کہ یہاں کوئی پہلے امتحان میں رہ جائے تو وہ دوبارہ امتحان دے سکتا ہے لیکن اس جہان کا امتحان ایک ہی بار ہو گا اس کی تیاری کر لو۔ رب تعالیٰ کی طرف جانا ہے۔

اور یہ بات بھی سمجھ لو ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ﴾ اور نہیں ہے برابر اندھا اور دیکھنے والا۔ کافر، مشرک اور بدعتی اندھا ہے۔ مومن، موحد اور اہل سنت کا فرد آنکھوں والا ہے، یہ برابر نہیں ہیں۔ ﴿وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ﴾ اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہیں۔ کفر اور ایمان کیسے برابر ہو سکتا ہے؟ توحید اور شرک کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ حق اور باطل، سنت اور بدعت کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ﴾ اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہیں ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾ اور نہیں برابر زندے اور مردے کہ جو مر گئے ان کے اعمال منقطع ہو گئے۔ اور زندہ اعمال کر سکتے ہیں کہ زندگی میں وہ مکلف ہیں۔

مرابط کا معنٰی اور اس کا مرتبہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو آدمی فوت ہو جاتا ہے اِنْقَطَعَ عَمَلُہٗ "اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔" لیکن شہید اور مُرابط کے عمل ختم نہیں ہوتے۔ یہ جو عمل زندگی میں کرتے ہیں شہید ہونے کے بعد بھی وہ عمل برابر ان کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ مُرابط کو بھی شہید کا درجہ مل جاتا ہے۔ مُرابط اسے کہتے ہیں جو کفر کے مقابلے میں اپنی سرحد کو پختہ کرے۔ حسی سرحد یعنی محاذ پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنی قوم، ایمان اور ملک کی سرحد کی حفاظت کے لیے ڈٹ جائے۔ اور دوسرا معنوی محاذ ہے نظریاتی محاذ ہے۔ عقیدے کی حفاظت، حق کی حفاظت کرنے والا معنوی مُرابط ہے نظریاتی مرابط ہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ دو بھائی تھے مسلمانوں ہونے کے بعد ایک اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گیا دوسرا سرحدی محاذ پر مُرابط تھا سرحد کی حفاظت پر مامور تھا وہ طبعی موت سے فوت ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعا کی اے پروردگار! اس کو اس کے بھائی شہید کے ساتھ ملا دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہادت کا درجہ مُرابط ہونے کی وجہ سے مل گیا ہے۔ محاذ پر جو طبعی موت سے فوت ہوا ہے وہ بھی شہید ہے اور یہ روایات بھی تم سن چکے ہو درس حدیث میں کہ جو گھر سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلا اور مر گیا وہ شہید ہے۔ تو شہید اور مرابط کے اعمال منقطع نہیں ہوتے اور شہید سے قبر میں سوالات بھی نہیں ہوتے۔

صدقہ جاریہ

جس شخص نے نیک اولاد چھوڑی اور وہ صلوٰۃ وصوم کی پابند ہے تو اس کی نیکیاں بھی والدین کو ملتی ہیں۔ ایک استاد نے شاگردوں کو دین پڑھایا اس کے شاگرد جو بعد میں نیکی کریں گے اس کا ثواب بدستور استاذ کو پہنچتا رہے گا۔ یہ صدقۂ جاریہ ہے۔ کسی نے مسجد بنوائی، دینی مدرسہ بنوایا یہ بھی صدقۂ جاریہ ہے، کسی نے قرآن کریم وقف کیے، دینی کتابیں وقف کیں، جب تک وہ پڑھی جائیں گی ان کا ثواب وقف کرنے والے کو پہنچتا رہے گا۔ اپنے محلوں میں بچوں کے لیے دینی تعلیم کی کوشش کرو۔ بچیاں بے چاری دور نہیں جا سکتیں ان کے لیے انتظام کرو۔ محلے میں کسی کا فالتو مکان ہے اگر وہ وقف نہیں کر سکتا تو عارضی طور پر دے دے تا کہ دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ پاکستان سمیت ہماری حکومتوں کا بیڑا غرق ہو جائے انھوں نے ٹی، وی وغیرہ خرافات کو اتنا عام کر دیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے جن کو شعور بھی نہیں ہے وہ بھی گانے گاتے پھرتے ہیں اور ناچتے ہیں۔ جو دیکھتے ہیں کرتے ہیں۔ دنیا تو پہلے ہی کھیل تماشا ہے۔ ان شیطان حکومتوں نے اس کھیل کو اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔ عورتیں بے چاری آکر روتی ہیں کہ بچے پڑھتے نہیں ہیں دم کر دو، تعویذ دے دو۔ میں ان کو کہتا ہوں کہ دو چیزیں تم ختم کر دو یہ پڑھیں گے ورنہ نہیں پڑھیں گے۔ ایک کھیل ختم کر دو، دوسرا ٹی، وی ختم کر دو۔ بچیوں کے درس ہونے چاہئیں کہ یہ قرآن سیکھیں۔ دینی تعلیم حاصل کریں۔ شادیوں کی ٹھاہ ٹھاہ پر اتنی رقم خرچ کر دیتے ہو فضول اور بے مقصد۔ آخرت کی فکر کرو۔

تو فرمایا نہیں برابر زندہ اور مردہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہے۔ زندوں کو

سنائے مردوں کو سنائے اس کا کام ہے ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو قبروں میں ہیں۔ مردوں کو سنانا آپ کا کام نہیں ہے یہ رب تعالیٰ کا کام ہے ﴿اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ﴾ نہیں ہیں آپ مگر ڈرانے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو حق دے کر خوش خبری سنانے والا نیکوں کو رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی اور ڈرانے والا بُروں کو، نافرمانوں کو رب تعالیٰ کے عذاب سے ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ﴾ اور نہیں گزری کوئی اُمت ﴿اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے پہلے مختلف علاقوں اور قوموں کی طرف رب تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بعد اب قیامت تک کوئی سچا نبی دنیا کے کسی خطے میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اصلی شکل میں موجود ہے۔ اگرچہ اہل بدعت نے خرافات اور بدعات داخل کر کے دین کا نقشہ بدل دیا ہے مگر اصل دین بھی تمھیں ہر جگہ ملے گا۔ باقی یہ تمھاری کمزوری ہے کہ تم ناک کی خاطر، اپنی برادری کی خاطر، دین سے پیٹھ پھیر کر بدعات کے پیچھے بھاگتے ہو۔ بتانے والے، سنت سے آگاہ کرنے والے، بدعت سے روکنے والے علمائے حق موجود ہیں۔ اسی واسطے حدیث پاک میں آیا ہے: عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ "میری اُمت کے حق گو علماء وہ کام کریں گے جو بنی اسرائیل کے انبیائے کرام نے کیا ہے۔"

فرمایا ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ﴾ اور اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ ﴿فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تو تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ آئے ان کے پاس رسول ان کے، واضح دلائل کے ساتھ، معجزات لے کر آئے ﴿وَبِالزُّبُرِ﴾۔ زبور کی جمع ہے اور صحیفے لے کر آئے ﴿وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ﴾ اور ایسی کتاب لے کر آئے جو روشنی پہنچانے والی تھی مگر انھوں نے ان کو جھٹلایا اور سورہ سبا آیت نمبر ۳۱ میں تم پڑھ چکے ہو کہ کافروں نے کہا ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ "ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لاتے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر۔" ﴿ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پھر پکڑا ہم نے ان لوگوں کو جو کافر تھے ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ پھر کس طرح تھا میرا انکار کرنا (اور کیسی سخت تھی میری سزا۔) جنھوں نے میری توحید کا انکار کیا، میری شریعت کا انکار کیا وہ میری گرفت سے بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کی گرفت سے بچائے۔ [آمین]

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اُتارتا ہے آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ﴾ پھر نکالے ہم نے اس پانی کے ذریعے ﴿ثَمَرٰتٍ﴾ پھل ﴿مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا﴾ مختلف ہیں رنگ ان کے ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ﴾ اور پہاڑوں میں سے ﴿جُدَدٌ﴾ ٹکڑے ہیں ﴿بِيْضٌ﴾ سفید ﴿وَّ

حُمْرٌ ﴾ اور سرخ ﴿ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا ﴾ مختلف ہیں رنگ ان کے ﴿ وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴾ اور کئی کوے کی طرح سیاہ بھی ہیں ﴿ وَمِنَ النَّاسِ ﴾ اور لوگوں میں سے بعض ﴿ وَالدَّوَآبِّ ﴾ اور چوپایوں میں سے ﴿ وَالْاَنْعَامِ ﴾ اور مویشیوں سے ﴿ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ﴾ مختلف ہیں رنگ ان کے ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح ﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ ﴾ پختہ بات ہے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ﴿ مِنْ عِبَادِهِ ﴾ اس کے بندوں میں سے ﴿ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ علماء اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴾ غالب ہے، بخشنے والا ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ ﴾ جو تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور قائم رکھتے ہیں نماز ﴿ وَاَنْفَقُوْا ﴾ اور خرچ کرتے ہیں ﴿ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ پوشیدہ اور ظاہر ﴿ يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً ﴾ اُمید رکھتے ہیں تجارت کی ﴿ لَّنْ تَبُوْرَ ﴾ جو کبھی تباہ نہیں ہوگی ﴿ لِيُوَفِّيَهُمْ ﴾ تاکہ پورا پورا دے ان کو ان کا رب ﴿ اُجُوْرَهُمْ ﴾ ان کے اجر ﴿ وَيَزِيْدَهُمْ ﴾ اور تاکہ زیادہ دے ان کو ﴿ مِّنْ فَضْلِهٖ ﴾ اپنے فضل سے ﴿ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴾ بے شک وہ بخشنے والا، قدردان ہے ﴿ وَالَّذِيْٓ ﴾ اور وہ چیز ﴿ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ جو ہم نے وحی کی آپ کی طرف ﴿ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ کتاب سے ﴿ هُوَ الْحَقُّ ﴾ وہ حق ہے ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے کتابیں ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ بِعِبَادِهٖ ﴾ اپنے بندوں سے ﴿ لَخَبِيْرٌ ﴾ خبردار ہے ﴿ بَصِيْرٌ ﴾ دیکھنے والا ہے۔

ربطِ آیات :

کل کے سبق میں تم نے پڑھا ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ﴾ "اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کی طرف۔" چاہے کوئی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہو، امیر ہو یا غریب اور کسی بھی جگہ کے رہنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ اس کی صفت ہے ﴿ الصَّمَدُ ﴾ وہ کسی کا محتاج نہیں اس کے سارے محتاج ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ اے انسان! کیا تو دیکھتا نہیں ہے ﴿ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی۔ رب تعالیٰ نے بارش نازل کی اس کے بغیر کوئی اور بارش نازل نہیں کر سکتا۔ ہاں! استدراج کے طور پر دجال بارش برسائے گا مگر ہوگی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ یہ لوگوں کا امتحان ہوگا۔

استدراجِ دجالی :

احادیث میں آتا ہے کہ دجال لعین جادو کے ذریعے بہت کچھ کرے گا مگر وہ اپنی آنکھ صحیح نہیں کر سکے گا۔ اس کی ایک

آنکھ اُبھری ہوئی ہوگی اس میں بینائی نہیں ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے بھی پیغمبر دنیا میں آئے انھوں نے اپنی قوم کو مسیح دجال سے آگاہ کیا مگر میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں جو پہلے کسی پیغمبر نے نہیں بتلائی۔ بخاری شریف کی روایت ہے دجال اَعْوَر کانا ہوگا وَ اِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ "اور بے شک تمھارا رب کانا نہیں ہے۔" یہ موٹی نشانی یاد رکھنا! مغالطہ نہ کھانا۔ دجال بڑے کرتب دکھائے گا لوگ کہیں گے ہم اس وقت بارش کو ترس رہے ہیں ہمیں بارش چاہیے۔ وہ اپنے جادو کے زور سے ہواؤں کو اکٹھا کر کے بادل کے ٹکڑے بنائے گا ان کے درمیان سے بارش ہوگی۔ کہے گا بارش ہوگئی۔ لوگ کہیں گے ہم محتاج ہیں ہمیں مال چاہیے۔ زمین پر پاؤں مارے گا سونا نکلے گا، چاندی نکلے گی، کہے گا پکڑلو۔ سطحی قسم کے لوگ اس قسم کی چیزیں دیکھ کر اس کو رب مانیں گے کہ یہی رب ہے۔ اور جو دجال کی ربوبیت کا انکار کریں گے دجال ان کے سامان کو اشارہ کرے گا گھر کا سارا سامان اس کے ساتھ چل پڑے گا۔ گھر ہتھیلی کی طرح صاف ہوجائے گا۔

پوچھنے والے نے سوال کیا حضرت! اس وقت مومن کیا کھائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو پکے مومن ہوں گے ان کے لیے سبحان اللہ کہنا ہی کھانا ہوگا۔ مومن ایک دفعہ سبحان اللہ کہے گا یوں سمجھو کہ اس نے ایک روٹی کھالی ہے۔ دو دفعہ سبحان اللہ کہے گا تو دو روٹیوں کی طاقت اس کو مل جائے گی۔ اور جو کمزور مومن ہوں گے وہ بھوک کی وجہ سے ہاتھ زمین پر ماریں گے۔ مٹھی مٹی کی منہ میں ڈالیں گے وہ شکر بن جائے گی۔ ریت کی مٹھی منہ میں ڈالیں گے وہ شکر بن جائے گی۔ رب تعالیٰ مٹی اور ریت کو شکر بنا دے گا۔ تو دجال مسمر یزم کے ذریعے بہت کچھ کرے گا۔ ساری دنیا پھرے گا مگر چند مقامات پر اس کے ناپاک قدم نہیں جاسکیں گے۔ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ شہر میں داخل نہیں ہوسکے گا بیت المقدس اور کوہ طور پر نہیں جاسکے گا۔ وہ جادو کے ذریعے جو کچھ کرے گا یہ رب تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوگی۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ "اے اللہ میں مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔" دنیا کی ابتدا سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

تو فرمایا اے انسان! تو نے دیکھا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ﴾۔ ثمرات ثَمَرَةٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ پھل ہے۔ پس نکالے ہم نے اس پانی کے ذریعے ایسے پھل ﴿مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا﴾۔ الوان جمع ہے لون کی۔ لون کا معنیٰ ہے رنگ۔ معنیٰ ہوگا مختلف ہیں رنگ ان پھلوں کے۔ کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی سیاہ، کوئی گرم، کوئی سرد۔ رنگ بھی جدا جدا، اثرات بھی جدا جدا، شکلیں بھی جدا جدا۔ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ﴾۔ جُدَدٌ جُدٌّ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے ٹکڑا۔ اور بِيْضٌ بَيْضَاء کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے سفید۔ ﴿وَّحُمْرٌ﴾۔ حَمْرَاء کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سرخ۔ تو معنیٰ ہوگا پہاڑوں میں سے جو رب تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں کچھ ٹکڑے سفید ہیں کچھ سرخ ہیں ﴿مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا﴾ ان کے رنگ مختلف ہیں۔ بعض اعلیٰ درجے کے سفید ہیں بعض ادنیٰ درجے کے سفید ہیں۔ اسی طرح سرخ بھی کہ بعض بہت سرخ ہیں اور بعض تھوڑے ہیں۔ تو یہ سرخ و سفید پہاڑ کس نے پیدا کیے ہیں؟

﴿وَغَرَابِيبُ سُودٌ﴾ ۔غرابیب، غُرَابٌ کی جمع ہے۔غراب کوے کو کہتے ہیں اور کوا سیاہ ہوتا ہے۔آج ہم بھی کوے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کالا کوا۔اور سُوْدٌ سَوَادٌ کی جمع ہے۔اس کا معنیٰ ہے کالا۔تو بعض پہاڑ ایسے ہیں جو کوے کی طرح سیاہ ہیں یعنی اعلیٰ درجے کے سیاہ ہیں ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ اور انسانوں میں سے بھی ﴿وَالدَّوَآبِّ﴾ ۔دَوَاب ، دَابَّةٌ کی جمع ہے چوپائے۔اس میں کتا، بلی، گدھا، گھوڑا سب آ گئے۔اور دَابَّہ کا معنیٰ چلنے والا بھی ہے۔تو پھر اس میں کیڑے مکوڑے بھی آ گئے ﴿وَالْأَنْعَامِ﴾ ۔یہ نَعَم کی جمع ہے۔اس کا معنیٰ مویشی یعنی وہ جانور جو لوگ گھروں میں رکھتے ہیں۔اس میں اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکرا، بکری، بھیڑ وغیرہ آ گئے۔

سورۃ الانعام میں ان جانوروں کا ذکر ہے۔یہ جانور بھی رب تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں۔ان جانوروں سے تم فائدہ اُٹھاتے ہو۔کسی کی پشم سے، کسی کے دودھ سے اور گھی سے، کسی کی سواری سے، یہ سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں۔لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو گائے کی پوجا کرتے ہیں اور آج کلمہ پڑھنے والوں میں بھی ایسوں کی کمی نہیں ہے۔گوجرانوالا شہر میں تمھیں کافی مقدار میں آوارہ گائیں پھرتی ملیں گی۔وہ جاہل قسم کے لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر چھوڑی ہوئی ہیں ان کا مالک کوئی نہیں ہوتا۔پیدا رب کرے اور وقف اوروں کے نام پر ہوں کتنا بڑا ظلم ہے؟ تو فرمایا انسانوں میں سے چوپائیوں میں سے مویشیوں میں سے ﴿مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ﴾ مختلف ہیں رنگ ان کے۔ کالے، گورے، سپید، سرخ، جس طرح انسانوں میں ہیں اسی طرح جانوروں میں بھی ہیں۔یہ رنگ بھرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ لوگ ابھی عالم ارواح میں تھے اور اس جہان میں نہیں آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر دست قدرت پھیرا۔دائیں طرف چیونٹیوں کی طرح مخلوق نکل آئی۔پھر بائیں طرف ہاتھ پھیرا چیونٹیوں کی طرح مخلوق نکل آئی۔آدم علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! یہ کیا چیزیں ہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یہ آپ کی نسل ہیں۔فرمایا یہ دائیں طرف والے اصحاب الیمین ہیں اور بائیں طرف والے اصحاب الشمال ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو کوئی موٹا ہے، کوئی پتلا ہے، کوئی کسی شکل کا ہے اور کوئی کسی شکل کا۔عرض کیا اے پروردگار! هَلَّا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ "آپ نے اپنے بندوں کو ایک جیسا کیوں نہ کر دیا۔" رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میرا شکر ادا ہوتا رہے۔بڑے قد والا چھوٹے قد والے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا کہ آپ نے مجھے بڑا قد عطا فرمایا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ایک جگہ بہت سارے لوگ جمع تھے مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، میلہ لگا ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے لوگ کیوں جمع ہیں؟ لوگوں نے بتایا حضرت! ایک آدمی ہے اس کا قد ایک بالشت ہے لیکن ڈاڑھی اس کی گھٹنے تک ہے اور لوگ اُس کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر باوضو رہتے تھے اور حدیث پاک میں آتا ہے: لَا یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ "مومن ہی وضو کی حفاظت کرتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھا تو فوراً سجدے میں گر پڑے۔ فرمایا اے پروردگار! اگر میرا قد بھی اتنا بنا دیتا تو میں بھی لوگوں کے لیے وجہ تضحیک ہوتا۔ اسی طرح اچھی شکل والا آدمی، بری شکل والے کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرے گا، صحت مند بیمار کو دیکھ کر شکر ادا کرے گا، امیر غریب کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرے گا۔ غریب حیوان کو دیکھ کر شکر ادا کرے گا کہ اے پروردگار! تو نے مجھے انسان بنایا ہے۔ اس لیے سب کو ایک جیسا نہیں بنایا کہ میرا شکر ادا ہوتا رہے اور جو شکر ادا نہیں کرتا وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ ظفر مرحوم جو دلّی کا آخری بادشاہ تھا اس کا شعر ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

جو عیش میں خدا کو بھول جائے اور طیش میں خوف خدا سے بے نیاز ہو جائے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ عیش میں خدا کا شکر ادا کرے اور طیش میں خدا کا خوف سامنے رہے کہ وہ مجھ پر قادر ہے وہ مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔

تو فرمایا مختلف ہیں رنگ ان کے ﴿ کَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی سرخ ہے۔ ﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ پختہ بات ہے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں جو اس کو جانتے ہیں۔

علماء سے مراد یہ نہیں ہے کہ جن کے پاس ڈگری ہے، سند ہے بلکہ مراد وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ ان کو رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو قادر المطلق ہے، اس نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہ ہمارا مالک ہے، مختار ہے۔ رب تعالیٰ سے ڈرتے وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے چاہے پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ ہوں۔ زبانی زبانی لا الہ الا اللہ کہنے کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بعض اَن پڑھ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اتنے سخت ہوتے اور عقیدے کے اتنے پختہ ہوتے ہیں جتنا مرضی کوئی ان کو عقیدے سے ہلائے، نہیں ہلتے اور بعض پڑھے لکھے لوٹے کی طرح گھومتے ہیں کہ جہاں سے مطلب حاصل ہوا وہاں چلے گئے۔

فرمایا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے، بخشنے والا ہے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ ﴾ بے شک وہ لوگ جو تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی۔ یاد رکھنا! بے شک ورد وظیفے سب اپنے مقام پر حق ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَر، درود شریف، توبہ استغفار، پہلا کلمہ، دوسرا کلمہ، تیسرا کلمہ، جتنے کلمات ہیں سب حق ہے۔ لیکن جتنا ثواب قرآن پاک کی تلاوت کا ہے وہ اور کسی شے کا نہیں ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت سب سے بڑا وظیفہ ہے۔ اگر کوئی کند ذہن ہے زبان اچھی طرح نہیں چلتی پھر بھی کم از کم ایک پارہ روزانہ ضرور پڑھے کیا مرد کیا عورتیں۔

فرمایا جو لوگ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں ﴿ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور قائم رکھتے ہیں نماز۔ ان کی نماز فوت نہیں ہوتی چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں، بیمار ہوں یا تندرست، خوشی ہو یا غمی، نماز پابندی سے پڑھتے ہیں ﴿ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ اور

خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے۔ رب تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجدیں بنواتے ہیں، مدرسے بنواتے ہیں، دینی طلبہ کی خدمت کرتے ہیں، یتیموں کی امداد کرتے ہیں ﴿سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ پوشیدہ اور ظاہر۔ مخفی طور پر بھی خرچ کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے دیتے ہیں بائیں کو علم نہیں ہوتا اور مقام اگر علانیہ دینے کا ہو تو علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں۔ ﴿يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ﴾ اُمید رکھتے ہیں ایسی تجارت کی جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ وہ اس طرح کہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملے گا اور فی سبیل اللہ کی مد میں جو خرچ کریں گے تو ایک کا سات سو گنا ملے گا۔ یہ ایسی تجارت ہے کہ خسارے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ دنیا کی تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی لیکن یہ ایسی تجارت ہے کہ جس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے دس نیکیاں نقد مل گئیں اور اگر فی سبیل اللہ کے سفر میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہے تو سات سو نیکیاں مل گئیں نقد۔

تو فرمایا وہ ایسی تجارت کی اُمید رکھتے ہیں جو کبھی ہلاک نہیں ہوگی ﴿لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا دے ان کا اجر ﴿وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور زیادہ دے ان کو اپنے فضل سے۔ دیکھو! چاہیے تو یہ تھا ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے ایک نیکی ملتی لیکن اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے نو مزید دیتا ہے۔ اگر فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کرے تو ایک نیکی تو اس نے اپنی طرف سے کی چھ سو ننانوے اپنے پاس سے دیتا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے ﴿اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ بے شک وہ بخشنے والا ہے، قدر دان ہے ﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ اور وہ جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف ﴿مِنَ الْكِتٰبِ﴾ کتاب ﴿هُوَ الْحَقُّ﴾ وہ حق ہے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی۔ تورات، انجیل، زبور کی، اور دوسرے صحیفوں کی۔ اس کو پڑھو، سمجھو اور اس پر عمل کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خبردار ہے، دیکھنے والا ہے۔

~~~

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ﴾ پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ﴿الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اصْطَفَيْنَا﴾ جن کو ہم نے منتخب کیا ﴿مِنْ عِبَادِنَا﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿فَمِنْهُمْ﴾ پس ان میں سے بعض ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ ظلم کرنے والے ہیں اپنی جان پر ﴿وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ اور بعض ان میں سے میانہ روی کرنے والے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ﴾ اور بعض ان میں سے ﴿سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ﴾ سبقت کرنے والے ہیں بھلائیوں میں ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ یہی ہے بہت بڑا فضل ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغات ہیں ﴿يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ داخل ہوں گے ان باغات میں ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا﴾ پہنائے جائیں گے ان کو ان باغات میں ﴿مِنْ اَسَاوِرَ﴾ کنگن ﴿مِنْ ذَهَبٍ﴾ سونے کے ﴿وَّلُؤْلُؤًا﴾ اور ہار موتیوں کے ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا﴾ اور ان کا لباس ان باغات میں ﴿حَرِيْرٌ﴾ ریشم کا ہوگا ﴿وَقَالُوا﴾ اور وہ کہیں گے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِيْٓ﴾ وہ ﴿اَذْهَبَ﴾
~~~

﴿عَنَّا الْحَزَنَ﴾ جس نے دور کیا ہم سے غم ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ بے شک ہمارا رب البتہ بخشنے والا ہے، قدر دان ہے ﴿الَّذِيْٓ﴾ وہ ذات ﴿اَحَلَّنَا﴾ جس نے اُتارا ہمیں ﴿دَارَ الْمُقَامَةِ﴾ ٹھہرنے کی جگہ میں ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اپنے فضل سے ﴿لَا يَمَسُّنَا﴾ نہیں پہنچتی ہمیں ﴿فِيْهَا﴾ اس میں ﴿نَصَبٌ﴾ کوئی مشقت ﴿وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا﴾ اور نہیں پہنچتی ہمیں اس میں ﴿لُغُوْبٌ﴾ کوئی تھکاوٹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ﴾ ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے ﴿لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ﴾ نہیں فیصلہ کیا جائے گا ان کے بارے میں ﴿فَيَمُوْتُوْا﴾ کہ وہ مرجائیں ﴿وَلَا يُخَفَّفُ﴾ اور نہ ہلکا کیا جائے گا ﴿عَنْهُمْ﴾ ان سے ﴿مِّنْ عَذَابِهَا﴾ اس کے عذاب سے ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیں گے ہر کافر کو ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ اور وہ چیخیں ماریں گے اس میں ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اَخْرِجْنَا﴾ نکال ہمیں یہاں سے ﴿نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ کہ ہم عمل کریں اچھے ﴿غَيْرَ الَّذِيْ﴾ ان کے علاوہ ﴿كُنَّا نَعْمَلُ﴾ جو ہم عمل کرتے تھے ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ﴾ کیا ہم نے عمر نہیں دی تھی تم کو ﴿مَّا﴾ اتنی ﴿يَتَذَكَّرُ فِيْهِ﴾ جس میں نصیحت پکڑتے ﴿مَنْ تَذَكَّرَ﴾ جو نصیحت پکڑنا چاہے ﴿وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ اور آیا تمھارے پاس ڈرانے والا ﴿فَذُوْقُوْا﴾ پس چکھو تم ﴿فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ پس نہیں ہے ظالموں کے لیے ﴿مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ کوئی مددگار۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ﴾ پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا یعنی قرآن کریم کا ﴿الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا﴾ ان لوگوں کو جن کو ہم نے منتخب کیا ﴿مِنْ عِبَادِنَا﴾ اپنے بندوں میں سے۔ یہ اُمت تمام اُمتوں میں سے بہترین اُمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] "تم سب سے بہتر اُمت ہو ظاہر کیے گئے ہو لوگوں کی اصلاح کے لیے۔" مگر افسوس ہے کہ یہ نکتہ اور سبق آج مسلمان کو بھول گیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کاروبار کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ کاروبار تو ضمنی اور بالتبع ہے کرتا رہے کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کو مقصود بالذات نہ بنائے۔ تو فرمایا پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے منتخب کیا اپنے بندوں میں سے۔

انسانوں کے تین طبقات

پھر ان کی تین قسمیں ہیں ﴿فَمِنْهُمْ﴾ ایک تو ان میں سے وہ ہیں ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ جو اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ نہ اس کتاب کو پڑھا، نہ سمجھا، نہ عمل کیا، نہ اس کے مطابق عقیدہ بنایا۔ یہ پرلے درجے کے ظالم ہیں اور اکثریت ان ظالموں کی

ہے۔ ﴿وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ اور دوسرا گروہ ان میں سے وہ ہے جو درمیانی چال چلنے والا ہے۔قرآن کریم کبھی پڑھ لیا کبھی نہ پڑھا، کچھ چیزوں پرعمل کرلیا کچھ کو چھوڑ دیا۔ ﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ﴾ اور تیسرا گروہ ان میں سے وہ ہے جو سبقت کرنے والے ہیں بھلائیوں میں۔نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔قرآن کریم پڑھتا بھی ہے اور پڑھاتا بھی ہے۔اس کے مطابق عقیدہ اور عمل بھی ہے اور اس کے مطابق زندگی گزارتا ہے ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ رب تعالیٰ کے اذن کے ساتھ، رب تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ۔ ذاتی کوئی کمال نہیں ہے۔اور رب تعالیٰ توفیق اسے ہی دیتا ہے جو اس کی طرف قدم اُٹھائے۔اور جو گمراہی سے نہ نکلنا چاہے تو جبرا اس کو نہیں نکالتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ضابطہ بیان فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [رعد:۱۱] "بے شک اللہ تعالیٰ نہیں تبدیل کرتا کسی قوم کی حالت یہاں تک کہ وہ تبدیل کریں جو کچھ ان کے نفسوں میں ہے۔" مولانا ظفر علی خاں نے اسی آیت کا شعری ترجمہ یوں کیا ہے: ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

تو تیسرا طبقہ وہ ہے جو نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ پڑھتا بھی ہے، پڑھاتا بھی ہے، عمل بھی کرتا ہے، زندگی قرآن کے مطابق بسر کرتا ہے ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ یہ جو رب تعالیٰ نے کتاب کی وراثت تمھیں دی ہے یہ رب تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے مگر کوئی سمجھے تو۔آج کوئی کسی غریب آدمی کو ایک لاکھ روپیہ دے دے تو وہ اُچھلتا پھرے گا۔اور اگر کسی کو ایک کروڑ مل جائے تو وہ لڈیاں ڈالے گا۔اور اگر کسی کو ایک ارب مل جائے جائز طریقے سے تو میرے خیال میں اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔لیکن یقین جانو! قرآن کریم کی ایک ایک آیت کریمہ کے مقابلے میں ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا وارث بنایا ہے۔یہ ذٰلِكَ کا مُشارٌ اِلیہ وراثت ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جس نے تمھیں اس کتاب کا وارث بنایا ہے۔فضل کبیر کا مقام کیا ہوگا؟ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔دنیا کے باغ کبھی پھل لاتے ہیں اور کبھی پھل نہیں لاتے۔پھران کا پھل لانا موسم کا پابند ہے لیکن جنت کی یہ خصوصیت ہے ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [الواقعہ:۳۳] "نہ قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے۔" پھل توڑتے ہی دوسرا دانہ پہلے سے عمدہ لگ جائے گا کبھی ختم نہیں ہوں گے اور نہ کوئی روکے گا۔جو شخص جہاں سے چاہے کھائے اور جو چاہے کھائے ﴿يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ داخل ہوں گے ان باغات میں ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا﴾ پہنائے جائیں گے ان میں ﴿مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾۔ اَسَاوِر اَسْوِرَةٌ کی جمع ہے اور اَسْوِرَةٌ سِوَارٌ کی جمع ہے۔اس کا معنیٰ کنگن ہے۔وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ ﴿وَلُؤْلُؤًا﴾ اور ہار موتیوں کے۔

سراقہ بن مالک کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرنا

پہلے زمانے میں لوگ سونے کے کنگن پہنتے تھے یہ ان کے بڑے ہونے کی علامت ہوتی تھی۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کے لیے چلے۔ کافروں نے انعام مقرر کیا کہ ان کو زندہ پکڑ کے لاؤ یا ان کے سر لے کر آؤ۔ ایک کے بدلے سو سو اونٹ دیں گے۔ سراقہ بن مالک بن جعشم بڑا پہلوان قسم کا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ دو آدمیوں کا مارنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کے لیے چل پڑا۔ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیچھے گرد و غبار اُڑتا ہوا نظر آ رہا ہے لگتا ہے ہمارے پیچھے کوئی آدمی لگا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی پروا نہیں اللہ تعالیٰ ہمارا محافظ ہے۔ قریب آ کر کمان میں تیر رکھ کر چلانا چاہا مگر نہ چلا۔ اس کا گھوڑا سخت زمین میں دھنس گیا۔ پھر دوبارہ اس نے انعام کے لالچ میں تیر چلانا چاہا پھر اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا گھٹنوں تک۔ اب اس نے سفید چادر لہرائی کہ میری طرف سے تمھیں امان ہے تم مجھے صرف امان کا پروانہ دے دو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ پروانہ لکھنا جانتے تھے۔ چمڑے کے چھوٹے سے ٹکڑے پر لکھ دیا کہ سراقہ بن مالک کو امان ہے۔ تمھیں ہم کسی وقت بھی تکلیف نہ دیں گے۔ اس نے حفظ ماتقدم کے تحت یہ تحریر لکھوائی کہ ان کو ایک دن غلبہ تو حاصل ہو جانا ہے کہیں مجھے مار نہ ڈالیں۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سراقہ! آج دو سو اُونٹ کی خاطر ہمارا تعاقب کر رہے ہو کَیۡفَ اِذَا لَبِسۡتَ سَوَارِی کِسۡرٰی "وہ کیسی حالت ہوگی جب تو کسریٰ ایران کے کنگن پہنے گا۔"

جب ایران فتح ہوا دیگر سامان کے ساتھ کسریٰ کے کنگن بھی آئے۔ اس حدیث کی تعمیل کی خاطر مسجد نبوی میں تھوڑے سے وقت کے لیے کسریٰ کے کنگن انھوں نے پہنے۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے دنیا بھی دے گا اور آخرت بھی دے گا۔ سونا تو مردوں کے لیے حرام ہے اور گھڑی کا چین لوہے کا ہوتا ہے۔ گھڑی مرد بھی پہنتے ہیں اور عورتیں بھی پہنتی ہیں۔ اس کے متعلق بعض مولوی غلو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے پہنے ہوئے نماز جائز ہی نہیں ہے۔ لیکن نماز تو ہو جاتی ہے مگر مکروہ ہوتی ہے۔ لوہے کا چین ہو یا سٹیل کا ہو اس کا ویسے بھی پہننا مکروہ ہے۔ چمڑے کا ہو تو کوئی کراہت نہیں ہے ریکسین کی بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔ لوہے اور سٹیل کا چین مردوں اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے اور نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴾ اور ان کا لباس جنت میں ریشمی ہوگا ﴿ وَ قَالُوا ﴾ اور جنتی کہیں گے ﴿ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے دور کر دیئے ہم سے سارے غم۔ نہ وہاں بیماری کی پریشانی نہ موت کا ڈر، نہ چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ، نہ لڑائی جھگڑے کی پریشانی۔ دنیا میں قدم قدم پر پریشانیاں ہیں وہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی ﴿ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَكُوۡرُ ﴾ بے شک ہمارا رب البتہ بخشنے والا ہے، قدردان ہے۔ جس نے ہمارے برائے نام اعمال کی قدر کی ہے اور ہمیں بخش دیا اور جنت میں پہنچا دیا ہے ﴿ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ ﴾ وہ ذات جس نے ہمیں اُتارا ہے ٹھہرنے کی جگہ میں ﴿ مِنۡ فَضۡلِهٖ ﴾ اپنے فضل سے۔ یہ عمل تو صرف سبب ہیں جنت کا داخلہ تو صرف رب تعالیٰ کے فضل سے ہے مگر یہ فضل اس پر ہوگا جس کے پاس وہ عمل ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کوئی آدمی محض اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا

حضرت! ہمارے عمل تو کچھ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تو بڑے جان دار ہیں تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا: وَ لَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِفَضْلٍ مِّنْہُ وَ رَحْمَۃٍ "میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے مستغنی ہو کر جنت میں نہیں جا سکتا۔" عمل محض سبب ہے علت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل ہے۔ فرمایا﴿ لَا یَمَسُّنَا فِیْہَا نَصَبٌ ﴾ نہیں پہنچتی اس جنت میں ہمیں کوئی مشقت۔ کام کرتے ہوئے آدمی کو جو مشقت ہوتی ہے عربی میں اس کو نصب کہتے ہیں۔ وہاں تو کوئی کام ہی نہیں ہوگا مشقت کہاں سے ہوگی؟ ﴿ وَ لَا یَمَسُّنَا فِیْہَا لُغُوْبٌ ﴾ اور نہیں پہنچتی ہمیں اس میں کوئی تھکاوٹ۔ کام کرتے کرتے آدمی تھک جاتا ہے اس کو عربی میں لغوب کہتے ہیں۔ وہاں کوئی کام نہیں ہوگا تھکاوٹ کیسی؟

یہ تو مومنوں کا ذکر ہوا اب دوسروں کا حال بھی سن لو! ﴿ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿ لَہُمْ نَارُ جَہَنَّمَ ﴾ ان کے لیے دوزخ کی آگ ہوگی ﴿ لَا یُقْضٰی عَلَیْہِمْ فَیَمُوْتُوْا ﴾ نہیں فیصلہ کیا جائے گا ان کے بارے میں کہ وہ مر جائیں۔ کیوں کہ اگر ان کو مار دیا جائے تو سزا کون بھگتے گا؟ سورہ زخرف آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿ وَ نَادَوْا یٰمٰلِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ ﴾ "اور پکاریں گے دوزخ والے اور کہیں گے اے مالک! (یہ جہنم کے انچارج فرشتے کا نام ہے)۔ چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر آپ کا رب۔" تم درخواست کرو ہماری طرف سے کہ رب ہمیں ختم کر دے۔ ﴿ قَالَ اِنَّکُمْ مّٰکِثُوْنَ ﴾ "فرشتہ کہے گا بے شک تم رہنے والے ہو۔" تمھارے پاس رب تعالیٰ کے پیغمبر آئے، کتابیں آئیں، رب تعالیٰ نے تمھیں عقل دی، سمجھ دی لیکن تم نے کسی شے کو پسند نہ کیا لہٰذا اب بھگتو۔

فرمایا ﴿ وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْہُمْ مِّنْ عَذَابِہَا ﴾ اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب۔ ہلکا تو درکنار روز بروز عذاب میں اضافہ ہوگا بڑھتا جائے گا اور مومنوں کی لذتیں بڑھتی جائیں گی جب کہ ان کا عذاب بڑھتا جائے گا۔ فرمایا ﴿ کَذٰلِکَ نَجْزِیْ کُلَّ کَفُوْرٍ ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیں گے ہر کافر کو ﴿ وَ ہُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْہَا ﴾ اور وہ چیخیں ماریں گے دوزخ میں۔ جیسے کوئی حادثہ پیش آجائے تو بندے کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ چیخیں ماریں گے روئیں گے۔ اتنا روئیں گے کہ حدیث پاک میں آتا ہے ان کے رخساروں پر گڑھے پڑ جائیں گے آنسوؤں کے گرنے کی وجہ سے۔ کبھی تم نے پہاڑی سفر کیا ہو تو دیکھا ہوگا کہ اُوپر سے پانی گرتا ہے تو نیچے گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ ایک ایک مجرم اتنا روئے گا، اس کے آنسو اتنے ہوں گے کہ اس میں کشتی چل سکے گی۔ اور جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون جاری ہو جائے گا واویلا کریں گے اور کہیں گے ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا ﴾ اے ہمارے رب نکال ہمیں یہاں سے ﴿ نَعْمَلْ صَالِحًا ﴾ کہ ہم اچھے عمل کریں ﴿ غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ ﴾ ان کے علاوہ جو عمل ہم کرتے تھے۔ اب وہ عمل نہیں کریں گے۔ بھائی! اب یہ کہنے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا ﴿ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْکُمْ ﴾ کیا ہم نے عمر نہیں دی تھی تم کو ﴿ مَّا ﴾ اتنی ﴿ یَتَذَکَّرُ فِیْہِ ﴾ جس میں نصیحت پکڑتے ﴿ مَنْ تَذَکَّرَ ﴾ جو نصیحت پکڑنا چاہتا۔ عاقل بالغ ہونے کے بعد ہر آدمی دنیا کے کاموں کے متعلق بڑا سیانا ہے اور دین کے معاملے میں اُسے کوئی سمجھ نہیں ہے کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے، ایمان کیا ہے، کفر

کیا ہے؟ نیکی کیا ہے، بدی کیا ہے؟ توحید کیا ہے، شرک کیا ہے؟ سنت کیا ہے، بدعت کیا ہے؟ تمھیں عمر نہیں دی تھی اس میں سمجھ نہیں سکتے تھے؟ آج کہتے ہو کہ یہاں سے نکالو ﴿ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ﴾ اور آیا تمھارے پاس ڈرانے والا کہ ہمارے حق میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی ہیں۔

نذیر کی تفسیر ؟

اور یہ تفسیر بھی ہے کہ قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے عذاب سے ڈرایا ہے اور یہ تفسیر بھی ہے کہ رب تعالیٰ نے عقل دی ہے۔ عقل سب کے لیے نذیر ہے۔ اور یہ تفسیر بھی ہے کہ جب بندے کے سر اور ڈاڑھی میں ایک آدھ سفید بال آ جائے تو نذیر آ گیا ہے۔ سلف صالحین کی ڈاڑھی میں جب سفید بال آ جاتے تھے تو ان میں انقلاب پیدا ہو جاتا تھا کہ میں پہلی حالت میں نہ رہوں۔ جیسے آج کل جو صحیح حاجی ہوتے ہیں جب واپس آتے ہیں تو ان کی زندگی میں انقلاب ہوتا ہے اور جو رسمی ہوتے ہیں وہ جیسے گئے ویسے ہی آئے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ نذیر سے مراد پوتا پوتی ہے کہ جس وقت کسی کے ہاں پوتا پوتی ہو جائے تو اس کو از خود بستر اگول کرنا چاہیے۔ یہ ساری تفسیریں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بھی نذیر ہے، قرآن بھی نذیر ہے، بڑھاپا بھی نذیر ہے، پوتا پوتی بھی نذیر ہیں۔

تو فرمایا تمھارے پاس نذیر آیا تھا اب تمھاری کوئی بات نہیں سنی جائے گی ﴿ فَذُوْقُوْا ﴾ پس چکھو تم ﴿ فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴾ پس نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔ یہیں چیختے چلاتے رہو۔ یہاں سے نکلنا بالکل محال ہے، ممکن نہیں۔ رب تعالیٰ نے ہمیں قبل از وقت یہ باتیں بتلا کر سمجھا دیا ہے تا کہ ہم دوزخ سے بچیں اور جنت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ عٰلِمُ ﴾ جاننے والا ہے ﴿ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ ﴾ پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی ﴿ وَالْاَرْضِ ﴾ اور زمین کی ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک وہ ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ جانتا ہے ﴿ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ دلوں کے راز ﴿ هُوَ الَّذِيْ ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿ جَعَلَكُمْ ﴾ جس نے بنایا تم کو ﴿ خَلٰٓئِفَ ﴾ خلیفے ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ زمین میں ﴿ فَمَنْ كَفَرَ ﴾ پس جس نے کفر اختیار کیا ﴿ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ﴾ پس اسی پر اس کے کفر کا وبال پڑے گا ﴿ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے ﴿ كُفْرُهُمْ ﴾ ان کا کفر ﴿ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ان کے رب کے ہاں ﴿ اِلَّا مَقْتًا ﴾ مگر ناراضگی ﴿ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے ﴿ كُفْرُهُمْ ﴾ ان کا کفر ﴿ اِلَّا خَسَارًا ﴾ مگر نقصان ﴿ قُلْ ﴾ (اے پیغمبر علیہ السلام!) آپ کہہ دیں ﴿ اَرَءَيْتُمْ ﴾ مجھے بتلاؤ ﴿ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ ﴾ تمھارے وہ شریک ﴿ تَدْعُوْنَ ﴾ جن کو تم پکارتے ہو ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿ اَرُوْنِيْ ﴾ مجھے دکھلاؤ ﴿ مَاذَا خَلَقُوْا ﴾

کیا انھوں نے پیدا کیا ہے ﴿ مِنَ الْاَرْضِ ﴾ زمین میں ﴿ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ ﴾ کیا ان کے لیے شراکت ہے ﴿ فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ آسمانوں میں ﴿ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا ﴾ یا ہم نے ان کو دی ہے کتاب ﴿ فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ﴾ پس وہ کھلی دلیل پر ہیں اس سے ﴿ بَلْ ﴾ بلکہ ﴿ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ نہیں وعدہ کرتے ظالم ﴿ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ﴾ بعض بعض سے ﴿ اِلَّا ﴾ مگر ﴿ غُرُوْرًا ﴾ دھوکے کا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ ﴾ روکتا ہے آسمانوں کو ﴿ وَالْاَرْضَ ﴾ اور زمین کو ﴿ اَنْ تَزُوْلَا ﴾ کہ وہ ٹل جائیں اپنی جگہ سے ﴿ وَلَئِنْ زَالَتَآ ﴾ اور اگر وہ ٹل جائیں ﴿ اِنْ اَمْسَكَهُمَا ﴾ نہیں ان کو روک سکتا ﴿ مِنْ اَحَدٍ ﴾ کوئی ایک ﴿ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ٹالنے کے بعد ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ بے شک وہ تحمل کرنے والا ہے، بخشنے والا ہے۔

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے :

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے مسئلہ توحید۔ توحید کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کرنا کہ وہ اپنی ذات میں اور صفات میں اور اپنے کاموں میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ رب جیسا کوئی رب ہے اور نہ رب والی صفات کسی میں ہیں، نہ رب جیسے کوئی کام اور کر سکتا ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ خدائی اختیارات صرف اسی کے پاس ہیں۔ اس کی صفات میں سے ایک علم غیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کا علم کسی کو نہیں ہے۔ بعض جاہل قسم کے لوگ علم غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں کرتے۔ اَنْبَآء نَبَأٌ کی جمع ہے۔ نَبَاءٌ کا معنیٰ ہے خبر۔ تو اَنْبَآءُ الْغَيْبِ کا معنیٰ ہوگا غیب کی خبریں۔ اور علم غیب کا معنیٰ ہے غیب کا علم کہ غیب کا کوئی ذرہ اس سے اوجھل نہ ہو۔ تو غیب کا علم اور چیز ہے اور غیب کی خبریں اور چیز ہے۔ غیب کی خبریں کتنی بے شمار کیوں نہ ہوں وہ محدود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۴ پارہ نمبر ۳ میں ہے ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ﴾ "یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کی آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" اور سورہ ہود آیت نمبر ۴۹ پارہ نمبر ۱۲ میں ہے ﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ﴾ "یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتلاتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنی غیب کی خبریں دی ہیں؟ اس کا ہمارے پاس کوئی معیار اور شمار نہیں ہے۔ وہ دینے والا جانے اور خبریں حاصل کرنے والا جانے مگر ہیں محدود۔ اور علم غیب کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہ ہو۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے کہ جو ذرے ذرے کو جانتا ہے۔ بعض جاہل قسم کے لوگ انباء الغیب میں سے کچھ خبریں بیان کر کے کہتے ہیں دیکھو جی! یہ غیب ہے کہ نہیں۔ بھئی! وہ غیب کی خبریں ہیں غیب نہیں ہے۔ تو دونوں کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ عالم الغیب کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رافضیوں کے رد میں تصانیف

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک مولوی کا سر پھر گیا۔ (اللہ کرے مولوی کا سر نہ پھرے وہ بڑوں کا سر پھیر دیتا ہے۔) اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ عالم الغیب تو وہ ہوتا ہے جس سے کوئی چیز غائب ہو اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ یہ بات تو صحیح تھی کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ مقامی علماء نے اس کو سمجھایا مگر جب آدمی ضد پر اُتر آئے، انا کا مسئلہ بنالے، ذاتیات آجائیں یا مالی مفاد ہو تو بات سمجھ نہیں آتی اور سمجھ آ بھی جائے تو مانتا نہیں ہے۔ مقامی علماء نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا بڑا طویل خط ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ ہمارے علاقے میں ایک بڑا سیانا اور باتونی مولوی ہے وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب نہ کہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خط پڑھا تو بے اختیار رگِ فاروقی حرکت میں آئی۔ کیوں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فاروقی نسل سے تھے سید نہیں تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے:

اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ. "باپ کے اثرات اولاد میں ہوتے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ وہ نسلی شدت، دینی سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں بھی تھی۔ ایسا عالم ہندوستان میں ان کے بعد پیدا نہیں ہوا۔ مگر حق گوئی کا بدلہ ظالموں نے یہ دیا کہ ان کی انگلیاں کاٹ دیں۔

وہ اس طرح کہ شاہ صاحب نے دو کتابیں لکھیں ایک "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" یعنی "آنکھوں کی ٹھنڈک شیخین کی فضیلت بیان کرنے میں ہے۔" شیخین سے مراد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور دوسری کتاب "ازالۃ الخفا عَنْ خلافۃ الخلفآء" بڑی علمی کتاب ہے۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل اس قدر بیان کیے ہیں کہ اگر آدمی ضدی نہ ہو تو مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔ نجف علی خان رافضی شیعہ خبیث جو دلی کا حکمران تھا اس نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی انگلیاں کٹوا دی تھیں کہ ان ہاتھوں کے ساتھ تم نے یہ کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفہ اثناء عشریہ" لکھی تو ان کو دلی سے نکلوا دیا۔ کچھ عرصہ رام پور میں بیمار رہے، کبھی کہیں اور کبھی کہیں رہے۔ یہ رافضی انتہائی دہشت گرد فرقہ ہے رب کی پناہ! اس وقت ایران پورا زور لگا رہا ہے کہ پاکستان سارا رافضی بن جائے۔

تو خیر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل خط لکھا۔ اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی صفت عالم الغیب والشہادہ بیان فرمائی ہے۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت عالم الغیب والشہادہ بیان ہوئی ہے اور امت کے اجماع سے اللہ تعالیٰ کی صفت عالم الغیب والشہادہ ثابت ہے۔ اور یہ تینوں دلائل قطعی ہے ان کا منکر یا ان میں ہیرا پھیری کرنے والا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ فرمایا مولوی صاحب کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ عالم الغیب کا معنیٰ ہے جو رب سے غیب ہے رب اس کو جانتا ہے اور رب تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ حالاں کہ عالم الغیب کا معنیٰ ہے

ما غاب عن الخلق جومخلوق سے غائب ہے رب اس کو جانتا ہے والشھادہ اور جومخلوق کے سامنے ہے رب اس کو بھی جانتا ہے۔توغیب کا معنیٰ ہے ما غاب عن العباد ،ما غاب عن الخلق، ما غاب عن الناس۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو چیزیں آسمانوں میں چھپی ہوئی ہیں اور جو زمین میں چھپی ہوئی ہیں ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ خوب جانتا ہے دلوں کے راز۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ﴾ جس نے بنایا تم کو خلیفے زمین میں۔زمین میں خلیفہ بننے کا ایک مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا کہ تم دنیا میں رہ کر میرے احکام نافذ کرو اور تم یکے بعد دیگرے ان کے خلیفے ہو۔اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے کے لیے تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد مکلّف ہے،رب تعالیٰ کے احکام پہنچانے کی۔اور خَلٰٓئِفَ کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ تمھارا دادا تھا وہ فوت ہوا تمھارا والد ان کا خلیفہ ہوگا۔وہ فوت ہوگا تم اس کے خلیفہ ہو گے۔اور تم فوت ہو گے تمھاری اولاد تمھارے خلیفے ہوں گے۔ دونوں تفسیریں صحیح ہیں۔

﴿فَمَنْ كَفَرَ﴾ پس جس نے کفر اختیار کیا ﴿فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ﴾ پس اُسی پر پڑے گا اس کے کفر کا وبال۔یہ کفر کا وبال وہی بھگتے گا رب تعالیٰ کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟ ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ﴾ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے ان کا کفر ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا﴾ ان کے رب کے ہاں مگر ناراضگی۔سورہ زمر آیت نمبر ۷ پارہ نمبر ۲۳ میں ہے ﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ "اور نہیں راضی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر پر۔" جوں جوں کوئی آدمی کفر میں آگے جائے گا رب تعالیٰ کی ناراضگی بھی بڑھتی جائے گی مگر وہ اسلام کے لیے کسی پر جبر نہیں کرتا اور نہ کفر کے لیے۔بلکہ اس نے انسان کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لے آئے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" جو شخص جس راستے پر اپنی مرضی سے چلنا چاہے رب تعالیٰ چلا دیتا ہے۔ ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے جس طرف اس نے رخ کیا۔" جدھر کوئی چلے گا رب تعالیٰ اس کو ادھر ہی چلا دے گا۔

تو فرمایا نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے رب کے ہاں مگر ناراضگی ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا﴾ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے ان کا کفر مگر نقصان۔کفر نرا خسارے کا سودا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔یہ مشرک لوگ مشکل اور پریشانی میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو کوئی کہتا ہے يَا لَاتُ اَغِثْنِيْ ،کوئی کہتا ہے يَا مَنَاتُ اَغِثْنِيْ ،کوئی کہتا ہے يَا عُزّٰى اَغِثْنِيْ ۔"اے لات میری مدد کر،اے منات میری مدد کر،اے عزیٰ میری مدد کر۔" یہ ان کو حاجت روا،مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں،فریاد رس سمجھ کر پکارتے ہیں کیا ان کا خدائی میں کوئی حصہ ہے۔اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ اَيْ اَخْبِرُوْنِيْ﴾ تم مجھے خبر دو، بتلاؤ ﴿شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تمھارے وہ شریک جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو یا جبرئیل کہہ کر، یا میکائیل کہہ کر، یا اسرافیل کہہ کر، پیغمبر کو پکارتے ہو یا رسول اللہ کہہ کر، اے رسول میری مدد کر۔

یارسول اللہ کہنے کا حکم

ایک ہے محبت سے یارسول اللہ کہنا۔اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ایک ہے مدد مانگنے کے لیے کہنا۔یہ شرک ہے۔احمد رضا خان صاحب یارسول اللہ کا یہی معنیٰ کرتے ہیں۔

اُٹھتے بیٹھتے مدد کے واسطے یارسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا

ہم اُٹھتے بیٹھتے مدد کے واسطے یارسول اللہ! کہہ کر مدد مانگتے ہیں اے وہابی نجدی! تجھے کیا تکلیف ہے؟ (تکلیف یہ ہے تو جہنم میں جلے گا اس سے بچ جا۔) لفظ 'یا' کے متعلق سمجھ لیں کہ یہ ہر وقت حاضر وناظر کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ کبھی محبت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔مثلاً: کوئی آدمی راستے پر چلتے ہوئے ٹھوکر لگنے سے گر جائے تو کہتا ہے اوماں! ہائے بے بے! وہاں ماں تو اس کی نہیں کھڑی، پیار ہوتا ہے ماں کے ساتھ،طبعی محبت ہے تو دکھ تکلیف میں یاد آتی ہے کہ یہاں ہوتی تو میرا ہاتھ پکڑتی۔تو "یا" کے لفظ کی وجہ سے دھوکا نہ کھانا کہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ حاضر وناظر ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے،حاشا وکلا۔مثلاً: دیکھو! امام پڑھتا ہے ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ تو سارے کافر محراب میں تو اکٹھے نہیں ہوئے۔یہ ندائے قریب کے لیے بھی آتا ہے اور ندائے بعید کے لیے بھی آتا ہے۔ہاں مدد کے ارادے سے پکارو گے تو شرک ہوگا کہ

اُٹھتے بیٹھتے مدد کے واسطے یارسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا

اس سے بڑا شرک کیا ہے؟ تو فرمایا بتلاؤ تمھارے شریک جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو ﴿اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ مجھے دکھلاؤ انھوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین سے۔ پہاڑ پیدا کیا ہے،کوئی دریا پیدا کیا ہے،کوئی ٹیلا،کوئی درخت پیدا کیا ہے،کیا چیز بنائی ہے؟ ﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ یا ان کی شراکت ہے آسمانوں میں۔پہلا آسمان بنایا ہے دوسرا آسمان بنایا ہے،تیسرا بنایا ہے،آسمان کا کوئی مشرقی یا مغربی حصہ بنایا ہے؟ مجھے بتلاؤ تو سہی ان کے اختیار میں کیا ہے کہ تم ان کو حاجت روا،مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہو۔ستارے بنائے ہیں،سورج بنایا ہے،کون سی چیز بنائی ہے؟ ﴿اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا﴾ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے ﴿فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ﴾ پس وہ کھلی دلیل پر ہیں کہ غیروں کو پکارو کہ وہ حاجت روا ہیں،مشکل کشا ہیں،فریادرس اور دستگیر ہیں کوئی کتاب خدا کی طرف سے ہے تو نکال کر دکھاؤ۔اگر عقلی دلیل سے نہیں سمجھا سکتے تو کوئی نقلی دلیل ہی پیش کردو۔﴿بَلْ﴾ حرفِ ادراک ہے۔کوئی شے نہیں ہے۔نہ اس کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے،نہ کوئی عقلی دلیل ہے ﴿اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا﴾ نہیں وہ وعدہ کرتے ظالم لوگ بعض بعض کے ساتھ ﴿اِلَّا غُرُوْرًا﴾ مگر دھوکے کا کہ سینہ گزٹ باتیں۔

باطل کی تردید فرض کفایہ

کئی دفعہ لطیفہ سن چکے ہو کہ جب پاکستان بنا اور دونوں طرف سے نقل وحرکت ہو رہی تھی تو ایک مولوی صاحب نے بٹ دری فیکٹری کے سامنے کھلی جگہ پر تقریر کی کہ یہ ولی بزرگ ہماری مدد کرتے ہیں۔اور ایک مثال دی کہ دیکھو کہ ایک شربت کا نام

ہے فریادرس۔ حکیموں نے یہ نام رکھا ہے تو شربت فریادرس ہوسکتا ہے، گولیاں قبض کشا ہوسکتی ہیں، ولی فریادرس اور مشکل کشا نہیں ہو سکتے؟ میں نے یہ مسئلہ کئی دفعہ بیان کیا ہے کہ باطل کی تردید فرض کفایہ ہے۔ اگر باطل چیزوں کو سن کر کوئی بھی تردید نہ کرے تو وہاں کے رہنے والے سب گناہ گار ہوں گے۔ تو میں نے جمعہ میں اس کی تردید کی اور کہا کہ اخبارات کے بیان کے مطابق دس لاکھ مسلمان شہید ہوئے ہیں، عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں، مسجدوں کی بےحرمتی ہوئی، قرآن کریم کی بےحرمتی ہوئی۔ اس وقت ان ولیوں نے کیوں نہ مدد کی، کیوں نہ فریاد کو پہنچے۔ مشرقی پنجاب میں ایک ولی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کافی تھے۔ حالاں کہ یہاں ہزاروں اولیاء ہیں۔ ایک بوڑھا اُٹھ کر کہنے لگا اس وقت یہ سارے اولیاء حج پر گئے ہوئے تھے۔ یہ دھوکے ہیں۔ میں نے کہا بابا جی! پہلی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد بندے پر نہ حج فرض ہوتا ہے نہ نماز فرض ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان دنوں حج کا موسم ہی نہیں تھا۔ دیکھو! کیا شوشہ چھوڑا کہ یہ سب ولی حج پر گئے ہوئے تھے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ دھوکے والی باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ روکتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿اَنْ تَزُوْلَا﴾ کہ وہ ٹل جائیں اپنی جگہ سے۔ زمین اور آسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے روک رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ یہ آیت کریمہ بھی ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے۔ سورج اور چاند چل رہے ہیں۔ ﴿وَلَئِنْ زَالَتَآ﴾ اور اگر وہ ٹل جائیں ﴿اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ - اِن نافیہ ہے۔ معنٰی ہوگا نہیں ان کو روک سکتا کوئی ایک اللہ تعالیٰ کے ٹالنے کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان کو روکا ہوا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں صرف اسی کا تصرف ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ مشکل کشا ہے، نہ فریادرس ہے، نہ کوئی دست گیر ہے، نہ کوئی عالم الغیب والشہادہ ہے، نہ کوئی حاضر و ناظر ہے، نہ کوئی خالق، نہ کوئی مالک، نہ کوئی رازق۔ یہ قرآن کے مسائل ہے اور بنیادی مسائل ہیں ان کو فروعی مسائل نہ سمجھنا جیسے فقہی طور پر فروعی مسائل ہوتے ہیں۔ فرمایا کوئی نہیں روک سکتا اللہ تعالیٰ کے ٹالنے کے بعد ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تحمل کرنے والا ہے فوراً سزا نہیں دیتا بخشنے والا ہے۔ جو رب تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے رب اس کو معاف کر دیتا ہے چاہے کتنا گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور ان لوگوں نے قسمیں اُٹھائیں اللہ کے نام کی ﴿جَهْدَ﴾ مضبوط ﴿اَيْمَانِهِمْ﴾ اپنی قسمیں ﴿لَئِنْ﴾ البتہ اگر ﴿جَآءَهُمْ﴾ آئے ان کے پاس ﴿نَذِيْرٌ﴾ ڈرانے والا ﴿لَّيَكُوْنُنَّ﴾ البتہ ضرور ہوں گے ﴿اَهْدٰى﴾ زیادہ ہدایت یافتہ ﴿مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ﴾ کسی بھی دوسری اُمت سے ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ﴾ پس جب آیا ان کے پاس ڈرانے والا ﴿مَّا زَادَهُمْ﴾ نہ زیادہ کیا اس نے ان کے لیے ﴿اِلَّا نُفُوْرًا﴾ مگر نفرت کو

﴿اسْتِكْبَارًا﴾ تکبر کرتے ہوئے ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَمَكْرَ السَّيِّئِ﴾ اور بُری تدبیریں کیں ﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ﴾ اور نہیں گھیرتی بُری تدبیر ﴿إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ مگر کرنے والے کو ﴿فَهَلْ يَنْظُرُونَ﴾ پس وہ نہیں انتظار کرتے ﴿إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ﴾ مگر پہلے لوگوں کے طریقے کا ﴿فَلَنْ تَجِدَ﴾ پس آپ ہرگز نہ پائیں گے ﴿لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ اللہ تعالیٰ کے طریقے میں کوئی تبدیلی ﴿وَلَنْ تَجِدَ﴾ اور ہرگز نہیں پائیں گے ﴿لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ اللہ تعالیٰ کے دستور میں پھرنا ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ کیا وہ نہیں چلے زمین میں ﴿فَيَنْظُرُوا﴾ پس وہ دیکھ لیں ﴿كَيْفَ كَانَ﴾ کس طرح تھا ﴿عَاقِبَةُ﴾ انجام ﴿الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہوئے ہیں ﴿وَكَانُوا﴾ اور وہ تھے ﴿أَشَدَّ مِنْهُمْ﴾ زیادہ سخت ان سے ﴿قُوَّةً﴾ طاقت میں ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿لِيُعْجِزَهُ﴾ کہ اس کو عاجز کردے ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کوئی چیز ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور نہ زمین میں ﴿إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا﴾ بے شک ہے وہ جاننے والا، قدرت والا ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ﴾ اور اگر پکڑے اللہ تعالیٰ لوگوں کو ﴿بِمَا كَسَبُوا﴾ ان کی کمائی کی وجہ سے ﴿مَا تَرَكَ﴾ تو نہ چھوڑے ﴿عَلَىٰ ظَهْرِهَا﴾ زمین کی سطح پر ﴿مِنْ دَابَّةٍ﴾ کوئی چلنے پھرنے والا جان دار ﴿وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ﴾ اور لیکن وہ ان کو مہلت دیتا ہے ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى﴾ ایک میعاد مقرر تک ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ﴾ پس جس وقت آجائے گی ان کی معیاد ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ﴾ پس بے شک ہے اللہ ﴿بِعِبَادِهِ بَصِيرًا﴾ اپنے بندوں کو دیکھنے والا۔

پانچ مذہبی طبقے:

آنحضرت ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس وقت سرزمین عرب پر پانچ مذہبی طبقے تھے۔ مذہبی طبقے کو قرآن اُمت کہتا ہے اور اُمَمٌ اُمَّةٌ کی جمع ہے۔ ایک طبقہ اور گروہ مشرکوں کا تھا جو اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور حضرت ابرہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے طریقے پر چلنے کے دعوے دار تھے۔ مگر انھی ظالموں نے بیت اللہ کی بیرونی دیوار پر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا بت بھی تھا۔ روزانہ ان کی پوجا کرتے تھے۔

دوسرا طبقہ یہودیوں کا تھا۔ مردم شماری کے لحاظ سے مشرکوں کے بعد ان کی تعداد کافی تھی۔ مدینہ طیبہ میں ان کے تین خاندان تھے، بنونضیر، بنوقریظہ، بنوقینقاع۔ خیبر کا سارا علاقہ بنوقریظہ کے پاس تھا۔ تیسرے نمبر پر عیسائی تھے۔ نجران کا سارا علاقہ تقریباً ان کے پاس تھا اور علاقوں میں بھی اِکاذُکا رہتے تھے۔ چوتھا طبقہ صابئین کا تھا۔ صابی فرقہ آسمانی کتابوں کا قائل تھا۔ زبور پر ایمان رکھتے تھے، نبوت کے قائل تھے، نماز کا بھی کچھ خیال رکھتے تھے اور روزوں کے بھی قائل تھے۔ ساتھ ساتھ کواکب

پرستی بھی کرتے تھے، ستاروں کے بھی پجاری تھے۔ یوں سمجھو جس طرح مشرکوں کا دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی بگڑی ہوئی شکل تھی اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے دین کی بگڑی ہوئی شکل پر صابئین تھے۔

پانچواں فرقہ مجوس کا تھا۔ یہ آگ کی پوجا کرتے تھے۔ حجر کے مقام پر یہ بھی تھوڑے سے رہتے تھے۔ یہ پانچوں طبقے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ یہودی تورات کھول کر بیان کرتے، عیسائی انجیل کھول کر بیان کرتے۔ دوسرے طبقے بھی بیان کرتے مگر عرب اَن پڑھ تھے۔ دوسروں کو پڑھتے پڑھاتے دیکھتے تو کہتے ہمارے پاس بھی کوئی نذیر آتا خدا کا پیغمبر آتا، ہم بھی پڑھتے پڑھاتے۔ اس کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور ان لوگوں نے قسمیں اٹھائیں اللہ تعالیٰ کے نام کی۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قسم اٹھائی ﴿جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ اپنی مضبوط قسمیں ﴿لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ﴾ البتہ اگر آیا ان کے پاس ڈرانے والا کوئی ﴿لَّيَكُوْنُنَّ﴾ البتہ ضرور ہوں گے ﴿اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ﴾ زیادہ ہدایت یافتہ کسی بھی دوسری اُمت سے۔ ان اُمتوں سے زیادہ ہدایت پر ہوں گے۔ ہم ان سے زیادہ استعداد اور لیاقت کے مالک ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ذہانت میں عربوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور کام میں بھی بڑے مستعد تھے صرف جاہل تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دعویٰ تو یہ کرتے تھے مگر ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ﴾ پس جس وقت آیا ان کے پاس ڈرانے والا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ نہ زیادہ کیا اس نے ان کے لیے مگر نفرت کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ان کی نفرت بڑھی۔ نفرت کی علت کیا تھی؟ ﴿اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ تکبر کرتے ہوئے زمین میں۔ تکبر کا ذکر سورت زخرف میں ہے ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [آیت نمبر ۳۱: پارہ ۲۵] "اور کہا ان لوگوں نے کیوں نہیں اُتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے۔" ایک مکہ مکرمہ اور دوسری طائف۔ مکہ مکرمہ میں سے کسی بڑے آدمی کو اللہ تعالیٰ چن لیتا، طائف میں سے کسی بڑے آدمی کو چن لیتا۔ اس وقت ولید ابن مغیرہ مال اور اولاد کے لحاظ سے بڑا آدمی تھا۔ مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ اس کے تیرہ جواں سال بیٹے تھے وسیع کاروبار تھا سب لوگ اس کی قدر کرتے تھے اللہ تعالیٰ اسے چن لیتے، رب تعالیٰ کو پیغمبری کے لیے ایک یتیم ہی ملا تھا یا طائف میں اُترتا۔ طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی بڑا امیر اور اثر و رسوخ والا آدمی تھا اسے نبی بنایا جاتا۔ اس غریب کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سادہ لباس ہوتا تھا۔ جب کہیں سے گزرتے تھے تو کافر کہتے تھے ﴿اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ [انبیاء: ۳۶] "یہی شخص ہے جو ذکر کرتا ہے تمھارے معبودوں کا۔" چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے سادھے لباس میں ہوتے تھے تو وہ حقارت سے یہ بات کرتے تھے کہ اگر یہ نبی ہوتا تو اس کے پاس مال ہوتا، دولت ہوتی، زرق برق لباس ہوتا۔

کفار کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبات

اور پندرھویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبات بھی ذکر کیے ہیں ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ

الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًاۙ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًاۙ۝ ﴾ [بنی اسرائیل:۹۰-۹۱] "اور کہا کافروں نے ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے چشمہ یا ہو آپ کے لیے باغ کھجوروں اور انگوروں کا۔ پس آپ چلائیں ان کے درمیان نہروں کو چلانا۔" تاکہ ہم سمجھیں تو سہی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں صرف آپ دھمکیاں نہ دیں بلکہ عذاب لے آئیں ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا﴾ "یا آپ گرا دیں آسمان جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں ہم پر کوئی ٹکڑا ﴿اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا﴾ یا لائیں آپ اللہ اور فرشتوں کو سامنے۔" رب تعالیٰ اور فرشتے ہمارے سامنے آئیں۔ رب تعالیٰ فرمائیں کہ یہ ہمارا نبی ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی تائید اور تصدیق کریں کہ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے پھر مانیں گے ﴿اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ "یا ہو آپ کے لیے گھر سنہری ﴿اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ﴾ یا چڑھ جائیں آپ آسمان پر ﴿وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ﴾ اور ہم ہرگز نہیں مانیں گے آپ کے چڑھنے کو ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ حتیٰ کہ اُتار دیں ہمارے اُوپر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں۔" یہ کام کرو پھر ہم مانیں گے۔ نہ آپ کے پاس باغ ہے، نہ سونے کی کوٹھی ہم آپ پر کس طرح ایمان لا سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ "اے پیغمبر آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ﴾ میرے رب کی ذات پاک ہے کمزوریوں سے۔ یہ سب کام وہ کر سکتا ہے یہ رب کے کام ہیں ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ میں نہیں ہوں مگر بشر رسول۔" یہ اختیارات بشر کے پاس نہیں ہوتے۔ یہ چیزیں میرے اختیار میں نہیں ہیں۔

تو فرمایا ﴿اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ﴾ تکبر کرتے ہوئے زمین میں کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے تمھارے پاس کیا ہے کہ نبی بن گئے؟ ﴿وَ مَكْرَ السَّیِّئِ﴾ اور بری تدبیریں کیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ آدمی مقرر کیے، رات مقرر کی، وقت مقرر کیا لیکن فَاللّٰهُ خَیْرٌ حٰفِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ سحری کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے۔ کوئی کھڑا کھڑا سو رہا ہے، کوئی بیٹھا ہوا سو رہا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سروں پر مٹی ڈال کر گزر گئے۔ صبح کو گھر کی تلاشی لی تو گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل خانہ تھے۔ پوچھا کہاں گئے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا معلوم نہیں باہر چلے گئے ہیں۔ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہتا تم کیا کرتے رہے؟ تو بُری تدبیریں کیں۔ ﴿وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ اور نہیں گھیرتی بُری تدبیری مگر کرنے والوں کو۔

دار الندوہ میں یہ تدبیر کرنے والے ڈیڑھ پونے دو سال بعد ایک ایک کر کے بدر میں مارے گئے۔ دوسروں کے لیے کنواں کھودنے والے خود کنوئیں میں گرے۔ ﴿فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پس یہ نہیں انتظار کرتے مگر پہلے لوگوں کا طریقہ۔ پہلے لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ پیغمبروں کی تکذیب کرتے رب تعالیٰ کا عذاب آتا اور ان کو نیست و نابود کر دیا جاتا تھا۔ تو کیا یہ رب تعالیٰ کے عذاب کے منتظر ہیں کہ رب تعالیٰ کا عذاب آئے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا﴾ پس ہرگز نہیں پائیں گے آپ اللہ تعالیٰ کے طریقے میں کوئی تبدیلی ﴿وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا﴾ اور ہرگز نہیں پائیں گے اللہ تعالیٰ کے طریقے اور دستور میں ٹل جانا اور پھرنا۔

تبدیل اور تحویل میں فرق

تبدیل اور تحویل میں فرق ایک مثال سے سمجھیں۔ مثلاً: ایک آدمی بیمار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو صحت دے دے تو تبدیلی ہے اور اس کی بیماری کسی اور پر مسلط کر دے تو اس کو تحویل کہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب مقرر ہوگا اس کو ختم کر کے راحت نہیں آئے گی اور نہ ان کا عذاب ان سے ٹل کر کسی اور پر مسلط کیا جائے گا۔ رب کے دستور میں نہ تبدیلی ہے اور نہ تحویل۔ ﴿ اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ کیا یہ چلے پھرے نہیں زمین میں، سیر نہیں کی ﴿ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ﴾ پس وہ دیکھ لیں کیا انجام تھا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہوئے ہیں ﴿ وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ﴾ وہ پہلے لوگ زیادہ سخت تھے ان سے قوت میں۔

عرب کے لوگ تاجر پیشہ تھے خاص طور پر مکہ مکرمہ والے کہ وہاں خوراک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ تجارت ہی ذریعہ تھی۔ سال میں عموماً دو سفر کرتے تھے ﴿ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ ﴾ [سورہ قریش] ایک سفر سردی کے موسم میں اور ایک گرمی کے موسم میں۔ سردیوں میں یمن کا سفر اور گرمیوں میں شام کا سفر ہوتا تھا۔ اور ان دو سفروں میں سال کا خرچہ کما لیتے تھے۔ یہ لوگ جب شام کا سفر کرتے تھے تو لوط علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور عاد وثمود کی بستیاں جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا وہ راستے ہی میں آتی تھیں۔ اور کچھ تباہ شدہ بستیاں یمن کے راستے میں آتی ہیں۔ تو فرمایا کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں زمین میں کہ دیکھیں کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے ہوئے ہیں۔ جو ان سے زیادہ سخت تھے قوت میں۔ بدنی طاقت کے لحاظ سے، افرادی اور مالی طاقت کے لحاظ سے۔ زمین میں جو انہوں نے نشانات بنائے آج ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایسی نامی گرامی اور طاقتور قومیں دنیا میں گزری ہیں۔

﴿ وَ مَا کَانَ اللّٰهُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے ﴿ لِیُعۡجِزَهٗ مِنۡ شَیۡءٍ ﴾ کہ اس کو عاجز کر دے کوئی شے ﴿ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ آسمانوں میں اور نہ زمین میں کوئی شے اس کو عاجز کر سکتی ہے۔ رب تعالیٰ کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں نہ کوئی روک سکتا ہے نہ کوئی ٹوک سکتا ہے ﴿ اِنَّهٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴾ بے شک ہے وہ جاننے والا ہے اور قدرت والا ہے۔ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے اور سب چیزوں پر حاوی بھی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے لوگوں کا ﴿ بِمَا کَسَبُوۡا ﴾ ان کی کمائی کی وجہ سے۔ جو کفر، شرک، بدعات اور نافرمانی کرتے ہیں اس کی وجہ سے رب پکڑے تو ﴿ مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ ﴾ تو نہ چھوڑے زمین کی سطح پر کوئی چلنے پھرنے والی جان دار چیز۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ گناہ تو کریں انسان اور پکڑے جائیں بے چارے دابہ۔ دابہ کا معنیٰ ہے جانور۔ یہ تو بظاہر انصاف کے خلاف ہے کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مواخذہ کرے اللہ تعالیٰ لوگوں کا تو نہ چھوڑے زمین کی سطح پر کوئی جانور۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کے دو جواب دیتے ہیں۔ایک یہ کہ دَبَّ یَدُبُّ دَبًّا کا لغوی معنیٰ ہے چلنے پھرنے والا، نقل وحرکت کرنے والا۔تو لغوی طور پر انسان بھی دابہ ہے۔تو مراد انسان ہی ہے۔معنیٰ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کی بدمعاشیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے پکڑے تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نظر نہ آئے۔اور دابہ کا اصطلاحی معنیٰ ہے چار ٹانگوں والا۔اگر اصطلاحی معنیٰ مراد ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ساری چیزیں انسان کے لیے بنی ہیں مَتَاعًا لَّكُمْ تو جب انسان کو نہیں چھوڑنا تو باقی چیزوں کو چھوڑنا کس مقصد کے لیے ہے ان کی ضرورت ہی نہیں ہے۔جب آدمی ہی نہ رہے تو شلوار قمیص کی کیا ضرورت ہے؟ کس نے پہننی ہے؟ تو انسان کے علاوہ دوسری چیزوں کو سزا کے طور پر نہیں ختم کرنا بلکہ اس لیے ختم کرنا ہے کہ ان کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

مثلاً: حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو جزیہ موقوف ہو جائے گا۔تو بعض سطحی قسم کے لوگ سوال کرتے ہیں جزیہ لینا تو ہماری شریعت کا حکم ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے جزیہ نہ لینے کا یہ مطلب ہوا کہ وہ ہماری شریعت میں تصرف کریں گے۔کیوں کہ ہماری شریعت کا حکم ہے ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴾[توبہ:۲۹] "یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اور وہ دبنے والے ہوں۔" تو خیالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جزیہ موقوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں وہ ہوں گے وہاں کوئی کافر ہی نہیں رہے گا۔جب کافر ہی نہیں تو جزیہ کس سے لیں؟ اسی طرح سمجھو کہ جب انسان کو نہیں چھوڑنا تو باقی چیزوں کو چھوڑنے کا کیا فائدہ کہ ان کی ضرورت ہی نہیں ہے ﴿وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے ایک میعاد مقرر تک۔شخصی میعاد تو ہر آدمی کے لیے ایک وقت ہے موت کا اور مجموعی طور پر قیامت ہے۔حضرت اسرافیل بگل پھونکیں گے تو ساری کائنات تباہ ہو جائے گی۔

تو فرمایا ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ پس جس وقت آجائے گی ان کی اجل، ان کی میعاد ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔کون اچھا ہے کون برا ہے۔کافر کون ہے، مومن کون ہے، موحد کون ہے، مشرک کون ہے، حق والا کون ہے، باطل والا کون ہے؟ اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔

آج بروز ہفتہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ بمطابق ۹ مارچ ۲۰۱۳ء سورۃ فاطر مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علیٰ ذالک

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ ، وَمَالِىَ

(۲۲) (۲۳)

آیَاتُهَا ۸۳ | سُوْرَةُ یٰسٓ مَكِّيَّةٌ (۳۶) (۴۱) | رُكُوْعَاتُهَا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ قسم ہے قرآن کی جو حکمت والا ہے ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ البتہ رسولوں میں سے ہیں ﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے پر ہیں ﴿تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ﴾ اُتارا ہوا ہے غالب کی طرف سے ﴿الرَّحِيْمِ﴾ جو مہربان ہے ﴿لِتُنْذِرَ﴾ تاکہ آپ ڈرائیں ﴿قَوْمًا﴾ اس قوم کو ﴿مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ کہ نہیں ڈرائے گئے ان کے آباؤ اجداد ﴿فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ پس وہ غافل ہیں ﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ﴾ البتہ تحقیق ثابت ہو چکی ہے یہ بات ﴿عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ﴾ ان کی اکثریت پر ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا﴾ بے شک ہم نے ڈالے ہیں ﴿فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ ان کی گردنوں میں ﴿اَغْلٰلًا﴾ طوق ﴿فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ﴾ پس وہ ٹھوڑیوں تک ہیں ﴿فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ پس وہ سر اُٹھائے ہوئے ہیں ﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا﴾ اور ہم نے کر دیا ان کے آگے پردہ ﴿وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا﴾ اور ان کے پیچھے پردہ ﴿فَاَغْشَيْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو ڈھانپ دیا ہے اُوپر سے ﴿فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ پس وہ نہیں دیکھتے ﴿وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ﴾ اور برابر ہے ان پر ﴿ءَاَنْذَرْتَهُمْ﴾ کیا آپ ڈرائیں ان کو ﴿اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ﴾ یا نہ ڈرائیں ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ﴾ پختہ بات ہے آپ ڈرائیں ﴿مَنِ﴾ اس کو ﴿اتَّبَعَ الذِّكْرَ﴾ جو پیروی کرتا ہے نصیحت کی ﴿وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ﴾ اور ڈرتا ہے رحمٰن سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے ﴿فَبَشِّرْهُ﴾ پس آپ اس کو خوش خبری دے دیں ﴿بِمَغْفِرَةٍ﴾ بخشش کی ﴿وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ اور عمدہ اجر کی ﴿اِنَّا نَحْنُ﴾ بے شک ہم ﴿نُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ زندہ کریں گے مردوں کو ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا﴾ اور ہم لکھتے ہیں وہ جو آگے بھیجا ہے انھوں نے ﴿وَاٰثَارَهُمْ﴾ اور جو پیچھے چھوڑ آئے ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ﴾ اور ہر چیز ﴿اَحْصَيْنٰهُ﴾ ہم نے شمار کر رکھی ہے ﴿فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلے دفتر میں۔

مضامین سورت

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ رسالت کا بھی بیان ہے۔ مسئلہ توحید بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود، مشکل کشا، حاجت روا نہیں ہے۔ ساری

مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی ہے، انسان ہوں یا جن، انبیائے کرام ہوں یا اولیاء اللہ یا ملائکۃ اللہ ہوں۔ پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس چیز کو سامنے رکھ کر اچھے اعمال کریں اور دوزخ سے بچنے کی کوشش کریں۔ لیکن آج کتنے مسلمان ہیں جن کو سورت یٰسین کا ترجمہ آتا ہے؟ آج تو ہم نے صرف یہ سمجھا ہے کہ اگر کسی کی جان آسانی سے نہ نکلتی ہو تو سورہ یٰسین پڑھو کہ اس کی جان آسانی کے ساتھ نکل جائے۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰسٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾ قسم ہے قرآن کی جو حکمت والا ہے۔ ﴿یٰسٓ﴾ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسان ہے۔ لغت بنی طے میں ﴿یٰسٓ﴾ کے معنیٰ انسان ہیں۔ تو معنیٰ ہوگا اے انسان! اور انسان سے مراد کامل انسان ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ﴿یٰسٓ﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اور یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ ﴿یٰسٓ﴾ سورت کا نام ہے۔ جب ﴿یٰسٓ﴾ سے انسان کامل مراد لیا جائے گا تو معنیٰ ہوگا اے انسان کامل! ﴿وَ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾ قسم ہے حکمت والے قرآن کی ﴿اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ﴿یٰسٓ﴾ سے مراد سید ہے اور سید کا لغوی معنیٰ ہے سردار۔ یہ حضرات معنیٰ اس طرح کرتے ہیں یا سید البشر اے انسانوں کے سردار! قسم ہے قرآن کی جو حکمت والی کتاب ہے بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ ﴿عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے پر ہیں۔ آپ کو کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی ساحر کہتا ہے، کوئی کاہن کہتا ہے، کوئی مسحور کہتا ہے، کوئی مجنون کہتا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ! سب غلط کہتے ہیں آپ سیدھے راستے پر ہیں۔ اور یہ قرآن ﴿تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ﴾ اُتارا ہوا ہے اس ذات کی طرف سے جو غالب اور مہربان ہے۔ جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔ اس قرآن کریم کو کیوں نازل کیا گیا ہے؟ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا﴾ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں ﴿مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ کہ نہیں ڈرائے گئے ان کے آباؤ اجداد ﴿فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ پس وہ غافل ہیں بے خبر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار بیٹے تھے جن میں سے دو کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام۔ اور دو بیٹوں کا ذکر تاریخ اور تورات میں آتا ہے، مدین اور مدائن۔ اور بعض حضرات نے پانچویں بیٹے کا بھی ذکر کیا ہے حضرت قیدار۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل تھا ان کی اولاد میں چار ہزار پیغمبر آئے ہیں۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عرب والے ابراہیمی اور اسماعیلی تھے۔ یہ صدیوں تک سچے دین پر قائم رہے۔

عرب میں بت پرستی کا آغاز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے عمرو بن لُحی بن قمع ایک خبیث انسان تھا جس

نے عرب میں بت پرستی رائج کی۔اس کے بعد بھی اکثریت موحد رہی ہے لیکن آہستہ آہستہ شرک بڑھتا گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت صرف چند آدمی موحد تھے باقی سارے شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔موحدین میں ایک زید بن عمرو بن نُفیل، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سگے چچا تھے اور ان کے بیٹے سعید بن زید رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سالے اور بہنوئی بھی ہیں۔اور دوسرا قصی بن کلاب کا ذکر آتا ہے اور ایک دو کا اور ذکر آتا ہے۔تو قریب کے زمانے میں کوئی نبی نہیں آیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو کہ ان کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا اور وہ غافل ہیں۔ان کو رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا کر آگاہ کر دیں ﴿ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ ﴾ البتہ تحقیق ثابت ہو چکی ہے یہ بات ﴿ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ ﴾ ان کی اکثریت پر۔کیا بات ثابت ہو چکی ہے؟ ﴿ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ پس ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔ اکثریت دنیا میں کفر پر رہے گی۔

مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ ایک طرف ہم ہیں اور ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جب دو فریقوں میں جھگڑا ہوتا ہے تو ثالث مقرر کیا جاتا ہے۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثالث مقرر کر لیں جو وہ فیصلہ کرے ہم مان لیں گے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہہ دیں ﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾ [انعام: ۱۱۴] "کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ثالث تلاش کروں۔" تو پھر کہنے لگے مردم شماری کرا لو۔اکثریت جس کے حق میں فیصلہ دے دے مان لو۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [انعام: ۱۱۶] "اور اگر آپ اطاعت کریں گے ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو وہ آپ کو بہکا دیں گے اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔" حق کو ماننے والے اور تسلیم کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔تو فرمایا اکثریت پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گی یہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ﴾۔اَعناق عُنُقٌ کی جمع ہے بمعنی گردن۔ اور اَغلال غِلٌّ کی جمع ہے بمعنی طوق۔معنی ہوگا بے شک ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق ﴿ فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ ﴾۔ اَذقان ذَقَنٌ کی جمع ہے بمعنی ٹھوڑی۔پس وہ طوق ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہیں ﴿ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴾ پس وہ سر اُٹھائے ہوئے ہیں۔تکبر اور انکار کے چوڑے طوق ان کی گردنوں میں ڈال دیئے ہیں کہ وہ سر نیچے نہیں کر سکتے ان کو راستہ نظر ہی نہیں آتا ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا ﴾ اور ہم نے کر دیا ان کے آگے پردہ ﴿ وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا ﴾ اور ان کے پیچھے پردہ ﴿ فَاَغْشَيْنٰهُمْ ﴾ پس ہم نے ان کو ڈھانپ دیا ہے اُوپر سے، ان کو اندھا کر دیا ہے ﴿ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ پس وہ نہیں دیکھتے۔

ایک اشکال

یہاں پر ایک بہت بڑا اشکال ہے اس کو سمجھ لیں۔اشکال یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے آگے پیچھے پردے کر دیئے پھر ڈھانپ کر اندھا کر دیا سارے راستے بند کر دیئے تو پھر اِن کا کیا قصور اگر وہ ایمان نہ لائیں؟

رب تعالیٰ سے کوئی طاقت ورنہیں ہے کہ اس کے بند کیے ہوئے راستے کھول سکے۔ متنبی مشہور شاعر گزرا ہے وہ کہتا ہے ؎

القاہ فی الیم مکتوف وقال لہ اِیّاكَ اِیّاكَ مِنَ الْمَآء

"کہ ایک آدمی کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینک دیا اور اس کو کہا کہ بھیگنا مت۔"

بھائی! جب ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پانی میں ڈال دیا ہے تو اب اس کے اختیار میں کیا ہے کہ وہ پانی کو اپنے جسم پر نہ لگنے دے۔ ایک فارسی شاعر نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

"مشکیں کس کر تم نے دریا میں ڈال دیا ہے اور کہتے ہو بھیگنا مت۔"

وہ بھیگے گا نہیں تو کیا کرے گا؟ تو جب سارے راستے اللہ تعالیٰ نے بند کر دیئے تو اب اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کا کیا قصور ہے؟ یہ ہے اشکال۔ اس کا جواب سمجھ لیں۔

جواب

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اس نے ہر بات کو واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے راستے ازل سے بند نہیں کیے بلکہ جب وہ گمراہی پر راضی ہو گئے اور حق قبول کرنے کے راستے انھوں نے خود بند کر لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مہر لگائی کہ تم جب گمراہی پر راضی ہو تو پھر ہم اسی طرح کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ حٰمٓ السجدۃ آیت نمبر ۵-۴، پارہ ۲۴ میں ہے ﴿فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝﴾ "پس اعراض کیا ان میں سے اکثر نے پس وہ نہیں سنتے اور کہا انھوں نے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹیں ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے پس آپ اپنا کام کرتے جائیں بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔" تو جب ان لوگوں نے اپنے لیے یہ پسند کر لیا تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف کا اس نے رخ کیا۔" جدھر کوئی چلنا چاہتا ہے رب تعالیٰ اس کو ادھر ہی چلا دیتے ہیں جبر نہیں کرتا اس نے اپنا ضابطہ بتلایا ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:۶۹] "جو ہماری طرف چل کر آنا چاہتے ہیں ہم ان کو آنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔" اور ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [صف:۵] "جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" تو یہ چیزیں خود انھوں نے اپنے لیے تسلیم کی ہیں پسند کی ہیں یہ ان کے کسب کا نتیجہ ہے۔

فرمایا ﴿وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ﴾ اور برابر ہے ان پر ﴿ءَاَنْذَرْتَهُمْ﴾ کیا آپ ان کو ڈرائیں ﴿اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ﴾ یا آپ

ان کو نہ ڈرائیں ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ان کے متعلق ہے جنھوں نے ایمان نہیں لانا تھا اور جو ایمان لے آئے یا لائیں گے وہ الگ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے تو پھر تبلیغ کا کیا فائدہ اور آپ کو تبلیغ کا حکم کیوں دیا ہے؟ اس کے جواب میں امام رازی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سَوَاءٌ عَلَيْكَ نہیں فرمایا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ فرمایا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ آپ پر برابر ہے بلکہ فرمایا ہے کہ ان پر برابر ہے ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ ﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ ﴾ بے شک آپ ڈرائیں اس کو جو پیروی کرتا ہے نصیحت کی، قرآن پاک کی۔ قرآن پاک کا نام فرقان بھی ہے، ذکر بھی ہے ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [سورہ حجر: ۱۴]

﴿ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ﴾ اور جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے۔ رب تعالیٰ کی ذات کو نہ دیکھنے کے باوجود مومن یقین رکھتے ہیں کہ وہ قادر مطلق ہے مدبر عالم ہے ساری کائنات کو چلا رہا ہے ﴿ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴾ پس آپ خوش خبری سنا دیں ان کو جو قرآن پاک کی پیروی کرتے ہیں اور رب تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں بخشش کی اور عمدہ اجر کی۔ نفیس اجر کی خوش خبری ان کو سنا دیں۔ جنت کے کھانوں اور خوشبوؤں کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے۔ مشرکین مکہ بڑے زوردار انداز میں دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے کہتے تھے ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴾ [سورہ ق: ۳] "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" اور یہ بھی کہتے تھے ﴿ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ [مومنون: ۳۶] "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" اور سورہ یٰسین میں ہے ﴿ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ ﴾ "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالاں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" تو فرمایا بے شک ہم زندہ کریں گے مُردوں کو ﴿ وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا ﴾ اور ہم لکھتے ہیں یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھتے ہیں جو نیکیاں بندہ آگے بھیجتا ہے۔

وَ اٰثَارَهُمْ کا مصداق

﴿ وَ اٰثَارَهُمْ ﴾۔ آثار، اثر کی جمع ہے۔ جو پیچھے چھوڑ آیا ہے جو صدقہ جاریہ کر کے آیا ہے۔ مسجد بنائی، دینی مدرسہ بنایا، مسافر خانہ بنایا، یتیم خانہ بنایا، دینی کتابیں لے کر وقف کیں، قرآن وقف کیا، مسجد میں صفیں ڈلوا دیں، نیک اولاد چھوڑ آیا ہے، شاگرد چھوڑ آیا ہے یا بُرے کام کی رسم ڈال آیا ہے، سینما بنا آیا، شراب خانہ چھوڑ آیا، بُری اولاد چھوڑ آیا ہے۔ بُری اولاد مرنے کے بعد اس کے ساتھ سانپ کی طرح لپٹے گی۔

تو فرمایا ہم لکھتے ہیں جو آگے بھیجا ہے یا جو پیچھے چھوڑ آیا ہے ﴿ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور ہر شے کا ہم نے احاطہ کیا ہوا ہے، ہر شے ہم نے شمار کر رکھی ہے ایسے دفتر میں جو کھلا ہے۔ اس دفتر کا نام لوح محفوظ ہے۔ اس میں ہر چیز کا

ریکارڈ ہے اور قیامت والے دن اس کا ریکارڈ اس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بندے کے سامنے اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں پیش کی جائیں گی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔ مثلاً: پوچھا جائے گا اے بندے! تجھے یاد ہے کہ تو نے مسجد کی سیڑھیوں پر تھوکا تھا، تجھے یاد ہے کہ کیلے کا چھلکا تو نے راستے پھینکا تھا، تو لوگوں کے سامنے ننگے سر پھرتا تھا۔ تو یہ پریشان ہو جائے گا کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی درج ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ چوں کہ تیری نیکیوں کا پلہ بھاری ہے اس لیے میں نے تیری یہ تمام خطائیں معاف کر دی ہیں۔

بے لذت گناہ

مسئلہ سمجھ لیں۔ مکان میں جو جالے لگے ہوتے ہیں یہ بھی گناہ ہے۔ مکان کی صفائی نہ کرنا گناہ ہے، مسجد کی صفائی نہ کرنا گناہ ہے، میلے کپڑے پہننا گناہ ہے، بدن کی صفائی نہ کرنا گناہ ہے۔ اسلام بڑا صاف ستھرا اور نظیف مذہب ہے افسوس ہے کہ ہم نے کافروں کی ساری برائیاں اپنے نام الاٹ کر لی ہیں اور ہماری ساری خوبیاں وہ لے گئے ہیں۔

﴿وَاضْرِبْ﴾ اور آپ بیان کریں ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے ﴿مَّثَلًا﴾ مثال ﴿اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ﴾ بستی والوں کی ﴿اِذْ جَآءَهَا﴾ جس وقت آئے بستی والوں کے پاس ﴿الْمُرْسَلُوْنَ﴾ بھیجے ہوئے ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ﴾ جس وقت بھیجے ہم نے ان کے پاس ﴿اثْنَيْنِ﴾ دو ﴿فَكَذَّبُوْهُمَا﴾ پس جھٹلایا انھوں نے ان دونوں کو ﴿فَعَزَّزْنَا﴾ پس ہم نے قوت دی ﴿بِثَالِثٍ﴾ تیسرے کے ذریعے ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس کہا انھوں نے ﴿اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ﴾ بے شک ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ ان لوگوں نے کہا ﴿مَآ اَنْتُمْ﴾ نہیں ہو تم ﴿اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ مگر بشر ہمارے جیسے ﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ﴾ نہیں نازل کی رحمٰن نے ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کوئی چیز ﴿اِنْ اَنْتُمْ﴾ نہیں ہو تم ﴿اِلَّا تَكْذِبُوْنَ﴾ مگر جھوٹ بولتے ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿رَبُّنَا يَعْلَمُ﴾ ہمارا رب جانتا ہے ﴿اِنَّآ﴾ بے شک ہم ﴿اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ تمھاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ﴿وَمَا عَلَيْنَآ﴾ اور نہیں ہے ہمارے ذمے ﴿اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ مگر پہنچا دینا کھول کر ﴿قَالُوْٓا﴾ ان لوگوں نے کہا ﴿اِنَّا﴾ بے شک ہم نے ﴿تَطَيَّرْنَا بِكُمْ﴾ نحوست حاصل کی ہے تمھاری وجہ سے ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا﴾ البتہ اگر تم باز نہ آئے ﴿لَنَرْجُمَنَّكُمْ﴾ البتہ ہم تمھیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے ﴿وَلَيَمَسَّنَّكُمْ﴾ اور البتہ ضرور پہنچے گا تمھیں ﴿مِّنَّا﴾ ہماری طرف سے ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ دردناک عذاب ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿طَآئِرُكُمْ﴾ تمھاری نحوست ﴿مَّعَكُمْ﴾ تمھارے ساتھ ہے ﴿اَئِنْ﴾

ذُكِّرْتُمْ ﴾ اس وجہ سے کہ تمھیں نصیحت کی گئی ہے ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم قوم ہو حد سے نکلی ہوئی ﴿وَجَآءَ﴾ اور آیا ﴿مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ﴾ شہر کے پرلے کنارے سے ﴿رَجُلٌ﴾ ایک آدمی ﴿يَّسْعٰى﴾ دوڑتا ہوا ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ پیروی کرو پیغمبروں کی ﴿اتَّبِعُوْا﴾ پیروی کرو ﴿مَنْ﴾ ان کی ﴿لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا﴾ جو نہیں مانگتے تم سے بدلہ ﴿وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ آپ ﷺ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو طبعی طور پر تکلیف ہوتی تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی کہ میں ان کے فائدے کی بات کرتا ہوں اور ان سے مانگتا بھی کچھ نہیں ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان کو رب تعالیٰ کے احکام پہنچاتا ہوں اور یہ میری تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے سامنے مثال بیان کریں۔ ضَرَبَ يَضْرِبُ کے متعدد معانی آتے ہیں۔ مارنے کا بھی اور بیان کرنے کا بھی وغیرہ۔ اور یہاں معنیٰ بیان کرنے کا ہے ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ﴾ اور آپ بیان کریں ان کے سامنے ﴿مَّثَلًا﴾ ایک مثال ﴿اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ﴾ بستی والوں کی ﴿اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ جس وقت آئے ان کے پاس بھیجے ہوئے۔ یہ کون سی بستی تھی؟ تو تمام تفسیروں میں موجود ہے کہ یہ انطاکیہ بستی تھی مصر میں اور یہ اب بھی موجود ہے۔

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ میں رسولوں سے کون مراد ہیں؟

رسولوں سے کون مراد ہیں؟ تو اس کے متعلق دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو نمائندے بھیجے تھے ایک کا نام بُولس اور دوسرے کا نام یوحنا تھا۔ یہ بگڑے ہوئے نام ہیں اصل میں یونس اور یحییٰ تھے۔ یونس کو بولس اور یحییٰ کو یوحنا بنا دیا گیا ہے۔ آج کل بائیبل کی کتابوں میں یوحنا اور بولس ہی لکھا ہوا ہے۔ جیسے یعقوب آج کل جیکب اور یوسف کو جوزف اور اسحاق کو آئزک۔ یہ دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص حواری تھے۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نمائندگی کرتے ہوئے حق کا پیغام پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ﴾ جس وقت بھیجے ہم نے ان کے پاس دو ﴿فَكَذَّبُوْهُمَا﴾ ان لوگوں نے دو کو جھٹلایا کہ تم جھوٹے ہو ﴿فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾ پس ہم نے قوت دی ایک تیسرے کے ساتھ۔ یہ تیسرے شمعون صغار رحمہ اللہ تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے سردار اور رئیس تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کے بعد یہی ان کے خلیفہ تھے۔ ان سب نے کہا ﴿فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ﴾ پس کہا انھوں نے بے شک ہم تمھاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں ہماری بات سنو! ﴿قَالُوْا﴾ لوگوں نے کہا ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ نہیں ہو تم مگر بشر انسان ہمارے جیسے

﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور نہیں نازل کی رحمان نے کوئی چیز ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ﴾ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے۔ تم جھوٹے ہو بھاگ جاؤ۔

تو ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور حواری تھے اور دوسری تفسیر علامہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اُونچے درجے کے مفسر ہیں انھوں نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں کی ہے۔ علامہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ متاخرین میں سے وسیع النظر مفسر گزرے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نمائندے نہیں تھے۔ اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ کیوں کہ دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ درمیان میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ قرینہ یہ ہے کہ جب انھوں نے کہا کہ ہم تمھاری طرف بھیجے ہوئے ہیں تو قوم نے کہا ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان۔ تو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار نے ان کی بشریت کا انکار کیا ہے جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ پیغمبروں کے حواریوں اور صحابیوں کی بشریت کا انکار نہیں کیا۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر۔ یہ قرینہ ہے کہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد نہیں تھے اور واقعہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا انکار کرنے والے

نبی کی بشریت کے انکار کا سلسلہ پہلے شرعی پیغمبر کی بعثت ہی سے شروع ہوا ہے۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے نوح علیہ السلام کے متعلق کہا کہ بشر کیسے پیغمبر ہو گیا۔

تو فرمایا ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ [الاعراف: ٦٣] "کیا تم نے تعجب کیا ہے اس بات پر کہ آئی ہے نصیحت تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک مرد پر جو تم میں سے ہے یعنی انسان ہے۔" سورہ ہود پارہ ۱۲ آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ "پس کہا سرداروں نے جو کافر تھے نوح علیہ السلام کی قوم میں سے ہم نہیں دیکھتے آپ کو مگر بشر انسان اپنے جیسا۔" پہلی مشرک قوم نوح علیہ السلام کی ہے جنھوں نے کہا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا نبی کی بشریت کا انکار کیا۔ اس کے بعد یہ باطل مسلسل چلتا رہا ہے۔ ہود علیہ السلام کی قوم نے کہا ﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ [مومنون: ۳۳] "نہیں ہے یہ مگر ایک انسان تمہارے جیسا یہ کھاتا ہے وہ جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔" اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا ﴿اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا﴾ [مومنون: ۴۸] "کیا ہم ایمان لائیں دو آدمیوں پر جو ہمارے جیسے ہیں۔" موسیٰ علیہ السلام ہمارے جیسے بشر ہیں ہارون بھی ہمارے جیسے بشر ہیں۔ ہم بشروں (آدمیوں) کی اطاعت کریں؟ بشر نبی ہو ہی نہیں سکتے۔

نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک کافروں، مشرکوں کا یہی نظریہ رہا ہے کہ نبی بشر نہیں

ہوسکتا۔ اور اس کی وجہ میں نے عرض کی تھی کہ چوں کہ وہ اپنے آپ کو بشر سمجھتے تھے اور اپنی کمزوریاں ان کے سامنے تھیں جیسے ہم آپ بھی اپنے آپ کو بشر سمجھتے ہیں اور نری کمزوریاں ہمارے اندر ہیں۔ حالاں کہ نبی حقیقتاً بشر ہیں اور ان کا مقام بہت بلند ہے اور ہمارا صرف غلاف بشر والا ہے۔ تو کافروں نے اپنے عیبوں اور کمزوریوں کو سامنے رکھ کر خیال کیا کہ نبی بشر نہیں ہوسکتا حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ نبی بشر ہیں، انسان ہیں، آدمی ہیں۔ اور جو کہتے ہیں بشر نہیں ہیں یہ خود بشر نہیں ہیں آدمی نہیں ہیں۔ انسانیت بہت بلند چیز ہے صرف پڑھنے پڑھانے سے انسانیت نہیں آتی۔ شاعر ذوقؔ نے کیا خوب کہا ہے: ؎

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز

کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

طوطا پڑھنے کی وجہ سے انسان تو نہیں بن جاتا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

ایں کہ می بینی خلاف آدم اند

نیستند آدم غلاف آدم اند

"یہ جن کو ہم دیکھتے ہیں آدمی نہیں ہیں ان پر تو آدمیت کی کھال چڑھی ہوئی ہے اندر آدمیت نہیں ہے۔" آدمیت، بشریت بہت بڑی چیز ہے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۳ پارہ ۱۵ میں ہے کہ جب مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبات کیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سونے کی کوٹھی ہو، باغ ہوں ان میں نہریں چلتی ہوں وغیرہ۔ تو اس کے جواب میں رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ "آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ پاک ہے میرا پروردگار نہیں ہوں میں مگر بشر رسول۔"

تو پیغمبروں کی بشریت کا انکار کیا گیا ہے ان کے نائبوں، قاصدوں اور صحابیوں کی بشریت کا انکار نہیں کیا گیا اگر وہ شاگرد اور قاصد ہوتے تو صحابی ہوتے تو وہ ان کی بشریت کا انکار نہ کرتے۔ تو علامہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ وہ براہِ راست پیغمبر تھے۔ لیکن دوسری تفسیر بھی بیان ہوسکتی ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہی ہو۔ رحمان نے کوئی شے نازل نہیں کی اور تم جھوٹ بولتے ہو۔ ﴿قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ﴾ ان پیغمبروں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے۔ ضابطے کے مطابق فعل پہلے ہوتا ہے تو ﴿يَعْلَمُ رَبُّنَا﴾ ہونا چاہیے تھا مگر حصر پیدا کرنے کے لیے فاعل کو مقدم کیا ہے۔ معنیٰ ہو گا ہمارا رب ہی جانتا ہے ﴿اِنَّاۤ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ بے شک ہم تمھاری طرف البتہ بھیجے ہوئے ہیں تم مانو یا نہ مانو۔ ہماری تصدیق کرو یا تکذیب کرو ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں ﴿وَمَا عَلَيْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور نہیں ہے ہمارے ذمے مگر پہنچانا بات کو کھول کر۔ ہمارا فریضہ ہے کہ توحید و رسالت اور قیامت وغیرہ کے جتنے مسائل ہیں وہ تمھیں کھول کر وضاحت کے ساتھ سمجھ دیں منوانا ہمارا کام نہیں ہے۔

منوانا پیغمبر کے منصب میں داخل نہیں ہے۔ اگر منوانا پیغمبر کے اختیار میں ہوتا تو آدم علیہ السلام اپنے بیٹے قابیل سے منوا لیتے۔ نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کنعان اور بیوی سے ایمان تسلیم کروا لیتے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر

دیتے۔آنحضرت ﷺ اپنے مہربان چچا ابوطالب کا سینہ کھول کر ایمان سے بھر دیتے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [قصص:۵۶] "اے نبی کریم ﷺ! آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کے ساتھ آپ کی محبت ہو لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کہا ہمارے ذمہ صرف بات کو کھول کر پہنچانا ہے ﴿قَالُوْٓا﴾ وہاں کے باشندوں نے کہا ﴿اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ﴾ بے شک ہم نے بدفالی حاصل کی ہے تمھاری وجہ سے نحوست ہمارے اُوپر پڑی ہے ﴿لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا﴾ اگر تم باز نہ آئے ﴿لَنَرْجُمَنَّكُمْ﴾ تو ہم تمھیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے ﴿وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور البتہ ضرور پہنچے گا تمھیں ہماری طرف سے عذاب دردناک۔ہم تمھیں سخت سزا دیں گے۔

پرندے کے اُڑنے سے نیک فالی یا بدفالی حاصل کرنا

طائر پرندے کو کہتے ہیں اور تَطَیُّر کا معنیٰ ہوتا ہے پرندہ اُڑانا۔مشرک لوگ جب کسی کام کے لیے جاتے تھے تو ان کے گھر کے پاس جو درخت ہوتا تھا اس کو پتھر مارتے تھے۔اگر پرندے دائیں طرف اُڑتے تو ان کے خیال کے مطابق یہ اچھی فال ہوتی تھی کہ کام ہو جائے گا اور اگر پرندے بائیں طرف اُڑتے تو ان کے خیال کے مطابق یہ بُری فال ہوتی تھی کہ کام نہیں ہو گا۔یہ ان کی جہالت تھی اس لیے کہ پرندے کے اُڑنے کا ان کے کام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ کوئی شرعی تعلق ہے،کوئی منطقی تعلق ہے،کوئی عرضی تعلق ہے؟ وہ پرندہ ہے اس نے بدحواس ہو کر کسی طرف تو اُڑنا ہے دائیں اُڑے گا یا بائیں اُڑے گا۔تو وہ پتھر مار کر پرندے اُڑاتے اور اس سے نیک فالی یا بدفالی حاصل کرتے۔جیسے آج کل بعض جاہل لوگ ہیں کہ چھت پر کوا بولے تو کہتے ہیں مہمان آئیں گے۔یاد رکھنا! اسلام بڑا صاف ستھرا مذہب ہے کسی توہم پرستی کو قریب نہیں آنے دیتا اور توہم پرستی عورتوں میں بہت زیادہ ہے۔

کل ایک بی بی آئی اور کہنے لگی کہ میرا سات دن کا بچہ ہے۔ایک عورت آئی اس کے بچے کے گلے میں تعویذ تھا جس کی وجہ سے میرا بچہ بیمار ہو گیا ہے۔بھائی! سوال یہ ہے کہ بی بی کے آنے سے کیا ہو گیا اور بچے کے گلے کے تعویذ کا تیرے بچے پر کیا طوفان آن پڑا؟ شرک بُری چیز ہے۔ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تو تطیّر کا معنیٰ ہے پرندہ اُڑانا۔اس کا لازمی معنیٰ ہو گا بدفالی حاصل کرنا کہ یہ بدفالی اور نحوست تمھاری وجہ سے ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ان لوگوں نے پیغمبروں کی نافرمانی کی تو بارشیں رک گئیں،فصلوں کی پیداوار کم ہو گئی،پھلوں میں کمی آئی۔یہ سب کچھ وہ پیغمبروں کے ذمے لگاتے تھے کہ تم آئے ہو تو یہ نحوست پڑی ہے۔﴿قَالُوْا﴾ پیغمبروں نے کہا ﴿طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ﴾ یہ تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہے۔جس نحوست کی نسبت تم ہماری طرف کرتے ہو وہ ہماری وجہ سے نہیں بلکہ خود تمھاری وجہ سے ہے تم اپنے گریبان میں جھانکو۔تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی،رب تعالیٰ کے احکام کا انکار کیا،اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کی،ایمان نہیں لائے،یہ تمھیں اس کی سزا مل رہی ہے۔لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی کبھی تسلیم نہیں کرتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ لوگوں میں سب سے بڑا فسادی وہ ہے جس کو اپنے عیب نظر نہ آئیں اور وہ دوسروں کے عیب ڈھونڈتا پھرے۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ سب سے مشکل کام اپنی اصلاح ہے اور سب سے آسان کام دوسروں پر اعتراض وتنقید کرنا ہے۔ اگر اپنی اصلاح آسان ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈیوٹی ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ "اور وہ تزکیہ کرتے ہیں۔" نہ ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تزکیہ نہ کرنا پڑتا۔ بزرگانِ دین نے صحیح شرعی دائرے میں رہ کر بڑی ریاضتیں کی ہیں۔ بعض نادان قسم کے لوگ ان ریاضتوں کو بدعت کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ سنت ہوتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور کرتے۔ بھئی! جو شخص ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں دو منٹ کے لیے بیٹھ گیا اس کے دل کی ایسی صفائی ہو جاتی تھی کہ بعد میں سو سال کی ریاضتوں سے بھی وہ صفائی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور مجلس کی برکت سے دل کا میل کچیل دور ہو جاتا تھا۔ اس وقت ریاضتوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ ریاضت خود مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود تزکیہ قلب ہے۔ اب اس کی صفائی کے لیے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہے مگر شرعی دائرے میں رہ کر۔ بزرگوں نے نہ کبھی جماعت کے ساتھ نماز چھوڑی ہے نہ روزہ۔ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور ذکر کرتے تھے۔ اور میں ان بھنگی، چرسی گھنگرو پہن کر ڈھول کی تھاپ پر ناچنے والوں کی بات نہیں کر رہا۔ بھلا ولی ایسے ہوتے ہیں۔ ولیوں کی اللہ تعالیٰ نے نشانی بتلائی ہے ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ [یونس: ۶۳] "وہ جو ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔" ایمان ہو، اخلاص ہو، اتباع سنت ہو، یہ ولی کی نشانی ہے۔

تو پیغمبروں نے فرمایا کہ یہ نحوست خود تمھاری وجہ سے ہے ﴿اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ﴾ کیا اس لیے تم پر نحوست پڑی ہے کہ تمھیں نصیحت کی گئی ہے، رب تعالیٰ کے احکامات تمھیں پہنچائے گئے ہیں۔ تو نصیحت کی وجہ سے نحوست آتی ہے ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم قوم ہو حد سے نکلی ہوئی۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ غنڈے بدمعاش آپے سے باہر ہو گئے پیغمبران کے گھیرے میں آ گئے۔ کہنے لگے ہم نے تمھیں ختم کرنا ہے، قتل کر دینا ہے چھوڑنا نہیں ہے۔

شہر کے پرلے کنارے حبیب بن اسرائیل نجار رہتا تھا وہ ترکھان تھا۔ وہ پیغمبروں کا کلمہ پڑھ چکا تھا۔ اس کو کسی نے جا کر اطلاع دی کہ تم یہاں آری تیشہ چلا رہے ہو اور تمھارے ساتھی وہاں قابو آئے ہوئے ہیں۔ اس نے اسی حالت میں دوڑ لگا دی۔ ﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ﴾ اور آیا ایک آدمی شہر کے پرلے کنارے سے ﴿يَّسْعٰى﴾ دوڑتا ہوا۔ اور آ کر قوم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اے میری قوم! پیروی کرو پیغمبروں کی۔ یہ تمھیں کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں تاکہ تم آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جاؤ یہ تمھارے خیر خواہ ہیں۔ حبیب نجار نے یہ بھی کہا ﴿اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا﴾ پیروی کرو تم ان کی جو تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے وہ تمھاری بے لوث خدمت کر رہے ہیں ﴿وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ آگے ذکر آ رہا ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ پہلے اس کو پکڑو۔ اس کو نیچے لٹا کر سب اس کے اوپر چڑھ گئے کہ اس کی انتڑیاں پاخانے کے راستے باہر نکل آئیں اور وہ شہید ہو گیا۔ حق کے لیے اس نے قربانی دے دی۔ نوجوانو! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے ہمیں بغیر کسی تکلیف اور مصیبت کے حق عطا کیا

بے حق سے، ایمان سے، اسلام سے، کلمے سے زیادہ قیمتی شے دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سستے طریقے سے دے دیا ہے کہ مسلمان والدین کے گھر پیدا ہوئے کہ کوئی محنت مشقت نہیں کرنی پڑی۔

﴿وَمَالِیَ﴾ اور کیا ہو گیا ہے مجھے ﴿لَآ اَعْبُدُ﴾ کہ میں نہ عبادت کروں ﴿الَّذِیْ﴾ اس ذات کی ﴿فَطَرَنِیْ﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿ءَاَتَّخِذُ﴾ کیا میں بنالوں ﴿مِنْ دُوْنِهٖٓ﴾ اس سے نیچے ﴿اٰلِهَةً﴾ معبود ﴿اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ﴾ اگر ارادہ کرے میرے متعلق رحمان ﴿بِضُرٍّ﴾ ضرر پہنچانے کا ﴿لَّا تُغْنِ عَنِّیْ﴾ نہیں کام آسکتی میرے ﴿شَفَاعَتُهُمْ﴾ ان کی سفارش ﴿شَیْـًٔا﴾ کچھ بھی ﴿وَّلَا یُنْقِذُوْنِ﴾ اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے ﴿اِنِّیْٓ﴾ بے شک میں ﴿اِذًا﴾ اس وقت ﴿لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ البتہ کھلی گمراہی میں ہو جاؤں گا ﴿اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ﴾ بے شک میں ایمان لایا ﴿بِرَبِّكُمْ﴾ تمھارے رب پر ﴿فَاسْمَعُوْنِ﴾ پس تم میری بات سنو ﴿قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ﴾ کہا گیا اس کو داخل ہو جا جنت میں ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ میری قوم جان لے ﴿بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ﴾ کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے ﴿وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ﴾ اور کر دیا ہے مجھے عزت والوں میں سے ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ﴾ اور نہیں نازل کیا ہم نے ان کی قوم پر ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اس کے بعد ﴿مِنْ جُنْدٍ﴾ کوئی لشکر ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ﴾ اور نہ ہم نازل کرنے والے تھے ﴿اِنْ كَانَتْ﴾ نہیں تھی ﴿اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً﴾ مگر ایک چیخ ﴿فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ﴾ پس اچانک وہ سب آگ کی طرح بجھ گئے ﴿یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ﴾ ہائے افسوس ان لوگوں پر ﴿مَا یَاْتِیْهِمْ﴾ نہیں آیا ان کے پاس ﴿مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ کوئی رسول ﴿اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿اَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہم نے ہلاک کیں ﴿قَبْلَهُمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ جماعتیں ﴿اَنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿اِلَیْهِمْ﴾ ان کی طرف ﴿لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ نہیں لوٹیں گی ﴿وَاِنْ كُلٌّ﴾ اور نہیں ہیں سب کے سب ﴿لَّمَّا﴾ مگر ﴿جَمِیْعٌ﴾ اکٹھے ﴿لَّدَیْنَا﴾ ہمارے پاس ﴿مُحْضَرُوْنَ﴾ حاضر کیے جائیں گے۔

ربط آیات

ان سے پہلی آیات میں تم نے یہ واقعہ سنا کہ مصر کے مشہور شہر انطاکیہ (جو صدیوں سے آباد چلا آ رہا ہے) میں اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبر بھیجے عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے۔ ان دو پیغمبروں نے پوری قوت و طاقت صرف کر کے ان لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی۔

اللہ تعالیٰ کی توحید سمجھائی ، رسالت کا مسئلہ سمجھایا ، قیامت کا مسئلہ سمجھایا۔لیکن جب قسمت بد ہو جائے تو پھر کوئی بات سمجھ نہیں آتی ۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تیسرا پیغمبر بھیجا تینوں پیغمبروں نے دن رات ایک کر کے ان لوگوں کو حق سمجھایا لیکن وہ لوگ ان کے سمجھانے سے تنگ آ گئے اور ان تینوں پیغمبروں کو گھیر لیا کہ ہم تمھاری لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی رَٹ سن سن کر تنگ آ گئے ہیں۔سب بدمعاش ،غنڈے پیغمبروں کے اردگرد جمع ہو گئے کہ آج ہم نے تمھارا کام تمام کرنا ہے۔پیغمبر کا حوصلہ بہت بڑا ہوتا ہے۔وہ جان قربان کر دیتے ہیں مگر حق کی تبلیغ سے باز نہیں آتے۔

اس دوران میں حبیب بن اسرائیل نجار رحمۃ اللہ علیہ شہر کے پرلے کنارے سے پیغمبروں کی معاونت کے لیے پہنچ گیا۔اس نے دیکھا کہ واقعی پیغمبر بدمعاشوں کے گھیرے میں آئے ہوئے ہیں تو اس نے قوم کو سمجھایا کہ پیغمبروں کی پیروی کرو ان کی پیروی کرو جو تم سے کچھ نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔رب تعالیٰ نے ان کو بھیجا ہے اور فرمایا ﴿ وَمَالِيَ ﴾ اور مجھے کیا ہو گیا ہے ﴿ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ﴾ کہ میں نہ عبادت کروں اس ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔اس کا انداز تبلیغ دیکھو! کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔لیکن اس طرح کے خطاب سے چڑ پیدا ہوتی ہے اس لیے اس نے اپنے آپ کو خطاب کیا بہت احسن طریقہ اختیار کیا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔یہ سارا تمھارا کیا دھرا تمھارے سامنے آئے گا ﴿ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ﴾ کیا میں بنالوں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے الٰہ ، حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر ﴿ اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ ﴾ اگر ارادہ کرے میرے متعلق رحمٰن ضرر کا ، مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ﴿ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا ﴾ نہیں کام آ سکتی میرے ان کی سفارش کچھ بھی۔اگر میرا رب مجھے دکھ پہنچانا چاہے تو یہ بناوٹی خدا میرا کچھ بھی نہیں کر سکتے ﴿ وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴾۔ یہ اصل میں يُنْقِذُوْنِيْ تھا ، یا گرادی گئی ہے۔معنیٰ ہوگا اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں نہ بچا سکتے ہیں۔ اصل میں تو وہ ان کو سمجھا رہا تھا کہ یہ جو تم نے اللہ تعالیٰ سے نیچے معبود بنا رکھے ہیں اگر تمھیں اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف دے تو یہ تمھیں نہیں بچا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی سفارش کام آئے گی مگر خطاب اپنے آپ کو کیا کہ چڑ نہ پیدا ہو۔

ابو داؤد شریف اور ترمذی شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار تھے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کی بھی سواری کی ہے، خچر، اُونٹ اور گھوڑے کی بھی سواری کی ہے۔) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ان کی عمر تو اس وقت بہت کم تھی۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو ان کی عمر مبارک دس سال تھی مگر حافظہ بڑا قوی تھا ، بہت سمجھ دار تھے۔بات کی طرف توجہ بھی کرتے تھے اور قبول بھی کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں تبلیغ شروع کر دی۔فرمایا یا غلام اے عزیز ، برخوردار! اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ "اللہ تعالیٰ کے جو حق آپ کے ذمہ ہیں آپ ان کی حفاظت کریں اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے گا وَ اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ۔اور جب مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگے ، جب کوئی سوال کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے کریں وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ اور جب مدد مانگنی ہو

تو اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔اور یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے کوئی دکھ لکھا ہوا ہے تو ساری دنیا مل کر بھی اس دکھ کو دور نہیں کرسکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے سکھ لکھا ہے تو ساری دنیا مل کر بھی اسے چھین نہیں سکتی جَفَّ الْقَلَمُ قلم تقدیر خشک ہو چکا ہے۔اس کے ساتھ جو لکھا گیا ہے وہی ہوگا۔" تو اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کوئی ضارّ ہے اور نہ کوئی نافع ہے۔

تو فرمایا کہ اگر رحمان ارادہ کرے میرے متعلق ضرر کا تو یہ بناوٹی خدا نہ مجھے بچا سکتے ہیں اور نہ ان کی سفارش کام آسکتی ہے۔اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت شروع کردوں ان کو الٰہ بنالوں ﴿اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک اس وقت میں کھلی گمراہی میں ہو جاؤں گا۔کیسے عمدہ پیرائے میں ان کو بات سمجھائی ﴿اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ بے شک میں ایمان لایا تمھارے رب پر ﴿فَاسْمَعُوْنِ﴾ پس تم میری بات سنو اور پیغمبروں پر ایمان لے آؤ۔انھوں نے جب یہ کھری کھری باتیں حبیب بن اسرائیل نجار رحمۃ اللہ علیہ کی سنیں تو انھوں نے کہا کہ پیغمبروں کا کام بعد میں کریں گے پہلے اس کا کانٹا نکالو۔چنانچہ غنڈوں نے ان کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اس کے پیٹ پر چڑھ گئے اچھلتے کودتے۔نتیجہ یہ ہوا کہ پاخانے کے راستے سے اس کی انتڑیاں باہر آگئیں اور وہ شہید ہو گیا ﴿قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ﴾ اس کو کہا گیا جنت میں داخل ہو جاؤ۔

سماعِ موتی اور قبر میں سوال وجواب

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد جنت یا دوزخ کے ساتھ تعلق قائم ہو جاتا ہے۔بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے کہ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے چلے جاتے ہیں ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔مومنوں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں وہ مبشر بشیر اور کافروں کے پاس منکر نکیر آتے ہیں اور پوچھتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ مَنْ نَبِيُّكَ مَا دِيْنُكَ. مومن ایمان کی برکت سے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیتا ہے رَبِّيَ اللهُ نَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ دِيْنِيَ اَلْاِسْلَامُ " میرا رب اللہ ہے، میرے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میرا دین اسلام ہے۔" اس کے بعد دوزخ کی طرف سے کھڑکی کھلتی ہے تو مومن گھبرا جاتا ہے کہ میں نے جواب تو صحیح دیئے ہیں یہ جہنم کی آگ کا سلسلہ کیا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ مت ڈرو یہ تمھیں احساس دلانے کے لیے دکھایا ہے کہ اگر تم ایمان نہ لاتے نیکیاں نہ کرتے تو تمھارا یہ ٹھکانا ہوتا۔اب تمھارا یہ ٹھکانا نہیں ہے اس کے بعد پھر جنت کی طرف سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔مزے کر کھا پی سب کچھ کرتا پھر۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے۔تو جنت سے مراد برزخ میں جنت کا احساس ہے۔اس کو رب تعالیٰ نے ایسا قبول فرمایا کہ فرمایا اے میرے بندے! جنت میں داخل ہو جاؤ وہ جنت میں جا پہنچا ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ میری قوم جان لے ﴿بِمَا﴾ اس چیز کو ﴿غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ﴾ جس چیز کی وجہ سے میرے رب نے مجھے بخشا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے پیغمبروں پر ایمان، آخرت پر ایمان اور نیک

اعمال کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میری بخشش فرمائی ہے۔ کاش کہ میری قوم بھی ایمان لے آئے اور پیغمبروں کی تصدیق کرے ﴿وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ﴾ اور کر دیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے عزت والوں میں سے کہ اب میں جنت میں مزے کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ اور نہیں اُتارا ہم نے اس کی قوم پر ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اس کی شہادت کے بعد ﴿مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کوئی لشکر آسمان سے ﴿وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ﴾ اور نہ ہم اُتارنے والے ہیں کہ وہاں اُتارنے کی ضرورت نہیں تھی۔

آسمان سے انسانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کا اُترنا:

ورنہ کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے نازل فرمائے ہیں۔ خندق کے موقع پر، حنین کے موقع پر، بدر میں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو آدمیوں کو دیکھا سفید لباس انھوں نے پہنا ہوا ہے پگڑیاں بھی سفید ہیں گھوڑوں پر ہیں چابک ان کے ہاتھ میں ہیں جس آدمی کو مارتے ہیں وہ پھڑک کے گر پڑتا ہے جس کافر کو مارتے ہیں وہ پھڑک کے گر پڑتا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ "حیزوم آگے بڑھو" میں بڑا حیران ہوا کہ یہ کون ہے ہمارے ساتھ جو ساتھی آئے تھے ان کو تو میں پہچانتا ہوں ان میں سے تو نہیں ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک جبرائیل علیہ السلام تھے اور دوسرے میکائیل علیہ السلام تھے اور حیزوم اس گھوڑے کا نام ہے جس پر جبرائیل علیہ السلام سوار تھے۔ تو اگر ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے بھی اُتارتے ہیں۔ ظفر علی خاں مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

فرشتے تو اُترنے کو تیار ہیں تمھارے اندر بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً﴾ نہیں تھی مگر ایک چیخ۔ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری ﴿فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ﴾ پس اچانک وہ سب کے سب بجھنے والے ہو گئے، سارے کے سارے بھسم ہو گئے ان مجرموں کا ایک بچہ بھی نہ بچا جو پیغمبروں کو شہید کرنے کے درپے تھے رب تعالیٰ نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾ اے افسوس ان لوگوں پر ﴿مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول ﴿اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تشریف لائی تو ان کے ساتھ بھی لوگوں نے ٹھٹھا کیا۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۶ پارہ نمبر ۱۷ میں ہے ﴿اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ "کیا یہی شخص ہے جو ذکر کرتا ہے تمھارے معبودوں کا۔" یہ تمھارے معبودوں کی تردید کرتا ہے اس کے پاس کیا ہے؟ سونا چاندی ہے، کوئی کوٹھی ہے؟ پھر کہنے لگے اللہ تعالیٰ کو کوئی مال دار تاجر نظر نہیں آتا تھا کہ اس کو نبی بنا دیتا ﴿لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ

الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [زخرف:۳۱] " کیوں نہیں اُتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دوبستیوں میں سے۔"

اس وقت جدہ تو تھا نہیں بستیوں سے مراد مکہ مکرمہ اور طائف ہے۔ مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ بڑا مال دار آدمی تھا اور اس کے تیرہ جوان بیٹے تھے خود بھی بڑا صحت مند تھا بیٹوں میں بیٹھا ہوا ان کا بھائی ہی لگتا تھا سارے لوگ اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کے بیٹوں میں سے تین مسلمان ہوئے۔ ایک خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اسلام کے مشہور جرنیل ہیں فاتح شام۔ دوسرا ولید بن ولید اور تیسرا ہشام بن ولید رضی اللہ عنہ۔ باقی دس باپ کے ساتھ کفر کی حالت پر مرے ہیں۔ اور طائف کا سردار تھا عروہ بن مسعود ثقفی۔ یہ بھی بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے تھے۔ تو کہنے لگے کہ قرآن اُتارنا ہی تھا تو مکے اور طائف کے کسی سردار پر اُتارتا اللہ تعالیٰ کو یہ یتیم ہی نظر آیا تھا۔ تو وہ لوگ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے ﴿مِنَ الْقُرُوْنِ﴾ جماعتیں ﴿اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ بے شک وہ جماعتیں ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی ﴿وَاِنْ كُلٌّ﴾ اور نہیں ہیں سب کے سب ﴿لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ مگر اکٹھے ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی اور یہ سب کے سب ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ [المعارج:۴۴] " نگاہیں ان کی پست ہوں گی ان پر ذلت سوار ہوگی۔" مومنوں کی گردنیں بلند ہوں گی۔ پیغمبروں کا حمایتی تو شہید ہو گیا مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا جو پیغمبروں کے خلاف کارروائی کرنا چاہتی تھی۔

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ﴾ اور ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ﴿الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾ مردہ زمین ہے ﴿اَحْيَيْنٰهَا﴾ زندہ کر دیا ہم نے اس کو ﴿وَاَخْرَجْنَا﴾ اور نکالا ہم نے ﴿مِنْهَا﴾ اس زمین سے ﴿حَبًّا﴾ اناج ﴿فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ﴾ پس اس سے وہ کھاتے ہیں ﴿وَجَعَلْنَا﴾ اور بنائے ہم نے ﴿فِيْهَا﴾ اس میں ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات ﴿مِّنْ نَّخِيْلٍ﴾ کھجوروں کے ﴿وَّاَعْنَابٍ﴾ اور انگوروں کے ﴿وَّفَجَّرْنَا﴾ اور چلائے ہم نے ﴿فِيْهَا﴾ اس میں ﴿مِنَ الْعُيُوْنِ﴾ چشمے ﴿لِيَاْكُلُوْا﴾ تاکہ یہ کھائیں ﴿مِنْ ثَمَرِهٖ﴾ اس کے پھل سے ﴿وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ﴾ اور نہیں بنایا اسے اس کے ہاتھوں نے ﴿اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ﴾ کیا پس یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ﴾ پاک ہے وہ ذات ﴿خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾ جس نے پیدا کیے جوڑے سب کے سب ﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ﴾ اس چیز سے جس کو زمین اُگاتی ہے ﴿وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور ان میں سے ﴿وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور ان چیزوں میں سے جن کو یہ نہیں جانتے ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ﴾ اور ان کے لیے نشانی ہے ﴿الَّيْلُ﴾ رات ﴿نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ کھینچ لیتے ہیں ہم اس سے دن کو ﴿فَاِذَا هُمْ﴾

﴿مُّظْلِمُوْنَ﴾ پس وہ اندھیرے میں ہو جاتے ہیں ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ اور سورج چلتا ہے اپنے راستے پر ﴿ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے زبردست جاننے والی ذات کا ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ﴾ اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں ﴿حَتّٰی عَادَ﴾ یہاں تک وہ لوٹتا ہے ﴿كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ﴾ پرانی ٹہنی کی طرح ﴿لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ﴾ نہ سورج کو مناسب ہے ﴿اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾ کہ وہ پالے چاند کو ﴿وَلَا الَّیْلُ﴾ اور نہ رات ﴿سَابِقُ النَّهَارِ﴾ سبقت کرنے والی ہے دن سے ﴿وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ اور سب کے سب اپنے مدار میں تیرتے ہیں ﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمْ﴾ اور ایک نشانی ان کے لیے ہے ﴿اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ﴾ بے شک ہم نے سوار کیا انسانوں کی نسل کو ﴿فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ بھری ہوئی کشتی میں ﴿وَخَلَقْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے پیدا کیا ان کے لیے ﴿مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ﴾ اس جیسی کشتیوں سے جن پر سوار ہوتے ہیں ﴿وَاِنْ نَّشَاْ﴾ اور اگر ہم چاہیں ﴿نُغْرِقْهُمْ﴾ ان کو غرق کر دیں ﴿فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ﴾ پس کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہ ہو ﴿وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ﴾ اور نہ ہی وہ چھڑائے جائیں گے ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا﴾ مگر ہماری رحمت ہے ﴿وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ﴾ اور فائدہ اُٹھانے کا سامان ہے ایک وقت تک۔

ماقبل سے ربط

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ جن لوگوں نے پیغمبروں کی مخالفت کی اور ان کے حواری کو شہید کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض دلائل بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ﴾ اور ان لوگوں کے لیے مردہ زمین نشانی ہے ﴿اَحْیَیْنٰهَا﴾ جس کو ہم نے زندہ کیا ﴿وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا﴾ اور نکالا ہم نے اس سے اناج، دانے پیدا کیے ﴿فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ﴾ پس اس سے یہ لوگ کھاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ قیامت حق ہے اور تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ جس طرح میں مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہوں اسی طرح قیامت والے دن تمام مردوں کو زندہ کر کے کھڑا کر دوں گا۔ تو فرمایا ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر کے اس میں اناج پیدا کیا ﴿وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ اور بنائے ہم نے اس زمین میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے ﴿وَفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ﴾ اور جاری کر دیئے اس زمین میں ہم نے چشمے تاکہ تمھاری پانی کی ضرورت پوری ہو اور اناج اور باغات پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے ﴿لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ﴾ تاکہ یہ کھائیں اس کے پھل سے۔ جانور بھی کھائیں انسان بھی کھائیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کیا ہے ورنہ ﴿وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ﴾ اور نہیں بنایا اسے ان لوگوں کے ہاتھوں نے۔ یہ خود سوچ سکتے ہیں کہ بارش برسا کر، دریا اور نہریں چلا کر، یہ کھجوریں اور انگور پیدا کر سکتے ہیں۔ کیا یہ ان کے کارنامے ہیں؟ ہرگز نہیں! یہ

سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں ہیں تو ﴿ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴾ کیا پس یہ لوگ شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔ ان کا تو فرض تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر شکر ادا کرتے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے۔

نباتات کا جوڑا جوڑا ہونا

فرمایا ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ ﴾ پاک ہے وہ ذات ﴿ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ جس نے پیدا کیے سب جوڑے اپنی قدرت سے ﴿ مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ ﴾ اس چیز سے جس کو زمین اُگاتی ہے۔ زمین میں جتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں ہر چیز کا جوڑا ہے۔ ایک نر ہے ایک مادہ ہے، ایک سیاہ ہے ایک سفید ہے، ایک چیز میٹھی ہے ایک کڑوی ہے۔

علم نباتات والے بتاتے ہیں کہ پودوں میں بھی نر اور مادہ ہیں، درختوں میں بھی نر مادہ ہیں۔ کھجوروں کے متعلق حدیث پاک میں آیا ہے مسلم شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا لوگ کھجوروں کے درختوں میں (اس کے معہود و معروف طریقہ پر) قلم لگا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم ایسے ہی کیا کرتے ہیں۔ انصار مدینہ اس طرح کرتے تھے کہ نر کھجوروں کا بور اُتار کر مادہ کھجوروں پر چھڑکتے تھے۔ اس طرح ان کی فصل اچھی ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو یعنی ایسا نہ کرو پھل تو اللہ تعالیٰ نے لگانا ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چھوڑ دیا مگر فصل کم ہوئی۔ اگر کسی کی بیس من ہوتی تھی تو دو من ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ حضرت! اس سال ہم نے تابیر نخل نہیں کی تھی فصل کم ہوئی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَ اُصِیْبُ)) "بے شک میں بشر ہوں میری رائے صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی ہوسکتی ہے۔ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ دِیْنِكُمْ فَخُذُوْهُ. جب میں تمھیں کوئی دین کی بات کہوں تو اس کو لے لیا کرو اور جب تمھارا کوئی دنیوی معاملہ ہو تو اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاكُمْ تو تم دُنیاوی معاملات کو زیادہ سمجھتے ہو جیسے چاہو کر لیا کرو۔" تو درختوں میں نر مادہ ہوتے ہیں پودوں میں بھی نر مادہ ہوتے ہیں۔

فرمایا ﴿ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور ان میں سے۔ خود انسانوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے جوڑے پیدا فرمائے ہیں مرد عورتیں نسل انسانی کا سلسلہ چلانے کے لیے ﴿ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور اس مخلوق میں بھی جوڑے پیدا کیے ہیں جن کو یہ نہیں جانتے۔ جنگلات میں اللہ تعالیٰ نے کتنی قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ہے جس کی شکل و صورت تک ہم نہیں جانتے، سمندر کی تہہ میں کتنی قسم کی مخلوقات ہیں جن کو ہم نہیں جانتے ہم نے صرف مچھلیاں یا چند اور چیزیں دیکھی ہیں۔

رب تعالیٰ کی قدرت کی اور نشانی۔ فرمایا ﴿ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ﴾ اور ان کے لیے نشانی ہے رات ﴿ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ ﴾ ہم کھینچ لیتے ہیں اس سے دن کو۔ سَلَخَ کا لفظی معنیٰ ہے بکری کی کھال اُتارنا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ رات کی تاریکی پر ہم دن کی چادر

ڈال دیتے ہیں اور جب رات آتی ہے تو دن کی چادر کو ہم کھینچ لیتے ہیں ﴿ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴾ پس وہ اندھیرے میں ہو جاتے ہیں یعنی رات بھی ہم نے بنائی اور دن بھی ہم نے بنایا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کو روزمرہ دیکھتے نہیں ہو؟ اور وہ رب جو دن رات کو بنانے والا ہے اندھیرے اور روشنی کا خالق ہے تو وہ قیامت برپا کر کے تمھیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ﴾ اور سورج چلتا ہے اپنے راستے پر جو راستہ رب تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے کیا مجال ہے کہ اس سے ایک انچ اِدھر اُدھر ہو سکے یا کھڑا ہو سکے یا رفتار میں کمی بیشی کر سکے، مجبور ہے، سورج بھی اور چاند بھی۔ اور انسان کا وجود اگرچہ چھوٹا سا ہے لیکن اس کو اختیارات اللہ تعالیٰ نے چاند سورج سے زیادہ دیئے ہیں۔ اپنی مرضی سے اُٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، دل کرے کھڑا ہو جائے دوڑ لگا دے، دائیں طرف چلے، بائیں طرف چلے، مگر انسان کی عقل ماری جائے تو اس کا کیا علاج ہے کہ چاند سورج کی چمک دمک دیکھ کر ان کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔

اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ سورج چاند کی پوجا نہ کرو بلکہ اس ذات کی پوجا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ تو فرمایا سورج چلتا ہے اپنے ٹھکانے، اپنے راستے پر ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾ یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے اس ذات کا جو جاننے والی ہے ﴿ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ ﴾ اور چاند کی ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں۔ چاند کو پیدا بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس کی منزلیں بھی مقرر کی ہیں۔ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں انتیس کا ہو تو ایک دن غائب ہوتا ہے ﴿ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴾ یہاں تک کہ وہ لوٹتا ہے پرانی ٹہنی کی طرح۔ عرجون کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے ہیں جو خشک ہو کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ قدیم کا معنیٰ پرانی۔ پہلے تو کھجور کی ٹہنی ویسے ہی ٹیڑھی ہوتی ہے پھر جب زیادہ پرانی ہو جائے تو اور زیادہ ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ تو جس طرح کھجور کی پرانی ٹہنی ٹیڑھی ہو جاتی ہے اسی طرح چاند بھی آخری دنوں میں باریک اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ فرمایا ﴿ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ ﴾ نہ سورج کے لیے مناسب ہے کہ وہ پا لے چاند کو دوڑ کر ﴿ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ﴾ اور نہ رات سبقت کرنے والی ہے دن سے کہ رات دن سے پہلے نہیں آ سکتی۔ رات اپنے وقت پر آئے گی اور دن اپنے وقت پر آئے گا جو ان کے لیے وقت مقرر ہے ﴿ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴾ اور سب کے سب اپنے مدار میں تیرتے ہیں۔ ﴿ كُلٌّ ﴾ سے مراد سورج اور چاند یعنی كُلٌّ مِّنَ الشَّمْسِ وَ الْقَمَرِ سب کے سب اپنے فلک یعنی مدار میں تیرتے ہیں نقل و حرکت کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہی تعلیم دی ہے کہ سورج بھی چلتا ہے اور چاند بھی چلتا ہے۔

حرکتِ شمس و قمر اور سائنس دانوں کا نظریہ

سائنس دانوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ سورج اور چاند چلتے ہیں اور ان کا نظریہ صحیح ہے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ سورج اور چاند ساکن ہیں اور زمین گھومتی ہے ان کی رائے غلط ہے۔ اس لیے کہ سائنس دانوں کی بات بدلتی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتی۔

ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کے متعلق فرما دیا ہے کہ وہ اچھی ہے ساری دنیا کے حکیم، ڈاکٹر، سائنس دان، عقل مندمل کر اس میں خرابی ثابت نہیں کر سکتے۔ اور جس چیز کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ بُری ہے ساری دنیا کے حکیم، ڈاکٹر، عقل مندمل کر اس میں اچھائی ثابت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے کہ وہ علیم کل ہے اس کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کر کے بتلایا ہے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ۴] "اور نہیں بولتا وہ پیغمبر نفس کی خواہش سے نہیں ہے وہ مگر وحی جو اس کی طرف کی گئی ہے۔" تو سورج بھی حرکت کرتا ہے، چاند بھی حرکت کرتا ہے اور ستاروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ بعض ستارے سیارے ہیں حرکت کرنے والے اور بعض ثوابت ہیں جو اپنی جگہ ٹکے رہتے ہیں۔ زحل، مشتری، عطارد اور زہرہ نقل و حرکت کرتے ہیں۔ کوئی مشرق کی طرف، کوئی مغرب کی طرف اور ان کی حرکت اتنی تیز ہے کہ اللہ کی پناہ! لیکن سب اپنے محور میں چلتے ہیں کوئی کسی کے ساتھ ٹکراتا نہیں ہے۔

سائنس دانوں کے بیان کے مطابق پچھلے دنوں زہرہ ستارے کا کچھ حصہ الگ ہو گیا تھا جس سے امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ ساری دنیا کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں کہ معلوم نہیں دنیا کے کس حصے میں گرے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو فضا ہی میں فنا کر دیا اور خطرہ ٹل گیا۔ یہ تمام رب تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔

رب تعالیٰ کی قدرت کی اور نشانی: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ﴾ اور ایک نشانی ان کے لیے ہے ﴿اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ بے شک ہم نے انسانوں کی ذریت کو سوار کیا ﴿فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ بھری ہوئی کشتی میں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ [ہود: ۳۷] "اور تیار کر کشتی ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے۔" یہ کشتی ساڑھے پانچ سو فٹ لمبی تھی جس کے تین طبقے تھے نیچے والے طبقے میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں، دوسرے طبقے میں حیوانات تھے اور اُوپر والے طبقے میں انسان تھے۔ نیچے سے چشمے اُبلے اُوپر سے بارش برسی اور ایسا سیلاب آیا کہ سوائے کشتی میں سوار ہونے والوں کے ساری دنیا تباہ ہو گئی۔

ایک من گھڑت قصہ

یہ جو قصہ بنا ہوا ہے کہ ایک آدمی تھا عوج بن عنق۔ اس کا قد اتنا لمبا تھا کہ یہ طوفان اس کے ٹخنوں تک آیا تھا اور وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر سورج پر بھون کر کھاتا تھا یہ یہودیوں کی خرافات میں سے ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سورہ نوح پارہ ۲۹ میں ہے نوح علیہ السلام نے کہا ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ "اے میرے رب! نہ چھوڑ زمین پر کافروں کا ایک گھر بسنے والا۔" تو صرف وہی بچے جو کشتی میں سوار ہوئے۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی نہ بچ سکا کہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔

تو فرمایا ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں ﴿وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ اور ہم نے پیدا کیا ان کے لیے اس جیسی کشتیوں سے جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی پھر لوگوں نے اس کے نمونے کی اور کشتیاں بنائیں اور اس کے نمونے کے جہاز بن گئے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ سے مراد اُونٹ ہیں۔

اُونٹ کو عربی میں سفینۃ البر . کہتے ہیں۔ خشکی کی کشتی ہے جس کے چوڑے پاؤں لمبے قدم یہ ریتلے علاقے میں خوب چلتا ہے۔ جہاں گھوڑا، گدھا، خچر اچھے طریقے سے نہیں چل سکتے۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ ہم نے تو تجربہ کیا ہے یہ بھکر، میانوالی، مظفر گڑھ کا جو حصہ تھل کا ہے وہاں آدمی قدم آگے رکھتا ہے آتا پیچھے ہے۔ تو اُونٹ خشکی کی کشتی ہے جو لاد دو گے اُٹھالے گا۔

خادمِ رسول حضرت قیس رضی اللہ عنہ

ایک صحابی تھے حضرت قیس رضی اللہ عنہ۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سامان زیادہ ہو گیا تو پریشان ہو گئے کہ اس کو کون اٹھائے گا؟ تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کمبل تھا بڑا مضبوط۔ عرض کیا حضرت! اس میں ڈال کر مجھے اُٹھوا دو۔ دو تین اُونٹوں کا وزن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنْتَ سَفِیْنَۃٌ "تو تو بھائی نری کشتی ہے۔" اس کے بعد ان کا لقب پڑ گیا سفینہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لوگ ان کو سفینہ کہہ کر پکارتے تھے۔

درندے کا صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام کرنا

رومیوں کے ساتھ لڑائی کے دوران میں ایک موقع پر ساتھیوں سے بچھڑ گئے ہتھیار بھی ان کے پاس کوئی نہیں تھا۔ جنگل کا شیر چنگھاڑتا ہوا ان کی طرف آیا۔ مسند احمد، مستدرک حاکم اور مشکوۃ میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ شیر جب قریب آیا تو اس کو کہا: انا سفینۃ مولی رسول اللہ یا اَبَا الحارث "اے جنگل کے شیر! میرا نام سفینہ ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم ہوں۔" اس شیر نے ایسے دم ہلائی جیسے بلی کتا اپنے مالک کے آگے ہلاتا ہے۔ پھر وہ شیر ان کو اس طرف لے گیا جہاں اسلامی فوج تھی۔ جب ان کو اپنے ساتھی نظر آنے لگے تو شیر سلام کر کے واپس چلا گیا۔ تو سفینہ کے لفظی معنی کشتی کے ہیں۔

فرمایا ﴿وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں ﴿فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ﴾ پس کوئی ان کی فریاد کو پہنچنے والا نہ ہو۔ کوئی ان کا امدادی نہ ہو۔ صریخ کا لفظی معنی ہے آواز دینے والا۔ جب کوئی آدمی چوروں، ڈاکوؤں میں پھنس جاتا اور آواز دیتا کہ او مجھے ملو! تو جو آدمی اس کی آواز سن کر جواب دیتا کہ گھبرا مت، میں پہنچا۔ تو امداد کی خاطر جو آواز بلند کرنے والا ہوتا تھا اس کو صریخ کہتے تھے۔ تو لازمی ترجمہ کرتے ہیں امدادی کہ ان کا کوئی امدادی نہ ہوگا۔ ﴿وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ﴾ اور نہ ہی وہ چھڑائے جائیں گے ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا﴾ مگر مہربانی ہے ہماری کہ ہم کشتیوں کو غرق نہیں ہونے دیتے جن کو ہم چاہیں ﴿وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ﴾ اور فائدہ اُٹھانے کا سامان ہے ایک وقت تک۔ یہ سب رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جو رب یہ سارے کام کر سکتا ہے وہی قیامت برپا کرے گا۔

﴿وَ اِذَا﴾ اور جس وقت ﴿قِيْلَ لَهُمُ﴾ کہا جاتا ہے ان سے ﴿اتَّقُوْا﴾ بچو ﴿مَا﴾ اس چیز سے ﴿بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ﴾ جو تمھارے سامنے ہے ﴿وَ مَا خَلْفَكُمْ﴾ اور جو تمھارے پیچھے ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿وَ مَا تَاْتِيْهِمْ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس ﴿مِّنْ اٰيَةٍ﴾ کوئی نشانی ﴿مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی نشانیوں میں سے ﴿اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا﴾ مگر ہیں اس سے ﴿مُعْرِضِيْنَ﴾ اعراض کرنے والے ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جس وقت کہا جاتا ہے ان سے ﴿اَنْفِقُوْا﴾ خرچ کرو ﴿مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ اس چیز سے جو رزق دیا ہے تم کو اللہ تعالیٰ نے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾ کہا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو مومن ہیں ﴿اَنُطْعِمُ﴾ کیا ہم کھلائیں ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ﴾ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کھلاتا اس کو ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ کب ہوگا یہ وعدہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿مَا يَنْظُرُوْنَ﴾ نہیں انتظار کرتے ﴿اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ مگر ایک چیخ کا ﴿تَاْخُذُهُمْ﴾ جو پکڑے گی ان کو ﴿وَ هُمْ يَخِصِّمُوْنَ﴾ اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً﴾ پس نہیں طاقت رکھیں گے یہ وصیت کرنے کی ﴿وَّ لَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے ﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ اور پھونکا جائے گا صور ﴿فَاِذَا هُمْ﴾ پس وہ اچانک ﴿مِّنَ الْاَجْدَاثِ﴾ قبروں سے ﴿اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ﴾ اپنے رب کی طرف دوڑیں گے ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿يٰوَيْلَنَا﴾ ہائے افسوس ہمارے اوپر ﴿مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ کس نے اُٹھایا ہے ہمیں ہماری لیٹنے والی جگہ سے ﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ﴾ یہ وہ ہے جس کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے ﴿وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اور سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ نہیں ہوگی مگر ایک ہی چیخ ﴿فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ پس وہ سارے کے سارے ہمارے پاس حاضر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ اپنی گمراہی کی وجہ سے ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنے گناہوں کے انجام کا کوئی فکر نہیں ہے ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جس وقت ان سے کہا جاتا ہے ﴿اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ بچو تم اس چیز سے جو تمھارے آگے اور جو تمھارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ کی مراد ؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ما بمعنی من ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ ڈرو تم اس ذات سے جو تمھارے آگے بھی

ہے اور پیچھے بھی ہے یہ جملہ شرط ہے اور جزا اس کی محذوف ہے کہ یہ اعراض کرتے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ آگے سے مراد دنیا کی زندگی ہے اور پیچھے سے مراد آخرت کی زندگی ہے۔ اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ آگے سے مراد آگے جو زمین ہے اور آسمان ہے اور پیچھے جو زمین ہے جس پر چل کر آئے ہو اور پیچھے جو آسمان ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو زمین میں دھنسا دیں اور اُوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں مگر یہ اعراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر بڑی نشانیاں عطا فرمائیں مگر انھوں نے اعراض ہی کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اس پر آپ کے پاس کوئی نشانی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں صرف کہتا نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں سچا پیغمبر ہوں۔ دیکھ! یہ سامنے کھجور کا درخت ہے اگر میں اس کے خوشے کی طرف اشارہ کروں کہ نیچے میرے پاس آ جا تو پھر مان جائے گا۔ اس نے کہا کیوں نہیں مانوں گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اشارہ کیا تو وہ خوشہ اُتر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں آ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھ یہ کھجور میری نہیں ہے اب یہ خوشہ واپس جا کر جُڑ جائے۔ اس نے کہا پھر تو نور علیٰ نور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا تو وہ خوشہ اپنی جگہ پر جا کر جُڑ گیا۔ توڑنا تو آسان ہوتا ہے جوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ چودھویں رات کا چاند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کے اشارے سے دو ٹکڑے ہوا سب نے آنکھوں سے دیکھا ﴿وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ [القمر: ۳] ”اور جھٹلایا انھوں نے اور پیروی کی انھوں نے اپنی خواہشات کی کہ بندہ جب ضد پر آ جائے تو پھر نہیں مانتا۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ﴾ اور نہیں آئی ان کے پاس کوئی نشانی ﴿مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی نشانیوں میں سے ﴿اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ﴾ مگر ہیں وہ اس سے اعراض کرنے والے ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ﴾ اور جب کہا جاتا ہے ان سے ﴿اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ خرچ کرو اس چیز سے جو رزق دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو۔ رب تعالیٰ نے تمھیں پیسے دیئے ہیں، اجناس دی ہیں، پھل دیئے ہیں ان میں سے غریب لوگوں کو بھی دو جو تم میں سے غریب ہیں۔ غریب اور کمزور مومنوں نے کہا کافروں کو کہ تم ہمیں نہ دو مگر تمھارے محلے میں جو غریب ہیں ان کو کھانا کھلاؤ اُن پر خرچ کرو۔ اب ان کا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ کہتے کہ بھئی! ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان کو کھلائیں گے ان پر خرچ کریں گے کیوں کہ صدقہ خیرات کو تو کافر بھی اچھا سمجھتے تھے۔ آج بھی کافر صدقہ خیرات اور رفاہِ عام کے کام کرتے ہیں۔ مگر انھوں نے جواب یہ دیا ﴿قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ ان لوگوں سے جو مومن ہیں۔ کیا کہا ﴿اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ﴾ کیا ہم کھلائیں اس کو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کھلاتا اس کو۔ رب ان کو کیوں نہیں کھلاتا؟ ان کی منطق یہ تھی کہ رب ان سے راضی نہیں ہے اگر راضی

ہوتا تو خود ان کو کھلاتا ﴿ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ اے مومنو! نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں کہ کہتے ہو کہ اپنا مال ان غریبوں پر خرچ کرو جنھیں اللہ تعالیٰ بھوکا رکھنا چاہتا ہے۔ اُلٹی منطق دیکھو کہ کافر مومنوں کو کہتے ہیں کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔ دنیا میں یہ سلسلہ چلتا رہا ہے کہ سچے کو جھوٹا کہا گیا ہے اور جھوٹے کو سچا کہا گیا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق کہا گیا ہے۔ مکے کے مشرک بڑے زور دار الفاظ میں اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کے عقیدے پر ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ صابی کا معنیٰ ہے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اپنانے والا۔ جیسے آج کل اہل حق کو وہابی کہتے ہیں۔

اہل حق کے خلاف سازشیں

مجھے ۱۹۸۶ء میں ایک ساتھی لندن لے گیا۔ وہاں میر پور کے لوگ زیادہ ہیں جو اکثر خالص بدعتی ہیں۔ میر پور کوٹلی کے علاقے میں بدعات زیادہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرا نام سنا ہوا تھا ان کو علم ہوا تو کہنے لگے چلو وہابیوں کے بابے کو دیکھتے ہیں۔ میں ان کے لیے بڑی عجیب شے تھا۔ خیر لوگ دور دراز سے گاڑیوں میں آئے۔ ایک بڑی مسجد میں میرا بیان تھا۔ سننے کے بعد کہنے لگے کہ ہمیں تو کچھ اور کہا گیا تھا یہ تو کچھ اور نکلا ہے۔ یہ تو بہت اچھی باتیں کرتا ہے۔ حق والوں کے خلاف سازشیں، بدنام کرنا، مقابلہ کرنا شروع ہی سے چلا آ رہا ہے۔

حج کے دنوں میں ابوجہل اور ابولہب نے باری مقرر کی ہوئی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حج کرتے تھے۔ چوں کہ حج کے دنوں میں لوگ زیادہ ہوتے تھے اور دور دراز سے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو توحید کی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک دن ابوجہل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر کی تردید کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تقریر ختم کرتے تو ابوجہل کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ تم نے اس کی تقریر سن لی ہے میرا بیان بھی سنو! میرا نام عمرو بن ہشام ہے اور ابوالحکم میری کنیت ہے یہ میرا بھتیجا ہے صَابِیٌ کَذَّابٌ "یہ صابی اور جھوٹا ہے۔" اس کے پھندے میں نہ آنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھنٹوں کی تقریر پر دو لفظوں کے ساتھ کہ صابی ہے، جھوٹا ہے کہہ کر پانی پھیر دیتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ریت پھینکنی شروع کر دیتا تھا کہ شرارتی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سنگ باری کریں۔ تو دنیا میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا کہا گیا ہے۔

تو کہنے لگے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔ ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ ﴾ اور کہتے ہیں جس قیامت کا تم ذکر کرتے ہو ﴿ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ یہ قیامت کا وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ مومنو! کتنے سال باقی ہیں، کتنے مہینے باقی ہیں؟ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس بات کا ذکر ہے۔ چنانچہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۷ پارہ نمبر ۹ میں ہے ﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ﴾ "یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں کہ کب ہوگا اس کا قائم ہونا ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ﴾ پختہ بات ہے کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ہے مجھے علم نہیں ہے کہ کب آنی ہے؟" قیامت تو آنی ہے مگر اس کے صحیح وقت کا علم کسی کو نہیں ہے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ہماری موت تو آنی ہے اس میں تو کسی کو تردد نہیں ہے مگر کب آئے

گی اس کا علم رب تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ ﴿مَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً﴾ نہیں انتظار کرتے یہ مگر ایک ہی چیخ کا۔ اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے ﴿تَاۡخُذُہُمۡ﴾ وہ ان کو پکڑے گی۔ وہ سب چیزوں پر حاوی اور چھا جائے گی ﴿وَ ہُمۡ یَخِصِّمُوۡنَ﴾ اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ یَخِصِّمُوۡنَ اصل میں یَخۡتَصِمُوۡنَ تھا تا کو ص کیا اور پھر ص کا ص میں ادغام کیا تو یَخِصِّمُوۡنَ ہوگیا۔ تو جب چیخ ان کو پکڑے گی تو آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ سودا دینے والا قیمت زیادہ بتلائے گا لینے والا چھڑانے (کم کرانے) کی کوشش کرے گا، قرضہ لینے والا مطالبہ کرے گا دینے والا کہے گا ابھی میرے پاس نہیں ہیں تو یہ لین دین وغیرہ کے جھگڑے ہو رہے ہوں گے اور اسرافیل علیہ السلام بگل پھونک دیں گے۔ اور ہر شے وہیں ڈھیر ہو جائے گی۔

قیامت کا منظر :

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بیچنے والا تھان بچھائے گا دکھانے کے لیے، خریدنے والا اس کے ساتھ بھاؤ طے کر رہا ہوگا کہ دونوں ڈھیر ہو جائیں گے۔ ایک آدمی دودھ دوہ کر اپنے گھر کے دروازے کے قریب پہنچ جائے گا مگر اندر نہیں داخل ہو سکے گا کہ خود بھی گر جائے گا اور دودھ بھی۔ آدمی لقمہ منہ میں ڈالے گا حلق سے نیچے نہیں اُتار سکے گا، پانی کا گھونٹ بھرے گا حلق سے نیچے نہیں اُتار سکے گا کہ ڈھیر ہو جائے گا۔ ایک پاؤں دروازے کے اندر ہوگا ایک باہر ہوگا کہ اسرافیل بگل پھونک دیں گے اور یہ وہیں ڈھیر ہو جائے گا ﴿فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ تَوۡصِیَۃً﴾ پس نہیں طاقت رکھیں گے یہ وصیت کرنے کی نہ کوئی وصیت سننے والا ہوگا ﴿وَّلَاۤ اِلٰۤی اَہۡلِہِمۡ یَرۡجِعُوۡنَ﴾ اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔ جہاں کہیں ہوں گے وہیں ڈھیر ہو جائیں گے ﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ﴾ اور پھونکا جائے گا بگل ﴿فَاِذَا ہُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ﴾۔ اَجۡدَاث جَدَثٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہے قبر، اجداث قبریں۔ معنیٰ ہوگا پس وہ اچانک قبروں سے نکل کر ﴿اِلٰی رَبِّہِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ﴾ اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے، دوڑیں گے۔ مشرق والے، مغرب والے، شمال والے، جنوب والے، کیا انسان، کیا جنات، کیا حیوان، کیا خشکی والے، کیا تری والے، سب کے سب میدان محشر میں اکٹھے ہوں گے۔ جب قبروں سے نکلیں گے تو سب ننگے ہوں گے سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ دوسرے نمبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیسرے نمبر پر موسیٰ علیہ السلام کو پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق کسی کو دو قدم کے بعد کسی کو چار قدم کے بعد لباس پہنایا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے نفسا نفسی کا عالم ہوگا ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی کوئی کسی کی فکر نہیں کرے گا ﴿یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ ﴿ۙ۳۴﴾ وَ اُمِّہٖ وَ اَبِیۡہِ ﴿ۙ۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ بَنِیۡہِ ﴿ؕ۳۶﴾﴾ [سورۃ عبس] "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اپنی ماں سے اپنے باپ سے اپنی بیوی سے اور بیٹوں سے۔" یہاں جانیں دینے کے لیے تیار ہیں وہاں ایک نیکی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا اس سے اندازہ لگاؤ کہ کتنا مشکل وقت ہوگا؟

﴿قَالُوۡا﴾ کہیں گے ﴿یٰوَیۡلَنَا﴾ ہائے افسوس ہمارے اُوپر ﴿مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا﴾ کس نے اُٹھایا ہے ہمیں ہماری لیٹنے والی جگہ سے۔ ہم قبروں میں لیٹے ہوئے تھے ہمیں کس نے اُٹھایا ہے ﴿ہٰذَا﴾ یہ جواب ہے ﴿ہٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ﴾ "یہ

چیز ہے جس کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے ﴿وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اور سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کہ ایک وقت آئے گا بگل پھونکا جائے گا اور تم قبروں سے اُٹھو گے جو جہاں کہیں ہوگا وہیں سے اُٹھے گا۔ باقی قبروں کا ذکر اس لیے ہے کہ عرب والے مردوں کو قبروں میں دفن کرتے تھے یہود و نصاریٰ بھی دفن کرتے ہیں۔ باقی جن کو جلا دیا جاتا ہے وہ بھی اُٹھیں گے، جن کو درندے کھا گئے وہ بھی اُٹھیں گے، مچھلیاں کھا گئیں وہ بھی اُٹھیں گے سب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جمع ہوں گے۔

واقعہ

بخاری شریف میں ایک آدمی کا ذکر آتا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر پیس دینا پھر کچھ راکھ سمندر میں پھینک دینا اور کچھ ہوا میں اُڑا دینا۔ بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کا ایک ذرہ نہ ضائع ہو اور سمندر کو حکم دیا کہ اس کا ایک ذرہ نہ ضائع ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسے اچھا بھلا بندہ بنا کر کھڑا کر دیا اور فرمایا اے بندے! تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے کہا پروردگار! تیرے ڈر کی وجہ سے کہ میرے پاس نیکی کوئی نہیں تھی مجھے شرم آئی کہ میں اس حالت میں رب کے سامنے کس طرح پیش ہوں؟ میں نے انسانوں والا کام تو کوئی کیا نہیں ہے۔ تیرے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ تو رب تعالیٰ کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔ یہ ہماری تمھاری منطق ہے کہ جس کو جلا دیا جائے گا وہ کیسے زندہ ہوگا جس کو درندے یا مچھلیاں کھا گئیں وہ کیسے زندہ ہوگا؟ خدا کے ہاں ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے نہ اس کے لیے کوئی کام مشکل ہے ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ نہیں ہوگی مگر ایک ہی چیخ ﴿فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ پس وہ سارے کے سارے ہمارے پاس حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔

منکرین عذاب قبر کا استدلال اور اس کا جواب

یہاں پر ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ منکرین عذابِ قبر اس آیت کریمہ کو اپنے دعوے پر پیش کرتے ہیں کہ مرقد کا معنیٰ ہے سونے کی جگہ۔ تو سوتا تو وہ ہے جس کو تکلیف نہ ہو۔ تکلیف والے کو کب نیند آتی ہے؟ جس کو فرشتے ہتھوڑے ماریں پسلیاں آر پار ہوں وہ کیسے سو سکتا ہے؟ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں مرقد کا معنیٰ سونے کا نہیں کریں گے بلکہ لیٹنے کی جگہ کریں گے کہ ان کو لیٹنے کی جگہ سے اٹھایا جائے گا۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے قیامت قائم ہونے سے کچھ دیر پہلے عذاب موقوف کر دیا جائے گا۔ تو جس وقت اُٹھیں گے اس وقت کے لحاظ سے وہ مرقد ہے پہلے نہیں۔ کیوں کہ مرنے کے بعد مسلسل عذاب ہوتا ہے۔

﴿فَالْيَوْمَ﴾ پس اس دن ﴿لَا تُظْلَمُ﴾ ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿نَفْسٌ﴾ کسی نفس پر ﴿شَيْـًٔا﴾ کچھ بھی ﴿وَلَا تُجْزَوْنَ﴾ اور نہ بدلہ دیا جائے گا تم کو ﴿اِلَّا مَا﴾ مگر اس چیز کا ﴿كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم عمل کرتے ہو ﴿اِنَّ﴾ بے شک ﴿اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ جنت والے ﴿الْيَوْمَ﴾ اس دن ﴿فِيْ شُغُلٍ﴾ شغل میں ہوں گے ﴿فٰكِهُوْنَ﴾ آپس میں باتیں کر رہے ہوں گے ﴿هُمْ﴾ وہ ﴿وَاَزْوَاجُهُمْ﴾ اور ان کی بیویاں ﴿فِيْ ظِلٰلٍ﴾ سائیوں میں ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ تختوں پر ﴿مُتَّكِـُٔوْنَ﴾ ٹیک لگائے ہوں گے ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے ﴿فِيْهَا﴾ اس جنت میں ﴿فَاكِهَةٌ﴾ پھل ہوں گے ﴿وَّلَهُمْ﴾ اور ان کے لیے ﴿مَّا﴾ وہ چیز ہوگی ﴿يَدَّعُوْنَ﴾ جو وہ طلب کریں گے ﴿سَلٰمٌ﴾ سلام ہوگا ﴿قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ قول کے طور پر رب رحیم کی طرف سے ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ﴾ اور الگ ہو جاؤ آج کے دن ﴿اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اے مجرمو! ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ﴾ کیا میں نے تاکید نہیں کی تھی تم کو ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ اے بنی آدم! ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ کہ تم نہ پوجا کرو شیطان کی ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ﴾ بے شک وہ تمھارا ﴿عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ کھلا دشمن ہے ﴿وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے ﴿وَلَقَدْ اَضَلَّ﴾ اور البتہ تحقیق اس نے بہکایا ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿جِبِلًّا كَثِيْرًا﴾ بہت ساری مخلوق کو ﴿اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم عقل نہیں رکھتے ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ﴾ یہ جہنم ہے ﴿الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ﴿اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ﴾ داخل ہو جاؤ اس میں آج کے دن ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ﴾ اس دن ہم مہر لگا دیں گے ﴿عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ﴾ ان کے مونہوں پر ﴿وَتُكَلِّمُنَآ﴾ اور کلام کریں گے ہمارے ساتھ ﴿اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے ہاتھ ﴿وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ﴾ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ﴿بِمَا﴾ اس چیز کی ﴿كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ جو وہ کماتے تھے۔

تفسیر آیات

قیامت کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا﴾ پس اس دن نہیں ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی۔ اس نے گناہ نہیں کیا اور اس کے کھاتے میں ڈال دیا جائے یا اس نے جرم نہیں کیا اور اسے مجرم بنا دیا جائے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یا ضابطے کے مطابق اس نے جو نیکیاں کی ہیں وہ نہ لکھی جائیں یا ان کا بدلہ نہ ملے ایسا نہیں ہوگا۔ دنیا میں لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں تو قیامت والے دن مظلوم کو اس کا حق نہ دلوایا جائے ایسا بھی نہیں ہوگا ﴿وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور نہ بدلہ دیا جائے گا تم کو مگر اس چیز کا جو تم کرتے ہو۔ تم نے نیکی کی نیکی کا بدلہ ملے گا، بدی کی بدی کا بدلہ ملے گا

﴿اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ﴾ بے شک جنت والے اس دن ﴿فِيۡ شُغُلٍ﴾ شغل میں ہوں گے، دل لگیوں میں ہوں گے ﴿فٰكِهُوۡنَ﴾ آپس میں باتیں کر رہے ہوں گے، مزے کر رہے ہوں گے۔ اپنے اپنے مزاج کے مطابق کوئی کھانا کھائے گا، کوئی پانی پیے گا، کوئی پھل کھائے گا، کوئی ہنس رہا ہوگا، کوئی کھیل رہا ہوگا، کوئی کچھ کرے گا کوئی کچھ کرے گا، اپنے اپنے شغل میں مصروف ہوں گے ﴿هُمۡ وَاَزۡوَاجُهُمۡ﴾ وہ اور ان کی بیویاں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ادنیٰ ترین جنتی کو زوجتان من الحور العین "دوحوریں تو ہر جنتی کو ملیں گی۔" ﴿فِيۡ ظِلٰلٍ﴾ ظِلٰلٍ ظُلَّةٌ کی جمع ہے اور اس کا مفرد ظِلٌّ بھی آتا ہے۔ یعنی اس کا مفرد ظُلَّةٌ بھی ہے اور ظِلٌّ بھی ہے۔ دونوں لفظ قرآن میں موجود ہیں عَلَى الۡاَرَآئِكِ۔ اَرَائِكِ، اَرِيۡكَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے آرام دہ کرسی، جدھر چاہو گھمالو۔ معنیٰ ہوگا وہ اور ان کی بیویاں سائیوں میں تختوں پر بیٹھے ہوں گے ﴿مُتَّكِـُٔوۡنَ﴾ خوب ٹیک لگائے۔ سائے کا لفظ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کیوں کہ قرآن کریم کے اول مخاطب عرب ہیں اور عرب میں سائے اور پانی کی بڑی قدر ہے کیوں کہ وہاں یہ دونوں چیزیں کم ہیں اسی واسطے کسی جگہ ظِلًّا ظَلِيۡلًا فرمایا ہے کہ بڑا گھنا سایہ ہوگا اور باغات ہوں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ہمارے ہاں سائے کی کوئی زیادہ قدر نہیں ہے کیوں کہ یہاں درخت وافر تعداد میں ہیں اور عرب کے مقابلے میں یہاں گرمی بھی کم ہوتی ہے۔ تو ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ وہ بھی اور ان کی بیویاں بھی سائیوں میں ہوں گی آرام دہ کرسیوں پر ٹیک لگا کر بڑے مزے کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔

﴿لَهُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ﴾ ان کے لیے جنت میں پھل ہوں گے ﴿وَّلَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ﴾ اور ان کے لیے وہ چیز ہوگی جو وہ طلب کریں گے۔ جو منہ سے نکلے گا سو ملے گا۔ بخاری شریف میں روایت ہے رب تعالیٰ فرمائیں گے جنتیو! مانگو جو مانگنا ہے۔ ایک آدمی کہے گا پروردگار! مجھے یہاں زراعت کرنے کی اجازت دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بغیر زراعت کے تمھیں سب کچھ مل جائے کیا یہ کافی نہیں ہے؟ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کیا ہوگی چھوٹی خدائی ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ ہو جائے وہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جنتی بھی جو چاہے گا ہو جائے گا۔

فرمایا ﴿سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ﴾ سلام ہوگا کہا ہوا رب رحیم کی طرف سے۔ السلام علیکم یا عبادی "اے میرے بندو! تم پر میرا سلام ہو۔" آج کوئی بڑا افسر کسی معمولی ملازم کو سلام کرے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا کہ میرے افسر نے مجھے سلام کیا ہے۔ اُو یہ افسر کیا ہوتا ہے؟ رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو سلام ہوگا جنتی آپس میں بھی سلام کریں گے فرشتے بھی سلام کریں گے ﴿سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ﴾ [زمر: ۷۳] "سلام ہو تم پر خوش رہو داخل ہو جاؤ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے۔" ہر طرف سے سلامتی ہی سلامتی ہوگی کوئی برا لفظ جنت میں نہیں سنے گا ﴿لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ﴾ [طور: ۲۳، پارہ: ۲۷] "نہ لغو ہوگا جنت میں نہ گناہ نہ لڑائی جھگڑا ہوگا۔" امن ہی امن ہوگا۔ پوری جنت میں ایک بھی تھانیدار نہیں ہوگا کیوں کہ وہاں جھگڑا ہی نہیں ہوگا۔

فرمایا﴿ وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴾ اور الگ ہو جاؤ آج کے دن اے مجرمو۔ میدان محشر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے مجرمو الگ ہو جاؤ۔ مومنوں کو الگ کر دیا جائے گا مجرموں کو الگ کر دیا جائے گا۔ مجرموں کو الگ کر کے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿ اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ ﴾ کیا میں نے تمھیں تاکید نہیں کی تھی پیغمبروں کے ذریعے، کتابوں کے ذریعے، واعظین کے ذریعے، عقل سلیم دے کر تاکید نہیں کی تھی؟ ﴿ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ ﴾ اے بنی آدم! کہ عبادت نہ کرنا شیطان کی۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ شیطان کی اطاعت کر کے تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو اور شیطان کی اطاعت ایک قسم کا شرک ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۲۱ پارہ ۸ میں ہے ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ﴾ "اور بے شک شیطان القا کرتے ہیں اپنے دوستوں کو ان کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ شیطان کے چیلے تمھارے ساتھ جھگڑا کریں اگر تم ان شیطانوں کی اور ان کے چیلوں کی اطاعت کرو گے تو بے شک البتہ تم مشرک ہو۔" تو شیطان کی اطاعت کرنا شیطان کے چیلوں کی اطاعت کرنا یہ بھی شرک ہے۔ تو فرمایا کہ کیا میں نے تمھیں تاکید نہیں کی تھی اے بنی آدم! کہ تم شیطان کی اطاعت نہ کرنا اس کی پوجا نہ کرنا ﴿ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴾ بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ وہ کوئی کام تم سے ایسا نہیں کرائے گا جس میں تمھارا فائدہ ہو۔ بعض کہاوتوں میں بڑی سمجھ کی باتیں ہوتی ہیں۔

ایک مشہور کہاوت

چنانچہ ایک مشہور کہاوت ہے کہ ایک نیک آدمی تھا اللہ والا سخت گرمی کے موسم میں دیوار کے سائے کے نیچے سویا ہوا تھا دوپہر کو تھوڑی دیر کے لیے سوجاتا تھا کہ تہجد کے واسطے اُٹھنے کے لیے بڑا مفید ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی نے آکر اس کو پاؤں کی طرف سے ہلا کر جگایا کہ اُٹھ کر بھاگ جاؤ دیوار گرنے والی ہے۔ وہ اُٹھ کر ایک طرف ہوا تو دیوار گر گئی۔ اس نے اس کو کہا کہ تم تو میرے لیے رحمت کے فرشتہ بن کر آئے ہو بتاؤ تو سہی کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ اس بات کو چھوڑ و تمھارا مقصد حاصل ہو گیا ہے، بچ گئے ہو۔ اس اللہ والے نے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ نیک آدمی نے کہا لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَلِيِّ الۡعَظِيۡمِ۔ میرا تیرے ساتھ کیا تعلق ہے کہ تو نے یہ نیکی کی ہے۔ شیطان نے کہا کہ میں نے تیرے ساتھ نیکی نہیں کی بلکہ نیکی سے محروم کیا ہے کہ اگر تو دیوار کے نیچے آکر مر جاتا تو شہید ہوتا تو میں نے تجھے شہادت کے درجے سے محروم کر دیا ہے۔ تو شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

فرمایا﴿ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ ﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرو۔ میں نے تمھیں تاکید نہیں کی تھی ﴿ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے کہ میری عبادت کرو شیطان کی اطاعت نہ کرو ﴿ وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡكُمۡ جِبِلًّا كَثِيۡرًا ﴾۔ جِبِلًّا جَبِيۡلٌ کی جمع ہے بمعنی مخلوق۔ اور جِبِلًّا کا معنیٰ مخلوقات۔ معنیٰ ہوگا اور البتہ تحقیق اس نے بہکایا تم میں سے بہت ساری مخلوقات کو۔ بہت سی قوموں کو، بہت سے خاندانوں اور برادریوں کو، انسانوں اور جنوں کو اس نے بہکایا ﴿ اَفَلَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ ﴾ کیا پس تم عقل نہیں رکھتے۔

اتنی واضح بات تمھیں سمجھ نہیں آتی کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اس کی اطاعت نہ کرو میری عبادت کرو۔ اب اس کا نتیجہ سن لو!
﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر تم کفر و شرک کرو گے شیطان کی اطاعت کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا ﴿فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ﴾ [رحمٰن: ۴۱] "پھر پکڑا جائے گا ان کو پیشانیوں اور پاؤں سے۔" کیوں کہ خوشی کے ساتھ تو کوئی بھی دوزخ کی طرف قدم نہیں اٹھائے گا فرشتے ان کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔

پھر پل صراط کا مرحلہ آئے گا۔ کوئی ایک قدم چلے گا نیچے گر جائے گا کوئی دو قدم چلے گا نیچے گر جائے گا۔ پل صراط کافروں اور مشرکوں کے لیے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ اور مومنوں اور موحدوں کے لیے اتنی کھلی سڑک ہوگی جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ کچھ سواریوں پر جائیں گے، کچھ دوڑتے ہوئے جائیں گے، کچھ بادلوں کی طرح اڑتے جائیں گے، کچھ پرندوں کی طرح۔ اور کافروں، مشرکوں کو حکم ہوگا ﴿اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ داخل ہو جاؤ تم اس دوزخ میں آج کے دن اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ میری تم نے نافرمانی کی، شیطان کے چیلے بنے رہے۔ اس دن بعض مشرک ایسے ہوں گے جو سرے سے شرک ہی کا انکار کر دیں گے ﴿اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ [انعام: ۲۳] "یہ کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ﴾ "دیکھو کیسا جھوٹ بولا ہے انھوں نے اپنی جانوں پر۔" یہ بے ایمان یہاں بھی سچ بولنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ پھر کیا ہوگا ﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ﴾ اس دن ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر منہ سے بول نہیں سکیں گے ﴿وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ﴾ اور ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ باتیں کریں گے کہ ہمارے ساتھ انھوں نے یہ کچھ کیا ہے۔ ہم کفر و شرک کرتے رہے ہیں ﴿وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ﴾ اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے کہ ہمارے ساتھ یہ کچھ کرتے رہے ہیں۔ تو جب انسان کے اعضاء انسان کے خلاف گواہی دیں گے تو ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا﴾ "اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے کہ تم کیوں گواہی دیتی ہو ہمارے خلاف ﴿قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ [حم سجدہ: ۲۱] وہ کہیں گے ہم کو بلوایا ہے اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔" اس کے بعد پھر سب کچھ اُگل دیں گے ﴿وَلَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا﴾ [النساء: ۴۲] "اور نہیں چھپائیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات۔" کہیں گے ہم نے یہ بھی کیا ہے یہ بھی کیا ہے۔ کہیں گے ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ [سورہ سجدہ: ۱۲] "پس ہمیں لوٹا دے دنیا میں تاکہ ہم اچھے عمل کر سکیں۔" حالاں کہ وہاں سے واپس آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو فرمایا اس دن ہم مہریں لگا دیں گے مونہوں پر اور ہمارے ساتھ باتیں کریں گے ان کے ہاتھ اور گواہیاں دیں گے ان کے پاؤں ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ اس چیز کی جو وہ کماتے تھے۔

﴿وَ لَوۡ نَشَآءُ﴾ اور اگر ہم چاہیں ﴿لَطَمَسۡنَا﴾ البتہ مٹا دیں ہم ﴿عَلٰۤی اَعۡیُنِہِمۡ﴾ ان کی آنکھوں کو ﴿فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ﴾ پس وہ دوڑیں راستے کی طرف ﴿فَاَنّٰی یُبۡصِرُوۡنَ﴾ پھر کہاں سے وہ دیکھ سکیں گے ﴿وَ لَوۡ نَشَآءُ﴾ اور اگر ہم چاہیں ﴿لَمَسَخۡنٰہُمۡ﴾ تو مسخ کر دیں ان کو ﴿عَلٰی مَکَانَتِہِمۡ﴾ ان کی جگہوں پر ﴿فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا﴾ پس وہ طاقت نہ رکھیں ﴿مُضِیًّا﴾ آگے چلنے کی ﴿وَّ لَا یَرۡجِعُوۡنَ﴾ اور نہ وہ واپس لوٹ سکیں ﴿وَ مَنۡ﴾ اور وہ شخص ﴿نُّعَمِّرۡہُ﴾ جس کو ہم عمر دیتے ہیں ﴿نُنَکِّسۡہُ﴾ ہم کمی کر دیتے ہیں ﴿فِی الۡخَلۡقِ﴾ خلقت میں ﴿اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ﴾ کیا پس وہ عقل نہیں رکھتے ﴿وَ مَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ﴾ اور ہم نے تعلیم نہیں دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کی ﴿وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لَہٗ﴾ اور نہ اس کی شان کے لائق ہے ﴿اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر نصیحت ﴿وَّ قُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ﴾ اور قرآن ہے کھول کر بیان کرنے والا ﴿لِّیُنۡذِرَ﴾ تاکہ ڈرائے ﴿مَنۡ﴾ اس کو ﴿کَانَ حَیًّا﴾ جو زندہ ہے ﴿وَّ یَحِقَّ الۡقَوۡلُ﴾ اور لازم ہو جائے بات ﴿عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ﴾ کافروں پر ﴿اَوَ لَمۡ یَرَوۡا﴾ کیا اور نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ﴾ بے شک ہم نے پیدا کیا ہے ان کے لیے ﴿مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ﴾ ان چیزوں سے جو ہمارے ہاتھوں نے بنائی ہیں ﴿اَنۡعَامًا﴾ مویشی ﴿فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ﴾ پس وہ ان کے مالک ہیں ﴿وَ ذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ﴾ اور ہم نے تابع کر دیا ہے ان کو ان کے لیے ﴿فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ﴾ پس بعض ان میں سے ان کی سواری ہیں ﴿وَ مِنۡہَا یَاۡکُلُوۡنَ﴾ اور ان میں سے بعض کو کھاتے ہیں ﴿وَ لَہُمۡ فِیۡہَا﴾ اور ان کے لیے ان جانوروں میں ﴿مَنَافِعُ﴾ بہت فائدے ہیں ﴿وَ مَشَارِبُ﴾ اور پینے کے گھاٹ ہیں ﴿اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ﴾ کیا پس وہ شکر یہ ادا نہیں کرتے ﴿وَ اتَّخَذُوۡا﴾ اور بنائے ان لوگوں نے ﴿مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِہَۃً﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے معبود ﴿لَّعَلَّہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ﴾ تاکہ ان کی مدد کی جائے ﴿لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَہُمۡ﴾ وہ نہیں طاقت رکھتے ان کی مدد کی ﴿وَ ہُمۡ لَہُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ﴾ اور وہ ان کے لیے لشکر ہوں گے جو حاضر کیے جائیں گے ﴿فَلَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُہُمۡ﴾ پس نہ غم میں ڈالے آپ کو ان کی بات ﴿اِنَّا نَعۡلَمُ﴾ بے شک ہم جانتے ہیں ﴿مَا یُسِرُّوۡنَ﴾ اس چیز کو جس کو وہ چھپاتے ہیں ﴿وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ﴾ اور اس چیز کو جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

ربطِ آیات

پچھلے درس میں میں نے بیان کیا تھا کہ ایک موقع محشر میں ایسا آئے گا کہ مشرک لوگ اپنے شرک کا انکار کریں گے۔ کہیں گے ﴿وَ اللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ﴾ [الانعام: ۲۳] "اللہ کی قسم ہے اے ہمارے پروردگار! ہم نے شرک نہیں کیا۔" تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہریں لگا دیں گے۔ اس کا ذکر پچھلی آیت کریمہ میں ہے ﴿اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاہِہِمۡ﴾ زبانیں

نہیں بولیں گی ہاتھ پاؤں بولیں گے ایسے ہی جیسے ہماری زبان بولتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں قدرت ہے ﴿وَ لَوْ نَشَآءُ﴾ اور اگر ہم چاہیں ﴿لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ﴾ تو مٹا دیں ان کی آنکھوں کو کہ بینائی چھین لیں، آنکھوں کا نور چھین لیں۔ کئی آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ بہ ظاہر ان کی آنکھیں معلوم ہوتی ہے لیکن اندر روشنی نہیں ہوتی۔ تو فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو مٹا دیں ان کی آنکھوں کو ﴿فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ﴾ پس وہ دوڑیں گے راستے کی طرف۔ راستہ تلاش کرتے پھریں گے ﴿فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ﴾ پھر کہاں دیکھ سکیں گے کیسے دیکھیں گے؟ اس زمانے میں آج کی طرح راستے نہیں ہوتے تھے اتنی ٹریفک نہیں ہوتی تھی۔ آج تو سڑک کراس کرنا بڑا مشکل ہے۔ فرمایا ﴿وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو مسخ کر دیں ان کی شکلیں ﴿عَلٰى مَكَانَتِهِمْ﴾ ان کی جگہوں پر، ان کے ٹھکانوں پر جہاں کہیں کھڑے ہیں، بیٹھے ہیں، لیٹے ہیں وہیں ان کی شکلیں مسخ کر دیں جیسے پہلے بنی اسرائیلیوں کی کی تھیں ﴿وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ﴾ [مائدہ:۶۰] "اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر۔" داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بوڑھے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ نے خنزیر بنایا اور جوانوں کو بندر بنایا۔ تین دن اسی طرح رہے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے اور پہچانتے تھے اور روتے تھے۔ تین دن کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا۔

تو فرمایا اگر ہم چاہیں تو ان کی شکلیں مسخ کر دیں ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ پس وہ نہ طاقت رکھیں آگے چلنے کی اور وہ نہ واپس لوٹ سکیں اپنے گھروں کو۔ فرمایا دیکھتے نہیں ﴿وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ﴾ اور جس کو عمر دیتے ہیں زیادہ ﴿نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ ہم کمی کر دیتے ہیں اس کی خلقت میں، آنکھوں میں کمی کہ اچھی طرح دیکھ نہ سکے، کانوں کی سماعت میں کمی کہ صحیح طریقے سے سن نہ سکے، منہ میں دانت نہ رہیں کہ روٹی نہ چبا سکے، کمر سیدھی نہیں کُبڑا ہو کر چلتا ہے وہ جو پہلے پہلوان ہوتا تھا۔ اس کے سامنے کوئی شے مشکل نہیں ہے ﴿اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے کہ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر بھی کہتے تھے۔ سورہ صٰفّٰت آیت نمبر ۳۶ پارہ نمبر ۲۳ میں ہے ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ "اور وہ کہتے ہیں کیا ہم چھوڑنے والے ہو جائیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے۔" تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے ﴿وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ﴾ اور ہم نے نہیں تعلیم دی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کی ﴿وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ اور نہ شعر و شاعری ان کی شان کے لائق ہے۔ کیوں لائق نہیں؟ شاعروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء آیت نمبر ۲۲۴، ۲۲۵-۲۲۶ پارہ ۱۹ میں فرمایا ہے ﴿وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ "اور شاعر لوگوں کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ﴾ کیا دیکھا نہیں تم نے کہ وہ شاعر ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں ﴿وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور بے شک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔" شعر میں جتنا مبالغہ ہوگا اور واقع کے خلاف ہوگا اتنا اچھا سمجھا جائے گا۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ یہاں تو اقبال جیسا عظیم شاعر بھی اپنے بارے میں کہہ گیا کہ :

گفتار کا یہ غازی تو بنا گیا ، کردار کا غازی بن نہ سکا

تو شاعر لوگ کرتے کچھ ہیں کہتے کچھ ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان مبارک پر ہوتا ہے اور جو زبان

مبارک پر ہوتا ہے اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ یہاں دورنگی قطعاً نہیں ہوتی۔شاعروں میں بہت کم لوگ ہیں جو حقیقت کو بیان کریں ورنہ اکثریت اِدھراُدھر کی باتیں بیان کرتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم کلی کی نفی

یہاں پر ایک عقیدے کی بات سمجھ لیں کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعروشاعری کی تعلیم نہیں دی تو علم کلی کی نفی ہوگئی۔ کیوں کہ کلی میں تو شعروشاعری بھی ہے۔مگر بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازشرق تاغرب ازشمال تا جنوب ازفرش تا عرش تمام چیزوں کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا۔ ایک ذرہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے باہر نہیں ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ علیم کل تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی علیم کل ہیں تو یہ تو شرک ہوگیا اور تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں شریک بنادیا یہ تو شرک ہے۔تو پھر اس کی وہ تاویل یہ کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم عطائی ہے اس لیے ہم شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔تو ذاتی اور عطائی کا چکر دے کر لوگوں کو مغالطے میں ڈالتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے تو عطائی کی نفی کی ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبر کو شعروشاعری کا علم دیا ہی نہیں ہے اور وہ ان کے لائق ہی نہیں تھا جب رب تعالیٰ نے شعروشاعری کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم ہی نہیں دی تو پھر علم کل کہاں سے آگیا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون تعلیم دینے والا ہے؟ ہاں! اس بات کو اس طرح توڑا جاسکتا تھا کہ اس کے بعد کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی جس میں اس بات کا ذکر ہوتا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعروشاعری کا علم بھی دے دیا ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے لائق ہے۔

پھر سورۃ النساء آیت نمبر ۱۶۴ پارہ ۶ میں ہے ﴿ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ "اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ پر بیان کیا ہے اس سے پہلے اور ایسے رسول بھی بھیجے جن کے حالات ہم نے بیان نہیں کیے۔" تو جن پیغمبروں کے حالات اللہ تعالیٰ نے بیان ہی نہیں کیے ان کا علم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح ہوگیا؟ اور سورۃ المومن آیت نمبر ۷۸ پارہ ۲۴ میں ہے "اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے رسولوں کو آپ سے پہلے ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ بعض ان میں سے وہ ہیں جن کے حالات ہم نے آپ پر بیان کیے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ ہم نے ان کے حالات آپ پر بیان نہیں کیے۔" رب تعالیٰ تو نفی فرمارہے ہیں کہ ہم نے بعض پیغمبروں کے حالات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں بتلائے۔اب اس قضیے کو توڑا تو اس طرح جاسکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی آیت نازل ہوئی ہو جس میں اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ ہم نے تمام پیغمبروں کے حالات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیان کردیئے ہیں۔تو قرآن کریم تو عطائی کی بھی نفی کررہا ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کلی طور پر ہرشے کا علم نہیں دیا۔تو یہ لوگ ذاتی عطائی کی تاویل کرکے نرادھوکا دیتے ہیں اور لوگوں کو مشرک بناتے ہیں۔

تو فرمایا کہ ہم نے پیغمبر کو شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی یہ ان کے لائق تھی ﴿اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِكْرٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر نصیحت ﴿وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور قرآن کھول کر بیان کرنے والا۔ اس کو اُتارا کیوں ہے؟ ﴿لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا﴾ تاکہ ڈرائے قرآن پاک اس کو جو زندہ ہے یعنی جس کو روحانی زندگی حاصل ہے اور وہ سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو ڈرائے ﴿وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور لازم ہو جائے بات کافروں پر۔ ان کے لیے اتمام حجت ہو جائے۔

دلائل قدرت

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دلائل بیان فرمائے ہیں ﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ﴾ بے شک ہم نے پیدا کیے ہیں ان کے لیے ﴿مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ﴾ جو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے۔ قدرت کے ہاتھوں کے ساتھ بنائے ہیں ﴿اَنْعَامًا﴾ مویشی۔ بھیڑ، بکریاں، اُونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۳-۱۴۴ پارہ ۸ میں باقاعدہ ان کا ذکر ہے ﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ﴾ "بھیڑوں میں سے دو نر اور مادہ بکریوں میں سے دو نر اور مادہ، اُونٹوں میں سے دو نر اور مادہ اور گائے (بھینس) میں سے دو نر اور مادہ۔" یہ سب جانور ہماری قدرت کے ہاتھوں نے بنائے ہیں ﴿فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴾ اور وہ ان کے مالک ہیں مجازی شرعی طور پر ہم نے ان کو ان کا مالک تصور کیا ہے ﴿وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے تابع کر دیا ہے ان مویشیوں کو ان کے وہ جانور ان کے تابع ہیں ﴿فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ﴾ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو ان کی سواریاں ہیں ان پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ جیسے اُونٹ ہے ایک چھوٹا سا بچہ نکیل ہاتھ میں پکڑ کر لے جا رہا ہے اور اس کے پیچھے قطار ہے اگر ایک اُونٹ بگڑ جائے تو سارا محلہ اس کو قابو نہیں کر سکتا۔ تو یہ جانور تمھارے تابع کس نے کیے ہیں؟ ﴿وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو کھاتے ہیں ذبح کر کے۔ بھیڑ بکریاں، اُونٹ، گائے، بھینس ذبح کر کے کھاتے بھی ہیں یہ بھی خدا کی نعمت ہے ﴿وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ﴾ اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت فائدے ہیں۔ ان کی اون اور پشم کے کپڑے بنتے ہیں جو بڑے گرم ہوتے ہیں۔ بالوں کی بوریاں بھی بنتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں ﴿وَ مَشَارِبُ﴾ اور پینے کے گھاٹ ہیں ان کا دودھ لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ چارا دیکھو، دودھ دیکھو اور اگر نہ سمجھنا چاہے تو چاند دو ٹکڑے ہوا پھر بھی نہ سمجھے۔ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں اگر کوئی غور و فکر کرے۔

تو فرمایا اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ ہیں ﴿اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ﴾ کیا پس یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ میرے پیدا کیے ہوئے جانوروں پر سواری بھی کرتے ہیں ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں دودھ بھی پیتے ہیں ان سے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں اس سب کے باوجود ﴿وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ اور بنا لیے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے معبود۔ جب یہ سب کچھ تمھارے لیے رب تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو عبادت بھی اسی کی کرو۔ چاہے بدنی عبادت ہو، زبانی عبادت ہو، مالی عبادت ہو۔

گیارھویں شریف

جانور کو پیدا تو رب تعالیٰ کرے اور چڑھاوا غیر اللہ کا، دودھ اللہ تعالیٰ پیدا کرے گیارھویں کا دودھ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ بے شک ایصال ثواب بڑی اچھی چیز ہے اور ہم اس کے قائل بھی ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ایصال ثواب صرف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کیوں؟ ہمارا پختہ نظریہ ہے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے ولی تھے ان کی نیکیاں اتنی زیادہ ہیں وہ نیکیوں سے اس قدر مالا مال ہیں کہ اگر ان کی نیکیاں گکھڑ والوں پر تقسیم کی جائیں تو ان سب کا بیڑا پار ہو جائے۔ وہ تو نیکیوں میں پہلے ہی غنی ہیں۔ اگر تم نے ایصالِ ثواب کرنا ہی ہے تو والدین کے لیے کیوں نہیں کرتے۔ گیارھویں دادا دادی کے لیے کیوں نہیں دیتے۔ کسی سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی، کسی سے کوئی لغزش ہوئی ہوگی، کسی کی نماز رہ گئی ہوگی، کسی کا روزہ رہ گیا ہوگا، ان کو ایصالِ ثواب کرو جو محتاج ہیں تم ان کے لیے ایصالِ ثواب کرتے ہو جو پہلے ہی رجے ہوئے ہیں۔ پھر ایصالِ ثواب کا مال غریب کو کھلاؤ یہاں تو اچھے بھلے لوگ کھا جاتے ہیں۔ حالاں کہ خود بریلویوں کے بزرگوں نے بھی لکھا ہے کہ واجب قسم کا صدقہ امیر کے لیے حرام ہے اور نفلی صدقہ امیر کے لیے مکروہ تنزیہی ہے۔ جو آدمی خود قربانی دینے کا اہل ہے فطرانہ دینے کا اہل ہے وہ نفلی صدقہ لینے کا بھی مجاز نہیں ہے چاہے مولوی ہو، پیر ہو، قاری ہو، حافظ ہو۔ لیکن یہاں تو یہی لوگ سب کچھ کھا جاتے ہیں۔ عجیب قسم کے گورکھ دھندے ان لوگوں نے بنا لیے ہیں۔

تو فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے الٰہ بنائے ہیں ﴿لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ تا کہ ان کی مدد کی جائے ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ﴾ وہ نہیں طاقت رکھتے ان کی مدد کی۔ وہ خود محتاج ہیں ان کی کیا مدد کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض غالی قسم کے لوگوں نے گاڑیوں پر لکھا ہوتا ہے یا علی مدد، یا علی اَدْرِکْنِی۔ بھائی! حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں کہ ان کو رمضان المبارک کے مہینے میں عبدالرحمٰن بن ملجم نامی نامراد نے شہید کیا۔ وہ خود اپنے آپ کو تو نہ بچا سکے اور نامرادو! تمھیں کیسے بچائیں گے؟ وہ تمھاری کیا مدد کریں گے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا اور حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں شہید ہوئے تو تم یا حسین! کہہ کر ان سے مدد مانگتے ہو وہ تمھاری کیسے مدد کریں گے؟

تو فرمایا کہ وہ اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتے ﴿وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ﴾ اور وہ ان کے لیے لشکر ہوں گے جو حاضر کیے جائیں گے۔ جن کو یہ الٰہ بنائے پھرتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں وہ ان کے خلاف لشکر بن کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے اے پروردگار! یہ جو کچھ کرتے رہے ہیں ہم نے ان کو نہیں کہا آپ جانیں اور یہ جانیں۔ سورۃ مائدہ آیت نمبر ۱۱۶ پارہ ۷ میں ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "اور جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ نے کہا تھا لوگوں کو کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ﴾ عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے پاک ہے تیری ذات اے اللہ نہیں لائق میرے لیے کہ

میں کہوں ایسی بات جس کا مجھے حق نہیں ہے۔" تو یہ بزرگ قیامت والے دن ان کے خلاف پیش ہوں گے۔

فرمایا ﴿ فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ﴾ پس نہ غم میں ڈالے آپ کو اے نبی کریم ﷺ! ان کی باتیں کہ یہ آپ کو ساحر بھی کہتے ہیں، مجنون اور مسحور بھی کہتے ہیں، مفتری بھی کہتے ہیں اور شاعر بھی۔ آپ ان کی باتوں سے غم نہ کھائیں ﴿ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴾ بے شک ہم جانتے ہیں ان باتوں کو جن کو یہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کو بھی جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔

﴿ اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ ﴾ کیا نہیں دیکھا انسان نے ﴿ اَنَّا خَلَقْنٰهُ ﴾ بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا ﴿ مِنْ نُّطْفَةٍ ﴾ نطفے سے ﴿ فَاِذَا هُوَ ﴾ پس اچانک وہ ﴿ خَصِیْمٌ ﴾ جھگڑنے والا ہے ﴿ مُّبِیْنٌ ﴾ کھلے طور پر ﴿ وَضَرَبَ لَنَا ﴾ اور بیان کرتا ہے ہمارے لیے ﴿ مَثَلًا ﴾ مثالیں ﴿ وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ﴾ اور وہ بھول گیا اپنی پیدائش کو ﴿ قَالَ ﴾ کہتا ہے ﴿ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ ﴾ کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو ﴿ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴾ اور وہ بوسیدہ ہو رہی ہوں گی ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ یُحْیِیْهَا ﴾ زندہ کرے گا ان کو ﴿ الَّذِیْۤ ﴾ وہ ﴿ اَنْشَاَهَاۤ ﴾ جس نے پیدا کیا ان کو ﴿ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ پہلی مرتبہ ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ﴾ اور وہ ہر پیدائش کو جاننے والا ہے ﴿ الَّذِیْ ﴾ وہ ذات ہے ﴿ جَعَلَ لَكُمْ ﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے ﴿ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ ﴾ سبز درخت سے ﴿ نَارًا ﴾ آگ ﴿ فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴾ پس اچانک تم اس آگ سے سلگاتے ہو ﴿ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ ﴾ کیا نہیں ہے وہ ذات ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿ وَالْاَرْضَ ﴾ اور زمین کو ﴿ بِقٰدِرٍ ﴾ قادر ﴿ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾ اس پر کہ پیدا کرے ان جیسے ﴿ بَلٰی ﴾ کیوں نہیں ﴿ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴾ اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ﴿ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ ﴾ بیشک اس کا حکم ﴿ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا ﴾ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں ﴿ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ ﴾ تو کہتا ہے اس کو ﴿ كُنْ ﴾ ہو جا ﴿ فَیَكُوْنُ ﴾ پس وہ ہو جاتی ہے ﴿ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ ﴾ پس پاک ہے وہ ذات ﴿ بِیَدِهٖ ﴾ جس کے دست قدرت میں ہے ﴿ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ حکومت ہر چیز کی ﴿ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

شانِ نزول

تفسیروں میں آتا ہے کہ یہ بات عاص بن وائل نے کہی اور بعض میں آتا ہے کہ یہ امیہ بن خلف کافر کا مقولہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط نے یہ باتیں کی تھیں اور اکثر کہتے ہیں کہ ابوجہل نے یہ باتیں کی تھیں جس کا نام عمرو اور اس کے والد کا نام ہشام تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ مکے والے اس کو ابوالحکم کہتے تھے۔ ابوالحکم کا معنیٰ ہے چیئرمین، سردار۔ اس کا نام

ابوجہل اس لیے رکھا کہ وہ جہالت میں مبتلا تھا۔ یہ بڑا منہ پھٹ اور ہتھ چھٹ آدمی تھا کسی کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ابوجہل ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا گرمی کے موسم میں۔ پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ اس نے دیکھ کر انتہائی نازیبا باتیں کیں۔ ایک لونڈی وہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے یہ باتیں محسوس کیں اور شرافت کے خلاف سمجھیں مگر لونڈی تھی کر کچھ نہیں سکتی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار کر کے واپس آرہے تھے۔ پرندوں سے بھرا ہوا تھیلا کندھے پر تھا تیر کمان ہاتھ میں تھے اس لونڈی نے کہا چچا جان میری بات سنو! تایا ابوجہل بیٹھے تھے ایک مجلس میں پاس سے آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو ان کو بڑی بُری باتیں کہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا باتیں کہیں؟ شریف آدمیوں کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں وہ باتیں میں آپ کو بتلا دیتی ہوں مگر میرا نام نہ لینا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے وہ باتیں سنیں تو طیش میں آ گئے۔ کمان ان کے ہاتھ میں تھی سیدھے آئے اور ابوجہل کے سر پر زور سے ماری کہ اس کے سر سے خون نکل آیا۔ لوگوں نے کہا حمزہ تمھیں کیا ہو گیا ہے پاگل تو نہیں ہو گیا؟ فرمایا میں پاگل نہیں ہوا اچھی طرح ہوش میں ہوں اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں کی ہیں۔ یہ شرافت ہے؟ اختلاف ہونا چاہیے شرافت کی حدود کے ساتھ یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آدمی شرافت کی حد سے گزر جائے۔ چوں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اثر ورسوخ والے آدمی تھے برادری بھی تھی اور خود بھی پہلوان تھے ابوجہل بدلہ نہ لے سکا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمھارے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اب میں مسلمان ہوں بگاڑو میرا کیا بگاڑتے ہو؟ یہ پہلا دن تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا اور سبب بنی وہ لونڈی۔ ہر چیز کا ظاہری طور پر کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔

تو خیر ابوجہل بڑا منہ پھٹ آدمی تھا۔ کسی جگہ سے اسے پرانی کھوپڑی ملی جو کافی بوسیدہ تھی ہاتھ لگانے سے ریزہ ریزہ ہونے لگی۔ رومال میں ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ بھی بیٹھے تھے اور کچھ دوسرے لوگ بھی بیٹھے تھے۔ وہ اس لیے بیٹھے تھے کہ ہمیں کوئی بات ملے اور ہم پروپیگنڈہ کریں۔ ابوجہل کو دیکھ کر لوگوں نے کہا خدا جانے کیوں آیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اس وقت دستور تھا کہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو سلام ضرور کرتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر۔ کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم کہتے ہو کہ مردے زندہ کیے جائیں گے۔ اس کھوپڑی کو ہاتھ لگاؤ یہ ریزہ ریزہ ہو جائے گی ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالاں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور بتلایا کہ وہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

فرمایا ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ﴾ کیا نہیں دیکھا انسان اعتراض کرنے والا ﴿اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا ہے نطفے سے ﴿مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ [المرسلات: ۲۰] جو بے قدرہ ہے۔ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس سے زیادہ عجیب چیز کوئی نہیں ہے کہ ایک نطفے سے اچھا بھلا انسان بنتا ہے۔ مگر چوں کہ روزمرہ بچے پیدا ہو رہے ہیں اس لیے اس پر تعجب نہیں ہوتا۔ تو فرمایا ہم نے اس کو ایک نطفے سے پیدا کیا ہے کہ وہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا پلید ہو جاتا

ہے لیکن اس سے کتنا خوب صورت انسان بنایا ﴿فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ پس اچانک وہ جھگڑنے والا ہے کھلے طور پر۔ اپنی حقیقت کو نہیں دیکھتا کہ میں کیا تھا، کس چیز سے پیدا ہوا، کس طرح پیدا ہوا؟ ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا﴾ اور بیان کرتا ہے ہمارے لیے مثالیں مُجراں (جغت بازی) مذاق کے ساتھ ﴿وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ﴾ اور وہ بھول گیا اپنی پیدائش کو ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو اور وہ بوسیدہ ہو رہی ہوں گی۔

انسان معترض کا اعتراض اور اس کے جوابات

اے انسان معترض کافر! اس کا جواب تو یہ ہے کہ جو رب تجھے حقیر قطرے سے اچھا بھلا انسان بنا سکتا ہے وہ ان ہڈیوں سے بھی انسان بنا سکتا ہے۔ اس کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿يُحْيِيْهَا﴾ ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا ﴿الَّذِيْٓ﴾ وہ رب ﴿اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جس نے ان کو پیدا کیا پہلی مرتبہ۔ جس رب تعالیٰ نے ان ہڈیوں کے ڈھانچے میں پہلی مرتبہ جان ڈالی ہے وہی رب ان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ اس بات کو مشرک بھی مانتے تھے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ کیوں کہ مشرکین رب تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں تھے۔ تو جس ذات نے اس حقیر قطرے سے بدن بنایا کیا اس پانی میں تمھیں ہڈیاں، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، ریڑھ کی ہڈی نظر آتی ہے؟ یہ تمام چیزیں رب تعالیٰ نے اس حقیر پانی سے بنائی ہیں۔ اس کے لیے دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے؟

لیکن انسان ہر چیز کو بھلا دیتا ہے۔ جوانی میں اپنا بچپن بھول گیا کہ ایک وقت تھا کہ میں زمین پر گھسٹ کر چلتا تھا، چلتا تھا تو گر جاتا تھا اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ اب پہلوان ہو گیا ہے تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ خدا کو بھول گیا اور کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ وہی کرے گا جس نے پہلی مرتبہ حیات بخشی ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ اور وہ پروردگار ہر پیدائش کو ہر مخلوق کو جانتا ہے۔ اور بندوں کے اجزاء کو جانتا ہے، زمین کے اجزاء کو بھی جانتا ہے اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔

کافر یہ بھی کہتے تھے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ [سورہ سجدہ: ۱۰] "کیا جس وقت ہم رل مل جائیں گے زمین میں کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے؟" تو اللہ تعالیٰ تمہارے اجزاء کو بھی جانتا ہے اور زمین کے اجزاء کو بھی جانتا ہے اور ان کو الگ الگ کرنا بھی جانتا ہے۔

تیسرا جواب: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا﴾ وہ ذات جس نے بنائی تمھارے لیے سبز درخت سے آگ ﴿فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ﴾ پس اچانک تم اس سے آگ سلگاتے ہو اور اپنے کام چلاتے ہو۔

تفسیروں میں تین درختوں کے نام لکھے ہیں مَرَخ، کلح اور عفار۔ یہ عرب کے جنگلات میں کثرت سے ہوتے تھے۔ ان کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑتے تو آگ کے شعلے نکلتے تھے جس طرح آج کل سگریٹ حقہ پینے والے اپنے پاس ماچس رکھتے ہیں عرب مَرَخ، کلح اور عفار درختوں کی تازہ ٹہنیاں ساتھ رکھتے تھے۔ علیحدہ علیحدہ تاکہ آپس میں نہ ٹکرائیں۔ جہاں

ضرورت پیش آتی ٹہنیوں کو رگڑتے، آگ جلاتے اور اپنی ضرورت پوری کرتے۔ سالن پکاتے، روٹیاں وغیرہ پکاتے۔ تو وہ ذات جو سبز ٹہنیوں سے آگ پیدا کرتی ہے وہی تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

چوتھا جواب: ﴿ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿ بِقٰدِرٍ ﴾ قادر ﴿ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾ اس پر کہ وہ پیدا کرے ان جیسے۔ کیا وہ ذات ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے ﴿ بَلٰی ﴾ کیوں نہیں قادر؟ ﴿ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴾ اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا۔

اس کے سوال کے چار جواب دینے کے بعد فرمایا رب تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ پختہ بات ہے اس کا حکم جس وقت وہ ارادہ کرتا ہے کسی شے کا تو کہتا ہے اس کو ہو جا پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ جب جاپان جیسے ملک کو (جس نے مشقت و کاری گری میں پورے یورپ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے) جھنجھوڑنے پہ آیا تو صرف سترہ سیکنڈ کا زلزلہ طاری کیا جس سے ہزاروں لوگ تباہ ہو گئے اور ہزاروں ملبے تلے دب گئے۔ ریلوے کا نظام تباہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ چار سال میں مکمل ہوگا۔ تو اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ جب وہ کسی چیز کے بارے میں ارادہ کرتا ہے ہو جا پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ ﴿ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ ﴾ پس پاک ہے وہ ذات ﴿ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ جس کے دست قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی۔ ہر چیز کا اختیار رب تعالیٰ کے پاس ہے اس کے سوا نہ کوئی قادر مطلق ہے، نہ مختار کل ہے، نہ کوئی نافع ہے، نہ ضار ہے، نہ کوئی دَافِعُ الْبَلَآءِ وَ الْقَحْطِ وَ الْاَلَمِ ہے۔

کچھ جاہل قسم کے لوگ درود تاج پڑھتے ہیں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کی ہے دَافِعُ الْبَلَآءِ وَ الْقَحْطِ وَ الْاَلَمِ۔ یہ نرا شرک ہے۔ رب تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی دافع البلاء نہیں ہے۔ سورہ یونس آیت نمبر ۱۰۷ پارہ ۱۱ میں ہے ﴿ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾ "اور اگر پہنچائے آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پس نہیں کھولنے والا اس کے سوا کوئی اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا کوئی نہیں رد کرنے والا اس کے فضل کو۔"

تو فرمایا رب کے ہاتھ میں ہے اس کے قبضے میں ہے حکومت ہر چیز کی ﴿ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ تم بے شک شوشے چھوڑتے رہو قیامت ضرور آئے گی اور سب کو رب تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔

آج بروز منگل ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ بتاریخ ۲/اپریل ۲۰۱۳ء سولھویں جلد مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذالك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالہ

تفسیر

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ
سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ
سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ
سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ سترہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آرہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں میں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درس قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات پورے نہیں ہو پاتے ، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم ۔اے پنجابی بھی کیا ہے ۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی ۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم ۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں ۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے ۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی ۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم ۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا ، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے ۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدّ راہ بن گئی ۔ وہ قرآنی آیات ، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا ۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی ۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا ۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا ۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں ، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا ۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں ۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں ۔

اہلِ علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں ۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے ۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران

غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الصّٰٓفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ وَمَالِیَ

۲۳

آیاتہا ۱۸۲ ③⑦ سُوْرَۃُ الصّٰفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ ⑤⑥ رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ﴾ قسم ہے صف باندھنے والوں کی ﴿صَفًّا﴾ قطار بنا کر ﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾ اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر ﴿فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا﴾ پھر تلاوت کرنے والوں کی ذکر کی ﴿اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ بے شک الٰہ تمھارا البتہ ایک ہی ہے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ﴿وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾ اور رب ہے مشرقوں کا ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ بے شک ہم نے مزین کیا آسمان دنیا کو ﴿بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ﴾ ستاروں کی زینت کے ساتھ ﴿وَحِفْظًا﴾ اور حفاظت ہے ﴿مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ﴾ ہر شیطان سے ﴿مَّارِدٍ﴾ جو سرکش ہے ﴿لَا يَسَّمَّعُوْنَ﴾ نہیں سن سکتے ﴿اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى﴾ ملاء اعلیٰ کی بات کو ﴿وَيُقْذَفُوْنَ﴾ اور پھینکے جاتے ہیں ﴿مِنْ كُلِّ جَانِبٍ﴾ ہر طرف سے ﴿دُحُوْرًا﴾ بھگانے کے لیے ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دائمی ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ﴾ مگر جس نے اُچک لیا کسی بات کو ﴿فَاَتْبَعَهٗ﴾ پس اس کے پیچھے لگتا ہے ﴿شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ ستارہ چمکتا ہوا ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ پس آپ ان سے پوچھیں ﴿اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ کیا یہ زیادہ سخت ہیں بنانے میں ﴿اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا﴾ یا وہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے پیدا کیا ان کو ﴿مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾ چپکنے والے گارے سے ﴿بَلْ عَجِبْتَ﴾ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں ﴿وَيَسْخَرُوْنَ﴾ اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں ﴿وَاِذَا ذُكِّرُوْا﴾ اور جب ان کو یاد دلایا جائے ﴿لَا يَذْكُرُوْنَ﴾ تو نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً﴾ اور جس وقت دیکھتے ہیں کوئی نشانی ﴿يَّسْتَسْخِرُوْنَ﴾ تو ہنسی اُڑاتے ہیں ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہتے ہیں ﴿اِنْ هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ مگر جادو کھلا ﴿ءَاِذَا مِتْنَا﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے ﴿وَكُنَّا تُرَابًا﴾ اور ہو جائیں گے مٹی ﴿وَّعِظَامًا﴾ اور ہڈیاں ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ کیا ہمارے آباؤ اجداد بھی جو پہلے گزر چکے ہیں ﴿قُلْ نَعَمْ﴾ آپ کہہ دیں ہاں ﴿وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ﴾ اور تم ذلیل ہو گے ﴿فَاِنَّمَا هِيَ﴾ پس پختہ بات ہے کہ وہ ﴿زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ ڈانٹ ہو گی ایک ہی ﴿فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ پس اچانک وہ دیکھ رہے ہوں گے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہیں گے

﴿یٰوَیْلَنَا﴾ ہائے افسوس ہمارے اُوپر ﴿هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ یہ تو بدلے کا دن ہے ﴿هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ﴾ یہ فیصلے کا دن ہے ﴿الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

اس سورت کا نام صافات ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں صٰفّٰت کا لفظ موجود ہے جس کی وجہ سے اس کا نام صٰفّٰت ہے۔ اس سے پہلے پچپن [۵۵] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا نمبر چھپن [۵۶] ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے پانچ رکوع اور ایک سو بیاسی [۱۸۲] آیتیں ہیں۔ واو قسمیہ ہے۔ ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا﴾ قسم ہے صف باندھنے والی جماعتوں کی قطار بنا کر۔

مسائل قسم:

قسم کے متعلق مسئلہ سمجھ لیں۔ مکلف مخلوق کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ: مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ "جس نے غیر اللہ کی قسم اُٹھائی اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، وہ شرک کا مرتکب ہوا۔" نبی کی قسم، رسول کی قسم، کعبہ کی قسم، باپ دادے کی قسم، دودھ اور پوت کی قسم اٹھانا؛ یہ سب ہمارے تمھارے لیے ناجائز اور شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا وہ کسی کا مکلف نہیں ہے ﴿لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ﴾ [الانبیاء: ۲۳، پارہ: ۱۷] "نہیں پوچھا جا سکتا اس سے جو وہ کرتا ہے اور ان سے یعنی مخلوق سے سوال کیا جائے گا۔" اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی قسم اٹھائی ہے۔ مثلاً: عصر کی، فجر کی، تین (انجیر) اور زیتون وغیرہ کی۔ قسم اصل میں تاکید کے لیے ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تاکیدی طور پر فرماتے ہیں قسم ہے ان جماعتوں کی جو صف باندھنے والی ہیں قطار بنا کر ﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾ اور جھڑکنے والی ہیں جھڑکنا ﴿فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا﴾ پھر تلاوت کرنے والی ہیں ذکر کی۔

صٰفّٰت کی مراد:

اب صفوں سے کون سی صفیں مراد ہیں؟ ایک تفسیر یہ ہے کہ نمازیوں کی صفیں مراد ہیں کہ نمازی جب صف باندھتے ہیں قطار بنا کر اور شیطان اور نفس امارہ کو جھڑکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے ہیں۔ شیطان کو جھڑکتے ہیں، برے دوستوں کو جھڑکتے ہیں کہ ہم نماز کے لیے جا رہے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے فرشتوں کی جماعتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت صف بستہ منتظر رہتی ہیں ﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾ اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر۔ فرشتوں کی جماعتیں شیاطین کو ڈانٹ پلاتی ہیں ان کو بھگاتی ہیں تاکہ وہ اُوپر جا کر عالم بالا کی بات نہ سن سکیں یا بادلوں کو فرشتے زجر کرتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ فرشتے بادلوں کو کوڑے مارتے ہیں اور جدھر بارش برسانا مقصود ہوتی ہے ادھر ہانک کر لے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ کی تسبیح بھی پڑھتے ہیں۔ تو ایک تفسیر کے مطابق نمازیوں کی صفیں مراد ہیں اور دوسری تفسیر کے مطابق

فرشتوں کی صفیں مراد ہیں۔اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مجاہدین کی صفیں مراد ہیں۔مجاہدین کی جماعتوں کی قطار اندر قطار صفیں باندھنے کی قسم ہے پھر جھڑکتے ہیں کافروں کو جھڑکنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بلند کرتے ہیں،نعرہ تکبیر لگاتے ہیں اور دوسرے اذکار بھی کرتے ہیں۔ان تمام چیزوں کی قسم اُٹھا کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴾ بے شک تمھارا معبود ایک ہی ہے۔نمازی نماز اللہ اکبر! سے شروع کرکے،مجاہد جہاد اللہ اکبر! سے شروع کرکے،فرشتے سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ کی تسبیح پڑھ کر اپنے قول و فعل سے ثابت کرتے ہیں کہ الٰہ ایک ہی ہے اور وہ کون ہے؟ ﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴾ اور رب ہے مشرقوں کا۔

مشارق کی مراد

قرآن پاک میں مشرق کا لفظ مفرد بھی آیا ہے،تثنیہ بھی آیا ہے اور جمع کے صیغے کے ساتھ بھی آیا ہے۔سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۱۵ میں ہے ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ﴾ یہاں مفرد کے صیغے کے ساتھ ہے۔اس سے مراد جہت اور سمت ہے،مشرق کی جہت اور مغرب کی جہت اور سمت۔اور سورۃ الرحمٰن میں تثنیہ کا صیغہ ہے ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴾ تو اس سے مراد مشرق الشّتآء وَالصّیف ہے "سردی کے دنوں کا مشرق اور گرمی کے دنوں کا مشرق۔" دیکھو! آج کل سردی کے موسم میں سورج اس کونے میں پہنچ گیا ہے اور جون کے مہینے میں اس کونے میں آجائے گا اور یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے ﴿ رَبُّ الْمَشَارِقِ ﴾ مشرقوں کا رب۔جمع کے صیغے سے مراد یہ ہے کہ روزانہ سورج الگ الگ اور جدا جدا جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ہم سے چوں کہ دور ہے اس لیے ہم محسوس نہیں کر سکتے۔مثال کے طور پر آج گکھڑ سے،کل کوٹ خضری سے،پرسوں وزیر آباد سے۔تو اس اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

فرمایا ﴿ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا ﴾ بے شک ہم نے مزین کیا آسمان دنیا کو ﴿ بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ﴾ ستاروں کی زینت کے ساتھ۔ستاروں کے ساتھ آسمان کو کس طرح مزین کیا ہے تو اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جس طرح بلب تار کے ذریعے چھت کے ساتھ لٹکے ہوتے ہیں اسی طرح ستارے بھی نورانی تاروں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔اور یہ بھی تفسیر کرتے ہیں کہ آسمان کے اندر جڑے ہوئے ہیں اور اسی میں نقل و حرکت کرتے ہیں۔ جیسے:مچھلیاں پانی میں۔

شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ

﴿ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴾ اور حفاظت ہے ہر سرکش شیطان سے۔شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے ﴿ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى ﴾ نہیں سن سکتے وہ ملاء اعلیٰ،بالا جماعت کی بات ﴿ وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴾ اور پھینکے جاتے ہیں ہر طرف سے جنات پر۔بخاری شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے جو فیصلے کرتا ہے وہ احکامات فرشتوں کے حوالے کیے جاتے ہیں اور فرشتے آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔تو جنات ان کی گفتگو سننے کے لیے اُوپر جاتے ہیں۔کیونکہ جنات و

شیاطین کو رب تعالیٰ نے اُڑنے کی طاقت دی ہے اور مختلف شکلیں اختیار کرنے کی بھی طاقت دی ہے۔ آدمی کی شکل، کتے بلے کی شکل، سانپ کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ تو جب یہ اُوپر جاتے ہیں تو ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں جس سے کوئی مر جاتا ہے، کوئی جھلس جاتا ہے کوئی زخمی ہو جاتا ہے اور کوئی بچ جاتا ہے مگر وہ اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ جیسے: کوہ پیما یعنی پہاڑوں پر چڑھنے والی پارٹیاں مرتی بھی رہتی ہیں مگر اپنی مہم کو جاری رکھتی ہیں۔ پہلے صرف مرد ہوتے تھے اب عورتیں بھی ان میں شامل ہو گئی ہیں۔

تو ستارے ایک تو آسمان کی زینت ہیں دوسرا شیاطین اور جنات سے حفاظت کا ذریعہ ہیں کہ ان کے ذریعے شیطانوں کو رجم کیا جاتا ہے۔ اور تیسرا فائدہ: ﴿وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ [النحل:۱۶] "اور ستاروں کے ذریعے وہ لوگ راہ پاتے ہیں۔" آج تو خیر دنیا بہت ترقی کر گئی ہے، سائنس بہت ترقی کر گئی ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ خشکی اور سمندر کا سفر ستاروں کی راہ نمائی کے ذریعے کرتے تھے۔

تو فرمایا پھینکے جاتے ہیں وہ ہر طرف سے ﴿دُحُوْرًا﴾ بھگانے کے لیے۔ اوپر سے شعلے پڑتے ہیں ﴿وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کا۔ یہ شعلوں والا عذاب ان کے لیے لگاتار ہے ان پر شعلے پڑتے رہتے ہیں ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ﴾ مگر جس نے اُچک لیا کسی بات کو فرشتوں کی آپس کی گفتگو کے دوران ﴿فَاَتْبَعَهٗ﴾ پس اس کے پیچھے لگتا ہے ﴿شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ ستارہ چمکتا ہوا ان کو مارنے کے لیے۔

اثباتِ قیامت

پہلے توحید کا بیان تھا آگے قیامت کا اثبات ہے۔ قیامت کو قریش مکہ بہت بعید سمجھتے تھے۔ کہتے تھے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [مومنون:۳۶] "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" اور کل کے سبق میں گزر چکا ہے، کہتے تھے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ﴾ [سورہ یٰسین] "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ پس آپ ان سے پوچھیں ان سے سوال کریں ﴿اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا﴾ کیا یہ زیادہ سخت ہیں پیدا کرنے کے لحاظ سے یا جو مخلوق ہم نے پیدا کی ہے ان کا بنانا مشکل ہے۔ رب تعالیٰ کے لیے تو کسی شے کا بنانا مشکل نہیں ہے وہاں تو صرف کُنْ فَيَكُوْن کی بات ہے۔ یہ مخلوق کی نسبت سے بات ہو رہی ہے کہ تمھارے نزدیک ان میں سے کس چیز کا بنانا مشکل ہے؟ ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾ بے شک ہم نے پیدا کیا ان کو چپکنے والے گارے سے، لیس دار گارے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین سے مٹی اکٹھی کرائی اس میں سفید بھی تھی، سیاہ بھی تھی، سرخ بھی تھی؛ کچھ چھپڑ (جوہڑ) کی جگہ کی تھی، کوئی پاکیزہ جگہ سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دست قدرت سے گوندھا اور کئی سال اسی طرح پڑی رہی۔ طین کا معنیٰ ہوتا ہے گیلی مٹی، گارا۔ پھر وہ خشک ہو کر بجنے لگ گئی فخار کے لفظ بھی قرآن میں آتے ہیں اور صلصال کے لفظ بھی آتے ہیں [رحمٰن:۱۴]۔ پھر اس گارے کا اللہ تعالیٰ

نے خلاصہ لیا ﴿ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴾ [مومنون: ۱۲] ''اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے۔'' اس خلاصے سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا ڈھانچا بنایا۔ فرمایا ﴿ بَلْ عَجِبْتَ ﴾ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں ان کے انکار پر کہ یہ لوگ توحید کا کیوں انکار کرتے ہیں، قیامت کا کیوں انکار کرتے ہیں؟ ﴿ وَ یَسْخَرُوْنَ ﴾ اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں ﴿ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ﴾ اور جس وقت ان کو یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ یہ اصل میں کیا تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسا خوبصورت انسان بنایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَوَ لَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ ﴾ [یٰسین: ۷۷] ''کیا نہیں دیکھتا انسان کہ بے شک ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا۔'' یہ اس کی حقیقت ہے اور حال یہ ہے کہ ﴿ وَ اِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴾ اور جب یہ دیکھتے ہیں کوئی نشانی تو ہنسی اُڑاتے ہیں ﴿ وَ قَالُوْۤا ﴾ اور کہتے ہیں ﴿ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾ نہیں ہے یہ نشانی مگر کھلا جادو۔ دیکھو! اس سے بڑی نشانی کیا ہوسکتی تھی کہ چودھویں رات کا چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور سب نے آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ٹکڑا مشرق کی طرف ہے اور دوسرا مغرب کی طرف ہے لیکن انہوں نے کہا ﴿ سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ [القمر: پ ۲۷] ''یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آرہا ہے۔'' انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس سے بڑی نشانی کیا ہوگی؟ لیکن ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ہنسی اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا ﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے ﴿ وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ﴾ اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں۔ گوشت گل سڑ جائے گا اور مٹی میں رل مل جائے گا اور صرف ہڈیاں رہ جائیں گی ﴿ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴾ تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی جو پہلے گزر چکے ہیں وہ زندہ ہو کر دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں گے؟ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾ ہاں اور تم ذلیل ہو گے اس انکار کی وجہ سے۔ پھر جب قیامت کا دن آئے گا ﴿ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴾ پس پختہ بات ہے کہ وہ ڈانٹ ہوگی ایک ہی۔ پس ایک ہی دفعہ بگل بجے گا ﴿ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴾ پس اچانک وہ سب دیکھ رہے ہوں گے۔ سب کے سب اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ذلیل و خوار ہو کر سزا کی طرف جائیں گے۔ سب چودھراہٹ اور ڈیرے داری، کارخانے داری کی انانیت ختم ہو جائے گی اور ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور ہاتھ ملتے ہوئے ﴿ وَ قَالُوْا ﴾ اور کہیں گے ﴿ یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴾ ہائے افسوس ہمارے اوپر، یہ تو بدلے کا دن ہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، اس کے ساتھی واعظین، مبلغین ہمیں اس دن سے ڈراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ ہاں یہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی نہ کوئی دوبارہ زندہ ہوگا نہ کوئی حساب کتاب ہوگا۔ اب دیکھ لو یہ فیصلے کا دن آچکا ہے اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو تمہیں اس کا بدلہ ملے گا۔

﴿اُحْشُرُوا﴾ جمع کرو ﴿الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿ظَلَمُوْا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿وَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ اوران کے جوڑوں کو ﴿وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ اور جن کی وہ پوجا کرتے تھے ﴿مِنْ دُوْنِ اللهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿فَاهْدُوْهُمْ﴾ پس چلاؤ ان کو ﴿اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ جہنم کے راستے کی طرف ﴿وَقِفُوْهُمْ﴾ اور کھڑا کرو ان کو ﴿اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ﴾ بے شک ان سے پوچھا جائے گا ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہوا ہے ﴿لَا تَنَاصَرُوْنَ﴾ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ﴿بَلْ هُمُ الْيَوْمَ﴾ بلکہ وہ آج کے دن ﴿مُسْتَسْلِمُوْنَ﴾ فرماں بردار ہوں گے ﴿وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور متوجہ ہوں گے ان میں سے بعض بعض کی طرف ﴿يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ اور سوال کریں گے ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ کہیں گے ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا﴾ تم آتے تھے ہمارے پاس ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ قسم اُٹھاتے ہوئے ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ بلکہ نہیں تھے تم ایمان لانے والے ﴿وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور نہیں تھا ہمارے لیے تمھارے اُوپر کوئی زور ﴿بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ﴾ بلکہ تھے تم سرکش قوم ﴿فَحَقَّ عَلَيْنَا﴾ پس ثابت ہو چکی ہمارے اوپر ﴿قَوْلُ رَبِّنَآ﴾ ہمارے رب کی بات ﴿اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ﴾ بے شک ہم چکھنے والے ہیں ﴿فَاَغْوَيْنٰكُمْ﴾ پس ہم نے گمراہ کیا تم کو ﴿اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ﴾ بے شک ہم بھی گمراہ تھے ﴿فَاِنَّهُمْ﴾ پس بے شک وہ ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ عذاب میں اکٹھے ہوں گے ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا﴾ بے شک وہ تھے ﴿اِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ جب کہا جاتا تھا ان کو ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ﴾ کوئی نہیں الٰہ مگر صرف اللہ ﴿يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ تکبر کرتے تھے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے تھے ﴿اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا﴾ کیا ہم البتہ چھوڑنے والے ہیں ﴿اٰلِهَتِنَا﴾ اپنے معبودوں کو ﴿لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے ﴿بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ﴾ نہیں بلکہ وہ لایا ہے حق ﴿وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور اس نے تصدیق کی پیغمبروں کی ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ﴾ چکھنے والے ہو دردناک عذاب۔

ماقبل سے ربط

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ ﴿فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ "پس پختہ بات ہے کہ وہ ایک ڈانٹ ہوگی۔" حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل بجائیں گے تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور کہیں گے ﴿يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ "ہائے افسوس ہمارے اوپر یہ بدلے کا دن ہے۔" پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے ﴿اُحْشُرُوا﴾۔ جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اے فرشتو! تم جمع کرو، اکٹھا کرو ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ہے ﴿وَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ اور ان کے جوڑوں کو۔ جوڑوں کی ایک تفسیر یہ کی ہے کہ خاوند

عورت کا جوڑا، عورت خاوند کا جوڑا۔ اور یہ تفسیر بھی کی ہے کہ ایک نمبری بدمعاشوں کو جوڑو، دونمبریوں کو، تین نمبریوں کو، دس نمبریوں کو جوڑو۔ یعنی جرم کے اعتبار سے ان کے جو جوڑے تھے ان کو اکٹھا کرو۔ اور یہ بھی ہے کہ جرم وظلم کرنے میں ان کے ساتھ جو ہوتے تھے ان جوڑوں کو بھی اکٹھا کرو ﴿وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ اور ان کو بھی جن کی یہ عبادت کرتے تھے، لات، منات، عزّٰی وغیرہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کو اکٹھا کر دیں گے۔ پھر رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ چلاؤ ان کو دوزخ کے راستے کی طرف۔ ان کو اس راستے کی طرف چلاؤ جو سیدھا شعلے مارنے والی آگ کی طرف جاتا ہے۔ چنانچہ فرشتے ایک دو قدم چلائیں گے تو رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿وَقِفُوْهُمْ﴾۔ واو عاطفہ ہے اور قِفُوْا امر کا صیغہ ہے، اور ان کو کھڑا کرو، ٹھہراؤ ﴿اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ﴾ بے شک ان سے پوچھا جائے گا۔ جب فرشتے ان کو روک لیں گے تو رب تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ دنیا میں تو برے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے آج ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ تَنَاصَرُوْنَ اصل میں تَتَنَاصَرُوْنَ تھا ایک تا حذف ہوگئی ہے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ مدد کیا کریں گے ﴿بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ﴾ بلکہ وہ آج کے دن فرماں بردار ہوں گے۔ جس طرف فرشتے ان کو لے جائیں گے ادھر ہی چلیں گے انکار نہیں کریں گے، انکار کی طاقت نہیں ہوگی۔

تابع و متبوع کا مکالمہ

﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ اور متوجہ ہوں گے ان میں سے بعض بعض کی طرف اور سوال کریں گے۔ مرید پیروں سے سوال کریں گے، شاگرد استادوں سے، ووٹ دینے والے اپنے ممبروں سے، تابعین متبوعین سے۔ کیا سوال کریں گے یہ؟ ﴿قَالُوْٓا﴾ کہیں گے ﴿اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ بے شک تم ہمارے پاس آتے تھے قسم اٹھاتے ہوئے کہ رب کی قسم ہے ہم تمہارے خیر خواہ ہیں، ہمدرد ہیں ہماری بات مانو۔ ہم نے تمہاری بات مانی اور یہ سب کچھ کیا اب ہمارا کچھ کرو نا۔ دیکھو! ووٹوں کے دنوں میں قرآن پاک کی قسمیں لوگوں کو دی جاتی ہیں کہ ووٹ ہمیں دو ہم تمہارے ہمدرد ہیں۔ اور یمین کے معنیٰ قوت کے بھی آتے ہیں۔ پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ تم ہمارے پاس آتے تھے کہ ہماری پارٹی طاقت ور ہے ہم قوت میں زیادہ ہیں، ہمارے پاس اقتدار ہے اب ہمارے لیے کچھ کرو۔ ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ بڑے کہیں گے سب کچھ ہمارے ذمہ نہ لگاؤ ﴿بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ بلکہ تم خود ہی نہیں تھے ایمان لانے والے۔ ہمارا کیا قصور ہے کہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو ﴿وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ نہیں تھا ہمارا تمھارے اُوپر کوئی زور، کوئی غلبہ ﴿بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ﴾ بلکہ تھے تم سرکش قوم۔ ہم نے تمھارے ساتھ کوئی جبر نہیں کیا۔

یہی جواب ان کو شیطان دے گا ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ "اور کہے گا شیطان جب فیصلہ کر دیا جائے گا ﴿اِنَّ

اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تمھارے ساتھ سچا وعدہ ﴿وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ﴾ اور میں نے تمھارے ساتھ وعدہ کیا پس میں نے تمھارے ساتھ خلاف ورزی کی یعنی وعدہ پورا نہیں کیا لیکن ﴿وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور نہیں تھا میرے لیے تمھارے اُوپر کوئی زور اور غلبہ ﴿اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ﴾ مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی ﴿فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ﴾ پس تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ﴾ پس تم مجھے ملامت نہ کرو ﴿وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾ اور اپنے آپ کو ملامت کرو ﴿مَآ اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ﴾ میں تمہاری امداد نہیں کر سکتا ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ﴾ اور نہ تم میری امداد کر سکتے ہو" بلکہ الٹی منطق دیکھو! کہے گا ﴿اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ﴾ [ابراہیم:۲۲] "بے شک میں کافر ہوا اس چیز کا کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔" تمھارے شریک بنانے کے بعد میں کافر ہوا گویا میرے کفر کے بھی تم ذمہ دار ہو۔ تم نے میری اطاعت کی تو میں نے بھی سمجھا کہ میں بھی کوئی شے ہوں تو میں کافر ہوا۔

﴿فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ﴾ پس ثابت ہوگئی ہم پر بات ہمارے پروردگار کی۔ اب ہمارے ساتھ کوئی گلہ نہ کرو ﴿اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ﴾ بے شک ہم چکھنے والے ہیں عذاب کا مزہ ﴿فَاَغْوَیْنٰکُمْ﴾ پس ہم نے گمراہ کیا تم کو۔ کیوں؟ ﴿اِنَّا کُنَّا غٰوِیْنَ﴾ بے شک ہم بھی گمراہ تھے۔ ہم خود بھی گمراہ تھے تمھیں گمراہی کی دعوت دی تم نے مان لی ﴿فَاِنَّهُمْ یَوْمَئِذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِکُوْنَ﴾ پس بے شک وہ اس دن عذاب میں شریک ہوں گے۔ تابع اور متبوع سب اکٹھے ہوں گے ﴿اِنَّا کَذٰلِکَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ۔ سرفہرست ان کا جرم یہ تھا ﴿اِنَّهُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ﴾ بیشک یہ لوگ جب کہا جاتا ہے ان کو کہ کوئی الہٰ نہیں سوا اللہ تعالیٰ کے تو تکبر کرتے ہیں۔ چڑتے تھے اچھلتے تھے۔ سورہ ص آیت نمبر ۵ پارہ ۲۳ میں ہے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ "کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ بے شک یہ ایک عجیب چیز ہے۔" کہ ایک خدا سارا نظام چلا رہا ہے ہمارے باپ دادا جن کی پوجا کرتے تھے ان کو چھوڑ دیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے کہا کیا آپ آتے ہیں ہمارے پاس اس مقصد کے لیے ﴿لِنَعْبُدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ وَنَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ "کہ ہم عبادت کریں اکیلے اللہ کی اور چھوڑ دیں ہم ان کو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ [اعراف:۷۰] پس لاؤ تم اس چیز کو جس سے ہمیں ڈراتے ہو اگر ہو تم سچوں میں سے۔" تو ان کا سب سے بڑا جرم توحید کا انکار تھا۔ اس سے وہ بدکتے تھے اور اس سے ان کو چڑ تھی۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابوداؤد، نسائی وغیرہ صحاح کی کتب میں ہے کہ ۸ ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اذان کی آواز آئی۔ بچوں کا کام ہے نقالی کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے وہ اذان کی نقالی کر رہے تھے۔ ان میں سلم بن معیر جن کی کنیت ابو محذورہ تھی ان کی آواز بڑی سریلی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹا کہو کیا کہہ رہے تھے؟ اس نے زور سے کہا اللہ اکبر! اللہ اکبر! چونکہ یہ تو مشرکوں کا بھی عقیدہ تھا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ آہستہ آہستہ کہا کیونکہ اس سے ان کے عقیدے پر زد پڑتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِرْجِعْ فَامْدُدْ مِنْ صَوْتِكَ ''یہ جملے دوبارہ زور سے کہو جیسے اللہ اکبر زور سے کہا ہے۔'' پھنسا ہوا تھا دوبارہ زور سے کہے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی اور کہا کہ حضرت! میں اپنے محلے میں اذان دے دیا کروں؟ فرمایا ہاں! تم اذان دیا کرو۔ تو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ شہادتین کو دو دو مرتبہ آہستہ کہا کرتے تھے اور دو دو مرتبہ اونچا کہا کرتے تھے اور حوالہ یہ دیتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو دو دفعہ بلند آواز سے کہا تھا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونچی آواز سے کہلوایا تھا وحشت دور کرنے کے لیے۔ اس کو غیر مقلدوں نے دلیل بنالیا۔ حالانکہ یہ طریقہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان کے سوا کسی کی اذان میں نہیں ہے، نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں، نہ حضرت حارث بن ھدائی رضی اللہ عنہ کی اذان میں، نہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان میں، کسی کی اذان میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

تو فرمایا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ تو تکبر کرتے ہیں ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے تھے ﴿اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا﴾ کیا بے شک ہم چھوڑ دیں گے اپنے معبودوں کو ﴿لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں تھے۔ سورہ یٰسین کے آخر میں گزر چکا ہے ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ ''اور ہم نے ان کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی آپ کی شان کے لائق تھی۔'' کیوں کہ ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ [الشعراء:۲۲۴] ''شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔'' اور یہاں تو ہادین مہدیین ہیں، ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تو ایک سے ایک بڑھ کر ہدایت یافتہ ہیں۔ پھر شاعروں کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ ''وہ کہتے ہیں وہ جو کرتے نہیں۔'' علامہ اقبال مرحوم جیسے لوگ بھی کہہ گئے: ؎

اقبالؔ بڑا اپدیشک ہے، من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس شخص کا کردار ہوتا تو یہ شخص بہت آگے ہوتا کیونکہ اس وقت کے مولویوں سے اس کا علم بہت زیادہ تھا۔ درسِ نظامی کا فارغ تھا اور سیالکوٹ میں ایسے استادوں کے پاس پڑھا تھا جو اپنے دور کے بہترین مدرس تھے۔ تمام فنون اس نے پڑھے تھے، عقیدہ بالکل صحیح تھا، پکا موحد تھا اور مرزائیوں کا بھی سخت مخالف تھا مگر کردار، کردار ہوتا ہے۔

تو انھوں نے کہا کہ کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے الٰہوں کو، ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ﴿بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ﴾ وہ شاعر نہیں بلکہ وہ تو حق لے کر آیا ہے ﴿وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور وہ تصدیق کرتا ہے تمام پیغمبروں کی۔ ان میں جنون کہاں سے آ گیا اے مجرمو! ﴿اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ﴾ بے شک تم چکھنے والے ہو دردناک عذاب۔ دردناک عذاب

کو تم چکھو گے پھر تمہارا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔

﴿وَ مَا تُجْزَوْنَ﴾ اور تم کو نہیں بدلہ دیا جائے گا ﴿اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ مگر اس چیز کا جو تم کرتے تھے ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ﴾ وہ ہیں جن کے لیے ﴿رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ روزی ہے معلوم ﴿فَوَاكِهُ﴾ پھل ہوں گے ﴿وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ﴾ اور ان کی عزت کی جائے گی ﴿فِیْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغوں میں ﴿عَلٰى سُرُرٍ﴾ تختوں پر ہوں گے ﴿مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ آمنے سامنے ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ﴾ پھیرے جائیں گے ان پر ﴿بِكَاْسٍ﴾ پیالے ﴿مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾ خالص شراب کے ﴿بَيْضَآءَ﴾ سفید رنگ کی ﴿لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ لذت ہوگی پینے والوں کے لیے ﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ﴾ نہ اس میں سرگردانی ہوگی ﴿وَ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ﴾ اور نہ وہ اس کی وجہ سے بدمست ہوں گے ﴿وَ عِنْدَهُمْ﴾ اور ان کے پاس ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ نیچی نگاہوں والی ﴿عِيْنٌ﴾ موٹی نگاہوں والی عورتیں ہوں گی ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ گویا کہ وہ انڈے ہیں پردے میں چھپائے ہوئے ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ﴾ پس متوجہ ہوں گے بعض ان میں سے ﴿عَلٰى بَعْضٍ﴾ بعض کی طرف ﴿يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ ایک دوسرے سے سوال کریں گے ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ﴾ ایک کہنے والا ان میں سے کہے گا ﴿اِنِّیْ كَانَ لِیْ﴾ بے شک تھا میرے لیے ﴿قَرِيْنٌ﴾ ایک ساتھی ﴿يَّقُوْلُ﴾ وہ کہتا تھا ﴿اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ﴾ کیا بے شک تم تصدیق کرنے والوں میں سے ہو ﴿ءَاِذَا مِتْنَا﴾ کیا جس وقت ہم مر جائیں گے ﴿وَ كُنَّا تُرَابًا﴾ اور ہم ہو جائیں گے مٹی ﴿وَّ عِظَامًا﴾ اور ہڈیاں ﴿ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ﴾ کیا ہم بدلہ دیئے جائیں گے ﴿قَالَ﴾ وہ کہے گا ﴿هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴾ کیا تم جھانکنے والے ہو ﴿فَاطَّلَعَ﴾ پس وہ جھانکے گا ﴿فَرَاٰهُ﴾ پس دیکھے گا اس کو ﴿فِیْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ﴾ دوزخ کے درمیان میں ﴿قَالَ﴾ کہے گا ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ﴿اِنْ كِدْتَّ﴾ بے شک تو قریب تھا ﴿لَتُرْدِيْنِ﴾ البتہ مجھے بھی ہلاک کر دیتا ﴿وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ﴾ اور اگر نہ ہوتی میرے رب کی نعمت ﴿لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ البتہ میں بھی ہوتا دوزخ میں حاضر کیے گئے لوگوں میں سے۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلی آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ جب ان کے سامنے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ذکر کیا جاتا تو یہ تکبر کرتے، ٹھکراتے اور کہتے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

بے شک تم دردناک عذاب چکھو گے اور یہ کوئی زیادتی نہیں ہوگی ﴿وَمَاتُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور تم کو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر اس چیز کا جو تم کرتے تھے۔ اس عذاب سے کون بچے گا؟ ﴿اِلَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے جن کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کے لیے چن لیا ہے، ایمان کے لیے چن لیا ہے۔ آدمی کا ارادہ اور نیت اچھی ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کو دین اور ایمان کی سمجھ عطا فرماتے ہیں اور جو طالب ہدایت نہ ہو بے شک وہ دنیا کا کتنا بڑا ماہر ہی کیوں نہ ہو اس کو دین اور ایمان کی توفیق نہیں ملتی۔ جو دین کی قدر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے۔

کئی دفعہ حدیث سن چکے ہو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ ''بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اسے بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ اور دین نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے وَلَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ ''اور نہیں دیتا ایمان مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔'' تو جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان کو دین اور ایمان کی سمجھ دیتا ہے وہ دین کی قدر کرتے ہیں، حلال وحرام کا فرق سمجھتے ہیں، جائز اور ناجائز کو سمجھتے ہیں۔ تو فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے ہیں وہ عذابِ الیم سے بچیں گے۔

انعاماتِ مخلصین

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ وہ ہیں جن کے لیے روزی ہے مقرر، معلوم۔ جنت میں ملے گا کیا؟ ﴿فَوَاكِهُ﴾ پھل ہوں گے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا﴾ [ق:۳۵] ''ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے جنت میں۔''

روایات میں آتا ہے کہ ایک خوبصورت پرندہ جنت کی فضا میں اُڑتا ہوا نظر آئے گا آدمی ارادہ کرے گا کہ یہ میری خوراک ہو اسی وقت بھنا تلا ہوا پلیٹ میں سامنے آجائے گا یعنی ساری بات ارادے کی ہے۔ بہت بلندی پر پھل ہے ارادہ کرے گا خود بخود سامنے آجائے گا۔ غرض یہ کہ جس چیز کا ارادہ کرے گا وہ فوراً حاضر ہو جائے گی ﴿وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ﴾ اور ان کی عزت کی جائے گی ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغوں میں۔ نعمتوں والے باغ ہوں گے، خوشی والے باغ ہوں گے ﴿عَلٰى سُرُرٍ﴾۔ یہ سَرِیْرٌ کی جمع ہے بمعنی تخت۔ وہ تختوں پر ہوں گے ﴿مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کوئی کسی کے پیچھے نہیں ہوگا کیونکہ پیچھے بیٹھنا جگہ کی قلت کی وجہ سے ہوتا ہے اور جنت میں جگہ کی کون سی کمی ہے۔

دوسرا یہ کہ پیچھے بیٹھنے سے عزت میں بھی کمی آتی ہے اور جنت میں کسی کی عزت میں کمی نہیں آئے گی سب آمنے سامنے ہوں گے ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ﴾ پھیرے جائیں گے ان پر پیالے ﴿مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾ خالص شراب کے ﴿بَيْضَآءَ﴾ سفید رنگ کی دودھ کی طرح۔ دنیاوی شراب کے رنگوں کا تو ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ کس کس رنگ کی ہوتی ہے۔

البتہ بڑا عرصہ ہوا ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب، حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب، مولانا محمد اجمل خان صاحب آف راول پنڈی اور میں بذریعہ جہاز ڈھاکہ جا رہے تھے۔ اب میرے اور مولانا اجمل خان کے سوا یہ سارے بزرگ فوت ہو گئے ہیں، رحمہم اللہ۔ (اور اب مولانا قاری محمد اجمل خان اور حضرت شیخ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ بلوچ) جہاز کا ملازم شیشے کے گلاس میں قہوے کے رنگ کی کوئی چیز لے کر جا رہا تھا مولانا عبدالحکیم صاحب مرحوم نے اس کو آواز دے کر کہا او بے ایمان! تم فضا میں بھی باز نہیں آتے۔ کہنے لگے یہ شراب لے کر جا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ جی میں تو ملازم ہوں پینے والا کوئی اور ہے۔

دنیا کی شراب کے رنگوں کا تو ہمیں معلوم نہیں ہے لیکن جنت کی شراب کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہوگا ﴿لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ لذت ہوگی پینے والوں کے لیے ﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ﴾۔ غَوْل کے دو معنیٰ آتے ہیں، سر درد کے اور پیٹ درد کے۔ یہ تو شرابی بہتر جانتے ہوں گے کہ پینے سے سر درد ہوتا ہے یا پیٹ درد۔ بہرحال قرآن کریم سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ شراب کی کوئی قسم ہوگی جس سے معمولی سر درد اور پیٹ درد ہوتا ہے۔ تو جنت کی شراب سے نہ سر درد ہوگا، نہ سر چکرائے گا اور نہ پیٹ درد ہو گا ﴿وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ﴾ اور نہ اس کی وجہ سے بدمست ہوں گے۔ دنیاوی شراب سے آدمی مدہوش ہو جاتے ہیں، شراب پی کر غل غپاڑہ کرتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں بہت کچھ ہوتا ہے جنت کی شراب کی وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

رئیس الطب ابن سینا نے اپنی کتاب "قانون" میں شراب کے پچاس فائدے لکھے ہیں جن کو پڑھ کر آدمی بڑا پھولتا ہے کہ بڑی مفید چیز ہے۔ اس کے بعد ڈیڑھ سو نقصانات لکھے ہیں۔ تو جس چیز میں ایک حصہ فائدہ ہو اور تین حصے نقصان ہو وہ شے کوئی فائدے مند تو نہ ہوئی۔

رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں شراب اور جوئے کے متعلق فرمایا ہے ﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [بقرہ:۲۱۹] "اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے۔" اور رب تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے؟ تو جنتی شراب سے نہ سر درد ہوگا، نہ پیٹ میں مروڑ ہوگا، نہ سر پھریں گے، نہ مدہوش ہوں گے ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ﴿عِيْنٌ﴾ موٹی نگاہوں والی عورتیں ہوں گی ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ گویا کہ وہ انڈے ہیں پردے میں چھپائے ہوئے۔ پردے میں چھپا ہوا انڈا گرد و غبار سے محفوظ رہتا ہے، مکھی سے محفوظ رہتا ہے، رنگ اس کا صاف رہتا ہے۔ اسی طرح وہ حوریں بھی محفوظ ہیں۔ حوروں کے ساتھ ساتھ دنیا والی بیویاں بھی ملیں گی اور جنت کی حوروں کا درجہ دنیا والی بیوی سے کم ہوگا۔ حوریں کہیں گی کہ ہماری تخلیق کستوری، زعفران اور کافور سے ہوئی ہے اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے تو درجہ زیادہ کیوں ہے؟ جواب سے پہلے مودودی صاحب کا ایک غلط مسئلہ بھی سمجھ لیں۔

مودودی صاحب کا غلط مسئلہ

مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ حوریں کافروں کی وہ لڑکیاں ہیں جو نابالغ فوت ہوئی ہیں، قریب البلوغ،

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ بے شک کافروں کے وہ بچے جو بالغ نہیں ہوئے اور فوت ہو گئے وہ جنت میں جائیں گے لیکن ان کی تخلیق تو مٹی سے ہوئی ہے اور حوروں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کی تخلیق زعفران، کستوری، عنبر اور کافور سے ہوئی ہے۔ مودودی صاحب کے ساتھ علمائے حق کا یہی اختلاف تھا کہ وہ اپنی رائے سے جو کہنا چاہتے تھے کہہ دیتے تھے۔

پھر دیکھو! انھوں نے کتنی غلط بات کہی ہے یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ اس وقت ایک رسالہ چھپتا تھا "ایشیا" جماعت اسلامی کا۔ اس میں یہ بات شائع ہوئی کہ کسی نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ تم کہتے ہو کہ حوریں کافروں کی نابالغ لڑکیاں ہوں گی اور سلف صالحین کہتے ہیں کہ وہ وہاں کی مخلوق ہے؟ تو مودودی صاحب نے جواب دیا کہ سلف صالحین کا بھی ایک قیاس ہے اور میرا بھی ایک قیاس ہے۔ سلف صالحین پر اتنا بڑا ظلم کوئی نہیں کر سکتا کہ وہ محض قیاس پر چلتے تھے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور سلف صالحین پر الزام محض ہے۔ سلف صالحین نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح احادیث کی روشنی میں فرمایا ہے۔ میرا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے "مودودی صاحب کے غلط فتوے" میں نے اس میں خوب رد کیا ہے۔

تو حوریں کہیں گی کہ ہم کستوری اور زعفران سے پیدا کی گئی ہیں تمہارا درجہ زیادہ کیوں ہے؟ تو یہ خاموش ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم جواب دو۔ تو فرشتے جواب دیں گے ((بِصَلٰوتِهِنَّ وَ صِيَامِهِنَّ وَ حَجَّتِهِنَّ)) انھوں نے دنیا میں نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، حج کیے ہیں دنیا کی تکلیفیں اٹھائی ہیں ان کی وجہ سے ان کا درجہ بلند ہے۔

دوزخیوں کی احتیاجی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ پس متوجہ ہوں گے بعض ان کے دوسرے بعض کی طرف۔ بعض جنتی متوجہ ہوں گے دوسرے جنتیوں کی طرف باتیں کرنے کے لیے ﴿يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ ایک دوسرے سے سوال کریں گے، پوچھیں گے ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ﴾ ایک کہنے والا ان میں سے کہے گا ﴿اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ﴾ بے شک تھا میرا ایک ساتھی ﴿يَّقُوْلُ﴾ وہ کہتا تھا ﴿اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ﴾ کیا تو ان لوگوں میں سے ہے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم بدلہ دیے جائیں گے؟ وہ میرا کافر ساتھی مجھے دنیا میں یہ کہتا تھا کہ تم اس بات کو مانتے ہو کہ جب ہم مر کے مٹی ہو جائیں گے ہڈیاں ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا؟ آؤ نا ذرا اس کو دیکھیں کہ بدلہ ملا ہے یا نہیں؟ ﴿قَالَ﴾ وہ کہے گا اپنے ساتھیوں کو ﴿هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴾ کیا تم جھانکنا چاہتے ہو۔ جنت کا محل وقوع اوپر ہے اور دوزخ کا محل وقوع نیچے ہے۔ اور وضع کچھ ایسی ہوگی کہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور باتیں بھی کریں گے۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۰ میں ہے" اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو ﴿اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ کہ بہا دو ہمارے اوپر تھوڑا سا پانی یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھیں روزی دی ہے ﴿قَالُوْٓا﴾ جنت والے کہیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام کر دیا ہے کافروں پر۔"

تو دوزخی جنتیوں سے روٹی پانی مانگیں گے حالانکہ دنیا میں باضمیر آدمی حتی الوسع دوسرے کے آگے روٹی کے لیے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

ہم حج کے سفر پر تھے۔ گوجرانوالا کے دوست میرے ساتھ تھے ہم حرم کے اندر ہی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ایک ترکی بے چارہ دور سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ بھوکا ہے اجازت ہو تو اس کو بلا لوں؟ سب نے کہا کہ ٹھیک ہے بلا لو۔ ایک ساتھی اس کو بلا لایا۔ وہ کچی پکی عربی اور فارسی جانتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہوں اور رقم ساری ان کے پاس ہے میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ (یہ اس دور کی بات ہے جب موبائل سروس نہیں ہوتی تھی) تین دن بھوکا رہا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

لیکن دوزخی جنتیوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے لیکن حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ تو مومن ساتھی کہے گا کہ کیا تم جھانکتے ہو جھانکنا چاہتے ہو ﴿فَاطَّلَعَ﴾ پس وہ جھانکے گا ﴿فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ﴾ پس وہ دیکھے گا اس کافر دوست کو دوزخ کے درمیان میں ﴿قَالَ﴾ کہے گا یہ مومن اس کو ﴿تَاللّٰهِ﴾۔ یہ تا حرف قسم ہے، اللہ کی قسم ﴿اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ﴾ بے شک قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا اگر میں تیری باتوں میں آ کر قبر حشر کا انکار کر دیتا ﴿وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ﴾ اور اگر نہ ہوتی میرے پروردگار کی نعمت اس کا کرم ﴿لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ البتہ میں بھی ہوتا تمھارے ساتھ دوزخ میں حاضر کیے ہوئے لوگوں میں سے۔ رب تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے بچا لیا لہٰذا بُرے دوستوں، بُرے یاروں سے بچو اور بُری مجلسوں سے بچو۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (آمین)

﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ﴾ کیا پس ہم نہیں ہیں مرنے والے ﴿اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى﴾ مگر وہی پہلی موت ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ اور نہیں ہمیں سزا دی جائے گی ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ ﴿لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ البتہ بڑی کامیابی ہے ﴿لِمِثْلِ هٰذَا﴾ اس جیسی کامیابی کے لیے ﴿فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ پس چاہیے عمل کریں عمل کرنے والے ﴿اَذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ کیا یہ بہتر ہے ﴿نُّزُلًا﴾ بطور مہمانی کے ﴿اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ﴾ یا تھوہر کا درخت ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهَا﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے اس کو ﴿فِتْنَةً﴾ آزمائش ﴿لِّلظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالموں کے لیے ﴿اِنَّهَا﴾ بے شک وہ ﴿شَجَرَةٌ﴾ ایک درخت ہے ﴿تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ﴾ جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ سے ﴿طَلْعُهَا﴾ اس کے خوشے ﴿كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ﴾ گویا کہ شیطانوں کے سر ہیں ﴿فَاِنَّهُمْ﴾ پس بے شک یہ لوگ ﴿لَاٰكِلُوْنَ﴾ البتہ کھانے والے ہیں ﴿مِنْهَا﴾ اس سے ﴿فَمَالِـُٔوْنَ﴾ پس بھرنے والے ہیں ﴿مِنْهَا﴾ اس سے ﴿الْبُطُوْنَ﴾ اپنے پیٹ ﴿ثُمَّ اِنَّ﴾ پھر بے شک ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے ﴿عَلَيْهَا﴾ اس پر ﴿لَشَوْبًا﴾ البتہ ملاوٹ ہوگی ﴿مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ کھولتے ہوئے پانی کی ﴿ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ﴾ پھر بے شک ان کے لوٹنے کی جگہ ﴿لَاِلَى الْجَحِيْمِ﴾ البتہ شعلے مارنے والی آگ ہے

﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک انھوں نے ﴿اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ﴾ پایا اپنے باپ دادا کو ﴿ضَآلِّیْنَ﴾ گمراہ ﴿فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ﴾ پس وہ ان کے نقش قدم پر ﴿یُهْرَعُوْنَ﴾ دوڑ رہے ہیں ﴿وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق گمراہ ہوئے ان سے پہلے ﴿اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پہلے بہت سے لوگ ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے ان میں ﴿مُّنْذِرِیْنَ﴾ ڈرانے والے ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھ ﴿كَیْفَ كَانَ﴾ کیسے ہوا ﴿عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ﴾ انجام ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور آپس میں باتیں کریں گے ان میں سے ایک کہے گا کہ میرا ایک ساتھی ہوتا تھا کافر مشرک۔ وہ مجھے کہتا تھا کہ تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ جس وقت ہم مر کے مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہمیں بدلا دیا جائے گا۔ وہ بڑا زور لگاتا تھا کہ میں قیامت کو تسلیم نہ کروں توحید کو نہ مانوں آؤ ذرا اس کو جھانک کر دیکھیں وہ کہاں ہے؟ پس وہ اس کو جھانک کر دیکھے گا وہ دوزخ کے درمیان میں آگ کے شعلوں میں جل رہا ہوگا۔ اس کو خطاب کر کے کہے گا اللہ کی قسم ہے قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر ہونے والوں میں سے ہوتا۔

مکافاتِ عمل

اس کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد مومن ساتھی کہے گا اپنے ساتھیوں کو ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ﴾ کیا پس ہم نہیں ہیں مرنے والے۔ یہ خوشی کا اظہار ہے ﴿اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى﴾ مگر وہی پہلی موت۔ اب ہم کبھی نہیں مریں گے، نہ جنتی مریں گے، نہ دوزخی مریں گے ﴿وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ﴾ اور نہیں ہمیں سزا دی جائے گی۔ جنتی کہیں گے بچ گئے ہم ساری چیزوں سے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ بے شک یہ چیزیں البتہ بڑی کامیابی ہیں۔ دوزخ سے بچ گئے جنت میں داخل ہو گئے، تکالیف سے جان چھوٹ گئی، ہمیشہ ہمیشہ کی راحتیں اور خوشیاں نصیب ہوگئیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ اس جیسی کامیابی کے لیے پس چاہیے عمل کریں عمل کرنے والے۔ عمل کے بغیر عادتاً دنیا میں کچھ نہیں ملتا۔ ملازم کو ملازمت کرنی چاہیے، مزدور کو مزدوری کرنی چاہیے، تاجر کو تجارت کرنی چاہیے، زراعت پیشہ کو زراعت کرنی چاہیے، کچھ کرے گا تو پھل پائے گا۔ جنت تو بہت قیمتی شے ہے جنت کی ایک چابک کی جگہ دنیا و مافیہا کے خزانوں سے قیمتی ہے۔ تو اس قیمتی شے کے لیے عمل کرنا چاہیے عمل کے بغیر کچھ نہیں ملتا۔ اور جو کرو گے اس کے مطابق بدلہ پاؤ گے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

''مکافاتِ عمل سے غافل نہ ہو گندم سے گندم اُگتی ہے اور جو سے جو۔''

گندم کے بیج ڈالو گے تو گندم کاٹو گے اور جو اگاؤ گے تو جو کاٹو گے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم بوتے تو کچھ نہیں ہیں اور ساری فصلیں کاٹنے کی امیدیں لگا کر بیٹھے ہیں۔ نہ نمازیں ہیں، نہ روزے ہیں، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ قربانی۔ میں سب کی بات نہیں کر رہا نیک بھی ہیں مگر اکثریت کا حال یہ ہے کہ حلال وحرام کی تمیز ہے نہ جائز و ناجائز کی پروا ہے اور بخشش کی امیدیں ہیں۔ بویا کچھ نہیں اور کاٹنے کے لیے درانتی لیے پھرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس جیسی کامیابی کے لیے پس چاہیے کہ عمل کریں عمل کرنے والے۔ فرمایا ﴿ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا ﴾ کیا یہ چیزیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ جنت میں پھل ہوں گے، تخت ہوں گے، خالص شراب ہوگی، حوریں ہوں گی، یہ بہتر ہیں بطور مہمانی کے۔

زقوم کا درخت

﴿ اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴾ یا تھوہر کا درخت۔ یہ درخت ہمارے ہاں بھی ہوتا ہے لیکن جو عرب میں ہوتا تھا وہ اتنا کڑوا اور زہریلا ہوتا تھا کہ جانور اس کو سونگھنے کے ساتھ ہی مر جاتے تھے۔ تو جہنم میں یہ زقوم کا درخت بھی ہے اور ضریع بھی۔ جس کا ذکر سورہ غاشیہ پارہ ۳۰ میں ہے کہ یہ ایک خاردار جھاڑی ہے بہت کڑوی۔ زقوم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ اگر اس کے چند قطرے اس زمین پر گرا دیئے جائیں تو تمام جان دار چیزیں اس کی بدبو کی وجہ سے مر جائیں۔ تو بتاؤ کہ مہمانی کے لیے جنت کے میوے، پھل، خوشبوئیں بہتر ہیں یا تھوہر کا درخت ﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے اس کو آزمائش ظالموں کے لیے۔ آزمائش اس طرح ہے کہ یہ درخت اس آگ میں ہوگا جو آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ دنیا کی آگ میں لوہا، تانبا پگھل جاتا ہے پتھر جل جاتا ہے تو جو آگ اس سے انہتر گنا تیز ہوگی اس میں درخت ہوں گے، سانپ اور بچھو ہوں گے، انسان بھی جل کر کوئلہ نہیں ہوں گے، جس شخص میں ایمان نہ ہو وہ تو نہیں سمجھ سکتا۔ مادیات پر ایمان رکھنے والا ان چیزوں کو کیسے سمجھے گا؟ ساری بات ایمان پر ختم ہوتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے ﴿ اِنَّهَا شَجَرَةٌ ﴾ بے شک وہ زقوم کا ایک درخت ہے ﴿ تَخْرُجُ ﴾ جو نکلتا ہے، اُگتا ہے ﴿ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴾ دوزخ کی جڑ سے، جہنم کے درمیان سے ﴿ طَلْعُهَا ﴾ اس کی شاخیں ﴿ كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴾ جیسے شیطانوں کے سر ہیں، چڑیلوں کے سر ہیں۔ آج بھی جس عورت نے سر میں تیل کنگھی نہ کی ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں تو کہتے ہیں دیکھو بی بی چڑیل ہے۔ اس وقت بھی لوگ چڑیلوں کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے تو چڑیلوں کے سروں کی طرح اس کی شاخیں ہوں گی کوئی شاخ اِدھر گئی ہوئی ہے کوئی اُدھر گئی ہوئی ہے۔ ایمان کے ساتھ تو یہ ساری چیزیں سمجھ آتی ہیں بے ایمان کو کوئی بات سمجھ نہیں آئے گی۔

تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ ترکی میں صمندل نامی ایک جانور ہے اس کی پشم سے لوگ کپڑے بناتے ہیں۔ یہ کپڑے

جب میلے ہو جائیں تو ان کو آگ میں ڈال دیتے ہیں آگ میل کو جلا دیتی ہے کپڑوں کو کچھ نہیں ہوتا وہ صاف ہو جاتے ہیں۔ غالباً دحران نامی ایک جانور ہے جو آگ میں خوش رہتا ہے جیسے مچھلی پانی میں خوش رہتی ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ "فوائد عثمانیہ" میں لکھتے ہیں: "کمپنی باغ سہارن پور میں بعض درختوں کی نشو ونما آگ کے ذریعے ہوتی ہے۔"

۱۹۴۱ء کے قریب اس باغ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ہوئی تھی۔ اس میں مَیں بھی تھا۔ اس باغ کو میں نے دیکھا ہے لیکن لاعلمی کی بنیاد پر وہ درخت نہیں دیکھ سکا کیونکہ اس وقت میں نے فوائد عثمانیہ نہیں پڑھی تھی۔ ایمان ہو تو سب چیزیں سمجھ آتی ہیں۔

فرمایا ﴿فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا﴾ پس بے شک یہ لوگ البتہ کھانے والے ہیں اس زقوم کے درخت سے ﴿فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ﴾ پس بھرنے والے ہیں اس شجرہ زقوم سے اپنے پیٹ۔ سخت بھوک سے مجبور ہو کر اس کو کھائیں گے مجبوری میں آدمی بہت کچھ کرتا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ مکے والوں پر جب قحط مسلط ہوا تو انہوں نے جانوروں کے چمڑے پانی میں بھگو بھگو کر کھائے اور اَكَلُوا الْعِظَامَ ہڈیاں پیس پیس کر کھائیں تو جہنمیوں پر اتنی شدید بھوک مسلط ہوگی کہ مجبور ہو کر اس کو کھائیں گے پیٹ بھریں گے ﴿ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ پھر بے شک ان کے لیے اس پر البتہ ملاوٹ ہوگی کھولتے ہوئے پانی کی۔ (پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا)۔

زقوم کھانے کے بعد جب پیاس لگے گی تو گرم پانی ملے گا ﴿يَشْوِى الْوُجُوْهَ﴾ [کہف: ۲۹] وہ جبڑوں کو جلا ڈالے گا ہونٹوں پر لگے تو ہونٹ جل جائیں گے ﴿وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ [مومنون: ۱۰۴] "اور وہ اس میں بدشکل ہو جائیں گے۔" اوپر والا ہونٹ پیشانی کے ساتھ جا لگے گا اور نیچے والا لٹک کر ناف تک چلا جائے گا انتہائی بدشکل ہو کر جہنم میں رہیں گے اور چیخیں ماریں گے ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ [فاطر: ۳۷] "اور وہ چلائیں گے اس دوزخ میں۔" ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ [ہود: ۱۰۶] "ان کے لیے دوزخ میں چیخنا چلانا ہوگا۔" گدھے کی ابتدائی آواز کو زفیر کہتے ہیں اور آخری آواز کو شھیق کہتے ہیں۔ گدھے کی طرح چیخیں چلائیں گے اور سورہ لقمان میں ہے ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [لقمان: ۱۹] "بے شک سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی ہے۔"

پھر کیا ہوگا ﴿ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ﴾ پھر بے شک ان کے لوٹنے کی جگہ البتہ شعلے مارنے والی آگ ہے۔ جب آگ کے شعلوں میں چیخیں چلائیں گے تو ان کو زمہریر جو ٹھنڈا طبقہ ہے وہاں لے جایا جائے گا۔ جب سردی سے تنگ آ جائیں گے تو کہیں گے ہمیں واپس وہیں لے جایا جائے جہاں ہم تھے کہ جب سردی زیادہ ہوتی ہے تو کہتے ہیں گرمی اچھی ہے اور جب شدید گرمی پڑتی ہے تو کہتے ہیں سردی اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دوزخ سے محفوظ فرمائے۔ دوزخ میں کیوں جائیں گے؟ ﴿اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ﴾ بے شک انھوں نے پایا باپ دادا کو گمراہ ﴿فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ﴾ پس وہ ان کے نقشِ قدم پر

دوڑ رہے ہیں۔ان کے باپ دادا گمراہ تھے اور یہ ان کے راستے پر دوڑتے رہے، ان کی پیروی کرتے رہے۔

تقلید کا معیار

ہاں اگر آباؤ اجداد سمجھ دار اور ہدایت یافتہ ہوں تو قرآن کریم کا حکم ہے ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ [لقمان:۱۵] ''اور پیروی کر اس کے راستے کی جو میری طرف رجوع رکھتا ہے۔'' تو گمراہ کی تقلید کی شریعت نے سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ ایسی تقلید جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو شریعت کے خلاف ہو یہ گمراہی کا سب سے بڑا سبب ہے۔لیکن اہل اسلام جو تقلید کرتے ہیں یہ وہ نہیں ہے جس کی قرآن نے تردید کی ہے۔

اہل اسلام کی تقلید یہ ہے کہ جو مسئلہ قرآن وحدیث میں نہیں ہے، خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے ایسے مسائل میں کسی امام کی بات مان لینا جو اس نے قرآن وسنت سے اخذ کی ہے۔اس نظریے کے تحت کہ امام معصوم عن الخطاء نہیں ہے۔معصوم صرف پیغمبر کی ذات ہے امام مجتہد ہے اور مجتہد کی بات صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی ہوسکتی ہے۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ پایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہے ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق گمراہ ہو چکے ان سے پہلے ﴿اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ بہت سے لوگ۔اکثریت اس وقت بھی گمراہ تھی اور آج بھی اکثریت گمراہ ہے اور قیامت تک اکثریت گمراہوں کی رہے گی۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ جو گمراہ ہوئے تو کیا ان کو حق سے آگاہ نہیں کیا گیا؟ رب تعالیٰ نے ان کی طرف پیغمبر نہیں بھیجے؟

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے ان میں ڈرانے والے۔پیغمبر بھیجے انہوں نے پیغمبروں کی بات نہیں مانی۔پھر کیا ہوا؟ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ پس دیکھ کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا، ان کا کیا حشر ہوا؟ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتے جب تک اتمام حجت نہ کرلیں۔سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۵ پارہ ۱۵ میں ہے ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ ''اور ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ ہم رسول بھیجتے ہیں۔'' جب تک رسول نہ بھیجیں کسی قوم کو تباہ نہیں کرتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہے لیکن الحمد للہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفادار اُمت نے نبوت والا سارا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے اور آج تک دین اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔قرآن وحدیث بھی اپنی اصل شکل میں موجود ہیں اگرچہ اہل بدعت نے بڑی خرابیاں پیدا کی ہیں لیکن پھر بھی دین تمھیں اصل شکل میں ملے گا۔تو فرمایا دیکھو ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو چنے ہوئے تھے وہ عذاب سے بچ گئے باقی سب تباہ وبرباد ہو گئے اور نافرمانی کے انجام کو پہنچ گئے۔

﴿وَلَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿نَادٰىنَا نُوْحٌ﴾ پکارا ہمیں نوح علیہ السلام نے ﴿فَلَنِعْمَ﴾ پس بہت ہی اچھے ہیں ﴿الْمُجِیْبُوْنَ﴾ دعائیں قبول کرنے والے ﴿وَنَجَّیْنٰهُ﴾ اور ہم نے نجات دی اس کو ﴿وَاَهْلَهٗ﴾ اور اس کے گھر والوں کو ﴿مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ﴾ بڑی پریشانی سے ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ﴾ اور کر دیا ہم نے اس کی اولاد کو ﴿هُمُ الْبٰقِیْنَ﴾ وہی باقی رہنے والے ﴿وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ﴾ اور چھوڑا ہم نے اس کے لیے ﴿فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ (اچھا ذکر) پچھلوں میں ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ﴾ سلامتی ہو نوح علیہ السلام پر ﴿فِی الْعٰلَمِیْنَ﴾ جہان والوں میں ﴿اِنَّا﴾ بے شک ہم ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ﴾ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسروں کو ﴿وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ﴾ اور بے شک ان کے گروہ میں سے ہے ﴿لَاِبْرٰهِیْمَ﴾ البتہ ابراہیم علیہ السلام ﴿اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ﴾ جس وقت آئے وہ اپنے رب کے پاس ﴿بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ سلامتی والا دل لے کر ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ﴾ جس وقت کہا اس نے اپنے والد سے ﴿وَقَوْمِهٖ﴾ اور اپنی قوم سے ﴿مَاذَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ﴿اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً﴾ کیا جھوٹے خدا ﴿دُوْنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿تُرِیْدُوْنَ﴾ جن کا تم ارادہ کرتے ہو ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ﴾ پس کیا خیال ہے تمھارا ﴿بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ رب العالمین کے بارے میں ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً﴾ پس دیکھا انھوں نے دیکھنا ﴿فِی النُّجُوْمِ﴾ ستاروں میں ﴿فَقَالَ﴾ پس فرمایا ﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ میں بیمار ہوں ﴿فَتَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ پس پھر گئے وہ لوگ ان سے ﴿مُدْبِرِیْنَ﴾ پشت پھیر کر ﴿فَرَاغَ اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ﴾ پس مائل ہوئے ابراہیم علیہ السلام ان کے خداؤں کی طرف ﴿فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ پس فرمایا کیا تم کھاتے نہیں ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾ تمھیں کیا ہو گیا تم بولتے نہیں ﴿فَرَاغَ عَلَیْهِمْ﴾ پس مائل ہوئے ان پر ﴿ضَرْبًۢا بِالْیَمِیْنِ﴾ مارتے ہوئے قوت کے ساتھ ﴿فَاَقْبَلُوْۤا اِلَیْهِ﴾ پس وہ متوجہ ہوئے ان کی طرف ﴿یَزِفُّوْنَ﴾ دوڑتے ہوئے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَتَعْبُدُوْنَ﴾ کیا تم عبادت کرتے ہو ﴿مَا﴾ ان چیزوں کی ﴿تَنْحِتُوْنَ﴾ جن کو تم خود تراشتے ہو ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تم کو ﴿وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور جو تم عمل کرتے ہو ﴿قَالُوا﴾ کہا انھوں نے ﴿ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا﴾ بناؤ اس کے لیے ایک عمارت ﴿فَاَلْقُوْهُ﴾ پس اس کو ڈالو ﴿فِی الْجَحِیْمِ﴾ آگ کے شعلوں میں ﴿فَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا﴾ پس انھوں نے ارادہ کیا اس کے بارے میں ایک تدبیر کا ﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِیْنَ﴾ پس کر دیا ہم نے ان ہی کو پست۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ پہلے لوگوں کی اکثریت گمراہ تھی تو سوال پیدا ہوا کہ ان کو سمجھانے والا کوئی نہیں تھا؟

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ﴾ ''اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے ان میں ڈرانے والے۔'' مگر ان لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی پھر دیکھو ان کا کیسا انجام ہوا؟ اب آگے ڈرانے والوں کا ذکر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا مختصر تعارف

فرمایا ﴿وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ﴾ اور البتہ تحقیق پکارا ہمیں نوح علیہ السلام نے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نام عبدالغفار تھا اور والد محترم کا نام لمک تھا۔ قوم کی حالتِ بد پر نوحہ کرتے کرتے، افسوس کرتے کرتے نوح لقب پڑ گیا۔ چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی، ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور طوفانِ نوح کے بعد بھی کئی سو سال تک زندہ رہے۔ تو فرمایا پکارا ہمیں نوح علیہ السلام نے ﴿فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ﴾ پس بہت ہی اچھے ہیں دعائیں قبول کرنے والے۔

کربِ عظیم سے مراد

﴿وَ نَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ﴾ اور نجات دی ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو ﴿مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ﴾ بڑی پریشانی سے کہ قوم کے کفر و شرک کرنے کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی تو اللہ تعالیٰ نے قوم کو تباہ کر کے اس پریشانی سے نجات عطا فرمائی۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کربِ عظیم سے مراد طوفان ہے۔ جو سیلاب ساری دنیا میں آیا ہر شے کو تباہ کیا اور نوح علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ اور جو ساتھی کشتی میں سوار تھے ان کو بچا لیا ﴿وَ جَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ﴾ اور کر دیا ہم نے ان کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے۔ سیلاب کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو مومن ساتھی تھے ان سے آگے اولاد نہیں چلی۔ اولاد صرف حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں سے ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام کنعان تھا لقب اس کا یام تھا جو کفر پر مرا آخر تک اس نے حق کو قبول نہیں کیا ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ﴾ [ہود: ۴۳] ''پس تھا وہ ڈوبنے والوں میں سے۔'' باقی تین بیٹے موحد مسلمان تھے۔ بیٹی کا ذکر نہیں آتا۔ ایک کا نام سام تھا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان کی اولاد میں عربی، فارسی، رومی ہوئے ہیں۔ دوسرے بیٹے کا نام حام تھا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان کی اولاد سوڈانی، حبشی، نائیجیریا والے ہیں۔ تیسرے کا نام یافث تھا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ترکی، افغانی، یاجوج ماجوج اور یہ چینی اس کی نسل سے ہیں۔

تو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے باقی رکھا ﴿وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ اور چھوڑا ہم نے اس کے لیے اچھا ذکر پچھلوں میں۔ آج بھی نوح علیہ السلام کا نام بڑے ادب و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ تو اچھا ذکر پچھلے لوگوں میں رکھا تاکہ لوگ ان کے کارنامے یاد رکھیں ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ﴾ سلامتی ہو نوح علیہ السلام پر جہان والوں میں۔ ان کی بڑی خدمات ہیں ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ ظاہر بات ہے کہ پیغمبر سے بڑھ کر نیک کون ہو سکتا ہے ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ بے شک نوح علیہ السلام ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ صرف مومن ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی تھے۔ نو سو پچاس سال اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں کو پہنچایا۔ نو سو پچاس سال کے دن گننے پر بھی اچھا خاصا

وقت لگتا ہے۔نوح علیہ السلام اور ان کے اہل کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔فرمایا ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ﴾ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو ﴿وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ﴾ اور بے شک نوح علیہ السلام کے گروہ میں نیک بندوں اور پیغمبروں کے گروہ میں سے البتہ ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام سے سترہ سو (۱۷۰۰) سال بعد تشریف لائے ہیں کوسیٰ بروزن موسیٰ شہر میں۔آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام اُر ہے جو اس وقت عراق کا دارالخلافہ تھا۔اس وقت بادشاہ نمرود بن کنعان تھا جو بڑا ظالم جابر اور مشرک تھا۔ابراہیم کے والد کا نام قرآن نے آزر بتلایا ہے۔یہ اس حکومت کا وزیر مذہبی امور تھا۔بت بنانا، بت خانے بنانا اور بت خانوں میں بت پورے کرنا، یہ اس کی ذمہ داری تھی۔اللہ تعالیٰ نے بت گر کے گھر بت شکن پیدا فرمایا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بڑی آزمائشی زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ جس وقت وہ آئے اپنے رب کے پاس سلامتی والا دل لے کر۔ایسا صحیح سالم دل لے کر آئے کہ دین کی چیزوں کے بارے میں کوئی شک وتردد اس دل میں نہیں تھا۔یاد رکھنا! ہمیں بھی اگر دین کی کسی چیز میں شک ہوا تو ایمان نہیں رہے گا۔ایمان اس پختہ عقیدے کا نام ہے کہ بے شک دنیا شک ڈالتی رہے اس میں شک نہ آئے۔بلکہ کوئی شک وشبہ اس کے قریب بھی نہ آئے۔

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ﴾ جس وقت کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے۔ساتویں پارے میں تفصیل ہے یہاں اجمال ہے ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ "اور جس وقت کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کیا آپ بتوں کو معبود بناتے ہیں ﴿اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ [انعام: ۷۴] "بے شک میں آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔" اور یہاں ہے کہ جس وقت کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے ﴿وَ قَوْمِهٖ﴾ اور اپنی قوم سے ﴿مَاذَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو۔اس قوم میں بت پرستی بھی تھی اور کواکب پرستی بھی۔چاند، سورج ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ﴾ کیا جھوٹے خدا بناتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے جن کا تم ارادہ کرتے ہو ان کی تم پوجا کرتے ہو ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ پس کیا خیال ہے تمہارا رب العالمین کے بارے میں۔

مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا بلکہ ظاہری طور پر دیکھو تو مشرک رب کی بڑی عظمت کا قائل ہے۔مشرک کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے درجے کے لحاظ سے۔ہم سے بہت دور ہے اور ہم بڑے گناہ گار ہیں ہماری رب تعالیٰ تک رسائی نہیں ہے جب تک درمیان میں بابوں (بزرگوں) کی سیڑھیاں نہ ہوں ﴿هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸] "یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔" دیکھو! کتنی عظمت ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے ان بابوں (بزرگوں) کے بغیر وہاں

تک ہماری پہنچ نہیں ہے۔ اور آٹھویں پارے میں ہے ﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا﴾ ''اور ٹھہرایا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں سے جو پیدا کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے کھیتی اور مویشی ایک حصہ ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ﴾ ''پھر کہا انھوں نے یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اپنے خیال کے مطابق ﴿وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا پس وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ﴾ ور جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے پس وہ پہنچتا ہے ان کے شریکوں کی طرف ﴿سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ [انعام: ۱۳۶] ''بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

مشرک لوگ زمین کی پیداوار میں سے اللہ تعالیٰ کا بھی حصہ نکالتے تھے اور اپنے شریکوں کا بھی حصہ نکالتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ والے حصے سے کچھ دانے شریکوں والی ڈھیری میں مل جاتے تو الگ نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور اگر شریکوں والی ڈھیری سے کچھ دانے اللہ تعالیٰ والی ڈھیری میں مل جاتے تو فوراً الگ کر لیتے تھے کہ یہ مسکین ہیں۔ تو مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا بلکہ رب تعالیٰ کو مانتے ہوئے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑتا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے نیچے تم نے چھوٹے خدا بنائے ہوئے ہیں جن کا تم ارادہ کرتے ہو رب العالمین کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟

کہتے ہیں کہ رات کا وقت تھا قوم کے افراد بیٹھے تھے شہر سے باہر کوئی تہوار منانے کے لیے پروگرام بنا رہے تھے اس میں شریک ہونے کے لیے انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی۔ آپ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتے تھے ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ﴾ پس دیکھا انھوں نے دیکھنا ستاروں میں ﴿فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ پس فرمایا بے شک میں بیمار ہوں مجھے تمھاری کواکب پرستی نے بیمار کر دیا ہے کہ اچھے بھلے آدمی ہو کھاتے پیتے انسان ہونے کے باوجود کبھی سورج کے آگے، کبھی چاند، کبھی ستاروں کے آگے اور کبھی بتوں کے آگے جھکتے ہو۔ ان چیزوں کو دیکھ کر میں بیمار ہوں۔ کبھی آدمی فکر اور پریشانی کی وجہ سے بھی بوڑھا ہو جاتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت! آپ وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے ہیں آپ کے جسم میں کمزوری وقت سے پہلے آ گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شَیَّبَتْنِیْ هُوْدُ وَ اَخَوَاتُهَا ''سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔'' سورہ ہود میں کافی مجرم قوموں کی تباہی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ﴾ [ہود: ۱۰۲] ''اور اسی طرح ہے پکڑ آپ کے رب کی جس وقت کہ وہ پکڑتا ہے اور وہ ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔'' اس جملے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا کہ میری امت میں بھی تو لازماً ظالم لوگ ہوں گے۔ بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ان قوموں میں تو ایک ایک عیب تھا اور اس آخری اُمت میں وہ سارے عیب موجود ہیں۔ تو اُمت کے غم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے۔

کواکب پرستی :

تو فرمایا تمھاری کواکب پرستی کی وجہ سے میں بیمار ہوں اور یہ روحانی بیماری جسمانی بیماری سے بھی سخت ہوتی ہے

﴿فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ﴾ پس پھر گئے وہ لوگ ان سے پشت پھیر کر۔ دارالخلافہ کے بت خانے میں جو شاہی بت خانہ تھا اس میں اس وقت بہتر (۷۲) بت تھے۔ ان کو خوشبوئیں لگی ہوئی تھیں، کسی کے سامنے حلوا رکھا ہوا ہے، کسی کے سامنے کھیر اور کسی کے سامنے سویاں اور کسی کے سامنے قورما کہ ان میں بابے برکت ڈالیں گے اور ہم بعد میں کھائیں گے۔ سارے تہوار منانے کے لیے چلے گئے ﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ﴾ پس مائل ہوئے ابراہیم علیہ السلام ان کے خداؤں کی طرف اور کلہاڑی بھی ساتھ لے گئے تھے۔ پہلے ان کے ساتھ مذاق کیا ﴿فَقَالَ﴾ پس فرمایا ﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ کیا تم کھاتے نہیں کھیر، سویاں، قورما ٹھنڈا ہو رہا ہے کھاتے کیوں نہیں؟ ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾ تمہیں کیا ہو گیا بولتے کیوں نہیں؟ مگر کس نے کوئی چیز کھائی تھی اور کس نے بولنا تھا ﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ﴾ یمین کے معنیٰ قوت کے ہیں پس مائل ہوئے ابراہیم علیہ السلام ان پر مارتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۵۸ پارہ ۱۷ میں ہے ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ﴾ "پس کر ڈالا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ان میں سے جو بڑا تھا اس کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔" کہ جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی تحقیق تو ہو گی۔ تو اس موقع پر اس کا وجود مجھے فائدہ دے گا جب تحقیق شروع ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ پہلے تو ان خداؤں سے پوچھو نا کہ تمہارا یہ حشر کس نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں۔ پھر اس بڑے گرو گھنٹال سے پوچھو شاید اس نے کچھ کیا ہو ﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ﴾ پس تحقیق کرنے والوں نے سر جھکا دیئے اور کہنے لگے ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ﴾ بے شک آپ جانتے ہیں کہ یہ گفتگو نہیں کرتے۔ فرمایا ﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ افسوس ہے تمہارے اوپر اور تمہارے خداؤں پر بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو، توقعات رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے جو اپنی جان نہیں بچا سکتے، بول نہیں سکتے۔ پھر ان لوگوں نے کہا ﴿حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ جلاؤ ابراہیم علیہ السلام کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنے والے ہو۔" تو مائل ہوئے ابراہیم علیہ السلام ان پر مارتے ہوئے قوت کے ساتھ ﴿فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ﴾ پس متوجہ ہوئے لوگ ابراہیم علیہ السلام کی طرف دوڑتے ہوئے، گھبراتے ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان

یہاں اجمال ہے اور سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ میں تفصیل ہے۔ کہنے لگے ﴿سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ﴾ "سنا ہے ہم نے ایک نوجوان جو ان معبودوں کا ذکر کرتا ہے ﴿يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴾ اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا ﴿تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ اللہ کی قسم میں ضرور تدبیر کروں گا تمہارے ان بتوں کے لیے بعد اس کے کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے۔" لہٰذا یہ کارروائی اسی کی ہو گی۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر لائے اور پوچھا ﴿ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ "یہ کارروائی ہمارے خداؤں کے ساتھ آپ نے کی ہے۔" فرمایا ﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ "اس بڑے نے کی ہو گی ان سے پوچھو اگر یہ بولتے ہیں تو پوچھو ان سے کس نے کی ہے۔" ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَتَعْبُدُوْنَ﴾ کیا تم

عبادت کرتے ہو ﴿مَاتَنْحِتُوْنَ﴾ ان چیزوں کی جن کو تم خود تراشتے ہو۔ ذہنی طور پر بھی تراشے ہوئے ہیں اور ہاتھوں سے بھی تراشے ہوئے ہیں۔ یہ تمھارے خود ساختہ ہیں ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمھارا بھی خالق ہے تمھارے عمل کا بھی خالق ہے۔ خالق کل شی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿قَالُوا﴾ ان لوگوں نے کہا ﴿ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا﴾ بناؤ اس کے لیے ایک عمارت۔ بھٹا تیار کرو آگ کا ﴿فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ﴾ پھر ڈالو اس کو آگ کے شعلوں میں۔ اس نے ہمارا دل جلایا ہے اس کو آگ میں جلاؤ۔

دارمی کی روایت میں ہے جُرِّدَ عَنِ الثِّيَابِ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سارے کپڑے اتار دیئے گئے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر آلہ منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈال دیا گیا۔'' ساری مخلوق بمع باپ کے تماشائی تھی اور انتظار میں تھی کہ اب سر پھٹے گا ٹھاہ ہوگی ہمارے دل ٹھنڈے ہوں گے۔ یہاں تفصیل نہیں ہے سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۶۹ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا﴾ ''ہم نے کہا اے آگ! ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی والی ﴿عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ﴾ ابراہیم پر۔'' رسیاں جل گئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں کھل گئے۔ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بال بھی نہیں جلایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس طرح پھر رہے تھے جس طرح باغ میں ٹہل رہے ہوں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو والد نے کہا: نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ ''اے ابراہیم تیرا رب بہت اچھا ہے۔'' اس کے باوجود اپنا دھڑا اور گروہ نہیں چھوڑا۔ یہ دھڑا بہت بُری شے ہے۔ لوگ رسومات، بدعات کو جاننے کے باوجود نہیں چھوڑتے کہ ناک رہ جائے۔ تو کہا انھوں نے اس کے لیے ایک عمارت بناؤ اور اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالو ﴿فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ پس ارادہ کیا انھوں نے ایک تدبیر کا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ پس کر دیا ہم نے اس کو پست۔ ذلیل کیا، خوار ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن ماننا بھی کوئی نہیں نہ باپ نہ کوئی اور۔

﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اِنِّيْ﴾ بے شک میں ﴿ذَاهِبٌ﴾ جانے والا ہوں ﴿اِلٰى رَبِّيْ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿سَيَهْدِيْنِ﴾ بہ تاکید وہ میری راہنمائی کرے گا ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ﴾ اے میرے رب مجھے عطا کر ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ نیکوں میں سے اولاد ﴿فَبَشَّرْنٰهُ﴾ پس ہم نے خوش خبری سنائی ان کو ﴿بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ ایک لڑکے کی جو بڑا حوصلے والا تھا ﴿فَلَمَّا بَلَغَ﴾ پس جس وقت وہ پہنچا ﴿مَعَهُ السَّعْيَ﴾ ان کے ساتھ دوڑ کی عمر کو ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿يٰبُنَيَّ﴾ اے میرے بیٹے ﴿اِنِّيْٓ اَرٰى﴾ بے شک میں نے دیکھا ہے ﴿فِي الْمَنَامِ﴾ خواب میں ﴿اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ﴾ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھو ﴿مَاذَا تَرٰى﴾ کیا رائے ہے آپ کی ﴿قَالَ﴾ انھوں نے کہا ﴿يٰٓاَبَتِ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ کر ڈالیں جس کا آپ کو حکم ہوا ہے

﴿سَتَجِدُنِيٓ﴾ بہ تاکید آپ پائیں گے مجھے ﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبر کرنے والوں میں سے ﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا﴾ پس جس وقت ہو گئے دونوں فرماں بردار ﴿وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾ اور گرا دیا اس کو پیشانی کے بل ﴿وَنَادَيْنٰهُ﴾ اور ہم نے اس کو آواز دی ﴿اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ اے ابراہیم ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ تحقیق آپ نے سچا کر دکھایا خواب ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ﴾ بے شک ہم اسی طرح ﴿نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ بات ﴿لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾ البتہ یہ صریح آزمائش ہے ﴿وَفَدَيْنٰهُ﴾ اور ہم نے فدیہ دیا اس کو ﴿بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ ذبح کرنے کا ایک عظیم جانور کا ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ اور ہم نے چھوڑا اس کا ذکر ﴿فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ پچھلوں میں ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ سلام ہو ابراہیم علیہ السلام پر ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ اور ہم نے اس کو خوش خبری دی اسحاق کی (علیہ السلام) ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ جو کہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے نیکوں میں سے ﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ﴾ اور ہم نے برکت نازل کی اس پر ﴿وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ اور اسحاق پر ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا﴾ اور ان دونوں کی اولاد میں سے ﴿مُحْسِنٌ﴾ نیکی کرنے والے ہیں ﴿وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں ﴿مُبِيْنٌ﴾ واضح طور پر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ چلا آ رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کو توڑنے کی پاداش میں آگ کے بھٹے میں ڈال دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ بھٹے کی جگہ باغ بنا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن مبارک کا ایک بال بھی نہ جلا۔ کتنا بڑا کرشمہ تھا مگر ایک آدمی بھی مسلمان نہ ہوا۔ اس ضد کا تو کوئی علاج نہیں ہے۔

ہجرتِ ابراہیم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ﴾ بے شک میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف ﴿سَيَهْدِيْنِ﴾ ضرور وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا عراق سے شام ہجرت کرنے کا۔ ہجرت کرنے میں یہ تین بزرگ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام اور سگا بھتیجا حضرت لوط علیہ السلام۔ چوتھا کوئی آدمی ان کے ساتھ نہیں تھا اور نہ ہی چلتے وقت ان کو کسی نے روکا کہ نہ جاؤ ہم اپنے اندر کچھ تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ آخر وہاں مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں، خویش واقارب بھی تھے، کوئی ایک بھی روکنے نہیں آیا۔

تو فرمایا کہ میں اپنے رب کے حکم کے ساتھ ہجرت کر رہا ہوں اور دعا کی ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اے میرے پروردگار بخش دے مجھے، مجھے عطا فرما نیکوں میں سے اولاد۔ فرمایا ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ پس ہم نے خوش خبری دی ابراہیم علیہ السلام

کو ایک لڑکے کی جو بڑا حوصلے والا تھا۔ یہ بشارت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تھی جس کا قرینہ آگے آرہا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پیٹ سے ہوئے۔ ان دونوں بیٹوں کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ ان کے علاوہ تین بیٹے اور تھے۔ تورات اور تاریخ میں ان کا نام آتا ہے۔ ایک کا نام مدین، ایک کا نام مدائن اور ایک کا نام قیدار تھا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ بیٹی کوئی نہیں تھی صرف بیٹے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا فرمایا پھر حکم دیا ماں بیٹا دونوں کو وہاں چھوڑ آؤ جہاں کا میں حکم دوں اور بیوی کو بتانا بھی نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو لے کر چل پڑے۔ جہاں کعبۃ اللہ ہے یہاں ایک درخت ہوتا تھا وہاں نہ پانی تھا نہ کوئی انسان تھا ﴿بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ﴾ [ابراہیم: ۳۷] ''ایسی وادی میں جو کھیتی باڑی والی نہیں ہے۔'' مشکیزے میں تھوڑا سا پانی تھا اور تھوڑی سی کھجوریں تھیں۔ یہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے حوالے کیں اور فرمایا کہ میں جا رہا ہوں۔ چل پڑے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے آواز دی ہمیں یہاں چھوڑ کر جا رہے ہو أَأَمَرَكَ اللّٰه کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے؟ منہ سے بولے نہیں، اشارے کے ساتھ فرمایا کہ ہاں! رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس وقت حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کہا: إِذًا لَا يُضَيِّعُنَا اللّٰه ''پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔'' کوئی فکر نہیں ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایڑیاں رگڑیں تو اللہ تعالیٰ نے آبِ زم زم کا چشمہ جاری کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور امتحان

کچھ دنوں کے بعد قبیلہ بنو جُرہم کے لوگ وہاں آئے پانی دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور ٹھہرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اجازت دے دی۔ انہوں نے وہاں اپنے مکان اور خیمے لگا لیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آتے جاتے رہتے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک تقریباً تیرہ برس کی ہوئی ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ پس جس وقت وہ پہنچا ان کے ساتھ دوڑ کی عمر کو، کام کاج کی عمر کو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا اور پیغمبر کا خواب حقیقت ہوتا ہے۔ تو خواب کو بیٹے کے سامنے بیان فرمایا ﴿قَالَ يٰبُنَيَّ﴾ فرمایا اے میرے بیٹے! پنجابی زبان میں اس کا لفظی معنیٰ ہے اے میری پتری! یہ پیار کا لفظ ہوتا ہے ﴿إِنِّيْٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ﴾ بے شک میں نے خواب میں دیکھا ہے ﴿أَنِّيْٓ أَذْبَحُكَ﴾ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تجھے ذبح کروں ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ پس دیکھو کیا رائے ہے آپ کی کہ میں خواب کو پورا کروں۔ بیٹے نے فرماں برداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا ﴿قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ کہا اے میرے ابا جان! کر ڈالیں جس کا آپ کو حکم ہوا ہے ﴿سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ بہ تاکید آپ پائیں گے مجھے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبر کرنے والوں میں سے۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر منیٰ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک بزرگ صورت جس نے

بڑا عمدہ لباس پہنا ہوا تھا، ملا اور بڑی ہمدردی کے انداز میں سلام کے بعد سوال کیا حضرت! کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے۔ کہنے لگا حضرت! آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟ فرمایا یہی ہے۔ کہنے لگا حضرت! کیا ایک بیٹا بھی آپ پر بوجھ ہے؟ فرمایا یہ بات نہیں ہے بلکہ مجھے رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ خواب کے ذریعے مجھے حکم ملا ہے۔ وہ بزرگ کہنے لگا حضرت! خواب کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے، ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ہوتا ہے۔ سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو مغالطے میں آ جاتا مگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اِدھر اُدھر سے کنکریاں اٹھائیں اور اس نصیحت کرنے والے کو اللہ اکبر! کہہ کر ماریں۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اس کا حکم سب سے بڑا ہے بھاگ جا یہاں سے۔ وہ شیطان تھا۔ کچھ آگے گئے تو پھر آ گیا اور کہنے لگا حضرت! کچھ سوچیں تو سہی بیٹے کو ذبح نہ کریں کچھ اور کر لیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر سات کنکریاں اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر اس کو ماریں۔ آخر وہ بھی شیطان تھا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ آگے جا کر پھر کھڑا ہو گیا اور منتیں کرنا شروع کر دیں کہ بیٹے کو ذبح نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر سات کنکریاں اٹھا کر اس کو ماریں کہ بھاگ جا، میں رب تعالیٰ کے حکم کو سمجھتا ہوں۔ آج کل جو رمی کرتے ہیں یہ وہی ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا﴾ پس جس وقت ہو گئے وہ دونوں فرماں بردار ﴿وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾ اور گرا دیا اس کو پیشانی کے بل ﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ اور ہم نے اس کو آواز دی اے ابراہیم ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ تحقیق آپ نے سچا کر دکھایا خواب ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔

اب اس واقعہ کے تناظر میں یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیب دان کوئی نہیں ہے۔ ہاں غیب کی خبریں جتنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو عطا فرمائی ہیں وہ حق ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ رہا غیب تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح ہر چیز کا جاننا بھی صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ دیکھو! اگر ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے اس بات کا علم ہوتا کہ میرے لڑکے نے ذبح نہیں ہونا تو ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی کوئی قدر باقی نہ رہتی، معاذ اللہ تعالیٰ۔ پھر تو یہ ایک ڈرامہ تھا جو باپ بیٹے نے کھیلا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی۔ گو اس وقت اظہار نبوت نہیں ہوا مگر نبی پیدائشی طور پر نبی ہوتا ہے۔ اگر ان کو علم تھا کہ میری قربانی کوئی نہیں ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ ابا جی! آپ کو جو حکم ملا ہے کر گزرو مجھے آپ ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

یاد رکھنا! انجام کا نہ ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا اور نہ اسماعیل علیہ السلام کو علم تھا کہ کیا ہونا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی سمجھتے تھے کہ میں نے بیٹے کی قربانی دینی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی سمجھتے تھے کہ میں نے قربان ہونا ہے۔ اس نیت کی بنیاد پر ان کی قربانی سب سے اونچی ہے۔ اگر پہلے سے علم ہوتا تو پھر اس قربانی کی حیثیت کھیل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تو پروردگار نے آواز دی اے ابراہیم! آپ نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾ بے شک یہ بات البتہ صریح آزمائش ہے۔ یہ بڑا امتحان تھا اور امتحان تبھی بنتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سمجھتے تھے کہ میں نے

قربانی دینی ہے اور اسماعیل علیہ السلام سمجھتے تھے کہ میں نے قربان ہونا ہے ﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ اور ہم نے ان کو فدیہ دیا بڑی قربانی کا۔

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک دنبہ بھیجا کہ اس کی قربانی کرو۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ قربانی اتنی پسندیدہ تھی کہ قیامت تک اس سنت کو جاری فرما دیا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ يَا رَسُوْلَ اللهِ "اے اللہ کے رسول یہ قربانیاں کیا ہیں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنّة ابیکم ابراهیم "یہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔" پھر پوچھا فَمَا لَنَا فِيْهَا "ہمیں اس سے کیا حاصل ہوگا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ "جانور کے جسم پر جتنے بال ہیں ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی۔" اسی لیے کہتے ہیں کہ چھوٹے جانور کی قربانی زیادہ افضل ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اور دوسرا نیکیاں تقسیم نہیں ہوں گی۔ اور بڑے جانور میں تو سات آدمی شریک ہوں گے اور چمڑے کے بھی سات حصے ہوں گے تو بال بھی تھوڑے ہوں گے۔ تو الحمد للہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طریقہ آج تک چلا آرہا ہے۔

فرمایا ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور ہم نے چھوڑا ان کا اچھا ذکر پچھلوں میں۔ کتنی دنیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ محبت کرتی ہے ﴿سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ﴾ سلام ہو ابراہیم علیہ السلام پر ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ یہ خوش خبری تو تھی اسماعیل علیہ السلام کی اور ان کی قربانی کا ذکر تھا۔ آگے اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری کا ذکر ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ﴾ اور ہم نے ان کو خوش خبری دی اسحاق علیہ السلام کی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خوش خبری اور قربانی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے ان کو خوش خبری دی اسحاق کی۔ یہ جملہ بتلا رہا ہے کہ پہلا واقعہ اور ہے اور یہ واقعہ اور ہے۔ پہلے اس لڑکے کی خوش خبری تھی جس کو ذبح کیا گیا اور اب اس کی خوش خبری ہے جس کو ذبح نہیں کیا گیا یعنی اسحاق علیہ السلام۔ کیونکہ قربانی کا سارا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے ان کو اسحاق کی خوش خبری دی، علیہ السلام۔ یہودی اور عیسائی اس بات پر مصر ہیں کہ قربانی اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی اور اس پر انھوں نے اتنی کثرت سے روایات بیان کی ہیں کہ بعض اچھے بھلے بزرگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ قربانی والے بچے کے ذکر کے بعد اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری سنائی گئی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بارھویں پارے میں ہے ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ [ہود: ۷۱] "اور ہم نے خوش خبری دی اس کو اسحاق بیٹے کی اور اسحاق کے بعد یعقوب پوتے کی۔" اب سوال یہ ہے کہ اگر بچپن ہی میں اسحاق علیہ السلام کی

قربانی ہونی ہے تو پھر پوتا کہاں سے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ خوش خبری سنا رہے ہیں کہ بی بی سارہ تمھارے ہاں لڑکا ہوگا پھر تمھاری زندگی ہی میں تمھارا پوتا بھی ہوگا۔ قربانی کے حکم کے ساتھ پوتے کی خوش خبری کا کیا معنیٰ ہے؟ بچپن میں ہی ختم ہو گئے تو پوتے کی نوبت کہاں سے آئے گی؟ لہٰذا واضح بات ہے کہ قربانی اسحاق علیہ السلام کی نہیں ہوئی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی ہے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَ نَاابْنُ ذَبِیْحَیْنِ ''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں ایک اسماعیل علیہ السلام اور ایک والد محترم۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جی نے منت مانی تھی کہ میرے دس بیٹے میرے سامنے جوان ہو گئے تو میں چھوٹے کو اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کر دوں گا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ منت بھی مانی جاتی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد سب سے چھوٹے تھے۔ منت پوری ہو گئی تو حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے پھوپھیاں پیچھے پڑ گئیں کہ ہم نے ذبح نہیں کرنے دینا ان کے بدلے میں فدیہ دے دو۔ تو سو اونٹوں کا فدیہ دلوا کر حضرت عبداللہ کی جان بخشی ہوئی۔ لہٰذا قربان ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ اسحاق علیہ السلام۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے خوش خبری دی اس کو اسحاق بیٹے کی ﴿نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ جو کہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے نیکوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر معصوم ہیں نیک ہیں ﴿وَ بٰرَكْنَا عَلَیْهِ﴾ اور ہم نے برکت نازل کی ابراہیم علیہ السلام پر ﴿وَ عَلٰۤى اِسْحٰقَ﴾ اور اسحاق علیہ السلام پر۔ اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہیں جن کا لقب اسرائیل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً چار ہزار پیغمبران میں آئے اور تین مشہور آسمانی کتابیں بنی اسرائیل کی طرف نازل کی گئیں۔ تورات موسیٰ علیہ السلام کو ملی، زبور داؤد علیہ السلام کو ملی اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو ملی۔ رب تعالیٰ نے ان میں بڑی برکتیں رکھیں ﴿وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا﴾ اور ان کی اولاد میں ﴿مُحْسِنٌ﴾ اچھے کام کرنے والے ہیں ﴿وَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ﴾ اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے بھی ہیں کھلے طور پر۔ کفر و شرک کرنے والے بدکاری کرنے والے دونوں ان میں ہوں گے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دو بیٹوں کا ذکر ہوا۔

﴿وَ لَقَدْ مَنَنَّا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا ﴿عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر ﴿وَ نَجَّیْنٰهُمَا﴾ اور ہم نے نجات دی ان دونوں کو ﴿وَ قَوْمَهُمَا﴾ اور ان دونوں کی قوم کو ﴿مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ﴾ بڑی پریشانی سے ﴿وَ نَصَرْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی ﴿فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ﴾ پس وہی غالب ہونے والے تھے ﴿وَ اٰتَیْنٰهُمَا﴾ اور دی ہم نے ان دونوں کو ﴿الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ﴾ ایک واضح کتاب ﴿وَ هَدَیْنٰهُمَا﴾ اور ہم نے راہنمائی کی ان دونوں کی ﴿الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ صراط مستقیم کی ﴿وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ اور چھوڑا ہم نے ان دونوں کا اچھا ذکر پچھلے لوگوں میں ﴿سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ سلام ہو موسیٰ علیہ السلام پر اور ہارون علیہ السلام پر ﴿اِنَّا

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿ اِنَّهُمَا ﴾ بے شک وہ دونوں ﴿ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿ وَاِنَّ اِلْيَاسَ ﴾ اور بے شک الیاس علیہ السلام ﴿ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ البتہ رسولوں میں سے تھے ﴿ اِذْ قَالَ ﴾ جس وقت کہا انھوں نے ﴿ لِقَوْمِهٖٓ ﴾ اپنی قوم کو ﴿ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ کیا تم ڈرتے نہیں ﴿ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا ﴾ کیا تم پکارتے ہو بعل کو ﴿ وَّتَذَرُوْنَ ﴾ اور چھوڑتے ہو ﴿ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴾ سب سے بہتر بنانے والے کو ﴿ اللّٰهَ رَبَّكُمْ ﴾ اللہ جو تمہارا رب ہے ﴿ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اور تمھارے پہلے آباء واجداد کا بھی رب ہے ﴿ فَكَذَّبُوْهُ ﴾ پس انہوں نے جھٹلایا اس کو ﴿ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴾ پس بے شک وہ البتہ حاضر کیے جائیں گے ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے ﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ ﴾ اور ہم نے چھوڑا اس کا اچھا ذکر ﴿ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ پچھلوں میں ﴿ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴾ سلام ہو الیاسین پر ﴿ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا ﴿ وَاِنَّ لُوْطًا ﴾ اور بے شک لوط علیہ السلام ﴿ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ البتہ رسولوں میں سے ہیں ﴿ اِذْ نَجَّيْنٰهُ ﴾ جس وقت ہم نے نجات دی اس کو ﴿ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴾ اور اس کے تمام گھر والوں کو ﴿ اِلَّا عَجُوْزًا ﴾ مگر ایک بوڑھی ﴿ فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴾ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی ﴿ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہلاک کر دیا ہم نے دوسروں کو ﴿ وَاِنَّكُمْ ﴾ اور بے شک تم ﴿ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ ﴾ البتہ گزرتے ہو تم ان پر ﴿ مُّصْبِحِيْنَ ﴾ صبح کے وقت ﴿ وَبِالَّيْلِ ﴾ اور رات کو ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں۔

اس سے قبل آیت نمبر ۷۲ میں ہے ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴾ "اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے ان میں ڈرسنانے والے۔" پھر نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا، پھر ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کا، پھر اسحاق علیہ السلام کا۔ اب انھی ڈرانے والوں میں سے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں بھائی تھے۔ عمر میں حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے اور دونوں کی عمریں ایک سو بیس سال (۱۲۰) تھیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام تین سال پہلے فوت ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام تین سال بعد میں فوت ہوئے۔ اس زمانے میں مصر کا فرعون ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا نام الگ الگ تھے۔

جیسے ہمارے ملک کے سربراہ کا لقب صدر ہے ایسے ہی ان کا لقب فرعون ہوتا تھا۔ فرعون بہت گزرے ہیں، نیک بھی اور بد بھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا فرعون بہت نیک تھا اس کا نام ریان بن ولید تھا، رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کی نیکی اور سمجھ داری کا اندازہ یہاں سے لگاؤ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے کہا کہ ملک کا اقتدار اب تم سنبھالو کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہارا کلمہ پڑھنے کے بعد اب اقتدار میرے پاس رہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ اس نے کہا نہیں اب آپ نبی ہیں میں امتی ہوں لہٰذا یہ سلطنت آپ کے حوالے کرتا ہوں اس کا نظام سنبھالیں۔ اب آپ کی حکمرانی ہوگی حضرت۔ حق کی خاطر حکومت کو چھوڑ دینا معمولی نیکی نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون بڑا سرکش اور غنڈا تھا۔ انتہائی متکبر اور ظالم تھا اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسان کیے تھے ان میں سے ایک احسان دونوں کو نبی بنانا ہے۔ مخلوق کے لیے نبوت ورسالت سے بلند مقام کوئی نہیں ہے۔ پھر پیغمبروں کے آپس میں درجے ہیں۔ علم عقائد والے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے بلند درجہ اور مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ دوسرے نمبر پر ابراہیم علیہ السلام ہیں اور تیسرے نمبر پر موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی بڑی شان ہے کہ تمام مخلوق میں تیسرے نمبر کی شخصیت ہیں۔

تو فرمایا ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر ﴿وَ نَجَّیْنٰهُمَا﴾ اور ہم نے ان دونوں کو نجات دی ﴿وَ قَوْمَهُمَا﴾ اور ان دونوں کی قوم کو بنی اسرائیل کو بھی نجات دی ﴿مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ﴾ بڑی پریشانی سے، فرعون کے مظالم سے۔ پھر بحر قلزم کی موجوں میں فرعونیوں کو غرق کیا اور ان کو نجات دی ﴿وَ نَصَرْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی ﴿فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ﴾ پس وہی غالب ہونے والے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور ان کی جماعت فرعون اور آل فرعون کے مقابلے میں کہ تمام وسائل فرعونیوں کے پاس تھے اور فرعون نے غرور میں آکر ایک موقع پر کہا تھا ﴿اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ﴾ [الزخرف: ۵۱] ''کیا ملک مصر میرے قبضے میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو چلتی ہیں میرے محل کے سامنے اور میرے مقابلے میں ﴿هُوَ مَهِیْنٌ ۙ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ﴾ وہ حقیر آدمی ہے قریب نہیں کہ وہ صاف بات کر سکے۔'' موسیٰ علیہ السلام کی زبان بات کرتے ہوئے کسی لفظ پر اٹکتی تھی اس لیے اس نے کہا کہ میری طرح وہ صاف بول بھی نہیں سکتا وہ میرا مقابلہ کیا کرے گا معاذ اللہ تعالیٰ۔

تو فرمایا ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو نجات دی بڑی پریشانی سے اور ان کی مدد کی پس وہی غالب ہونے والے تھے ﴿وَ اٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ﴾ اور دی ہم نے ان دونوں کو ایک واضح اور روشن کتاب تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بھی ذمہ تھی اس کی نشر واشاعت اور تبلیغ۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ دونوں کو دی ﴿وَ هَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ اور ہم نے راہنمائی کی ان دونوں کی صراط مستقیم کی۔ ان کو صراط مستقیم پر قائم رکھا ﴿وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ اور چھوڑا ہم نے ان کا اچھا ذکر پچھلے لوگوں میں۔ آج بھی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا نام ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

محدثین کرام اور فقہائے عظام فرماتے ہیں کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لو تو ساتھ علیہ السلام کہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

نام لوتو ساتھ رضی اللہ عنہ کہو۔ کسی بزرگ کا نام لوتو ساتھ رحمہ اللہ تعالیٰ کہو۔ ان بزرگوں کی وجہ سے دین ہم تک پہنچا ہے ان کی کوششیں نہ ہوتیں تو ہمیں کلمہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ لہٰذا ان کا ادب واحترام ہم پر لازم ہے۔ اور بزرگان دین کے خلاف کوئی غلط رائے رکھنے اور کوئی غلط جملہ بولنے سے اور ان کی بے ادبی کرنے سے اور ان کے حق میں گستاخی کرنے سے ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا ہمارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔

آج لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بُرا کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بُرا کہتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بُرا کہتے ہیں خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہتے ہیں۔ اس سے وہ تو بُرے نہیں ہوں گے صرف ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جائے گا۔

تو فرمایا ہم نے ان کا اچھا ذکر چھوڑا پچھلوں میں ﴿سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾ سلام ہو موسیٰ علیہ السلام پر اور ہارون علیہ السلام پر ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ نبی سے بڑا مومن کون ہو سکتا ہے؟

حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ

﴿وَ اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور بے شک الیاس علیہ السلام پیغمبروں میں سے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام ملک عراق میں بَعْلَبَكّ شہر ہے اس علاقے میں مبعوث ہوئے تھے۔ آج کے جغرافیہ میں بھی اس کا نام بَعْلَبَكّ ہی ہے۔

شہر کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بعل نامی ایک بزرگ تھے۔ یہ اپنے زمانے کے بڑے نیک آدمی تھے۔ ان کی وفات کے بعد لوگوں نے یادگار کے طور پر ان کا مجسمہ، بت بنا کر رکھ دیا اور آہستہ آہستہ ان کی پوجا شروع کر دی۔ مشکل اور پریشانی میں ان کو پکارتے تھے یَا بَعْلُ اَغِثْنِیْ ''اے بعل میری مدد کر۔'' جیسے آج کل کے جاہل قسم کے لوگ قبروں پر مشکل کشائی کے لیے جاتے ہیں اور صاحب قبر سے سودے بازی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

بابا لے کُکڑ تے دے پُتر

وہاں جا کر دیگیں پکاتے ہیں جانور ذبح کرتے ہیں۔ کوئی چادر چڑھا رہا ہے اور عطر مل رہا ہے، کہیں دودھ کے ساتھ قبروں کو غسل دیا جا رہا ہے کہیں عرق گلاب سے۔ یہ تمام خرافات ہیں اسلام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں بزرگوں نے جو سبق دیا ہے اس کو پڑھو اور عمل کرو۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جن کو داتا گنج بخش کہتے ہیں وہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں اپنے مریدوں اور شاگردوں کو سبق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی گنج بخش ہے اور نہ کوئی رنج بخش ہے۔'' پھر اس پر دلیل کے طور پر سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۰۷ پیش کرتے ہیں ﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ ''اور اگر پہنچائے آپ کو

اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہے ﴿وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ ''اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا تو اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔'' اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ کسی کو نوازنا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ بزرگوں نے تو یہ تعلیم دی ہے مگر ان لوگوں نے اُلٹا بزرگوں کو اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھا دیا ہے۔

تو بعل ایک نیک آدمی کا نام تھا جس کا انہوں نے بت بنا کر رکھا ہوا تھا اور بَكّ بادشاہ کا نام تھا۔ دونوں کو ملا کر انھوں نے ایک شہر کا نام بعلبک رکھ دیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام اس علاقہ میں مبعوث ہوئے تھے ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ جس وقت کہا انہوں نے اپنی قوم سے کیا تم ڈرتے نہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے کہ کفر وشرک کو چھوڑ دو۔ کفر وشرک سے کیوں نہیں بچتے؟ ﴿اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا﴾ کیا تم پکارتے ہو بعل کو حاجت روائی کے لیے ﴿وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ﴾ اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر بنانے والے کو۔ شکلیں اور تصویریں سب بنا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے بغیر ان میں جان تو کوئی نہیں ڈال سکتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے جان دار چیز کی تصویر بنائی اس کو قیامت والے دن اشد العذاب سخت عذاب میں ڈالا جائے گا۔ وہ چیخیں مارے گا واویلا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو تم نے تصویر بنائی ہے اس میں روح ڈالو پھر دوزخ سے نکل سکتے ہو۔

تو فوٹو مجسمے تو سارے بنا لیتے ہیں لیکن ان میں روح ڈالنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے سوائے پروردگار کے۔ تو فرمایا کہ تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو ﴿اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ وہ احسن الخالقین اللہ تمھارا بھی رب ہے اور تمھارے پہلے آباء واجداد کا بھی رب ہے۔ عرصہ دراز تک الیاس علیہ السلام اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں سمجھایا کسی نے نہیں ہے ﴿لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ۱۶۵] ''تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت رسولوں کے بھیجنے کے بعد۔'' کوئی عذر اور بہانہ نہ کر سکیں کہ ہم غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے ہمیں کسی نے سمجھایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیج کر ان کا یہ بہانہ ختم کر دیا مگر جنھوں نے پہلے دن ضد کی وہ ضد پر اڑے رہے ضد کو چھوڑا نہیں۔

اور دنیا کی ریت یہی ہے کہ جو ضد پر اڑ جائے وہ چھوڑتا نہیں ہے الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ دیکھو! حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے رشتے پر ضد کی آخر دم تک باز نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سمجھانے کی بہترین تدبیر بتلائی کہ دونوں بھائی ہابیل اور قابیل قربانی کریں جس کی قربانی قبول ہو جائے کہ آسمان سے آگ آ کر اس کو جلا دے یہ رشتہ اس کو ملے گا۔ چنانچہ ہابیل رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ موٹا تازہ دنبہ لا کر رکھ دیا اور قابیل نے گندم وغیرہ کے مُٹھے لا کر رکھ دیئے۔ وہ بھی اُجاڑے والے۔ نیت پہلے ہی صحیح نہیں تھی سب نے دیکھا کہ آسمان سے آگ نے آ کر دنبے کو جلا کر راکھ کر دیا اور گندم وغیرہ کے سٹے ویسے ہی پڑے رہے۔ پہلی قوموں کی قربانی اور مال غنیمت کو آگ کھا جاتی تھی کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ تو سمجھنے کے لیے اتنی واضح بات تھی لیکن اس ضدی نے کہا ﴿لَاَقْتُلَنَّكَ﴾ [مائدہ: ۲۷] ''میں تمھیں قتل کر ڈالوں گا۔'' ﴿قَالَ﴾ ہابیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے متقیوں سے۔'' اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اگر تو بڑھائے گا اپنا ہاتھ میری طرف قتل کرنے کے

لیے تو میں نہیں بڑھانے والا ہاتھ تیری طرف کہ تجھے قتل کروں۔ یہ ساری گفتگو ہوتے ہوئے بھی قابیل نے قتل کر دیا۔ تو ضد اور ہٹ دھرمی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

تو حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو سمجھایا ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس ان لوگوں نے جھٹلایا اس کو معاذ اللہ تعالیٰ کہا کہ تم جھوٹے ہو ﴿فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ﴾ پس بے شک وہ البتہ دوزخ میں حاضر کیے جائیں گے سارے مجرم ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے۔ وہ دوزخ سے بچ جائیں گے ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور چھوڑا ہم نے اس کا اچھا ذکر پچھلوں میں۔ آج بھی لوگ جب نام لیتے ہیں تو الیاس علیہ السلام کہتے ہیں ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ﴾ سلام ہو الیاسین پر۔ الیاس بھی ان کو کہتے ہیں اور الیاسین بھی۔ جیسے قرآن پاک میں طور سینا بھی آتا ہے اور سینین بھی آتا ہے۔ دونوں ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔

ملا باقر مجلسی کی مغلظات

یہاں ملا باقر مجلسی جو شیعوں کا بڑا مجتہد گزرا ہے کہ جس کی کتابیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف گند سے بھری ہوئی ہیں۔ نقل کفر کفر نہ باشد کے تحت بتا رہا ہوں کہ اس کا کوئی لفظ اس سے خالی نہیں۔ ''ابوبکر ملعون گفت، عمر ملعون گفت، عثمان بغی گفت، عائشہ ملعونہ گفت، معاویہ مردود ملعون گفت، ابوسفیان کافر مرتد گفت۔'' کسی صحابی کا نام اس خبیث نے اچھے الفاظ کے ساتھ نہیں لیا۔ تو وہ اپنی کتاب حیات القلوب میں گپ مارتا ہے کہتا ہے کہ حضرت علی کے والد کا نام تو ابو طالب عبد مناف تھا اور اس کو یاسین بھی کہتے تھے۔ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ قرآن میں اس پر سلام بھیجے تو یہ آیت نازل کرے ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ کو خیال آیا کہ ابوبکر بڑا ہوشیار ہے اور عمر بڑا چالاک ہے وہ اس کو قرآن سے نکال دیں گے تو اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی الیاسین بنا دیا۔ اصل میں آل یاسین تھا کہ پڑھیں بھی اور اس کو کھرچیں نہ۔ پڑھتے بھی رہیں اور سمجھیں بھی نہ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ ایسی خرافات پر۔ تو فرمایا سلام ہو الیاسین پر ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر

آگے حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔ ان کے والد کا نام حاران بھی لکھا ہے اور ھاران بھی لکھا ہے لاہوری ھا کے ساتھ۔ اصل تلفظ فاران ہے لوط بن فاران بن آزر۔ پہلے تم سن چکے ہو کہ عراق سے ہجرت کے وقت یہ تین ہی آدمی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام اور بھتیجے لوط علیہ السلام۔ جب یہ حضرات شام پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دمشق اور اس کے اردگرد کا علاقہ دیا کہ تم یہاں تبلیغ کرو اور لوط علیہ السلام کو سدوم شہر کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی شکل وصورت اور اخلاق دیکھ کر ان لوگوں نے ان کو رشتہ دے دیا۔ حالانکہ رشتہ دینا دنیا کے نازک ترین مراحل میں سے ہوتا ہے۔ رشتہ دے دیا عقیدہ نہیں تسلیم کیا بیوی نے بھی کلمہ نہیں پڑھا۔ اس وقت مسلم کا فر کا رشتہ جائز ہوتا تھا۔

ہماری شریعت میں بھی تقریباً سولہ سال تک جائز رہا ہے۔ تیرہ سال مکہ زندگی میں اور تین سال مدنی زندگی میں۔ ہجرت کے تیسرے سال کے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ [بقرہ:۲۲۱] تو مومن کا فر کا رشتہ ممنوع ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک لوط علیہ السلام البتہ رسولوں میں سے ہیں ﴿اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ﴾ جب ہم نے نجات دی ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو ﴿اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ﴾ مگر ایک بوڑھی پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ اس کا نام واھلہ تھا لاہوری ھا کے ساتھ۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں بعض روایات میں تین کا بھی ذکر آتا ہے۔ وہ اپنے والدِ گرامی پر ایمان لائیں۔ لیکن باوجود پورا دماغ صرف کرنے کے بیوی واھلہ ایمان نہیں لائی۔ بیٹیوں نے بھی ماں کو بڑا سمجھایا اور پورا زور لگایا کہ امی جان اباجان کی نافرمان نہ بنو رب کے عذاب سے بچ جاؤ۔ مگر جس کی قسمت میں ایمان نہ ہو اسے جبراً کوئی نہیں دے سکتا۔ حضرت لوط علیہ السلام جب اپنے مومن ساتھیوں کو لے کر چل پڑے صبح سحری کے وقت تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر چار قسم کے عذاب نازل فرمائے۔ ایک عذاب تھا ﴿فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ﴾ [قمر: پارہ ۲۷] ''پس ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں سب کے سب اندھے ہو گئے۔'' دوسرا عذاب بینائی ختم کرنے کے بعد اوپر سے پتھر برسائے ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا﴾ [ایضاً] ''بے شک ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی آندھی۔'' ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً﴾ [ہود: ۸۲] ''اور برسائے ہم نے ان پر پتھر۔'' تیسرا عذاب صیحہ جبرئیل۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ڈراؤنی آواز نکالی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔

چوتھا عذاب: ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ [ہود: ۸۲] ''ہم نے کر دیا ان کے اوپر والے حصے کو نیچے۔'' جبرائیل علیہ السلام نے اس علاقے کو اُٹھا کر پھینک دیا ﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر ہلاک کر دیا ہم نے دوسروں کو۔ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد ﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ﴾ اور بے شک تم اے اہل مکہ گزرتے ہو ﴿عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ﴾ ان پر صبح کے وقت ﴿وَبِالَّيْلِ﴾ اور رات کے وقت۔ مکے والے تجارت کے لیے شام کے علاقے میں جاتے تھے اور یمن کے علاقے میں بھی جاتے تھے اور اپنی روزی کماتے تھے اور یہ علاقہ راستے میں تھا کبھی صبح کو وہاں سے گزرتے کبھی شام کو وہاں سے گزرتے۔ تو فرمایا تم گزرتے ہو صبح کے وقت اور شام کے وقت ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں عبرت حاصل نہیں کرتے کہ پیغمبروں کی نافرمانی کا کیا نتیجہ نکلا۔

~~~

﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ﴾ اور بے شک یونس علیہ السلام ﴿لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ رسولوں میں سے ہیں ﴿اِذْ اَبَقَ﴾ جب وہ تیزی سے چلے ﴿اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ بھری ہوئی کشتی کی طرف ﴿فَسَاهَمَ﴾ پس قرعہ اندازی کرائی ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ﴾ پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں سے ﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ﴾ پس لقمہ بنا لیا اس کو ایک مچھلی نے ﴿وَهُوَ مُلِيْمٌ﴾ اور وہ الزام کھایا ہوا تھا ﴿فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ﴾ پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک تھے وہ ﴿مِنَ
~~~

﴿الْمُسَبِّحِيْنَ﴾ تسبیح کرنے والوں میں سے ﴿لَلَبِثَ﴾ البتہ ٹھہرتے ﴿فِيْ بَطْنِهٖٓ﴾ اس مچھلی کے پیٹ میں ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿فَنَبَذْنٰهُ﴾ پس ہم نے اس کو پھینک دیا ﴿بِالْعَرَآءِ﴾ ایک چٹیل میدان میں ﴿وَهُوَ سَقِيْمٌ﴾ اور وہ بیمار تھے ﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ﴾ اور اُگایا ہم نے ان کے اوپر ﴿شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ﴾ ایک درخت کدو کا ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ﴾ اور بھیجا ہم نے ان کو ﴿اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ﴾ ایک لاکھ ﴿اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ بلکہ زیادہ کی طرف ﴿فَاٰمَنُوْا﴾ پس وہ ایمان لائے ﴿فَمَتَّعْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو فائدہ دیا ﴿اِلٰى حِيْنٍ﴾ ایک وقت تک ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ آپ پوچھیں ان سے ﴿اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ﴾ کیا آپ کے رب کے لیے بیٹیاں ہیں ﴿وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ﴾ اور ان کے لیے بیٹے ہیں ﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةَ﴾ کیا پیدا کیا ہم نے فرشتوں کو ﴿اِنَاثًا﴾ عورتیں ﴿وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ﴾ اور وہ حاضر تھے ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿مِّنْ اِفْكِهِمْ﴾ اپنے جھوٹ کی وجہ سے ﴿لَيَقُوْلُوْنَ﴾ البتہ کہتے ہیں ﴿وَلَدَ اللّٰهُ﴾ اللہ کی اولاد ہے ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک وہ لوگ البتہ جھوٹے ہیں ﴿اَصْطَفَى الْبَنَاتِ﴾ کیا اس نے چن لیا ہے بیٹیوں کو ﴿عَلَى الْبَنِيْنَ﴾ بیٹوں پر ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ کیا تمھارے لیے کوئی دلیل ہے کھلی ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ﴾ پس لاؤ تم اپنی کتاب ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔

پہلے سے اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبروں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نام لے کر نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، الیاس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اب یونس علیہ السلام کا ذکر ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر

حضرت یونس علیہ السلام عراق کے صوبہ موصل کے شہر نینوا کے رہنے والے تھے۔ آج بھی اس شہر کا نام نینو ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب تھی۔ ان کے والد کا نام مَتّٰی تھا، یونس بن مَتّٰی علیہ السلام۔ انھوں نے شادی بھی کی، اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا فرمائے، نبوت عطا فرمائی اور حکم ہوا کہ اپنی قوم کو تبلیغ کرو۔ عرصہ دراز تک تبلیغ کرتے رہے مگر قوم بڑی ضدی اور ہٹ دھرم تھی حق کو قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ قوم سے کہہ دو کہ اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب مجمع میں یہ حکم سنایا تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر سوال کیا کب تک آئے گا؟ فرمایا تین دن میں آجائے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس دنوں میں آجائے گا۔

یہ یونس علیہ السلام نے اپنی طرف سے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنوں کی تعیین نہیں تھی۔ یہ یونس علیہ السلام کی اجتہادی لغزش تھی اور خطا تھی۔ پھر خیال فرمایا کہ ان پر عذاب تو آنا ہے لہٰذا میں اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں کہ کہیں ہم پر عذاب نہ آجائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی جانے کا حکم نہیں آیا تھا۔ یہ خطا تھی جس پر گرفت ہوئی۔ وہاں سے جانے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ خیال فرمایا رب تعالیٰ کی طرف سے تو مطلقاً عذاب کی دھمکی تھی دنوں کی تعیین تو میں نے اپنی طرف سے کی ہے رب تعالیٰ تو میرا پابند نہیں ہے اگر تین دن یا چالیس دنوں میں عذاب نہ آیا تو لوگ مجھے تنگ کریں گے۔ تو شرم کے مارے بیوی بچوں کو لے کر چل پڑے۔ آبادی سے کافی دور نکل گئے تو دیکھا اگلی طرف سے کچھ لوگ اکٹھے ہو کر آرہے ہیں۔ قریب آکر انہوں نے کہا کہ ہم نے بی بی کو لے کر جانا ہے۔ فرمایا دیکھو! میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں یہ میری بیوی ہے میرے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ بڑی منت سماجت کی مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔ وہ روتی اور چیخیں مارتی رہی مگر بے بس تھی۔ اب دونوں بیٹوں کو لے کر چل پڑے۔ ایک کی عمر گیارہ سال اور دوسرے کی آٹھ سال کے قریب تھی۔ آگے تیز رو پہاڑی نالہ تھا یا نہر تھی بچوں کو تیرنا نہیں آتا تھا خیال فرمایا کہ ایک کو پہلے دوسرے کنارے چھوڑ کر آؤں پھر دوسرے کو لے جاؤں گا۔ ایک بچے کو کندھے پر بٹھا کر لے جا رہے تھے کہ پیچھے والے بیٹے کو بھیڑیئے نے پکڑا اس کی چیخ نکلی پیچھے مڑ کر دیکھا تو جسم کانپا تو کندھے پر جو بچہ تھا وہ بھی نہر میں گر گیا۔ ایک کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا اور دوسرے کو نہر بہا کر لے گئی۔ انتہائی کوشش کے باوجود دونوں قابو نہ آسکے۔ آگے چلے تو دریا آگیا۔

عام مفسرین کرام رحمہم اللہ تو فرماتے ہیں کہ دریائے دجلہ تھا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دریائے فرات تھا۔ دونوں مشہور دریا ہیں۔ دوسری طرف جانے کے لیے کشتی تیار کھڑی تھی یونس بھی کشتی میں بیٹھ گئے۔ کشتی تھوڑی سی چلنے کے بعد ڈانواں ڈول ہوگئی (ڈولنے لگی) ملاحوں نے کہا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ کشتی اس طرح اس وقت ہوتی ہے کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آتا ہے۔ یونس علیہ السلام نے کہا کہ وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا کی مرضی کے بغیر آیا ہوں۔ کشتی والوں کو یقین نہ آیا کہ شکل وصورت دنیا کے غلاموں جیسی نہیں تھی۔ قرعہ اندازی کی گئی تو اس میں یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ سب نے اُٹھا کر ان کو دریائے فرات میں پھینک دیا۔ مچھلی نے پہلے سے منہ کھولا ہوا تھا وہ ان کو نگل گئی۔

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو ہضم نہیں کرنا یہ تیری خوراک نہیں ہے۔ یہ پیٹ ان کے لیے قید خانہ ہے۔ پھر تفسیروں میں تین دن بھی لکھے ہیں، آٹھ دن بھی اور بیس دن اور چالیس دن بھی لکھے ہیں کہ اتنے دن یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اگر ایک دن بھی پیٹ میں رہے ہوتے تو کیا وہ کم تھا کہ ہمیں بخار ہو جائے تو حرکت کرنے کے قابل نہیں رہتے اور مچھلی کے پیٹ میں تو نہ خوراک نہ تازہ آب وہوا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا وظیفہ

مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا ﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ

الظّٰلِمِیْنَ ﴾ [الانبیاء:۸۷] ’’پس پکارا یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں کہ نہیں کوئی معبود سوا تیرے، تیری ذات پاک ہے بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔‘‘ دریا کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، اوپر بادل تھے بادلوں کا اندھیرا۔ اتنے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو دریا کے کنارے ڈال دو۔ مچھلی نے اگالی کے طریقے پر کنارے پر ڈال دیا۔ حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ بھوک اور تازہ آب وہوا نہ ملنے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گئے۔ بڑی سخت دھوپ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً کدو کا بیل دار درخت پیدا کیا اس کے چوڑے پتوں نے ان پر سایہ کیا کہ دھوپ کی وجہ سے ان کو تکلیف نہ ہو۔ ایک ہرنی کا بچہ گم ہو گیا تھا وہ دیوانہ وار پھر رہی تھی پتے ملے تو اس نے سمجھا کہ میرا بچہ یہاں ہے۔ یونس نے اس کا دودھ پیا۔ دو تین دن صبح شام آ کر دودھ پلاتی رہی۔ تازہ ہوا لگی چلنے پھرنے کے قابل ہوئے اٹھ کر چلے تو دیکھا کہ مسافروں کا ایک قافلہ ہے ان کے پاس ایک لڑکا ہے دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو میرا لخت جگر ہے۔

قافلے والوں نے کہا کہ ہم نے اس کو بھیڑیئے سے چھڑوایا ہے اور اب وارث کی تلاش میں تھے۔ بیٹا ان سے وصول کیا اور فرمایا کہ میرا ایک بیٹا نہر میں بہہ گیا تھا۔ ان مسافروں نے بتایا کہ فلاں مقام پر کچھ لوگ رہتے ہیں انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم نے ایک بچہ نہر سے پکڑا ہے اس کا وارث ملے تو ہمیں اطلاع دینا۔ چنانچہ دوسرا بچہ بھی مل گیا۔ بچوں کے ملنے کی خوشی بھی تھی اور بیوی کی جدائی کا صدمہ بھی تھا چلتے چلتے دیکھا تو وہی قافلہ جنھوں نے بیوی چھینی تھی سامنے سے آ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا اہل قافلہ نے بیوی ان کے حوالے کی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں مچھلی کے پیٹ کے اندر اللہ تعالیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔

حدیث پاک میں آتا ہے: دَعْوَۃُ الْمَکْرُوْبِ دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ ’’پریشان آدمی کی دعا مچھلی والے کی دعا ہے۔‘‘ یعنی جب کوئی آدمی پریشان ہو تو یونس علیہ السلام والی دعا کرے ﴿ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ ۖ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کر دیں گے۔ اور قرآن پاک میں بھی ہے ﴿ وَ کَذٰلِکَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ [الانبیاء:۸۸] ’’اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔‘‘

یاد رکھنا! دعا کے لیے توجہ اور اخلاص شرط ہے اخلاص کے ساتھ ایک دفعہ بھی پڑھو گے تو اس کا اثر ہوگا اور اخلاص کے بغیر سوا لاکھ دفعہ پڑھنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوا لاکھ پڑھنے کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے نہ فقہ میں۔ کسی بزرگ نے سوا لاکھ مرتبہ پڑھی اس کا کام ہو گیا بس اب لوگوں نے سوا لاکھ کو پکڑ لیا ہے۔ اور عورتوں کو اور بچوں کو قابو کر کے کہتے ہیں کہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھنی ہے اور پچیس ہزار گٹھلیاں ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ وہ ایک دفعہ پڑھ کر دس گٹھلیاں پھینکتے ہیں اور دھیان ان کا دیگوں کی طرف ہوتا ہے۔ بھئی! اس کا تو رتی برابر بھی فائدہ نہیں ہوتا کہ اخلاص تو ہے کوئی نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام ادھر امتحان میں اور قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو سب مرد عورتیں، بوڑھے، بچے، جوان، بیمار، تندرست، باہر آ کر گڑگڑائے، رب تعالیٰ سے معافی مانگی، توبہ کی کہ اے پروردگار! ہمارا پیغمبر بھیج اب ہم نافرمانی نہیں کریں

گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور یہ واحد قوم ہے جس سے عذاب ٹلا۔

حضرت یونس علیہ السلام کو جب بیوی بچے مل گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی قوم کی توبہ میں نے قبول کر لی ہے اب تم جا کر ان کو تبلیغ کرو۔ چنانچہ یونس علیہ السلام جب واپس برادری میں پہنچے تو ساری قوم مسلمان ہوگئی۔ یہ میں نے اس واقعہ کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بے شک یونس علیہ السلام رسولوں میں سے ہیں ﴿اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ جب تیزی کے ساتھ چلے وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ وہ سواریوں سے بھری ہوئی تھی ﴿فَسَاهَمَ﴾ پس قرعہ ڈلوایا ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ﴾ پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں سے۔ کشتی سے نیچے گرا دیا گیا ﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ﴾ پس لقمہ بنا لیا اس کو مچھلی نے ﴿وَهُوَ مُلِيْمٌ﴾ اور وہ الزام کھائے ہوا تھا۔ یا یہ معنیٰ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نکل پڑا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ﴾ پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک تھے وہ تسبیح پڑھنے والوں میں سے۔ یعنی اگر یہ تسبیح نہ پڑھتے ﴿لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ﴾ البتہ ٹھہرتے مچھلی کے پیٹ میں ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ یعنی اگر یہ تسبیح نہ پڑھتے تو دنیا میں آنا نصیب نہ ہوتا ﴿فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ﴾ پس پھینک دیا ہم نے اس کو ایک چٹیل میدان میں۔ عراء کہتے ہیں ایسی جگہ کو جہاں نہ کوئی دیوار ہو نہ درخت ہو خالی جگہ ہو۔ دریا کا کنارہ بھی تقریباً ایسا ہی ہوتا ہے ﴿وَهُوَ سَقِيْمٌ﴾ اور وہ بیمار تھے کمزور تھے ﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ﴾ اور اگا یا ہم نے اس پر درخت کدو کا۔ کدو کا درخت تو نہیں ہوتا بیل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت اس کو درخت بنا کر اس کے چوڑے چوڑے پتے ان پر پھیلا دیئے ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ اور بھیجا ہم نے ان کو ایک لاکھ بلکہ زیادہ کی طرف۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار کی آبادی تھی ﴿فَاٰمَنُوْا﴾ پس وہ ایمان لائے ﴿فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ پس ہم نے ان کو فائدہ دیا ایک وقت تک۔

تردید مشرکین

پیغمبروں کا ذکر کرنے کے بعد آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور پھر ان کی پوجا کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھیں، ان سے فتویٰ اور حکم طلب کریں ﴿اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ﴾ کیا تمہارے رب کے لیے بیٹیاں ہیں ﴿وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ﴾ اور ان کے لیے بیٹے ہیں۔ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا﴾ کیا ہم نے پیدا کیا ہے فرشتوں کو عورتیں ﴿وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ﴾ اور وہ حاضر تھے، دیکھ رہے تھے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا

کیا یہ موجود تھے اور دیکھ رہے تھے کہ یہ عورتیں ہیں پوچھو ان سے یہ کس دلیل سے فرشتوں کو عورتیں کہتے ہیں، خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔
حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ "فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔" ان میں نر مادہ نہیں ہیں۔ ان کی خوراک اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں مخلوق نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے کوئی شے پیدا نہیں ہوئی، نہ پیغمبر، نہ فرشتے۔ اگر کوئی ایسا نظریہ رکھے گا تو وہ کافر ہے یاد رکھنا! نہ نمازیں کام آئیں گی، نہ روزے، نہ حج، نہ زکوٰۃ۔

تو فرمایا کیا پیدا کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں اور وہ موجود تھے ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ﴾ خبردار بے شک یہ اپنے جھوٹ کی وجہ سے یہ بات ﴿لَيَقُوْلُوْنَ﴾ البتہ کہتے ہیں ﴿وَلَدَ اللّٰهُ﴾ اللہ کی اولاد ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ یہ جھوٹے ہیں ان کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ﴿اَصْطَفَى الْبَنَاتِ﴾۔ یہ اصل میں ءِاِصْطَفٰی ہے۔ دو ہمزے ہیں۔ گرائمر کی رو سے ہمزہ وصلی گر گیا ہے اور استفہام والا موجود ہے۔ معنیٰ ہوگا کیا چن لیا ہے اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو ﴿عَلَى الْبَنِيْنَ﴾ بیٹوں پر۔ اگر رب تعالیٰ کے لیے اولاد مناسب ہوتی تو بیٹے ہوتے بیٹیاں نہ ہوتیں ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ کیسے فیصلہ کرتے ہو رب کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو اور وہ بھی بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ کیا تمھارے پاس کوئی کھلی دلیل ہے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ﴾ پس لاؤ تم اپنی کتاب ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔ صفحہ کھول کر بتاؤ کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ صرف باتوں سے نہ رب کی بیٹیاں بنتی ہیں نہ بیٹے۔

﴿وَ جَعَلُوْا﴾ اور بنا لیا انھوں نے ﴿بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ﴾ اللہ اور جنوں کے درمیان ﴿نَسَبًا﴾ رشتہ ﴿وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ﴾ اور البتہ تحقیق جانتے ہیں جن ﴿اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ البتہ حاضر کیے جائیں گے ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اس چیز سے جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے بندے جو چنے ہوئے ہیں ﴿فَاِنَّكُمْ﴾ پس بے شک تم ﴿وَ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ﴾ نہیں ہو تم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی فتنے میں ڈالنے والے ﴿اِلَّا مَنْ﴾ مگر اس کو ﴿هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ﴾ کہ وہ داخل ہونے والا ہے دوزخ میں ﴿وَ مَا مِنَّآ﴾ اور نہیں ہے ہم میں سے کوئی بھی ﴿اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ مگر اس کے لیے مقام ہے معلوم ﴿وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ﴾ اور بے شک ہم صف بندی کرنے والے ہیں ﴿وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾ اور بے شک ہم البتہ تسبیح کرنے والے ہیں ﴿وَ اِنْ كَانُوْا﴾ اور بے شک وہ تھے ﴿لَيَقُوْلُوْنَ﴾ البتہ کہتے ﴿لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا﴾ اگر بے شک ہوتی ہمارے پاس

نصیحت ﴿مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ پہلے لوگوں کی ﴿لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ البتہ ہوتے ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ﴿فَكَفَرُوْا بِهٖ﴾ پس کفر کیا انھوں نے اس کے ساتھ ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس وہ عنقریب جان لیں گے ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا﴾ اور البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات ﴿لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ ہمارے بندوں کے لیے جو پیغمبر تھے ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ﴾ بے شک وہی البتہ مدد کیے جائیں گے ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا﴾ اور بے شک ہمارا لشکر ﴿لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ البتہ وہی غالب آئے گا ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ پس آپ رخ پھیر دیں ان سے ﴿حَتّٰى حِيْنٍ﴾ ایک وقت تک ﴿وَّاَبْصِرْهُمْ﴾ اور آپ ان کو دیکھتے رہیں ﴿فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے ﴿اَفَبِعَذَابِنَا﴾ کیا پس ہمارے عذاب کے بارے میں ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ وہ جلدی کرتے ہیں ﴿فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ﴾ پس جب وہ اُترا ان کے صحن میں ﴿فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ پس بری ہے صبح ڈرائے ہوئے لوگوں کی ﴿وَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿حَتّٰى حِيْنٍ﴾ ایک وقت تک ﴿وَّاَبْصِرْ﴾ اور آپ ان کو دیکھتے رہیں ﴿فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ﴾ پاک ہے آپ کے رب کی ذات ﴿رَبِّ الْعِزَّةِ﴾ عزت والی ذات ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اس چیز سے جس کو یہ بیان کرتے ہیں ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور سلام ہے بھیجے ہوئے رسولوں پر ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا۔

گزشتہ زمانوں کی طرح آج بھی مجرم قومیں موجود ہیں اور ان جیسے گندے اور غلط عقائد بھی آج موجود ہیں۔ ان کے غلط عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ یہود نے کہا ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ "عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔" اور نصاریٰ نے کہا ﴿الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ "عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔" عرب کے مشرکوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ان جاہلوں سے پوچھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو ان کی مائیں کون ہیں؟ تو بخاری شریف میں روایت ہے ان جاہلوں نے کہا کہ جنات میں جو پریاں ہیں یہ فرشتوں کی مائیں ہیں۔ تو جب فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہوئیں اور پریاں ان کی مائیں ہوئیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ خود بخود ظاہر ہو گیا۔ اس کی اللہ تعالیٰ تردید فرماتے ہیں۔

فرمایا ﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ اور بنایا انھوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ﴾ اور البتہ تحقیق جنات جانتے ہیں کہ بے شک وہ البتہ حاضر کیے جائیں گے دوزخ میں۔ تو جو جہنم میں جائیں گے ان کا رب تعالیٰ کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اس چیز سے جو وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے نہ اس کا بیٹا ہے نہ بیٹی ہے نہ بیوی نہ اس کا

جنات کے ساتھ رشتہ ہے ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں جنات میں سے، انسانوں میں، مومن متقی ہیں وہ دوزخ سے بچا لیے جائیں گے۔ جیسے انسانوں میں مومن کافر، نیک بد ہیں جنات میں بھی مومن کافر نیک بد ہیں۔ سورہ جن پارہ ۲۹ میں ہے ﴿ وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴾ ''اور بے شک ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور اس کے علاوہ یعنی بدکار بھی، ہم مختلف راستوں پر بٹے ہوئے ہیں۔'' تو جو نیک ہیں وہ دوزخ میں حاضر نہیں کیے جائیں گے۔

فرمایا ﴿ فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴾ نہیں ہو تم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو فتنے میں ڈالنے والے ﴿ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴾ مگر اس کو کہ وہ داخل ہونے والا ہے دوزخ میں۔ یعنی جو اپنے ارادے کے ساتھ دوزخ کی آگ میں داخل ہونا چاہے اس کو فتنے میں ڈال سکتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جبراً کوئی کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو خیر و شر کی طاقت دے کر اختیار دیا ہے کہ نیکی اور بدی میں سے ایمان اور کفر میں سے جس چیز کو چاہو اپنی مرضی سے ارادے سے اختیار کرو ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ [کہف: ۲۹] ''پس جو چاہے ایمان لائے اپنی مرضی سے اور جو چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔'' ﴿ وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ [البلد: پ ۳۰] ''اور ہم نے دونوں راستے دکھا دیے ہیں۔'' اپنی مرضی سے جس راستے پر کوئی چلنا چاہتا ہے چلے جبراً نہ کوئی کسی کو مومن بنا سکتا ہے نہ کافر۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی ذات دنیا میں نہ پیدا ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اپنے مہربان چچا کے لیے انتہائی کوشش کی اس کی موت کے وقت اس کے پاس گئے۔ وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بھی تھے آپ کافی دیر انتظار میں بیٹھے رہے کہ یہ اٹھ کر جائیں تو میں چچا کو کلمہ پڑھاؤں کلمے کی دعوت دوں۔ لیکن وہ بھی سمجھتے تھے، بیٹھے رہے۔ بالآخر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ چچا کی حالت غیر ہو رہی ہے تو فرمایا قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''اے چچا جان! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو تا کہ کل قیامت والے دن میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ کہہ سکوں۔'' تو ابو طالب نے یہ لفظ کہے کہ اگر مجھے اپنی قوم سے اس بات کی عار نہ ہوتی کہ مرتے وقت برادری چھوڑ گیا ہے تو میں ضرور تمھاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ اس پر ابو جہل بول پڑا یَا غُدَرُ اے غدار مرتے وقت برادری چھوڑتے ہو۔ چنانچہ ابو طالب نے برادری کو نہیں چھوڑا اور آخری بات یہ تھی وَاَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر گیا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچے کے لیے دعا بھی کی کوشش بھی کی لیکن اس نے ایمان قبول نہیں کیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [قصص: ۵۶] ''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔'' تو فرمایا کہ تم کسی فتنے میں نہیں ڈال سکتے۔ ہاں! جو خود دوزخ میں داخل ہونے والا ہے۔

آگے فرشتوں کی زبانی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ اور نہیں ہے ہم فرشتوں میں سے کوئی بھی

مگر اس کے لیے مقام ہے معلوم، مقرر ہے جس کے لیے جو ڈیوٹی مقرر کی ہے اور جو جگہ مقرر کی ہے اور جو کام ان کے سپرد ہوئے ہیں وہ کر رہے ہیں ﴿لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ﴾ ''نہیں نافرمانی کرتے اللہ تعالیٰ کی اس چیز میں جو وہ ان کو حکم کرتا ہے ﴿وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ [سورہ تحریم:۶] ''اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔'' فرشتوں کی ڈیوٹی میں سے یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں چوبیس فرشتے ڈیوٹی کرتے ہیں۔

فرشتوں کی ڈیوٹیاں

چار فرشتے اعمال لکھنے والے دو دن کے اور دو رات کے جن کو کراماً کاتبین کہتے ہیں ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ﴾ ''دائیں اور بائیں طرف جو بیٹھے ہیں ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ [ق: پ۲۶] ''نہیں بولتا وہ کوئی لفظ مگر اس کے پاس ایک نگران ہوتا ہے تیار۔'' وہ فوراً لکھ لیتا ہے دائیں کندھے والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں کندھے والا بدیاں لکھتا ہے۔ اگر آدمی کوئی اچھا عمل کرتا ہے یا اس کی زبان سے کوئی اچھی بات نکلتی ہے تو وہ فوراً لکھ لیتا ہے اور اگر کوئی برا عمل کرتا ہے یا زبان سے بری بات نکلتی ہے تو دائیں کندھے والا فرشتہ بائیں والے سے کہتا ہے: تَمَهَّلْ لَعَلَّهٗ یَتُوْبُ ''ٹھہر جا شاید یہ توبہ کر لے۔'' کیونکہ دائیں کندھے والا فرشتہ بائیں والے کا افسر ہے۔ اگر آدمی توبہ کر لے تو اس کا وہ گناہ نہیں لکھا جاتا اگر توبہ نہ کرے تو پھر اس کی برائی لکھی جاتی ہے۔ دو فرشتوں کی ڈیوٹی دن میں ہوتی ہے اور دو کی رات میں۔ دن والے فرشتے عصر کی نماز کے وقت جاتے ہیں اور رات والے فجر کے وقت جاتے ہیں اور دن والے آجاتے ہیں۔ مثلاً: اس مسجد میں جب فجر کی نماز کھڑی ہوئی تو اس مسجد کے ساتھ جتنا محلہ وابستہ ہے ان لوگوں کے فرشتوں کی ڈیوٹی بدلے گی جب یہاں نماز کھڑی ہوگی۔ پھر عصر کے وقت ڈیوٹی بدلے گی۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کو انسان کی حفاظت پر ہوتے ہیں جب تک اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے اس کے علاوہ دو فرشتے ہیں جو رحمت لے کر آتے ہیں اور جو عذاب لے کر آتے ہیں۔ غرض کہ جو کام جس کے سپرد ہے وہ اس میں قطعاً کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ تو فرمایا ہم میں سے کوئی بھی نہیں مگر اس کے لیے مقام مقرر ہے ﴿وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ﴾ اور بے شک ہم البتہ صف بندی کرنے والے ہیں، صف باندھنے والے ہیں رب کے سامنے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ''کیا تم نماز میں ایسی صفیں نہیں باندھ سکتے جیسے فرشتے رب تعالیٰ کے دربار میں صف بندی کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔'' پوچھا گیا حضرت! فرشتے کیسے صف بندی کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفیں بالکل سیدھی رکھتے ہیں اور درمیان میں فاصلہ نہیں ہوتا۔ تو جس طرح فرشتے صف باندھ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہوتے ہیں اس طرح نماز کی جماعت میں صف باندھنا بڑی بات ہے۔ بلکہ تہدید ہے کہ

جو آدمی صف درست نہیں کرتا کہیں اللہ تعالیٰ اس کی شکل نہ بدل دے۔ تو فرمایا بے شک ہم صف باندھنے والے ہیں ﴿وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾ اور بے شک ہم البتہ تسبیح کرنے والے ہیں۔

مستدرک حاکم حدیث کی کتاب ہے اس میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں کی تسبیح ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ اس جملے کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کشادہ کرتا ہے۔ لیکن انسان چوں کہ جلد باز ہے کہتا ہے کہ بس ادھر زبان سے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ نکلے اور ادھر دروازہ کھل جائے۔ بھئی! ہر شے کا وقت مقرر ہے وقت پر ملتی ہے۔ مانگتے رہو ضرور ملے گی۔ کسی وقت بھی رب تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دعا نہ چھوڑو۔ رب تعالیٰ سے مانگنا چھوڑ دو گے تو پھر کہاں جاؤ گے۔ اس کے سوا کوئی اور رب ہے کہ جس سے مانگو گے۔ فرمایا ﴿وَ اِنْ كَانُوْا لَیَقُوْلُوْنَ﴾ اور بے شک وہ مکے والے البتہ کہتے تھے ﴿لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اگر بے شک ہوتی ہمارے پاس نصیحت پہلے لوگوں کی۔ پہلے لوگوں کی طرح نصیحت والی کتاب ہمارے پاس بھی ہوتی ﴿لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ البتہ ہوتے ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو عرب میں مذہبی اعتبار سے زیادہ تر تین فرقے تھے۔ مشرکین، جو اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا کرتے تھے شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے بعد دوسرے درجے میں یہودی تھے۔ مدینہ طیبہ میں ان کی کافی تعداد تھی اور خیبر تو سارا یہود کا تھا۔ اس کے علاوہ اور مختلف جگہوں پر بھی آباد تھے۔

تیسرے نمبر پر عیسائی تھے۔ نجران کا علاقہ عیسائیوں کا تھا۔ اور جگہوں پر بھی اکا دکا آباد تھے۔ ان کے علاوہ صابی فرقہ بھی تھا جو نماز روزے اور آسمانی کتابوں کے قائل تھے نبوت کے بھی قائل تھے اور اس کے ساتھ کواکب پرستی میں مبتلا تھے ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ پانچواں فرقہ مجوس کا تھا یہ عرب میں بہت کم تھے۔ ایران سارا مجوسیوں کا تھا۔ یہ لوگ آتش پرست تھے حلال حرام کی ان میں کوئی تمیز نہیں تھی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے جلسے ہوتے تھے ان میں وہ اپنی کتابیں پڑھ کر سناتے تھے خدائی تعلیم یقیناً دل پر اثر کرتی ہے۔ عرب کے جہلاء ان کے جلسوں اور درسوں میں شریک ہوتے تھے۔ سنتے تو کہتے اگر ہمارے پاس کتاب ہوتی تو ہم بھی جلسے کرتے، درس دیتے اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کو سنائی ﴿فَكَفَرُوْا بِهٖ﴾ پس کفر کیا انہوں نے اس کے ساتھ۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آیا ان کے پاس کہ قرآن کریم کا ایک نام ذکر بھی ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹] ''بے شک ہم نے نازل کیا ذکر یعنی قرآن کو اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب آج تک محفوظ ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔

صداقت قرآن

آج سے تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ ہندوستان کے ایک وکیل جس کا نام چاندمل چوپڑا تھا۔ اس نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ میں ایک معزز شہری ہوں وکالت میرا پیشہ ہے۔ جو ٹیکس میرے اوپر لازم ہوتا ہے اسے میں باقاعدہ ادا کرتا ہوں۔ میری استدعا ہے کہ قرآن وحدیث پر پابندی لگائی جائے۔ اس لیے کہ یہ میرے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ قرآن ہمیں کافر کہتا ہے مشرک کہتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ [توبہ:۳۶] ''سب مشرکوں کے ساتھ لڑو۔'' اور حدیث اس کی تصریح ہے۔'' یہ ہمارے اوپر ظلم کا حکم دیتا ہے۔ ہمارے جذبات کو ٹھیس پہنچاتا ہے لہٰذا اس پر پابندی عائد کی جائے۔ نہ قرآن وحدیث طبع ہو اور نہ ان کو پڑھایا جائے نہ سنا جائے۔ جج نے گھبرا کر مقدمہ واپس کر دیا کہ ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان ہیں وہ قبول نہیں کریں گے۔ یہ کہہ کر کہ میرے بس کی بات نہیں مقدمہ میں خارج کرتا ہوں۔ پھر اس وکیل نے کلکتہ ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا ہائی کورٹ کے دونوں جج ہندو تھے۔ ایک نے فیصلہ لکھا کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے خدا کی طرف سے اور حدیث اس کی شرح ہے۔ نہ یہ عدالت اس پر پابندی لگانے کی مُجاز ہے نہ کوئی اور عدالت۔ دوسرے جج نے فیصلہ دیا کہ چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ سے قرآن پاک پڑھا پڑھایا جا رہا ہے اس پر پابندی کا کوئی مقدمہ ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ اگر ہمارے سامنے اس پر پابندی کی کوئی نظیر ہوتی تو پھر ہم کچھ کہہ سکتے تھے لہٰذا عدالت اس مقدمہ کو خارج کرتی ہے۔ قرآن پاک کی صداقت کا اندازہ لگاؤ کتنی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ انھوں نے جو یہ سنہری فیصلہ سنایا ہے ہر مسلمان کو از بر ہونا چاہیے۔

تو فرمایا انھوں نے اس نصیحت کے ساتھ کفر کیا ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے ﴿وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا﴾ اور البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات۔ ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے ﴿لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ ہمارے ان بندوں کے لیے جو پیغمبر ہیں ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ﴾ بے شک وہی البتہ مدد دیئے جائیں گے، ان کی مدد کی جائے گی ﴿وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا۔ یہاں پر بعض لوگوں نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ سارے پیغمبر تو منصور نہیں ہوئے کئی پیغمبروں کو قتل بھی کیا گیا ہے ﴿وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ [بقرہ:۶۱] ''اور قتل کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق۔'' زکریا علیہ السلام شہید ہوئے، یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے، شعیا علیہ السلام شہید ہوئے۔ تو کمالین میں اس کے بہت سارے جواب دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ نصرت ان پیغمبروں کے لیے تھی جن کے لیے جہاد تھا یعنی جن پیغمبروں نے جہاد کیا رب تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور جن کے دور میں جہاد نہیں تھا ان میں سے شہید بھی ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرآن پاک پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جنھوں نے جہاد کیا ہے ان کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی چاہے وہ تھوڑے ہی کیوں نہ تھے۔

فرمایا ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿حَتّٰى حِيْنٍ﴾ ایک وقت تک ﴿وَّ اَبْصِرْهُمْ﴾۔ اَبْصِرْ کا معنی ہے اَمْهِلْ آپ ان کو مہلت دیں۔ اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ آپ ان کو دیکھتے رہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں ﴿فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾

پس عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام ہوتا ہے۔ پھر کافر کہتے تھے کہ جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آئے گا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴾ کیا پس ہمارے عذاب کے بارے میں وہ جلدی کرتے ہیں ﴿ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ ﴾ پس جب وہ اُترا ان کے صحن میں ﴿ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴾ پس بُری ہے صبح ڈرائے ہوئے لوگوں کی۔ ان کا حشر بہت بُرا ہوگا ﴿ وَ تَوَلَّ عَنْهُمْ ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں۔ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں ﴿ حَتّٰى حِیْنٍ ﴾ ایک وقت تک ﴿ وَّ اَبْصِرْ ﴾ اور آپ ان کو دیکھتے رہیں ﴿ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ﴾ پس عنقریب وہ دیکھ لیں گے حقیقت کو ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ ﴾ پاک ہے آپ کے رب کی ذات جو عزت والی ہے پاک ہے ﴿ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴾ اس چیز سے جو یہ بیان کرتے ہیں، اس کے شریک بناتے ہیں، اولاد ٹھہراتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک ہے ﴿ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ اور سلام ہے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ وَمَالِیَ

(۲۳)

آیاتھا ۸۸ (۳۸) سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ (۳۸) رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ﴾ قسم ہے قرآن کی ﴿ذِی الذِّكْرِ﴾ جو نصیحت والا ہے ﴿بَلِ الَّذِيْنَ﴾ بلکہ وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿فِيْ عِزَّةٍ﴾ تکبر میں ہیں ﴿وَّشِقَاقٍ﴾ اور مخالفت میں ہیں ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہلاک کیں ہم نے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنْ قَرْنٍ﴾ جماعتیں ﴿فَنَادَوْا﴾ پس انھوں نے پکارا ﴿وَّلَاتَ﴾ اور نہیں تھا ﴿حِيْنَ﴾ وقت ﴿مَنَاصٍ﴾ چھٹکارے کا ﴿وَعَجِبُوْٓا﴾ اور انھوں نے تعجب کیا ﴿اَنْ﴾ اس بات پر ﴿جَآءَهُمْ﴾ آیا ان کے پاس ﴿مُّنْذِرٌ﴾ ڈرانے والا ﴿مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور کہا کافروں نے ﴿هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ﴾ کیا کر دیا اس نے بہت سارے الٰہوں کو ﴿اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ ایک ہی الٰہ ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ بے شک البتہ یہ عجیب چیز ہے ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ﴾ اور چلی ایک جماعت ان میں سے ﴿اَنِ امْشُوْا﴾ یہ کہ چلو تم ﴿وَاصْبِرُوْا﴾ اور ڈٹے رہو ﴿عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ﴾ اپنے معبودوں پر ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ﴾ بے شک یہ البتہ ایک شے ہے ارادہ کی ہوئی ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا﴾ نہیں سنی ہم نے یہ بات ﴿فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ﴾ پچھلی ملت میں ﴿اِنْ هٰذَآ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ مگر گھڑی ہوئی بات ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ﴾ کیا نازل کیا گیا اس پر ذکر ﴿مِنْ بَيْنِنَا﴾ ہمارے درمیان ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ﴾ بلکہ وہ شک میں ہیں ﴿مِّنْ ذِكْرِيْ﴾ میری نصیحت کے بارے میں ﴿بَلْ﴾ بلکہ ﴿لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ﴾ ابھی تک نہیں چکھا انھوں نے میرا عذاب ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ﴾ کیا ہیں ان کے پاس ﴿خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ﴿الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ﴾ جو غالب ہے کثرت کے ساتھ دینے والا ہے۔

وجہ تسمیہ سورۃ صٓ :

اس سورت کا نام 'ص' ہے اور پہلی ہی آیت میں یہ لفظ موجود ہے۔ لفظ "ص" کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام صبور کا مخفف ہے۔ صبور کا معنیٰ ہے صبر اور تحمل کرنے والا۔ اگر اللہ تعالیٰ تحمل کرنے والا نہ ہوتا تو وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے متعلق اور اس کے پیغمبروں کے متعلق غلط باتیں کرتے ہیں ان کو ایک لحہ نہ چھوڑتا۔ حدیث قدسی ہے بخاری شریف میں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: يَسُبُّنِيْ اِبْنُ اٰدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ "ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ

اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مجھے گالیاں دے۔'' گالیاں کیسے دیتا ہے؟ فرمایا یَدَّعُوْلِیْ وَلَدًا ''میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔'' کوئی کہتا ہے عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، کوئی کہتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، کوئی کہتا ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینا ہے۔ جیسے ہماری ثابت النسب اولاد کو کوئی کہے کہ یہ تمھاری نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے گالی ہے۔ اسی طرح لم یلد ولم یولد کی طرف اولاد کی نسبت کرنا گالی ہے۔

فرمایا: وَ یُکَذِّبُنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ وَ لَمْ یَکُنْ لَهٗ ذٰلِكَ ''ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اس کو حق نہیں ہے کہ مجھے جھٹلائے۔'' جھٹلاتا کیسے ہے؟ کہتا ہے قیامت والے دن مجھے کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں ﴿لَتُبْعَثُنَّ﴾ [تغابن:۲۸] ''البتہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔'' یہ کہتا ہے کہ قیامت نہیں ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ تو رب تعالیٰ کو گالیاں دینے والے اور جھٹلانے والے بھی دنیا میں موجود ہیں۔ دہریے جو رب تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتے ہیں اس کے وجود کے منکر ہیں وہ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ اس کے پیغمبروں کی تکذیب کرنے والے بھی دنیا میں موجود ہیں، اس کی کتابوں کی تکذیب کرنے والے بھی دنیا میں موجود ہیں۔ مگر اس کا حوصلہ ہے کہ فوراً گرفت نہیں کرتا سزا نہیں دیتا کہ صبور ہے۔

تو صٓ لفظ صبور کا مخفف ہے ﴿وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ﴾ واو قسمیہ ہے۔ معنیٰ ہوگا قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور چیز کی قسم اٹھانا مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَكَ ''جس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔'' لیکن اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے غیر اللہ کی قسمیں اُٹھاتے پھرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے مجھے نبی کی قسم ہے، کوئی کہتا ہے مجھے رسول کی قسم ہے، کوئی کہتا ہے مجھے پیر کی قسم ہے، کوئی دودھ۔ پوت (پتر، بیٹے) کی قسم اٹھاتا ہے، کوئی کعبے کی قسم اٹھاتا ہے۔ یہ تمام شرکیہ الفاظ ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاؤ یا اس کی صفات کے ساتھ قسم اٹھاؤ، رحمان کی قسم، رحیم کی قسم۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا قرآن کریم کی بھی قسم اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ضابطہ اور قانون مخلوق کے لیے ہے اللہ تعالیٰ پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا وہ جس چیز کی چاہے قسم اٹھائے۔ لہٰذا اس نے کہیں تین کی قسم اٹھائی، زیتون کی قسم اٹھائی ہے۔ العصر، زمانے کی قسم اٹھائی ہے، گھوڑوں کی قسم اٹھائی ہے۔ وہ کسی قانون کا پابند نہیں ہے۔

تو فرمایا قسم ہے نصیحت والے قرآن کی ﴿بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ﴾ بلکہ وہ لوگ جو کافر ہیں تکبر میں ہیں اور مخالفت میں ہیں اور بڑی باتیں کرتے ہیں۔ پہلی قوموں نے بھی تکبر اور مخالفت کی تھی پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ﴿کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں۔ جنھوں نے تکبر کیا، سرکشی کی، توحید کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ پھر جب ہمارا عذاب آن پہنچا ﴿فَنَادَوْا﴾ تو پکارا انھوں نے۔ چیخے چلائے اپنے گناہوں کی معافی مانگی ﴿وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ﴾ اور نہیں تھا وقت چھٹکارے کا۔ خلاصی اور رہائی کا وقت گزر چکا تھا۔ یہ مکے والے بھی تکبر اور مخالفت میں آخری پیغمبر کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں ﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ اور انھوں نے تعجب کیا اس بات پر کہ آیا ان کے

پاس ڈرانے والا اُنھی میں سے۔

کہتے تھے کہ منصب نبوت کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا ﴿وَقَالُوْا﴾ ''اور کہا انھوں نے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [الزخرف:۳۱، پارہ:۲۵] ''کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے۔'' مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ، عتبہ، شیبہ وغیرہ بڑے آدمی تھے اور طائف جو مکہ مکرمہ سے پچھتر (۷۵) میل کے فاصلے پر ہے اس میں ابن عبد یالیل، عروہ بن مسعود اور حبیب وغیرہ بڑے آدمی تھے۔ کہتے تھے کہ قرآن نازل ہونا تھا تو ان میں سے کسی سردار پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ یہ جادوگر جھوٹا (معاذ اللہ تعالیٰ) نبوت کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ اور کہا کافروں نے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) رسالت و نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مرتبہ اور مقام عطا فرمایا وہ کائنات میں اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے بعد مرتبہ اور مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات کی وجہ سے جادوگر کہتے تھے۔ درختوں کو چلتے ہوئے دیکھا، تھوڑے پانی کو زیادہ ہوتے سب نے دیکھا، پتھروں کو بولتے ہوئے سنا۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے اور لوگ بھی بیٹھے تھے۔ ابوجہل بڑا منہ پھٹ اور بڑا بے لحاظ آدمی تھا۔ مٹھی میں سنگریزے لیے ہوئے آیا اور کہنے لگا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) أَخْبِرْنِيْ مَا فِيْ يَدِيْ ''مجھے بتلاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا چچا! اگر یہ ہاتھ والی چیز خود بول پڑے تو پھر؟ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ سنگ ریزوں نے بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ ابوجہل نے سنگ ریزے پھینکتے ہوئے کہا کہ تم بھی اس کے ساتھی ہو گئے۔ اب بتلاؤ اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے کہ سنگریزے خود ہی اٹھا کر لایا ہے اور اسی کے ہاتھ میں بول رہے ہیں لیکن ہٹ دھرمی ہے کہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دیکھ کر اور قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر جادوگر کہتے تھے۔ اور جھوٹا کیوں کہتے تھے؟ جھوٹ یہ تھا ﴿أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ کیا اس نے کر دیا ہے سب خداؤں کو ایک خدا۔ یہ جھوٹ ہے کہ سارے معبود فارغ اور ایک اللہ تعالیٰ سارے کام کرتا ہے۔ سب سے زیادہ چبھنے والی بات یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ سورہ صفت میں گزر چکا ہے ﴿إِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ''بے شک یہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا تھا لا الٰہ الا اللہ تکبر کرتے تھے۔'' اچھلتے تھے کہ نہ لات رہا، نہ منات، نہ عزیٰ، نہ ہبل، نہ کوئی اور صرف ایک ہی الٰہ رہ گیا ہے ﴿إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ بے شک یہ چیز ہے بڑی عجیب۔ آدمی کو ماحول کے خلاف جو چیز نظر آئے وہ عجیب ہی

معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ ان کا ماحول کفر شرک کا تھا۔

بیت اللہ کی بیرونی دیوار پر انہوں نے تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مجسمہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مجسمہ، حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ، حضرت ہابیل علیہ السلام کا مجسمہ جس کو ہبل کہتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بزرگوں کے مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ کسی دن ناغہ نہیں ہوتا تھا کسی نہ کسی کا چڑھاوا چڑھتا رہتا تھا اور ان کے پیٹ کا دھندا چلتا رہتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خدائی کو مٹانے کے لیے آئے تھے کہ صرف ایک ہی معبود ہے، ایک ہی مسجود ہے، ایک ہی حاجت روا ہے، مشکل کشا ہے، ایک ہی دست گیر اور فریادرس ہے۔ اس کے سوا کوئی ایک رتی کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں ہے۔ خدائی اختیارات میں سے کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔

﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ﴾ اور چلی ایک جماعت ان کافروں میں سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا یا لا الٰہ الا اللہ تو محلے میں جا کر کہنے لگے اے نوجوانو! ﴿اَنِ امْشُوْا﴾ چلو تم گلیوں اور محلوں میں، پھیل جاؤ بازاروں میں، جاؤ جہاں لوگ اکٹھے ہوں وہاں جاؤ اور ان کو کہو ﴿وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ﴾ ڈٹے رہو اپنے معبودوں پر، اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا۔ یہی بات نوح علیہ السلام کے زمانے میں مشرکوں نے کہی تھی ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ﴾ "ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو ﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾[نوح، پارہ: ۲۹] ہرگز نہ چھوڑنا ودکو اور نہ سواع کو اور نہ چھوڑنا یغوث، یعوق اور نسر کو۔"

تو کہا انہوں نے ڈٹے رہو اپنے معبودوں پر ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ﴾ بے شک یہ البتہ ایک شے ہے ارادہ کی ہوئی۔ یہی چیز ہماری مراد ہے کہ اپنے الٰہوں کو نہیں چھوڑنا ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ﴾ نہیں سنی ہم نے یہ بات پچھلی ملت میں یعنی آباؤ اجداد سے ہم نے نہیں سنا کہ ایک خدا ہی کائنات کا سارا نظام چلا رہا ہے وہ بھی تین سو ساٹھ یا اس سے کم وبیش بتوں کی پوجا کرتے تھے اور تم کہتے ہو لا الٰہ الا اللہ۔ اور ملت آخرہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی ملت بھی ہے کہ پہلے پیغمبروں کی جو ملتیں تھیں ان میں آخری ملت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ وہ بھی ایک کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ تثلیث یعنی تین خداؤں کے قائل تھے۔

- اللہ تعالیٰ ایک
- عیسیٰ علیہ السلام دو۔
- اور روح القدس جبرئیل علیہ السلام تین۔

اور ان کا ایک فرقہ جبرئیل علیہ السلام کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو تیسرا رکن مانتا تھا کہ تین کے ساتھ نظام چلتا ہے۔ پھر ایک گروہ ان کا یہ بھی کہتا ہے کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور آج بھی وہ موجود ہیں۔ چنانچہ ہماری قومی اسمبلی کے اجلاس میں دو دفعہ عیسائی ممبر نے ڈٹ کر کہا کہ میں عیسیٰ علیہ السلام جو رب کے بیٹے ہیں کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ سوائے مولوی عبدالرحیم چکڑالوی کے اور کوئی ممبر نہیں بولا۔ انھوں نے اپنا فریضہ ادا کیا حالانکہ سارے ممبران اسمبلی اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ دیکھو! عیسائی اپنے مذہب کے کتنے پختہ ہیں کہ مسلمان اسمبلی میں بھی اپنے عقیدے کے اظہار سے باز نہیں

آتے۔امریکہ ان کی پشت پر ہے جس کی وجہ سے وہ یہاں ہمارے پیغمبر کی توہین کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔

یہ بات تمھارے علم میں ہے کہ ضلع گوجرانوالا کے قصبہ کوٹ لالہ میں منظور مسیح، رحمت مسیح اور سلامت مسیح، تین عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی نازیبا الفاظ لکھ کر پرچیاں تقسیم کیں، دیواروں پر لکھے۔مقدمہ چلا منظور مسیح تو قتل ہو گیا۔رحمت مسیح اور سلامت مسیح کو سزائے موت ہوئی۔فیصلے کے وقت امریکی سفارت خانے کے آدمی عدالت میں موجود تھے اثر انداز ہونے کے لیے۔یہاں حکومت امریکہ کی ہے ہمارے جتنے حکمران ہیں یہ امریکہ کی اجازت کے بغیر شلوار بھی نہیں بدل سکتے۔

تو خیر انھوں نے کہا کہ یہ بات ہم نے پچھلے دین میں نہیں سنی ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ نہیں ہے یہ بات کہ الٰہ صرف ایک ہے، لا الٰہ الا اللہ مگر گھڑی ہوئی۔اپنی طرف سے بنائی ہے۔پھر عجیب بات ہے ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ کیا نازل کیا گیا ہے ذکر،نصیحت،قرآن اس پر ہمارے درمیان سے۔اس کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ افرادی قوت ہے ہم محروم رہ گئے ہمیں خدا نے کیوں نہیں دیکھا ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ﴾ بلکہ وہ شک میں ہیں میرے ذکر قرآن پاک کے بارے میں ﴿بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ﴾ بلکہ ابھی تک نہیں چکھا انھوں نے میرا عذاب۔جب عذاب آئے گا تو ان کو میری توحید کے انکار کا اور میرے پیغمبروں کے انکار کا مزہ آجائے گا۔

پھر بدر کے موقع پر ان کے ساتھ جو ہوا وہ دنیا نے دیکھا اور پھر مرنے کے بعد عذاب قبر پھر حشر کا اور جہنم کا عذاب الگ ہے۔یہ لوگ نزول قرآن کا انکار کس بنا پر کرتے ہیں ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ﴾ کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب ہے کثرت کے ساتھ دینے والا ہے۔کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے یہ تقسیم کرتے ہیں کہ جس کو چاہیں رسول بنائیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات مالک الملک، مختار کل ہے جو چاہے کرے جس کو چاہے پیغمبر بنائے وہ کسی کا پابند نہیں ہے۔

﴿اَمْ لَهُمْ﴾ کیا ان کے لیے ہے ﴿مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ملک آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ﴾ پس چاہیے کہ وہ چڑھ جائیں آسمان کے راستوں میں ﴿جُنْدٌ مَّا﴾ یہ بھی ایک لشکر ہے چھوٹا سا ﴿هُنَالِكَ﴾ وہاں ﴿مَهْزُوْمٌ﴾ شکست خوردہ ﴿مِّنَ الْاَحْزَابِ﴾ لشکروں میں سے ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ﴾ جھٹلایا ان سے پہلے ﴿قَوْمُ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم نے ﴿وَّعَادٌ﴾ اور عاد قوم نے ﴿وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ﴾ اور فرعون نے جو میخوں والا تھا ﴿وَثَمُوْدُ﴾ اور قوم ثمود نے ﴿وَقَوْمُ لُوْطٍ﴾ اور قوم لوط نے ﴿وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ﴾ اور جنگل والوں نے ﴿اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ﴾ یہ بڑے بڑے گروہ تھے ﴿اِنْ كُلٌّ﴾ نہیں تھے یہ سب کے

سب ﴿اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ﴾ مگر جھٹلایا پیغمبروں کو ﴿فَحَقَّ عِقَابِ﴾ پس لازم ہو گیا میرا عذاب ﴿وَ مَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ﴾ اور نہیں انتظار کرتے یہ لوگ ﴿اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ مگر ایک چیخ کا ﴿مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ﴾ نہیں ہے اس کے لیے کوئی وقفہ ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا﴾ اے ہمارے رب جلدی کر دے ہمارے لیے ﴿قِطَّنَا﴾ ہمارا حصہ عذاب کا ﴿قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ حساب کے دن سے پہلے ﴿اِصْبِرْ﴾ آپ صبر کریں ﴿عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ان باتوں پر جو وہ کرتے ہیں ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ﴾ ذکر کر ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا ﴿ذَا الْاَيْدِ﴾ جو قوت والے تھے ﴿اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ﴾ بے شک ہم نے مسخر کر دیا پہاڑوں کو اس کے ساتھ ﴿يُسَبِّحْنَ﴾ جو تسبیح کرتے تھے ﴿بِالْعَشِيِّ﴾ پچھلے پہر ﴿وَالْاِشْرَاقِ﴾ اور صبح کے وقت ﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً﴾ اور پرندے بھی جو اکٹھے کیے جاتے تھے ﴿كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ﴾ سب کے سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے ﴿وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ﴾ اور ہم نے مضبوط کیا اس کے ملک کو ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ﴾ اور دی ہم نے ان کو دانائی ﴿وَ فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ اور فیصلہ کن خطاب۔

ربط آیات

کل کے سبق میں بیان ہوا کہ مشرکین مکہ نے کہا ﴿ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ ''کیا اس پر اتاری گئی ہے نصیحت ہمارے درمیان سے۔'' ہمارے اُوپر وحی نازل نہیں ہوئی اس میں کیا خوبی ہے کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ﴾ ''کیا ان کے پاس خزانے ہیں آپ کے رب کی رحمت کے جو غالب ہے کثرت سے ساتھ دینے والا۔'' اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی ہے وہ ان کا پابند تو نہیں ہے۔ مزید فرمایا ﴿اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کیا ان کے لیے ہے ملک، شاہی آسمانوں اور زمین کی ﴿وَ مَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے۔ کیا اس میں ان کی حکومت ہے؟ اگر ایسا ہے تو ﴿فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ﴾۔ اسباب جمع ہے سبب کی۔ اس کا معنیٰ ہے راستہ۔ پس چاہیے کہ چڑھ جائیں آسمانوں کے راستوں میں اور جہاں سے وحی آتی ہے جا کر وہاں سے روک دیں اگر ان کے اختیار میں ہے تو ایسا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ﴾۔ جُنْد کا معنیٰ لشکر اور ما کا معنیٰ چھوٹا سا۔ ایک چھوٹا سا لشکر ہے اس مقام پر ﴿مَهْزُوْمٌ﴾ شکست خوردہ ﴿مِّنَ الْاَحْزَابِ﴾ لشکروں میں سے۔

کفار کی شکست

پھر ایسا ہی ہوا کہ قریش مکہ جب مکہ مکرمہ سے چلے جنگ بدر کے لیے ڈھول بجاتے ہوئے، اچھلتے کودتے ہوئے اُعْلُ

ھُبُل کے نعرے لگاتے ہوئے۔گانے والی عورتیں بھی ساتھ تھیں،شراب اُونٹوں پر لدی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے بعد یہ فتح کے گیت گائیں گی،اونٹ ذبح ہوں گے،شراب چلے گی،قرب وجوار کے قبائل کی ضیافت کریں گے۔ان کے تصور میں بھی نہ تھا کہ وہ ذلت ناک شکست کھائیں گے اوران پر رونے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۲۳ پارہ ۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ ''البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی بدر کے مقام پر اورتم نہایت کمزور تھے۔'' ایک طرف تین سو تیرہ جن کے پاس آٹھ تلواریں، چھ زرہیں۔ دوسری طرف ایک ہزار آدمی کہ ہر ایک تلوار سے مسلح تھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ قصہ ہوگا۔جب اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوئی تو ستر کفر کے ستون مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے اور باقیوں کو بھاگتے ہوئے پتا بھی نہ چلا کہ ہم نے جانا کہاں ہے؟ تاریخ بتلاتی ہے کہ بھاگنے والے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے کہ لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے کہ کس شان وشوکت کے ساتھ نکلے تھے اور کس طرح ذلیل ہوکر آئے۔گیت گانے والیاں مرثیے گاتے ہوئے واپس گئیں۔فرمایا یہ چھوٹا سا گروہ ہے شکست خوردہ یعنی ان کو شکست ہوگی۔اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کل کے سبق میں تم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو جادوگر اور بڑا جھوٹا کہا۔ ہمیں کوئی جھوٹا کہے تو ہمارے دل پر کیا گزرتی ہے ہماری کیا حیثیت ہے۔اوراس ہستی کو کہا جائے جو ساری کائنات سے بلند و برتر ہے اوراس سے زیادہ سچی ذات کوئی نہیں ہے تو اس کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ظاہر بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کو طبعی طور پر تکلیف ہوتی تھی۔تو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر چند واقعات پیش کیے ہیں کہ آپ ﷺ غم نہ کریں پہلے پیغمبروں کی جن لوگوں نے مخالفت کی ہے جو اُن کا حشر ہوا ان کا بھی وہی ہوگا۔

گزشتہ اقوام کے واقعات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ﴾ جھٹلایا ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے۔انھوں نے نوح علیہ السلام کو کہا تھا ﴿ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴾ [قمر:۲۷] ''یہ بڑا جھوٹا اور بڑا شرارتی ہے ﴿ وَعَادٌ ﴾ اور عاد قوم نے ﴿ وَفِرْعَوْنُ ذُوالْاَوْتَادِ ﴾ اور فرعون نے جھٹلایا جو میخوں والا تھا۔میخوں والا اس لیے کہتے تھے کہ جس کو سزا دیتا تھا اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونکتا تھا کہ حرکت نہ کر سکے۔اور یہ بھی لکھا ہے اس کے خیموں کو باندھنے کے لیے جو میخیں لگاتے تھے وہ سونے چاندی کی ہوتی تھیں۔اس لیے میخوں والا مشہور تھا۔تو وہ فرعون جو میخوں والا تھا اس نے بھی جھٹلایا۔سورہ مومن آیت نمبر ۲۴ میں ہے: فرعون، ہامان اور قارون نے کہا ﴿ سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ ''یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا'' ﴿ وَثَمُوْدُ ﴾ اور ثمود قوم نے جھٹلایا صالح علیہ السلام کو۔یہ حجر کے علاقے کے رہنے والے تھے۔یہ علاقہ طائف اور تبوک کے درمیان ہے۔اس علاقے میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔

ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو فلاں چٹان سے اونٹنی نکالو۔اور بعض

تفسیروں میں ہے کہ ساتھ بچہ بھی ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کام تو رب تعالیٰ کا ہے میں رب نہیں ہوں لیکن اگر میرا رب میری تائید کر دے تو مان لو گے۔ کہنے لگے ہاں مان لیں گے۔ لیکن ان کے تو تصور میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ انھوں نے تو محض شوشہ چھوڑا تھا کہ نہ ایسا ہوگا اور نہ ہم مانیں گے۔ جیسے کہاوت ہے:

نہ نو من تیل ہو نہ رادھا ناچے

ایک بڑی مضبوط چٹان پر انھوں نے ہاتھ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چٹان پھٹی اونٹنی نکل کر باہر آ گئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ [الاعراف: ۷۳] لیکن یقین جانو کہ اتنا بڑا کرشمہ اور معجزہ دیکھ کر بھی کوئی ایمان نہ لایا۔ بس جو پہلے ایمان لا چکے تھے، لا چکے تھے۔ تو فرمایا ثمود قوم جھٹلا چکی ﴿وَ قَوْمُ لُوْطٍ﴾ اور لوط علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا۔ حضرت لوط علیہ السلام اصل عراق کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے سدوم شہر اور اس کے آس پاس کی بستیوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ زرخیز علاقہ تھا ان لوگوں نے ان کی شکل و صورت، اخلاص، کردار کو دیکھ کر لڑکی کا رشتہ بھی دے دیا۔ حالانکہ دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے رشتہ بھی ہے۔ لڑکی دے دی ایمان قبول نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بیوی نے بھی ایمان قبول نہیں کیا۔ البتہ دو یا تین لڑکیاں تھیں وہ اپنے والد کے عقیدے پر تھیں اور چند غریب لوگ بھی تھے جو ایمان لائے اور وہ ان کے ساتھ ایک حویلی میں رہتے تھے۔ ایک ہی گھر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اس قوم کو اندھا کیا، پھر آسمان سے پتھر برسائے، پھر جبرئیل علیہ السلام نے ڈراؤنی آواز نکالی جس سے سب کے کلیجے پھٹ گئے، پھر زمین کو اُٹھا کر اُلٹا کر کے پھینک دیا۔

فرمایا ﴿وَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ﴾ ایکہ کا معنی ہے جنگل۔ اور جھٹلایا جنگل والوں نے۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی۔ شہر کا نام تھا مدین۔ اس کے آس پاس بڑا جنگل تھا اس لیے ان کو جنگل والے بھی کہتے ہیں۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی صرف لڑکیاں تھیں لڑکا کوئی نہیں تھا اپنی ضرورت کے لیے بکریاں رکھی ہوئی تھیں ان کے دودھ پر گزارا ہوتا تھا۔ بچیاں ہی چراتی تھیں۔ عرصہ دراز تک ان کو شعیب علیہ السلام نے تبلیغ کی اور سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے زلزلہ طاری کیا اور جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری جس سے یہ سب کے سب تباہ ہو گئے اور ان کے لیے ظلہ کا لفظ بھی آیا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ بھی برسی۔

فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ﴾ یہی بڑے بڑے گروہ تھے جو تباہ ہوئے ﴿اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ﴾ نہیں تھے یہ سب کے سب مگر جھٹلایا انھوں نے پیغمبروں کو ﴿فَحَقَّ عِقَابِ﴾ پس لازم ہو گیا ان پر میرا عذاب۔ اصل میں عِقَابِیْ تھا پھر "ی" گر گئی۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے بیان فرمائے کہ پیغمبروں کو جن لوگوں نے ساحر کذاب کہہ کر جھٹلایا وہ تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح اگر یہ باز نہ آئے تو یہ بھی برباد ہو جائیں گے۔

فرمایا ﴿وَ مَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً﴾ اور نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر ایک چیخ کا۔ وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا بگل پھونکنا ہے ﴿مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ﴾ نہیں ہے اس کے لیے کوئی وقفہ کہ تھوڑا سا پھونک کر سانس لے لیں بلکہ وہ لگاتار آواز

ہوگی نفخہ اولیٰ کے بعد ساری مخلوق تباہ ہو جائے گی حتیٰ کہ جان نکالنے والا فرشتہ بھی مر جائے گا ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ [قصص:۸۸] اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شے تباہ ہو جائے گی۔ پھر چالیس سال کے بعد نفخہ ثانیہ ہوگا۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو پیدا کریں گے وہ بگل پھونکیں گے تو ساری دنیا زندہ ہو کر اکٹھی ہو جائے گی۔ جہاں وہ بگل پھونکیں گے مشرق والے، مغرب والے، شمال، جنوب والے انسان، جنات، حیوان، کیڑے مکوڑے، سمندر کی مچھلیاں تک عجیب منظر ہوگا ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی کہ نہ معلوم آج میرے ساتھ کیا ہوگا۔ تو فرمایا یہ اس نفخہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ جس کے لیے وقفہ نہیں ہوگا درمیان میں فرشتہ سانس نہیں لے گا۔ ﴿ وَقَالُوْا ﴾ اور کہا کافروں نے ﴿ رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا ﴾ اے ہمارے رب جلدی کر دے ہمارے لیے ﴿ قِطَّنَا ﴾۔ قِطّ عربی زبان میں اس پکے کاغذ کو کہتے ہیں جو سرکاری احکام کے لیے ہوتا ہے۔ سمجھنے کے لیے آپ اس کو وارنٹ کہہ لیں، وارنٹ گرفتاری۔ جلدی کر دیں ہمارے وارنٹ کی یعنی ہمارا وارنٹ ہمیں دے دو۔ یہ انھوں نے استہزاء کیا کہ تم کہتے ہو قیامت ہوگی، اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی، ہمارا وارنٹ ابھی ہمیں دے دو۔ ﴿ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ حساب کے دن سے پہلے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ آپ صبر کریں ان باتوں پر جو وہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر بھی کہتے ہیں، مجنون اور شاعر بھی کہتے ہیں، مفتری اور کذاب بھی کہتے ہیں۔ عجیب عجیب قسم کی آوازیں نکالتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے تھے تو کہتے ﴿ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ﴾ [انبیاء:۳۶] ''کیا یہی شخص ہے جو ذکر کرتا ہے تمھارے معبودوں کا، تردید کرتا ہے تمھارے معبودوں کی۔'' قولاً بھی استہزا، فعلاً بھی استہزاء، ہر طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں پر صبر کریں۔

تذکرہ حضرت داؤد علیہ السلام

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ﴾ ذکر کر ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا۔ حضرت داؤد علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زبور جیسی کتاب عطا فرمائی۔ اس علاقے کا اقتدار بھی ان کو دیا۔ یہ خلیفۃ اللہ فی الارض تھے۔ ﴿ ذَا الْاَيْدِ ﴾۔ اَیْد، یَدٌ کی جمع ہے یَدٌ کا معنیٰ ہے ہاتھ۔ معنیٰ ہوگا ہاتھوں والا یعنی اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے اپنے ہاتھوں سے کمائی کرتے تھے۔ زرہ اور خود بناتے تھے۔ کافی خاندان تھا ہاتھوں سے محنت کر کے ان کو کھلاتے تھے جتنا عرصہ بھی حکمرانی کی ہے بیت المال کی رقم کو ہاتھ نہیں لگایا، اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ کتنی بڑی بات ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سالہ خلافت کے زمانے میں قوم کی رقم یعنی بیت المال سے اپنی ذات یا اہل خانہ پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت دیا ہے بیت المال کے پیسے کی ضرورت نہیں۔ باقی تینوں خلیفوں نے ضرورت کے مطابق بیت المال سے لیا ہے کیونکہ ان کے ذاتی وسائل اتنے نہیں تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے باہر سلع کے مقام پر کپڑے کی چند کھڈیاں لگائی ہوئی تھیں۔ سوتر اور مزدوری ان کو دے آتے تھے اور تھان ان سے لے آتے تھے۔ دکان نہیں تھی کندھے پر رکھ کر بازار اور گلیوں میں پھیری لگاتے تھے۔ خلیفہ بنائے جانے کے بعد وقت نہیں تھا کہ جا کر تھان لائیں اور پھیرے لگائیں۔ دو چار دن کافی پریشان رہے۔ ایک دن نماز پڑھانے کے بعد فرمایا کہ میری بات سن کر جانا۔ بخاری شریف کی روایت ہے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں اپنے گھر کے افراد کا خرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مہیا کر لیتا تھا اب مجھے فرصت نہیں ہے کہ نماز پڑھانی ہے جمعہ پڑھانا ہے، جھگڑوں کے فیصلے کرنے ہیں مسائل بتانے ہیں، دیگر مسائل ہیں لہٰذا یا تو خلافت کسی ایسے شخص کو دے دو جو مالی لحاظ سے مضبوط ہو یا مجھے بیت المال سے وظیفہ دو۔ میں انسان ہوں میرے ساتھ بھی پیٹ لگا ہوا ہے۔ چنانچہ پچیس درہم ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا کہ مشکل کے ساتھ اس سے وقت پاس کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بیت المال سے وظیفہ لیتے تھے اتنا کہ جس سے گزارا ہو سکے۔

تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر گزارا کرتے تھے۔ تو ﴿ذَا الْاَيْدِ﴾ کا ایک معنیٰ تو یہ کرتے ہیں اور ید کا معنیٰ قوت کا بھی ہوتا ہے کہ عبادت میں بڑے قوی تھے کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے۔ رات کے تین حصے کیے ہوئے تھے۔ آدھی رات تک سوتے پھر دو گھنٹے جاگتے اور عبادت کرتے پھر سو جاتے تھے۔ تو بڑی قوت والے تھے ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ﴾ بے شک ہم نے مسخر کر دیا پہاڑوں کو اس کے ساتھ ﴿يُسَبِّحْنَ﴾ جو تسبیح کرتے تھے ﴿بِالْعَشِيِّ﴾ پچھلے پہر ﴿وَالْاِشْرَاقِ﴾ اور صبح کے وقت۔ جس وقت سورج چڑھتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جب وہ پہاڑوں کے پاس سبحان اللہ پڑھتے تو پہاڑ بھی ساتھ سبحان اللہ پڑھتے تھے۔

ملحد قسم کے لوگ تاویلیں کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ واپسی کی آواز ہوتی تھی جس کو صدائے بازگشت کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ﴾ بے شک ہم نے تابع کیا پہاڑوں کو اس کے ساتھ۔ اگر واپسی کی آواز مراد لی جائے تو پھر یہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں ہے نہ ان کے لیے کوئی خصوصیت ہوگی۔ اس لیے کہ میرے جیسا گناہ گار آدمی نزلہ زکام کا مارا ہوا بھی پہاڑ کے دامن میں سبحان اللہ کہے تو آواز واپس آئے گی۔ لہٰذا حقیقتاً پہاڑ بھی ان کے ساتھ سبحان اللہ پڑھتے تھے پچھلے پہر بھی اور پہلے پہر بھی۔

﴿وَالطَّيْرَ﴾ اور پرندے بھی سبحان اللہ پڑھتے تھے کوے، کبوتر اور چڑیاں وغیرہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ سبحان اللہ کہتے تھے اور ایسے ہی سمجھ آتا تھا جیسا کہ میں سبحان اللہ کہہ رہا ہوں اور تمھیں سمجھ آ رہا ہے۔ ﴿مَحْشُوْرَةً﴾ جمع کیے ہوئے ﴿كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ سب کے سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے ان کے تابع تھے پہاڑ بھی، پرندے بھی۔ یہ ان کے معجزات میں سے تھا ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ﴾ اور ہم نے مضبوط کیا اس کے ملک کو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت کی پوری گرفت حاصل تھی۔ بڑے منتظم تھے کیا مجال کہ چوری ڈکیتی ہو یا کوئی بدمعاش کر سکے یا کسی کی نیند میں خلل ڈال سکے۔ آج کل کی حکومتوں کی تو کوئی گرفت

نہیں ہے۔ اخبارات اٹھا کر دیکھو تو ڈکیتی، قتل وغارت، ہیرا پھیری، گھپلوں کے سوا کوئی شے نظر نہیں آتی۔ پھر کیا عوام اور کیا حکمران سب برابر ہیں۔

تو فرمایا کہ ہم نے ان کے ملک کو مضبوط کیا ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ﴾ اور عطا کی ہم نے ان کو دانائی۔ بڑے حکیمانہ انداز میں حکومت کرتے تھے ﴿وَ فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ اور فیصلہ کن خطاب دیا۔ ایسی دوٹوک بات کرتے تھے کہ سب کو آسانی سے سمجھ آتی تھی۔ بعض آدمی موہوم بات کرتے ہیں کہ ہر آدمی ان کی بات کو سمجھ نہیں سکتا خاص طور پر یہ جو سیاسی قسم کے لوگ ہیں تاکہ وقت پر انکار بھی کر سکیں اور کہنے کو کہہ بھی سکیں۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام بڑی کھری اور واضح بات کرتے تھے۔

~~~

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ﴾ اور کیا آئی ہے آپ کے پاس ﴿نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ خبر جھگڑا کرنے والوں کی ﴿اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ جس وقت پھلانگی انھوں نے کمرے کی دیوار ﴿اِذْ دَخَلُوْا﴾ جب داخل ہوئے وہ ﴿عَلٰى دَاوٗدَ﴾ داؤد علیہ السلام کے پاس ﴿فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ پس وہ گھبرا گئے ان سے ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿لَا تَخَفْ﴾ آپ ڈریں نہ ﴿خَصْمٰنِ﴾ ہم جھگڑا کرنے والے ہیں ﴿بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ﴾ زیادتی کی ہے ہم میں سے بعض نے بعض پر ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَنَا﴾ پس آپ فیصلہ کر دیں ہمارے درمیان ﴿بِالْحَقِّ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿وَلَا تُشْطِطْ﴾ اور زیادتی نہ کریں ﴿وَاهْدِنَآ﴾ اور ہماری راہنمائی کریں ﴿اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ﴾ سیدھے راستے کی طرف ﴿اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ﴾ بے شک یہ میرا بھائی ہے ﴿لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً﴾ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں ﴿وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ اور میرے پاس ایک دنبی ہے ﴿فَقَالَ﴾ پس اس نے کہا ﴿اَكْفِلْنِيْهَا﴾ یہ میری کفالت میں دے دو ﴿وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ﴾ اور غالب آ گیا ہے مجھ پر گفتگو کرنے میں ﴿قَالَ﴾ فرمایا داؤد علیہ السلام نے ﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ﴾ البتہ تحقیق اس نے زیادتی کی ہے آپ کے ساتھ ﴿بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ﴾ تمھاری دنبی مانگ کر ﴿اِلٰى نِعَاجِهٖ﴾ اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے لیے ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا﴾ اور بے شک بہت سارے ﴿مِّنَ الْخُلَطَآءِ﴾ شریک ﴿لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ البتہ زیادتی کرتے ہیں بعض ان میں سے بعض پر ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے انھوں نے اچھے ﴿وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ﴾ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں ﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ﴾ اور یقین کر لیا داؤد علیہ السلام نے ﴿اَنَّمَا فَتَنّٰهُ﴾ کہ بے شک ہم نے اس کو آزمائش میں ڈالا ہے ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ﴾ پس اس نے معافی مانگی اپنے رب سے ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ اور گر گئے رکوع میں ﴿وَّاَنَابَ﴾ اور رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿فَغَفَرْنَا لَهٗ﴾
~~~

ذٰلِكَ﴾ پس ہم نے معاف کر دیا ان کا یہ قصور ﴿وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى﴾ اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں مرتبہ ہے ﴿وَ حُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور اچھا ٹھکانا ﴿يٰدَاوٗدُ﴾ اے داؤد علیہ السلام! ﴿اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے آپ کو خلیفہ زمین میں ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ پس فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ ﴿وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ اور نہ پیروی کریں خواہش کی ﴿فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ پس یہ تجھے بہکا دے گی اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ جو بہک جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے سخت ﴿بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ اس لیے کہ بھلادیا انھوں نے حساب کے دن کو۔

تفسیر مردود

آج کی آیات کے مضمون کا تعلق حضرت داؤد علیہ السلام کی ذات گرامی کے ساتھ ہے۔

اس واقعہ کے متعلق ایک تو وہ خرافات ہیں جو بائبل کتاب مقدس میں درج ہیں۔ بائبل وہ کتاب ہے جس پر یہودی اور عیسائی اعتماد کرتے ہیں۔ یہ چھتیس صحیفوں پر مشتمل ہے۔ تورات، زبور، احبار، پیدائش، ملاکی انجیل، مکاشفہ سلاطین وغیرہ صحیفوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایسی خرافات درج ہیں کہ کوئی باضمیر مسلمان ان کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان خرافات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک صحابی تھا حتی اوریا۔ اس کا مکان حضرت داؤد علیہ السلام کے مکان کے ساتھ متصل تھا۔ اس کی بیوی بڑی خوب صورت تھی۔ جس کا نام بت سبع تھا۔ ایک دن داؤد علیہ السلام ٹہلنے کے لیے اپنے مکان کی چھت پر گئے صحابی کی بیوی نہا رہی تھی ان کی نگاہ اس پڑ گئی۔ وہ عورت انتہائی خوبصورت تھی۔ آدمی بھیج کر اس کو اپنے پاس بلوالیا۔ العیاذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔ داؤد علیہ السلام نے اس کے ساتھ صحبت کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی۔ خاوند اس کا جہاد کے لیے محاذ پر گیا ہوا تھا کئی مہینوں کے بعد جب اس کے خاوند کی واپسی کا وقت قریب آیا تو بی بی گھبرا گئی کہ جب میرا خاوند گیا تھا تو اس وقت میں حاملہ نہیں تھی اور اب حاملہ ہو گئی ہوں۔ تو خاوند کے سامنے کیسے سرخرو ہوں گی۔ داؤد علیہ السلام نے فرمایا کوئی بات نہیں میں خلیفۃ اللہ ہوں میں اس کو ایسے محاذ پر بھیجوں گا کہ جہاں سے وہ زندہ واپس نہیں آئے گا۔ چنانچہ اس کو ایک محاذ پر بھیج کر شہید کرادیا۔ پھر اس کی بیوی کے ساتھ خود نکاح کر لیا العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ کوئی مسلمان ان خرافات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پیغمبر کی ایک بیوی بھی نہ ہو پھر بھی ایسا کام نہیں کر سکتا چہ جائیکہ داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور لونڈیاں ان کے علاوہ تھیں۔ وہ ایسا فعل کب کر سکتے تھے۔

سورہ یوسف میں مذکور ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کہ زلیخا نے ان کو برائی کی دعوت دی تو انھوں نے ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ

رَبِّيٓ اَحۡسَنَ مَثۡوَايَ ﴾ کہہ کر اس کی ساری شرارتوں کی زنجیروں کو کاٹ کر عزت بچائی حالانکہ ان کا شباب عروج پر تھا اور شادی بھی نہیں ہوئی تھی لہٰذا داؤد علیہ السلام کے متعلق سب خرافات ہیں حقیقت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے اس واقعہ کی یہ تعبیر کی ہے کہ خرابی تو کچھ نہیں ہوئی صرف راستے پر چلتے ہوئے اس عورت پر نگاہ پڑ گئی اور خیال آیا کہ یہ میری بیویوں میں شامل ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ اس سے آگے کوئی کارروائی نہیں ہوئی اس طرح دھو دھو کر اور چھان کر اس واقعہ کو پیش کیا ہے مگر یہ بات بھی بڑی بعید ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ پیغمبر کی نگاہ کسی عورت پر پڑے اور یہ خیال آئے کہ یہ میری بیوی ہوتی۔ وہ منکوحہ عورت ہے اس کا خاوند موجود ہے اس کے متعلق پیغمبر کے دل میں ایسی حسرت پیغمبر کی شان کے خلاف ہے اور بالکل بعید ہے۔ لہٰذا یہ تعبیر بھی صحیح نہیں ہے جو بعض مفسرین نے کی ہے۔

تفسیر مقبول

صحیح بات وہ ہے جو حدیث کی کتاب مستدرک حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سمجھ اور دانائی عطا فرمائی تھی اور وہ بڑے منتظم تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے چوبیس گھنٹے عبادت کے لیے تقسیم کر رکھے تھے۔ اس طرح کہ آدھا گھنٹہ ایک بی بی عبادت کرے گی، آدھا گھنٹہ دوسری، آدھا گھنٹہ تیسری اور سحری کے وقت خود عبادت کریں گے۔ چوبیس گھنٹے میں کوئی گھڑی ایسی نہیں تھی کہ جس میں ان کے گھر ذکر و عبادت نہ ہوتی ہو۔ اپنے اس حسن انتظام پر کچھ نازاں ہوئے کہ میرے گھر میں چوبیس گھنٹے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ناز کرنا پسند نہ آیا کہ ایسا فخر کرنا پیغمبر کی شان کے لائق نہیں ہے پھر یوں ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے گھر کے صحن میں عبادت میں مشغول تھے۔ ان کے گھر کی دیوار پھلانگ کر کچھ لوگ اندر آ گئے حالانکہ دیوار کافی بلند تھی اور باہر چوکیدار بھی تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس سے گھبرائے کہ یہ لوگ دروازے سے کیوں نہیں آئے۔ اتنی بلند دیواریں پھلانگ کر آئے ہیں چوکیدار کہاں گئے؟

طبعی طور پر اس طرح گھبرانے سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ پاکیزہ وادی طویٰ میں نبوت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا اے پروردگار! یہ میری لاٹھی ہے۔ اس کے ساتھ میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس کے ساتھ درختوں کے پتے جھاڑ کر اپنی بکریوں کے آگے ڈالتا ہوں اور بھی کسی جگہ ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو ڈالو۔ جب لاٹھی کو ڈالا تو وہ اژدھا بن گئی۔ سورۃ النمل آیت نمبر ۱۰ پارہ ۱۹ میں ہے ﴿وَّلّٰى مُدۡبِرًا وَّلَمۡ يُعَقِّبۡ ۚ يٰمُوۡسٰى لَا تَخَفۡ﴾ پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کیا پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ سانپ موذی چیز ہے اس سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ﴾ ''اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو ﴿سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى﴾ [طٰہٰ: ۲۱] ''ہم اس کو پلٹ دیں گے پہلی حالت پر۔'' تو طبعی طور پر دشمن کتے، بلے، سانپ وغیرہ سے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس

سے ایمان پر کوئی زد پڑتی ہے۔

تو داؤد علیہ السلام پریشان ہوئے کہ یہ اتنی بلند دیواریں پھلانگ کر کیسے آ گئے اور چوکیدار کدھر گئے؟ یہ ہوا کیا؟ اس پریشانی میں اس وقت کی عبادت اور وظیفہ تسبیحات بھی ذہن سے نکل گئیں اور ان آنے والوں نے کہا حضرت! ہم دو فریق ہیں ہماری بات سنیں!

ایک نے کہا کہ یہ میرا ساتھی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ دنبی مجھے دے دو کہ میری سو پوری ہو جائیں۔ اور بڑے سخت لہجے میں میرے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور باتوں میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ آپ میری دادرسی کریں اور حق و انصاف کا فیصلہ کریں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کی باتیں سنیں اور جس کی زیادتی تھی اس کو تنبیہ فرمائی لیکن عبادت کا سارا وقت اسی فیصلے میں گزر گیا اور جس حسن انتظام پر فخر تھا اور نازاں تھے وہ قائم نہ رکھ سکے۔ صحیح بات یہی ہے باقی سب خرافات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ اور کیا آئی ہے آپ کے پاس خبر جھگڑا کرنے والوں کی ﴿إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ سور عربی زبان میں دیوار کو کہتے ہیں اور تَسَوَّر کا معنیٰ ہوتا ہے دیوار کا پھلانگنا۔ جس وقت پھلانگی انھوں نے دیوار عبادت خانے کی۔ محراب کا معنیٰ کمرہ۔ جس کمرے میں وہ عبادت کرتے تھے ﴿إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ﴾ جب وہ داخل ہوئے داؤد علیہ السلام کے پاس ﴿فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ پس وہ گھبرائے ان سے داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ یہ دیوار پھلانگ کر اندر کیوں آئے ہیں پہرے دار کہاں گئے؟ اور وہ بھی سمجھ گئے کہ داؤد علیہ السلام خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿لَا تَخَفْ﴾ آپ خوف نہ کریں ﴿خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ﴾ ہم جھگڑا کرنے والے ہیں زیادتی کی ہے ہم میں سے بعض نے بعض پر۔ ہم دو فریق ہیں ایک نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ ہمارے درمیان فیصلہ کریں حق کے مطابق ﴿وَلَا تُشْطِطْ﴾ اور زیادتی نہ کریں ﴿وَاهْدِنَآ إِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ﴾ اور ہماری راہنمائی کریں سیدھے راستے کی طرف۔ یہ آنے والے اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے انسان نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنوں کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ انسانی شکل اختیار کر سکتے ہیں اور کسی بھی شکل میں آ سکتے ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام عموماً حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے اور کسی موقع پر کسی دیہاتی کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے صحن میں تشریف فرما تھے غالباً ظہر کا وقت تھا ایک آدمی آ کر دو زانو ہو کر گھٹنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ ملا کر بیٹھ گیا جیسے آدمی التحیات میں بیٹھتا ہے اور اپنے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات شروع کر دیئے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ یہ ایمان مجمل ہے۔ دوسرا سوال کیا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو اور فریضہ زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان شریف کے

روزے رکھو۔ اس نے تیسرا سوال یہ کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح خشوع، خضوع کے ساتھ ادا کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو سو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ چوتھا سوال اس نے یہ کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے یہ بات پوچھی جارہی ہے وہ خود سائل سے زیادہ نہیں جانتا کہ یہ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر وہ آدمی چلا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب بھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے میں نے ان کو پہچان لیا مگر اس مرتبہ میں بھی نہیں پہچان سکا۔ اب مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے تمھارے پاس آئے تھے سوالات کے ذریعے تمھیں دین سکھانے کے لیے۔ تو فرشتے انسان کی شکل بھی اختیار کرلیتے ہیں۔

تو وہ دونوں فرشتے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کے طور پر آئے تھے۔ تو ایک نے کہا ﴿ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ﴾ بے شک یہ میرا بھائی ہے دینی لحاظ سے ﴿ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً ﴾ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں ﴿ وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴾ اور میرے پاس ایک دنبی ہے ﴿ فَقَالَ ﴾ پس اس نے کہا ﴿ اَكْفِلْنِیْهَا ﴾ وہ بھی میری کفالت میں دے دو ﴿ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴾ اور گفتگو میں مجھ پر غالب آجاتا ہے۔ جب بات کرتا ہے تو سخت کرتا ہے میرا لحاظ نہیں کرتا ﴿ قَالَ ﴾ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ﴿ لَقَدْ ظَلَمَكَ ﴾ البتہ تحقیق اس نے زیادتی کی ہے تیرے ساتھ ﴿ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ ﴾ تمھاری دنبی مانگ کر ﴿ اِلٰى نِعَاجِهٖ ﴾ اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے لیے۔

یہ ایک واقعہ ہے سمجھانے کے لیے اس کے سوا جتنے قصے ہیں بے حقیقت ہیں ان میں نہیں پڑنا چاہیے ﴿ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ ﴾ اور بے شک بہت سارے شریک ﴿ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ البتہ زیادتی کرتے ہیں بعض ان میں سے بعض پر ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کرتے ہیں اچھے لیکن ﴿ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ﴾ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ کسی کے ساتھ شریک بھی ہوں قولاً عملاً زیادتی بھی نہ کریں۔ رب تعالیٰ نے بالکل حق فرمایا ہے ﴿ وَظَنَّ دَاوٗدُ ﴾ اور یقین کر لیا داؤد علیہ السلام سمجھ گئے ﴿ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ ﴾ کہ بے شک ہم نے اس کو آزمائش میں ڈالا ہے کہ انھوں نے اپنے حسن انتظام پر فخر و ناز کیا تھا کہ میرے گھر میں چوبیس گھنٹے عبادت ہوتی ہے کوئی وقت خالی نہیں ہوتا۔ اب سمجھ گئے کہ یہ سارا رب تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے ﴿ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ ﴾ پس اس نے معافی مانگی اپنے رب سے کہ اے پروردگار! میں نے جو اپنے حسن انتظام پر فخر کیا تھا وہ کچھ نہیں سارا آپ کی توفیق سے ہے۔

آنحضرت ﷺ سے یہودیوں کے تین سوالات

اسی طرح کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ سے یہودیوں نے تین سوال کیے۔

① ایک یہ کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ کہ جب تک جان دار کے اندر ہوتی ہے تو وہ زندہ ہے اور جب نکل گئی تو مر گیا۔

② دوسرا سوال کہ اصحاب کہف کون تھے ان کی تعداد کتنی تھی؟

③ تیسرا سوال کہ ذوالقرنین کون بزرگ تھے ان کا قصہ کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل بتاؤں گا۔ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے گی پوچھ کر بتا دوں گا۔ پندرھویں پارے میں مذکور ہے کہ پندرہ دن مسلسل وحی نہ آئی۔ یہودیوں کو موقع مل گیا آوازیں کسنے کا۔ آکر کہتے کہ جی آپ کا کل نہیں آیا قیامت کو آئے گا۔ پندرہ دن کے بعد وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [کہف: ۲۳-۲۴] ''اور آپ نہ کہیں کسی شے کے بارے میں کہ کرنے والا ہوں کل مگر یہ کہ اللہ چاہے۔'' چونکہ پیغمبروں کا مقام بہت بلند ہوتا ہے اس لیے فوراً تنبیہ ہو جاتی ہے۔

فرمایا اس نے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کی ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ اور گر گئے رکوع میں ﴿وَّاَنَابَ﴾ اور رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف۔ یہ سجدے والی آیت ہے جس جس نے سنی ہے اس پر سجدہ لازم ہو گیا ہے۔ اور سجدہ تلاوت کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ باوضو ہو، کپڑے صاف ہوں، جگہ پاک ہو، قبلے کی طرف رخ ہو اور یہ سجدہ چونکہ واجب ہے لہٰذا طلوع فجر کے بعد بھی کر سکتے ہو۔ البتہ نفلی نماز ان اوقات میں جائز نہیں ہے۔ صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد نہیں پڑھ سکتے۔ کوئی نفلی نماز نہیں پڑھ سکتے۔ ہاں! صبح صادق کے بعد قضا نماز پڑھ سکتے ہیں، سجدہ تلاوت کر سکتے ہیں، جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور یہی حکم ہے فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلا جائے، تین، پانچ یا سات مرتبہ تسبیح پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے سے سر اٹھا لے۔ اس میں التحیات نہیں ہے۔ دائیں بائیں سلام پھیرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَغَفَرْنَا لَهٗ﴾ پس ہم نے بخش دیا ان کو ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ قصور۔ حسن انتظام پر ناز کرنے والا ﴿وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی﴾ اور بے شک داؤد علیہ السلام کا ہمارے ہاں بڑا مقام ہے ﴿وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور اچھا ٹھکانا ہے ﴿یٰدَاوٗدُ﴾ اے داؤد علیہ السلام! ﴿اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے آپ کو زمین میں خلیفہ ﴿فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ پس فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ۔ حق والا فیصلہ کریں ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی﴾ اور خواہش کی پیروی نہ کریں ﴿فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ پس یہ تجھے اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دے گی۔ کبھی بھی اپنی ذات پر اعتماد نہ کریں بلکہ کہو کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ہوتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ لوگ جو بہک جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ﴾ ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ کیوں؟ ﴿بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ﴾ اس لیے کہ بھلا دیا انھوں نے حساب کے دن کو۔ اس کی تیاری نہیں کی اس لیے سزا ہوگی۔

﴿وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کو ﴿وَ الْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿وَ مَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿بَاطِلًا﴾ بے کار ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿ظَنُّ الَّذِیْنَ﴾ خیال ہے ان لوگوں کا ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں ﴿مِنَ النَّارِ﴾ آگ میں ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ﴾ کیا ہم کردیں گے ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے انھوں نے اچھے ﴿كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ ان لوگوں کی طرح جو فساد مچاتے ہیں زمین میں ﴿اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ یا ہم کردیں گے پرہیزگاروں کو فاسقوں کی طرح ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ﴿اِلَیْكَ﴾ آپ کی طرف ﴿مُبٰرَكٌ﴾ برکت والی ہے ﴿لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ﴾ تاکہ غور وفکر کریں اس کی آیات میں ﴿وَ لِیَتَذَكَّرَ﴾ اور تاکہ نصیحت حاصل کریں ﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ عقل مند لوگ ﴿وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ﴾ اور عطا کیا ہم نے داود علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ بہت اچھا بندہ تھا ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بے شک وہ رجوع کرنے والا تھا ﴿اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ﴾ جس وقت پیش کیے گئے اس پر ﴿بِالْعَشِیِّ﴾ پچھلے پہر ﴿الصّٰفِنٰتُ﴾ اصیل گھوڑے ﴿الْجِیَادُ﴾ تیز رفتار ﴿فَقَالَ﴾ پس انھوں نے فرمایا ﴿اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ﴾ بے شک میں نے محبت کی ﴿حُبَّ الْخَیْرِ﴾ مال کی محبت ﴿عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ﴾ اپنے رب کی یاد کے لیے ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے پردے کے پیچھے ﴿رُدُّوْهَا عَلَیَّ﴾ لوٹاؤ ان کو مجھ پر ﴿فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ﴾ پس لگ گئے وہ جھاڑنے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو ﴿وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمائش میں ڈالا سلیمان علیہ السلام کو ﴿وَ اَلْقَیْنَا عَلٰى كُرْسِیِّهٖ﴾ اور ہم نے ڈال دیا ان کی کرسی پر ﴿جَسَدًا﴾ ایک دھڑ ﴿ثُمَّ اَنَابَ﴾ پھر اس نے رجوع کیا ﴿قَالَ﴾ کہا ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ﴾ اے میرے رب! مجھے بخش دے ﴿وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا﴾ اور عطا کر مجھے ایسا ملک ﴿لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ﴾ جو نہ لائق ہو کسی کے لیے ﴿مِّنْۢ بَعْدِیْ﴾ میرے بعد ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ بے شک آپ ہی دینے والے ہیں ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ﴾ پس تابع کیا ہم نے اس کے ہوا کو ﴿تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ﴾ وہ چلتی تھی اس کے حکم کے ساتھ ﴿رُخَآءً﴾ نرم نرم ﴿حَیْثُ اَصَابَ﴾ جہاں وہ جانا چاہتے تھے۔

ربط آیات:

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہک گئے ان کے لیے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ انھوں نے حساب کے دن کو فراموش کر دیا چاہے زبان سے کیا یا عمل سے کیا کہ جو آخرت کی تیاری نہیں کرتا آخرت کی فکر نہیں

کرتا اسے آخرت کی پروانہیں ہے تو اس نے عملاً آخرت کو فراموش کر دیا ہے۔اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بے کار۔مثال کے طور پر دیکھو! یہ مسجد تمھارے سامنے ہے اس کی دیواریں ہیں، چھت ہے ،فرش ہے۔کیا اس کے بنانے والے نے بے مقصد بنائی ہے؟ نہیں بلکہ اس لیے بنائی ہے کہ لوگ اس میں نماز پڑھیں، قرآن پڑھیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، دینی مجالس ہوں۔تو اس چھوٹی سی بنا کا کوئی مقصد ہے تو اتنا بڑا آسمان اور زمین کیا اللہ تعالیٰ نے بے مقصد پیدا کیے ہیں اس کا کوئی مقصد نہیں ہے؟

دیکھو! مدرسہ، کالج، یونیورسٹی یا کوئی ادارہ بنتا ہے اس کا ایک نصاب ہوتا ہے پھر اس کا امتحان ہوتا ہے۔یہ جو اس کے امتحان کا دن ہوتا ہے اس کا نام یوم حساب ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان بنایا، اس میں مخلوق بسائی، ان کے لیے نصاب مقرر کیا، اس کے امتحان کے دن کو یوم حساب کہتے ہیں۔ اَلدُّنْيَا مَزْرَعُ الْاٰخِرَةِ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔" جو یہاں بوؤ گے وہاں کاٹو گے۔جو یہاں پڑھو گے عمل کرو گے قیامت کے بعد اس کا امتحان ہے۔

اس کو بے کار کون سمجھتے ہیں؟ ﴿ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ یہ خیال ہے ان لوگوں کا جو کافر ہیں ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ﴾ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں آگ میں۔آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کیا ہم کر دیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ان لوگوں کی طرح جو زمین میں فساد مچاتے ہیں۔کیا نیک اور بد کا کوئی فرق نہیں نکلے گا؟ ایک طرف شریف ہیں دوسری طرف غنڈے، بدمعاش اور فسادی ہیں ان کا کوئی فرق نہیں نکلے گا ﴿اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ کیا ہم کر دیں گے پرہیز گاروں کو فاسق فاجروں کی طرح۔دونوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔دیکھو! دنیا میں کتنے نیک ہیں کہ ان کو دنیا میں نیکی کا بدلہ پورا نہیں ملا اور ملا ہے تو بہت تھوڑا۔

آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی نیک ہستی دنیا میں نہیں ہے۔لیکن احادیث میں آتا ہے کہ دو دن مسلسل آپ نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مسلسل تین تین مہینے ہمارے چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی۔یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔کچھ پکانے کے لیے نہیں ہوتا تھا۔آپ ﷺ کے گھر میں چراغ نہیں ہوتا تھا۔مکان اتنا تھا کہ اس میں تین قبریں ہیں۔ایک قبر مبارک آپ کی، ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اور ایک قبر کی جگہ اور ہے بس۔جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے۔تو آپ ﷺ کو اپنی نیکیوں کا صلہ تو نہ ملا۔تو کیا ایسا دن نہیں ہونا چاہیے کہ جہاں وفاداروں اور غداروں کا فرق سامنے آئے۔دنیا کی کوئی حکومت ایسی نہیں ہے جو وفاداروں اور غداروں کو ایک نگاہ سے دیکھے۔یہ الگ بات ہے کہ ان کی وفاداری کا معیار کیا ہے؟ کوئی لوٹا بنتا ہے یا نہیں۔ قیامت نہ آنے

کا مطلب یہ ہے کہ مومن اور کافر ایک جیسے رہیں، مصلح اور فسادی کا فرق نہ ہو، متقی غیر متقی برابر ہوں۔تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین تو نہ ہوا، معاذ اللہ تعالیٰ۔لہٰذا قیامت کا قائم ہونا عقلی طور پر بھی ضروری ہے کہ نیکی اور بدی کا بدلہ دیا جائے اور جس دن بدلہ دیا جائے گا اس کا نام یوم الحساب ہے۔ یہ یوم الحساب کی تھوڑی سی تشریح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ ﴾ یہ کتاب ہے جس کو نازل کیا ہم نے آپ کی طرف اے نبی کریم ﷺ ' ﴿ مُبٰرَكٌ ﴾ برکت والی ہے۔اس کو باوضو ہاتھ لگانا بھی ثواب ہے، اس کو پڑھنا بھی ثواب ہے، اس کو سمجھنا بھی ثواب ہے، اس کو دیکھنا بھی ثواب ہے اور اتاری اس لیے ہے کہ ﴿ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ ﴾ تاکہ قرآن پاک کی آیات پر غور کریں اور سمجھیں۔اس کی ایک ایک آیت سمجھنے کا ثواب ہزار آیت بغیر ترجمے کے پڑھنے سے زیادہ ہے۔کیوں کہ یہ قرآن پاک اتارنے کی غرض ہے۔ رات کے چند منٹ قرآن سمجھنے کے لیے صرف کرنا، حدیث سمجھنے کے لیے صرف کرنا، فقہ اسلامی سمجھنے کے لیے خرچ کرنا ساری رات کی عبادت کرنے سے زیادہ ثواب ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے: فَقِيْهٌ وَاحِدٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ عَابِدٍ ''ایک عالم ہزار عبادت گزار سے بہتر ہے۔'' کیوں کہ ان کی عبادت اپنی ذات کے لیے ہے اور جو عالم ہے وہ دوسروں کی اصلاح بھی کرے گا۔ تو فرمایا کہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ اس میں غور وفکر کریں۔

اور یاد رکھنا! یہ قرآن صرف مولویوں کے لیے، قاریوں کے لیے، حافظوں کے لیے نازل نہیں ہوا ہر مسلمان مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بچوں، سب کے لیے نازل ہوا ہے تاکہ اس کی آیات پر غور کریں اس کو سمجھیں۔اور آج حالت یہ ہے کہ لوگ کالج سکولوں میں پڑھنے کے لیے کافی تعداد میں جاتے ہیں ٹیوشنیں بھی دیتے ہیں اور قرآن کریم مفت پڑھنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے پڑھنے والے بہت کم ہیں۔فرمایا ﴿ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقل مند۔اور نصیحت سمجھنے سے حاصل ہوگی محض چوم چاٹ کر غلاف میں رکھنے سے تو نہیں آئے گی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ

آگے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما کر آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو صبر کی تلقین فرمائی ہے کہ حضرت داؤد ﷺ پر آزمائش آئی تو انھوں نے صبر اور برداشت سے کام لیا آپ ﷺ بھی پریشانیوں میں صبر سے کام لیں کامیابی آپ ﷺ کے قدم چومے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ﴾ اور عطا کیا ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا جلیل القدر فرزند ﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ ﴾ بہت اچھا بندہ تھا ﴿ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴾ وہ رجوع کرنے والا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف۔باپ بیٹا دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نبوت کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا فرمائی۔حضرت داؤد علیہ السلام کے کل انیس بیٹے تھے جن میں سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔اللہ تعالیٰ نے جنوں،

پرندوں اور ہوا کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا۔ اور قوت فیصلہ ایسی عطا فرمائی تھی کہ باپ کی موجودگی میں اور کم سنی کی عمر میں بڑے بڑے فیصلے کر جاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ اگلی آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک آزمائش کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ﴾ جب پیش کیے گئے آپ پر پچھلے پہر نہایت ہی عمدہ اصیل گھوڑے تیز رفتار۔ صفن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو عام طور پر اپنے تین پاؤں پر وزن ڈالتا ہے اور چوتھے پاؤں کا صرف اگلا پنجہ زمین پر رکھتا ہے۔ نسلی طور پر یہ گھوڑے کے عمدہ ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے اصطبل میں اس قسم کے ہزاروں گھوڑے تھے جو جہاد میں استعمال ہوتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ان کی دیکھ بھال خود کرتے تھے۔ یہ گھوڑے آپ کی خدمت میں پچھلے پہر پیش کیے گئے آپ ان کے معاینے میں مصروف تھے کہ کسی گھوڑے میں کوئی نقص تو نہیں آ گیا۔ گھوڑوں کے معاینے میں اس قدر محو ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور نماز کا وقت جاتا رہا۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے ﴿فَقَالَ﴾ پس فرمایا ﴿اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ﴾ بے شک میں نے محبت کی مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے پردے کے پیچھے کہ گھوڑے جہاد میں کام آتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال اور تربیت بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو ذکر الٰہی فوت ہو جانے پر پریشانی نہیں ہوئی کہ جہاد کی تیاری میں ذکر الٰہی کا فوت ہو جانا کوئی خاص حرج والی بات نہیں ہے۔

چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے خادموں کو حکم دیا ﴿رُدُّوْهَا عَلَیَّ﴾ لوٹاؤ ان کو مجھ پر۔ ان گھوڑوں کو واپس میرے پاس لاؤ۔ پس جب ان کو واپس لایا گیا ﴿فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ﴾ پس وہ لگ گئے جھاڑنے ان کی پنڈلیوں کو اور گردنوں کو۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام کو جہاد میں کام آنے والے عمدہ قسم کے گھوڑوں سے محبت تھی اس لیے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔

اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ جب گھوڑوں کی دیکھ بھال میں سلیمان علیہ السلام کی عبادت کا فریضہ رہ گیا تو آپ کو سخت رنج ہوا اور کہنے لگے کہ میں نے مال کی محبت کو ذکر الٰہی پر ترجیح دی ہے۔ اپنے آپ کو ملامت کی کہ ان سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ تو ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا کہ مسح کا معنیٰ قطع کرنا بھی آتا ہے کہ ان میں مشغول ہونے کی وجہ سے فرض عبادت رہ گئی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش

آگے سلیمان علیہ السلام کی دوسری آزمائش کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمائش میں ڈالا سلیمان علیہ السلام کو ﴿وَ اَلْقَیْنَا عَلٰى كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا﴾ اور ہم نے ڈال دیا ان کی کرسی پر ایک دھڑ ﴿ثُمَّ اَنَابَ﴾ پھر اس

نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے فوجیوں نے کچھ سستی کی تو وہ سخت دل برداشتہ ہوئے قسم اٹھائی کہ میں رات اپنی سو بیویوں کے پاس جاؤں گا وہ حاملہ ہوں گی ان سے بچے پیدا ہوں گے میرے گھر کی فوج بن جائے گی۔ مگر قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس کے ہاں بھی ایک ادھورا سا بچہ پیدا ہوا جسے لاکر آپ کے تخت پر ڈال دیا گیا تاکہ آپ جان لیں کہ آپ کی قسم کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی لغزش کا احساس ہوا اور پروردگار کی طرف رجوع کیا اور معافی مانگی۔

اور صحیح حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر سلیمان علیہ السلام قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سو کی سو بیویوں کے ہاں بچے پیدا ہوتے۔ ﴿قَالَ﴾ سلیمان علیہ السلام نے کہا ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ﴾ اے میرے رب مجھے معاف کر دے ﴿وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ﴾ اور عطا کر مجھے ایسا ملک جو نہ لائق ہو کسی کے لیے میرے بعد ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ بے شک آپ ہی دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور بے مثال سلطنت عطا فرمائی انسانوں پر، جنوں پر اور پرندوں پر حکومت عطا فرمائی اور اتنی عظیم الشان اور بے مثال حکومت ہونے کے باوجود سلیمان علیہ السلام نے بیت المال سے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ اپنے اہل وعیال کے اخراجات ٹوکریاں بنا کر پورے کرتے تھے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے بعض انعامات کا ذکر فرمایا ہے ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ﴾ پس تابع کر دیا ہم نے ان کے لیے ہوا کو ﴿تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً﴾ وہ چلتی تھی اس کے حکم کے ساتھ نرم نرم۔ اور اس ہوا کے ذریعے ﴿حَیْثُ اَصَابَ﴾ جہاں بھی جانا چاہتے تھے بحفاظت سرعت کے ساتھ بآسانی پہنچ جاتے تھے۔ سورہ سبا آیت نمبر ۱۲ میں ہے ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ "آپ صبح کے وقت ایک ماہ کا سفر طے کر لیتے تھے اور شام کے وقت بھی ایک ماہ کا سفر طے کر لیتے تھے۔"

﴿وَالشَّیٰطِیْنَ﴾ اور تابع کیا شیاطین کو ﴿كُلَّ بَنَّآءٍ﴾ ان میں سے ہر ایک عمارت بنانے والا ﴿وَّغَوَّاصٍ﴾ اور غوطہ لگانے والا ﴿وَّاٰخَرِیْنَ﴾ اور بہت سارے دوسرے ﴿مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ﴾ جو جکڑے ہوئے تھے بیڑیوں میں ﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا﴾ یہ ہماری عطا ہے ﴿فَامْنُنْ﴾ پس تم احسان کرو ﴿اَوْ اَمْسِكْ﴾ یا روک دو ﴿بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ بغیر حساب کے ﴿وَاِنَّ لَهٗ﴾ اور بے شک اس کے لیے ﴿عِنْدَنَا﴾ ہمارے ہاں ﴿لَزُلْفٰی﴾ البتہ مرتبہ ہے ﴿وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور اچھا ٹھکانا ہے ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ﴾ اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندے ایوب کا (علیہ السلام) ﴿اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ﴾ جب پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ﴾ بے شک مجھے پہنچائی شیطان نے تکلیف ﴿وَّعَذَابٍ﴾ اور ایذا ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ﴾ مارو اپنے پاؤں کو زمین پر ﴿هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ﴾ یہ ایک چشمہ ہے نہانے کے لیے ﴿بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ ٹھنڈا اور پینے کے لیے ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ﴾ اور عطا کیے ہم نے ان کو ان کے

گھر والے ﴿ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ﴾ اور ان کے برابر ان کے ساتھ ﴿ رَحْمَةً مِّنَّا ﴾ اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے ﴿ وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ اور نصیحت ہے عقل مندوں کے لیے ﴿ وَ خُذْ بِيَدِكَ ﴾ اور پکڑ لو اپنے ہاتھ سے ﴿ ضِغْثًا ﴾ تنکوں کا گٹھا ﴿ فَاضْرِبْ بِّهٖ ﴾ پس مارو اس کے ساتھ ﴿ وَ لَا تَحْنَثْ ﴾ اور حانث نہ ہو ﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ﴾ بے شک پایا ہم نے اس کو صبر کرنے والا ﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ ﴾ اچھا بندہ تھا ﴿ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴾ بے شک وہ رجوع کرنے والا تھا ﴿ وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ ﴾ اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندوں کا ﴿ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ﴾ ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کا ﴿ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ ﴾ جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ﴿ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ﴾ بے شک ہم نے ان کو ممتاز کیا ایک چنی ہوئی بات کے ساتھ ﴿ ذِكْرَى الدَّارِ ﴾ جو اس گھر کی یاد ہے ﴿ وَ اِنَّهُمْ ﴾ اور بے شک وہ ﴿ عِنْدَنَا ﴾ ہمارے ہاں ﴿ لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴾ چنے ہوئے لوگوں میں سے ہیں ﴿ وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ ﴾ اور یاد کریں اسماعیل علیہ السلام کو ﴿ وَ الْيَسَعَ ﴾ اور یسع علیہ السلام کو ﴿ وَ ذَا الْكِفْلِ ﴾ اور ذو الکفل علیہ السلام کو ﴿ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴾ یہ سارے خوبی والے تھے۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے بھی سلیمان علیہ السلام پر احسان کا ذکر تھا۔ آج کی پہلی آیات میں بھی سلیمان علیہ السلام پر ایک احسان کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ الشَّيٰطِيْنَ ﴾ اور ہم نے شیطانوں کو بھی آپ کے تابع کیا ﴿ كُلَّ بَنَّآءٍ ﴾ جن میں سے ہر ایک عمارتیں بنانے والا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ذریعے بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ جنات بڑے بڑے بھاری پتھر دور دراز سے اٹھا کر لاتے ان کو تراشتے اور اوپر کی منزل تک پہنچاتے اور ان سے دھاتوں کی ڈھلائی کا کام بھی لیتے تھے جس سے عمارتوں کے جملہ لوازمات تیار ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ فرمایا ﴿ وَّ غَوَّاصٍ ﴾ ان میں غوطہ خور شیاطین بھی تھے جو سمندر کی گہرائیوں سے قیمتی موتی اور ضرورت کی دوسری چیزیں نکال لاتے تھے ﴿ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴾ اور بہت سارے دوسرے جنات وہ تھے جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام شرارتی جنوں کو سزا کے طور پر قید بھی کر دیتے تھے۔ بہر حال جنات بھی سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوتے تھے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ هٰذَا عَطَآؤُنَا ﴾ یہ سب کچھ ہماری طرف سے تمھیں عطا ہوا ہے اب آپ کے اختیار میں ہے ﴿ فَامْنُنْ ﴾ پس تم احسان کرو جس پر چاہو تقسیم کر کے ﴿ اَوْ اَمْسِكْ ﴾ یا روک لو جس سے چاہو، کچھ نہ دیں۔ آپ جس طرح کریں آپ کو اختیار ہے ﴿ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ بغیر حساب کے یعنی اس تقسیم پر آپ سے قیامت والے دن کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى﴾ اور بے شک ان کا ہمارے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہمارے انعامات دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کا بہت بڑا حصہ ہے ﴿وَ حُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور بہت اچھا ٹھکانا ہے آخرت میں۔

تذکرہ حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ﴾ اور آپ یاد کریں ہمارے بندے ایوب کو (علیہ السلام) حضرت ایوب علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح ہے : ایوب بن عوص بن عیس بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔ گویا کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑ پوتے ہیں اور آپ کی والدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر تھے اور دنیاوی اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی تھی۔ کھیتی باڑی کے لیے ایک ہزار بیل تھے، سات ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں تھیں، تین ہزار سے زیادہ اونٹ تھے، ایک ہزار سے زیادہ بار برداری کے لیے گدھے خچر وغیرہ تھے، پانچ سو سے زیادہ خدام تھے، ہر وقت لنگر جاری رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سات بیٹے اور سات بیٹیاں ان کو عطا فرمائی تھیں۔ تفسیروں میں بہت ساری باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایوب کے ذہن میں خیال آیا کہ اس علاقہ میں مجھ سے بڑا مال دار کوئی نہیں ہے یعنی اپنے مال پر تھوڑا سا ناز کیا۔ یہ رب تعالیٰ کو پسند نہ آیا رب تعالیٰ نے امتحان میں مبتلا کر دیا۔

اور یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ راستے میں ایک مظلوم نے اپنی مظلومیت بیان کی اور مدد چاہی ان کو جلدی تھی چلے گئے اور اس کی مدد نہ کی اور تیسری وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک دن ایوب علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کو فرمایا کہ بکری ذبح کر کے بھونو خود بھی کھاؤ مجھے بھی کھلاؤ۔ پہلے پڑوسیوں کو دینے کی عادت تھی اس دن بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا۔ کوئی بھی وجہ ہو یہ بات حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انانیت پسند نہیں ہے۔ فخر و ناز پسند نہیں ہے تواضع اور عاجزی پسند ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ایک لڑکے نے سب بہن بھائیوں کی دعوت کی والدین سمیت۔ والدہ رحمت بی بی اور والد ایوب علیہ السلام نے کہا سارے مکان کو بند کر کے جانا مشکل ہے بہت بڑا مکان تھا کوئی کتا بلا اندر نہ آجائے تم سارے جا کر کھا کر فارغ ہو کر آجاؤ پھر ہم جا کر کھا لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رب تعالیٰ کی قدرت کہ کھانا کھا رہے تھے کہ مکان گرا سب نیچے آکر مر گئے۔ بیٹے بیٹیاں، داماد، بہو، چھوٹا، بڑا کوئی بھی نہ بچا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ دیکھو آج گھر میں ایک فرد فوت ہو جائے تو کتنا صدمہ ہوتا ہے۔ صدمے کا کوئی حساب نہیں تھا۔ ملازموں سے فرمایا کہ یہ مال ڈنگر تمھارا ہے اب میں نے اس کا کیا کرنا ہے۔ ملازموں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ کچھ ملازم لے گئے کچھ دوسرے لوگ لے گئے۔ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا کہ بی بی دوسروں کے گھروں میں جا کر کام کرتی تھی اور روٹی وغیرہ لے آتی تھی۔ جہاں ہر وقت دیگیں پکتی ہوں وہاں یہ حال ہو جائے کہ کسی کے گھر جھاڑو پھیر کر روٹی لاتے۔ بہت بڑا امتحان ہے۔ یہ حالت کتنا عرصہ رہی؟ تین سال، سات سال، تیرہ سال اور اٹھارہ سال بھی لکھے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پائے کے محدث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے تیرہ سال والی روایت قوی ہے۔ آج تو بندہ ایک دن کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا۔ سات سال بھی کیا کم ہیں۔ بعض تفسیروں میں کہاوتیں لکھی ہیں جو صحیح نہیں ہیں کہ ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے یہ تھا وہ تھا یہ نری خرافات ہیں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو ایسی بیماری سے محفوظ رکھتا ہے جو لوگوں کی نفرت کا سبب ہو۔ کوئی پیغمبر گنجا نہیں تھا، کوئی کوڑھ والا نہیں تھا البتہ جسم کے اندر درد، پیٹ درد، بخار، صدمہ وغیرہ یہ نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔ بہر حال بی بی بڑی باوفا تھی محنت مشقت کر کے خود بھی کھاتی ان کو بھی کھلاتی۔ اس نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ ایک گھر آ رہی تھی کہ ایک جگہ مجمع لگا ہوا تھا اس میں ایک حکیم کھڑا لوگوں کو گولیاں، پڑیاں دے رہا تھا۔ یہ بھی جا کر کھڑی ہوگئی اور کہا کہ میرا خاوند بیمار ہے اور میرے پاس پیسا دھیلا بھی کوئی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ رحمت بی بی بنت فرائیم۔ خاوند کا نام کیا ہے۔ ایوب بن عیص علیہ السلام۔ کہنے لگا بی بی! میں نے کوئی پیسا نہیں لینا یہ دوائی مفت لے کر جاؤ مگر اتنی بات کہہ دینا کہ حکیم نے شفا دی ہے۔ وہ بناوٹی حکیم ابلیس لعین تھا۔ بی بی پڑیاں لے کر گھر گئی اور کہا کہ حکیم نے دوائی مفت دی ہے اور کہا ہے کہ بس اتنا کہہ دینا کہ حکیم نے شفا دی ہے۔ یہ شرکیہ جملہ تھا اگرچہ اس کی تاویل ہو سکتی تھی کہ حکیم شفا کا سبب بنا ہے شفا تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ ؎

دوا اس سے شفا اس سے نہ دوسرا شافی پایا
حکیموں کے بھی نسخوں پر ہوالشافی لکھا پایا

بہر حال حضرت ایوب علیہ السلام کو اس جملے پر غصہ آیا کہ یہ کہہ دینا کہ حکیم نے شفا دی ہے۔ فرمایا میں تجھے سو لاٹھیاں ماروں گا ابلیس کو اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ وہ میرے ایمان پر ڈاکا ڈالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ﴾ اور ذکر کریں ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کا ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ﴾ جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾ بے شک مجھے پہنچائی ہے شیطان نے تکلیف اور ایذا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے جوش مارا اور ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ﴾ اپنے پاؤں کو زمین پر مارو ﴿هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ یہ ایک چشمہ ہے نہانے کے لیے ٹھنڈا اور پینے کے لیے۔ حضرت ایوب علیہ السلام جوانوں کی طرح ہو گئے۔ رحمت بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے واپس آئی تو پہچان نہ سکی۔ کہنے لگی یہاں میرے بیمار اور کمزور خاوند تھے؟ فرمایا میں ہی ہوں ایوب پیغمبر۔ اللہ تعالیٰ نے تندرستی دی ہے۔ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ اور عطا کیے ہم نے ان کو ان کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ۔

ایک روایت یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسی اولاد کو زندہ کیا اور اتنے بچے اور دیئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت دی پہلے سات بیٹے تھے اب چودہ عطا فرمائے۔ تین بیٹیاں تھیں اب چھ دے دیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام غسل کر رہے تھے تو اوپر سے سونے کی مکڑیاں گر رہی تھیں۔ ڈھیر لگ گیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام

نے جلدی جلدی کپڑے سے لپیٹنا شروع کیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی اَ لَمْ اَ کُنْ اُغْنِیْكَ ''اے ایوب میں نے تجھے غنی نہیں کیا مال کے ساتھ۔'' کہنے لگے اے پروردگار! جب آپ دینے والے ہیں تو پھر میں کیوں نہ لوں۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ فرمایا ﴿رَحْمَةً مِّنَّا﴾ اپنی طرف سے رحمت کرتے ہوئے یہ سب کچھ کیا ﴿وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ اور نصیحت ہے عقل مندوں کے لیے۔ اب تندرستی کے بعد قسم بھی پوری کرنا تھی اور یہ فکر بھی تھی کہ باوفا بیوی ہے جس نے اتنی بیماری میں میرا ساتھ دیا ہے، میری خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ پریشان نہ ہوں سوتنکوں کا ایک جھاڑو لے کر ایک ہی بار ماردیں آپ کی قسم پوری ہوجائے گی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو قسم پوری کرنے کا حیلہ بتلادیا۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا﴾ اور پکڑلو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا گٹھا ﴿فَاضْرِبْ بِّهٖ﴾ پس مارو اس کے ساتھ ایک ہی دفعہ ﴿وَلَا تَحْنَثْ﴾ اور قسم میں جھوٹے نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا﴾ بے شک پایا ہم نے ایوب علیہ السلام کو صبر کرنے والا۔ انھوں نے طویل عرصہ تک تکلیف اٹھائی مگر حرف شکایت زبان پر نہ آیا ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ وہ بہت ہی اچھا بندہ تھا ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ ایوب کے ذکر کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اور آپ ذکر کریں ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا۔ اسحاق علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور یعقوب علیہ السلام پوتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ﴿اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ﴾ وہ ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے کہ جائز کام کرتے تھے اور منع کی ہوئی چیزوں سے بچتے تھے اور جو اس طرح کریں وہی اصل میں ہاتھوں اور آنکھوں والے ہیں۔ اور جو لوگ ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے وہ گویا کہ ان اعضاء سے محروم ہیں۔ فرمایا ﴿اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ بے شک ہم نے ان کو ممتاز کیا ایک چنی ہوئی بات کے ساتھ اور آخرت کے گھر کی یاد۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا دل ایک لمحہ بھی آخرت کے گھر کی یاد سے خالی نہیں ہوتا اور انہیں ہمیشہ اسی گھر کی فکر رہتی ہے۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر گناہ سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی عصمت کی دوسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے ﴿وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ﴾ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک منتخب اور اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ ان کو نبوت اور رسالت کے لیے خود منتخب فرمایا کوئی ڈگری پاس کر کے نبی اور رسول نہیں بن گئے کیونکہ نبوت کوئی کسبی چیز نہیں ہے۔

مزید پیغمبروں کا ذکر فرمایا ﴿وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ﴾ اور آپ ذکر کریں اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ یہ سارے خوبی والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت عطا فرمائی اور رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعات تو مشہور ہیں الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد ان کے جانشین بنے تھے ان پر بڑی مصیبتیں آئیں جن کو انھوں نے بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کو ذوالکفل کہنے کی وجہ

اور ذوالکفل نے کسی شخص کی ضمانت دی تھی جس کی بنا پر ان کو چودہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ جیل میں گزارنا پڑا اس وجہ سے یہ ان کا لقب پڑ گیا۔ نام کچھ اور تھا۔ بعض مفسرین ذوالکفل کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے دور کے ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کر دیتے تھے مگر انھوں نے ایک سو انبیائے کرام کو پناہ دی اور ان کی کفالت کی اس لیے آپ کا لقب ذوالکفل پڑ گیا۔

﴿هٰذَا ذِكْرٌ﴾ یہ نصیحت ہے ﴿وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور بے شک پرہیز گاروں کے لیے ﴿لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ البتہ اچھا ٹھکانا ہے ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ باغات ہیں رہنے کے ﴿مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ ان کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں ﴿مُتَّكِـٕیْنَ فِیْهَا﴾ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اس میں ﴿یَدْعُوْنَ فِیْهَا﴾ طلب کریں گے اس میں ﴿بِفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ﴾ پھل بہت سے ﴿وَّ شَرَابٍ﴾ اور پینے کی چیزیں ﴿وَعِنْدَهُمْ﴾ اور ان کے پاس ہوں گی ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ نیچی نگاہ رکھنے والیاں ﴿اَتْرَابٌ﴾ ہم عمر ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ﴿لِیَوْمِ الْحِسَابِ﴾ حساب کے دن ﴿اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا﴾ بے شک یہ البتہ ہمارا رزق ہے ﴿مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ﴾ نہیں ہے اس کے لیے ختم ہونا ﴿هٰذَا﴾ یہ ایسا ہی ہوگا ﴿وَ اِنَّ لِلطّٰغِیْنَ﴾ اور بے شک سرکشوں کے لیے ﴿لَشَرَّ مَاٰبٍ﴾ البتہ برا ٹھکانا ہے ﴿جَهَنَّمَ﴾ وہ دوزخ ہے ﴿یَصْلَوْنَهَا﴾ داخل ہوں گے وہ اس میں ﴿فَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ پس بہت ہی بری جگہ ہے ﴿هٰذَا﴾ اس کو ﴿فَلْیَذُوْقُوْهُ﴾ پس وہ اس کو چکھیں گے ﴿حَمِیْمٌ﴾ وہ گرم پانی ہوگا ﴿وَّ غَسَّاقٌ﴾ اور پیپ ﴿وَّ اٰخَرُ﴾ اور مزید بھی ﴿مِنْ شَكْلِهٖۤ﴾ اس کے ساتھ ملتا جلتا ﴿اَزْوَاجٌ﴾ مختلف قسم کا ﴿هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ﴾ یہ ایک فوج ہے داخل ہو رہی ہے تمھارے ساتھ ﴿لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ﴾ نہ خوش آمدید ہوگی ان کے لیے ﴿اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ﴾ بے شک وہ داخل ہونے والے ہیں دوزخ کی آگ میں ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ﴾ بلکہ تمھارے لیے خوش آمدید نہ ہو ﴿اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا﴾ تم نے اس کفر کو پیش کیا تھا ہمارے سامنے ﴿فَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ پس برا ٹھکانا ہے ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿رَبَّنَا﴾ اے رب ہمارے ﴿مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا﴾ جس نے پیش کیا ہے ہمارے لیے یہ ﴿فَزِدْهُ﴾ پس آپ اس کے لیے زیادہ کریں ﴿عَذَابًا ضِعْفًا﴾ دگنا عذاب ﴿فِی النَّارِ﴾ آگ میں ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور وہ کہیں گے ﴿مَا لَنَا﴾ ہمیں کیا ہوگیا ہے ﴿لَا نَرٰى رِجَالًا﴾ ہم نہیں دیکھتے

ان لوگوں کو ﴿كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ جن کو ہم شمار کرتے تھے شریر ﴿اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا﴾ کیا بنایا ہم نے ان کو ٹھٹھا ﴿اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ﴾ یا آنکھیں ان سے چوک رہی ہیں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ ﴿لَحَقٌّ﴾ البتہ حق ہے ﴿تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ آپس میں جھگڑا کرنا دوزخیوں کا۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض پیغمبروں کا نام لے کر فرمایا ﴿كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ﴾ "یہ سب کے سب نیک تھے۔" ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں سے بڑھ کر کوئی نیک نہیں ہو سکتا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ﴿هٰذَا ذِكْرٌ﴾ یہ نصیحت ہے پیغمبروں کا ذکر کرنا ﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ اور بے شک پرہیز گاروں کے لیے البتہ اچھا ٹھکانا ہے۔ جنت میں پیغمبروں کا مقام تو بہت بلند ہوگا اور دوسرے متقین اپنے اپنے درجے کے اعتبار سے جنت میں ہوں گے۔ وہ اچھا ٹھکانا کیا ہے؟ فرمایا ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ وہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ﴿مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ ان کے دروازے کھلے ہوں گے ہر موسم میں کہ ہمہ وقت پھل دار ہوں گے۔

دُنیا کے باغوں کے پتے موسم خزاں میں جھڑ جاتے ہیں ان کے پتے نہیں جھڑیں گے ان کا پھل کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [سورۃ الواقعہ] ''نہ قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے۔'' جنت کے پھلوں کی یہ خصوصیت ہے کہ جہاں سے کوئی دانہ توڑا جائے گا فوراً اس پر دوسرا لگ جائے گا۔ دنیا کے باغوں میں چوکیدار ہوتے ہیں مالی ہوتے ہیں جو کسی کو کھانے نہیں دیتے بلکہ چڑیوں اور طوطوں کو روکتے ہیں۔ وہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی جہاں سے جس کا دل چاہے کھائے پیے۔ معزز مہمانوں کے لیے دروازے کھلے ہوں گے۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جس دروازے سے اللہ تعالیٰ جس کو اجازت دے گا وہ اسی دروازے سے داخل ہوگا۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ آٹھوں دروازوں سے بلانے والے ان کو بلائیں گے کہ تم یہاں سے داخل ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض ایسے جنتی ہوں گے کہ ان کو آٹھوں دروازوں سے بلایا جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! داخل ہونے کے لیے تو ایک دروازہ ہی کافی ہے مگر کوئی ایسا بندہ بھی ہوگا کہ جس کے لیے آٹھوں دروازے بے تاب ہوں گے؟ فرمایا ہاں! وَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ ''اے ابوبکر میں امید کرتا ہوں کہ آپ انھی میں سے ہوں گے جن کے لیے آٹھوں دروازے کھلے ہوں گے۔'' کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر نیکی میں پیش پیش تھے۔

فرمایا ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا﴾ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اس میں کرسیوں پر۔ سورہ المطففین پارہ ۳۰ میں ہے ﴿عَلَى الْاَرَآىِٕكِ﴾ ''آرام دہ کرسیوں پر ہوں گے۔'' جو گھومنے والی ہوتی ہیں جدھر کا ارادہ کریں گے ادھر پھر جائیں گی۔ پھیرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ٹیک لگا کر مزے سے بیٹھیں گے ﴿يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ﴾ طلب کریں گے ان جنتوں میں پھل کثرت کے ساتھ۔ سورۃ الدھر پارہ ۲۹ میں ہے ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ ''اور ان کے سامنے پھریں گے بچے جو ہمیشہ رہیں گے ﴿اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝﴾ جب تو ان کو دیکھے گا تو بکھرے ہوئے موتیوں جیسا خیال کرے گا۔'' جس طرح حوریں جنت کی مخلوق ہیں اسی طرح چھوٹے بچے بھی وہاں کی مخلوق ہوگی موتیوں کی طرح خوب صورت۔ وہ پلیٹوں میں پھل ڈال کر سامنے لا کر رکھیں گے جس پھل کے لیے جس کا جی چاہے کھائے ﴿وَشَرَابٍ﴾ اور پینے کی چیزیں ہوں گی، شراب طہور، شہد، دودھ، خالص پانی، کوثر کا پانی، زنجبیل اور کافور کا پانی جو چاہیں گے ملے گا ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ اور ان کے پاس حوریں ہوں گی نیچی نگاہ رکھنے والیاں، بڑی شرم وحیا والی بیبیاں اَتْرَابٌ ہم عمر اَتراب تِرْبٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے ہم عمر۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ حوریں ہم عمر ہوں گی۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ جوڑے آپس میں ہم عمر ہوں گے یعنی جنتی مرد اور حوریں۔ جنت کی حوروں کے ساتھ ساتھ دنیا والی بیویاں بھی ہوں گی۔

دنیا کی بیویوں کا حسن و جمال حوروں سے زیادہ ہوگا اور ان کو حوروں پر فضیلت حاصل ہوگی۔ حوریں ان کو کہیں گی ہم جنتی مخلوق ہیں کستوری، زعفران، عنبر اور کافور سے پیدا ہوئی ہیں تمھیں ہم پر فضیلت کیسے حاصل ہوگئی؟ یہ جواب دیں گی کہ نمازوں اور روزوں کی برکت سے۔ دنیا میں گرمی اور سردی کی تکلیف برداشت کرنے کی برکت ہے، اہل خانہ کی خدمت کی برکت سے اور تم جنت میں خالی بیٹھ کر کھاتی رہی ہو۔ یہ دنیاوی تکالیف رفع درجات کا ذریعہ ہیں۔ فرمایا ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا حساب کے دن کہ یہ چیزیں تمھیں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی ذات اور کون ہے ﴿اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا﴾ بے شک یہ ہمارا رزق ہے کثرت سے پھل اور پینے کی چیزیں ﴿مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ﴾ نہیں ہوگا اس رزق کے لیے ختم ہونا ﴿هٰذَا﴾ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے ہم نے کہا ہے ﴿وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ﴾ اور بے شک سرکشوں کے لیے ﴿لَشَرَّ مَاٰبٍ﴾ البتہ برا ٹھکانا ہے۔ وہ ٹھکانا کون سا ہے ﴿جَهَنَّمَ﴾ وہ دوزخ ہے ﴿يَصْلَوْنَهَا﴾ وہ داخل ہوں گے اس میں ﴿فَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ پس بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے تمام مومنین اور مومنات کو دوزخ کے عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

اس دنیا کی آگ میں لوہا تک پگل جاتا ہے اور بعض پتھر جل کر چونا بن جاتے ہیں اور دوزخ کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہے اگر وہاں مارنا مقصود ہو تو اس کا ایک جھونکا ہی کافی ہے لیکن وہاں تو ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ [سورۃ الاعلیٰ] ''نہ مرے گا نہ جیے گا۔'' آرزو کرے گا ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ [الحاقہ:۲۷] ''کاش یہ موت مجھے ختم کر دیتی۔'' خود اپنے لیے بددعائیں کریں گے ﴿فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ [سورۃ الانشقاق] ''پس وہ ضرور پکاریں گے ہلاکت کو۔'' یا اللہ ہمیں ہلاک کر دے یا اللہ ہمیں مار دے۔ ایک ہزار سال تک چیخیں گے پکاریں گے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوگی پھر جہنم کے انچارج فرشتے مالک علیہ السلام کو کہیں گے

﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [الزخرف:۷۷] ''اے مالک چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر آپ کا پروردگار'' تم اپنے رب سے ہاں درخواست کرو کہ وہ ہمیں مار دے۔ عذاب سے تنگ آ کر خود بھی موت مانگیں گے اور مالک علیہ السلام سے بھی کہیں گے کہ تم بھی اپیل کرو کہ رب ہمیں ختم کر دے ﴿هٰذَا﴾ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے ہم نے کہا ہے ﴿فَلْيَذُوْقُوْهُ﴾ پس وہ اس کو چکھیں گے۔ جہنم کے عذاب کو ﴿حَمِيْمٌ﴾ گرم پانی ایسا کہ اس کی شدت سے ہونٹ جل جائیں گے مگر بندہ پینے پر مجبور ہوگا۔

عذابِ جہنم

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ہونٹ لٹک کر نیچے ناف تک پہنچ جائے گا اور اوپر والا ہونٹ پیشانی کے ساتھ جا لگے گا ﴿وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ [مومنون:۱۰۴] ''اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے۔'' بندہ بندے کو دیکھ کر حیران ہوگا یہ وہ ہے جو دنیا میں کہتا تھا کہ میں حسین ہوں آج دیکھو اس کا کیا حال ہے؟ پھر وہ پانی جب پیٹ میں جائے گا تو ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ [محمد:۱۵] ''انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پاخانے کے راستے باہر پھینک دے گا۔'' پھر فرشتے ان انتڑیوں کو لے کر منہ کے ذریعے اندر ڈال دیں گے ﴿وَّغَسَّاقٌ﴾ اور پیپ پئیں گے بدبودار۔ جس پانی سے زخموں کو دھویا جاتا ہے جس سے زخم دھلتے ہیں اور خون کو بھی عربی میں غساق کہتے ہیں۔ جس کو آج بندہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ حکم ہوگا اس کو پیو ﴿وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ﴾ اور مزید بھی اس کے ساتھ ملتا جلتا مختلف قسم کا۔ مثلاً: پیشاب پینے پر مجبور کیا جائے گا، پاخانہ کھانے پر مجبور کیا جائے گا، مادہ تولید جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے مردوں اور عورتوں کو کھانے پر مجبور کیا جائے گا۔ دنیا میں تم نے بڑی عیش کی ہے آج یہ چیزیں کھاؤ۔ یہ سب چیزیں حق ہیں کوئی شک وشبے کی بات نہیں ہے ﴿هٰذَا فَوْجٌ﴾ یہ ایک فوج ہے۔ وڈیرے پہلے دوزخ میں داخل کیے جائیں گے دنیا میں جو آگے آگے ہوتے تھے۔ مثلاً: بدکردار پیر، غلط استاد، غلط قسم کے استاد اور لیڈر اور وڈیرے۔ یہ دوزخ میں پہلے داخل کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ ان کے مریدوں اور شاگردوں کو اور ماننے والوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ جو پہلے دوزخ میں جائیں گے وہ ان کو کہیں گے ﴿هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ﴾ یہ ایک فوج ہے داخل ہو رہی ہے تمہارے ساتھ۔ دیکھو! یہ بدبخت بھی یہاں آ رہے ہیں جہاں ہم ہیں ﴿لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ﴾ نہ خوش آمدید ہوگی ان کے لیے۔ ان کو یہ نہیں کہیں گے کہ تمھارا آنا اچھا ہے تمھارے لیے ہمارے دل میں جگہ ہے یہ مکان تمھارے لیے کشادہ ہے۔ بلکہ کہیں گے ہم تو دوزخ میں آئے ہیں یہ بدبخت بھی آ گئے ہیں ﴿اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ﴾ بے شک وہ داخل ہونے والے ہیں دوزخ کی آگ میں۔ مرید اور شاگرد ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ﴾ بلکہ تمھارے لیے خوش آمدید نہ ہو۔ تمھارے لیے خوش حالی نہ ہو کیوں کہ ﴿اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا﴾ یہ تم نے اس کفر کو پیش کیا تھا ہمارے سامنے۔ یہ کفر، شرک، نافرمانی تم نے ہمارے سامنے پیش کیے تھے او ظالمو! تم نے یہ ہمارا بیڑا غرق کیا ﴿فَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ پس بُرا ٹھکانا ہے۔ کاش کہ یہ باتیں لوگوں کو دنیا میں سمجھ آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں جگہ جگہ فرماتے ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ''کیا پس یہ سمجھتے نہیں ہیں یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔'' وہاں کہیں گے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ

﴿اَوْنَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [سورۃ الملک] " کاش کہ ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔" یا تو حق والوں کی بات سنتے یا خود تحقیق کرتے تو آج دوزخی نہ ہوتے۔ ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے مگر ضد اور ہٹ دھرمی بہت بُری شے ہے۔ جن لوگوں نے کفر شرک اختیار کیا ہے وہ مغالطے کا شکار کم ہیں ضد، دھڑے بازی اور فرقہ بندی کا شکار زیادہ ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ بات ایسی ہے لیکن ماحول اور دھڑے بندی سے مجبور ہیں اس لیے حق کو قبول نہیں کرتے۔

﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے جو بعد میں داخل ہوں گے مرید، شاگرد، تابع وغیرہ ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا﴾ جس نے پیش کیا ہے ہمارے لیے یہ۔ جس نے ہمارے لیے یہ چیزیں کفر و شرک آگے بھیجی ہیں ﴿فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ﴾ آپ اس کے لیے زیادہ کریں دگنا عذاب دوزخ کی آگ کا ان کو دے۔ ہمارا عذاب بھی ان کو دے اور ان کا عذاب بھی ان کو دے کہ یہ ہمارے گرو ہیں ہمارے استاد ہیں، ہمارے پیر ہیں، ہمارے لیڈر اور وڈیرے ہیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور دوزخی کہیں گے ﴿مَالَنَا﴾ ہمیں کیا ہو گیا ہے ﴿لَا نَرٰى رِجَالًا﴾ ہم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو ﴿كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ جن کو ہم شمار کرتے تھے شریر۔ اَشْرار، شَرِیر کی جمع ہے۔ ہم ان کو شرارتی سمجھتے تھے۔ اہل حق کو کافر اور بد کردار لوگ فسادی کہتے ہیں کہ یہ فساد مچاتے ہیں۔ جیسے یہ ہمارے تبلیغی حضرات دیہات میں جاتے ہیں تو بعض مقامات پر ان کو مسجدوں سے نکال دیا جاتا ہے کہ یہ اونٹ کی طرح ہمارے عقیدے کھا جاتے ہیں۔

تو دوزخی کہیں گے کہ وہ فسادی ہمیں نظر نہیں آ رہے۔ بھئی! وہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت میں مزے لوٹ رہے ہیں اور تم دوزخ میں جل رہے ہو وہ تمھیں کیسے نظر آئیں۔ وہ تو کہیں گے کہ ہمیں شریر لوگ نظر نہیں آ رہے ﴿اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا﴾ کیا بنایا ہم نے ان کو ٹھٹھا۔ گرائمر کے لحاظ سے یہ لفظ اصل میں اَءَ تَّخَذْنٰهُمْ تھا۔ ایک ہمزہ نفس کلمہ کا ہے اور ایک ہمزہ استفہام کا۔ قاعدے کے مطابق ہمزہ وصلی گر گیا ہے کہیں گے ہم دنیا میں ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے وہ ہمیں نظر نہیں آ رہے ﴿اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ﴾ یا آنکھیں ان سے چوک رہی ہیں کہ موجود ہیں اور نظر نہیں آ رہے۔ وہ تمھیں کیسے نظر آئیں وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تو جنت میں آرام سے رہ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے کافروں نے ان کو فسادی کہا اور نحوست کی نسبت پیغمبروں کی طرف کی۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی نافرمانی کی وجہ سے دین حق قبول نہ کرنے کی وجہ سے بارشیں رک جاتی تھیں، فصلوں میں کمی آ جاتی تھی، کوئی بیماری ان پر مسلط کر دی جاتی تھی تو کافر کہتے تھے ﴿اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ﴾ [یٰسین:۱۸] "بے شک ہم تمھاری وجہ سے شگون لیتے ہیں۔" یہ نحوست ہم پر تمھاری وجہ سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کہا ﴿طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ﴾ "تمھاری شگون تمھارے ساتھ ہے۔" یہ نحوست تمھاری وجہ سے ہے ہماری وجہ سے نہیں ہے ﴿اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ﴾ اس وجہ سے کہ تمھیں نصیحت کی گئی ہے۔'' اس کو تم نحوست سمجھتے ہو بلکہ تمھارے کفر کی وجہ سے یہ نحوست آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ﴾ بے شک البتہ یہ حق ہے ﴿تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ آپس میں جھگڑنا دوزخیوں کا۔ پیر مرید، استاد شاگرد، تابع متبوع، دوزخ میں آپس میں جھگڑیں گے

الزام ایک دوسرے پر لگائیں گے۔ یہ جھگڑنا دوزخیوں کا بالکل حق ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ﴾ یقینی بات ہے میں ڈرانے والا ہوں ﴿وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ﴾ اور نہیں ہے کوئی معبود ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ مگر اللہ تعالیٰ ﴿الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ جو اکیلا ہے سب پر غالب ہے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ غالب ہے ﴿الْغَفَّارُ﴾ بخشنے والا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ﴾ وہ خبر ہے بڑی ﴿اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ﴾ تم اس سے اعراض کرنے والے ہو ﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں تھا مجھے علم ﴿بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى﴾ اس جماعت کا جو اوپر رہتی ہے ﴿اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ جس وقت وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے ﴿اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ نہیں وحی کی جاتی میری طرف ﴿اِلَّآ﴾ مگر ﴿اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اس لیے کہ میں ڈرانے والا ہوں کھول کر ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ جس وقت فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے ﴿اِنِّيْ خَالِقٌ﴾ بے شک میں بنانے والا ہوں ﴿بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ﴾ انسان مٹی سے ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ﴾ بس جس وقت میں اس کو برابر کر دوں ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے روح ﴿فَقَعُوْا لَهٗ﴾ پس تم گر جانا اس کے سامنے ﴿سٰجِدِيْنَ﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ پس سجدہ کیا فرشتوں نے ﴿كُلُّهُمْ﴾ سب نے ﴿اَجْمَعُوْنَ﴾ اکٹھے ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نے ﴿اِسْتَكْبَرَ﴾ اس نے تکبر کیا ﴿وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور تھا وہ کفر کرنے والوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿يٰٓاِبْلِيْسُ﴾ اے ابلیس! ﴿مَا مَنَعَكَ﴾ کس چیز نے تجھے روکا ﴿اَنْ تَسْجُدَ﴾ یہ کہ تو سجدہ کرے ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ﴿اَسْتَكْبَرْتَ﴾ کیا تو نے تکبر کیا ﴿اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ﴾ یا ہے تو بڑوں میں سے ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ میں اس سے بہتر ہوں ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ﴾ آپ نے پیدا کیا مجھے آگ سے ﴿وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ اور اس کو آپ نے پیدا کیا مٹی سے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بڑا درجہ اور شان عطا فرمائی ہے۔ مخالفوں کو عاجز کرنے کے لیے معجزات عطا فرمائے۔ معجزے کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے کم فہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس خدائی اختیارات ہیں حالانکہ وہ معجزہ پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے تائید کے لیے اور فعل اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا فرمایا لاٹھی پھینکتے اژدہا بن جاتا، ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے روشن ہو جاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادرزاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے وہ بینا ہو جاتا۔ برص، پھل بہری والے کے جسم پر ہاتھ پھیرتے اس کے بدن سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سارے داغ ختم ہو جاتے۔ پچاس ہزار آدمیوں کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ بینا کیا۔ دم کرتے وقت یہ شرط لگاتے تھے کہ ایمان لاؤ۔ ہاتھ میں پھیروں گا شفا رب تعالیٰ نے دینی ہے۔ مگر ضدی لوگ مخالفت سے باز نہیں آئے۔ تو ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ کتنے بڑے بڑے انھوں نے معجزے دیکھے لیکن تسلیم نہیں کیا۔ قبر پر کھڑے ہو کر کہنا: قُمْ بِاِذْنِ اللہ ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔'' اور مردے کا قبر سے باہر آ جانا کوئی چھوٹا معجزہ ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام رحمۃ اللہ علیہ کو مرے ہوئے کئی ہزار سال گزر چکے تھے ان کی قبر اس علاقے میں تھی۔ لوگوں کو ساتھ لے کر ان کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا: قُمْ بِاِذْنِ اللہ وہ زندہ ہو کر باہر آ گئے۔ سب نے دیکھا مصافحہ کیا عیسیٰ علیہ السلام سے باتیں بھی کیں کچھ عرصہ زندہ رہنے کے بعد فوت ہو گئے۔

ایک بوڑھی عورت کا ایک ہی بیٹا تھا خاوند پہلے فوت ہو چکا تھا بیٹا فوت ہوا تو بڑی پریشان ہوئی۔ اکیلی رہ گئی سہارا کوئی نہیں تھا اس کے بیٹے کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: قُمْ بِاِذْنِ اللہ وہ قبر سے باہر نکل آیا۔ کافی مدت تک زندہ رہا والدہ کی خدمت کرتا رہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک گہرا دوست تھا عاذر نامی (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔ اس کی جدائی کا خود عیسیٰ کو صدمہ تھا مگر رب تعالیٰ کے حکم سے پہلے تو کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جب رب تعالیٰ نے اجازت دی تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: یَا عَاذَرُ! قُمْ بِاِذْنِ اللہ وہ قبر سے باہر آ گیا۔ ایک چونگی ملازم کی بیٹی فوت ہو گئی جس سے وہ بڑا پریشان تھا۔ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: قم باذن اللہ۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبر سے باہر آ گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت پیش آئی کھلا میدان تھا پردے کی شکل نہیں تھی میدان کے ایک کنارے پر درخت کھڑا تھا۔ اس کو اشارہ کیا آنے کا، وہ زمین کو چیرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ دوسرے کنارے پر دوسرا درخت تھا اس کو بھی اشارہ فرمایا آنے کا وہ بھی زمین کو چیرتا ہوا پہلے درخت کے ساتھ آ کر مل گیا۔ ان کی ٹہنیوں کو اشارہ کیا وہ اکٹھی ہو گئیں اور پردے کا انتظام ہو گیا۔ فراغت کے بعد ان کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر چلے جاؤ وہ اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر پانی کی قلت ہو گئی۔ پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ اونٹ گھوڑے بھی تھے۔ پھر سارے نمازی تھے وضو کے لیے بھی پانی کی ضرورت تھی۔ ایک پتھر سے تھوڑا تھوڑا پانی رِس رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا پانی جمع ہونے دو کہ اس میں میری انگلیاں ڈوب جائیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ساتھیوں نے تھوڑا سا وقفہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔

خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھوک اور ضعف کو محسوس کیا تو اپنے گھر گئے بیوی سہلہ بنت رملہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کو ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دے دوں۔ بیوی بڑی سمجھ دار تھی ان کے ساتھ جب نکاح ہوا اس وقت بیوہ تھیں۔ کہنے لگیں ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر جو اور ایک ٹیڈی بکری ہے۔ فرمایا میں اس کو ذبح کرتا ہوں تم جو کو چکی میں پیس کر آٹا بنا کر گوندھو اور روٹیاں پکاؤ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر لاتا ہوں۔ جس وقت جانے لگے تو بیوی نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تمھاری طبیعت بڑی شرمیلی ہے بات گول مول نہ کرنا خندق میں بڑی مخلوق ہے۔ یہ کہنا کہ حضرت آپ اور تین چار ساتھی اور ہو جائیں۔ کہیں سارے ساتھی نہ آجائیں شرمندگی نہ ہو۔ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جا کر عرض کیا حضرت! آپ تشریف لے آئیں اور تین چار ساتھی اور ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا حضرت! ایک صاع جو تھے اور ایک ٹیڈی بکری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے آنے تک روٹیاں نہیں پکانی اور ہنڈیا کو چولھے سے نہیں اُتارنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمادیا یا اہل خندق ''اے خندق والو! جابر نے تمھاری دعوت کی ہے۔ ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ آگئے۔ بی بی دیکھ کر پریشان ہوگئی اور اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کونے میں بیٹھا کر میری بات سنو۔ کہنے لگی کہ میں نے کیا سمجھا کر بھیجا تھا تم یہ سارا لشکر ساتھ لے کر آگئے ہو کھانا کیسے پورا ہوگا؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نے تیرا پورا سبق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا دیا تھا مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب کو ساتھ لے آئے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ پڑھ کر آٹے پر پھونک ماری اور کچھ پڑھ کر ہنڈیا پر پھونکا۔ ایک ہزار آدمی نے سیر ہو کر کھایا۔ گھر کے افراد اور محلے داروں نے بھی کھایا کھانا پھر بچ گیا۔ ایسی عجیب وغریب چیزیں دیکھ کر سطحی قسم کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس خدائی اختیارات آگئے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کی زبانی اعلان کروایا کہ ہم تو صرف ڈرانے والے ہیں خدائی اختیارات ہمارے پاس نہیں ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کہہ دیں اعلان کر دیں ﴿اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ﴾ پختہ بات ہے کہ میں ڈرانے والا ہوں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ﴿وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ اور نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہے سب پر غالب ہے۔ الٰہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، معبود، مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، دست گیر، مختارِ کل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ میرے ہاتھ پر جو عجیب وغریب چیزیں تمھیں نظر آتی ہیں معجزے کے طور پر ان کو دیکھ کر مجھے الٰہ نہ سمجھنا میں تو صرف تمھیں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں کہ اگر تم رب تعالیٰ کے احکام نہیں مانو گے تو دنیا میں بھی عذاب آئے گا قبر میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے وہ سب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔ وہ کون ہے؟ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ آسمانوں میں جو مخلوق رہتی ہے اس کی تربیت کرنے والا ہے اور جو مخلوق زمین میں رہتی ہے اس کی تربیت کرنے والا ہے ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور آسمانوں اور زمین کے درمیان فضا میں جو مخلوق رہتی ہے اس کی بھی تربیت کرنے والا ہے۔ صرف وہی ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ غالب ہے ﴿الْغَفَّارُ﴾ بخشنے والا ہے گناہوں کا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور اعلان کرتا ہے: هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ اَغْفِرُ لَهٗ ”ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو بخش دوں هَلْ مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ اَرْزُقُهٗ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اس کو رزق دے دوں هَلْ مِنْ كَذَا هَلْ مِنْ كَذَا مختلف چیزوں کے متعلق فرماتے ہیں حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ آواز پر آواز دیتے ہیں۔“

قبولیتِ دعا کی شرائط

لیکن یاد رکھنا دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں لیکن دعا کی قبولیت کے لیے کچھ شرائط ہیں۔

- پہلی شرط ہے کہ ایمان صحیح ہو اور مضبوط ہو۔
- دوسری شرط یہ ہے کہ جس وقت دعا کرے اس وقت تک اس کے ذمہ کوئی عبادت نہ ہو۔ نہ اس سے کوئی نماز قضا ہوئی، نہ روزہ چھوڑا ہو، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ قربانی، نہ فطرانہ، کوئی شے اس کے ذمے نہ ہو۔
- تیسری شرط یہ ہے حرام کا لقمہ نہ کھایا ہو۔ حرام کا ایک لقمہ کھانے سے انسان چالیس دن اور چالیس راتیں دعا کی مقبولیت سے محروم ہو جاتا ہے اور ہم نے تو مشکوک مال اور حرام مال سے پیٹ بھرے ہوئے ہیں۔
- چوتھی شرط یہ ہے کہ دعا پوری دل جمعی اور توجہ کے ساتھ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان کسی طرف اور توجہ کسی طرف۔ معاف رکھنا! ہم ان شرائط سے خالی ہیں پھر بھی وہ ہماری دعائیں قبول کرتا ہے۔ اس کی شفقت اور مہربانی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ﴾ آپ فرما دیں وہ خبر ہے بہت بڑی۔ هُوَ ضمیر کا مرجع ہے یوم حساب جو هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ میں ہے کہ حساب کا دن، قیامت کا دن بڑی خبر ہے معمولی چیز نہیں ہے ﴿اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ﴾ تم اس یوم الحساب سے اعراض کرنے والے ہو کوئی تیاری نہیں کر رہے۔ آج معمولی سے امتحان کے لیے بڑی تیاری کرنی پڑتی ہے اور وہ تو صحیح امتحان ہے ہر آدمی اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ کہہ دیں ﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى﴾۔ ملا کا معنٰی ہے جماعت اور اعلیٰ کا معنٰی بالائی۔ یہ فرشتے آسمانوں کے اوپر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ کہہ دیں مجھے علم نہیں ہے بالائی جماعت کا ﴿اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ جس وقت انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ یہ جھگڑا کس بات پر تھا؟ احادیث میں

آتا ہے کہ فرشتوں نے آپس میں کہا کہ کون سے اچھے کام ہیں جن سے رب راضی ہوتا ہے؟ ایک فرشتے نے کہا یہ ہے کام۔ دوسرے نے کہا یہ کام ہے، تیسرے نے کہا یہ نہیں بلکہ یہ کام ہے۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ فرشتوں نے جو باتیں کیں ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ لین الکلام ''گفتگو نرم کرنا'' دوسرا یہ کہ مسلمانوں کا آپس میں کثرت کے ساتھ سلام کرنا۔ تیسری چیز الصّلٰوۃ بِالَّیْلِ وَ النَّاسُ نِیَامٌ ''رات کو تہجد کے وقت اٹھ کر نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔'' اور اطعام الطعام مسکینوں کو کھانا کھلانا ایسے طریقے پر کہ دوسرے کسی کو خبر نہ ہو کہ کہاں دیگ کھڑک رہی ہے۔ معاف رکھنا! ہم ریاکار لوگ ہیں جب تک ہمارے دروازے کے سامنے دیگ نہ کھڑکے ہم مطمئن ہی نہیں ہوتے چاہے ثواب پہنچے نہ پہنچے۔ یہ کام تھے جن کے متعلق آپس میں بحث کر رہے تھے۔ رائے اور نظریے کا اختلاف تھا۔

تو فرمایا آپ کہہ دیں مجھے کوئی علم نہیں تھا اس جماعت کا جو اوپر تھی جس وقت انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا ﴿اِنْ یُّوْحٰۤی اِلَیَّ﴾ نہیں وحی کی جاتی میری طرف ﴿اِلَّاۤ﴾ مگر ﴿اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اس لیے کہ میں ڈرانے والا ہوں کھول کر۔ رب تعالیٰ جو مجھے بتلا دیتے ہیں وہ میں آگے بتلا دیتا ہوں مجھے غیب کا تو علم نہیں ہے کہ مجھے علم ہو کہ فرشتے کیا کر رہے ہیں ﴿وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [النحل:۷۷] ''اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا'' اور سورہ انعام آیت نمبر ۵۰ میں ہے ﴿وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ ''اور میں نہیں جانتا غیب ﴿وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں نوری ہوں فرشتہ ہوں۔'' میں انسان ہوں بشر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے۔

ابلیس کی ضد اور ہٹ دھرمی

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک ضدی کا ذکر فرما کر یہ بات سمجھائی ہے کہ ضدی نہ بننا۔ اس ضدی کو ساری دنیا جانتی ہے۔ فرمایا ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ جس وقت کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے ﴿اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ﴾ بے شک میں بنانے والا ہوں ایک انسان، ایک بشر گارے سے۔ خشک مٹی کو عربی میں تراب کہتے ہیں۔ پہلے خشک مٹی تھی پھر رب تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے اس کا گارا بنایا پھر وہ خشک ہو کر بجنے والی مٹی ہوگئی صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ جیسے ٹھیکری ہوتی ہے۔ اس کے خلاصے سے رب تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا۔ فرمایا ﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ پھر جب میں اس کو درست کر دوں برابر کر دوں اور اپنی طرف سے اس بشر میں روح پھونک دوں ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾ پس تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ یہاں حقیقی سجدہ ہی مراد ہے کیونکہ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی ممنوع اور حرام ہے۔ نہ کسی زندہ کو جائز ہے، نہ قبر کو جائز ہے، نہ نبی کو، نہ ولی کو، نہ باپ کو، نہ ماں کو، کسی کو سجدہ جائز نہیں ہے حرام ہے۔ ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ پس سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے اکٹھے۔ ﴿كُلُّهُمْ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ہے کوئی فرشتہ مستثنیٰ نہیں تھا اور ﴿اَجْمَعُوْنَ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ تمام فرشتوں نے سجدہ اکٹھے کیا۔ تو تمام فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو اکٹھا سجدہ کیا ﴿اِلَّاۤ

﴿اِبْلِیْسَ﴾ مگر ابلیس ضدی نے سجدہ نہ کیا۔ یقین جانو کہ علم میں شاید ہی ابلیس سے کوئی بڑا عالم ہو۔ مگر علم تو وسیلہ ہے عمل کے لیے۔ اگر عمل نہ کیا تو علم کا کیا فائدہ۔ ایسے علم پر فخر کرنے کا کیا فائدہ؟ عوام میں مشہور ہے کہ اس نے چودہ علم پاس کیے تھے اور فرشتوں کا بھی استاد رہا ہے۔ الٰا بلا بر گردن ملا۔ خدا جانے وہ چودہ علم کون سے ہیں اور فرشتوں کا استاد رہا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیطان بہت بڑا عالم تھا۔

اس زمانے میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بڑے امام اور مفسر قرآن گزرے ہیں۔ وفات کے وقت شیطان نے ان کے ساتھ مناظرہ شروع کر دیا۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل پیش کرو۔ امام صاحب جو دلیل پیش کرتے توڑ دیتا۔ ہم تم کس باغ کی مولی ہیں۔ فرمانے لگے قرآن شریف اور بخاری شریف کو سینے پر رکھ کر۔ نیچے بخاری شریف رکھی او پر قرآن شریف رکھا اور فرمایا: اَمُوْتُ عَلٰی دِیْنِ الْعَجَائِبِ ''میں بغیر دلیل کے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں۔'' جاؤ تم اپنا کام کرو۔ دلیلوں کا تو شیطان وکیل اعظم ہے وہ کیسے قابو میں آسکتا تھا۔ فرمایا جاؤ میں بغیر دلیل کے رب کو مانتا ہوں۔

تو ابلیس نے سجدہ نہ کیا ﴿اِسْتَكْبَرَ﴾ تکبر کیا ﴿وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور ہو گیا وہ کافروں میں سے ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿يٰٓاِبْلِيْسُ﴾ اے ابلیس ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ﴾ تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ کرے ﴿لِمَا﴾ اس مخلوق کو ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ جس کو میں نے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ جو رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہاتھ ہیں۔ ہم نہیں جانتے کیسے ہیں ﴿اَسْتَكْبَرْتَ﴾۔ اصل میں تھا ءَ اِسْتَكْبَرْتَ ہمزہ وصلی گر گیا ہے۔ کیا تو نے تکبر کیا اپنے آپ کو بڑا سمجھا ﴿اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ﴾ یا تو سچ مچ بڑوں میں سے تھا۔ وڈیروں میں سے تھا۔ کہنے لگا میں وڈیروں میں سے تھا ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ میں اس سے بہتر ہوں۔ تکبر نہیں کیا میں سچ مچ بڑا ہوں۔ کیوں؟ ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ مجھے آپ نے پیدا کیا آگ سے اور اس کو گارے سے۔ آگ میں روشنی ہوتی ہے، شعلہ ہوتا ہے، بلندی ہوتی ہے اور مٹی پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے اس میں روشنی بھی نہیں ہے تو میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کو سجدہ کیوں کر کرتا۔ یہ تھی اس کی وکالت۔ باقی ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ پس تو نکل جا اس جگہ سے ﴿فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ پس بے شک تو مردود ہے ﴿وَّ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ﴾ اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے ﴿اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ بدلے کے دن تک ﴿قَالَ﴾ ابلیس نے کہا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب ﴿فَاَنْظِرْنِيْٓ﴾ پس آپ مجھے مہلت دیں ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جس دن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ پس بے شک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے ﴿اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ ایک معلوم وقت کے دن تک ﴿قَالَ﴾ کہا

ابلیس نے ﴿فَبِعِزَّتِكَ﴾ پس آپ کی عزت کی قسم ہے ﴿لَاُغْوِيَنَّهُمْ﴾ البتہ میں ان کو بہکاؤں گا ﴿اَجْمَعِيْنَ﴾ سب کو ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ﴾ مگر ان میں سے آپ کے وہ بندے ﴿الْمُخْلَصِيْنَ﴾ جو مخلص ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فَالْحَقُّ﴾ پس حق ہے ﴿وَالْحَقَّ اَقُوْلُ﴾ اور حق ہی میں کہتا ہوں ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ﴾ البتہ ضرور بھروں گا میں جہنم کو ﴿مِنْكَ﴾ تجھ سے ﴿وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ اور ان سے جنھوں نے پیروی کی تیری ﴿اَجْمَعِيْنَ﴾ اکٹھے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر ﴿مِنْ اَجْرٍ﴾ کوئی معاوضہ ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں بات بنانے والوں میں سے ﴿اِنْ هُوَ﴾ نہیں ہے یہ قرآن ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ نصیحت جہان والوں کے لیے ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ﴾ اور البتہ تم ضرور جان لو گے ﴿نَبَاَهٗ﴾ اس کی خبر ﴿بَعْدَ حِيْنٍ﴾ ایک وقت کے بعد۔

اس سے پہلی آیتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا بغیر کسی حیل وحجت کے کہ ہم نوری ہیں اور یہ خاکی ہے ہم اس کو سجدہ کیوں کریں۔ لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور حجت بازی کی کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا لہٰذا میں نے اس کو سجدہ نہیں کیا کہ یہ ادنیٰ ہے اور میں اعلیٰ ہوں۔

ایاز کی ذہانت

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت بیان کر کے شیطان کی مذمت کی ہے۔ ایک بچہ تھا ایاز بڑا ذہین اور سمجھ دار۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی ذہانت اور نیکی کی وجہ سے طبعی طور پر اس کے ساتھ محبت تھی اور اس کو ساتھ بٹھاتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ بچہ بڑا ذہین ہے آداب سلطنت بھی سمجھ لے۔ فیصلے ہوں گے اور گفتگو ہوگی اس سے اس کی تربیت ہوگی۔ وزیروں اور مشیروں نے کہا کہ بادشاہ سلامت! ہے تو گستاخی مگر یہ چھوٹا سا بچہ آپ کے پاس بیٹھتا ہے بعض راز کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس وقت تو غزنوی رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ ہندوؤں کی زیادتیوں کی وجہ سے جب انہوں نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ ان کا مشہور مندر سومنات کا تھا۔ اس میں انہوں نے ہیروں اور موتیوں کے بت رکھے ہوئے تھے۔ ان کو توڑ پھوڑ کر ہیرے موتی بھی ساتھ لے گئے۔ ایک دن سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا کہ ایک پتھر اور ہتھوڑا لا کر دربار میں رکھ دو۔ جب دفتر میں بیٹھے دربار لگ گیا وزیر، مشیر آ گئے تو ان ہیروں میں سے ایک قیمتی ہیرا ایک وزیر کو دیا کہ پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے توڑ دو۔ اس نے نہ توڑا کہ ہیرا بڑا قیمتی ہے۔ دوسرے، تیسرے، چوتھے کو کہا کسی نے بھی نہ توڑا۔ پھر ایاز بچے کو کہا۔ اس نے پتھر پر رکھ کر ہتھوڑا مارا اور توڑ دیا۔ بادشاہ نے پوچھا ایاز تو نے یہ کیا کیا اتنا قیمتی ہیرا تو نے توڑ دیا؟ ایاز نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! بے شک ہیرا بڑا قیمتی تھا مگر میرے بادشاہ کا حکم اس سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ کاش ابلیس کو ایاز جتنی ہی عقل ہوتی کہ بالفرض ایک منٹ کے لیے مان لو کہ تو بہتر تھا ناری جو ہوا اور وہ خاکی تھا۔ مگر یہ تو دیکھتا کہ حکم کس کا ہے؟ تو نے تو آقا کے حکم کی بھی قدر نہ کی۔ باقی ابلیس کی یہ منطق ہی غلط تھی کہ میں ناری ہوں اور بہتر ہوں اس لیے کہ رب تعالیٰ نے خاک میں جو اثر رکھا ہے اور خوبیاں رکھی ہیں وہ نار میں نہیں ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبوت اور رسالت کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ناری مخلوق میں نبوت و رسالت نہیں رکھی کیونکہ ان میں اس کی استعداد نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خاکی مخلوق کو دی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک کسی جن کو نبوت و رسالت نہیں ملی کیونکہ جنات میں اس کی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں تھی۔ تو ابلیس کی پہلی بات ہی مسلم نہیں ہے کہ وہ آدم سے بہتر ہے اور بالفرض تیری یہ بات مان بھی لیں تو تو یہ دیکھتا کہ حکم کون دے رہا ہے تجھ سے زیادہ تو ایاز سمجھ دار نکلا جس نے آقا کے حکم کی تعمیل کی اور قیمتی ہیرے کی پروا نہیں کی۔

جب ابلیس نے حجت بازی کی تو ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ 'ھا' ضمیر کا مرجع جنت ہے کہ تو جنت سے نکل جا۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ 'ھا' ضمیر سے مراد جماعت ملائکہ ہے کہ تو فرشتوں کی جماعت سے نکل جا۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ ضمیر آسمانوں کی طرف لوٹتی ہے کہ تو آسمانوں سے نکل جا۔ کیوں؟ ﴿فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ پس بے شک تو مردود ہے۔ تو نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی میں تیرا خالق و مالک ہوں تو نے میرے آگے حجت بازی شروع کر دی ہے۔ اگر فرشتے یہ منطق لڑاتے تو اچھی تھی کہ وہ نوری مخلوق تھی لیکن انہوں نے حکم کی تعمیل کی فوراً سجدے میں گر گئے۔ کیونکہ 'ف' تعقیب بلا مہلت کے لیے آتی ہے۔

تو فرمایا نکل جا فرشتوں کی جماعت سے تو مردود ہے ﴿وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ﴾ اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے ﴿اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ دین کا معنیٰ جزا اور بدلہ۔ بدلے والے دن تک، قیامت والے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ لعنت کا لفظی معنیٰ ہے اَلْبُعْدُ مِنَ الرَّحْمَةِ "رحمت سے دوری۔" رب کی رحمت سے تیرے لیے دوری ہے ﴿قَالَ﴾ ابلیس نے کہا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ آپ مجھے مہلت دے دیں اس دن تک جس دن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ یوم یبعثون تک مہلت مانگنے سے ابلیس کا مقصد یہ تھا کہ موت کے سخت کڑوے پیالے سے بچ جاؤں گا کیوں کہ موت کی گھڑی بڑی سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اگر خاتمہ ایمان پر ہو جائے تو پھر مزے ہی مزے ہیں۔ اگر خدانخواستہ خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو پھر عذاب ہی عذاب ہے، تکلیف ہی تکلیف ہے۔

تو ابلیس نے دوبارہ اٹھنے کے دن تک مہلت مانگی ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ پس بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے مثلاً فرشتے ہیں، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل وغیرہ۔ ان کو نفخہ اولیٰ تک مہلت ہے لیکن موت ان پر بھی آئے گی۔ وہ فرشتہ جو سب کی جان نکالنے پر مقرر ہے موت اس پر بھی آئے گی۔ تو مہلت دیئے ہوؤں میں

سے ہے مگر جس وقت تک تو مہلت مانگتا ہے وہ نہیں بلکہ ﴿ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴾ معلوم وقت کے دن تک یعنی نفخہ اولیٰ تک۔ نفخہ ثانیہ تک نہیں۔تو موت سے بچنا چاہتا ہے یہ نہیں ہوگا بلکہ موت آئے گی کیوں کہ ضابطہ ہے ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ "مخلوق کے ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" بخاری شریف میں روایت ہے کہ نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ اسرافیل علیہ السلام جب پہلی مرتبہ بگل پھونکیں گے تو ساری کائنات ختم ہو جائے گی۔ پھر اسرافیل علیہ السلام اور عزرائیل علیہ السلام کو بھی مار دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کر کے فرمائیں گے بگل میں پھونک مارو۔ وہ دوبارہ بگل پھونکیں گے ﴿ فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾ [زمر:۶۸] "پس وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھ رہے ہوں گے۔" جہاں بھی جو ہوگا چاہے قبروں میں ہیں یا کسی کو جلا یا گیا ہے یا کسی کو مچھلیوں نے، پرندوں نے، درندوں نے کھالیا ہے سب کے سب زندہ ہو کے آجائیں گے۔تو شیطان کو نفخہ اولیٰ تک مہلت مل گئی۔اس سے معلوم ہوا کہ کافر اعظم کی دعا بھی فی الجملہ قبول ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ پوری قبول نہ ہوئی کچھ قبول ہوئی۔

﴿ قَالَ ﴾ ابلیس نے کہا ﴿ فَبِعِزَّتِكَ ﴾ با قسمیہ ہے۔معنیٰ ہوگا پس قسم ہے آپ کی عزت کی ﴿ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ میں ضرور ان سب کو بہکاؤں گا۔اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم بھی صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم بھی صحیح ہے۔مثلاً: کوئی شخص کہے "مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے" صحیح ہے۔یا کہے "مجھے رحمان کی قسم ہے، رحیم کی قسم ہے" یہ بھی صحیح ہے۔"مجھے رب کی عزت کی قسم ہے، عظمت کی قسم ہے" یہ بھی صحیح ہے۔البتہ قرآن کریم کی قسم کے متعلق فقہائے کرام میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کہے مجھے قرآن کی قسم ہے تو یہ قسم منعقد ہوگی یا نہیں؟ تو اس کے متعلق تفصیل ہے۔اگر تو قرآن کریم سے اس کے الفاظ مراد ہوں جو ہم پڑھتے ہیں تو یہ الفاظ تو فانی ہیں اور اگر معانی مراد ہوں جن پر یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں جس کو کلام نفسی کہتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی صفت ہے وہ قدیم ہے۔اگر الفاظ مراد ہوں تو قسم درست نہیں ہے اور اگر قرآن پاک سے مراد کلام نفسی ہو تو پھر قسم درست ہے۔ بہر حال اگر کوئی شخص قرآن کریم کی قسم اٹھائے گا تو وہ قسم منعقد ہو جائے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

تو ابلیس نے کہا آپ کی عزت کی قسم ہے میں ضرور ان سب کو بہکاؤں گا ﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ مگر آپ کے جو مخلص بندے ہوں گے ان پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنا اختیار دیا ہے کہ شیطان کی اطاعت کرنا چاہے تو کر لے اور نہ کرنا چاہے تو نہ کرے۔انسان نہ نیکی پر مجبور ہے نہ بدی پر مجبور ہے، نہ ایمان پر مجبور ہے، نہ کفر پر ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔" اس جگہ تو یہ ہے کہ میں ان سب کو بہکاؤں گا۔اور سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۶ میں ہے، کہنے لگا ﴿ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ ﴾ "پس اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے ﴿ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ میں ضرور بیٹھوں گا ان کے لیے آپ کے سیدھے راستے پر۔" او خبیث! بہکا تو خود، نافرمانی کی رب تعالیٰ کی اور گمراہ ہونے کی نسبت کرتا ہے رب تعالیٰ کی طرف کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔اور سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۶۲ میں ہے ﴿ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ﴾ "ابلیس نے کہا بھلا بتلائیں یہ شخص ہے جس کو تو نے

فضیلت دی ہے میرے مقابلے میں۔" رب تعالیٰ کے ساتھ اس طرح گفتگو کر رہا ہے جیسے مرد عورتیں ایک دوسرے کو طعنے دیتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَالْحَقُّ﴾ پس حق ہے ﴿وَالْحَقَّ اَقُوْلُ﴾ اور حق ہی میں کہتا ہوں ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ البتہ ضرور بھروں گا میں جہنم کو تجھ سے اور ان سے جنھوں نے تیری پیروی کی اکٹھے۔ سب کو ایک ساتھ جہنم میں ڈالوں گا۔

ملحدین کا اعتراض

بعض ملحدوں نے اعتراض کیا ہے کہ ابلیس ناری ہے تو اس کو نار میں کیا تکلیف ہوگی؟ لیکن انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ابلیس کی پیدائش دنیا کی آگ سے ہوئی ہے اور دوزخ کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی یَارَبِّ اِنَّ بَعْضِیْ اَکَلَ بَعْضِیْ "اے پروردگار! اس طبقے کی حرارت اور تپش نے مجھے تکلیف دی ہے۔" تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دو سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک گرم حصے کو اور ایک سرد حصے کو۔ یہ جو گرمی ہے دوزخ کے سانس کے نتیجے میں ہے اور سردی بھی اس کے سانس کے نتیجے میں ہے۔ لہٰذا وہ آگ اس ناری کو جلائے گی یا اس کو سرد حصے میں سزا دی جائے گی۔ اور ایک جاٹ نے ایک ملحد کو اس طرح سمجھایا کہ ایک ڈھیلا اٹھا کر اس کو دے مارا۔ وہ واویلا کرنے لگا تو جاٹ نے کہا کہ خاک کو خاک سے کیا تکلیف ہوتی ہے۔ تم خاکی ہو اور میں نے خاک ہی تیرے اوپر پھینکی ہے۔ بہر حال ملحدوں کے اس طرح کے شبہات سے دین پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے حق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ میں نہیں مانگتا اس تبلیغ پر تمھارے سے کوئی معاوضہ۔ سورت کی ابتداء ہوئی تھی ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ﴾ سے کہ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے۔ بہت ساری نصیحتیں بیان ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دن رات ایک کر کے ان کو سمجھایا۔ فرمایا میں اس تبلیغ پر تمھارے سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ اور نہ ہی میں بات بنانے والوں میں سے ہوں۔ تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بنایا جو رب تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے وہ ہی میں نے تمھیں سمجھایا ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت ﴿لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ جہان والوں کے لیے۔ جو اس نصیحت کو قبول کرے اس پر عمل کرے تو وہ انسان بن جائے گا اور اس کی حیوانیت ختم ہو جائے گی۔

آج جو انسان بھیڑیا بن چکا ہے تو یہ قرآن وسنت سے دوری کا نتیجہ ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگوں کی شکلیں تو انسانوں جیسی ہوں گی وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ "اور دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔"

پرسوں یا ترسوں کی اخبار میں میں نے پڑھا کہ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے علاقے میں ایک عورت جا رہی تھی ڈاکوؤں نے اس کے زیور اتروا لیے پھر اس کی شلوار قمیص بھی اتار کر ساتھ لے گئے۔ او ظالمو! تم نے اس کی چوڑیاں چھین لیں، بالیاں اتروا لیں، ننگا کرنے کا مطلب؟ اور حیوانیت کسے کہتے ہیں؟ ایسے لوگ تو ایک منٹ بھی زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں مگر رب بڑے حوصلے والا ہے۔ اپنے وقت پر ان کو گرفتار کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ قرآن نصیحت ہے جہان والوں کے لیے ﴿وَ لَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعۡدَ حِیۡنٍ﴾ اور البتہ تم ضرور جان لو گے اس قرآن کی خبر کو ایک وقت کے بعد۔ جن چیزوں کی یہ خبر دیتا ہے کہ قیامت آئے گی، حساب کتاب ہوگا، نیک جنت میں اور بد جہنم میں جائیں گے ان چیزوں کی حقیقت تمھیں معلوم ہو جائے گی ایک وقت کے بعد بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے دوزخ بھی سامنے۔ رب تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم کے ساتھ جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے بچائے اور دوزخیوں والے کاموں سے بچائے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ وَمَالِیَ ، فَمَنۡ اَظۡلَمُ

۲۳ ۲۴

آیاتھا ۷۵ (۳۹) سُوْرَۃُ الزُّمَرِ مَکِّیَّۃٌ (۵۹) رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ﴾ اتاری ہوئی کتاب ﴿مِنَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ جو غالب ہے ﴿الْحَکِیْمِ﴾ حکمت والا ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ﴾ بے شک ہم نے اتاری ﴿اِلَیْکَ﴾ آپ کی طرف ﴿الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ کتاب حق کے ساتھ ﴿فَاعْبُدِ اللّٰہَ﴾ پس آپ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی ﴿مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین ﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾ اللہ ہی کے لیے ہے خالص دین ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے بنائے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ کارساز (وہ کہتے ہیں) ﴿مَا نَعْبُدُھُمْ﴾ نہیں عبادت کرتے ہم ان کی ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿لِیُقَرِّبُوْنَآ﴾ تاکہ ہمیں قریب کردیں ﴿اِلَی اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿زُلْفٰی﴾ قریب درجے میں ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ﴾ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿فِیْ مَا﴾ ان چیزوں میں ﴿ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یَھْدِیْ﴾ ہدایت نہیں دیتا ﴿مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ﴾ اس کو جو جھوٹا ہو ﴿کَفَّارٌ﴾ ناشکرا ہو ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ﴿اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ کہ ٹھہرائے اولاد ﴿لَّاصْطَفٰی﴾ البتہ چن لے ﴿مِمَّا یَخْلُقُ﴾ اس مخلوق سے جو اس نے پیدا کی ہے ﴿مَا یَشَآءُ﴾ جو چاہے ﴿سُبْحٰنَہٗ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے سب پر غالب ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ اس نے پیدا کیے آسمان ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿یُکَوِّرُ الَّیْلَ﴾ وہ لپیٹ دیتا ہے رات کو ﴿عَلَی النَّھَارِ﴾ دن پر ﴿وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ﴾ اور لپیٹ دیتا ہے دن کو ﴿عَلَی الَّیْلِ﴾ رات پر ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اس نے مسخر کیا سورج اور چاند کو ﴿کُلٌّ یَّجْرِیْ﴾ ان میں سے ہر ایک چلتا ہے ﴿لِاَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ایک میعاد مقرر تک ﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ﴾ وہی ہے زبردست بخشنے والا ﴿خَلَقَکُمْ﴾ اس نے پیدا کیا تم کو ﴿مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ﴾ ایک نفس سے ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا﴾ پھر بنایا اس نے اس نفس سے جوڑا ﴿وَاَنْزَلَ لَکُمْ﴾ اور اُتارے اس نے تمھارے لیے ﴿مِّنَ الْاَنْعَامِ﴾ مویشیوں میں سے ﴿ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ﴾ آٹھ جوڑے ﴿یَخْلُقُکُمْ﴾ پیدا کرتا ہے تمھیں ﴿فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ﴾ تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ﴿خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش ﴿فِیْ

ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ﴾ تین اندھیروں میں ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ﴾ یہ اللہ تمھارا رب ہے ﴿ لَهُ الْمُلْكُ ﴾ اسی کے لیے ہے ملک ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ نہیں ہے کوئی الہ مگر وہی ﴿ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ پس تم کدھر پھیرے جارہے ہو۔

وجہ تسمیہ سورہ زمر

اس سورت کا نام زمر ہے۔ اس سورت کے آخر میں زمر کا لفظ آیا ہے ﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ﴾ ''اور چلائے جائیں گے کافر لوگ جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔'' مثلاً یہودیوں کا گروہ الگ ہوگا، عیسائیوں کا گروہ الگ ہوگا، ہندوؤں کا الگ ہوگا، سکھوں اور بدھوؤں کا الگ ہوگا۔ جتنے بھی دنیا میں کافروں کے گروہ ہیں انہیں گروہوں کی شکل میں لایا جائے گا جہنم کی طرف۔

اور اسی طرح ﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ﴾ ''اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے جنت کی طرف گروہ در گروہ۔'' مومنوں کو بھی گروہ در گروہ بلایا جائے گا۔ مثلاً کثرت سے نماز پڑھنے والوں کا گروہ الگ ہوگا، کثرت سے روزے رکھنے والوں کا گروہ الگ ہوگا، مجاہدین کا گروہ الگ ہوگا، صدقہ خیرات کرنے والوں کا گروہ الگ ہوگا۔ تو اس زمر کے لفظ کے ساتھ سورت کا نام زمر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے اٹھاون سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے آٹھ [۸] رکوع اور پچھتر [۷۵] آیتیں ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ ﴾ یہ کتاب اتاری ہوئی ہے ﴿ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ بعض کافر کہتے تھے کہ یہ قرآن خود بناتا ہے اور آکر ہمیں سنا دیتا ہے۔ اور بعض کہتے تھے کہ فلاں آدمی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے بتلاتا رہتا ہے پھر یہ جوڑ کر ہمیں سنا دیتا ہے۔ تو رب تعالیٰ نے ان کے ان شوشوں کا رد فرمایا ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ جو زبردست حکمت والا ہے اس کی طرف سے اتاری ہوئی ہے ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ بے شک ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب حق کے ساتھ۔ اس میں جو کچھ بھی ہے حق ہی حق ہے۔ چھلکا کوئی نہیں مغز ہی مغز ہے۔ یہ کتاب کس چیز کی دعوت دیتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اور تمام آسمانی کتابوں کی پہلی دعوت یہی ہے ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ ﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں ان کی تبلیغ اس جملے سے شروع ہوتی ہے ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ''اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ کتاب بھی یہی سبق دیتی ہے کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین۔ دین خالص رب کا ہے ایسے نہیں کہ بندہ کچھ تو دین کے حصہ پر چلے اور کچھ اپنی مرضی پر چلے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۰۸ میں ہے ﴿ اُدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾ "اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ" سر سے پاؤں تک ظاہر و باطن تک عقیدہ، اخلاق، اعمال، کردار، ہر چیز اسلام کے مطابق ہونی چاہیے۔ خالص رب کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ ﴿ اَلَا ﴾ خبردار ﴿ لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے خالص دین۔ اس کے سوا جو

دین موجود ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ دین صرف یہی ہے ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران:۱۹] "بے شک پسندیدہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔" ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران:۸۵] "اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا پس اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔"

مشرکین کی تردید:

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا رد فرمایا ہے۔ مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی الوہیت اور معبودیت کی وجہ سے ہم سے بہت بلند ہے اور ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے بڑے ہی پست اور گرے ہوئے ہیں۔ ہماری اللہ تعالیٰ تک براہِ راست رسائی اور پہنچ نہیں ہے۔ یہ لات، منات، عُزّیٰ اور دوسرے بابے یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں۔ ظاہری طور پر دیکھا جائے تو مشرک اللہ تعالیٰ کی بڑی قدر کرتا ہے اور رب تعالیٰ کے ساتھ اس کو کتنی عقیدت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور ہم بہت پست ہیں اور یہ بابے اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں۔ اور آٹھویں پارے میں ہے ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا﴾ "اور ٹھہرایا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں سے جو پیدا کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے کھیتی اور مویشی ایک حصہ ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ پھر انھوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اپنے خیال سے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے پس وہ نہیں پہنچتا اللہ کی طرف ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے پس وہ پہنچتا ہے ان کے شریکوں کی طرف۔" [انعام:۱۳۶]

مال مویشی، اناج میں سے ایک ڈھیری اللہ تعالیٰ کے لیے بناتے اور ایک ڈھیری اپنے شریکوں کے لیے جن کو وہ اپنے خیال میں رب تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کی ڈھیری میں سے کچھ دانے بابوں کی ڈھیری کے ساتھ مل جاتے تو الگ نہ کرتے کہتے رہنے دو اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ اور اگر بابوں کی ڈھیری میں سے کچھ دانے اللہ تعالیٰ کی ڈھیری کے ساتھ مل جاتے تو فوراً الگ کر لیتے کہ یہ محتاج ہیں۔ تو کتنی عقیدت ہے مشرک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ شاید بظاہر موحد کو اتنی نہ ہو۔

تو مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے براہ راست ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہے وہ کہتے تھے کہ ملک کو، صدر کو معمولی آدمی تو براہ راست نہیں مل سکتا۔ گورنر، وزیر اعلیٰ تک واسطوں کے ذریعے پہنچا جاتا ہے۔ ڈی۔سی کو بغیر واسطے کے نہیں مل سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے تو یہ بابے ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:۷۴] "پس نہ بیان کرو تم مثالیں اللہ تعالیٰ کے لیے بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" تمھارے صدر، گورنر، وزیر اعلیٰ کو تو معلومات نہیں ہیں وہ عالم الغیب نہیں ہیں ان کو تم حالات سے آگاہ کرنے کے لیے ملتے ہو پھر بغیر واسطے کے نہیں جا سکتے کہ وہ ڈرتے ہیں کوئی گولی مارنے والا نہ ہو۔

رب تعالیٰ کو تمھاری ضرورتوں کا علم ہے اور اسے تمھارے سے کوئی خطرہ بھی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کا قیاس بادشاہوں پر کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ پھر بعض مشرک کہتے ہیں کہ مکان کی چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بابے رب تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ہماری سیڑھیاں ہیں رب تعالیٰ ہم سے بہت بلند ہیں۔ رب تعالیٰ نے اس بات کا رد فرمایا اور کہا ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق:۱۶] ''اور ہم زیادہ قریب ہیں انسان کے اس کی شہ رگ سے۔'' تو یہاں کون سی سیڑھی لگاؤ گے؟ تو یاد رکھنا! مشرک نہ رب تعالیٰ کی ذات کا منکر ہے اور نہ رب تعالیٰ کی عظمت کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے بنائے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر۔ وہ کہتے ہیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں قریب کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے درجے میں۔ یہ خود خدا نہیں ہیں یہ ہماری سیڑھیاں ہیں یہ ہماری ملاقات کے لیے واسطے ہیں یہی واسطے شرک ہیں۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يَكْفُرُ ''جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور ہمارے حالات جانتی ہیں وہ کافر ہے۔'' ان کو حاضر و ناظر سمجھنا، عالم الغیب سمجھنا، متصرف فی الامور سمجھنا یہ کفر کے بڑے بڑے ستون ہیں۔

مسئلہ توسل

باقی توسل کی تفصیل ہے۔ اگر کوئی اس طرح کہے کہ اے پروردگار! میرا فلاں کام کر دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت سے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جاہ سے یا فلاں کے صدقے سے۔ اگر ان بزرگوں کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے یہ کہتا ہے تو یہ پکا کافر ہے۔ یہ توسل کی ساری قسمیں شرک ہیں۔ یہ عام طور پر جاہل لوگ واسطہ دیتے ہیں وہ اسی مد میں ہے۔ جاہل تو الگ رہے احمد رضا خان صاحب بریلویوں کے امام کہتے ہیں:

بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا

یہ موحد کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کرتے ہیں تو تجھے کیا تکلیف ہے؟ ان کے خیال کے مطابق آپ حاضر و ناظر ہیں، مدد کرتے ہیں اور یہی شرک ہے۔ اور اگر وسیلہ دینے والے کی مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پیغمبر ہیں میرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے اور ان بزرگوں کے ساتھ محبت ہے اور یہ محبت ایک صالح عمل ہے۔ اس صالح عمل کی برکت سے میری دعا قبول فرما تو صحیح ہے۔ صحیح العقیدہ بزرگوں کی کتابوں میں شجروں کے اندر جو وسیلہ کا لفظ آتا ہے وہ اسی معنیٰ میں ہے۔ وہ نہ ان کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں نہ مختار کل، نہ عالم الغیب، نہ متصرف فی الامور۔

وسیلے کی جو پہلی شکل ہے وہ کفر ہے، شرک ہے۔ اور یاد رکھنا! شرک اگر ایک رتی بھی ہوا تو رب تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۴۸ پ ۵ میں ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔" اور سورہ مائدہ آیت نمبر ۷۲ پارہ ۶ میں ہے ﴿ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ﴾ "بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کا سو حرام کی اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔" ان آیات کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿ فِیْ مَا ﴾ ان چیزوں میں ﴿ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴾ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ عملی فیصلہ فرمائیں گے سچوں کو جنت میں اور جھوٹوں کو دوزخ میں ڈالیں گے۔ اس وقت دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور توحید و سنت، شرک و بدعت کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ فرمایا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ﴿ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ ﴾ اس کو جو جھوٹا ہے ﴿ كَفَّارٌ ﴾ ناشکرا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جبراً ہدایت نہیں دیتا۔

آگے ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے ﴿ وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ "اور عرب اور دوسرے ملکوں کے مشرک کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ [النحل: ۵۷] "اور ٹھہراتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں۔" رب تعالیٰ کی ذات پاک ہے اولاد سے اس کی صفت ہے ﴿ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ ﴾ "نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔" اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق اولاد ہوتی تو لڑکیاں نہ ہوتیں لڑکے ہی ہوتے اور بے شمار ہوتے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور فنڈر پادری

انگریز کے دور میں ایک بڑا ذہین اور قابل پادری تھا فنڈر۔ وہ بتیس (۳۲) زبانیں جانتا تھا۔ کلکتہ سے لے کر بالاکوٹ کی آخری سرحد ناران تک مسلمانوں کو للکارتا تھا کہ اسلام کی صداقت کو ثابت کرو، قرآن کی صداقت کو ثابت کرو۔ عام مولوی اس کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی کتابیں "کتاب مقدس" وغیرہ کا مطالعہ کر کے تھوڑے دنوں میں مقابلے کی تیاری کر لی۔ یہ بھی بڑے ذہین اور حافظے والے تھے۔ پھر اس کو اتنا ذلیل کیا کہ فنڈر ہندوستان چھوڑ کر بھاگ گیا۔

ایک دفعہ فنڈر نے شاہی مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی کہ مسیح رب تعالیٰ کے بیٹے ہیں ہمارے منجی ہیں ان کو مانو۔ ساتھ ہی ایک بھٹیارا، دانے بھوننے والا بیٹھا تھا۔ اس کی تقریر سنتا رہا۔ وہ درانتی ہاتھ میں پکڑے ہوئے آیا اور آ کر کہا کہ پادری صاحب یہ تو بتاؤ کہ رب تعالیٰ کے کتنے بیٹے ہیں؟ پادری نے کہا کہ ایک ہی بیٹا ہے۔ بھٹیارے نے کہا میری طرف دیکھو، میرے قد کی طرف دیکھو، میری عمر کو دیکھو میرے چودہ بیٹے ہیں۔ آپ کا رب تو مجھ سے بھی کمزور نکلا۔ وہ کہنا یہ

چاہتا تھا کہ رب تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو بہت زیادہ ہوتی بندوں سے تو کم نہ ہوتی۔ پادری لاجواب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴾ اگر ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کہ ٹھہرائے اولاد ﴿ لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ﴾ البتہ چن لیتا اس مخلوق سے جو اس نے پیدا کی ہے جو چاہتا ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ اس کی ذات پاک ہے اولاد سے۔ اس کا نہ بیٹا ہے نہ بیٹی ہے نہ ماں ہے نہ بیوی ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے سب پر غالب ہے ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾ اس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ حق کے ساتھ ﴿ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ ﴾ کوّر کا لفظی ترجمہ ہے لفافہ جس نے شے کو اپنے اندر لپیٹا ہوتا ہے۔ معنیٰ ہو گا لپیٹتا ہے رات کو دن پر۔ رات کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے دن کی روشنی آجاتی ہے ﴿ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ﴾ اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر۔ دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور رات آجاتی ہے۔ رات دن کا مالک وہی ہے ﴿ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ﴾ اور اس نے تابع کیا ہے سورج اور چاند کو۔ سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے مگر کیا مجال ہے کہ اپنی رفتار میں سستی کرے یا تیز چلے یا دائیں بائیں چل پڑے یا کھڑا ہو جائے حاشا وکلا۔ اور یہی حال چاند کا ہے وہ بھی مقرر کردہ رفتار کے مطابق چل رہا ہے ﴿ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ان میں سے ہر ایک چلتا ہے ایک میعاد مقرر تک۔ قیامت تک سورج بھی چلتا رہے گا اور چاند بھی چلتا رہے گا۔

اس آیت کریمہ سے اور اس کے علاوہ اور بہت ساری آیات سے ثابت ہوا کہ سورج اور چاند حرکت کرتے ہیں اور اس کا تسلیم کرنا ہمارے لیے قرآن کریم کی تعلیم کی وجہ سے ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر کسی معقول دلیل سے ثابت ہو جائے کہ زمین بھی حرکت کرتی ہے تو مان لیں گے اس شرط کے ساتھ کہ سورج اور چاند کی حرکت کو تسلیم کیا جائے۔ اور اگر کوئی کہے کہ سورج اور چاند حرکت نہیں کرتے زمین حرکت کرتی ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ ان صاحبان کے سر پھر رہے ہیں اور حرکت کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم قرآن کریم کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ﴿ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴾ خبردار وہی ہے غالب، بخشنے والا۔ اس سے بخشش مانگو وہ بخشے گا ﴿ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ اس نے تمھیں پیدا کیا ایک نفس سے، آدم سے ﴿ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ پھر بنایا اس نے، پیدا کیا اس نے، اسی نفس سے اس کا جوڑا۔ حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں ﴿ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ﴾ اس مقام پر اَنْزَلَ کا معنیٰ خَلَقَ کا ہے۔ پیدا کیا رب تعالیٰ نے تمھارے لیے مویشیوں میں سے ﴿ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ﴾ آٹھ جوڑے۔ ان کا ذکر سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۴-۱۴۳ میں آتا ہے ﴿ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ ﴾ "بھیڑوں میں سے دو، نر اور مادہ ﴿ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ﴾ اور بکریوں میں سے دو، نر اور مادہ۔ ﴿ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ ﴾ اور اونٹوں میں سے دو، نر اور مادہ۔ ﴿ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ﴾ اور گائے (بھینس) میں سے دو، نر اور مادہ۔ یہ آٹھ قسم کے جانور ہیں جن کو انعام کہا جاتا ہے اور لوگوں کے گھروں میں اکثر یہی ہوتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ "بھینس گائے کی قسم میں سے ہے۔" ان کا دودھ پیتے ہو، گوشت کھاتے ہو، مکھن کھاتے ہو، سواری کے کام آتے ہیں، پشم سے کپڑے بناتے ہو یہ تمھارے فائدے کے لیے ہیں۔ ﴿ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ﴾ پیدا کرتا ہے تمھیں

تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ﴿خَلْقًا﴾ ایک خلقت میں ﴿مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ دوسری خلقت کے بعد۔ ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش میں۔

تخلیق انسانی

حدیث پاک میں آتا ہے کہ چالیس دن تک نطفہ، نطفے کی شکل میں رہتا ہے چالیس دن کے بعد وہ خون کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد بوٹی بن جاتا ہے پھر وہ ہڈیاں بن جاتا ہے، چار ماہ گزرنے کے بعد انسانی شکل بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں روح پھونکتے ہیں۔ پھر کم وبیش پانچ ماہ تک ماں کے پیٹ میں زندہ رہتا ہے خدا کی قدرت ہے کہ اس مقام میں کوئی سانس لینے کی جگہ نہیں ہے، بڑھتا بھی ہے پھلتا بھی ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ پیشاب پاخانہ کہاں کرتا ہے؟ پیدا ہونے کے بعد اگر ایسی جگہ رکھو جہاں سانس نہ لے سکے تو دو منٹ زندہ نہیں رہ سکتا، پیشاب پاخانہ نہ آئے تو بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنا ہو تو نطفے پر غور کرنے سے سمجھ آسکتی ہے اور نہ سمجھنا چاہے تو پھر کوئی دلیل بھی کچھ نہیں ہے۔

تو فرمایا پیدا کیا ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت میں ﴿فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ تین اندھیروں میں۔ ماں کے پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا، جھلی کا اندھیرا۔ تم کیا تھے اور کیا بنے۔ آج اگر آپ کسی کو کہیں تجھے پاکی پلیدی کا علم نہ تھا جو چیز آئی منہ میں ڈال لیتا تھا تو وہ مانے گا نہیں بلکہ لڑے گا کہ میں کب کھاتا تھا؟ تو انسان کو اپنی حقیقت نہیں بھولنی چاہیے اور جو اپنی حقیقت کو بھول جائے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ فرمایا ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ اللہ تمھارا رب ہے ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ اسی کا ہے ملک۔ اسی کے لیے ہے شاہی جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود، مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، دستگیر، کوئی مقنن، قانون ساز مگر وہی۔ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ "حکم صرف اللہ تعالیٰ کا۔" ﴿فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ﴾ پس تم کدھر پھرے جاتے ہو۔ یہ رب تعالیٰ کی نعمتیں اور قدرتیں دیکھ کر کیوں نہیں حق کی طرف آتے۔ کس انداز سے قرآن پاک نے ہمیں سمجھایا ہے۔ رب ہمیں سمجھنے کی اور پھر اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [امین!]

﴿اِنْ تَكْفُرُوْا﴾ اگر تم کفر کرو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿غَنِیٌّ﴾ بے پروا ہے ﴿عَنْكُمْ﴾ تم سے ﴿وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ اور وہ راضی نہیں ہے اپنے بندوں کے لیے کفر پر ﴿وَاِنْ تَشْكُرُوْا﴾ اور اگر تم شکر ادا کرو ﴿یَرْضَهُ لَكُمْ﴾ تو وہ راضی ہوگا شکر گزاری پر تم سے ﴿وَلَا تَزِرُ﴾ اور نہیں اٹھائے گا ﴿وَازِرَةٌ﴾ کوئی بوجھ اٹھانے والا ﴿وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ کسی دوسرے کا بوجھ ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ﴾ پھر تمھارے رب کی طرف ہے لوٹنا ﴿فَیُنَبِّئُكُمْ﴾ پھر وہ تم کو بتادے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو کچھ تم کیا کرتے تھے ﴿اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

بے شک وہ خوب جاننے والا ہے دلوں کے رازوں کو ﴿ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے انسان کو ﴿ضُرٌّ﴾ کوئی تکلیف ﴿دَعَا رَبَّهٗ﴾ پکارتا ہے اپنے رب کو ﴿ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ﴾ رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ ﴾ پھر جب دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نعمت اپنی طرف سے ﴿ نَسِيَ ﴾ بھول جاتا ہے ﴿ مَا ﴾ اس ذات کو ﴿ كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ ﴾ کہ پکارتا تھا اس کو ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے ﴿ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ اور بناتا ہے رب کے شریک ﴿ لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ تاکہ بہکائے اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ ﴾ فائدہ اُٹھالے اپنے کفر کے ذریعے ﴿ قَلِيْلًا ﴾ تھوڑا سا ﴿ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴾ بے شک تو ہے دوزخ والوں میں سے ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ ﴾ کیا وہ شخص جو اطاعت کرنے والا ہے ﴿ اٰنَآءَ الَّيْلِ ﴾ رات کے اوقات میں ﴿ سَاجِدًا ﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿ وَّقَآىِٕمًا ﴾ اور کھڑے ہوئے ﴿ يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ ﴾ ڈرتا ہے آخرت سے ﴿ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ﴾ اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ ﴾ کیا برابر ہیں وہ لوگ ﴿ يَعْلَمُوْنَ ﴾ جو علم رکھتے ہیں ﴿ وَالَّذِيْنَ ﴾ اور وہ لوگ ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ جو علم نہیں رکھتے ﴿ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ پختہ بات ہے نصیحت حاصل کرتے ہیں عقل مند لوگ۔

کل کے سبق میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل تھے اور یہ بات سمجھائی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ﴿ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴾ اتنے واضح دلائل کے ہوتے ہوئے پھر تم کدھر پھرے جارہے ہو؟ اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا ﴾ اگر تم کفر کرو گے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے تم سے تمھارے کفر کی وجہ سے۔ رب تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑے گا تم یہ سمجھو کہ العیاذ باللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان ہو جائے گا، قطعاً نہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا ساری مخلوق نیک ہو جائے اللہ تعالیٰ کے کمالات وصفات میں سے کسی ایک میں رتی کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا اور اگر معاذ اللہ تعالیٰ سارے کے سارے کافر ہو جائیں تو رب تعالیٰ کے کمالات اور صفات میں ایک رتی کی بھی کمی نہیں ہوگی۔ تمھارے اعمال کا تعلق تمھارے ساتھ ہے اچھے عمل کرو گے تو تمھیں فائدہ ہوگا بُرے عمل کرو گے تو اس کا نتیجہ خود بھگتو گے۔ تمھارے نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کا بنتا کچھ نہیں اور تمہارے بُرے اعمال سے خدا کا بگڑتا کچھ نہیں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے تم پر جو احسانات کیے ہیں ان کا شکر ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوگا۔ اور عبادتوں میں سے جس طرح نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ اس طرح ادا نہیں ہوتا۔ بے شک الحمد للہ! کہنے میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے مگر شکر صرف اس میں بند نہیں ہے کہ اس جملے سے شکر ادا ہو جائے۔ رب تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ [ابراہیم: ۳۴] ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے ﴿ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ راضی

نہیں ہے اپنے بندوں کے لیے کفر پر ﴿وَ اِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ﴾ اور اگر تم شکر ادا کرو گے تو راضی ہو گا تم پر اور نعمت زیادہ دے گا ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ﴾ ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو ضرور بالضرور تم کو زیادہ دے گا۔'' دو تاکیدیں ہیں۔ لام بھی تاکید کا اور نون مشدد بھی تاکید کا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَ لَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ﴾ [ابراہیم: ۷] ''اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔'' وہ کبھی بدنی طور پر ہو گا کہ بیماریاں لگیں گی، کبھی مالی طور پر ہو گا کہ مالی خسارہ ہو گا، کبھی اولاد کی وجہ سے ہو گا، کبھی گھریلو جھگڑے ہوں گے۔

یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر ہم گناہ بھی کریں تو خیر ہے ہمیں کوئی سزا نہیں ہو گی کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں، نیکوں کی اولاد ہیں، اگر ہو گی بھی سہی تو ﴿اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ﴾ چند گنتی کے دن کہ ہمارے بڑوں نے چالیس دن بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ وہ چالیس دن ہمیں سزا ہو گی۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف سات دن سزا ہو گی کہ دنیا کی زندگی صرف سات ہزار سال ہے۔ ان کے خیال کے مطابق ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن دوزخ میں رہیں گے آٹھویں دن جنت میں چلے جائیں گے۔ پھر اسی عقیدے کو عیسائیوں نے اپنایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے منجی ہیں وہ سولی پر چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں ہم جو کچھ کریں ہمیں معاف ہے۔ بھائی! کیسی عجیب منطق ہے کہ گناہ تم کرو اور پھانسی پر وہ چڑھیں۔ پھر گناہ تم کرو دو ہزار سال بعد اور وہ پھانسی پر چڑھیں دو ہزار سال پہلے۔ یہ کوئی دانائی کی بات ہے؟

قرآن کریم اس کا رد کرتا ہے ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى﴾ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور سورہ فاطر آیت نمبر ۱۸ پارہ ۲۲ میں ہے ﴿لَا يُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَىۡءٌ﴾ ''نہیں اُٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز ایک رتی برابر بھی۔'' کسی کا کوئی گناہ نہیں اُٹھائے گا۔

آخرت میں نیکی کی قدر و قیمت

روایات میں آتا ہے کہ میدانِ محشر میں ایک آدمی (ویسے تو بے شمار ہوں گے یہ مثال سمجھو) کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں گی مثلاً نیکیاں بھی پچاس، بدیاں بھی پچاس۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے ایک نیکی تلاش کر کے لاؤ کہ تمہاری نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے۔ وہ بڑا خوش ہو گا کہ ایک نیکی کا کیا ہے وہ اپنے لنگوٹیے یار کے پاس جائے گا اور کہے گا مجھے ایک نیکی دے دو تمھارے پاس بڑی نیکیاں ہیں وہ انکار کر دے گا۔ پھر اپنے بھائی کے پاس جائے گا وہ بھی انکار کر دے۔ آخر میں ماں کے پاس جائے گا اور کہے گا اَتَعۡرِفِيۡنِىۡ ''کیا مجھے پہچانتی ہے میں کون ہوں۔'' کہے گی ہاں! میں پہچانتی ہوں۔ وہاں لوگ ایک دوسرے کو اسی طرح پہچانیں گے جس طرح آج یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ پہچانے گی اور کہے گی میں نے تجھے پیٹ میں اُٹھایا پھر تجھے جنا پھر تجھے دودھ پلایا، تجھے مشکلات میں پالا۔ کہے گا امی! پھر مجھے ایک نیکی دے دے مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے۔ تو ماں ایک نیکی دینے سے انکار کر دے گی۔ اور سورہ عبس پارہ ۳۰ میں ہے ﴿يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ۝ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيۡهِ ۝

وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴾ ''جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور ماں سے اور باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے۔''

آج دنیا میں ایک دوسرے کے لیے جانیں دینے کے لیے تیار ہیں مگر وہاں کوئی ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ یہ سب باطل نظریات ہیں کہ ہمارے گناہ نبی اُٹھالے گا، ولی اُٹھالے گا، وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ قطعاً کوئی نہیں اُٹھائے گا۔ سورہ لقمان آیت نمبر ۳۳ پارہ ۲۱ میں ہے ﴿وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۟ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ ''اور ڈرو اس دن سے کہ نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہوگا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔'' تو فرمایا کوئی بوجھ اٹھانے والا نہیں کسی دوسرے کا ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ﴾ پھر تمھارے رب کی طرف ہے تمھارا لوٹنا۔ دنیا میں مجرم ایک علاقے میں جرم کر کے دوسرے علاقے میں بھاگ جاتے ہیں وہاں جا کر سیاسی پناہ لے لیتے ہیں۔ نام بدل کر اپنا وقت پاس کرتے ہیں لیکن تم سب نے رب کے پاس جانا ہے وہاں تو چھٹکارا نہیں ہے ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ﴾ پھر وہ تمھیں بتائے گا وہ کارروائی ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ [پارہ: ۳۰] ''پس جو نیکی کرے گا ذرہ برابر بھی اسے دیکھ لے گا اور جو کرے گا بدی ذرہ برابر بھی اس کو دیکھ لے گا۔'' تو کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا﴾ [الکہف: ۴۹] ''کیا ہے اس کتاب کو میرے نامہ اعمال کو نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو نہ بڑی چیز کو مگر اس نے اسے سنبھال رکھا ہے۔'' سب کچھ اس میں درج ہے۔ انگلی کے ساتھ اشارہ کیا وہ بھی لکھا ہوا ہے، آنکھ کے ساتھ اشارہ کیا وہ بھی لکھا ہوا ہے۔ تو جو کارروائی تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں بتائے گا۔ ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ خوب جاننے والا ہے دلوں کے رازوں کو۔ ذات کا معنیٰ راز ہے۔ اور صدور صدر کی جمع ہے سینہ۔ اس ذات سے کوئی شے مخفی نہیں ہے لہٰذا اس کا خیال رکھو کہ رب کے پاس جانا ہے رتی رتی کا حساب ہوگا چھوٹی بڑی ہر شے سامنے آئے گی۔

فرمایا ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ﴾ اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو پکارتا ہے وہ اپنے پروردگار کو رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف کہ یا اللہ! میری تکلیف دور کر دے، میری بیماری ختم کر دے، مالی تنگی ختم کر دے، رزق کشادہ کر دے ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً﴾ پھر جب دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نعمت ﴿مِّنْهُ﴾ اپنی طرف سے۔ تکلیف دور ہو جاتی ہے نعمت مل جاتی ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔ بے شک دولت اگر جائز طریقے سے حاصل ہو تو بُری شے نہیں ہے لیکن ایسی دولت کہ جس کے بعد نمازیں ہی بھول جائیں حق و باطل کی تمیز نہ رہے ایسی دولت نقصان دہ ہے۔ فرمایا جب اللہ تعالیٰ اس کو نعمت دے دیتا ہے اپنی طرف سے ﴿نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ بھول جاتا ہے اس ذات کو جس کو پکارتا تھا اس سے پہلے ﴿وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ اور بناتا ہے رب کے شریک۔ ویسے عموماً لوگوں کی عادت ہے کہ کمزور پہلو رب کے لیے چھوڑتے ہیں طاقت ور پہلو دوسروں کے لیے۔

مثال کے طور پر کسی بیمار کو رب تعالیٰ شفا دیتا ہے تو کہتے ہیں ڈاکٹر بڑا سمجھ دار تھا، حکیم بڑا دانا تھا، دوائیاں بڑی قیمتی

تھیں۔صحت حکیم اور ڈاکٹروں کے کھاتے اور اگر صحت یاب نہ ہوا تو کہیں گے رب کو ایسے ہی منظور تھا۔بھئی! دوسرے پہلو میں بھی رب کو یاد رکھو کہ شفا بھی رب نے دی ہے،مقدمے سے نجات مل گئی،قید سے رہائی مل گئی تو کہتا ہے میرا وکیل بیرسٹر تھا وہ بڑا قابل تھا۔اگر ہار جائے تو کہتا ہے رب کو ایسے ہی منظور تھا۔اگر امتحان میں کامیاب ہو گیا تو کہتا ہے میں نے بڑی محنت کی ہے۔ناکام ہو گیا تو کہتا ہے رب کو ایسے ہی منظور تھا۔تو کمزور پہلو رب تعالیٰ کے لیے اور طاقت ور پہلو دوسروں کے لیے۔بھئی! دونوں پہلوؤں میں رب کو یاد رکھو۔ڈاکٹروں کی کیا حیثیت ہے،حکیموں کی کیا وقعت ہے،دوائیاں کیا ہوتی ہیں؟ اگر رب تعالیٰ ان میں اثر نہ رکھے۔یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔اسباب پر کبھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

آگ کا کام ہے جلانا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کتنا لمبا چوڑا بھٹہ تیار کیا گیا اور کتنا ایندھن ڈالا گیا اس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ بندہ اس سے زندہ نکل سکتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ کر آلہ منجنیق کے ذریعے اس کے درمیان میں ڈالا گیا۔رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا﴾ [الانبیاء:۶۹] ''آگ نے صرف رسیاں جلائیں سر اور جسم کے ایک بال کو بھی ضائع نہیں کیا۔'' بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہوئے۔جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ڈاڑھی میں سفید بال ہیں عرض کیا پروردگار! یہ کیا ہے؟ فرمایا بزرگی ہے۔عرض کیا زِدْنِيْ بزرگی میرے لیے اور زیادہ کر دے۔حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار سال تھی بال کالے تھے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک چودہ سو سال تھی بال کالے رہے۔تو سبب سبب ہوتا ہے رب نہیں ہوتا۔لہٰذا سبب کو سبب سمجھو رب نہ سمجھو۔

تو فرمایا بنا تا ہے رب کے شریک ﴿لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ تا کہ گمراہ کرے اللہ تعالیٰ کے راستے سے دوسروں کو اور خود بھی گمراہ ہو۔لوگ ایک دوسروں کو دیکھ کر عادتیں اور نظریات اپناتے ہیں۔جیسے خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔دیکھو! یہ چھوٹے بچے بڑوں کی نقالی کرتے ہیں الامان والحفیظ! چند دن ہوئے ہیں گھر ایک بچی آئی اور ناچنے کا تماشا لگایا۔میں نے کہا یہ بچی کیا کرتی ہے کہنے لگے کہ یہ ٹی،وی میں عورتوں کو ناچتے ہوئے دیکھتی ہے یہ بھی ناچ رہی ہے۔چھوٹی سی بچی انڈے جتنی۔یہ عملی سبق زبانی سبق سے جلدی یاد ہوتا ہے۔

اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ تم نمازوں کا اکثر حصہ گھروں میں پڑھا کرو کہ تمھارے چھوٹے بچے دیکھیں گے تو ان کا ذہن بنے گا۔تو گمراہ کو دیکھ کر دوسرے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا﴾ اے منکر نا شکرے! فائدہ اٹھا لے اپنے کفر کے ذریعے تھوڑا سا۔کتنا عرصہ زندہ رہو گے؟ دس،بیس سال،سو سال،ہزار سال،آخر مرنا ہے ﴿اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ﴾ بے شک تو ہے دوزخ والوں میں سے۔فرمایا ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ﴾۔ قنوت کا معنیٰ ہے اطاعت۔اور اٰنَآءَ اِنًی کی جمع ہے جیسے اِنًی کا لفظ لکھا جاتا ہے او پر دوزبر ڈال دیں۔اس کا معنیٰ ہے وقت۔معنیٰ ہو گا کیا جو شخص اطاعت کرنے والا ہے رات کے اوقات میں ﴿سَاجِدًا﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَّقَآئِمًا﴾ اور کھڑے ہوئے۔کبھی سجدے میں

پڑا ہوا ہے کبھی رب کے سامنے کھڑا ہے عبادت میں ﴿یَحۡذَرُ الۡاٰخِرَۃَ﴾ ڈرتا ہے آخرت سے کہ آخرت ضرور آنی ہے اور اس کا حساب کتاب بڑا مشکل ہے ﴿وَیَرۡجُوۡا رَحۡمَۃَ رَبِّہٖ﴾ اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی۔ ایک تو یہ شخص ہے اور دوسری طرف نافرمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

ایک کی راتیں گزرتی ہیں رب تعالیٰ کی عبادت میں، کبھی قیام میں، کبھی سجدے میں، کبھی رکوع میں، کبھی سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ پڑھتا ہے، کبھی سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتا ہے، کبھی اپنے جرموں کا اقرار کرتے ہوئے رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ ظُلۡمًا کَثِیۡرًا کہہ کر رب سے معافی مانگتا ہے۔ اور دوسرا وہ ہے کہ مزے سے سویا ہوا ہے غفلت میں یا رات گناہوں میں بسر کرتا ہے اور رب سے غافل ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ﴾ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ﴿وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے۔ ایک وہ ہیں جو حقیقت اور حق کو جانتے ہیں توحید و سنت کو جانتے ہیں کھری کھوٹی بات کو سمجھتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو نہیں جانتے۔ یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے ﴿اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾ پختہ بات ہے نصیحت حاصل کرتے ہیں عقل مند۔ اَلۡبَابٌ لُبٌّ کی جمع ہے اور اُولوا، ذو کی جمع ہے من غیر لفظہ۔ جو عقل مند ہیں وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں دوسروں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسے بھینس کے سامنے بین بجانا یا اس کو گانا سناؤ تو وہ کیا سمجھے گی؟ بس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جنتی بنائے، قرآن پاک سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿یٰعِبَادِ الَّذِیۡنَ﴾ اے وہ بندو! ﴿اٰمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ﴾ ڈرو تم اپنے رب سے ﴿لِلَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿اَحۡسَنُوۡا﴾ جنھوں نے نیکی کی ﴿فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا﴾ اس دنیا کی زندگی میں ﴿حَسَنَۃٌ﴾ بھلائی ہے ﴿وَاَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ﴾ اور اللہ کی زمین کشادہ ہے ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی﴾ پختہ بات ہے پورا دیا جائے گا ﴿الصّٰبِرُوۡنَ﴾ صبر کرنے والوں کو ﴿اَجۡرَہُمۡ﴾ ان کا اجر ﴿بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾ بغیر حساب کے ﴿قُلۡ﴾ آپ فرما دیں ﴿اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ﴾ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ﴾ کہ میں عبادت کروں اللہ تعالیٰ کی ﴿مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین کو ﴿وَاُمِرۡتُ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿لِاَنۡ اَکُوۡنَ﴾ اس بات کا کہ میں ہو جاؤں ﴿اَوَّلَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾ مسلمانوں میں پہلا ﴿قُلۡ﴾ آپ فرما دیں ﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں ﴿اِنۡ عَصَیۡتُ﴾ اگر میں نے نافرمانی کی ﴿رَبِّیۡ﴾ اپنے رب کی ﴿عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب سے ﴿قُلِ﴾ آپ فرما دیں ﴿اللّٰہَ اَعۡبُدُ﴾ اللہ ہی کی میں عبادت کرتا ہوں

﴿مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ﴾ خالص کرتا ہوں اسی کے لیے اپنا دین ﴿فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ پس تم عبادت کرو جس کی چاہتے ہو ﴿مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ﴾ بے شک نقصان اٹھانے والے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ جنھوں نے خسارے میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿وَ اَهْلِيْهِمْ﴾ اور اپنے گھر والوں کو ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ یہی ہے کھلا نقصان ﴿لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ﴾ ان کے لیے ان کے اوپر سائے ہوں گے ﴿مِّنَ النَّارِ﴾ آگ سے ﴿وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ اور ان کے نیچے بھی سائے ہوں گے ﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ﴾ یہ وہ چیز ہے کہ ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِهٖ عِبَادَهٗ﴾ اس کے ساتھ اپنے بندوں کو ﴿يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ اے میرے بندو مجھ سے ڈرو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں میری طرف سے میرے بندوں کو ﴿يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ میرے وہ بندے جو ایمان لائے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں حقیقتاً یہ میرے بندے ہیں۔ ان کو کیا کہیں؟ یہ کہیں ﴿اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ ڈرو تم اپنے رب سے یعنی اپنے رب کے عذاب سے ڈرو، رب تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرو۔ احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بے سمجھی میں اس کا معنیٰ کیا ہے: ''تم فرماؤ اے میرے بندو!'' یعنی بندوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ پھر کہتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بندے بھی ہو سکتے ہیں تو پھر عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالرسول نام بھی رکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق بات سمجھ لیں۔

عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالرسول نام رکھنا کیسا ہے؟

ویسے تو میں نے ''راہِ سنت'' میں بڑے بسط کے ساتھ باحوالہ بحث کی ہے وہاں دیکھ لینا۔ اختصار کے ساتھ یہاں بھی سمجھ لیں۔ عبد کا ایک معنیٰ بندہ ہے جیسے عبداللہ کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا بندہ، عبدالرحمٰن کا معنیٰ ہے رحمان کا بندہ، عبدالرحیم کا معنیٰ ہے رحیم کا بندہ۔ اس معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔ نہ عبدالنبی کہنا جائز ہے، نہ عبدالرسول، نہ عبدالمصطفیٰ کہنا جائز ہے کہ یہ قطعاً شرک ہے۔ عبد کا دوسرا معنیٰ ہے غلام۔ تو اس معنیٰ کے لحاظ سے عبدالرسول بھی صحیح ہے، عبدالنبی بھی صحیح ہے، عبدالمصطفیٰ بھی صحیح ہے۔ اس کا مطلب بنے گا غلام رسول، غلام نبی، غلام مصطفیٰ۔ اس معنیٰ میں یہ اچھے نام ہیں۔ لیکن ایسے الفاظ کہ جن میں اشتباہ ہو کہ ان کا غلط معنیٰ بھی نکل سکتا ہے وہ الفاظ نہیں استعمال کرنے چاہییں۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۰۴ میں ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ ''اے ایمان والو مت کہو ﴿رَاعِنَا﴾ بلکہ کہو ﴿انْظُرْ﴾'' کیونکہ یہودی اس کا غلط معنیٰ مراد لیتے تھے۔ وہ اس طرح کہ راعنا رعایت سے ہو تو اس کا معنیٰ ہے آپ ہماری رعایت فرمائیں کہ مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائیں کہ مجلس میں شہری بھی ہیں، دیہاتی بھی ہیں، ذہین بھی ہیں،

اوسط درجے کے بھی ہیں، کمزور ذہن کے بھی۔ ہر مجمع میں ایسا ہوتا ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا کہ اس میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ بات کرنے والا بات شروع کرتا ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے کیا کہنا ہے۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بات مکمل ہو جانے پر پوچھتے ہیں کہ اس نے کیا کہا ہے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے رَاعِنَا کہ ہماری رعایت فرمائیں۔ لفظ بھی صحیح تھا، معنیٰ بھی صحیح تھا، مراد بھی صحیح تھی۔ لیکن یہودی ذرا زبان کو دبا کر "ی" پیدا کر کے راعینا کہتے تھے جس کا معنیٰ بنتا ہے ہمارا چرواہا، معاذ اللہ تعالیٰ۔

ایسا لفظ جس سے غلط معنیٰ مراد لیا جاسکتا ہو اس کا بولنا صحیح نہیں

جس طرح کہ جب مسلمان آتے تو کہتے السلام علیکم اور یہودی آتے تو کہتے السام علیکم۔ سلام کا معنیٰ سلامتی اور سام کا معنیٰ موت ہے۔ تم پر موت ہو۔ عام آدمی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ایک یہودی نے آکر کہا: السام علیکم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی ذہین تھیں پردے میں بیٹھی تھیں سن لیا فوراً کہا: علیك السام و اللعنة "تجھ پر موت اور لعنت ہو۔" یہودی بات کر کے چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم بڑی غصے میں تھی کیا بات تھی؟ کہنے لگیں اَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالَ "حضرت آپ نے سنا نہیں اس نے کیا کہا؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ لَہٗ "کیا تو نے نہیں سنا جو میں نے جواب میں اس کو کہا۔ اس نے کہا: السَّامُ عَلَيْكَ تجھ پر موت ہو۔ میں نے کہا: عَلَيْكَ تجھ پر ہو۔ جواب بھی پورا ہو گیا اور بدمزگی بھی نہیں ہوئی۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے راعنا۔ تو یہودی اس سے غلط فائدہ اٹھاتے۔

تو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ حضرت! ہم پر نظر شفقت فرمائیں۔ تو اس سے قاعدہ یہ نکلا کہ ایسا لفظ کہ جس سے غلط معنیٰ بھی مراد لیا جا سکتا ہو اس کا بولنا صحیح نہیں ہے۔ جیسے یا رسول اللہ کا جملہ ہے کہ اگر کوئی پیار سے کہے تو اس پر کوئی جرح نہیں ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں اور میری مدد کرتے ہیں تو پھر یہ کہنا جائز نہیں ہے۔ اور احمد رضا خان بریلوی کا یہی عقیدہ تھا۔ وہ کہتا ہے:

بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا

(حدائق بخشش: صفحہ ۵۰، حصہ ۲)

تو یہ شرک ہے۔ تو غلام نبی، غلام مصطفیٰ، غلام رسول یہ نام صحیح ہیں لیکن چونکہ عبد المصطفیٰ، عبد الرسول جیسے الفاظ کا صحیح معنیٰ بھی ہے اور غلط معنیٰ بھی بنتا ہے اس لیے فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہیں۔ لہٰذا ایسے نام نہیں رکھنے چاہییں۔ کیونکہ کم فہم لوگ اس کا اور معنیٰ سمجھیں گے لہٰذا یہ ممنوع ہیں۔ اب آپ احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ سمجھیں۔ پھر میں تمھیں قرآن کریم کا ضابطہ بتاتا ہوں۔ صحیح ترجمہ تو یہ ہے کہ اے نبی کریم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو کہہ دیں میری طرف سے ﴿يٰعِبَادِ﴾ اے میرے بندو! اور میرے بندے کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے۔ اور احمد رضا خان بریلوی یہ ترجمہ کرتا ہے: "آپ فرمائیں اے میرے بندو۔" یعنی بندہ ہونے کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی ہے۔

اب تم نکالو سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۸۰-۷۹ ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ ''کسی بشر کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ بشر جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی ہے، حکم دیا ہے، نبوت عطا فرمائی ہے (اب غیر نبی تو سارے نکل گئے) جو نبی ہے کتاب، نبوت، حکم ملنے کے بعد کہے لوگوں کو ہو جاؤ تم میرے بندے۔'' تو بات سمجھ آ گئی نا، کہ کسی بشر کو حق نہیں وہ بشر کہ جس کو رب نے کتاب دی ہے، حکم دیا ہے، نبوت دی ہے۔ یہ سب کچھ ملنے کے بعد لوگوں کو کہے ہو جاؤ تم میرے بندے۔ وہ یہ کہے گا ﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ﴾ ''لیکن ہو جاؤ تم رب والے اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم اس کو پڑھتے ہو ﴿وَلَا يَاْمُرَكُمْ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تمھیں حکم نہیں دے گا کہ بناؤ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔'' یہ کفر سکھانے کے لیے نہیں آیا۔ تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی پیغمبر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کہے میرے بندے بن جاؤ۔ تو پھر بریلوی کا ترجمہ کیسے صحیح ہوا کہ آپ فرما رہے ہیں اے میرے بندو!

تو یہ رب تعالیٰ اپنی طرف سے اعلان کروا رہے ہیں کہ اے میرے پیغمبر میرے بندوں کو میری طرف سے اعلان کر کے کہہ دیں اے میرے وہ بندو! جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ ڈرو تم اپنے رب کی گرفت سے، اپنے رب کے عذاب سے بچو، اپنے رب کی مخالفت سے بچو ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے نیکی بھلائی کی ﴿فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ﴾ اس دنیا میں بھلائی ان کو حاصل ہوگی۔ بھلائی کا مطلب مال کا زیادہ ملنا نہیں۔ مال تو رب کافروں کو بھی دیتا ہے۔ بلکہ حسنہ کا معنیٰ ہے ایسی پاکیزہ زندگی جو عقیدے، اخلاق، اعمال کے لحاظ سے اچھی ہوگی۔ مال کا زیادہ ہونا کوئی حسنہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے بھلائی کی ان کو اللہ تعالیٰ ایسی پاکیزہ اور صاف زندگی دے گا کہ جس سے یہ دنیا بھی سنورے گی اور آخرت بھی سنورے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض علاقوں میں کافروں کا غلبہ ہوتا ہے، بدمعاشوں کا غلبہ ہوتا ہے وہ ان کو صحیح طور پر چلنے نہیں دیتے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ ہے۔ اگر وہ یہاں تمھیں اللہ اللہ نہیں کرنے دیتے تو اور جگہ چلے جاؤ۔ ہجرت کوئی آسان مسئلہ نہیں ہے۔ مکان، کارخانہ، زمین چھوڑ کر کون جاتا ہے؟ مگر جب ایمان صحیح ہو اور ایمان میں پختگی ہو اور سمجھے کہ یہاں میرا ایمان باقی نہیں رہ سکتا تو پھر ضرور ہجرت کرنی چاہیے اور اب تک کرتے آرہے ہیں ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ﴾ پختہ بات ہے پورا دیا جائے گا صبر کرنے والوں کو ان کا اجر ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ بغیر حساب کے۔ جو لوگ دین پر ڈٹے رہتے ہیں، تکلیفیں سہتے ہیں، مصیبتیں برداشت کرتے ہیں رب کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو اتنا اجر دے گا جو گنتی میں نہیں آئے گا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِّيْٓ اُمِرْتُ﴾ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے رب تعالیٰ کی طرف سے ﴿اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ﴾ کہ میں عبادت کروں صرف اللہ تعالیٰ کی ﴿مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ دین اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خالص رب کی عبادت

کروں ﴿ وَاُمِرْتُ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿ لِاَنْ اَكُوْنَ ﴾ کہ ہو جاؤں میں ﴿ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ مسلمانوں میں پہلا۔ جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو اس کو سب سے پہلے ماننے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اگر نبی خود نہیں مانے گا معاذ اللہ تعالیٰ تو اور کسی کو کیا دعوت دے گا؟ تو فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے میں پہلے مانوں پھر آگے چلوں۔

کافروں کے مختلف وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے آنے سے اختلافات اور جھگڑے شروع ہو گئے ہیں۔ ہر گھر میں جھگڑا ہو رہا ہے، باپ بیٹا لڑ رہے ہیں، بھائی بھائی لڑ رہے ہیں، میاں بیوی میں اختلاف ہے، بازاروں میں، گھروں میں، گلیوں میں جھگڑے ہو رہے ہیں ان جملہ اختلافات کی ذمہ داری آپ کے سر ہے۔ صلح صفائی اچھی چیز ہے اس طرح کریں کہ آپ ہمارے معبودوں کو پکاریں ان کی عبادت کریں ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں اور پکاریں اور مل جل کر وقت گزاریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں ﴿ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ ﴾ اگر میں نے نافرمانی کی اپنے رب کی ﴿ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾ ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے۔ لہٰذا میں اپنے رب کی نافرمانی کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں۔ ﴿ قُلِ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اللّٰهَ اَعْبُدُ ﴾ اللہ ہی کی میں عبادت کرتا ہوں۔ نہ لات کوئی شے ہے، نہ منات، نہ عزیٰ، میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں ﴿ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴾ خالص کرنے والا ہوں اسی کے لیے اپنا دین ﴿ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ پس تم عبادت کرو اس کی جس کو چاہتے ہو اس کے نیچے نیچے۔ لات کی کرتے ہو، منات کی کرتے ہو، عزیٰ کی کرتے ہو، ہبل کی کرتے ہو۔ تم جس کی مرضی عبادت کرو یہ تمہارا دین ہے میں صرف رب تعالیٰ کی عبادت کروں گا۔

﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ان کو ﴿ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ ﴾ بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں ﴿ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ جنھوں نے خسارے میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿ وَ اَهْلِیْهِمْ ﴾ اور اپنے اہل و عیال کو خسارے میں ڈالا۔ خسارہ بھی کون سا؟ ﴿ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ قیامت والے دن کا۔ دنیا میں خسارے اور نقصان ہوتے ہیں بعض دفعہ ان کی تلافی بھی ہو جاتی ہے آخرت کے نقصان کی کوئی تلافی نہیں ہے۔ اس دن سوائے اپنے ہاتھوں کو کاٹنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا ﴿ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ ﴾ [الفرقان: ۲۷] ''جس دن کاٹیں گے ظالم اپنے ہاتھوں کو افسوس کی وجہ سے ﴿ یَقُوْلُ ﴾ کہیں گے ﴿ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ﴾ کاش میں نے پکڑ لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ۔'' اور یہ بھی کہے گا ﴿ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ﴾ ''اے خرابی کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا'' اس نے میرا بیڑا غرق کیا۔ مگر وہاں ہاتھ کاٹنے اور واویلا کرنے کا کیا فائدہ؟ احادیث میں آتا ہے کہ ایک ایک مجرم اتنا روئے گا کہ ان کے آنسوؤں سے گالوں پر ندی، نالے بن جائیں گے کہ اگر ان میں کشتی چلائی جائے تو چل سکے گی۔ تو اصل نقصان اٹھانے والا وہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نقصان میں ڈالا قیامت والے دن۔

فرمایا ﴿ اَلَا ذٰلِكَ ﴾ خبردار یہی ہے ﴿ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴾ کھلا نقصان۔ دنیا کا نقصان کوئی نقصان نہیں ہے اصل

نقصان یہ ہے کہ آخرت برباد ہو جائے۔ پھر کیا ہوگا ﴿لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ﴾ ان کے لیے ان کے اوپر سائے ہوں گے آگ سے۔لوگوں کی عادت یہ ہے کہ سردی کے موسم میں نیچے تلائی گدا وغیرہ بچھاتے ہیں اور اوپر رضائی لیتے ہیں۔گرمی کے موسم میں تلائی گدا نیچے سے نکال دیتے ہیں نیچے دری بچھا دیتے ہیں اوپر چادر وغیرہ لے لیتے ہیں مکھی مچھر سے بچنے کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ گرمی سردی میں کچھ اوپر لیتے ہیں کچھ نیچے لیتے ہیں۔ان کے اوپر نیچے کیا ہوگا؟ اوپر بھی آگ کے سائے ہوں گے اور نیچے بھی آگ کے سائے ہوں گے ﴿وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ اور ان کے نیچے بھی سائے ہوں گے آگ کے۔آگ بھی وہ جو دنیا کی آگ سے اُنہتر گنا تیز ہوگی اور دنیا کی آگ اتنی تیز ہے کہ اس میں لوہا، تانبا پگھل جاتا ہے۔فرمایا ﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ﴾ یہ وہ چیز ہے کہ ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے بندوں کو۔

اس سے پہلے آیت میں آچکا ہے کہ آپ کہہ دیں میرے بندوں کو جو ایمان لاتے ہیں ڈرتے رہو اپنے رب سے۔اور یہاں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو ﴿يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو یعنی میری گرفت سے ڈرو، میرے عذاب سے ڈرو۔رب تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں آنحضرت ﷺ کی وساطت سے اعلان کر کے سنا دیا ہے کہ رب تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے بچو۔

﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اجْتَنَبُوا﴾ جنھوں نے کنارہ کشی کی ﴿الطَّاغُوْتَ﴾ طاغوت سے ﴿اَنْ يَّعْبُدُوْهَا﴾ یہ کہ اس کی عبادت کریں ﴿وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ اور انھوں نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى﴾ ان کے لیے خوش خبری ہے ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ پس آپ خوش خبری سنا دیں میرے بندوں کو ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ ﴿يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ﴾ جو سنتے ہیں بات کو ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ پس پیروی کرتے ہیں اس کی اچھی باتوں کی ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿هَدٰىهُمُ اللّٰهُ﴾ جن کو ہدایت دی اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ اور یہی لوگ ہی عقل مند ہیں ﴿اَفَمَنْ﴾ کیا پس وہ شخص ﴿حَقَّ عَلَيْهِ﴾ لازم ہو چکا اس پر ﴿كَلِمَةُ الْعَذَابِ﴾ عذاب کا فیصلہ ﴿اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ﴾ کیا پس آپ چھڑا لیں گے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿فِي النَّارِ﴾ جو دوزخ میں ہے ﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں ﴿رَبَّهُمْ﴾ اپنے رب سے ﴿لَهُمْ غُرَفٌ﴾ ان کے لیے بالا خانے ہیں ﴿مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ﴾ ان کے اوپر اور بالا خانے ہیں ﴿مَّبْنِيَّةٌ﴾ تعمیر شدہ ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿وَعْدَ اللّٰهِ﴾ یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا ﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ نہیں خلاف ورزی کرتا اللہ تعالیٰ وعدے کی ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ﴾ نازل کیا اس

نے آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿فَسَلَكَهٗ﴾ پس چلا دیا اس کو ﴿يَنَابِيْعَ﴾ چشموں میں ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ﴾ پھر نکالتا ہے اس پانی کے ذریعے ﴿زَرْعًا﴾ کھیتی ﴿مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾ مختلف ہیں رنگ اس کے ﴿ثُمَّ يَهِيْجُ﴾ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے ﴿فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا﴾ پس دیکھتا ہے تو اس کو زرد ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا﴾ پھر کر دیتا ہے اس کو چورا چورا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَذِكْرٰى﴾ البتہ نصیحت ہے ﴿لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ عقل مندوں کے لیے۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنھوں نے اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال کو خسارے میں رکھا قیامت والے دن۔ اب ان کے مدمقابل لوگوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کنارہ کشی کی، پرہیز کیا طاغوت سے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے چوٹی کے مفسر ہیں وہ طاغوت کا معنیٰ شیطان بھی کرتے ہیں اور جادوگر بھی کرتے ہیں۔ اور طاغوت کا معنیٰ فال نکالنے والا اور بت بھی ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو خلاف شرع چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں ﴿اَنْ يَّعْبُدُوْهَا﴾ کہ وہ طاغوت کی عبادت کریں، اس کی پرستش کریں، اس پر یقین کریں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس آدمی نے فال نکالنے والے کو ہاتھ دکھایا کہ دیکھ میری قسمت میں کیا ہے؟ (چاہے دل میں یقین نہیں ہے ویسے دل لگی کے طور پر) تو اس شخص کی چالیس دن اور چالیس راتوں کی نمازوں کا اجر ضائع ہو گیا۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ اَتٰى كَاهِنًا (اِلٰى قَوْلِهٖ) فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ)) ”جو آدمی کاہن کے پاس آیا پس تحقیق اس نے انکار کر دیا اس شریعت کا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔“ ایسا آدمی از روئے شریعت کافر ہے۔ تو فرمایا جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے، جادوگروں سے، فال نکالنے والوں سے، بتوں سے کہ ان کی عبادت کریں ﴿وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ﴾ اور رجوع کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى﴾ ان کے لیے خوش خبری ہے ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ پس آپ خوش خبری سنا دیں میرے بندوں کو کامیاب ہونے کی۔ اور بشارت اور خوش خبری کے مستحق کون لوگ ہیں ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ﴾ جو سنتے ہیں میری بات کو ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ پس پیروی کرتے ہیں اس کی اچھی باتوں کی ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ اور یہی لوگ ہی عقل مند ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنھوں نے طاغوت کی پوجا کو چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔

احسن کا مفہوم اس طرح بھی بیان فرماتے ہیں کہ شریعت میں بعض چیزیں حسن ہیں اور بعض احسن ہیں۔ اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی کو نقصان پہنچایا۔ تو جس کا نقصان ہوا ہے اس کے لیے جائز ہے بدلہ لینا اور جائز کام حسن کہلاتا ہے۔ اور اگر وہ بدلہ لینے کے بجائے معاف کر دے تو یہ احسن ہے یعنی بہت اچھا فعل ہوگا اور اس کے بدلے میں

اسے آخرت میں بہت بڑا اجر ملے گا۔ حسن اور احسن کی مثال اس طرح بھی دی جا سکتی ہے کہ ایک طرف عزیمت ہے اور دوسری طرف رخصت ہے۔ رخصت کو اختیار کرنا حسن ہے اور عزیمت کو اختیار کرنا احسن ہے۔ مثلاً: مسافر کے لیے سفر کے دوران میں روزہ نہ رکھنا رخصت ہے اور اگر وہ رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرے اور روزہ رکھ لے تو احسن ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے احسن چیز کو اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔

سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں

آگے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ آپ میرا پیغام پہنچائیں اگر کوئی نہیں مانتا تو پریشان نہ ہوں ﴿ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ﴾ ''کیا پس آپ چھڑا لیں گے اس کو جو دوزخ میں ہے۔'' بعض جاہل شاعر یہ شعر عام مجلسوں میں پڑھتے ہیں:

اللہ دے پکڑے چھڑاوے محمد

محمد دے پکڑے چھڑا کوئی نئیں سکدا

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ اسی بات کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے ﴿ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْہِ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ﴾ کیا پس وہ شخص جس پر لازم ہو چکا عذاب کا فیصلہ ﴿ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ﴾ کیا پس آپ اس کو چھڑا لیں گے جو دوزخ میں ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں قرآن کریم مجسمہ ہدایت ہے۔ صرف قرآن پاک سے دو مثالیں عرض کرتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا عبدالمناف جس کی کنیت ابو طالب تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد تھے حدیث میں اس کے چار بیٹوں اور ایک بیٹی کا ذکر آتا ہے۔ بڑے بیٹے کا نام طالب تھا اور اسی کی طرف نسبت سے کنیت ابو طالب تھی۔ یہ طالب مسلمان نہیں ہوا باقی تین بیٹے حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت علی رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے اور بیٹی کا نام فاختہ تھا اُم ہانی اس کی کنیت تھی آج بھی مسجد حرام میں ایک دروازے کے اندر اور باہر لکھا ہوا ہے ''باب ام ہانی'' یہاں ان کا مکان ہوتا تھا۔ یہ بھی مسلمان ہوئی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان فوت ہوئے ہیں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کتنی تھی؟ بعض نے بارہ سال اور بعض نے آٹھ سال لکھی ہے۔ دادا جان کی وفات سے لے کر اپنی وفات تک ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے اور وہ دنیاوی لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا خیر خواہ تھا۔ جب ابو طالب فوت ہوئے ہیں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچاس سال تھی۔ تو اگر دادا جان کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی تو پھر ابو طالب نے آپ کی اڑتیس (۳۸) سال خدمت کی ہے۔ اور اگر آٹھ (۸) سال مانو تو پھر بیالیس (۴۲) سال خدمت کی ہے لیکن اسے ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔

ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس جا بیٹھے۔ ابوجہل، ابولہب وغیرہ بھی پاس بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں پھر میں چچے کے سامنے کلمہ پیش کروں کہ یہ لوگ آڑے آئیں گے۔ مگر وہ لوگ بڑے ہوشیار تھے کہاں جانے والے تھے۔ جب ابو طالب کی حالت غیر ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

موجودگی میں کہا کہ چچا جان! لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کہہ سن سکوں۔ ابوطالب نے کہا کہ اگر مجھے اپنی گروہ بندی کا خیال نہ ہوتا تو میں ضرور آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ سارے ادیان میں سے تیرا دین سب سے اچھا ہے۔ جس وقت یہ نرم نرم باتیں کیں تو ابوجہل بول پڑا۔ کہنے لگا: یَا غَدَرُ ''اے غدار! اَتَتْرُكَ مِلَّةَ اَبِيْكَ عبدالمطلب کیا تو اپنے باپ عبدالمطلب کا دین چھوڑنا چاہتا ہے؟'' آپ اپنی طرف کھینچتے رہے وہ اپنی طرف کھینچتے رہے۔ اس نے آخری بات یہ کہی اَبٰی اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔'' مر گیا مگر دھڑا نہیں چھوڑا۔ آنحضرت ﷺ نے نہ میت کو کندھا دیا ہے اور نہ جنازے میں شرکت کی ہے، نہ قبر میں پہنچایا ہے۔ اُٹھ کر چلے آئے۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آکر بتلایا کہ حضرت! تمھارا بوڑھا چچا گمراہ مر گیا ہے۔ مشرک کے لفظ بھی ہیں کہ تمھارا بوڑھا چچا مشرک مر گیا ہے میں کیا کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وَارِ اَبَاكَ اپنے باپ کو دفن کر دو۔

ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کی بڑی خدمت کی ہے اور ساتھ دیا اور بالواسطہ دین کی بھی خدمت ہوئی۔ جب لوگ آنحضرت ﷺ پر حملہ آور ہوتے تھے، آنحضرت ﷺ کو اذیت پہنچانے کے لیے آتے تھے تو ابوطالب سامنے آکر کھڑے ہو جاتے تھے کہ پہلے مجھے مارو پھر میرے بھتیجے کی طرف جانا۔ چونکہ ظاہری لحاظ سے شریف الطبع اور خاندانی اعتبار سے اونچے تھے اور کعبۃ اللہ کے متولیوں میں سے تھے اثر ورسوخ والے آدمی تھے لوگ شرم وحیا کرتے تھے واپس چلے جاتے تھے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی اے پروردگار! تیری رحمت بڑی وسیع ہے میرے چچے نے میری بڑی خدمت کی ہے اور بالواسطہ دین کی خدمت کی ہے میرے چچے کو بخش دے۔ آنحضرت ﷺ کو دعا کرتے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مشرک ماں باپ، بہن بھائیوں کے لیے دعائیں شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کے متعلق حکم نازل فرمایا تا کہ آنے والی نسلوں کو مغالطہ نہ رہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ [توبہ: ۱۱۳] ''نہیں حق پہنچتا نبی کو اور ان لوگوں کو بھی حق نہیں پہنچتا جو مومن ہیں کہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان کے لیے واضح ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے پکڑا آپ ﷺ نے چھڑانے کی کوشش کی تو رب تعالیٰ نے دعا سے بھی منع فرما دیا۔

دوسرا واقعہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا ہے۔ ظاہری طور پر سارے کام مسلمانوں والے کرتا تھا بلکہ پہلی صف میں بیٹھتا تھا۔ امیر آدمی تھا چندہ بھی دل کھول کر دیتا تھا مگر دل صاف نہیں تھا بیٹے کا نام بھی عبداللہ اور وہ مخلص مومن تھا رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن ابی کی وفات ہوگئی تو بیٹے نے آکر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ حضرت! میرا والد فوت ہو گیا ہے میں نہیں کہتا کہ وہ مخلص تھا بایں ہمہ اگر آپ ﷺ اس کے لیے دعا کریں کہ مغفرت کی کوئی صورت ہو جائے۔ حضرت! جنازہ بھی پڑھا دیں آنحضرت ﷺ نے وعدہ کر لیا کہ میں جنازہ پڑھاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاس تھے کہنے لگے حضرت! آپ منافق کا جنازہ پڑھا رہے

ہیں فلاں دن اس نے یہ کیا فلاں دن اس نے یہ کہا پھر جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پڑھانے کے لیے اٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کندھے والی چادر کو کھینچا کہ حضرت ! کہاں جا رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود حلیم الطبع ہونے کے فرمایا عمر! تم مجھ پر داروغہ مسلط ہوئے ہو؟ وہ خاموش ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت دو کرتے پہنے ہوئے تھے نیچے والا کرتا جو جسم مبارک کے ساتھ لگا ہوا تھا اتار کر فرمایا کہ اس کا کفن اس کو پہناؤ۔ اپنا لعاب مبارک اس کے جسم پر ملا، جنازہ پڑھایا، قبر پر کھڑے ہو کر دعا کی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [توبہ:۸۰] ''آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں اگر ان کے لیے ستر (۷۰) مرتبہ بھی بخشش مانگیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ مزید فرمایا ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ [توبہ:۸۴] ''اور اے پیغمبر آپ نہ نماز پڑھیں کسی ایک پر ان میں سے جو مر گیا کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر۔'' اللہ تعالیٰ نے پکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑانے کی کوشش کی۔ اس سے زیادہ اور کیا کوشش ہو سکتی تھی؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھڑا سکے۔ تو یہ کہنا: ؎

اللہ دے پکڑے چھڑاوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بالکل قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا پس وہ شخص جس پر لازم ہو چکا ہے عذاب کا فیصلہ کیا پس آپ اس کو چھڑا سکتے ہیں دوزخ سے ﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ﴾ لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس کی مخالفت سے، رب تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتے ہیں ﴿لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ﴾ ان کے لیے بالا خانے ہیں ان کے اوپر اور بالا خانے ہیں ﴿مَّبْنِيَّةٌ﴾ تعمیر شدہ۔ غُرَفٌ غُرْفَةٌ کی جمع ہے بمعنی چوبارا، اوپر والی منزل۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اوپر نیچے سو، سو منزلیں ہوں گی، دور تک نظارے لیں گے۔ کوئی سونے کی تعمیر شدہ ہوگی، کوئی چاندی، کوئی ہیرے اور موتیوں کی بنی ہوئی ہوں گی اور ایک ایک مومن کو اتنا بڑا مکان ملے گا جو ساٹھ میل پر پھیلا ہوا ہوگا۔ اگلے جہان کی چیزوں کا ہم یہاں تصور بھی نہیں کر سکتے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ہر منزل کے سامنے نہر چل رہی ہوگی ﴿وَعْدَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ نہیں خلاف ورزی کرتا اللہ تعالیٰ وعدے کی۔

قدرتِ خداوندی

آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت بتلاتے ہیں۔ پانی ایک ایسی چیز ہے کہ عالم اسباب میں ہر جان دار چیز، نباتات اس کی محتاج ہے۔ پانی کے بغیر کوئی جان دار چیز نہیں بچ سکتی۔ اسی طرح درخت پودے وغیرہ بھی برقرار نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ﴾ پس چلا دیا اس کو چشموں میں زمین میں۔ ینابیع ینبوعٌ کی جمع ہے بمعنی چشمہ۔ اور

ینابیع کا معنیٰ چشمے ہوں گے۔ تجربے کی بات ہے کہ جن سالوں میں بارشیں زیادہ ہوتی ہیں کنوؤں اور چشموں کے پانی بھی بڑھ جاتے ہیں۔ بارشیں رک جائیں تو بعض چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور بعضوں میں پانی کم ہو جاتا ہے۔ تو زمینی کنوؤں اور چشموں کا تعلق بھی بارش کے پانی کے ساتھ ہے ﴿ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا﴾ پھر نکالتا ہے اس پانی کے ذریعے کھیتی ﴿مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾ مختلف ہیں رنگتیں اس کی۔ مکئی کی شکل اور، گندم کی شکل اور، چاولوں کی شکل اور رنگ اور، اور باجرے کی اور، سبزیوں کو دیکھ لو، کوئی سفید، کوئی کالی، کوئی لال، کوئی کسی رنگ کی، کوئی کسی رنگ کی ﴿ثُمَّ یَهِیْجُ﴾ پھر خشک ہو جاتی ہے جب پکنے پر آتی ہے ﴿فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا﴾ پس تو دیکھتا ہے اس کو زرد ﴿ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا﴾ پھر اس کو رب کر دیتا ہے چورا چورا۔ پھر لوگ اس کو مشینوں کے ساتھ گاہتے ہیں۔ توڑی الگ اور دانے الگ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے بارش برسا کر تمھارے جسم کے لیے خوراک پیدا فرمائی اور قرآن نازل فرما کر روح کی غذا عطا فرمائی۔ دین کے بغیر آدمی کی روح زندہ نہیں رہ سکتی بظاہر آدمی جتنا موٹا تازہ ہے۔ اگر دین نہیں ہے تو اس کی روح مردہ ہے۔ جس طرح جسم عالم اسباب میں پانی کے محتاج ہیں اسی طرح وحی کے بھی محتاج ہیں۔ جس سے روح کو خوراک ملتی ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى﴾ بے شک اس میں البتہ نصیحت ہے لیکن کن لوگوں کے لیے ﴿لِاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ عقل مندوں کے لیے۔ عقل مند سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ظاہر کے لیے بھی انتظام کیا ہے اور باطن کے لیے بھی، جسم کے لیے بھی اور روح کے لیے بھی انتظام کیا ہے۔

﴿اَفَمَنْ﴾ کیا پس وہ شخص ﴿شَرَحَ اللّٰهُ﴾ کہ کھول دیا اللہ تعالیٰ نے ﴿صَدْرَهٗ﴾ اس کا سینہ ﴿لِلْاِسْلَامِ﴾ اسلام کے لیے ﴿فَهُوَ﴾ پس وہ شخص ﴿عَلٰى نُوْرٍ﴾ روشنی پر ہے ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿فَوَیْلٌ﴾ پس خرابی ہے ﴿لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ ان لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہیں ﴿مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ﴿اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ یہی لوگ ہیں کھلی گمراہی میں ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے ﴿اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ﴾ بہترین بات ﴿كِتٰبًا﴾ کتاب ﴿مُّتَشَابِهًا﴾ آپس میں ملتی جلتی ہے ﴿مَّثَانِیَ﴾ دہرائی جاتی ہے ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ﴾ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے ﴿جُلُوْدُ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے چمڑوں سے ﴿یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ﴾ پھر نرم ہو جاتے ہیں چمڑے ان کے ﴿وَقُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان کے دل ﴿اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ﴿یَهْدِیْ بِهٖ﴾ ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے ﴿مَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہتا ہے ﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ پس نہیں ہے کوئی اس کو ہدایت دینے والا ﴿اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ﴾ کیا

پس وہ شخص جو بچے گا ﴿بِوَجْهِهٖ﴾ اپنے چہرے کے ذریعے ﴿سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ برے عذاب سے ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿وَقِيْلَ﴾ اور کہا جائے گا ﴿لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالموں کو ﴿ذُوْقُوْا﴾ چکھوتم ﴿مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ مزہ اس چیز کا جوتم کماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ کیا پس وہ شخص کہ کھول دیا اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو اسلام کے لیے ﴿فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ پس وہ روشنی پر ہے اپنے رب کی طرف سے۔نورِ ایمان،نورِ توحید،نورِ اسلام کو وہ حاصل کر چکا ہے۔کیا یہ اس شخص کی طرح ہے جس کا دل سخت ہے نورِ ایمان،نورِ توحید،نورِ اسلام کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کے لیے کوشش کرے گا وہ اس پر نتیجہ مرتب کر دے گا بغیر طلب کے کوئی چیز نہیں ملتی۔اس کو تم اس طرح سمجھو کہ مثلاً نلکا ہے،ٹونٹی ہے،تم نے پانی لینا ہے اگر برتن کا منہ سیدھا رکھو گے تو اس میں پانی پڑے گا اگر تم برتن کو الٹا رکھو گے تو بے شک سارے ٹیوب ویل کا پانی اس پر پڑتا رہے اندر کچھ نہیں جائے گا۔یہ مثال ہے طلب اور غیر طلب کی۔جو شخص طالب ہے اس کے برتن کا منہ پانی کی طرف ہے اس میں پانی ضرور پڑے گا چھوٹا برتن جلدی بھر جائے گا بڑا دیر سے بھرے گا مگر بھر جائے گا۔اور جو طالب نہیں ہے اس کے برتن کا منہ الٹا ہے اس میں کچھ نہیں آئے گا۔ بارہا یہ بات سمجھا چکا ہوں کہ ایمان بھی اختیاری ہے اور کفر بھی اختیاری ہے۔ایمان لانے میں کفر اختیار کرنے میں نیکی،بدی اختیار کرنے میں بندے کو پورا پورا دخل ہے۔جبراً اللہ تعالیٰ نہ کسی کو ہدایت دیتے ہیں اور نہ گمراہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔یہ دونوں ذوالعقول اور مکلف مخلوق ہیں شریعت کے پابند ہیں۔جس شخص نے اپنے سینے کو ایمان کی طرف،ہدایت کی طرف متوجہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو ہدایت کے لیے کھول دیتے ہیں وہ اسلام قبول کرے گا اس کو ہدایت حاصل ہوگی ﴿فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ”پس وہ شخص روشنی پر ہے اپنے رب کی طرف سے۔“ اس کے مقابلے میں وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہے ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہیں۔ ایمان کو قریب نہیں آنے دیتے۔

سورہ حم سجدہ آیت نمبر ۵ پارہ ۲۴ میں ہے ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ ”اور کہا انھوں نے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس چیز سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں ﴿وَمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے ﴿فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ پس تم اپنا کام کرتے رہو ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔“ اب جن لوگوں نے ضد اور عداوت کے ساتھ اپنے دل پردوں میں رکھے ہوئے ہیں کانوں میں ڈاٹ چڑھائے ہوئے ہیں۔حق سننے کے لیے تیار نہیں ہیں آنکھوں پر پردے ڈالے ہوئے ہیں۔جن کی ضد اس حد تک پہنچ چکی ہے ان کو اللہ تعالیٰ زبردستی تو ہدایت نہیں دے گا۔ہدایت تب ملے گی کہ وہ ہدایت کے طالب ہوں ان میں ضد نہ ہو اور ضدی کو دنیا

میں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں قومی زبان میں بھیجے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہماری زبان اور ہے اور پیغمبر کی زبان اور ہے۔ سورہ ابراہیم آیت نمبر ۴ میں ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔" پیغمبر قومی زبان میں بیان کرتا ہے۔ پھر پیغمبر کا دل بھی صاف، زبان بھی صاف اور جو بات اخلاص کے ساتھ ہوتی ہے سمجھ بھی جلد آتی ہے لیکن بایں ہمہ نہ ماننے والوں نے پیغمبر کو کہا کہ تیری باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں۔

چنانچہ سورہ ہود آیت نمبر ۹۱ میں ہے ﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ "ان لوگوں نے کہا اے شعیب نہیں سمجھتے ہم بہت سی وہ باتیں جو تم کہتے ہو۔" تیری باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں۔ بھائی! کیوں سمجھ نہیں آتی؟ بولی تمھاری ہے، پیغمبر کی زبان صاف اور پاک ہے، دل پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ماننا نہیں ہے ضد ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جبراً ہدایت نہیں دیتا۔ تو فرمایا ﴿فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔

ویل نامی طبقہ جہنم کی گہرائی

وَیْل جہنم میں ایک طبقے کا نام بھی ہے جو اتنا گہرا ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر اوپر سے کوئی چیز گرائی جائے تو ستر سال کے بعد نیچے پہنچے گی۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ یک دم دھماکے کی آواز آئی جیسے کسی مکان کی چھت گر گئی ہو یا کوئی بڑی دیوار گر گئی ہو۔ سب گھبرا گئے خدا جانے کیا ہوا ہے؟ کوئی مرا ہے، کوئی زخمی ہوا ہے؟ جلدی سے اٹھے کہ جا کر دیکھیں کیا ہوا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو خیر سلاً ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذِهِ الْوَجْبَةُ "کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ آواز کیسی تھی؟" کہنے لگے حضرت! ہم تو گھبرا گئے کہ خدا جانے کیا ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جہنم کے طبقے میں اوپر سے پتھر پھینکا گیا تھا ستر سال کے بعد اب نیچے پہنچا ہے یہ اس کی آواز تھی۔ خرق عادت اور خلافِ عادت کے طور پر کبھی کبھی اللہ تعالیٰ یہ چیزیں سنا دیتے ہیں۔ انکار کی وجہ نہیں ہے۔ قاعدہ عام ہوتا ہے جس سے خرق عادت کا استثناء ہوتا ہے۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے کہ سخت قسم کی بدبو آئی کہ ہر آدمی مجبور ہو گیا ناک بند کرنے پر۔ کسی نے ہاتھ کے ساتھ، کسی نے پگڑی کے کنارے کے ساتھ، کسی نے چادر کے ساتھ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذِهِ الرِّیْحَةُ الْكَرِیْهَةُ "کیا جانتے ہو یہ بدبو کس چیز کی تھی؟" کہنے لگے حضرت! ہمیں تو معلوم نہیں ہے۔ فرمایا یہ کسی شخص نے کسی کی غیبت کی ہے یہ غیبت کی بدبو ہے۔ اب کوئی کہے کہ یہاں تو روزانہ غیبتیں ہوتی ہیں ہمیں تو بدبو نہیں آتی تو اس

کی وجہ یہ ہے کہ ہماری حس مرگئی ہے۔ جیسے کوڑا کرکٹ، گند اٹھانے والے اٹھاتے ہیں لیکن کبھی انہوں نے ناک بند نہیں کی کہ وہ عادی ہو گئے ہیں ان کو بدبو نہیں آتی۔ معاف رکھنا! اسی طرح ہم بھی گناہوں کے عادی ہو گئے ہیں ہمیں کسی گناہ کی بدبو نہیں آتی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک فرشتے کی ڈیوٹی ہے جو ہونٹوں کے قریب رہتا ہے۔ایک گیا دوسرا آ گیا۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچاتے ہیں۔کوئی درود شریف پڑھتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچاتا ہے۔ترمذی شریف میں روایت ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ فرشتہ ایک میل دور بھاگ جاتا ہے اس جھوٹ کی بدبوئی وجہ سے مگر ہماری چونکہ حس مرگئی ہے اس لیے ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔تو فرمایا بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہی لوگ ہیں کھلی گمراہی میں جنھوں نے اپنے دلوں کو سخت کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی یاد سے۔ ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے بہترین بات تمام باتوں میں سے ﴿كِتٰبًا﴾ وہ کتاب ہے ﴿مُّتَشَابِهًا﴾ جس کے مضمون آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ یہ قرآن کریم ﴿مَّثَانِيَ﴾ مثنیٰ کی جمع ہے۔ مثانی کا معنیٰ ہے جو دہرائی جاتی ہے۔

ایک رات میں مکمل قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے حضرات

دنیا میں جتنا قرآن کریم پڑھا جاتا ہے اتنی اور کوئی کتاب نہیں پڑھی جاتی۔ایسے بزرگ بھی تھے جو ایک رات میں سارا قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وتروں میں سارا قرآن پڑھ دیتے تھے۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ تہجد میں سارا قرآن پڑھتے تھے۔حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا روزمرہ کا معمول تھا کہ تہجد میں سارا قرآن کریم پڑھتے تھے۔اُمت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک اور ایک روایت میں ہے پینتالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔اور ہر رات قرآن کریم ختم کرتے تھے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا رمضان المبارک میں روزانہ دو قرآن ختم کرتے تھے، ایک رات کو اور ایک دن کو۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا روزانہ دو قرآن کریم ختم کرنے کا، ایک دن کو اور ایک رات کو۔حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ روزانہ رات کو نماز میں ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے اور ایسے بے شمار بزرگ گزرے ہیں جن کا یہ معمول تھا۔

اور مسئلہ یاد رکھنا! مہینے میں ایک مرتبہ مرد عورتوں کو ضرور قرآن کریم ختم کرنا چاہیے اور جن کو نہیں آتا وہ سیکھنا شروع کریں۔ پڑھتے ہوئے مریں گے تو وہ طالب قرآن کی مد میں ہوں گے۔زندگی کسی کے اختیار میں نہیں ہے مگر جس چیز کی طلب ہو تو آدمی اس کے ملنے بہت کچھ کرتا ہے دین کی طرف توجہ نسبتاً بہت کم ہے۔ دنیا کے لیے جھلے اور پاگل ہوئے پھرتے ہیں۔کیا دیس، کیا پردیس، وطن، بے وطن، ان چیزوں کو ہم نے زندگی کا مقصد بنالیا ہے اور اصل مقصد کو ہم بھول گئے ہیں۔

تو ساری باتوں میں اچھی بات اتاری کتاب جس کے مضمون ملتے جلتے ہیں وہ دہرائی جاتی ہے ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

﴿الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ﴾ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے چمڑوں میں ان لوگوں کے چمڑوں سے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے۔ ہر چیز کو اس کا فن والا جانتا ہے۔ ہم چوں کہ عربی نہیں ہیں اس لیے ہمیں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی خوبی سمجھ نہیں آتی۔ عربی لوگ چونکہ اس کی فصاحت اور بلاغت کو جانتے تھے لہٰذا جب قرآن سنتے تھے تو ان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

فرمایا﴿ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَ قُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ﴾ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے چمڑے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف ﴿ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ﴿یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور دیتا اس کو ہے جو ہدایت کا طالب ہوتا ہے۔ زبردستی رب تعالیٰ کسی کے ساتھ نہیں کرتا ﴿وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے پس نہیں ہے کوئی اس کو ہدایت دینے والا۔ اور گمراہ اسی کو کرتا ہے جو گمراہی پر تلا ہوا ہو۔ مثلاً: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ﴿قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ﴾ "کہا اس جماعت نے جس نے تکبر کیا صالح علیہ السلام کی قوم میں سے ﴿لِلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا﴾ ان لوگوں سے جو کمزور خیال کیے جاتے تھے ﴿لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡہُمۡ﴾ جو ایمان لا چکے تھے ان میں سے۔ ان کو کیا کہا ﴿اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ﴾ "کیا تم جانتے ہو کہ بے شک صالح علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں ﴿قَالُوۡۤا﴾ مومنوں نے کہا ﴿اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِہٖ مُؤۡمِنُوۡنَ﴾ بے شک ہم تو اس چیز پر ایمان رکھنے والے ہیں جس کے ساتھ اس کو بھیجا گیا ہے ﴿قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا﴾ کہا ان لوگوں نے جنھوں نے تکبر کیا ﴿اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ﴾ [الاعراف: ۷۵-۷۶] "بے شک ہم انکار کرنے والے ہیں اس چیز کا جس پر تم ایمان لائے ہو۔" ہم اس کے کھلے منکر ہیں۔ اب ایسوں کو اللہ تعالیٰ زبردستی تو ایمان نہیں دیتا۔ جو کھلے لفظوں میں ضد، عناد اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے یعنی 'میں' رہنے دیتا ہے۔

فرمایا﴿اَفَمَنۡ یَّتَّقِیۡ بِوَجۡہِہٖ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ﴾ کیا پس وہ شخص اپنے چہرے کے ذریعے بچے گا برے عذاب سے قیامت کے دن۔ انسان کا مزاج ہے کہ جب اس پر کوئی حملہ کرتا ہے تو اپنا منہ اور سر بچانے کے لیے بازو آگے کرتا ہے حالانکہ بازو بھی قیمتی ہیں لیکن سر اور چہرہ زیادہ قیمتی ہے اس لیے بازو آگے کرتا ہے اور قیامت والے دن اپنے منہ کے ذریعے باقی اعضاء کو بچائے گا۔ جب دوزخ میں پھینکا جائے گا منہ نیچے اور سر نیچے ہوگا، ﴿مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ﴾ [سورہ ملک] تو کہے گا یہی کافی ہے میرا باقی جسم بچ جائے۔ منہ اور سر کے ذریعے باقی بدن کو بچانے کی کوشش کرے گا مگر دوزخ کے عذاب سے کون بچ سکتا ہے؟ فرمایا ﴿وَ قِیۡلَ﴾ اور کہا جائے گا ﴿لِلظّٰلِمِیۡنَ﴾ ظلم کرنے والوں کو ﴿ذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡسِبُوۡنَ﴾ چکھو مزہ اس چیز کا جو تم کماتے تھے۔ یہ تمھارا کسب اور کمائی ہے اس کا مزہ چکھو۔

﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ ﴾ جھٹلایا ان لوگوں نے ﴿ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ ﴾ پس آیا ان پر عذاب ﴿ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اس جگہ سے جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا ﴿ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ ﴾ پس چکھائی ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ الْخِزْيَ ﴾ رسوائی ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے ﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کاش کہ یہ لوگ جان لیں ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہیں ﴿ لِلنَّاسِ ﴾ لوگوں کے لیے ﴿ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ ﴾ اس قرآن پاک میں ﴿ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ﴾ ہر قسم کی مثالیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ یہ قرآن عربی زبان میں ہے ﴿ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ﴾ اس میں کوئی کجی نہیں ہے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ تاکہ یہ لوگ بچ جائیں ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ﴾ بیان کی اللہ تعالیٰ نے مثال ﴿ رَّجُلًا ﴾ ایک شخص کی ﴿ فِيْهِ شُرَكَآءُ ﴾ جس میں کئی شریک ہیں ﴿ مُتَشٰكِسُوْنَ ﴾ جو ایک دوسرے کے ساتھ ضد کرتے ہیں ﴿ وَرَجُلًا ﴾ اور ایک شخص ہے ﴿ سَلَمًا لِّرَجُلٍ ﴾ سالم ایک شخص کے لیے ﴿ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ﴾ کیا یہ برابر ہیں مثال میں ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ ﴾ بے شک آپ وفات پانے والے ہیں ﴿ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں ﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ ﴾ پھر بے شک تم ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ قیامت والے دن ﴿ عِنْدَ رَبِّكُمْ ﴾ اپنے رب کے ہاں ﴿ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾ جھگڑا کرو گے۔

ربط آیات

اس سے قبل اس بات کا ذکر تھا کہ ان لوگوں کے لیے خرابی ہے جن کے دل سخت ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔ انھی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جنھوں نے اس سے پہلے حق کو جھٹلایا ﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حق کو جھٹلایا اور بے شمار قوموں نے حق کو جھٹلایا۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ ﴿ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ پس آیا ان پر عذاب جہاں سے ان کو شعور بھی نہیں تھا۔ وہی پانی جو جان دار مخلوق کی بقا کا سبب ہے اور جس سے نباتات بڑھتی ہیں۔ وہی پانی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب بنا کر مسلط کر دیا۔ وہی تازہ ہوا کہ جس کو ہم کھینچ کر اندر لے جاتے ہیں اور اندر سے گرم ہوا کو باہر نکالتے ہیں جس کے ذریعے انسان کی زندگی کی بقا ہے جس ہوا کے بغیر جان دار زندہ نہیں رہ سکتے نہ نباتات پھل پھول سکتے ہیں۔ وہی ہوا ہود علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی شکل میں مسلط کر دی۔ کس کے خیال میں تھا کہ پانی اور

ہوا عذاب بنیں گے؟ کسی کے وہم میں بھی نہیں تھا کہ یہ چیزیں اس طرح آئیں گی۔ ﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ﴾ پس چکھائی اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوائی، ذلت ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں۔

وہ فرعون جس میں بڑی اکڑفوں تھی اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کہتا تھا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا ﴿لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ [شعراء:۲۹] ''اگر تو بنائے گا کسی کو الٰہ میرے سوا تو میں تجھے کر دوں گا قیدیوں میں۔'' اور ایک وقت وہ تھا کہ مسخرہ کرتا تھا۔ اپنے وزیر اعظم ہامان کو کہا کہ ﴿فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى﴾ [قصص:۳۸] ''تیار کر میرے لیے ایک محل تا کہ میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے الٰہ کو۔'' کہ اس کا حلیہ کیا ہے؟ مادہ کیا ہے؟ اور جب بحرِ قلزم کی موجوں میں آیا اور پانی ناک منہ سے بہنے لگا تو بولا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [یونس:۹۰] ''میں ایمان لایا کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔''

اُدھر سے جواب آیا ﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ﴾ ''اب تو ایمان لاتا ہے۔ اب تیرے ایمان لانے کا کیا فائدہ اور تحقیق تو نافرمانی کرتا تھا اس سے پہلے۔'' ایسی عجیب ذلت کی حالت تھی کہ خدا کی پناہ! یہی حال تھا دوسری قوموں کا ان پر دنیا میں ذلت کا عذاب آیا۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو بچائے۔ آج ہم اس دنیا کی آگ برداشت نہیں کر سکتے اور آخرت کی آگ تو اس سے انہتر گنا تیز ہے۔ اس میں مجرم جلتے بھی رہیں گے اور مریں گے بھی نہیں ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ [نساء:۵۶] ''جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی ہم ان کے لیے دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں۔'' گرم پانی سروں پر ڈالا جائے گا چمڑے نیچے اتر جائیں گے، پیاس لگے گی تو گرم پانی پلایا جائے گا ﴿يَشْوِي الْوُجُوْهَ﴾ [الکھف:۲۹] منہ کے ساتھ لگے گا ہونٹ جل جائیں گے۔ قطرہ قطرہ کر کے جب اندر جائے گا تو ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ [محمد:۱۵] ''پس کاٹ ڈالے گا ان کی آنتوں کو اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پاخانے کے راستے باہر نکال دے گا ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ [فاطر:۳۷] ''دوزخ میں چیخیں ماریں گے۔'' ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ [ہود:۱۰۶] ''گدھے کی آوازیں ہوں گی۔'' گدھا جو پہلے زور سے آواز نکالتا ہے اس کو زفیر کہتے ہیں اور بعد میں جو مدہم سی آواز ہوتی ہے اس کو شهيق کہتے ہیں۔ اور گدھے کے ساتھ تشبیہ اس لیے دی کہ ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [لقمان:۱۹] ''تمام آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔''

تو فرمایا کہ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ یہ لوگ جان لیں ابھی حقیقت کو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کیں لوگوں کے لیے۔ ضَرَبَ يَضْرِبُ کے متعدد معانی آتے ہیں۔ بیان کرنا بھی آتا ہے۔ ﴿فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس قرآن پاک میں ﴿مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ہر قسم کی مثالیں جن سے وہ بات سمجھ سکتے ہیں۔ سورہ عنکبوت پارہ ۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے رد کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ

﴿اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ﴾ ''مثال ان لوگوں کی جنھوں نے بنائے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے اور کارساز ﴿کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ﴾ ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے ﴿اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا﴾ مکڑی نے بنایا اپنا گھر ﴿وَ اِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۘ لَوۡ کَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ [آیت:۴۱] اور بے شک تمام گھروں میں کمزور گھر البتہ مکڑی کا گھر ہے کاش یہ لوگ جان لیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے نیچے نیچے کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر بنائے ہوئے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے۔ مکڑی عموماً مکان یا درخت کے نیچے جالا بُنتی ہے مگر اس کا جالا نہ اس کو گرمی سے بچا سکتا ہے نہ سردی سے۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ اتنا بڑا مکان تجھے کافی نہیں ہے کہ نیچے اپنے لیے اتنا بودا گھر بناتی ہے۔ یہی حال مشرک کا ہے۔ مشرک رب تعالیٰ کی ذات کا منکر نہیں ہوتا رب تعالیٰ کو مان کر نیچے چھوٹے چھوٹے مشکل کشا، حاجت روا بناتا ہے جو اسے نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں جیسے مکڑی کا جالا نہ اسے گرمی سے بچا سکتا ہے نہ سردی سے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ مکڑی جو جالا بنتی ہے اس کا مادہ میٹریل باہر سے نہیں لاتی جیسے تم سریا، سیمنٹ، اینٹیں باہر سے لاتے ہو، بلکہ اس کا میٹریل وہ لعاب ہوتا ہے جو اس کے پیٹ سے نکلتا ہے۔

یہی حال ہے مشرک کا کہ اس کے پاس شرک پر نہ تو قرآن سے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے دلیل ہے، نقلی دلیل ہے، نہ عقلی دلیل ہے اس نے جو اُگلنا ہے اندر سے اُگلنا ہے ﴿کَبُرَتۡ کَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ﴾ [الکہف:۵] ''یہ ایک بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔'' یہ تو میں نے صرف ایک مثال تمھیں سنائی ہے اللہ تعالیٰ نے ڈھیروں مثالیں بیان فرمائی ہیں ﴿لَعَلَّهُمۡ يَتَذَکَّرُوۡنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور بات کو سمجھیں ﴿قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے۔ ﴿غَيۡرَ ذِيۡ عِوَجٍ﴾ اس میں کوئی کجی نہیں ہے ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ ہم لوگ چونکہ عربی نہیں ہیں اور عربی سے واقف بھی نہیں ہیں اس لیے ہم اس کی چاشنی اور خوبیاں نہیں سمجھتے۔ زبان کی خصوصیات کو زبان والا ہی سمجھتا ہے۔ اردو دان اردو کی خوبیاں سمجھے گا۔ اردو کے شاعروں میں علامہ اقبال مرحوم کے اشعار بڑے پختہ اور گہرے ہیں۔ ان کی بانگِ درا وغیرہ کتابیں بڑی معقول ہیں۔ گجرات میں ایک استاد امام دین ہوتا تھا۔ مرزائی تھا اور اپنے آپ کو شاعر کہتا تھا۔ اس نے ''بانگ درا'' کے جواب میں ''بانگ دہل'' لکھی۔ اس میں بڑی عجیب عجیب تمسخر آمیز باتیں ہیں اور بے ہودہ کلام ہے۔ وہ کہتا ہے:

اگر ہو تجھے کچھ قبض کی شکایت
تو کھا مولیاں اور مٹر مام دینا
جنت کی سیٹیں تو پُر ہو چکی ہیں
چھیتی چھیتی جہنم اچ وڑ مام دینا

یہ ''بانگ درا'' کا جواب ہے۔ تو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو عربی دان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر آج کی عربی اور اس دور کی عربی کا زمین آسمان کا فرق ہے۔ حاجی بحری جہاز سے اترتے تو ان کو پانی پلانے والا کہتا حاجی مویا، حاجی مویا وہ حیران ہوتے

کہ معلوم نہیں کون سا حاجی مرا ہے ہر ایک کو فکر ہوتی۔ آج کل عربی میں مویا کا معنیٰ پانی ہے۔ پہلے پانی کو مَآءٌ کہتے تھے۔ تو فرمایا یہ قرآن عربی زبان میں ہے اس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ کیوں اتارا؟ ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ بچ جائیں کفر سے، شرک سے، رب تعالیٰ کی مخالفت سے، دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ﴿رَّجُلًا﴾ ایک شخص ہے غلام ہے ﴿فِيْهِ شُرَكَآءُ﴾ جس میں کئی شریک ہیں۔ یعنی اس کے کئی آقا اور مالک ہیں اس کی ملکیت میں کئی شریک ہیں اور شریک بھی کیسے ہیں ﴿مُتَشٰكِسُوْنَ﴾ جو ایک دوسرے کے ساتھ ضد کرتے ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں مشاکس اسے کہتے ہیں جو اپنی منوائے اور کسی کی نہ مانے اَلَّذِيْ لَا يَرْضٰى بِالْاِنْصَافِ ''جو انصاف پر راضی نہ ہو۔'' انصاف اس کے نزدیک کوئی شے نہیں ہے، ایسا ضدی آدمی۔ تو ﴿مُتَشٰكِسُوْنَ﴾ کا معنیٰ ہوگا آپس میں ضد کرنے والے۔

مشرک کی مثال

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ایک غلام ہے اور اس کے پانچ آقا ہیں۔ ایک کہتا ہے میرا جوتا لاؤ، اسی وقت دوسرا کہتا ہے کہ مجھے پانی لا کر دو۔ تیسرا کہتا ہے مجھے بازار سے سبزی لا کر دو۔ چوتھا کہتا ہے فوراً میرے کپڑے استری کرو۔ پانچواں کہتا ہے آؤ میرا بدن دباؤ۔ وہ غلام بے چارہ بیک وقت کیا کرے گا اور کس کی بات مانے گا۔ اگر آپس میں صلح صفائی ہو تو اور بات ہے کہ پہلے ایک کا کام کر لے گا پھر دوسرے کا پھر تیسرے کا۔ بیک وقت کس کس کا کام کر سکتا ہے؟ کیا یہ غلام سہولت میں ہے یا وہ ﴿وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ﴾ اور ایک شخص ہے سالم ایک شخص کے لیے کہ اس کا ایک ہی آقا ہے جب وہ حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہے۔ ایک آقا والا موحد ہے اور جو بہت سے آقاؤں میں پھنسا ہوا ہے وہ مشرک کی مثال ہے۔ یہی حال مشرک کا ہے کہ کبھی اس کے در پر کبھی اُس کے در پر، کبھی اس قبر کی تلاش، کبھی اُس ڈھیری پر پہنچا۔ عجیب قسم کے مخمصے میں پھنسا ہوا ہے۔ اور یاد رکھنا! انسان میں جتنا شرک آئے گا وہ اتنا ہی وہمی ہوگا۔ کیونکہ شرک کی بنیاد ہی وہم ہے۔ ایک سے راحت نہ ملی دوسرے کے پاس پہنچا، دوسرے سے نہ ملی تیسرے کے پاس پہنچا۔ اور راحت و تکلیف تو ان کے اختیار میں نہیں ہے یہ رب تعالیٰ کا کام ہے ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [یونس: ۱۰۷] ''اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف پس نہیں اس کو دور کرنے والا اس کے سوا کوئی اور اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا کوئی نہیں رد کر سکتا اس کے فضل کو۔''

ابو داؤد وغیرہ میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جا رہے تھے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ چھوٹے بچے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گدھے پر بیٹھے تھے۔ اس حال میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی۔ فرمایا: يَا غُلَامُ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ''اے برخوردار، اے بچے! اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے گا اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ

اِذَا سْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہ ''جب مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔ یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دکھ تیرے لیے لکھا گیا ہے ساری مخلوق جمع ہو کر بھی اس دکھ کو دور نہیں کر سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لیے سکھ لکھا ہوا ہے تو ساری کائنات جمع ہو کر بھی اس سکھ کو روک نہیں سکتی۔''

یاد رکھنا! یہ قرآن کریم اور حدیث شریف کا بنیادی سبق ہے۔ نافع بھی اللہ تعالیٰ ہے اور ضار بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی حاجت روا ہے، وہی مشکل کشا ہے، وہی فریاد رس ہے، وہی دست گیر ہے، وہی حاکم اور مقنن ہے، وہی معبود، وہی مسجود، اس کا کوئی شریک نہیں ہے کسی بات میں بھی۔ خدائی اختیارات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہیں۔ اگر خدائی اختیارات کا کچھ حصہ بھی کسی کے پاس ہوتا تو ہمارا ایمان ہے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر خدا کے ہاں کوئی ہستی نہیں ہے اور نہ ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم میں اعلان کروایا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا﴾ [سورۃ جن] ''بے شک میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔'' تم تو رہے درکنار ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا﴾ [الاعراف:۱۸۸] ''میں نہیں مالک اپنے لیے نفع نقصان کا۔'' نفع نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ ایک آدمی ہے اس میں کئی شریک ہیں جو ایک دوسرے سے ضد کرتے ہیں اور ایک آدمی ہے پورے کا پورا ایک شخص کے لیے ہے ﴿هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا﴾ کیا یہ برابر ہیں مثال میں۔ یہ اور وہ دونوں آسانی میں رہیں گے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے بات سنا دی اور سمجھا دی اب مرضی ہے کوئی مانے یا نہ مانے ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے اُکتا کر کہتے تھے کہ چلو اس کی نرینہ اولاد تو ہے نہیں یہ فوت ہو جائے گا تو ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ سوال یہ ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾ بے شک آپ وفات پانے والے ہیں اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں تو خوشی کس بات پر اور کیسی کرتے ہیں؟ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔'' ﴿كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۝ وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝﴾ [سورہ رحمان] ''جو کوئی بھی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بزرگی اور عظمت والی ہے۔'' اللہ تعالیٰ کی ذات حَیٌّ وَ قَیُّوم ہے باقی اور کوئی شے نہیں رہنی۔ فرشتوں پر بھی موت آئے گی۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تو قطعی ہے اس کا انکار نہیں ہے لیکن وفات کے بعد احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر اجماع امت ہے کہ تُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ ''مرنے والے کی روح لوٹائی جاتی ہے جسم میں۔'' قبر میں جس وقت دفن کرتے ہیں روح کا تعلق بدن کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ گو نیک لوگوں کی ارواح کا مستقر، ٹھکانا علیین ہے اور بدلوگوں کا مستقر اور ٹھکانا سجین

ہے۔لیکن اس کے باوجود اس کا بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے جسم میں حیات ہوتی ہے پھر ہر ایک کی حیات اس کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔قبروں میں سب سے اعلیٰ حیات انبیائے کرام علیہم السلام کی ہے پھر صدیقین، پھر شہداء اور پھر عامۃ المسلمین کی ہے۔حتیٰ کہ کافروں کو بھی قبر، برزخ میں حیات حاصل ہے اور اگر قبر میں حیات نہیں ہے تو پھر عذاب ثواب کس کو ہے۔

باقی یہ کہنا کہ ہم قبر کو کھود کر دیکھتے ہیں ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا۔بھئی! تمھیں کیا نظر آئے گا؟ (یہ دنیاوی آنکھیں دنیا کی چیزیں دیکھ سکتی ہیں عالم برزخ کی چیزوں کا دیکھنا ان کے بس میں نہیں ہے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ دکھا دے تو اور بات ہے۔ مرتب) پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مرنے کی دیر ہے سب کچھ نظر آجائے گا اور فرشتے کہیں گے ﴿اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [الاعراف:۳۷]''کہاں گئے وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے پکارتے تھے۔'' یہ کہیں گے ﴿ضَلُّوْا عَنَّا﴾ ''وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں۔'' یہ مرتے وقت جو فرشتے ان کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور وہ فرشتوں کو جواب دیتے ہیں کیا اس کا ہمیں پتا چلتا ہے، کیا ہم سن رہے ہوتے ہیں؟ یا پھر قرآن کا انکار کرو۔حالانکہ قرآن پاک میں تصریح ہے کہ مرتے وقت فرشتے مرنے والے کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور وہ ان کو جواب دیتا ہے۔ یہ گفتگو نہ حکیم سنتا ہے، نہ ڈاکٹر، نہ والد، نہ والدہ۔ جب ہم اس زندگی میں ان کی باتیں نہیں سن سکتے تو قبر میں منکر نکیر کی باتیں کیسے سن سکتے ہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ''مومن کے لیے جو فرشتے قبر میں آتے ہیں ان کا نام مبشر بشیر ہے اور عام گناہ گاروں کے لیے جو آتے ہیں ان کا نام منکر نکیر ہے۔'' یہ سب کچھ حق ہے۔موت بھی حق ہے اور قبر کی حیات بھی حق ہے۔کسی بات کا کسی کے ساتھ کوئی تعارض نہیں ہے۔آپ کی وفات قطعاً اور یقیناً ہوئی ہے پھر قبر میں برزخ میں جو حیات ملی ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ پھر پیغمبروں کی حیات ہے پھر صدیقین اور پھر شہداء کی۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ [بقرہ:۱۵۴]''اور نہ کہو ان لوگوں کو مردہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور تم شعور نہیں رکھتے۔''

مماتیوں کی تاویل باطل

بعض لوگ اس کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سے روح کی حیات مراد ہے یعنی روح زندہ ہے یا اس سے مراد جسم مثالی ہے یعنی ہمارے جسم کی فوٹوسٹیٹ۔جسم مثالی کو یوں سمجھو جیسے ہم خواب میں ایک دوسرے کو ملتے ہیں اس میں اصل کو علم ہی نہیں ہوتا رات کو خواب میں جس سے تمھاری ملاقات ہوئی ہے صبح کو اس سے پوچھو کہ رات تیری میری ملاقات ہوئی ہے۔ وہ کہے گا مجھے تو معلوم نہیں ہے۔ یہ ملاقات جسم مثالی کے ساتھ ہوئی ہے۔تو وہ لوگ تاویل کرتے ہیں کہ حیات روح کی ہے یا جسد مثالی کی حیات ہے۔لیکن قرآن ان کی تاویل کو رد کرتا ہے۔قرآن پاک میں لفظ ہیں ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ﴾ ''ان کو مردہ نہ کہو جو قتل کیے گئے ہیں،'' تو قتل نہ روح کو کیا جاتا ہے نہ جسد مثالی کو قتل کیا جاتا ہے۔قتل تو جسد عنصری ہوتا ہے اور جو قتل ہوتا ہے

اس کو مردہ نہیں کہنا وہ زندہ ہے مگر وہ زندگی ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔ ہم ان کی زندگی دیکھنا یا سمجھنا چاہیں تو نہ نظر آئے گی نہ سمجھ آئے گی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پانے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾ پھر بے شک تم قیامت والے دن اپنے رب کے ہاں جھگڑا کرنے والے ہوگے۔ اس جھگڑے کے متعلق بھی سمجھ لیں کہ قرآن کریم کے مطابق تمھیں آیات کا مفہوم سمجھ آجائے۔ قیامت والے دن جب رب تعالیٰ کے ہاں پیشی ہوگی تو مجرم کہیں گے ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾ [مائدہ:۱۹] ''ہمارے پاس کوئی نہیں آیا خوش خبری سنانے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔'' اور اللہ تعالیٰ کا پیغمبر دعویٰ کرے گا کہ ہم نے ان کو سمجھایا لیکن انھوں نے ہماری بات نہیں مانی ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ [فرقان:۳۰] ''اور کہے گا رسول اے میرے رب بے شک میری قوم نے بنا لیا قرآن کو چھوڑا ہوا۔'' پیغمبر کہیں گے ہم نے تمھیں تبلیغ کی وہ کہیں گے تم ہمارے پاس کب آئے تھے؟ یہ سب جھگڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں بیان فرمایا ہے وہ حق ہے۔

﴿فَمَنْ﴾ پس کون ہے ﴿اَظْلَمُ﴾ زیادہ ظالم ﴿مِمَّنْ﴾ اس سے ﴿كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ﴾ جس نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ پر ﴿وَكَذَّبَ﴾ اور جھٹلایا اس نے ﴿بِالصِّدْقِ﴾ سچائی کو ﴿اِذْ جَآءَهٗ﴾ جس وقت پہنچی اس کے پاس ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ﴾ کیا نہیں ہے جہنم میں ﴿مَثْوًى﴾ ٹھکانا ﴿لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿وَالَّذِيْ﴾ اور وہ شخص ﴿جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ جو لایا ہے سچائی ﴿وَصَدَّقَ بِهٖٓ﴾ اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں پرہیزگار ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ﴾ ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے ہاں ﴿ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یہ بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا ﴿لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ﴾ تاکہ مٹا دے اللہ تعالیٰ ﴿عَنْهُمْ﴾ ان سے ﴿اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾ وہ بُرے عمل جو انھوں نے کیے ہیں ﴿وَيَجْزِيَهُمْ﴾ اور تاکہ ان کو بدلہ دے ﴿اَجْرَهُمْ﴾ ان کے اجر کا ﴿بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بہتر وہ عمل جو وہ کرتے تھے ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِكَافٍ﴾ کافی ﴿عَبْدَهٗ﴾ اپنے بندے کے لیے ﴿وَيُخَوِّفُوْنَكَ﴾ اور وہ ڈراتے ہیں آپ کو ﴿بِالَّذِيْنَ﴾ ان سے ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ جو اس سے نیچے ہیں ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ نہیں ہے اس کو کوئی ہدایت دینے والا ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ﴾ پس کوئی نہیں اس کو گمراہ کرنے والا ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِعَزِيْزٍ﴾

زبردست ﴿ذِی انْتِقَامٍ﴾ انتقام لینے والا ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَفَرَءَيْتُمْ﴾ بتلاؤ تم ﴿مَّا تَدْعُوْنَ﴾ جن کو تم پکارتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ﴿بِضُرٍّ﴾ تکلیف کا ﴿هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ﴾ کیا یہ دور کر سکتے ہیں اس کی تکلیف کو ﴿اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ﴾ یا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے میرے بارے میں رحمت کا ﴿هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ﴾ کیا یہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ اسی پر بھروسا کرتے ہیں بھروسا کرنے والے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ﴾ پس کون ہے زیادہ ظالم اس شخص سے ﴿كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ﴾ جس نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ پر۔ رب تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے رب کا شریک بنایا، رب تعالیٰ کا بیٹا بنایا، رب تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ "یہودیوں نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ یہ جھوٹ ہے تو یہ جو رب کا شریک بناتے ہیں اور رب تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں یہ بڑے ظالم ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَشْتِمُنِيْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ "ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے اور اس کو حق نہیں ہے کہ مجھے گالیاں دے وَيُكَذِّبُنِيْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ "ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اس کو حق نہیں ہے مجھے جھٹلانے کا۔" گالیاں کیسے دیتا ہے يَدْعُوْ لِيْ وَلَدًا میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے اور رب تعالیٰ کی طرف شرک کی نسبت کرنا رب تعالیٰ کو جھٹلانا ہے۔ تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو رب تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے ﴿وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ﴾ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے جھٹلایا سچائی کو۔ سچائی کی پہلی چیز قرآن کریم ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیش کیا اور وہ منکر ہو گئے۔ اور آج بھی قرآن کا انکار کرنے والے موجود ہیں ان سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے ﴿اِذْ جَآءَهٗ﴾ جس وقت پہنچی ان کے پاس سچائی تو انہوں نے اس کو جھٹلایا ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ کیا نہیں ہے دوزخ میں ٹھکانا کافروں کا۔ انکار کر کے کتنا عرصہ زندہ رہیں گے؟ مریں گے ٹھکانا دوزخ ہے۔

منکرِ قرآن کون؟

اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ قرآن کی سچائی کو جھٹلانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے قرآن کو جھٹلائے گا تو جھٹلانے والا ہو گا بلکہ قرآن پاک کے ایک حکم کا انکار کرنا بھی قرآن کریم کی تکذیب ہے۔ مثلاً: دیکھو! یہ جو قادیانی ہیں وہ قرآن کو مانتے ہیں اور آیت خاتم النّبیین کو بھی مانتے ہیں مگر خاتم النّبیین کی تعبیر جو وہ کرتے ہیں وہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ (وہ تعبیر یہ کرتے ہیں کہ خاتم کا معنٰی ہے مہر اور آپ ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد جتنے پیغمبر آئیں گے وہ آپ ﷺ کی مہر کے ساتھ آئیں گے۔ حالانکہ خاتم کا معنٰی آنحضرت ﷺ نے ختم کرنے والا بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور پوری امت نے یہی سمجھا ہے۔ لہٰذا ان کی تعبیر اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ مرتب: نواز بلوچ)

اسی لیے تمام اسلامی فرقے ان کو کافر کہتے اور سمجھتے ہیں اور وہ سچ مچ کافر ہیں۔ اسی طرح جو شخص قرآن پاک کے احکام کو جابرانہ، وحشیانہ اور ظالمانہ احکام کہے وہ بھی کافر ہے۔ جو آدمی یہ کہے کہ سود حلال ہے وہ مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ کا غضب بھی انھی باتوں کی وجہ سے ہم پر آیا ہوا ہے۔ یہ قتل وغارت، مہنگائی وغیرہ کی صورت میں۔ اب امریکا بہادر نے ایک تجویز بھیجی ہے تم نے اخبارات میں پڑھی ہوگی کہ عورت کو بھی طلاق دینے کا حق دو کہ عورت بھی مرد کو طلاق دیا کرے۔ یہ تجویز نظریاتی کونسل تک پہنچ چکی ہے اب ان کے رحم وکرم پر ہے دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کے برابر قرار دی جائے۔ اور قرآن کہتا ہے ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ﴾ [البقرۃ: ۲۸۲] ''اور گواہ بنا لو دو گواہ اپنے مردوں میں سے پس اگر نہ ہوں مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔'' قرآن کا واضح مسئلہ ہے۔ حدیث کا حکم ہے، اُمت کا اجماع ہے۔

اور طلاق دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے ﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ [سورۃ طلاق] یہ ساری باتیں قرآن وحدیث کے صریح احکام کی خلاف ورزی ہیں۔ ان سے بڑا ظالم کون ہے؟ تو فرمایا اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے جھٹلایا سچائی کو ﴿اِذْ جَآءَهٗ﴾ جب وہ پہنچی اس کے پاس ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا کافروں کے لیے۔ یقیناً یہ لوگ کافر ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ اور وہ ذات جو لائی سچائی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ﴿وَصَدَّقَ بِهٖٓ﴾ اور وہ ذات جس نے اس کی تصدیق کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس کے پہلے مصدق ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت ورسالت عطا فرمائی ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی مقام پر فوراً بلاتوقف نہ دایاں پاؤں اپنی جگہ سے ہٹانہ بایاں پاؤں اپنی جگہ سے ہلا کہا اٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ ''حضرت! میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں۔'' حالانکہ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں ماں باپ بھی زندہ تھے اولاد جوان تھی دوست احباب بھی تھے۔ یہ نہیں کہا کہ میں ماں باپ سے مشورہ کرلوں، بیویوں سے پوچھ لوں، دوستوں سے مشورہ کرلوں نہیں! فوراً ایمان لائے اور تصدیق کی۔ تمام مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں اور غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق خود خدا نے کہا

امام رازی فرماتے ہیں کہ ﴿صَدَّقَ بِهٖٓ﴾ کا پہلا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اس کے بعد جو قیامت تک تصدیق کرنے والے آئیں گے وہ تمام ﴿صَدَّقَ بِهٖٓ﴾ کا مصداق ہوں گے۔اور یہ صدیق کا لقب ان کو بندوں میں سے کسی نے نہیں دیا۔چنانچہ مسند احمد حدیث کی کتاب ہے جس میں امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس ہزار حدیثیں جمع کی ہیں۔اس میں روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے کافی مجمع تھا۔ایک آدمی نے کہا: قال ابو بکرن الصدیق کہ یہ بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہی ہے۔جب اس آدمی نے صدیق کا لفظ بولا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَا قُلْتُ لَهٗ صِدِّيْقًا میں نے ان کو صدیق نہیں کہا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدیق کہا ہے(تو وہ صدیق کیسے بن گئے؟) پھر فرمایا: بَلْ قَالَ اللهُ تعالیٰ لَهٗ صِدِّيْقًا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے صدیق کہا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق صلی اللہ علیہ وسلم کو صدیق لقب نہ میں نے دیا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیا ہے یہ لقب تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو صدیق کا لقب دیا ہے۔تو ﴿صَدَّقَ بِهٖٓ﴾ کا پہلا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر قیامت تک جو مومن پیدا ہوگا اور حق کی تصدیق کرے گا وہ اس کا مصداق ہوگا۔

تو فرمایا کہ جو حق لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں پرہیزگار۔اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے بچنے والے ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ﴾ ان کے لیے ہوگا جو کچھ وہ چاہیں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے ہاں۔یہاں تک کہ اگر کوئی ہوا میں اڑنا چاہے گا تو وہ ہوا میں اڑے گا۔جنت میں جس چیز کی کوئی خواہش کرے گا وہ اسے ملے گی۔یہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یہ بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا۔اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا ﴿لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ تاکہ مٹا دے اللہ تعالیٰ ان سے ﴿اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾ وہ برے اعمال جو انھوں نے کیے ہیں۔پیغمبروں کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے صغیرہ، کبیرہ گناہوں سے صرف پیغمبر پاک ہیں باقی کوئی ایسا نہیں ہے جس سے کوئی نہ کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ہوئے ہیں مگر ان کی نیکیاں بہت زیادہ تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی خطاؤں کی معافی کی سند قرآن پاک میں نازل فرمائی۔مثلاً: ابتداءً رمضان المبارک میں رات کو بھی بیوی کے پاس جانا جائز نہیں تھا۔جو صحت مند نوجوان تھے ان سے صبر نہ ہو سکا اور رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں کے پاس چلے گئے ﴿عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کے الفاظ کے ساتھ ان کا گناہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نے اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔پھر ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ﴾ [البقرہ:۱۸۷] کے جملے کے ساتھ معاف فرما دیا۔"پس اللہ تعالیٰ نے تمھارے اوپر رجوع فرمایا اور تمھیں معاف کر دیا۔"

تَوَلِّی یَوْمَ الزَّحف میدان جنگ میں پشت پھیرنا جب کہ دشمن دوگنا ہو گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ ہاں! اگر دوگنا سے زیادہ ہوں تین گنا ہوں، چار گنا ہوں تو پھر پشت پھیرنا گناہ نہیں ہے۔ پھر اجازت ہے لیکن پھر بھی اگر پشت نہ پھیریں تو عزیمت ہے، ان کی جرأت ہے۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ قادسیہ کے مقام پر صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا ہے غَزَا سِتُّوْنَ وَهُمْ سِتُّوْن الفًا وَ مَعَ هٰذَا تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ''ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا اور دشمنوں کو شکست دی۔'' اور حدیقۃ الموت کے مقام پر تن تنہا حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار کا مقابلہ کیا۔ یہ عزیمت ہے۔ احد کے مقام پر پشت پھیری ہے اور بھاگنے والوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو آج تک غلط کار لوگ معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس بات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ﴾ ''بے شک ان کو پھسلایا شیطان نے بعض کمائی کی وجہ سے کہ ان کو جانوں کی فکر ڈالی ﴿ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ﴾ [آل عمران: ۱۵۵] ''اور البتہ تحقیق معاف کر دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے۔'' ان کی لغزش بیان فرمائی اور پوری تاکید کے ساتھ معافی کا اعلان فرما دیا۔ کیونکہ عربی قاعدے کے مطابق ماضی پر قد داخل ہو اور ساتھ لام بھی تاکید کا تو بہت زیادہ تاکید ہو جاتی ہے۔ معنیٰ ہوگا البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ مگر دشمن معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تصدیق کرنے والوں کے اللہ تعالیٰ بُرے اعمال مٹا دے گا ﴿ وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا ﴿ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ان کے اچھے اعمال کا جو وہ کرتے تھے۔ نیکوں سے جو غلطیاں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں بشرطیکہ وہ معافی کے قابل ہوں۔

مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتے تھے دو طرح سے۔ ایک تو یہ کہتے کہ آپ ہمارے معبودوں کی تردید کرتے ہیں کہ لات کچھ نہیں کر سکتا، منات کے پاس کوئی اختیار نہیں، عُزّٰی بے بس ہے، ہبل کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں۔ یہ ہمارے معبود تمھیں نقصان پہنچائیں گے۔ اور دوسرا اس طرح کہ جو ان میں سے منہ پھٹ قسم کے لوگ ہوتے تھے وہ کہتے کہ آپ ہمارے معبودوں کی تردید کرتے ہیں ہم تم سے نبٹ لیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے ﴿ وَيُخَوِّفُوْنَكَ ﴾ اور وہ ڈراتے ہیں آپ کو ﴿ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ ان سے جو اللہ تعالیٰ سے نیچے ہیں۔ یہ مصنوعی معبودوں سے آپ کو ڈراتے ہیں ان کو معلوم نہیں ہے کہ وہ رب کا بندہ ہے رب تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے تحفظ کے لیے باقاعدہ پہرہ دیتے تھے۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھکے ہوئے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھکے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال آیا کہ آج کوئی نیک بندہ آ جائے کہ میں کچھ آرام کر لوں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ساتھی بھی تھکے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھکے ہوئے ہیں شاید اس طرف کسی کی توجہ نہ ہو لہٰذا آج رات کو میں

پہرہ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے میں تشریف فرما تھے کہ فرمایا کون ہے؟ عرض کی حضرت! میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور فاتح ایران ہیں۔ فرمایا اچھا اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے میرے دل میں بھی خیال آیا تھا کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ آجائے کہ میں ذرا سا آرام کرلوں۔ تھوڑا سا وقت گزرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمے سے چہرہ مبارک باہر نکال کر فرمایا سعد چلے جاؤ رب تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدہ:٦٧] ''اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں سے۔'' اس کے بعد آپ کا کوئی پہرے دار نہیں ہوتا تھا بس فرشتے پہرہ دیتے تھے۔

تو فرمایا یہ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے نیچے ہیں ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے نہیں ہے کوئی اس کو ہدایت دینے والا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کرتا ہے جو گمراہی پر راضی ہو اور ہدایت کی طرف نہ آئے۔ سورہ صف پارہ ۲۸ میں ہے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ ''پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کردیئے۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:١١٥] ''ہم اس کو پھیردیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔'' جدھر کوئی جانا چاہتا ہے رب تعالیٰ اس کو اُدھر جانے کی توفیق دے دیتا ہے جبراً اللہ تعالیٰ نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ ہدایت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:٢٩] ''پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔'' ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے۔ اور ہدایت اسی کو دیتا ہے جو ہدایت کا طالب ہو ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:٦٩] ''اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہمارے لیے ہم ضرور راہنمائی کرتے ہیں ان کی اپنے راستوں کی طرف ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ غالب انتقام لینے والا۔ یہ آپ کو لات، منات، عزیٰ سے ڈراتے ہیں ان کو علم نہیں ہے رب تعالیٰ ہر شے پر غالب ہے اس کے پاس تمام قوتیں ہیں وہ انتقام لینے والا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اصولی باتیں تو ساری مانتے ہیں پھر جھگڑنے کا کیا معنیٰ؟

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اور البتہ آپ ان مشرکوں سے سوال کریں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اور سورہ زخرف آیت نمبر ۸۷ پارہ ۲۵ میں ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ ''اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے پیدا کیا ہے ان کو تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔'' تمہارا خالق بھی اللہ تعالیٰ، زمین آسمانوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ، چاند، سورج، ستاروں کے متعلق بھی مانتے ہو کہ ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ۔ ساری اصولی باتیں ماننے کے بعد شاخوں میں الجھنا بڑی نادانی کی بات ہے۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بتلاؤ تم جن کو پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس سمجھ کر، یہ بتلاؤ ﴿اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ میرے بارے میں تکلیف کا، نقصان پہنچانے کا ﴿هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ

ضُرِّهٖٓ﴾ کیا یہ دور کر سکتے ہیں اس کی تکلیف کو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دکھ تکلیف میرے لیے مقرر ہوا ہے یہ تمہارے بناوٹی معبود کیا اس کو دور کر سکتے ہیں؟

دوسری شق: ﴿اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ﴾ یا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ مجھے رحمت پہنچانے کا، مجھے رحمت سے نوازنا چاہے ﴿هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ﴾ کیا یہ روک سکتے ہیں اس کی رحمت کو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی نافع ہے، نہ ضار ہے، اس کے سوا نہ کوئی مشکل کشا، نہ حاجت روا، نہ فریاد رس۔ خدائی اختیارات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیے۔ اگر کسی کو مل سکتے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ملتے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے قرآن پاک میں اعلان کروایا ﴿قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] "آپ فرما دیں کہ میں تمھارے لیے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور سورۃ الاعراف پارہ ۹ میں ہے ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا﴾ "آپ فرما دیں میں اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" جب آپ اپنے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں تو "بدیگراں راچہ رسد" اور کوئی کس باغ کی مولی ہے؟ سمجھنے کے لیے تو اتنی بات ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿حَسْبِیَ اللّٰهُ﴾ میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے مجھے اور کسی کا کوئی خوف نہیں ہے ﴿عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ اسی پر بھروسا کرتے ہیں بھروسا کرنے والے۔ میں نے پہلے توکل کا معنیٰ بتلایا تھا ظاہری اسباب اختیار کر کے ان کا نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑنا توکل ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

پہلے چھری تیز کرو نا پھر اس کا نتیجہ رب پر چھوڑو۔ چھری تیز نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا رب پر توکل ہے۔ یہ توکل نہیں تعطل ہے۔ ظاہری اسباب کو اختیار نہ کرنے کو شریعت میں تعطل کہتے ہیں۔

﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقے پر ﴿اِنِّیْ عَامِلٌ﴾ بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عن قریب تم جان لوگے ﴿مَنْ یَّاْتِیْهِ﴾ کس پر آتا ہے ﴿عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ﴾ عذاب جو اس کو رسوا کر دے گا ﴿وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ﴾ اور کس پر اترتا ہے ﴿عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ دائمی عذاب ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ بے شک ہم نے نازل کی آپ پر کتاب ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿فَمَنِ اهْتَدٰی﴾ پس جس نے ہدایت پائی ﴿فَلِنَفْسِهٖ﴾ تو اپنے نفس کے لیے ﴿وَ مَنْ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوا ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿یَضِلُّ عَلَیْهَا﴾ وہ گمراہ ہوا ہے اسی پر ﴿وَ مَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان پر وکیل ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ﴾ اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے جانوں کو ﴿حِیْنَ

مَوْتِهَا ﴾ ان کی موت کے وقت ﴿ وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ ﴾ اور وہ جانیں جو نہیں مرتیں ﴿ فِيْ مَنَامِهَا ﴾ ان کی نیند میں ﴿ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ ﴾ پس روک لیتا ہے اس کو ﴿ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ﴾ جس پر فیصلہ کرتا ہے موت کا ﴿ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى ﴾ اور چھوڑ دیتا ہے دوسری کو ﴿ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ایک مقرر میعاد تک ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ﴿ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ اس قوم کے لیے جو غور وفکر کرتی ہے ﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا ﴾ کیا انھوں نے بنا لیے ہیں ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿ شُفَعَآءَ ﴾ سفارشی ﴿ قُلْ ﴾ آپ فرمادیں ﴿ اَوَلَوْ كَانُوْا ﴾ کیا اگر چہ وہ ﴿ لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا ﴾ نہ ہوں مالک کسی شے کے ﴿ وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ اور نہ وہ عقل رکھتے ہوں ﴿ قُلْ ﴾ آپ فرمادیں ﴿ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سفارش ساری ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اسی کے لیے ہے شاہی آسمانوں کی اور زمین کی ﴿ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ پھر اسی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ ﴾ اور جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کا ﴿ اشْمَاَزَّتْ ﴾ سکڑتے ہیں ﴿ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ ﴾ دل ان لوگوں کے ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ﴾ جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ ﴾ اور جس وقت ذکر کیا جاتا ہے ان کا ﴿ مِنْ دُوْنِهٖٓ ﴾ جو اس کے نیچے نیچے ہیں ﴿ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے حق بیان کرنے میں کسی قسم کی کمی اور کوتاہی نہیں کی اور یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا کمال اور خوبی ہے کہ جو وحی ان پر نازل ہوتی ہے اس کے بیان کرنے میں وہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے اور یہ ان کی ڈیوٹی میں شامل ہے کہ جو کچھ ان پر نازل ہوا ہے اس کو من وعن پہنچائیں۔ دوسرے لوگوں سے تو ہوسکتا ہے کہ ڈر جائیں یا لالچ میں آکر حق کو چھپائیں یا گول مول کر جائیں مگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبران سب چیزوں سے پاک صاف ہوتے ہیں۔ ہر پیغمبر نے قومی بولی اور زبان میں بتایا اور سمجھایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾ [ابراہیم: ۴] "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ بیان کرے ان کے لیے۔" اگر پیغمبر اپنی قومی بولی اور زبان میں بیان نہ کرتا تو قوم کہہ سکتی تھی ہمیں اس کی بات سمجھ نہیں آتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حجت پوری کردی تاکہ کوئی اعتراض نہ کرے اور نہ کسی کو اعتراض کرنے کا موقع ملے۔ ویسے دنیا میں مخالف اعتراض کرنے سے باز تو نہیں آتے لیکن اس کا کوئی علاج نہیں ہے کہ جب آدمی ضد وعناد پر اڑ جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ اے میری قوم تم عمل کرو اپنے طریقے پر۔ یہ ناراضگی ہے اجازت نہیں ہے کہ تم کفر شرک پر عمل کرتے رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں نے حق کھول کر تمھارے

دسامنے رکھ دیا ہے اور ساری باتیں تمھارے سامنے بیان کر دی ہیں اور تم سمجھنے اور باز آنے کے لیے تیار نہیں ہوتو پھر تم اپنے طریقے پر عمل کرو ﴿اِنِّیْ عَامِلٌ﴾ بے شک میں عمل کرنے والا ہوں اپنے طریقے پر ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عن قریب تم جان لوگے ﴿مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ﴾ کس پر آتا ہے عذاب جو اس کو رسوا کر دے گا۔ کہ اپنے طریقے پر عمل کرو لیکن اتنی بات ضرور جان لو کس پر عذاب آتا ہے جو اس کو ذلیل ورسوا کر دے گا ﴿وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور کس پر اترتا ہے عذاب دائمی۔ دنیا میں جو عذاب آئے گا وہ ذلیل ورسوا کر کے رکھ دے گا اور آخرت کا عذاب دائمی ہے جو قبر برزخ سے شروع ہوگا۔ اتنی بات کو نہ بھولنا باقی تمھیں زبردستی منا نہیں سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اختیار دیا ہے جو چاہو اختیار کرو اپنی مرضی سے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] ”پس جو چاہے مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے مرضی سے کفر اختیار کرے۔“ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی کو ایمان پر مجبور کرتا ہے نہ کفر پر۔ پیغمبروں کے ذریعے حق و باطل سے آگاہ کر دیتا ہے اور انجام بھی بتا دیتا ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے نازل کی آپ پر کتاب لوگوں کے لیے حق کے ساتھ۔ یہ ساری قوموں کے لیے ساری دنیا کے لیے ہدایت ہے۔ کاش! کوئی اس کتاب کو اول تا آخر سمجھ لے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ صحیح معنیٰ میں انسان بن جائے گا۔ یہ حق کے ساتھ اُتری ہے اس میں حق ہے حق کی باتیں اس میں ہیں ﴿فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ﴾ پس جس نے ہدایت حاصل کی تو اپنے نفس کے لیے کہ اس کا فائدہ اس کو ہوگا ﴿وَمَنْ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوا ﴿فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا﴾ پس پختہ بات ہے وہ گمراہ ہوا ہے اسی پر۔ اس کی گمراہی اس کے نفس پر پڑے گی، اس کا وبال اس کے نفس پر آئے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ کتاب صرف مولویوں کے لیے نہیں ہے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہے اور سب کے لیے ضروری ہے اس کو سمجھنا۔ کئی دفعہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ایک آدمی سو نفل پڑھتا ہے اور ایک آدمی ایک آیت سیکھتا ہے سادی بغیر ترجمہ کے ساتھ اس کا ثواب سو نفل پڑھنے والے سے زیادہ ہے اور ایک آدمی ہزار نفل پڑھتا ہے اور دوسرا آدمی ایک آیت ترجمے کے ساتھ سیکھتا ہے اس کا ثواب ہزار نفل پڑھنے والے سے زیادہ ہے حالانکہ سو اور ہزار نفل پڑھنے پر کافی وقت صرف ہوتا ہے۔

فرمایا ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان پر وکیل۔ آپ تو مبلغ ہیں ﴿اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ [شوریٰ:۴۸] ”آپ کے ذمہ ہے حق کی بات پہنچا دینا۔“ منوانا آپ کے فریضے میں داخل نہیں ہے جو مان لے گا وہ خوش قسمت ہے اور بدقسمت ہے جو ضد پر اڑا رہے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا﴾ اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے جانوں کو، روحوں کو ان کی موت کے وقت۔ ہر جان دار چیز کے بدن میں روح ہے جب تک بدن میں روح ہے، حیات ہے، سانس بھی لے گا نبض بھی چلے گی، کھانا بھی ہضم ہوگا بدن کا سارا نظام چلتا رہے گا۔ جتنی زندگی کسی کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اتنی دیر زندہ رہے گا اور جب زندگی پوری ہو جاتی ہے اور موت کا ارادہ کرتا ہے تو روح کو بدن سے کھینچ لیتا ہے۔ اس وقت بدن کی بس ہو جاتی ہے نہ سانس لیتا ہے نہ نبض چلتی ہے سارا نظام ختم ہو جاتا ہے ﴿وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا﴾ اور وہ جانیں جو نہیں مرتیں ان کی روحوں کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں۔ ان کی روح کا تعلق بدن کے ساتھ اس طرح کا نہیں ہوتا جس طرح بیداری میں ہوتا ہے۔ گو

روح با قاعدہ بدن میں ہوتی ہے وہ سورہا ہوتا ہے روح اندر سے نکلتی نہیں ہے نبض بھی چل رہی ہے، کھانا بھی ہضم ہورہا ہے، سانس بھی لے رہا ہے لیکن وہ تعلق جو بیداری میں ہوتا ہے وہ نہیں ہے۔ موت کے وقت اللہ تعالیٰ روحوں کو بالکل کھینچ لیتا ہے اور موت کے وقت بدن کے ساتھ تعلق نہیں رہتا، نہ نبض چلتی ہے، نہ سانس لے سکتا ہے، نہ کھانا ہضم ہوتا ہے، نہ بدن کی نشوونما ہوتی ہے۔ پھر اس کو قبر میں اتارا جاتا ہے مٹی ڈال کر ابھی آدمی وہیں کھڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ "اس کی روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔" جسم کے ساتھ اتنا تعلق ہوتا ہے کہ جس سے نکیرین کے سوال سمجھ سکتا ہے۔

نکیرین سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ نیک آدمی جواب دیتا ہے رَبِّيَ اللّٰهُ. وہ کہتے ہیں مَنْ نَبِيُّكَ یہ کہتا ہے نَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ پھر وہ کہتے ہیں مَا دِيْنُكَ یہ کہتا ہے دینی الاسلام۔ اور کافر، مشرک، منافق سے جب سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ تو وہ کہتا ہے هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ میری بدقسمتی میں نہیں جانتا۔ دفن کر کے جب واپس آتے ہیں تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ میت ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہی ہوتی ہے۔

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے ان کی جانوں کو موت کے وقت اور وہ جو نہیں مرتیں ان کی جانوں کو کھینچ لیتا ہے نیند میں۔ مگر وہ کھینچنا اور طرح کا ہے یہ کھینچنا اور طرح کا ہے ﴿فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ﴾ پس روک لیتا ہے اس کو جس پر موت کا فیصلہ کرتا ہے ﴿وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى﴾ اور چھوڑ دیتا ہے دوسری کو ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مقرر میعاد تک جو اس کی موت کا وقت لکھا ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ بے شک اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو غوروفکر کرتی ہے ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ﴾ کیا انھوں نے بنالیے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے سفارشی۔ گیارھویں پارے میں ہے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸] "اور یہ کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔" اور اسی سورت کے پہلے رکوع میں گزرا ہے کہ کہتے ہیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ "نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں گے۔" لات، منات، عزیٰ کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں رب کے قریب کر دیتے ہیں۔ تو فرمایا کیا انھوں نے بنالیے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے سفارشی ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا﴾ اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں ﴿وَّلَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور نہ وہ عقل رکھتے ہوں۔ دیکھو! جن کو یہ سفارشی بناتے ہیں ان کی دو اقسام ہیں۔

سفارشیوں کی اقسام

۱..... ایک تو جان دار لوگ ہیں جیسے ود، سواع، یغوث، یعوق، نصر، فرشتے، عزیر علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام۔ جن کے متعلق ان کا نظریہ ہے کہ یہ ان کی تکالیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں پر اختیار نہیں رکھتے وہ اپنے نقصان اور نفع کے مالک نہیں ہیں تو ان کے نفع نقصان کے مالک کیسے ہوں گے؟ مثلاً: عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے منجی ہیں اور ادھر ان کا یہ نظریہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر

اٹھالیا گیا﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ﴾[النساء:۱۵۷]"اور نہ ان کو قتل کیا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا ہے ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴾ اور نہیں قتل کیا انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً۔" تو عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق جو ان کی کتابیں بتاتی ہیں سولی پر لٹکا دیا گیا اور جس وقت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا تو انھوں نے شور مچایا اِيْلِي اِيْلِي لِمَا سَبَقْتَنِي "اے میرے رب، اے میرے رب تو نے مجھے کہاں پھنسا دیا۔" اب سوال یہ ہے کہ جس کے پاس اپنی جان بچانے کے لیے قدرت نہیں ہے وہ تمھارے لیے کیسے منجی بن گئے؟ جو اپنے گلے سے سولی کے پھندے کو دور نہ کر سکیں وہ تمھیں کیسے نجات دلائیں گے۔ اسی طرح عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے اختیارات سارے کے سارے صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

۲...... اور دوسری قسم سفارشیوں کی، بت ہیں۔ جو انھوں نے بنائے ہوئے تھے۔ وہ بت کیا سمجھیں اور جانیں کہ ہمیں کون پکار رہا ہے؟ لیکن ایک بات یاد رکھنا! وہ محض بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ ان بزرگوں کی پوجا کرتے تھے جن کی شکل وصورت پر بت بنائے ہوئے تھے۔ میں نے اس مسئلے پر "گلدستہ توحید" میں بڑی بحث کی ہے جو اور کسی کتاب میں نہیں ملے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ایک دفعہ اس کو ضرور پڑھو۔ محض پتھروں کی پوجا کسی نے نہیں کی۔ یہاں جو عمر رسیدہ بزرگ ہیں ان کو معلوم ہے کہ یہاں ہندو ہوتے تھے وہ بیس بیس کلو کا پتھر اٹھا کر لاتے تھے اس وقت اس کی پوجا نہیں کرتے تھے جب تراشتے تراشتے پانچ سیر کا رہ جاتا اور ان کے کسی بزرگ کی شکل پر ہو جاتا تھا تو پھر اس کا طواف بھی کرتے، اس کی نذر بھی مانتے اور سارا کچھ کرتے۔ لکڑی ایک من کی اٹھا کر لاتے اس میں کوئی کرشمہ نہیں مانتے تھے نہ اس کی پوجا کرتے جب اس کو تراشتے تراشتے دس کلو کی رہ جاتی اور رام چندر جی، کرشنا جی، بدھ کی شکل بن جاتی تو پھر اس کی پوجا شروع کر دیتے۔

تو دراصل ان کی ان بزرگوں کے ساتھ عقیدت ہوتی تھی جن کی شکل کے بت بناتے تھے۔ ان پتھروں کے ساتھ تو کوئی عقیدت نہیں تھی یہ جو تمھارے پاس دوستوں کی تصویریں ہیں ان کاغذوں کے ساتھ تو کسی کو محبت نہیں ہے ان سے بہتر اور نرم کاغذ ہیں ان کے ساتھ تو کوئی محبت نہیں کرتا۔ دراصل محبت اس تصویر اور فوٹو کے ساتھ ہے جو تمھارے دوست کا ہے۔ تو وہ عبادت لکڑیوں اور پتھروں کی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی کرتے تھے جن کی شکل اور تصویر بناتے تھے۔

تو فرمایا کہ اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ ان کو عقل ہو ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سفارش۔ اللہ تعالیٰ کے لیے سفارش کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں ہوگی ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾[آیۃ الکرسی: پارہ ۳] "کون ہے جو اس کے سامنے سفارش کر سکے بغیر اس کی اجازت کے۔" قیامت والے دن ساری مخلوق پریشان ہوگی، سب لوگ پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ آپ سے ہماری نسل چلی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں کہ حساب کتاب شروع ہو جائے۔ وہ کہیں گے نفسی نفسی کس منہ سے جاؤں؟ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ ممنوعہ درخت کو تو نے کیوں کھایا تھا تو میں کیا جواب دوں گا؟ مجھ میں ہمت نہیں ہے جانے کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس

جائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ سب معذرت کریں گے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔

میدان محشر میں ایک مقام ہے جس کا نام ہے مقام محمود جس پر لواء الحمد لہرا رہا ہوگا، حمد کا جھنڈا۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔ بخاری شریف میں روایت ہے یُلْهِمُنِیْ بِمَحَامِدَ لَمْ تَحْضُرْنِی الْآنَ" اللہ تعالیٰ مجھے ایسے کلمات الہام کریں گے جو اب مجھے معلوم نہیں ہیں۔" مسند احمد کی روایت ہے کہ سات دن کا لمبا سجدہ ہوگا یا چودہ دن کا۔ یہ سارا عرصہ اللہ تعالیٰ کی حمد میں مصروف رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یَا محمد اِرْفَعْ رَأْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھا کر سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔" تو رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون سفارش کر سکتا ہے؟ یہ بے جان کیا کریں گے؟ یا جن کے بت بنائے گئے ہیں ان کو کیا معلوم کہ کس کو کہاں کیا تکلیف ہو رہی ہے؟ اب یہاں جو کوئی عیسیٰ علیہ السلام کو پکارے تو وہ تو اپنے مقام پر آرام فرما رہے ہیں ان کو کیا معلوم کہ اس پر کیا گزر رہی ہے؟ یہاں کوئی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہتا ہے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقام پر آرام فرما رہے ہیں جنت میں مزے اڑا رہے ہیں ان کو کیا پتا کہ گکھڑ میں فلاں آدمی کو کیا ہو رہا ہے؟ تو فرمایا کہ ساری سفارش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اسی کے لیے ہے شاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور یاد رکھنا! ﴿ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر اسی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ جانا اسی کے پاس ہے اس کی فکر کرو۔

آگے مشرکوں کی تردید ہے۔ فرمایا ان کا حال یہ ہے ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ﴾ اور جس وقت ذکر کیا جاتا ہے اللہ وحدہٗ لاشریک کا ﴿اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ سکڑ تے ہیں، تنگ ہوتے ہیں دل ان لوگوں کے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ جب خالص توحید کا ذکر ہو پھر اچھلتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾[صفٰت:۳۵] "جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا الٰہ، معبود، مشکل کشا کوئی نہیں ہے تو یہ تکبر کرتے ہیں، اچھلتے ہیں۔" ان کو یہ بات ایسے ناگوار گزرتی ہے کہ جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ ﴿وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ﴾ اور جب ذکر کیا جاتا ہے ان کا جو اللہ تعالیٰ سے نیچے ہیں۔ اوروں کی قصے کہانیاں سنائی جاتی ہیں تو ﴿اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس کا تم آج تجربہ کر کے دیکھ لو۔ خالص توحید کی آیات سناؤ تو خوش نہیں ہوں گے مشرک لوگ۔ بابوں کے قصے کہانیاں سنا دو کہ فلاں بابے نے پہاڑ جلا دیا، فلاں نے یہ کیا، بڑے خوش ہوں گے۔ ان کے بے حقیقت قصے سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے۔

﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُمَّ﴾ اے اللہ ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے ﴿عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ غائب اور حاضر کو جاننے والے ﴿اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ﴾ آپ ہی فیصلہ کریں گے اپنے

بندوں کے درمیان ﴿فِیْ مَا كَانُوْا﴾ ان چیزوں کے بارے میں ﴿فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿وَ لَوْ﴾ اور اگر ﴿اَنَّ﴾ بے شک ﴿لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا ﴿مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ جو کچھ ہے زمین میں سارے کا سارا ﴿وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اور اس جیسا اس کے ساتھ ہو ﴿لَافْتَدَوْا بِهٖ﴾ البتہ وہ فدیہ دے دیں اس کے ساتھ ﴿مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ﴾ بُرے عذاب سے بچتے ہوئے ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿وَ بَدَا لَهُمْ﴾ اور ظاہر ہوں گے ان کے لیے ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مَا﴾ وہ چیزیں ﴿لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ﴾ جن کا وہ گمان نہیں رکھتے تھے ﴿وَ بَدَا لَهُمْ﴾ اور ظاہر ہوں گی ان کے لیے ﴿سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ برائیاں جو انھوں نے کمائیں ﴿وَ حَاقَ بِهِمْ﴾ اور گھیرے گی ان کو ﴿مَّا﴾ وہ چیز ﴿كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ﴾ پس جب پہنچتی ہے انسان کو تکلیف ﴿دَعَانَا﴾ ہمیں پکارتا ہے ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً﴾ پھر جب ہم دے دیتے ہیں اس کو نعمت ﴿مِّنَّا﴾ اپنی طرف سے ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿اِنَّمَآ﴾ پختہ بات ہے ﴿اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ﴾ یہ دی گئی ہے مجھے علم کی بنا پر ﴿بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ﴾ بلکہ یہ آزمائش ہے ﴿وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿قَدْ قَالَهَا﴾ تحقیق کہی یہ بات ﴿الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ﴾ پس نہ کام آئی ان کو ﴿مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ وہ چیز جو وہ کماتے تھے ﴿فَاَصَابَهُمْ﴾ پس پہنچیں ان کو ﴿سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ وہ برائیاں جو انھوں نے کمائیں ﴿وَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ﴿مِنْ هٰۤؤُلَآءِ﴾ ان لوگوں میں ﴿سَیُصِیْبُهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ عنقریب پہنچے گی ان کو وہ برائی جو انہوں نے کمائی ﴿وَ مَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں وہ عاجز کرنے والے ﴿اَوَ لَمْ یَعْلَمُوْۤا﴾ کیا وہ نہیں جانتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ کشادہ کرتا ہے رزق ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے ﴿وَ یَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیات میں مشرکوں کا رد تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اللّٰهُمَّ﴾ یہ لفظ اصل میں یا اللہ تھا یا کو ابتداء سے حذف کر کے آخر میں اس کی جگہ میم لائے ہیں۔ تو اس کا معنیٰ ہے اے اللہ جل جلالہ! ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾۔ فطور ط کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ہے بغیر نمونے اور

مثال کے پیدا کرنے والا۔ تو معنیٰ ہوگا بغیر نمونے اور مثال کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے۔ اس سے پہلے نہ زمین کا نمونہ تھا اور نہ آسمان کا نمونہ تھا۔ کسی چیز کا نمونہ دیکھ کر چیز کا بنانا آسان ہوتا ہے ﴿عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ غائب اور حاضر کو جاننے والے۔

کئی دفعہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ﴿عٰلِمَ الْغَیْبِ﴾ کا معنیٰ ہے مَا غَابَ عَنِ المخلوق جو چیزیں مخلوق سے غائب ہیں رب ان کو بھی جانتا ہے اور ﴿الشَّهَادَةِ﴾ کا معنیٰ ہے جو چیزیں مخلوق کے سامنے ہیں رب ان کو بھی جانتا ہے۔ تو مخلوق کے اعتبار سے عالم الغیب والشہادہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب نہیں ہے ﴿اَنْتَ تَحْكُمُ﴾ آپ ہی فیصلہ کریں گے ﴿بَیْنَ عِبَادِكَ﴾ اپنے بندوں کے درمیان قیامت والے دن ﴿فِیْ مَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ ان چیزوں کے بارے میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ دنیا میں بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جھگڑے ہوتے ہیں قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے غیر مجرم، مجرم بن جاتے ہیں اصل کا پتا ہی نہیں چلتا باوجود اس کے کہ منصف مزاج جج اور وکیل بحث کرتے ہیں بڑا غور وفکر کرتے ہیں لیکن حقیقت پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ لیکن قیامت والے دن اللہ تعالیٰ صحیح صحیح فیصلہ کریں گے حق اور باطل کے درمیان دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا حق حق ہوگا باطل باطل ہوگا، سچ سچ ہوگا جھوٹ جھوٹ ہوگا ہر شے نکھر کر سامنے آجائے گی۔

﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور اگر بے شک ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا دنیا میں ﴿مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا ہو۔ یہاں اجمال ہے دوسری جگہ تفصیل ہے ﴿مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا﴾ ''زمین سونے سے بھری ہوئی ہو ﴿وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ﴾ [آل عمران:۹۱] ''اگرچہ وہ اس کو فدیہ دیں کسی سے قبول نہیں کی جائے گی۔'' صرف یہی زمین سونے کی بھری ہوئی نہیں ﴿وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اور اس جیسا مزید بھی اس کے ساتھ ہو اور سونے سے بھری ہوئی ہو ﴿لَافْتَدَوْا بِهٖ﴾ البتہ وہ فدیہ میں دے دیں ﴿مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ﴾ بُرے عذاب سے بچنے کے لیے ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن۔ اگر بالفرض کسی کے پاس یہ ساری زمین سونے کی بھری ہوئی ہو اور اتنی زمین اور بھی اس کے ساتھ ہو اور وہ برے عذاب سے بچنے کے لیے دے دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ہوگی کس کے پاس؟ یہاں بڑا خوش قسمت ہے جس کو چند گز کفن ہی مل جائے۔ کتنے ہیں کہ ان کو کفن بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اگر کسی کے پاس انگوٹھی ہو تو وہ اتار لیتے ہیں اور اگر ہو بھی تو قبول نہیں کی جائے گی۔ کتنا مہنگا سودا ہے کہ ساری زمین سونے کی بھری ہوئی ہو اور اس کے مثل اور بھی ہو یہ دے کر جان چھڑانا چاہے تو نہیں چھوٹے گی۔ اور سورۃ معارج پارہ ۲۹ میں ہے ﴿یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ ۝ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ۝ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ ۝ كَلَّا﴾ ''مجرم خواہش کرے گا کہ کاش وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو اور اپنے قبیلے کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور سب زمین پر رہنے والوں کو بھی فدیے میں پیش کر دے پھر اپنے آپ کو بچالے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔'' اور سورہ لقمان آیت نمبر ۳۳ پارہ ۲۱ میں ہے ﴿یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ

﴿وَلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ ''اس دن نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے لیے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہوگا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔'' اور سورۃ نجم پارہ ۲۷ میں ہے ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ ''کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور ظاہر ہوں گی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مَا﴾ وہ چیزیں ﴿لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ جن کا وہ دنیا میں گمان نہیں رکھتے تھے۔ تصور بھی نہیں تھا کہ یہ چیزیں سامنے آئیں گی۔ پل صراط ان کے سامنے ہوگا، دوزخ کی آگ اور شعلے ان کے سامنے ہوں گے۔ سانپ، بچھو سامنے ہوں گے، رتی رتی کا حساب ہوگا۔ وہ وہ چیزیں پرچے میں سامنے آئیں گی کہ جن کے متعلق آدمی کو تصور بھی نہ تھا کہ ان کا بھی حساب ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کے متعلق پوچھا جائے گا مثلاً: پوچھا جائے گا کہ مسجد سے نکلتے وقت تو نے سیڑھیوں میں تھوکا تھا، تو نے کیلا اور دیگر پھل کھا کر راستے میں پھینک دیئے تھے۔ بندے کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے کہ میں تو ان چیزوں کو گناہ ہی نہیں سمجھتا تھا۔ پوچھا جائے گا بتا بندے! تو ننگے سر بازار پھرتا تھا۔ مجبوری کے بغیر ننگے سر بازار جانے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔ آج تو ننگے سر پھرنا فیشن بن گیا ہے۔ انگریز بے ایمان نے ہمیں بے ایمان کر کے مارنا ہے۔ اگر کوئی شخص ننگے سر بازار جائے تو اس کی گواہی مردود ہے۔ یہ سب چیزیں سامنے آئیں گی۔

﴿وَبَدَا لَهُمْ﴾ اور ظاہر ہوں گی ان کے لیے ﴿سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ وہ برائیاں جو انھوں نے کمائی ہیں ﴿وَحَاقَ بِهِمْ﴾ اور گھیرے گی ان کو ﴿مَّا﴾ وہ چیز ﴿كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ مثلاً: جب کہا جاتا تھا کہ دوزخ میں سانپ بچھو ہوں گے تو مذاق اڑاتے تھے کہتے تھے تمھاری عقل ماری گئی ہے ایک طرف دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز پھر اس میں سانپ، خچر کے برابر۔ اتنی تیز آگ میں زقوم کا درخت اور ضریع کی جھاڑیاں ہوں گی پل صراط جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اس پر سے گزرنا پڑے گا نیچے آگ کے شعلے ہوں گے وہاں سے کون گزرے گا؟ تو دنیا میں جن چیزوں کا تم مذاق اڑاتے ہو یہ سب چیزیں سامنے آئیں گی۔

جہنم میں زقوم اور ضریع بھی کھائیں گے اور کافروں کو سانپ اور بچھو بھی ڈسیں گے یہ سب کچھ ہوگا ﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ﴾ پس جس وقت پہنچتی ہے انسان کو تکلیف ﴿دَعَانَا﴾ ہمیں پکارتا ہے۔ پھر اللہ، اللہ، اللہ، اللہ کی ضربیں لگاتا ہے ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا﴾ پھر جس وقت ہم اس کو دے دیتے ہیں نعمت اپنی طرف سے ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ پختہ بات ہے کہ یہ دی گئی ہے مجھے علم کی بنا پر۔ جب مشکل میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اس وقت ساری چیزیں بھول جاتا ہے۔ پس اللہ اللہ کرتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نوازتا ہے تو پھر خدا کو بھول جاتا ہے اور کہتا ہے یہ میرے علم، قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ﴾ بلکہ یہ آزمائش ہے رب کی طرف سے۔ رب تعالیٰ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے ﴿قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تحقیق کہی یہ بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔

واقعہ قارون

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور مال دار اتنا تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں اچھی خاصی جماعت اٹھاتی تھی اور کنجوس اتنا تھا کہ کہتا تھا کہ سالن روٹی کے اوپر ڈال دو، رکابی میں ڈالو گے تو اس کی قلعی اتر جائے گی۔ قلعی کرانے پر پیسے خرچ ہوں گے۔ بچوں کو مکان کی چھت پر نہیں چڑھنے دیتا تھا کہ چھت خراب ہو جائے گی اور لپائی کرانا پڑے گی۔ جب اس کو کہا جاتا کہ ﴿وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ﴾ [القصص:۷۷] ''احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے۔'' غریبوں، کمزوروں کی ہمدردی کرو تو کہتا ﴿اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ [القصص:۷۸] ''بے شک مجھے دی گئی دولت علم کی بنا پر (اپنی قابلیت کی بنا پر)۔'' تم بھی قابلیت پیدا کرو، کماؤ کھاؤ مجھ سے کیوں مانگتے ہو؟ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر انعام کرے تو بندے کو اس پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ مجھے حلال طریقے سے یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔

تو فرمایا کہ یہ باتیں پہلے لوگوں نے بھی کی ہیں ﴿فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ﴾ پس نہ کام آئی ان کو ﴿مَّا﴾ وہ چیز ﴿كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ جو وہ کماتے تھے۔ قارون کی ایسی مضبوط کوٹھی تھی کہ زلزلہ بھی آئے تو بظاہر دیواروں کو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن جب قارون کی بدبختی کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا زمین نے اس کو کوٹھی سمیت ہڑپ کر لیا۔ زمین نے ایسا نگلا کہ نہ اس کا کوئی پتا چلا نہ کوٹھی کا پتا چلا کہ کہاں گئی، اور نہ خزانوں کا۔ ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ [قصص:۸۱] ''پس ہم نے دھنسا دیا اس قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں۔'' اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ زمین کے تین حصے، گاؤں کے گاؤں اور شہروں کے شہر زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے۔ ایک خسف مشرق میں ہوگا ایک مغرب میں ہوگا اور ایک عرب میں ہوگا۔ مشرق والا (خسف) چاہے چین میں ہو، جاپان میں ہو یا پاکستان میں۔ مغرب والا یورپ میں ہوگا اور عرب کے علاقہ میں اپنا یہ ذہن کام کرتا ہے کہ جہاں امریکہ کی فوجیں ہیں یہی مقام زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

فرمایا ﴿فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ پس پہنچیں ان کو وہ برائیاں جو انھوں نے کمائیں۔ یہ تو پہلوں کے متعلق ہے ﴿وَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ان لوگوں میں سے ﴿سَیُصِیْبُهُمْ﴾ عنقریب پہنچے گی ان کو ﴿سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ وہ برائی جو انھوں نے کمائی۔ یہ اس وقت کے ظالموں کو سنایا جا رہا ہے کہ صرف یہ نہ سمجھیں کہ پہلوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے اس وقت کے جو ظالم ہیں جو وہ برائیاں کمائیں گے ان پر بھی ان کا وبال پڑے گا، ان کی بھی گرفت ہوگی ﴿وَ مَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں وہ عاجز کرنے والے رب تعالیٰ کو۔ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ایک لمحے میں ساری دنیا تباہ کر سکتا ہے۔

پچھلے دنوں جاپان میں صرف سترہ سیکنڈ زلزلہ آیا تھا ان کی ریلوے کی جو پٹڑیاں تباہ ہوئی تھیں چار سال میں بھی صحیح معنیٰ میں درست نہیں ہو سکی تھیں حالانکہ جاپان نے صنعت میں سارے یورپ کی گردن جھکا دی ہے۔ رب، رب ہے۔ ﴿اَوَ لَمْ یَعْلَمُوْۤا﴾ کیا یہ لوگ نہیں جانتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہے ﴿وَ

﴿يَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے جس کا چاہے۔ رزق کا نظام اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی محنت زیادہ ہوتی ہے مگر محنت کے مطابق اسے رزق ملتا نہیں ہے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ محنت تھوڑی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ رزق زیادہ دیتا ہے۔ وہ لوگ خوش قسمت اور سعادت مند ہیں جن کو ایمان کی دولت کے ساتھ رزق حلال بھی حاصل ہو۔ سب سے بڑی دولت ایمان ہے اس جیسی اور دولت کوئی نہیں ہے۔ صرف مال کو کتنی دیر کھالیں گے؟ دس سال، بیس سال، سو سال، آخر موت ہے۔ مرنے کے بعد پھر ہوگا جو ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ کہتے ہیں مَالِیْ مَالِیْ "میرا مال میرا مال۔" تیرا مال وہ ہے جو تو نے کھالیا، استعمال کرلیا یا اپنے ہاتھ سے خیرات کر دیا باقی مال تو وارثوں کا ہے۔ اچھے ہوئے تو اچھی جگہ لگائیں گے بُرے ہوئے تو بدمعاشی کریں گے جوا کھیلیں گے۔ اس کا وبال تیری گردن پر پڑے گا کہ تو نے ان کے لیے جمع کر کے رکھا تھا۔ فرمایا رب تعالیٰ جس کا چاہے رزق کشادہ کرے جس کا چاہے تنگ کرے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے دوسروں کو سمجھ نہیں آسکتی۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ﴾ اے میرے وہ بندو! ﴿اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ جنھوں نے زیادتی کی اپنی جانوں پر ﴿لَا تَقْنَطُوْا﴾ ناامید نہ ہو ﴿مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ بخش دیتا ہے سب گناہ ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ بہت بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ﴿وَاَنِيْبُوْۤا﴾ اور رجوع کرو تم ﴿اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿وَاَسْلِمُوْا﴾ اور فرماں بردار ہو جاؤ ﴿لَهٗ﴾ اس کے ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ﴾ پہلے اس سے کہ آئے تم پر ﴿الْعَذَابُ﴾ عذاب ﴿ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ پھر تمھاری مدد بھی نہیں کی جائے گی ﴿وَاتَّبِعُوْۤا﴾ اور پیروی کرو ﴿اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ بہتر بات کی جو تمھاری طرف اتاری گئی ہے ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمھارے رب کی طرف سے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ﴾ پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب ﴿بَغْتَةً﴾ اچانک ﴿وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اور تم شعور بھی نہ رکھتے ہو ﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ﴾ یہ کہ کہے کوئی نفس ﴿يّٰحَسْرَتٰى﴾ اے افسوس مجھ پر ﴿عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ﴾ اس کارروائی کے متعلق جو میں نے کوتاہی کی ﴿فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ﴿وَاِنْ كُنْتُ﴾ اور بے شک میں تھا ﴿لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ﴾ ٹھٹھا کرنے والوں میں سے ﴿اَوْ تَقُوْلَ﴾ یا وہ نفس کہے ﴿لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ﴾ اگر بے شک اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا ﴿لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ البتہ میں ہوتا متقیوں میں سے ﴿اَوْ تَقُوْلَ﴾ یا کہے وہ ﴿حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ﴾ جس وقت دیکھے گا وہ

عذاب کو ﴿لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً﴾ اگر بے شک میرے لیے ہو لوٹنا ﴿فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ پس ہو جاؤں میں نیکی کرنے والوں میں سے ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں ﴿قَدْ جَآءَتْكَ﴾ تحقیق آچکیں تیرے پاس ﴿اٰیٰتِیْ﴾ میری آیتیں ﴿فَكَذَّبْتَ بِهَا﴾ پس تو نے جھٹلایا ان کو ﴿وَاسْتَكْبَرْتَ﴾ اور تو نے تکبر کیا ﴿وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور تھا تو کفر کرنے والوں میں سے ﴿وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن ﴿تَرَى الَّذِیْنَ﴾ دیکھے گا ان لوگوں کو ﴿كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ جنھوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ پر ﴿وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ﴾ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے ﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ﴾ کیا نہیں ہے جہنم میں ﴿مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ﴾ ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں میرے بندوں کو میری طرف سے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا﴾ اے میرے وہ بندو جنھوں نے زیادتی کی ﴿عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ اپنی جانوں پر، گناہ کیے، کوتاہیاں کیں ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ نا اُمید نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ چاہے کتنے بھی ظلم کیے ہیں، زیادتیاں کی ہیں۔ مغفرت کے اسباب بہت ہیں لیکن ہوگی قاعدے کے مطابق۔ مثلاً: ہم کہتے ہیں نماز پڑھو تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ نہ وضو ہو نہ وقت ہو نہ قبلے کی طرف رخ ہو اور پڑھ لو۔ نہ کپڑے پاک ہوں، نہ جگہ پاک ہو اور پڑھ لو، یہ نماز تو نہ ہوگی۔ بلکہ نماز پڑھنے کا مطلب ہے کہ قاعدے کے مطابق پڑھو۔ اسی طرح گناہ کی بخشش اور توبہ کے لیے بھی شرائط ہیں۔

اور یہ بات بھی تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کی قضا نہیں ہے جیسے شراب پینا، بدکاری کرنا وغیرہ۔ ان سے جب انسان سچے دل سے توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ دوسرے حقوق وہ ہیں جن کی قضا ہے مثلاً: نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، یہ محض زبانی توبہ سے معاف نہیں ہوں گے جب تک ان کی قضا نہیں کرے گا۔ نماز ذمے ہے اس کی قضا کرے، روزہ ذمے ہے اس کی قضا کرے زکوٰۃ ذمے ہے اس کی قضا کرے اور تاخیر سے پڑھنے کی رب تعالیٰ سے معافی مانگے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، چاروں امام اور تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ محض زبانی توبہ سے معاف نہیں ہوں گے جب تک اُن کی قضا نہیں ہوگی۔ نمازیں قضا کرنے کا طریقہ میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ پہلے حساب لگاؤ کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں اس وقت سے لے کر اب تک میری کتنی نمازیں رہ گئی ہیں؟ ایک دن لگ جائے، دو دن لگ جائیں، دس دن لگ جائیں، مہینہ لگ جائے، وقت لگا کر مغز کھپا کر اندازہ لگاؤ کاغذ پر لکھ لو کہ میرے ذمے فجر کی تقریباً اتنی نمازیں ہیں، ان سے دو چار زائد شمار کر لو۔ روزے

میرے ذمے تقریباً اتنے ہیں احتیاطاً مزید ڈال لو۔ جتنے بنے ان کی قضا کرو۔ یہی زکوٰۃ کا حکم ہے کہ جتنے سالوں کی نہیں دی شمار کرلو، نکالو۔ اگر ادا کرتے کرتے اچانک بیمار ہوگیا نماز روزے پورے قضا نہیں کر سکا تو وصیت کرے کہ میرے ذمے اتنی نمازیں ہیں اور اتنے روزے ہیں ان کا فدیہ ادا کر دینا۔ اگر فدیے کی وصیت نہیں کرتا تو گناہ گار مرے گا۔ فدیہ کتنا ہے ہر نماز کا؟ دو سیر گندم ہے موٹا تخمینہ دو سیر گندم۔ پانچ نمازیں اور ایک وتر ہے۔ وتر واجب ہے مگر عملی طور پر فرض ہے۔ تو بارہ سیر گندم ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ہے یا اس کی قیمت۔

اسی طرح روزے کا فدیہ دو سیر گندم کے حساب سے دے۔ آخرت کا معاملہ بڑا مشکل اور سخت ہے اور یہ مسئلہ بھی کئی دفعہ سن چکے ہو نمازوں کی قضا کرنے میں اسی طرح ترتیب ضروری ہے جس طرح وقتی نمازوں میں ترتیب ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ دو ہزار فجر کی نمازیں ہیں اور وہ اس طرح نیت کرتا ہے کہ ان میں سے ایک پڑھتا ہوں تو اس طرح ذمہ داری سے فارغ نہیں ہوگا بلکہ نیت اس طرح کرے گا کہ میرے ذمہ جو فجر کی نمازیں ہیں ان میں سے پہلی پڑھتا ہوں۔ پہلی پہلی کر کے نیت کرے گا یا آخر سے شروع ہو کہ آخری پڑھتا ہوں باقی جو رہ گئی ہیں ان میں سے آخری پڑھتا ہوں آخری آخری کر کے نیت کرتا جائے ساتھ یہ بھی کہے کہ فجر کی پڑھتا ہوں یا ظہر کی پڑھتا ہوں کیونکہ وقت کی نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ مگر نیت دل کے ارادے کا نام ہے زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے مستحب ہے۔ باقی نفل نماز کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے دو نفل پڑھے چار پڑھے، ان کے لیے نیت کی ضرورت نہیں ہے کہ ظہر کے پڑھتا ہوں یا عصر کے پڑھتا ہوں۔ باقی نمازوں اور وتر اور سنت مؤکدہ کے لیے وقت کی تعیین ضروری ہے۔

یہ تو تفصیل تھی حقوق اللہ کی۔ رہا مسئلہ بندوں کے حقوق کا تو یا تو بندہ معاف کر دے یا پھر ان کا حق ادا کرے تب اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کا حق بنتا ہے تو کیا دیتے وقت اس کو بتانا ضروری ہے کہ بھائی تیری اتنی رقم میرے ذمہ ہے مجھے معاف کر دے یا اس کو بغیر کچھ بتائے دے دے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہاں! اس کو بتانا پڑے گا کہ تیری اتنی چیزیں یا رقم میرے ذمہ ہے مجھے معاف کر دے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے بس اجمالاً کہہ دے کہ تمہارا کچھ حق تھوڑا یا زیادہ میرے ذمہ ہے مجھے معاف کر دو۔ وہ معافی دے دے تو معافی قبول ہے۔ تو فرمایا کہ میرے بندوں کو کہہ دو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سب کے سب گناہ مگر قاعدے کے مطابق ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے۔ محض توبہ توبہ نہ کرو توبہ کے ساتھ یہ کام بھی ہے ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ اور رجوع کرو اپنے رب کی طرف توبہ کے بعد تمھارے اندر انقلاب آنا چاہیے۔

جیسے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حج مقبول و مبرور وہ ہے کہ اس کے بعد حاجی کی زندگی میں انقلاب آجائے پہلے کی طرح نہ رہے۔ اگر حج کے بعد بھی وہی حال رہا جو پہلے تھا تو سمجھو کہ حج مقبول نہیں ہوا۔ تو فرمایا رجوع کرو اپنے رب کی طرف

﴿وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ اور فرماں بردار ہو جاؤ اس کے۔ اسلام کا معنیٰ ہے گردن جھکا دینا۔ رب تعالیٰ کے احکام کے سامنے گردن جھکا دو اس کے احکامات کو مانو اور پابندی کرو ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ﴾ پہلے اس سے کہ تم پر عذاب آئے ﴿ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ پھر تمھاری مدد بھی نہیں کی جائے گی جب عذاب آ جائے گا۔ کل کے دن سے آج کا دن اچھا ہو آج کے دن سے کل آنے والا اچھا ہو۔

اور کیا کرنا ہے؟ ﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ اور پیروی کرو بہتر بات کی جو تمھاری طرف اتاری گئی ہے ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمھارے رب کی طرف سے۔ جو تمھارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہیں ان میں سے سب سے اچھی چیز کی پیروی کرو۔ تورات، زبور، انجیل بھی رب کی طرف سے اتاری گئیں ہیں اور صحیفے بھی اتارے گئے ہیں لیکن ان سب میں احسن قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کی پیروی کرو ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً﴾ پہلے اس سے کہ تم پر عذاب آئے اچانک ﴿وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اور تمھیں شعور بھی نہ ہو۔ انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے حالانکہ عاجز اور کمزور ہے۔ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے چاہے تو اچھے بھلے آدمی کو ایسا بیمار کر دے کہ چل پھر بھی نہ کر سکے۔ دولت چھین لے، عزت چھین لے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تو فرمایا پہلے اس سے کہ عذاب آئے اور تمھیں شعور بھی نہ ہو اور اس سے پہلے ہی آگاہ رہو ﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ﴾ یہ کہ کہے کوئی نفس ﴿يٰحَسْرَتٰى﴾ ہائے میرے اوپر افسوس ﴿عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ﴾ اس کارروائی کے متعلق جو میں نے کوتاہی کی ﴿فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں۔ افراط کا معنیٰ ہے زیادتی کرنا تفریط کا معنیٰ ہے کوتاہی کرنا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آئے گا یا موت آئے گی تو مجرم کہے گا ہائے افسوس مجھ پر میں نے رب کے معاملے میں بڑی کوتاہی کی ﴿وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ﴾ اور بے شک میں ٹھٹھا کرنے والوں میں سے تھا۔ جو نمازیوں کے ساتھ، روزے داروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے، ڈاڑھی رکھنے والوں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے، ٹنڈ کرانے والوں اور ٹخنوں سے اوپر چادر رکھنے والوں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ مگر اس وقت اس کوتاہی کے اقرار کا کیا فائدہ؟

انتہائی گہرے کنویں میں آدمی ایک چھلانگ لگانے سے نیچے جا پڑے گا لیکن ہزار چھلانگ لگانے سے نکل نہیں سکتا اب تو خمیازہ بھگتنا ہے۔ اور ہاتھوں کو کاٹے گا ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ [فرقان: ۲۷] "اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا۔" اور افسوس کرے گا کہ کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا اور میں نے بنا لیا ہوتا اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ راستہ۔ ﴿اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ یا وہ نفس کہے اگر بے شک اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا البتہ میں ہوتا متقیوں میں سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ میری ہدایت کے اسباب مہیا کرتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ﴾ اس قرآن پاک میں کوئی شک نہیں ہے یہ ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔ اور ہدایت تمام لوگوں کے لیے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ [سورۃ البقرہ]۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ [الفرقان: ۱] "بابرکت ہے وہ ذات جس نے اتارا ہے فرقان اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے وہ تمام جہان والوں کو ڈرانے والا۔" اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے اسباب مہیا کر دیئے،

قرآن پاک جیسی کتاب دی، تمام پیغمبروں کا سردار بھیجا، ہر زمانے میں مبلغ بھیجے، عقل کی دولت سے نوازا۔

ایک حدیث پاک میں آتا ہے: علماءُ اُمتی کَاَنبیاء بنی اسرائیل ''میری اُمت کے علماء ایسے ہی ہیں جیسے بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔'' درجے میں نہیں کام میں۔ یعنی وہ کام کرتے ہیں جو ان کے پیغمبروں نے کیا۔ الحمدللہ! آج دین اپنی اصل شکل میں موجود ہے اگرچہ اہل بدعت اور باطل فرقوں نے دین پر بڑی بڑی بدعات اور رسومات مسلط کی ہیں غیر دین کو دین سمجھتے ہوئے۔ لیکن دنیا کے کسی بھی خطے میں جاؤ تمھیں دین اصل شکل میں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب پڑھی جاتی ہے، سمجھائی جاتی ہے۔

قرآن پاک کا پڑھنا اور سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے ؟

اور یاد رکھنا! اس کتاب کا پڑھنا اور سمجھنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے مگر افسوس ہے کہ اکثریت کی اس طرف توجہ نہیں ہے۔ مرنے کے بعد افسوس ہوگا کاش کہ پڑھ لیتے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ قبر میں منکر نکیر آکر سوال کریں گے مَنْ رَّبُّكَ تو جس نے دنیا میں رب کو نہیں سمجھا اوروں کو رب بنایا تو وہ کیا جواب دے گا؟ پھر سوال کریں گے مَنْ نَبِيُّكَ تو جس نے آنحضرت ﷺ کی پیروی نہیں کی وہ کس منہ سے جواب دے گا اور کیا جواب دے گا؟ پھر فرشتے کہیں گے لَا دَرَيْتَ وَ لَا تَلَيْتَ ''تو دین سمجھا نہیں تیرا فرض تھا دین کو سمجھنا اور تو نے قرآن کی تلاوت نہیں کی تلاوت کر کے قرآن کو سمجھنا چاہیے تھا۔'' اور یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ نہ تو نے خود دین کو سمجھا اور نہ سمجھنے والوں کی پیری کی۔ حق دو طریقوں ہی سے حاصل ہوتا ہے یا تو بندہ خود تحقیق کرے اور اگر تحقیق کا مادہ اور صلاحیت نہیں ہے تو تقلید کرے دوسروں کی بات مانے۔ اس کے سوا حق حاصل نہیں ہو سکتا ﴿اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ﴾ یا کہے وہ جس وقت دیکھے گا وہ عذاب کو ﴿لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً﴾ اگر بے شک میرے لیے ہو لوٹنا دنیا کی طرف ﴿فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پس ہو جاؤں میں نیکی کرنے والوں میں سے۔ سورہ سجدہ، پارہ ۲۱، آیت نمبر ۱۲ میں ہے کہیں گے ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ ''پس ہمیں لوٹا دے تاکہ ہم اچھے عمل کریں۔'' اور سورہ مومنون آیت نمبر ۱۰۰-۹۹ میں ہے ﴿قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا﴾ ''اے پروردگار! مجھ کو واپس لوٹا دے تاکہ میں اچھے عمل کروں۔'' ارشاد ہوگا ﴿اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ [مومنون: ۱۰۵] ''کیا میری آیات تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں پس تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔''

فرمایا ﴿بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ﴾ کیوں نہیں تحقیق آچکیں تیرے پاس میری آیتیں۔ قرآن تیرے پاس پہنچا، کلمہ تیرے پاس پہنچا، حق تیرے پاس پہنچا، پیغمبروں نے تبلیغ کی، ان کے نائبین نے سمجھایا ﴿فَكَذَّبْتَ بِهَا﴾ پس اے بدبخت تو نے جھٹلا دیا ﴿وَاسْتَكْبَرْتَ﴾ اور تو نے تکبر کیا۔ کئی دفعہ یہ حدیث سن چکے ہو کہ جس میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ تکبر کس کو کہتے ہیں؟ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ ''حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔'' تو فرمایا تو نے تکبر کیا ﴿وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور تھا تو کفر کرنے والوں میں سے۔ اب واویلا کرنے کا کیا فائدہ؟

فرمایا ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ اور قیامت والے دن اے مخاطب ﴿ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ ﴾ تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنھوں نے رب پر جھوٹ بولا، رب تعالیٰ کی طرف شرک کی نسبت کی، رب تعالیٰ کی طرف بیٹوں اور بیٹیوں کی نسبت کی۔ کسی نے عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا بنایا کسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو اور کسی نے فرشتوں کو رب کی بیٹیاں کہا۔ ان کے ساتھ کیا ہوگا؟ ﴿ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ﴾ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ جیسے سڑکوں پر تارکول پڑا ہوتا ہے ﴿ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ ﴾ [سورۃ عبس] ''ان پر سیاہی چڑھی ہوگی یہ فسق و فجور کرنے والے کافر لوگ ہوں گے۔'' حالانکہ دنیا میں بڑے گورے تھے مگر دل سیاہ تھے۔ دل کی سیاہی چہرے پر آجائے گی اور مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے چاندی کی طرح روشن ہوں گے ﴿ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ ﴾ [آل عمران:۱۰۶]۔

تو کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فرمایا ﴿ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ تکبر کرنے والوں کا۔ یقیناً متکبرین کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انجام سے ہمیں آگاہ فرمادیا ہے۔ وہ وقت آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام مانو، رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اپنے آپ کو اسراف سے بچاؤ، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مگر قاعدے کے مطابق۔

﴿ وَيُنَجِّي اللّٰهُ ﴾ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ ﴿ الَّذِيْنَ ﴾ ان لوگوں کو ﴿ اتَّقَوْا ﴾ جو ڈرے ﴿ بِمَفَازَتِهِمْ ﴾ ان کی کامیابی کی جگہ میں ﴿ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ ﴾ نہیں پہنچے گی ان کو تکلیف ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے ﴿ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے ﴿ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اسی کے لیے ہیں چابیاں آسمانوں کی اور زمین کی ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات کا ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے ﴿ قُلْ ﴾ آپ فرمادیں ﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ ﴾ کیا پس اللہ تعالیٰ کے غیر کا ﴿ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ ﴾ تم مجھے حکم دیتے ہو ﴿ اَعْبُدُ ﴾ میں عبادت کروں ﴿ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴾ اے جاہلو! ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ﴾ اور البتہ تحقیق وحی کی گئی آپ کی طرف ﴿ وَاِلَى الَّذِيْنَ ﴾ اور ان لوگوں کی طرف ﴿ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ جو آپ سے پہلے تھے ﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ ﴾ البتہ اگر آپ نے شرک کیا ﴿ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ البتہ ضائع ہو جائے گا آپ کا عمل ﴿ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ اور البتہ ضرور ہو جاؤ گے نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿ بَلِ اللّٰهَ ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی ﴿ فَاعْبُدْ ﴾ پس آپ عبادت کریں ﴿ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ ﴾ اور انھوں نے قدر نہیں کی

اللہ تعالیٰ کی ﴿حَقَّ قَدْرِہٖ﴾ جیسا کہ حق ہے قدر کرنے کا ﴿وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا﴾ اور زمین ساری ﴿قَبْضَتُہٗ﴾ اس کی مٹھی میں ہوگی ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ﴾ قیامت والے دن ﴿وَالسَّمٰوٰتُ﴾ اور آسمان ﴿مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِہٖ﴾ لپیٹے ہوئے ہوں گے دائیں ہاتھ میں ﴿سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی﴾ پاک ہے اس کی ذات اور بلند ہے ﴿عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ ان سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں ﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ﴾ اور پھونکا جائے گا بگل میں ﴿فَصَعِقَ﴾ پس بے ہوش ہو جائیں گے ﴿مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہیں ﴿وَمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہیں ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ﴾ مگر وہ جس کو اللہ چاہے ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی﴾ پھر پھونکا جائے گا دوسری مرتبہ ﴿فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ﴾ پس اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ﴾ اور چمک اٹھے گی زمین ﴿بِنُوْرِ رَبِّھَا﴾ اپنے رب کے نور کے ساتھ ﴿وَوُضِعَ الْکِتٰبُ﴾ اور رکھی جائے گی کتاب ﴿وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ﴾ اور لایا جائے گا نبیوں کو ﴿وَالشُّھَدَآءِ﴾ اور گواہوں کو ﴿وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ﴾ اور فیصلہ کیا جائے گا ان کے درمیان ﴿بِالْحَقِّ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ﴾ اور پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو ﴿مَّا عَمِلَتْ﴾ جو اس نے عمل کیا ﴿وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

کل کے سبق کی آخری آیت کریمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں کے چہرے سیاہ دیکھو گے قیامت والے دن۔ اب ان کا ذکر ہے جو ان کے مدمقابل ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھا، نہ شرک کا، نہ اولاد کا یعنی کسی بھی قسم کا شرک نہ کیا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَیُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیْنَ﴾ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ دوزخ سے اور چہروں کے سیاہ ہونے سے اور ہر قسم کی تکلیف سے ان لوگوں کو ﴿اتَّقَوْا بِمَفَازَتِھِمْ﴾ جو بچے کفر و شرک سے ان کی کامیابی کی جگہ میں۔ اور وہ جنت ہے۔ مفازہ ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے۔ پھر معنیٰ ہوگا کامیابی کی جگہ اور مصدر میمی بھی بن سکتا ہے تو پھر معنیٰ ہوگا کامیابی کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کرے گا ﴿لَا یَمَسُّھُمُ السُّوْٓءُ﴾ نہیں پہنچے گی ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف۔ نہ بدنی، نہ ذہنی ﴿وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے مشرکوں اور کافروں کی طرح جیسا کہ کل کی آیات میں پڑھ چکے ہو کہ کافر نفس اپنی کوتاہی پر افسوس کرے گا۔ ان کو کوئی غم نہیں ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ ایمان لائے، کفر و شرک سے بچے، بُرے کاموں سے پرہیز کیا۔ ان کو غم کھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے ﴿وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ﴾۔ وکیل کا معنیٰ ہے کارساز، کام بنانے والا۔ معنیٰ ہوگا اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر صرف

اللہ تعالیٰ ہے ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ مقالید کا مفرد مقلید بھی آتا ہے اور مقلاد بھی آتا ہے۔ دونوں کا معنیٰ چابی ہے۔ تو معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں چابیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ باختیار وہی ہوتا ہے جس کے پاس مکان، دوکان اور کارخانے کی چابی ہوتی ہے جب چاہے کھولے اور جب چاہے بند کرے۔

مطلب یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں خالق بھی وہی ہے، رازق بھی وہی ہے، حاجت روا بھی وہی ہے سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں خدائی اختیارات خدا کے سوا کسی کے پاس نہیں ہیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہی بد بخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔ رب تعالیٰ پر ایمان نہیں لائیں گے اس کو وحدہٗ لاشریک نہیں سمجھیں گے تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ نقصان انسان اور جنات کا اپنا ہے۔

مشرکوں کا ایک نمائندہ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس میں ہر ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی شریک تھا۔ کہنے لگے کہ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الٰہ الا اللہ کی رٹ لگائی ہے تب سے اختلافات پیدا ہوئے ہیں اور آپس کی لڑائی اور مار کٹائی شروع ہوئی ہے۔ گھروں میں لڑائی، محلوں میں لڑائی، بازاروں میں لڑائی، ہم صلح صفائی کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں وقت صلح صفائی کے ساتھ پاس ہونا چاہیے لڑائی جھگڑے سے کچھ نہیں بنتا۔ لہٰذا اس طرح ہونا چاہیے کہ ہم آپ کے رب کی پوجا کریں اور آپ ہمارے معبودوں، لات، منات، عزیٰ کی پوجا کریں۔ صلح صفائی کے ساتھ وقت پاس کریں۔

یہ پیش کش انھوں نے کی اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیں ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ﴾ کیا تم مجھے حکم دیتے ہو اللہ تعالیٰ کے غیر کی میں عبادت کروں ﴿اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ اے جاہلو! اے جاہلو تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہو ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اور آپ کی طرف بھی وحی کی گئی اور ان پیغمبروں کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کی طرف بھی وحی کی گئی۔ کیا وحی کی گئی؟ ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ البتہ اگر آپ نے شرک کیا تو ضائع ہو جائے گا آپ کا عمل ﴿وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور البتہ ضرور ہو جاؤ گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ شرک قبیح اور بُری چیز ہے پیغمبر سے تو سرزد ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ جملہ فرضیہ ہے کہ بالفرض والمحال آپ سے بھی صادر ہو جائے تو آپ کے اعمال بھی اکارت ہو جائیں گے۔ یہ ہمیں سمجھانے کے لیے فرمایا ہے کہ فرض کرو کہ پیغمبر سے شرک ہو جائے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے کسی اور کی کیا حیثیت ہے کہ وہ شرک کرے اور اعمال ضائع نہ ہوں۔ اور یہ بات میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نیکی ساری امت کی ساری نیکیوں پر بھاری ہے لیکن شرک اتنی بُری چیز ہے کہ بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ضائع ہو جائیں گے باقی کسی کی کیا حیثیت ہے؟

میں نے ایک مثال عرض کی تھی مثلاً: دودھ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ ایک بڑا مٹکا دودھ کا بھر دو

من دومن کا۔ اس صاف ستھرے دودھ میں اپنے ہی بچے کے پیشاب کے چند قطرے پڑ جائیں تو کوئی دیانت دار، صاحب فطرت آدمی اس کو استعمال کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا بد دیانت کی بات نہیں۔ بد دیانت تو مردہ جانوروں کا گوشت بھی کھلا دیتے ہیں۔ کتے بلی بھی کھلا دیتے ہیں۔ کوئی دیانت والا آدمی یہ نہیں کہے گا کہ چلو جی! اس میں کوئی گدھے گھوڑے کا پیشاب تو نہیں ہے اپنے لخت جگر کے پیشاب کے چند قطرے اس میں پڑے ہیں میں اس کو استعمال کرلوں۔ تو جس طرح خالص دودھ میں چند قطرے پڑنے سے سارا دودھ بے کار ہو گیا اسی طرح اعمال میں اگر شرک آ گیا تو سب اعمال اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔

قرآن پاک میں پچیس پیغمبروں کے نام آئے ہیں۔ ساتویں پارے کے سولھویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ پیغمبروں کے نام اور باقیوں کا اجمالی ذکر کیا ﴿ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ﴾۔ اس کے بعد فرمایا ﴿ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اگر یہ پیغمبر بھی شرک کرتے تو ان کے عمل بھی اکارت اور ضائع ہو جاتے۔'' لہٰذا مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں ہے۔ اس لیے مشرک کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے جب اس کی اپنی نماز ہی نہیں ہے تو دوسروں کی کیا ہوگی۔ سرحد اور بلوچستان کے علاقے میں بدعات کافی ہیں مگر ان کے مولویوں کی اکثریت کے عقائد کفر شرک والے نہیں ہیں صرف بدعات میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور پنجاب میں جتنے بریلوی مولوی ہیں ان کے عقائد ہی بدل گئے ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی۔ اگر کسی مقام پر تم پھنس گئے ہو اور فتنے سے بچنے کے لیے بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھ لی ہے تو اس کو دُہرا لینا۔ نماز بڑی قیمتی شے ہے۔ جیسے بے وضو امام کے پیچھے نماز پڑھو یا جس کے کپڑے پلید ہیں اس کے پیچھے پڑھو تو نماز نہیں ہوگی کیوں کہ اس کی اپنی نہیں ہوئی۔ یہ کوئی عداوت کی بات نہیں ہے یہ صرف تمھاری خیر خواہی کی بات ہے کہ مشرک امام کا اپنا عمل باطل ہے تو مقتدی کی نماز بھی باطل ہے۔ اگر پڑھی ہے تو لوٹا لینا۔

تو فرمایا اگر آپ نے بھی شرک کیا تو البتہ آپ کا عمل بھی ضائع ہو جائے گا اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے ﴿ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ ﴾ بلکہ آپ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں۔ یہ آپ کو کہتے ہیں اوروں کی بھی عبادت کرو آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے ﴿ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴾ اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے۔ اس پر کہ تمھیں کھری کھری باتیں بتلائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کی صحیح بات بتلا دی ہے ﴿ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ اور ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ حق تھا قدر کرنے کا۔ ان سے پوچھو آسمان کس نے بنائے؟ زمین کس نے بنائی؟ تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ چاند، سورج، ستاروں کو کس نے پیدا کیا؟ تمھیں کس نے پیدا کیا؟ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ یہ تمھیں ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، کس نے دیں؟ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ کان اور دل کس نے دیا؟ تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ پھر جب پوچھو کہ سر کا درد کون دور کرتا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ دولے شاہ کرتا ہے، علی ہجویری کرتا ہے، فلاں کرتا ہے، فلاں کرتا ہے۔ او ظالمو! ساری چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ کو مان کر یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں اوروں کے سپرد کرتے ہو تم نے رب تعالیٰ کی قدر ہی نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو رب تعالیٰ سے مانگو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَالْاَرْضُ

جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ ﴾ اور زمین ساری اس کی مٹھی میں ہوگی ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ قیامت والے دن ﴿ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ﴾ اور سارے آسمان لپیٹے ہوئے ہوں گے دائیں ہاتھ میں۔ دائیں ہاتھ میں آسمان ہوں گے اور بائیں ہاتھ میں زمین ہوگی۔ جو ہاتھ اس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ قرآن سے ثابت ہیں۔ یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں۔ فرمایا ﴿ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ﴾ ''یہودیوں کے ہاتھ جکڑ دیئے اور ان پر لعنت کی گئی ہے اس وجہ سے جو انھوں نے کہا ﴿ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ﴾ [المائدہ: ۶۴] ''بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں وہ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے۔'' اور سورہ ص آیت نمبر ۷۵ پارہ ۲۳ میں ہے ﴿ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ ''اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تو سجدہ کرتا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔''

تو اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ تو قرآن سے ثابت ہیں آگے ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسے ہیں؟ کسی شے کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دے سکتے کیوں کہ اس کا فرمان ہے کہ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ [شوریٰ: ۱۱] ''نہیں ہے اس کے مثل کوئی شے۔'' اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھی ہیں، اللہ تعالیٰ دیکھتا بھی ہے، سنتا بھی ہے، بولتا بھی ہے مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ بس یہی کہیں گے جو اس کی شان کے لائق ہیں ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى ﴾ پاک ہے رب تعالیٰ کی ذات اور بلند ہے ﴿ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ان چیزوں سے جن کو یہ رب تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ﴾ اور پھونکا جائے گا صور۔ اس کو نفخہ اولیٰ کہتے ہیں۔ جب ساری دنیا فنا ہو جائے گی ﴿ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ پس بے ہوش ہو جائیں گے جو ہیں آسمانوں میں اور جو ہیں زمین میں سب بے ہوش ہو جائیں گے ﴿ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ مگر وہ جس کو اللہ چاہے۔ تو ﴿ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ میں پیغمبر ہیں، فرشتے ہیں، شہداء ہیں، حوریں اور ولدان جنت ہیں۔ مگر پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ فرشتوں پر بھی موت طاری ہوگی۔ کوئی جان دار چیز باقی نہیں رہے گی ﴿ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ [الرحمٰن: ۲۷] ''اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بندگی اور عزت والی ہے۔''

پھر بخاری شریف کی روایت کے مطابق چالیس سال بعد نفخہ ثانیہ ہوگا ﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى ﴾ پھر پھونکا جائے گا اس میں دوسری مرتبہ ﴿ فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾ پس اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔ جب دوسری مرتبہ بگل میں پھونکا جائے گا تو جہاں کہیں بھی کوئی ہوگا اٹھ کھڑا ہوگا۔ قبروں میں ہیں وہ نکل آئیں گے، پرندوں نے کھالیا ہے ان کے پیٹوں سے نکل آئیں گے، مچھلیاں ہڑپ کر گئیں وہاں سے نکل آئیں گے، آگ میں جلا دیئے گئے وہ بھی آجائیں گے، سارے کے سارے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور دیکھ رہے ہوں گے کیا ہو رہا ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے تو سب سے پہلے میری قبر مبارک کھولی جائے گی۔ میرے بعد ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما کی پھر اسی طرح ساری دنیا میں جہاں جہاں بھی مردے ہیں سارے اُٹھ کھڑے ہوں گے ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ﴾ اور چمک اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔ رب تعالیٰ کے نور کی تجلی ہوگی سارا میدان محشر نور

ہی نور ہو گا لیکن کافر اس سے محروم ہوں گے۔

مومن جب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جائیں گے ﴿یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ [سورۃ الحدید:۱۲] ''ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف ہو گا۔'' کافروں منافقوں کے لیے کوئی روشنی نہیں ہوگی۔ وہ مومنوں کو آوازیں دیں گے کہیں گے ﴿انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ ''ہمارا انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمھاری روشنی سے ﴿قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾ ''کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے پس تلاش کرو روشنی۔'' مراد یہ ہوگی کہ یہ نور تو ہم دنیا سے لائے ہیں وہاں سے جا کر لاؤ ﴿فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ﴾ [الحدید:۱۳] ''پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان دیوار اس کا دروازہ ہوگا۔'' کافر اس طرف رہ جائیں گے مومن اس طرف رہ جائیں گے ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ اور رکھی جائے گی کتاب۔ ان کا نامہ اعمال ہر ایک کے سامنے ﴿وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ﴾ اور لایا جائے گا نبیوں کو ﴿وَالشُّهَدَآءِ﴾ اور گواہوں کو ﴿وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ اور فیصلہ کیا جائے گا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ ﴿وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

انبیائے کرام علیہم السلام بھی آئیں گے ان کی امتیں بھی آئیں گی اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوگی۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو فرمائیں گے هَلْ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ ''کیا آپ نے اپنی قوم کو میرا پیغام پہنچایا تھا؟'' نوح علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار! میں نے آپ کا پیغام پہنچایا مگر میری قوم نے مانا نہیں۔ قوم سے پوچھا جائے گا تو وہ کہے گی یا اللہ! نوح علیہ السلام نے ہمیں تبلیغ کی ہی نہیں تھی ان کو کہیں گواہ پیش کریں۔ نوح علیہ السلام کہیں گے کہ آخری پیغمبر کی اُمت میری گواہ ہے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نوح علیہ السلام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انھوں نے صحیح معنیٰ میں تبلیغ کا حق ادا کیا ہے۔ وہ قوم کہے گی اے اللہ! یہ ہمارے خلاف گواہی کس طرح دے سکتے ہیں ہم سب سے پہلے آئے یہ سب سے آخر میں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہاں میرے بندو! تم گواہی کس حیثیت سے دے رہے ہو؟ یہ کہیں گے اے پروردگار! ہم نے آپ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ نوح علیہ السلام نے دن رات ایک کر کے آپ کا پیغام پہنچایا۔ آپ کے آخری پیغمبر نے بھی ہمیں بتایا کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اگر آپ کی کتاب سچی ہے اور یقیناً سچی ہے اور آپ کا آخری پیغمبر سچا ہے اور یقیناً سچا ہے تو پھر ہم بھی سچے ہیں۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا اپنی اُمت کی صفائی کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ میری اُمت نے سچی اور صحیح گواہی دی ہے ﴿وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ اور پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا ہے ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ان کاموں کو جو وہ کرتے ہیں۔

﴿وَسِیْقَ﴾ اور چلائے جائیں گے ﴿الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا﴾ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِلٰی جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی طرف ﴿زُمَرًا﴾ گروہ در گروہ ﴿حَتّٰٓی﴾ یہاں تک کہ ﴿اِذَا جَآءُوْهَا﴾ جب آئیں گے وہ دوزخ کے قریب ﴿فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ کھولے جائیں گے اس کے دروازے ﴿وَقَالَ لَهُمْ﴾ اور کہیں گے ان کو ﴿خَزَنَتُهَآ﴾ اس کے چوکیدار ﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ﴾

﴿رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ﴾ کیا نہیں آئے تھے تمھارے پاس رسول تم میں سے ﴿يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ﴾ جو تلاوت کرتے تھے تم پر ﴿اٰيٰتِ رَبِّكُمۡ﴾ تمھارے رب کی آیتیں ﴿وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ﴾ اور ڈراتے تھے تمھیں ﴿لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا﴾ تمھارے اس دن کی ملاقات سے ﴿قَالُوۡا﴾ وہ کہیں گے ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں آئے تھے ﴿وَلٰكِنۡ حَقَّتۡ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ﴾ لیکن لازم ہو چکا کلمہ عذاب کا ﴿عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ انکار کرنے والوں پر ﴿قِيۡلَ﴾ کہا جائے گا ﴿ادۡخُلُوۡۤا﴾ داخل ہو جاؤ ﴿اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کے دروازوں سے ﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا﴾ ہمیشہ رہو گے اس میں ﴿فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ﴾ پس بُرا ہے ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا ﴿وَسِيۡقَ﴾ اور چلائے جائیں گے ﴿الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا﴾ وہ لوگ جو ڈرتے رہے ﴿رَبَّهُمۡ﴾ اپنے رب سے ﴿اِلَى الۡجَـنَّةِ﴾ جنت کی طرف ﴿زُمَرًا﴾ گروہ در گروہ ﴿حَتّٰۤى﴾ یہاں تک کہ ﴿اِذَا جَآءُوۡهَا﴾ جب آ جائیں گے جنت کے قریب ﴿وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا﴾ اس حال میں کہ کھلے ہوں گے اس کے دروازے ﴿وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا﴾ اور کہیں گے ان کو اس کے چوکیدار ﴿سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ﴾ سلامتی ہو تم پر ﴿طِبۡتُمۡ﴾ مبارک ہو تم کو ﴿فَادۡخُلُوۡهَا﴾ پس داخل ہو جاؤ اس میں ﴿خٰلِدِيۡنَ﴾ ہمیشہ رہنے والے ﴿وَقَالُوا﴾ اور وہ کہیں گے ﴿الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿الَّذِىۡ﴾ وہ ذات ﴿صَدَقَنَا وَعۡدَهٗ﴾ جس نے سچا کیا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ ﴿وَاَوۡرَثَنَا الۡاَرۡضَ﴾ اور ہمیں وارث بنایا زمین کا ﴿نَتَبَوَّاُ مِنَ الۡجَـنَّةِ﴾ ہم ٹھکانا بناتے ہیں جنت میں ﴿حَيۡثُ نَشَآءُ﴾ جہاں ہم چاہیں ﴿فَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ﴾ پس کیا اچھا ہے اجر عمل کرنے والوں کا ﴿وَتَرَى الۡمَلٰٓئِكَةَ﴾ اور آپ دیکھیں گے فرشتوں کو ﴿حَآفِّيۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ﴾ گھیرنے والے ہوں گے عرش کے اردگرد ﴿يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ﴾ تسبیح بیان کرتے ہوں گے اپنے رب کی حمد کی ﴿وَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ﴾ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان ﴿بِالۡحَـقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَقِيۡلَ﴾ اور کہا جائے گا ﴿الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

میدانِ حشر کا منظر

اس سے پہلے قیامت کا ذکر تھا کہ جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو جہاں کہیں بھی ہوں سب کے سب نکل پڑیں گے اور دیکھ رہے ہوں گے میدان حشر کا منظر۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی، نیکوں کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اور بُروں کو بائیں ہاتھ میں پرچہ ملے گا۔ مومنوں پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی ﴿لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ﴾ [الانبیاء: ۱۰۳] ''ان پر کوئی رعب اور ڈر نہیں ہوگا اپنے گناہوں کا۔'' ہاں! اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا رعب ہوگا بخلاف مجرموں کے کہ ان کے ہوش وحواس اڑے

ہوئے ہوں گے۔ دل بدن کانپ رہے ہوں گے سارا منظر سامنے ہوگا۔ پھر جب عدالت کا فیصلہ ہو جائے گا ﴿وَسِيقَ﴾ واؤ عاطفہ ہے اور سِيقَ سَاقَ يَسُوْقُ سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے قیل کے وزن پر، اور چلائے جائیں گے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ زُمَرًا زُمْرَةٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے جماعت، گروہ۔ جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔ یہودیوں کا علیحدہ گروہ، عیسائیوں کا علیحدہ گروہ، ہندوؤں کا علیحدہ گروہ، بدھ مت کا علیحدہ گروہ، سکھوں کا علیحدہ گروہ، مشرکوں کا علیحدہ گروہ، زانیوں کا علیحدہ اور شرابیوں کا علیحدہ گروہ ہوگا ﴿حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا﴾ یہاں تک کہ جب جہنم کے پاس پہنچیں گے ﴿فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ کھولے جائیں گے دروازے اس کے۔ کیونکہ جہنم تو مجرموں کے لیے جیل ہے اور جیل کا دروازہ اس وقت کھولا جاتا ہے جب مجرم دروازے کے پاس پہنچیں۔ اندر کرنے کے بعد پھر دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ﴾ خَزَنَةٌ جمع ہے خازن کی بمعنی دربان، چوکیدار۔ اور کہیں گے ان کو دربان، چوکیدار۔ سورہ مدثر پارہ ۲۹ میں ہے ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ جہنم پر بڑے بڑے عہدوں پر انیس فرشتے ہیں اور ان کا انچارج مالک علیہ السلام ہے۔

وہ دربان کہیں گے ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے ﴿يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ﴾ جو تم پر رب کی آیتیں تلاوت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام سنانے والے پیغمبر کیا تمھارے پاس نہیں آئے ﴿وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ اور ڈراتے تھے تمھیں تمھارے اس دن کی ملاقات سے۔ کیا پیغمبروں نے تمھیں نہیں بتلایا کہ قیامت قائم ہوگی، اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی، رب تعالیٰ کے ساتھ تمھاری ملاقات ہوگی، نیکی بدی کا سوال ہوگا۔ کیا پیغمبروں نے نہیں بتلایا تھا؟ آج بے تحاشا چلے آ رہے ہو۔

﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ کافر بدکار کہیں گے کیوں نہیں پیغمبر آئے تھے ہمارے پاس رب تعالیٰ کے احکام سنائے تھے ﴿وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ لیکن لازم ہو چکا عذاب کا فیصلہ انکار کرنے والوں پر۔ ہم نے انکار کیا عذاب میں پھنس گئے۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی زبان میں بھیجے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہمیں ان کی بات سمجھ نہیں آتی۔ پھر چنی ہوئی اور اشراف قوم میں سے آئے تاکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ کمی لوگ ہمیں کیا سمجھائیں گے۔ پھر کسی پیغمبر میں ظاہری اور باطنی عیب نہیں تھا نہ کوئی اندھا پیغمبر ہوا ہے نہ کانا نہ بھینگا نہ لنگڑا نہ تھتھا (زبان رکنے والا)، تاکہ لوگوں کو خواہ مخواہ شوشے چھوڑنے کا موقع نہ ملے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو کافر ہے، منکر ہے۔

تو کہیں گے پیغمبر تو آئے تھے لیکن ہم نے مانا نہیں ﴿قِيْلَ﴾ کہا جائے گا ﴿ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ﴾ داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں سے فوراً یہ تمھارے لیے کھلے ہیں۔ عذاب کی طرف خوشی سے کون جاتا ہے؟ دنیا کی معمولی سزا برداشت کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔ فرشتے ان کو دھکے ماریں گے ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴾ [طور: ۱۳] ''جس دن دھکیلا جائے گا جہنم کی طرف دھکیلا جانا۔'' پھر ایسے مجرم بھی ہوں گے ﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾ [الرحمٰن: ۴۱] ''پس پکڑا جائے گا ان کو پیشانیوں اور پاؤں سے۔'' جیسے دنبوں کو قصائی گراتے ہیں ایسے اٹھا کر فرشتے دوزخ میں پھینکیں گے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہو

گے دوزخ میں۔ جو بدبخت دوزخ میں داخل کر دیا گیا اس کو کبھی نکلنا نصیب نہیں ہوگا ﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ پس بُرا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔ دنیا میں تکبر کیا حق کو تسلیم نہیں کیا، حق کو ٹھکرایا اس کا نتیجہ تمھارے سامنے ہے اس کا مزا چکھو۔ یہ تو کافروں کا حال تھا اب مومنوں کے متعلق سن لو۔

مومنین کا حال:

فرمایا ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جو ڈرتے رہے ﴿رَبَّهُمْ﴾ اپنے رب سے۔ دنیا میں جن کے دلوں میں رب تعالیٰ کا خوف تھا جن کو چلایا جائے گا ﴿إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ جنت کی طرف گروہ در گروہ۔ مجاہدوں کا گروہ علیحدہ ہوگا، کثرت سے نماز پڑھنے والوں کا گروہ علیحدہ ہوگا، کثرت سے روزے رکھنے والوں کا گروہ علیحدہ ہوگا، کثرت سے صدقہ کرنے والوں کا گروہ علیحدہ ہوگا، کثرت سے توبہ کرنے والوں کا گروہ علیحدہ ہوگا۔ باب التوبہ الگ ایک دروازہ ہے وہ اس سے داخل ہوں گے۔ بڑے آرام سکون کے ساتھ چلیں گے اور جنت کی نعمتیں ان کو دروازوں سے باہر ہی نظر آ رہی ہوں گی ﴿حَتّٰى إِذَا جَآءُوْهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ پہنچیں گے جنت کے قریب ﴿وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا﴾ اس حال میں کہ کھلے ہوں گے دروازے جنت کے۔

جنت کی مثال مہمان خانے کی ہے۔ جب کوئی بڑا مہمان آتا ہے تو اس کے لیے دروازے پہلے سے سجائے جاتے ہیں اور دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ اور جہنم کی مثال جیل کی ہے جیل کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ مجرموں کو اندر داخل کرنے کے لیے کھلتے ہیں پھر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ تو مومنوں کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہوں گے ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا﴾ اور کہیں گے ان کو جنت کے دربان اور چوکیدار ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ سلام ہو تم پر اے جنت میں داخل ہونے والو۔ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ فرشتے ان کو سلام کریں گے اور کہیں گے ﴿طِبْتُمْ﴾ خوش رہو، جی آیاں نوں، خوش آمدید، مبارک ہو تمھیں جنت میں آنے والو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب جنتی کی روح بدن سے نکالی جاتی ہے تو جنت کے فرشتے اس کے لیے جنت کا کفن اور خوشبوئیں لے کر آتے ہیں۔ جنت کے کپڑوں میں لپیٹ کر اوپر لے جاتے ہیں۔ آسمان کے دروازے قریب قریب ہوتے ہیں۔ مومن کے ایمان اور عمل صالح کی خوشبو اوپر چڑھتی ہے تو ہر دروازے والے فرشتے کہتے ہیں کہ اس کو اس دروازے سے لے جاؤ۔ تو ہر دروازے والے فرشتوں کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ روح ہمارے دروازے سے داخل ہو کر علیین تک جائے۔ کیا خوش قسمتی ہے۔ اور جب کوئی بُرا مرتا ہے تو آسمان تک اس کی روح کو بھی اٹھایا جاتا ہے مگر ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ [الاعراف: ۴۰] ''نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے۔'' فرشتے کہتے ہیں اس کو دفع کرو یہ بدروح کہاں سے لے آئے ہو؟ وہاں سے اس کو پھینک کر ساتویں زمین کے نیچے مقام ہے سجین وہاں اس کو پہنچایا جاتا ہے۔

تو جنتیوں کو جنت کے دربان خوش آمدید کہیں گے، مبارک دیں گے حکم ہوگا ﴿فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ پس تم داخل ہو جاؤ جنت میں ہمیشہ رہنے والے۔ جنت میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ دروازوں سے باہر فرشتے سلام کریں گے اور اندر حوریں اور غلمان انتظار میں ہوں گے وہ سلام کریں گے۔ جنتی ایک دوسرے کو ملیں گے تو سلام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام آئے گا ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ [سورۃ یٰسین] ''جنت کے ناموں میں سے ایک نام دار السلام بھی ہے، سلامتی کا گھر۔ کوئی بے ہودہ بات اور گناہ جنت میں نہیں ہوگا ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا﴾ [الواقعہ: ۲۵] ''نہیں سنیں گے اس میں کوئی بے ہودہ بات اور گناہ کی بات۔'' نہ وہاں کسی کی غیبت ہوگی اور نہ دل آزاری کی بات ہوگی ایک دوسرے کے خلاف کسی کے دل میں بُرا جذبہ نہیں ہوگا۔

سورۃ حجر آیت نمبر ۴۷، پارہ ۱۴ میں ہے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ ''اور ہم نکال لیں گے جو ان کے سینے میں ہوگا کھوٹ اس حال میں کہ وہ بھائی بھائی ہوں گے۔'' تختوں پر بیٹھے ہوئے آمنے سامنے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہیں گے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ وہ رب جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ رب تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ ایمان لاؤ گے عمل صالح کرو گے میرے پیغمبروں کی اطاعت کرو گے میرے احکامات کو تسلیم کرو گے تو میں تمھیں جنت میں داخل کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا کر دیا ہے ہمیں جنت میں داخل کر دیا ہے ﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ﴾ اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا ہے ﴿نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ﴾ ہم ٹھکانا بناتے ہیں جنت میں جہاں ہم چاہیں۔ جنت میں جہاں کوئی چاہے گا جگہ بنائے گا کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ آج دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بغیر پاسپورٹ اور ویزے کے کوئی نہیں جا سکتا جنت میں کسی پر کوئی پابندی نہیں ہوگی جہاں کوئی جانا چاہے گا جا سکے گا، نہ ویزے کی ضرورت نہ چوری ڈاکے کا کوئی خطرہ۔ جو چاہیں گے ان کو ملے گا ﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ﴾ [الفرقان: ۱۶] ''جنتیوں کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے۔'' ادھر ارادہ کیا ادھر وہ چیز مل گئی۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک جنتی کہے گا اے پروردگار! میں یہاں کھیتی باڑی کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے میرے بندے! تجھے بغیر محنت کے سارا کچھ نہیں مل رہا؟ وہ کہے گا اے پروردگار! سب کچھ مل رہا ہے مگر میری چاہت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اجازت دیں گے وہ کھڑے کھڑے جنت کی زمین میں دانے پھینکے گا اس کے سامنے فصل اُگے گی، پکے گی اور کٹ جائے گی۔ پھر اس کے سامنے بھریاں گڈیاں (گٹھے) بن جائے گیں امثال الجبال۔ پہاڑوں کی مثل۔ ایک منٹ میں سب کچھ ہو جائے گا ﴿فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ پس کیا اچھا ہے اجر عمل کرنے والوں کا۔ جنت محنت کے ساتھ ملے گی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ملے گی۔ بندہ ازل سے نہ جنتی ہے نہ دوزخی۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

فرمایا﴿ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ ﴾ اور اے مخاطب دیکھے گا تو فرشتوں کو ﴿ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ ﴾ گھیرنے والے ہوں گے، احاطہ کیے ہوئے ہوں گے عرش کے اردگرد۔ جب عدالت لگے گی اور رب تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ کریں گے تو عرش کے اردگرد فرشتے ہی فرشتے ہوں گے ﴿ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ﴾ تسبیح بیان کریں گے اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔

فرشتوں کی تسبیح ہے سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ. حدیث پاک میں آتا ہے جو آدمی یہ جملے اخلاص کے ساتھ پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کا دروازہ کھول دیں گے۔ مگر ہم بڑے جلد باز ہیں دو دفعہ پڑھنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ دروازہ کھلا ہے کہ نہیں تجربہ کرو پڑھتے رہو ان شاء اللہ العزیز رزق کا دروازہ کھلے گا تُرْزَقُ الْبَهَائِمُ "اسی کلمے کی برکت سے جانوروں کو رزق دیا جاتا ہے۔" انسانوں اور جنات کی روزی فراخ ہوتی ہے ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ اور ان کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا حق کے ساتھ۔ انسانوں کے درمیان، جنوں کے درمیان۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آج دنیا بد دیانتی کے ساتھ بھری ہوئی ہے لیکن دیانت دار بھی ہیں۔ عدالتیں اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں مگر فیصلہ غلط ہوتا ہے۔ بے شمار واقعات ہیں کہ دیانت دار جج ہوتے ہیں دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں مگر غلطی لگ جاتی ہے۔ وہاں کوئی غلطی اور مغالطہ نہیں ہوگا حقیقت کے مطابق فیصلہ ہوگا ﴿ وَقِيْلَ ﴾ اور کہا جائے گا ہر طرف سے صدائیں بلند ہوں گی ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِنِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ فَمَنۡ اَظۡلَمُ

(۲۴)

آیاتہا ۸۵ (۴۰) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ (۶۰) رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ﴾ اتاری ہوئی ہے کتاب ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿الْعَزِيْزِ﴾ جو غالب ہے ﴿الْعَلِيْمِ﴾ جو جاننے والا ہے ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ﴾ بخشنے والا ہے گناہ کو ﴿وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ اور توبہ قبول کرنے والا ہے ﴿شَدِيْدِ الْعِقَابِ﴾ سخت سزا والا ہے ﴿ذِي الطَّوْلِ﴾ انعام واحسان والا ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی الٰہ مگر وہی ﴿اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ اسی کی طرف لوٹنا ہے ﴿مَا يُجَادِلُ﴾ نہیں جھگڑا کرتے ﴿فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ مگر وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿فَلَا يَغْرُرْكَ﴾ پس نہ دھوکے میں ڈالے آپ کو ﴿تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ ان کا چلنا پھرنا شہروں میں ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ﴾ جھٹلایا ان سے پہلے ﴿قَوْمُ نُوْحٍ﴾ نوح کی قوم نے ﴿وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اور بہت سے گروہوں نے ان کے بعد ﴿وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ﴾ اور ارادہ کیا ہر امت نے ﴿بِرَسُوْلِهِمْ﴾ اپنے رسول کے بارے میں ﴿لِيَاْخُذُوْهُ﴾ تاکہ اس کو گرفتار کر لیں ﴿وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور جھگڑا کیا انھوں نے باطل کے ہتھیار لے کر ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ تاکہ پھسلا دیں اس باطل کے ذریعے حق کو ﴿فَاَخَذْتُهُمْ﴾ پس میں نے پکڑا ان کو ﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ پس کس طرح تھی میری سزا ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ ثابت ہوا آپ کے رب کا فیصلہ ﴿عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ ان لوگوں پر جنھوں نے کفر کیا ﴿اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ بے شک وہ دوزخ والے ہیں۔

مردِ مومن کی حق گوئی

اس سورت کا نام مومن ہے۔ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کے نو [۹] رکوع اور پچاسی [۸۵] آیتیں ہیں۔ اس سورت کا نام مومن اس لیے ہے کہ اس میں ایک مومن کا ذکر ہے جس نے فرعون کے سامنے حق بیان کیا تھا۔ اس کا نام حزقیل رحمۃ اللہ علیہ تھا اور یہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اور اس کی کابینہ کا رکن تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا مگر اپنے ایمان کا اظہار نہیں کیا۔ ایک موقع پر فرعون نے اپنی کابینہ کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ ﴿ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى﴾ "میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔" مجھے بالکل نہ روکنا اس نے میرا کلیجہ جلا دیا ہے۔ تو ظالم فرعون نے جب یہ فیصلہ سنایا تو یہ مردِ مومن بول پڑا کہ اب اگر میں خاموش رہتا ہوں تو کل قیامت والے دن جس کا قائم ہونا حق ہے رب تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کیا تو تو نے کیا کیا جبکہ تو اس کی کابینہ کا رکن تھا؟ تو میں قیامت والے دن کیا جواب دوں گا؟ کیونکہ غلط بات کو سن کر خاموش رہنا بھی گناہ ہے۔ اور اگر ایک ثقہ آدمی بھی اس کی تردید کر دے تو باقی سارے گناہ سے بچ گئے کہ فرض کفایہ ادا ہو گیا ہے۔

مثال کے طور پر تم میں سے کوئی غلط بات کرے اور میں اس کا رد کر دوں کہ تو نے غلط بات کی ہے تو تم سارے گناہ سے بچ گئے اور اگر کوئی بھی تردید نہ کرے تو سب گنہگار ہیں کیونکہ باطل کی تردید فرض کفایہ ہے۔ ایک ذمہ دار آدمی بھی تردید کر دے تو باقی سب گناہ سے بچ گئے۔ تو خرقیل رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ اگر میں خاموش رہتا ہوں تو آخرت جاتی ہے اور اگر بولتا ہوں تو فرعون ظالم ہے جس کا لقب ہی میخوں والا ہے۔ ذوالاوتاد "میخوں والا"۔ سولی پر لٹکا کر بدن میں میخیں ٹھونک دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی باوفا بیوی آسیہ بنت مزاحم کو بھی معاف نہ کیا جس نے ساری زندگی اس کی خدمت کی۔ جس وقت بگڑا تو اس کو دھوپ میں زمین پر لٹا کر بدن میں میخیں ٹھونک دیں اور بھاری بھر پتھر سینے پر رکھ دیا اور پہرہ بٹھا دیا کہ اس کو کوئی پانی بھی نہ پلائے۔ ظالم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ یہ میری بیوی ہے اس نے ساری زندگی میری خدمت کی ہے۔ چلو اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا ہے تو کیا ہو گیا کچھ تو ترس کھاتا۔ مگر ظالم جابر حکمران اپنے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے جیسے آج کل کے حکمران ہیں کہ اپنے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے اور قرآن کے خلاف، دین کے خلاف، حدیث کے خلاف جو مرضی ہوتا رہے اس کی ان کو کوئی پروا نہیں ہے۔

تو اس مرد مومن نے حق بیان کیا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ چونکہ اس سورت میں مرد مومن کا ذکر ہے اس وجہ سے سورت کا نام مومن ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ حٰمٓ ﴾ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ مقطعہ کا معنیٰ ہے الگ کیا ہوا۔ یعنی لفظ سے حرف کو جدا کیا گیا، الگ کیا گیا، مخفف بنایا گیا۔ آج بھی تمام زبانوں میں یہ لفظ مستعمل ہیں مثال کے طور پر ڈپٹی کمشنر سے ڈی-سی، اسسٹنٹ کمشنر سے اے-سی اور سپریڈنٹ پولیس کو ایس-پی کہتے ہیں۔ تو حروف مقطعات کا معنیٰ ہے ایک لفظ سے حرف کو جدا کر دیں۔ تو ح حمید سے جدا کیا ہوا ہے اور م مجید سے جدا کیا ہوا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ

یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ ﴾ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری ہوئی ہے ﴿ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾ جو غالب ہے سب کچھ جاننے والا ہے ﴿ غَافِرِ الذَّنْبِ ﴾ گناہ بخشنے والا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بَنُوْا اٰدَمَ كُلُّكُمْ خَطَّاءُوْنَ "اے بنی آدم! تم سب کے سب خطا کار ہو سوائے پیغمبروں کے کوئی معصوم نہیں وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ اور بہترین گنہگار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔" آدمی کو ہر وقت یہ سمجھنا چاہیے کہ میں گناہ گار ہوں ﴿ وَ قَابِلِ

التَّوْبِ﴾ اورتوبہ قبول کرنے والا ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دن میں ستر (۷۰) دفعہ گناہ کرو ستر مرتبہ توبہ کرو وہ قبول کرنے والا ہے او کما قال۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دروازہ ہی اور کوئی نہیں ہے کہاں جائے گا؟ اور اس کی یہ بھی صفت ہے ﴿شَدِيْدِ الْعِقَابِ﴾ سزا بھی سخت والا ہے کہ دنیا میں اور کیا آخرت میں۔اگر وہ سزا دینے پر آئے تو ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ [سورۃ بروج:۱۲] ''بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔'' جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

پچھلے سالوں میں جاپان میں صرف سترہ سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا اخبارات میں بات آئی تھی کہ زلزلے کے ساتھ اتنی تباہی ہوئی ہے کہ ریلوے لائن وغیرہ کو حکومت چار سال کوشش کرے پھر بھی اس سطح پر نہیں لاسکتی جس طرح پہلے تھی۔ جاپان جیسی حکومت جس نے پورے یورپ کو صنعت کے لحاظ سے اپنے شکنجے میں لیا ہوا ہے۔

تو رب تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے ﴿ذِي الطَّوْلِ﴾۔طول کے دو معنیٰ آتے ہیں۔ایک معنیٰ ہے قدرت ﴿ذِي الطَّوْلِ﴾ قدرت والا۔رب تعالیٰ کی قدرت کو کون نہیں سمجھ سکتا اگر سمجھنا چاہے۔اور طول کا دوسرا معنیٰ ہے انعام واحسان۔معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ انعام کرنے والا ہے احسان کرنے والا ہے۔ وہ جس پر چاہے انعام کر کے دین کی سمجھ دے دے جس کو چاہے دولت سے نواز دے جس کو چاہے اولاد دے دے جس کو چاہے حکومت دے دے۔ یہ انعامات اس کی قدرت کے قبضہ میں ہیں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی معبود، مشکل کشا نہیں ہے وہی سجدے اور نذر و نیاز کے لائق ہے وہی فریاد رس اور دست گیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کام اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔ بندے وہی کام کر سکتے ہیں جو بندوں کے اختیار میں ہیں۔مگر خدائی اختیارات کی ایک رتی بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔فرمایا یہ بھی نہ بھولنا ﴿اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔لوٹ کر جانا رب کے پاس ہے۔ ؎

ٹھکانا گور ہے تیرا عبادت کچھ تو کر غافل
کہاوت ہے کہ خالی ہاتھ گھر جانا نہیں اچھا

جو آدمی کچھ عرصہ کے بعد گھر جائے تو وہ چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ گھر لے کر جاؤں۔کافی عرصے کے بعد جا رہا ہوں خالی ہاتھ نہ جاؤں۔دنیا کے گھر کے متعلق ہم بہت کچھ سوچتے ہیں دنیا کے پیچھے ہم جھلوں اور دیوانوں کی طرح پڑے ہوئے ہیں قبر اور آخرت کو ہم نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔

اسلامی احکام کے خلاف ذہن سازی

تو فرمایا لوٹ کر جانا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کچھ تیاری کر کے آنا ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ نہیں جھگڑا کرتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ مگر وہ لوگ جو کافر ہیں۔رب تعالیٰ کی آیات کا انکار، رب تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔اس وقت امریکہ بہادر نے تمام مسلمان ملکوں میں ذہن بدلنے کی بڑی گہری سازش شروع کی ہوئی

ہے۔اسلامی احکام کے خلاف ذہن سازی کر رہا ہے۔ ہمارے پاکستان کے وزیر اعظم نے بھی یہ کہا ہے کہ یہ جو شرعی سزائیں ہیں ڈاکوؤں کو سولی پر لٹکانا، چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی شادی شدہ کو رجم اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنا وحشیانہ جابرانہ اور ظالمانہ سزائیں ہیں وزیر خارجہ سردار آصف علی نے کہا ہے کہ سود حلال ہے جائز ہے۔ جبکہ قرآن پاک کہتا ہے ﴿حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ''سود حرام ہے۔'' اور بنگلہ دیش میں امریکہ بہادر نے ایسی عورتیں تیار کی ہیں جو اسلامی احکام کے خلاف باتیں کر رہی ہیں۔

کل پرسوں کے اخبار میں تم نے پڑھا ہوگا۔ میں سرخیاں پڑھ لیتا ہوں نیچے تفصیل نہیں پڑھ سکتا کہ نظر کمزور ہے۔ بنگال میں ایک عورت نے رونا پیٹنا شروع کیا ہے کہ عورت کو مرد کے برابر وراثت ملنی چاہیے۔ اور پاکستان میں یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کے برابر ہونی چاہیے اور عورت کو طلاق دینے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ یہ حق دلا کر دیکھو ان میں تمھیں کتنی طلاقیں ملتی ہیں۔ امریکہ بہادر ان سے یہ کام کرانا چاہتا ہے۔ بھئی! قرآن پاک کا حکم ہے ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء:۱۱] ''اللہ تعالیٰ تمھیں تاکیدی حکم دیتا ہے اولاد کے بارے میں مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔'' اب یہ کہنا کہ عورت کو مرد کے برابر حصہ ملے۔ یہ قرآن کا انکار نہیں ہے؟ بالکل صاف انکار ہے۔ یہ کوئی کسی امام کا مسئلہ نہیں ہے کسی مجتہد کا مسئلہ نہیں ہے براہِ راست رب تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ٹکر ہے۔

پھر یہ ملحد کہتے کیا ہیں؟ کہتے ہیں دیکھو جی! لڑکا بھی اسی ماں باپ کا لڑکی بھی اسی ماں باپ کی، یہ کیا انصاف ہے کہ لڑکے کو دہرا اور لڑکی کو اکہرا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے علمائے اسلام کو انھوں نے بات سمجھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لڑکی کے لیے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ خاوند سے اس کو حق مہر دلوایا ہے لڑکی کا سارا خرچہ، خوراک، لباس، علاج، رہائش خاوند کے ذمے ڈالا ہے۔ پھر والدین کی طرف سے بھی دلوایا ہے اس کو کیا کمی ہے۔ بات سمجھ آ رہی ہے کہ نہیں؟ رب تعالیٰ جو حکم دیتے ہیں اس میں کسی کا نقصان نہیں ہوتا مگر ملحد اور زندیق خواہ مخواہ شوشے چھوڑتے ہیں۔

میرے پاس خبریں سننے کا تو ٹائم نہیں ہوتا اپنی گھڑی کا ٹائم درست کرنے کے لیے تین چار ماہ بعد خبریں لگاتا ہوں۔ میں نے ٹائم ملانے کے لیے ریڈیو آن کیا تو وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ تقریر کر رہی تھیں۔ چند منٹ میں نے ان کی تقریر سنی۔ اس میں اس کے یہ الفاظ تھے کہ ہم دہشت گردوں کو، فرقہ واریت والوں کو پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ رب چور کا ہاتھ کٹوائے تو ظلم ہو، ڈاکو زانی کو سزا دے تو وحشیانہ، جابرانہ، ظالمانہ سزائیں ہوں اور تم دہشت گردوں کو، فرقہ واریت والوں کو پھانسی پر لٹکاؤ تو وحشیانہ اور ظالمانہ فعل نہ ہو؟ کیا یہ عجیب قسم کی منطق ہے کہ رب فیصلہ کرے تو ظالمانہ ہو اور تم فیصلہ کرو تو عادلانہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہیں جھگڑا کرتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں مگر وہ لوگ جو کافر ہیں اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا! کہ جو لوگ رب تعالیٰ کے احکام کے منکر ہیں ان کو مسلمان نہ سمجھنا ان کو مسلمان سمجھنے سے تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ کیونکہ کافر کو کافر نہ کہنا بھی کفر ہے۔ اور ویسے کسی کو کافر نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا يَغْرُرْكَ﴾ بس اے مخاطب تجھے دھوکے میں نہ ڈالے ﴿تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ ان کا چلنا پھرنا شہروں میں۔ ہوائی جہازوں میں، ہیلی کاپٹروں میں اڑتے پھرتے

ہیں، گاڑیوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ ان چیزوں سے دھوکہ نہ کھانا کافر کافر ہیں۔ (یہ چیزیں حاصل ہونے سے وہ خدا کے پسندیدہ نہیں ہو گئے۔)

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ﴾ جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے۔ نوح علیہ السلام کو جھٹلایا، توحید کو جھٹلایا ﴿وَّالْاَحْزَابُ﴾ یہ حزب کی جمع ہے بمعنی گروہ۔ اور بہت سے گروہوں نے جھٹلایا ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد۔ نوح علیہ السلام کے بعد ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم اور بے شمار قومیں گزری ہیں جنھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ﴾ اور ارادہ کیا ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں ﴿لِيَاْخُذُوْهُ﴾ تاکہ پکڑ لیں اس کو گرفتار کر لیں کہ وہ حق بیان نہ کرے۔

حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام پر کیے جانے والا ظلم

بلکہ ایسے ظالم بھی تھے جنھوں نے اپنے پیغمبر حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو انتہائی گہرے کنویں میں زندہ پھینک دیا اور کئی دنوں کے بعد جا کر ان سے ٹھٹھا کیا کہ کیا حال ہے حنظلہ؟ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے کنویں میں بھی کہا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔" کہنے لگے بڑا سخت جان ہے نہ مرتا ہے اور نہ اپنی رٹ کو چھوڑتا ہے۔ پھر انھوں نے سارا کنواں پتھروں اور مٹی کے ساتھ بھر دیا اور اوپر بھنگڑا ڈال رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ آئی اس نے سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔

فرمایا ﴿وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور جھگڑا کیا انھوں نے باطل کے ساتھ۔ باطل کے ہتھیار لے کر انھوں نے جھگڑا کیا ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ تاکہ پھسلا دیں وہ باطل کے ذریعے حق کو۔ مٹا دیں حق کو حالانکہ حق حق ہے وہ نہیں مٹتا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَخَذْتُهُمْ﴾ پس میں نے ان کو پکڑا ﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ عقاب کے آخر میں "ی" تھی حذف کر دی گئی ہے کیف کان عقابی تھا۔ معنی ہوگا پس کس طرح تھی میری سزا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کا کیا حال ہوا، ہود علیہ السلام کی قوم کا کیا حال ہوا، صالح علیہ السلام کی قوم پر کیا بنی؟ فرمایا جیسے میں نے ان کو پکڑا ﴿وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ اور اسی طرح لازم ہو چکا آپ کے رب کا فیصلہ ﴿عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ ان لوگوں پر جو کافر ہیں اور جو قیامت تک آئیں گے ان کے لیے یہ فیصلہ ہے ﴿اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ بے شک وہ سب کے سب دوزخ والے ہیں۔ دنیا کی سزا بھی ان کو ملے گی اور آخرت کی سزا بھی ان کو ملے گی وہ رب تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

﴿اَلَّذِيْنَ﴾ وہ فرشتے ﴿يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ﴾ جو اٹھا رہے ہیں عرش کو ﴿وَمَنْ حَوْلَهٗ﴾ اور جو عرش کے اردگرد ہیں ﴿يُسَبِّحُوْنَ﴾ وہ تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ ﴿وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ اور ایمان

رکھتے ہیں اس پر ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور بخشش طلب کرتے ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو مومن ہیں ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ وسیع ہیں آپ ہر چیز پر ﴿رَّحْمَةً﴾ رحمت کے لحاظ سے ﴿وَّعِلْمًا﴾ اور علم کے لحاظ سے ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ پس بخش دیں آپ ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ﴿وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ اور چلے آپ کے راستے پر ﴿وَقِهِمْ﴾ اور بچا ان کو ﴿عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ آگ کے عذاب سے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿وَاَدْخِلْهُمْ﴾ اور داخل کر ان کو ﴿جَنّٰتِ عَدْنِ﴾ رہنے کے باغوں میں ﴿الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ﴾ وہ جن کا وعدہ کیا آپ نے ان سے ﴿وَمَنْ صَلَحَ﴾ اور ان کو بھی جو نیک ہوں ﴿مِنْ اٰبَآئِهِمْ﴾ ان کے آباؤ اجداد میں سے ﴿وَاَزْوَاجِهِمْ﴾ اور ان کی بیویوں میں سے ﴿وَذُرِّيّٰتِهِمْ﴾ اور ان کی اولادوں میں سے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک آپ ہی غالب حکمت والے ہیں ﴿وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ﴾ اور بچا ان کو برائیوں سے ﴿وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ﴾ اور جس کو آپ بچائیں گے برائیوں سے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿فَقَدْ رَحِمْتَهٗ﴾ پس تحقیق آپ نے اس پر رحمت کی ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اور یہی ہے کامیابی بڑی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنہوں نے کفر کیا ﴿يُنَادَوْنَ﴾ پکارے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ﴾ البتہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ﴿اَكْبَرُ﴾ بہت بڑی ہے ﴿مِنْ مَّقْتِكُمْ﴾ تمھاری ناراضگی سے ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ اپنی جانوں پر ﴿اِذْ تُدْعَوْنَ﴾ جب تمہیں بلایا جاتا تھا ﴿اِلَى الْاِيْمَانِ﴾ ایمان کی طرف ﴿فَتَكْفُرُوْنَ﴾ پس تم کفر کرتے تھے ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا﴾ اے ہمارے رب آپ نے موت دی ہم کو ﴿اثْنَتَيْنِ﴾ دو دفعہ ﴿وَاَحْيَيْتَنَا﴾ اور آپ نے ہمیں زندہ کیا ﴿اثْنَتَيْنِ﴾ دو دفعہ ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا﴾ پس ہم اقرار کرتے ہیں اپنے گناہوں کا ﴿فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ پس کوئی نکلنے کا رستہ ہے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ ﴿بِاَنَّهٗ﴾ اس لیے کہ بے شک شان یہ ہے ﴿اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ﴾ جس وقت پکارا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف جو اکیلا ہے ﴿كَفَرْتُمْ﴾ تم انکار کرتے تھے ﴿وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ﴾ اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا ﴿تُؤْمِنُوْا﴾ تم تصدیق کرتے ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ﴾ پس حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ﴿الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ جو بلند اور بڑا ہے۔

ملائکۃ اللہ کا ذکر

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں۔ مسلم شریف میں روایت ہے خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔'' مگر اس نور سے نہیں جو رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس سے کوئی چیز نہیں نکلی۔ فرشتے اس نور سے پیدا کیے گئے

ہیں جو مخلوق ہے۔ جیسے مٹی اور آگ مخلوق ہے۔ ان گنت اور بے شمار فرشتے ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ سات آسمان اور عرش کسی میں چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ موجود نہ ہو اور کعبے کے عین برابر میں ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کا نام بیت المعمور ہے اس کا ذکر ستائیسویں پارے میں ہے ﴿وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ﴾ [طور: ۴] یہ فرشتوں کا مطاف ہے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا ہے اس وقت سے روزانہ ستر ہزار فرشتے بلا ناغہ اس کا طواف کرتے ہیں اور جو ایک دفعہ طواف کر لیتے ہیں ان کا دوبارہ نمبر نہیں آتا۔ پھر ہر آدمی کے ساتھ چوبیس فرشتے ہیں چار فرشتوں کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ دو دن کے اور دو رات کے۔ رات والے فرشتے صبح کی نماز کے وقت چلے جاتے ہیں اور دن والے آجاتے ہیں اور دن والے عصر کے وقت چلے جاتے ہیں اور رات والے آجاتے ہیں۔ ان فرشتوں کا کام ہے نیکی بدی لکھنا اور دس فرشتے صبح کے وقت آتے ہیں شام تک انسان کے بدن کی حفاظت کرتے ہیں اور دس شام کو آتے ہیں جو صبح تک انسان کے بدن کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر جس طرح انسان کے ساتھ ہیں اسی طرح جنات کے ساتھ بھی ہیں۔ اس سے تم فرشتوں کی تعداد کا اندازہ لگاؤ۔

حاملینِ عرش کی دعا

ان فرشتوں میں سے ایک گروہ ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ﴾ وہ ہیں جو اٹھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے عرش کو۔ ان کی تعداد کا علم نہیں کہ کتنے ہیں؟ اب ہیں کہ رب ہیں اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والے فرشتے ﴿وَمَنْ حَوْلَهٗ﴾ اور جو عرش کے اردگرد ہیں ﴿يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھتے ہیں۔ دن رات ان کا یہی ورد ہے اور یہ ایسا مبارک کلمہ ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس کلمے کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کشادہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرشتے اور کیا کرتے ہیں؟ ﴿وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتوں میں کوئی کافر نہیں ہے۔ وہ سب کے سب مومن اور معصوم ہیں۔ عرش کو اٹھانے والے اور عرش کے اردگرد والے فرشتے یہ کام بھی کرتے ہیں ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں ایمان والوں کے لیے۔ مومن کا کتنا بلند مقام ہے کہ حاملینِ عرش اور اس کے اردگرد والے فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً﴾ اے ہمارے رب آپ وسیع ہیں ہر شے کو رحمت کے لحاظ سے ﴿وَّعِلْمًا﴾ اور علم کے لحاظ سے ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ پس بخش دیں آپ ان لوگوں کو جنھوں نے توبہ کی کفر و شرک سے، گناہوں سے، برائیوں سے ﴿وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ اور چلے آپ کے راستے پر۔ تو جو لوگ صرف توبہ توبہ کرتے ہیں ان کے لیے فرشتے استغفار نہیں کرتے۔ استغفار ان کے لیے کرتے ہیں جو مومن ہیں اور گناہوں سے توبہ کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے راستوں پر چلتے ہوں ﴿وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ اور بچا ان کو آگ کے عذاب سے۔ جحیم کا معنیٰ ہے شعلہ مارنے والی آگ۔ شعلہ مارنے والی آگ سے بچا۔ اور جحیم دوزخ کے ایک طبقے کا نام بھی ہے۔ ﴿رَبَّنَا﴾ یہ لفظ قرآن پاک میں جہاں بھی آتا ہے اس کے شروع میں یا مقدر ہوتا ہے اصل میں ہے

﴿یٰا رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ﴾ اور داخل کر ان کو رہنے کے باغوں میں، ہمیشگی کے باغوں میں۔ نہ جن کے درخت خشک ہوں نہ پتے جھڑیں نہ پھل ختم ہوں ﴿الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ﴾ جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے ﴿وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ﴾ اور ان کو بھی جو نیک ہیں ان کے آباؤ اجداد میں سے جنت میں داخل کر ﴿وَ اَزْوَاجِهِمْ﴾ اور ان کی بیویوں میں سے جو نیک ہیں ان کو بھی جنت میں داخل کر ﴿وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ﴾ اور ان کی اولاد میں سے ان کو بھی جنت میں داخل کر ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ بے شک آپ غالب حکمت والے ہیں۔ حاملین عرش کس عقیدت کے ساتھ ہر وقت مومنوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔ فرشتے اور کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں ﴿وَ قِهِمُ السَّیِّاٰتِ﴾ اور بچا ان مومنوں کو برائیوں سے، پریشانیوں سے، تکالیف سے ان کو بچا ﴿وَ مَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ﴾ اور اے پروردگار! جس کو آپ نے بچا لیا برائیوں سے، پریشانیوں سے ﴿یَوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن۔ قیامت کے دن ﴿فَقَدْ رَحِمْتَهٗ﴾ پس تحقیق آپ نے اس کو رحمت سے نوازا ہے۔ دنیا کی پریشانیاں بھی پریشانیاں مگر آخرت کی پریشانی کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہیں۔ فرمایا کیا پوچھتے ہو ﴿وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ اور یہی ہے کامیابی بڑی۔ دوزخ سے بچ گیا جنت میں داخل ہو گیا اور اس کو کیا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن مرد عورت کو نصیب فرمائے۔ مومنوں کے مقابلہ میں اب کافروں کا حال بھی سنو۔

کافرین کا حال

فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ﴿یُنَادَوْنَ﴾ وہ پکارے جائیں گے قیامت والے دن ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ﴾ البتہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ﴿اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ بہت بڑی ہے تمہاری ناراضگی سے۔ اپنی جانوں پر۔ وہ اپنی جانوں پر ناراضگی کیا ہوگی؟ انیسویں پارے کے پہلے رکوع میں ہے ﴿وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ﴾ "اور جس دن کاٹیں گے ظالم اپنے ہاتھوں کو۔" افسوس کی وجہ سے۔ جب آدمی کو غصہ آئے اور کچھ کر نہ سکے تو پھر اپنے ہاتھ کاٹتا ہے۔ اس سے زیادہ ناراضگی رب کی تمھارے اوپر ہے۔ رب کی ناراضگی کیوں ہے؟ ﴿اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ﴾ جب تم کو ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو تم انکار کرتے تھے، نیکی کی تمہیں دعوت دی جاتی تھی تو تم سنتے نہیں تھے۔ نماز کے لیے بلایا جاتا تھا تم پروا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے آج اللہ تعالیٰ تم پر سخت ناراض ہے۔ اس ناراضگی سے جو تمھیں اپنی جانوں پر ہے۔ اب ہاتھوں کے کاٹنے کا کیا فائدہ؟ جب وقت تھا اس وقت تم نے پرواہی نہیں کی۔ ؎

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئی کھیت

واویلا کریں گے اور کہیں گے ہمیں ایک دفعہ دنیا کی طرف لوٹا۔ ہم اچھے عمل کریں گے پھر اس دنیا کی طرف کون آئے گا اور کون چھوڑے گا ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب ﴿اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ﴾ آپ نے موت دی ہم کو دو دفعہ ﴿وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ﴾ اور آپ نے ہمیں زندہ کیا دو دفعہ ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا﴾ پس ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں کا کہ ہم

واقعی گنہگار اور مجرم ہیں۔ دو زندگیاں کون سی ہیں؟ اس کی تصریح خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا﴾ "تم کیسے انکار کرتے ہو رب کے احکام کا حالاں کہ تم بے جان تھے۔" بچے کی شکل ماں کے پیٹ میں بن جانے کے بعد جب تک اس میں روح نہیں ڈالی جاتی وہ بے جان ہوتا ہے ﴿فَاَحْيَاكُمْ﴾ "پس رب نے تم کو زندہ کیا کہ تمھارے جسم میں روح پھونک دی تو روح پھونکنے سے پہلے ایک موت ہے۔ روح پڑنے کے بعد ایک زندگی ہوگئی ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ پھر تمھیں مارتا ہے دنیا میں ﴿ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ پھر تمھیں زندہ کرتا ہے قبروں میں ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۸] پھر تم اسی رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔" اس آیت کریمہ میں ﴿كُنْتُمْ اَمْوَاتًا﴾ میں پہلی موت ہے اور ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ میں دوسری موت ہے۔ ﴿فَاَحْيَاكُمْ﴾ میں پہلی حیات ہے ﴿ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ میں دوسری حیات ہے۔ تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا۔ پس ہم اقرار کرتے ہیں اپنے گناہوں کا مگر اے پروردگار! ﴿فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ پس اس دوزخ سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔ پھر یہ کافر انجام دیکھ کر ﴿فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ "پس عنقریب وہ پکارے گا ہلاکت کو ﴿وَّ يَصْلٰى سَعِيْرًا﴾ [سورۃ الانشقاق] اور وہ داخل ہوگا دوزخ میں۔" پھر دوزخ میں تنگ آ کر کہیں گے ﴿وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [الزخرف: ۷۷] "اور پکاریں گے دوزخ والے اور کہیں گے اے مالک علیہ السلام! (یہ دوزخ کا انچارج فرشتہ ہے)۔ چاہیے کہ فیصلہ کردے ہم پر تمھارا پروردگار۔" ہمارے اوپر موت آجائے۔ ہزار سال تک کوئی جواب نہیں ملے گا۔ ہزار سال کے بعد جواب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ [المومنون: ۱۰۸] "ذلیل ہو کر دوزخ میں پڑے رہو میرے ساتھ بات بھی نہ کرو۔" میں نے تمھاری طرف پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں، صحیفے بھیجے، عقل دی تم نے پروا نہیں کی۔ اِخسأ اصل میں خَسَأَ سے ہے، جس کا معنیٰ ہے کتے کو دھتکارنا۔ پنجابی میں کہتے ہیں دُھر دُھر۔ تو اس کے مطابق معنیٰ بنے گا "اے کتو! دُھر دُھر دوزخ میں چلتے رہو میرے ساتھ بات نہ کرو۔" ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ دوزخ میں تم کیوں جلو گے ﴿بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جس وقت پکارا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف جو اکیلا ہے۔ جب کہا جاتا تھا لا الٰہ الا اللہ ﴿كَفَرْتُمْ﴾ تو تم کفر کرتے تھے۔ سورہ صفّت آیت نمبر ۳۵ پارہ ۲۳ میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک یہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا نہیں ہے، کوئی فریاد رس نہیں ہے تو تکبر کرتے تھے اچھلتے کودتے تھے۔" کہتے تھے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ [ص: ۵] "کیا اس نے بنا دیا ہے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود۔" سارے مشکل کشاؤں کا انکار کر کے کہتا ہے کہ ایک ہی مشکل کشا ہے۔ آج تم غیر اللہ کی پکار کو کانوں سے سنتے ہو نا۔ یہ مسجدوں سے آوازیں آتی ہیں: ؎

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دستگیر

یہ سب کچھ مسجدوں میں سپیکروں پر آج ہو رہا ہے۔ تو فرمایا جب اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے ﴿وَ

اِنۡ یُّشۡرَکۡ بِہٖ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جاتا اوروں کو خدا کا شریک ٹھہرایا جاتا ﴿تُؤۡمِنُوۡا﴾ توتم یقین کر لیتے اور خوش ہوتے، دھمالیں ڈالتے، پگڑیاں اور ٹوپیاں اچھلتی۔ اکیلے رب کے ساتھ تمھیں عداوت ہے اور دوسروں کے ساتھ انس ﴿فَالۡحُکۡمُ لِلّٰہِ﴾ پس حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ﴿الۡعَلِیِّ الۡکَبِیۡرِ﴾ جو بلند اور بڑی ذات ہے۔ اب تم دوزخ میں جلتے رہو نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

﴿ھُوَ الَّذِیۡ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے ﴿یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ﴾ جو دکھاتا ہے تمھیں نشانیاں ﴿وَ یُنَزِّلُ لَکُمۡ﴾ اور اتارتا ہے تمہارے لیے ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿رِزۡقًا﴾ رزق وَمَا یَتَذَکَّرُ﴾ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے ﴿اِلَّا مَنۡ﴾ مگر وہ ﴿یُّنِیۡبُ﴾ جو رجوع کرتے ہیں ﴿فَادۡعُوا اللّٰہَ﴾ پس پکارو تم اللہ تعالیٰ کو ﴿مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین ﴿وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ﴾ اور اگرچہ ناپسند کرتے ہیں اس کو کافر ﴿رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ﴾ وہ بلند کرنے والا ہے درجوں کو ﴿ذُو الۡعَرۡشِ﴾ عرش والا ہے ﴿یُلۡقِی الرُّوۡحَ﴾ اتارتا ہے وحی ﴿مِنۡ اَمۡرِہٖ﴾ اپنے حکم سے ﴿عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ﴾ جس پر چاہے ﴿مِنۡ عِبَادِہٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ﴾ تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے ﴿یَوۡمَ ھُمۡ بٰرِزُوۡنَ﴾ جس دن وہ ظاہر ہوں گے ﴿لَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ﴾ نہیں مخفی ہوگی اللہ تعالیٰ پر ﴿مِنۡھُمۡ شَیۡءٌ﴾ ان میں سے کوئی چیز ﴿لِمَنِ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ﴾ کس کے لیے ہے بادشاہی آج کے دن ﴿لِلّٰہِ الۡوَاحِدِ الۡقَھَّارِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو اکیلا ہے سب پر غالب ہے ﴿اَلۡیَوۡمَ تُجۡزٰی﴾ اس دن بدلہ دیا جائے گا ﴿کُلُّ نَفۡسٍ﴾ ہر نفس کو ﴿بِمَا کَسَبَتۡ﴾ جو اس نے کمایا ﴿لَا ظُلۡمَ الۡیَوۡمَ﴾ نہیں ہوگا ظلم آج کے دن ﴿اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿وَ اَنۡذِرۡھُمۡ﴾ اور آپ ڈرائیں ان کو ﴿یَوۡمَ الۡاٰزِفَۃِ﴾ قریب آنے والی گھڑی کے دن سے ﴿اِذِ الۡقُلُوۡبُ﴾ جس وقت دل ﴿لَدَی الۡحَنَاجِرِ﴾ ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائیں گے ﴿کٰظِمِیۡنَ﴾ دم گھٹنے والے ہوں گے ﴿مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ حَمِیۡمٍ﴾ نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست ﴿وَّ لَا شَفِیۡعٍ﴾ اور نہ کوئی سفارشی ﴿یُّطَاعُ﴾ جس کی بات مانی جائے ﴿یَعۡلَمُ﴾ وہ جانتا ہے ﴿خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ﴾ آنکھوں کی خیانت کو ﴿وَ مَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ﴾ اور اس چیز کو جس کو سینے چھپاتے ہیں ﴿وَ اللّٰہُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرتا ہے حق کا ﴿وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ﴾ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿لَا یَقۡضُوۡنَ بِشَیۡءٍ﴾ وہ نہیں فیصلہ کر سکتے کسی چیز کا ﴿اِنَّ

اللہَ﴾ بے شک اللہ ہی ﴿هُوَ السَّمِیْعُ﴾ وہی سننے والا ہے ﴿الْبَصِیْرُ﴾ دیکھنے والا ہے۔

اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ کافروں کو پکارا جائے گا اور کہا جائے گا ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی ناراضگی زیادہ بڑی ہے تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے۔'' جب تمھیں دعوت دی جاتی تھی ایمان کی تو تم انکار کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بالکل واضح ہیں۔

توحید کے دلائل

اسی سلسلے میں ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جو دکھاتا ہے تمھیں اپنی قدرت کی نشانیاں۔ زمین دیکھو، آسمان دیکھو، چاند، سورج، ستارے دیکھو، پہاڑ اور میدان دیکھو، انسان دیکھو، مردوں کی شکلیں اور ہیں عورتوں کی شکلیں اور ہیں۔ پھر کوئی موٹا ہے، کوئی پتلا ہے، کوئی صحت مند اور کوئی بیمار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہر جگہ موجود ہیں ﴿وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا﴾ اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسمان کی طرف سے رزق۔ ایک تو اس طرح کہ حکم اوپر سے آتا ہے کہ فلاں کو اتنا رزق ملے، فلاں کو اتنا رزق ملے اور جس کو جتنے رزق کا حکم ہوتا ہے اس کو اتنا ہی ملتا ہے۔

پھر رزق کا جو سبب ہے بارش، وہ بھی آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے اس کے ذریعے فصلیں اگتی ہیں، اناج پیدا ہوتا ہے، باغات پیدا ہوتے ہیں، سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تمام تمھارے لیے رزق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل بالکل واضح ہیں۔ ﴿وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ﴾ اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہ جو رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف۔ جو رجوع کرتے ہیں انھی کو ان چیزوں سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اندھے بہروں کو کیا سمجھ آتی ہے؟ ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ﴾ پس پکارو تم اللہ تعالیٰ کو اے ایمان والو! یہ تمھارا فریضہ ہے ﴿مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین کو ﴿وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اگرچہ ناپسند کرتے ہیں اس کو کفر کرنے والے کہ اکیلے خدا کو پکارا جائے یہ ان کے لیے بڑی کراہت کی بات ہے۔ اس سے پہلی آیت میں ہے اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ جس وقت اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو تم انکار کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جائے تو تم یقین کر لیتے ہو۔ مشرک کے لیے اکیلی رب تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرنا اور اسی ایک کو پکارنا بڑی مشکل بات ہے۔ اس کا دل نہیں ٹھہرتا جب تک دوسرے سہارے نہ تلاش کرے۔

لیکن اے مومنو! تمھارا فرض ہے کہ پکارو اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین کو اگرچہ کافر اس کو پسند نہیں کرتے۔ ﴿رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ﴾ رفیع کا مادہ لازمی بھی آتا ہے اور متعدی بھی آتا ہے۔ لازمی کا معنیٰ کریں تو معنیٰ ہوگا رب بلند درجوں والا ہے۔ رب تعالیٰ کے درجوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اور متعدی کا ترجمہ ہو تو معنیٰ ہوگا وہ بلند کرنے والا ہے درجوں کو۔ کسی کا کوئی درجہ کسی کا کوئی درجہ کسی کی کوئی شان کسی کی کوئی شان۔ یہ شانیں فضیلتیں اور درجے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ ﴿ذُو الْعَرْشِ﴾ وہ عرش والا ہے۔ سات آسمانوں کے اوپر کرسی ہے اور کرسی کے اوپر عرش ہے عرش نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے جسم کے لحاظ سے

عرش سے بڑی شے کوئی نہیں ہے اور درجے کے لحاظ سے سب سے بڑی مخلوق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ عرش اور کرسی کی نسبت ایسے ہی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں ایک رِنگ پڑا ہو۔ ایک ٹائر پھینک دو۔ ٹائر کی میدان کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ ایسے ہی کرسی کی عرش کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ پھر عرش کے اوپر رب تعالیٰ کی ذات قائم ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طٰہٰ:۵] "وہ رحمن عرش پر قائم ہے۔" مگر جو اس کی شان کے لائق ہے ہم کسی شے کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید:۴] "اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔" وہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اس کی معیت کو بھی ہم نہیں سمجھ سکتے بس جو اس کی شان کے لائق ہے وہ ہر ایک کے ساتھ ہے۔ عرش پر بھی قائم ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی ہے۔ ﴿يُلْقِي الرُّوْحَ﴾ یہاں روح سے مراد وحی ہے۔ جس طرح جان دار چیزوں کی حیات روح کے ساتھ ہے اسی طرح قوموں کی روحانی زندگی صرف وحی کے ساتھ ہے وحی الٰہی کے بغیر قومیں بالکل مردہ ہیں۔ تو معنیٰ ہوگا ڈالتا ہے، اتارتا ہے وحی کو ﴿مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ اپنے حکم سے جس پر چاہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے۔ اور وہ بندے پیغمبر ہیں دوسروں پر وحی نہیں اُترتی۔

حکمتِ وحی

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک وحی نازل ہوتی رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد قیامت تک کوئی وحی نازل نہیں ہوگی جس میں نبوت و رسالت کا ذکر ہو۔ رب تعالیٰ وحی کیوں اتارتا ہے؟ ﴿لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ﴾ ایک لفظ ہے طلاق "ط" کے ساتھ۔ اس کا معنیٰ ہے جدائی۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اور ایک ہے تا کے ساتھ اس کا معنیٰ ہے ملاقات۔ تو معنیٰ ہوگا تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ جس دن بندوں کی رب تعالیٰ کے ساتھ ملاقات ہوگی قیامت والے دن اور اللہ تعالیٰ ہر ایک سے فرداً فرداً سوال کریں گے اے بندے میں نے تجھے عقل دی تھی، سمجھ دی تھی تو نے اس کو کہاں خرچ کیا؟ مال دیا تھا اس کو کہاں خرچ کیا، جوانی اور صحت دی تھی اس کو کہاں لگایا؟ وہ کون سا دن ہوگا؟ ﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ﴾ جس دن وہ ظاہر ہوں گے۔

آج تو ایسے لوگ بھی ہیں جو کونوں میں چھپے ہوئے ہیں تہہ خانوں میں چھپے ہوئے ہیں وہاں ساری مخلوق کھلے میدان میں ظاہر ہوگی وہاں کوئی ایک بھی غیر حاضر نہیں ہوگا ﴿لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ﴾ نہیں مخفی ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کوئی چیز۔ تمام انسان، تمام جنات، تمام حیوان سامنے ہوں گے عجیب منظر ہوگا۔ آج معمولی سا اجتماع ہو تو ایک آدمی دوسرے کو نہیں ملتا جہاں ساری کائنات اکٹھی ہوگی اور ان کی کوئی شے خدا پر مخفی نہیں ہوگی۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی کہ خدا جانے میرے ساتھ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور نیک بندوں پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ

الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ [الانبیاء: ۱۰۳] ''نہیں غم میں ڈالے گی ان کو بڑی گھبراہٹ اور ملیں گے ان سے فرشتے۔'' ان کو سلام کریں گے اور کہیں گے کہ خوش رہو یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور جن کو پرچے بائیں ہاتھ میں ملیں گے ان کے ہوش وحواس اڑے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے کاش کہ ہم پیدا ہی نہ ہوتے مگر اس وقت افسوس کا کیا معنیٰ ؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾ کس کے لیے ہے بادشاہی آج کے دن۔ اقتدار کس کا ہے، سلطنت کس کی ہے؟ آج تو اقتدار کی خاطر لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ مرد بھی میدان میں کود پڑے ہیں عورتوں نے بھی لنگوٹ کس لیے ہیں۔ ایک کہتا ہے میرا اقتدار دوسرا کہتا ہے میرا اقتدار تیسرا کہتا ہے میرا اقتدار۔ آج میری تیری لگی ہوئی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے مخلوق! بتلاؤ آج ملک کس کا ہے؟ یہ آواز سارے میدان محشر میں سنائی دے گی۔ قریب والے بھی سنیں گے اور بعید والے بھی سنیں گے اور برابر سنیں گے۔ سب کہیں گے ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو اکیلا ہے سب پر غالب ہے۔ اس دن کوئی میری تیری نہیں ہوگی۔ وہ دن ہوگا ﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ اس دن بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا۔

بندے کو جو اعمال نامہ ملے گا اس میں چھوٹی بڑی نیکی درج ہوگی ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی تو سامنے آئے گی اور اپنے اعمال نامہ کو ہر آدمی خود پڑھے گا چاہے پڑھا لکھا ہوگا یا ان پڑھ ہوگا اور پڑھتے ہوئے کہے گا ﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ﴾ [الکہف: ۴۹] ''کیا ہے اس کتاب کو نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو نہ بڑی چیز کو مگر اس نے سنبھال رکھا ہے۔'' ہاتھوں اور آنکھوں کے اشارے تک درج ہوں گے۔'' ﴿ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ﴾ نہیں ہوگا ظلم آج کے دن۔ اس دن کسی پر رتی برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ آج دنیا میں حق و باطل میں فرق نہیں کرتے اور ہو بھی جائے تو زیادتی ہو جاتی ہے۔ وہاں انصاف ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر قرناء سینگ والی بکری نے مَلحاء موٹی بکری بغیر سینگ والی بکری کو سینگ مارا تھا تو يُؤْخَذُ لِلْمَلْحَاءِ مِنَ الْقَرْنَاءِ میدان محشر میں اس بکری کو سینگ دیئے جائیں گے اور وہ سینگ والی بکری سے بدلہ لے گی۔ یہ روایت مسلم کی ہے۔ حیوانات مکلف نہیں ہوتے انسان اور جنات مکلف ہوتے ہیں پھر حیوانات میں بدلے کا سلسلہ کیوں ہوگا؟ یہ صرف انسانوں اور جنوں کو بتلانے کے لیے کہ غیر مکلف میں انصاف ہو رہا ہے تم کس طرح بچ سکتے ہو؟

تو فرمایا اس دن کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے حساب شروع ہو جائے گا ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ ﴾۔ آزفہ کا معنیٰ ہے قریب آنے والی گھڑی۔ اور آپ ڈرائیں ان کو قریب آنے والی گھڑی کے دن سے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ قیامت کا نام قیامت بھی ہے الحاقہ بھی، الواقعہ بھی، القارعہ بھی، الساعہ بھی ہے۔ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ ﴿ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ ﴾ جس وقت دل ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائیں گے۔ حَنَاجِرُ حَنْجِرَةٌ کی جمع ہے ہنسلی کی ہڈی ﴿ كٰظِمِيْنَ ﴾ دم گھٹنے والے ہوں گے۔ اتنے غمگین ہوں گے کہ سانس لینا مشکل ہوگا ﴿ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ ﴾ نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست۔ آج دنیا میں تو ظالموں کے بڑے ساتھی ہیں وہاں

ظالموں کا کوئی مخلص ساتھی نہیں ہوگا ﴿وَّلَا شَفِیۡعٍ یُّطَاعُ﴾ اور نہ ایسا سفارشی ہوگا کہ جس کی سفارش مانی جائے۔حق حق اور باطل باطل ہو جائے گا، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا ﴿یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ﴾ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو۔ بعضے لوگ آنکھوں کے ساتھ بھی اچھے برے اشارے کرتے ہیں جن کو وہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے کہ کس نے کس کو آنکھ ماری اور اشارہ کیا تھا ﴿وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ﴾ اور اس چیز کو بھی جانتا ہے جس کو سینے چھپاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف محبت کے جذبات اور نفرت کے جذبات، رب سب جانتا ہے وہ ﴿عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ ہے اس سے کون سی چیز مخفی ہے ﴿وَاللّٰہُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرتا ہے حق کا۔ اس کی صفات میں حق بھی ہے بالکل حق کا فیصلہ ہوگا ایک رتی برابر کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی ﴿وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ﴾ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ جن کو مشرک لوگ پکارتے ہیں جیسے لات، منات، عزّیٰ۔ تو جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿لَا یَقۡضُوۡنَ بِشَیۡءٍ﴾ وہ نہیں فیصلہ کر سکتے کسی چیز کا۔ ان کے اختیار میں نہ آج کوئی فیصلہ ہے نہ آئندہ ہوگا۔ جو کرتا ہے رب تعالیٰ کرتا ہے باقی سب لوگوں کے وہم ہیں۔ اس دن رب تعالیٰ فرمائیں گے او مشرکو! ﴿ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ﴾ [اعراف:۱۹۵] "پکارو تم اپنے شریکوں کو۔" تاکہ آج وہ تمھیں عذاب سے بچا لیں۔ یہ پہلے کہیں گے ﴿بَلۡ لَّمۡ نَکُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَیۡئًا﴾ [مومن:۷۴] "بلکہ ہم نہیں پکارتے تھے اس سے پہلے کسی شے کو۔" پھر کہیں گے ﴿ضَلُّوۡا عَنَّا﴾ [مومن:۷۴] پھر کہیں گے ﴿رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَیۡنَا شِقۡوَتُنَا وَکُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّیۡنَ﴾ [مومنون:۱۰۶] "ہم پر غالب آگئی ہماری بدبختی اور تھے ہم گمراہ لوگ۔" تو پھر آج سزا بھگتو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تو کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا ﴿اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾ بے شک اللہ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

﴿اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا﴾ کیا وہ چلے پھرے نہیں ﴿فِی الۡاَرۡضِ﴾ زمین میں ﴿فَیَنۡظُرُوۡا﴾ پس دیکھتے ﴿کَیۡفَ کَانَ﴾ کہ کیسا تھا ﴿عَاقِبَۃُ﴾ انجام ﴿الَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کا ﴿کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿کَانُوۡا ہُمۡ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً﴾ وہ زیادہ سخت تھے ان سے قوت میں ﴿وَّاٰثَارًا﴾ اور نشانیوں میں ﴿فِی الۡاَرۡضِ﴾ زمین میں ﴿فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ﴾ پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿بِذُنُوۡبِہِمۡ﴾ ان کے گناہوں کے بدلے میں ﴿وَمَا کَانَ لَہُمۡ﴾ اور نہیں تھا ان کے لیے ﴿مِّنَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ﴿مِنۡ وَّاقٍ﴾ کوئی بچانے والا ﴿ذٰلِکَ﴾ یہ اس لیے کہ ﴿بِاَنَّہُمۡ﴾ بے شک وہ ﴿کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ﴾ ان کے پاس آئے تھے ﴿رُسُلُہُمۡ﴾ ان کے رسول ﴿بِالۡبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿فَکَفَرُوۡا﴾ پس انھوں نے انکار کیا ﴿فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ﴾ پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنَّہٗ قَوِیٌّ﴾ بے شک وہ قوت والا ہے ﴿شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ﴾ سخت سزا دینے والا ہے ﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ بِاٰیٰتِنَا ﴾ اپنی نشانیوں کے ساتھ ﴿ وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴾ اور کھلی سند کے ساتھ ﴿ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ﴾ فرعون اور ہامان کی طرف ﴿ وَ قَارُوْنَ ﴾ اور قارون کی طرف ﴿ فَقَالُوْا ﴾ پس کہا انھوں نے ﴿ سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ یہ جادوگر ہے اور بڑا جھوٹا ہے ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ پس جب وہ آئے ان کے پاس حق لے کر ﴿ مِنْ عِنْدِنَا ﴾ ہماری طرف سے ﴿ قَالُوا ﴾ کہنے لگے ﴿ اقْتُلُوْٓا ﴾ قتل کر دو ﴿ اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائے ہیں ان کے ساتھ ﴿ وَ اسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ ﴾ اور زندہ چھوڑ دو ان کی عورتوں کو ﴿ وَ مَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ اور نہیں تھی تدبیر کافروں کی ﴿ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴾ مگر خسارے میں ﴿ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ﴾ اور کہا فرعون نے ﴿ ذَرُوْنِیْٓ ﴾ چھوڑ دو مجھے ﴿ اَقْتُلْ مُوْسٰی ﴾ میں قتل کروں موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ وَ لْیَدْعُ رَبَّهٗ ﴾ اور چاہیے کہ وہ پکارے اپنے رب کو ﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں ﴿ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ ﴾ یہ کہ وہ بدل دے گا تمھارے دین کو ﴿ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴾ یا یہ کہ ظاہر کرے زمین میں فساد ﴿ وَ قَالَ مُوْسٰٓی ﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ اِنِّیْ عُذْتُ ﴾ بے شک میں پناہ لیتا ہوں ﴿ بِرَبِّیْ ﴾ اپنے رب کی ﴿ وَ رَبِّكُمْ ﴾ اور تمھارے رب کی ﴿ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ ﴾ ہر تکبر کرنے والے سے ﴿ لَّا یُؤْمِنُ ﴾ جو نہیں ایمان لاتا ﴿ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ حساب کے دن پر۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ ﴿ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴾ قیامت والے دن نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا سکے۔ آخرت تو درکنار جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے دنیا میں کوئی نہیں بچا سکتا۔

گرفتِ خداوندی :

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ﴾ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ﴿ فَیَنْظُرُوْا ﴾ پس دیکھتے ﴿ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ قرآن کریم نے اس بات کی بھی دعوت دی ہے کہ زمین میں سیر و سیاحت کرو، رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھو، زمین دیکھو، پہاڑ دیکھو، آسمان دیکھو، دریا چشمے دیکھو، سرسبز اور خشک میدان دیکھو، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل دیکھو۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو پہلی نافرمان قوموں کا کیا انجام ہوا؟ ان سے عبرت حاصل کرو۔ ان کے متعلق سنو! ﴿ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴾ وہ لوگ ان سے زیادہ سخت تھے قوت میں ﴿ وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ ﴾ اور نشانیوں میں زمین میں نشانات قائم کرنے میں۔ ان لوگوں کا دور سائنسی اور مشینی نہیں تھا لیکن آثار قدیمہ کو دیکھ کر حیرت دنگ رہ جاتی ہے۔ اہرام مصر کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے اتنے بڑے بڑے قلعے ہیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسی نشانیاں ہیں کہ ان کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے۔ تو وہ لوگ بدنی قوت میں، اولاد کی کثرت میں، مالی لحاظ

سے آثار قدیمہ قائم کرنے میں ان سے زیادہ طاقت ور تھے۔ پھر کیا ہوا؟ ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے بدلے میں۔ کوئی شے ان کو خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکی۔ ان کے آثار موجود ہیں مگر وہ خود وہاں نہیں ہیں۔

قوم صالح علیہ السلام کا ذکر

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے حجر کے علاقے میں آج بھی چٹانوں میں بنے ہوئے مکانات موجود ہیں اور وہ بھی ایسے کہ ایک ایک چٹان میں۔ یہ کمرہ ہال ہے، یہ مہمان خانہ ہے، یہ باورچی خانہ ہے، یہ باتھ روم ہے، یہ رقص و سرود کے لیے ہے مگر وہاں آج بسنے والا کوئی نہیں ہے یہ اس لیے بناتے تھے کہ زلزلوں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ زلزلے کے ذریعے ہی تباہ کرے وہ قادر مطلق ہے۔ ان کو تباہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ انھوں نے ایک چیخ ماری اس سے زلزلہ بھی طاری ہوا اگرچہ اس سے مکان نہیں گرے مگر وہ جہاں جہاں تھے ان کے کلیجے پھٹ گئے ایک بھی شخص نہ بچا۔ تو فرمایا ہم نے پکڑا ان کو گناہوں کے بدلے میں ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾۔ وَقٰی یَقِیْ کے معنیٰ ہیں بچانا۔ اسی سے مُتَّقِی کا لفظ ہے جو گناہوں سے بچتا ہے۔ تو معنیٰ ہوگا اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا۔ ظالموں کو رب تعالیٰ کی گرفت سے نہ دنیا میں کوئی بچا سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔ یہ عذاب ان پر کیوں آیا؟ رب تعالیٰ نے ان کو کیوں پکڑا؟ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ رب نے اس لیے پکڑا کہ ﴿بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ بے شک ان کے پاس آئے تھے ان کے رسول واضح دلائل اور معجزات لے کر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزات عطا فرمائے تاکہ قوم کو پتا چلے کہ یہ عام آدمیوں جیسا نہیں ہے یہ رب تعالیٰ کا پیغمبر ہے ﴿فَكَفَرُوْا﴾ پس ان لوگوں نے انکار کیا کہ ہم نے نہیں ماننا۔ تو پھر ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ﴾ پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے مثلاً: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو لے لو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بڑے اچھے اور سلجھے ہوئے انداز میں سمجھایا۔ بدبخت قوم نہ سمجھی اور کہا کہ ہمیں کوئی کرشمہ دکھاؤ۔ کسی نے کوئی فرمائش کی، کسی نے کوئی فرمائش کی۔ ذہن مختلف ہوتے ہیں بعض نے کہا کہ جس چٹان پر ہم ہاتھ رکھیں ہمارے سامنے اس سے اونٹنی نکلے ہم مان جائیں گے۔ ان کا ذہن یہ تھا کہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے قبضہ قدرت میں تو نہیں ہے مگر میرا رب قادر مطلق ہے اگر وہ میری تائید اور تصدیق کے لیے ایسا کر دے تو تم مان لو گے۔ کہنے لگے ہاں مانیں گے۔ سب اکٹھے ہو کر چل پڑے۔ ڈھنڈورا پیٹا راستوں میں کہ آج چٹان سے اونٹنی نکلنی ہے۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، جوان سب اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے خود ایک چٹان کا انتخاب کر کے اس پر ہاتھ رکھا کہ اس سے اونٹنی نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے چٹان پھٹی اس میں سے اونٹنی نکلی۔ فرمایا ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ [الاعراف: ۷۳] "یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمھارے لیے نشانی ہے۔" سب نے آنکھوں کے ساتھ دیکھی لیکن ان بدبختوں میں سے کوئی ایک بھی ایمان نہ لایا۔ جب نوبت اس حد تک پہنچ جائے تو پھر رب کیوں نہ پکڑے۔ تو فرمایا یہ عذاب اس لیے آیا کہ انھوں نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے

ان کو پکڑا ﴿ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴾ بے شک وہ قوی بھی ہے اور سخت سزا دینے والا ہے۔ ظالموں کو نہ دنیا میں کوئی بچا سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

آگے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے ملتا جلتا ہے اور مشرکین مکہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا واقعہ یہودیوں سے سنتے رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے ہیں اس وقت سرزمین عرب میں مذہبی لحاظ سے پانچ فرقے تھے۔ ایک مشرکوں کا تھا جو اپنے آپ کو ابراہیمی اور موحد کہلاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مشرک نہیں کہتے تھے۔ مردم شماری کے لحاظ سے اکثریت ان کی تھی۔ دوسرا فرقہ یہود کا تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعوے دار اور تورات پر ایمان رکھنے کے دعوے دار تھے۔ خیبر کا سارا علاقہ ان کے پاس تھا اور مدینہ طیبہ میں بھی ان کی کافی تعداد اور اثر ورسوخ تھا۔ وادی القریٰ، سحبل اور دیگر مقامات میں بھی یہ آباد تھے۔ یہ پڑھے لکھے لوگ تھے اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کرتے رہتے تھے۔ عرب کے لوگ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے واقعات بکثرت ان سے سنتے رہتے تھے۔

تیسرا فرقہ عیسائیوں کا تھا۔ ان کا علاقہ نجران کا تھا اس میں سو فیصد آبادی ان کی تھی۔ اس کے علاوہ اور علاقوں میں بھی اِکّا دُکّا رہتے تھے۔ چوتھا فرقہ صابئین کا تھا۔ یہ رب تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے بھی قائل تھے اور آسمانی کتابوں کو بھی مانتے تھے۔ داؤد علیہ السلام کو نبی مانتے تھے اور زبور کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ جس طرح آج کل کئی جاہل قسم کے لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہوئے بھی قبروں کی پوجا کرتے ہیں، پیروں کی پوجا کے علاوہ اور بہت کچھ کرتے ہیں۔ پانچواں فرقہ مجوسیوں کا تھا آتش پرست۔ یہ برائے نام تھے۔ جیسے پاکستان کراچی میں بھی ان کی برائے نام آبادی ہے۔

آج سے دو سال پہلے کی بات ہے (یعنی ۱۹۹۶ء کی) مردم شماری کے لحاظ سے بتلایا گیا تھا کہ کراچی میں آتش پرستوں کی تعداد ایک ہزار سے بھی کم ہے۔ ان کی آبادی اور آتش کدہ سے دس منٹ میں گاڑی ان کے علاقے کو کراس نہیں کر سکتی۔ میں کراچی گیا تو مجھے ساتھیوں نے ان کی عمارتیں اور عبادت گاہ دکھائی اور بتایا کہ اتنے دنوں کے بعد کھولتے ہیں۔

چونکہ یہود کے حالات کو مشرک جانتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا واقعہ بھی ان سے سنتے رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کے ذریعے ان کو سمجھایا ہے۔ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر۔ ایک نشانی تھی عصا مبارک کہ زمین پر ڈالتے تھے تو سانپ بن جاتا تھا اژدھا بن جاتا تھا۔ دوسرا معجزہ یہ تھا کہ ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے تھے تو وہ سورج کی طرح چمکتا تھا۔ اس کے سوا سات نشانیاں اور تھیں ﴿ وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴾ اور کھلی سند کے ساتھ۔ اس سے مراد عصا مبارک ہے۔ فرعون کے جادوگروں کے ساتھ جب مقابلہ ہوا فرعون، ہامان، قارون وغیرہ سب

۱

ایک کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے پبلک کا کوئی حساب نہیں تھا بہتر ہزار جادوگر تھے۔ جس وقت انھوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپ میدان میں نکل آئے بعزۃ فرعون کے نعرے لگنے شروع ہو گئے۔ فرعون زندہ باد، فرعون زندہ باد، فرعون زندہ باد اور سارے لوگوں نے بھنگڑے ڈالنے شروع کیے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی پھینکو لاٹھی اژدھا بن گئی اور ان کے ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپوں کو اس طرح ایک ایک کر کے نگل گیا جیسے مرغ دانے چگتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اژدھا پر ہاتھ رکھا تو وہ لاٹھی بن گئی۔

فرعون پھر بھی ایمان نہیں لایا اور جادوگر جو مقابلے میں تھے سجدے میں گر کر کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی﴾ [طٰہٰ: ۷۰] ''ہم ایمان لائے ہیں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر۔'' فرعون بپھر گیا اور کہنے لگا ﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ کیا تم ایمان لائے ہو اس پر پہلے اس سے کہ میں تمھیں اجازت دوں۔'' میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو میں تمھیں سولی پر لٹکاؤں گا اور تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ستر کو پھانسی پر لٹکایا یہ سب اب ایک منٹ کے موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے باقی سارے اپنے نمبر کے انتظار میں تھے ہر ایک آگے بڑھ کر کہتا تھا اب میرا نمبر ہے اب میری باری ہے۔ خوف زدہ ہو کر باقیوں کو رہا کر دیا۔

تو فرمایا ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند کے ساتھ ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا بڑا ہوشیار، چالاک، بڑا ظالم اور جابر تھا۔ جیسے آج کل کے ہمارے حکمران ہیں ﴿وَ هَامٰنَ﴾ اور ہامان کی طرف بھیجا۔ یہ فرعون کا وزیر اعظم تھا ﴿وَ قَارُوْنَ﴾ اور قارون کی طرف بھیجا۔ اس کے متعلق تم سن چکے ہو کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ زبانی طور پر کلمہ پڑھتا تھا مگر اندرونی طور پر ان کے ساتھ تھا ﴿فَقَالُوْا﴾ پس انھوں نے کہا ﴿سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ یہ جادوگر ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔ کاذب کا معنیٰ ہوتا ہے جھوٹا اور کذاب مبالغے کا صیغہ ہے بہت بڑا جھوٹا۔ فرعون، ہامان، قارون سب نے کہا یہ جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ پس جب وہ آئے ان کے پاس حق لے کر ہماری طرف سے ﴿قَالُوا﴾ کہنے لگے ﴿اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ قتل کر دو ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائے ہیں موسیٰ علیہ السلام پر۔

ایک تو بچوں کو اس وقت قتل کیا جب نجومیوں نے فرعون کو کہا تھا کہ ان سالوں میں بنی اسرائیل کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے زوال کا باعث بنے گا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بارہ ہزار بچے قتل کیے اور نوے ہزار حمل گرائے گئے۔ مگر رب رب ہے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر پال کر دکھایا۔ تو یہ دوبارہ قتل کی دھمکی دی کہ ان کے بیٹوں کو قتل کرو ﴿وَ اسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ﴾ اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو کیوں کہ عورتیں لڑ نہیں سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ﴾ اور نہیں تھی تدبیر کافروں کی مگر خسارے میں۔ وہ ان کو ختم کرنا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے خود اس کو بحر قلزم میں ڈبو دیا۔ تفصیل آئندہ رکوعوں میں آ رہی ہے ﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ اور کہا فرعون نے ﴿ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی﴾ مجھے چھوڑ

دو میں قتل کروں موسیٰ علیہ السلام کو۔ میں نے اس کو قتل کرنا ہے مجھے نہ روکنا ﴿وَلْيَدْعُ رَبَّهُ﴾ اور چاہیے کہ وہ اپنے رب کو پکارے۔ دیکھتا ہوں اس کا رب کیا کرتا ہے ﴿إِنِّي أَخَافُ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں ﴿أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ﴾ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام بدل دے تمھارا دین ﴿أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ﴾ یا یہ کہ ظاہر کرے زمین میں فساد۔ زمین میں فساد نہ پھیلا دے۔

دو قومی نظریے

ہر ملک میں دو نظریے کے لوگ ہوتے ہیں مذہبی اور سیاسی۔ پہلا جملہ مذہبی لوگوں کے لیے بولا کہ میں غلط نہیں کر رہا تمھارے مذہب کے تحفظ کے لیے کر رہا ہوں تا کہ وہ تمھارا دین نہ بدل دے۔ اور دوسرا جملہ سیاسی لوگوں کے لیے بولا۔ سیاسی لوگوں کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ ملکی امن وامان کے قائل ہوتے ہیں کہ ملک میں امن ہو ہماری تجارت چلتی رہے ہمارا کاروبار ٹھپ نہ ہو۔ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہوں کہ یہ زمین میں فساد نہ برپا کرے ملک میں امن قائم رہے ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ﴾ بے شک میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب کی مدد کے ساتھ اور تمھارے رب کی مدد کے ساتھ ﴿مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ﴾ ہر متکبر سے ﴿لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ جو نہیں ایمان لاتا حساب والے دن پر۔ قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ تم اپنے ہتھیار نکالو میں اپنے رب کی پناہ میں ہوں۔ باقی واقعہ آئندہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَقَالَ رَجُلٌ﴾ اور کہا ایک مرد نے ﴿مُؤْمِنٌ﴾ جو مومن تھا ﴿مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کے خاندان میں سے ﴿يَكْتُمُ إِيمَانَهُ﴾ چھپاتا تھا اپنے ایمان کو ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا﴾ کیا تم قتل کرتے ہو ایک آدمی کو ﴿أَنْ﴾ اس لیے کہ ﴿يَقُولَ﴾ وہ کہتا ہے ﴿رَبِّيَ اللَّهُ﴾ میرا رب صرف اللہ ہے ﴿وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ اور تحقیق وہ لایا ہے تمھارے پاس واضح دلائل ﴿مِنْ رَبِّكُمْ﴾ تمھارے رب کی طرف سے ﴿وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا﴾ اور اگر ہے وہ جھوٹا ﴿فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ﴾ پس اسی پر پڑے گا جھوٹ اس کا ﴿وَإِنْ يَكُ صَادِقًا﴾ اور اگر ہے وہ سچا ﴿يُصِبْكُمْ﴾ تو پہنچے گی تمھیں ﴿بَعْضُ الَّذِي﴾ بعض وہ چیز ﴿يَعِدُكُمْ﴾ جس سے وہ تمھیں ڈراتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي﴾ ہدایت نہیں دیتا ﴿مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ اس کو جو حد سے گزرنے والا اور جھوٹا ہو ﴿يَا قَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ تمھارے لیے ہے ملک آج کے دن ﴿ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ غالب ہو زمین میں ﴿فَمَنْ يَنْصُرُنَا﴾ پس کون ہماری مدد کرے گا ﴿مِنْ بَأْسِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ﴿إِنْ جَاءَنَا﴾ اگر وہ آگئی ہمارے پاس ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ کہا فرعون نے ﴿مَا أُرِيكُمْ﴾ میں تمھیں نہیں دکھاتا ﴿إِلَّا مَا أَرَىٰ﴾ مگر وہ جو

میں رائے رکھتا ہوں ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ﴾ اور میں نہیں راہنمائی کرتا تمھاری ﴿اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ مگر بھلائی کے راستے کی ﴿وَقَالَ الَّذِيْٓ﴾ اور کہا اس شخص نے ﴿اٰمَنَ﴾ جو ایمان لا چکا تھا ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ﴿مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ﴾ اگلی جماعتوں کے دن کی طرح ﴿مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ قوم نوح کی عادت کی طرح ﴿وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ اور عاد اور ثمود قوم ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ کرتا اپنے بندوں کے لیے ظلم کا ﴿وَيٰقَوْمِ﴾ اور اے میری قوم! ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ چیخ و پکار کے دن سے ﴿يَوْمَ تُوَلُّوْنَ﴾ جس دن تم بھاگو گے ﴿مُدْبِرِيْنَ﴾ پشت دکھاتے ہوئے ﴿مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ نہیں ہوگا تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مِنْ عَاصِمٍ﴾ کوئی بچانے والا ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ پس نہیں ہے اس کو کوئی ہدایت دینے والا۔

مظلوم کی مدد کرنا

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی کہ فرعون نے یہ بات کہی کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہوں یہ اپنے رب کو بلائے۔ یہ بات اس نے اپنے دربار میں کابینہ اور عملے کے سامنے کی۔ اس کی کابینہ میں اس کا چچا زاد بھائی تھا حِزقِیل، "ح" حلوے والی کے ساتھ۔ یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اس نے سوچا کہ فرعون تباہی کے راستے پر چل پڑا ہے جو کچھ یہ کہہ رہا ہے یہ اس کے لیے اچھا نہیں ہے اس کو سمجھانا چاہیے کہ اپنے لیے بربادی کا راستہ اختیار نہ کر آخر میرا چچازاد بھائی ہے اس کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہے یا مظلوم ہے۔ تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت مظلوم کی مدد کا معنیٰ تو سمجھ میں آتا ہے ظالم کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو اس کا ہاتھ پکڑو اس کو ظلم نہ کرنے دو یہ اس کی مدد ہے۔ دنیوی سزا سے بچ جائے گا آخرت کی سزا سے بچ جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص مظلوم کی مدد نہیں کرتا تو گنہگار ہوگا۔

الترغیب والترہیب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں سے گزر رہے تھے کہ ایک قبر کے پاس کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ فق ہوگیا۔ پوچھا حضرت خیر ہے کیا بات ہے؟ فرمایا اس شخص کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے اور عذاب اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مظلوم کے پاس سے گزرا تھا اس نے اس کو مدد کے لیے بلایا تھا اس نے پروا نہیں کی تھی۔ مظلوم کی مدد نہ کرنے کی وجہ سے سزا ہو رہی ہے۔

اور اس مردِ مومن نے یہ بھی سوچا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں ان کی بھی مدد کرنی چاہیے۔ اگر میں مدد نہیں

کرتا تو مجھ سے پوچھ گچھ ہوگی۔ تو اس نے کابینہ کے اجلاس میں فرعون کی پرزور تردید کی اور موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں جتنا زور لگ سکتا تھا اس نے لگایا۔ اس کا ذکر ہے۔

مردِ مومن کی تقریر

﴿وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ﴾ اور کہا ایک شخص مومن نے ﴿مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کے خاندان میں سے چچازاد بھائی تھا ﴿یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ﴾ جو چھپاتا تھا اپنے ایمان کو۔ اس کا ایمان ابھی تک لوگوں پر واضح نہیں تھا۔ وہ بولا ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ﴾ کیا تم قتل کرتے ہو ایک آدمی کو اس لیے کہ وہ کہتا ہے میرا رب صرف اللہ ہے۔ اس نے تمہارا اور کیا بگاڑا ہے وہ یہی کہتا ہے نا کہ میری تربیت کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اس جرم میں تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو اور جو کچھ وہ کہتا ہے ویسے ہی نہیں ﴿وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ اور تحقیق لے کر آیا ہے وہ تمہارے پاس واضح دلائل۔ عصا کا معجزہ تم دیکھ چکے ہو، ید بیضا بھی تم دیکھ چکے ہو اسی طرح مکڑیوں کا طوفان، مینڈکوں کا طوفان وغیرہ بھی تم دیکھ چکے ہو ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ یہ واضح نشانیاں وہ تمہارے رب کی طرف سے لے کر آیا ہے ﴿وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا﴾ اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے ﴿فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ﴾ تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا لیکن ﴿وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا﴾ اور اگر ہے وہ سچا اور یقیناً سچا ہے ﴿یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ﴾ تو پہنچے گی تمہیں بعض وہ چیز جس سے وہ تمہیں ڈراتا ہے۔ عذاب کا بعض حصہ تمہیں پہنچے گا بعض کا لفظ اس لیے فرمایا کہ پوری سزا تو قیامت کو ہوگی۔ لہٰذا قتل کا ارادہ نہ کرو یہ غلط ہے اور یاد رکھو! ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کامیاب نہیں کرتا اس کو جو حد سے گزرنے والا اور جھوٹا ہے۔ بقول تمہارے اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خود سنبھال لے گا تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسرف کذاب کو اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب نہیں کرتا۔

قادیانی دجل

قادیانی کہتے ہیں لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کہ مرزا اگر جھوٹا ہوتا تو رب اس کو کیوں چھوڑتا؟ بھئی! پہلے تو اس نے صراحت کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور جب کھل کر سامنے آیا تو رب تعالیٰ نے اس کو پاخانے کی جگہ میں مارا۔ یہ بات خود ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ سچے نبی کی جہاں وفات ہوتی ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء مختلف ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے؟ کسی نے کہا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مبارک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دفن ہیں وہاں دفن کرو احد کے دامن میں۔ کسی نے کہا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں وہاں دفن کرو جنت البقیع میں۔ کسی نے کہا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ مدفون ہیں وہاں دفن کرو۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ''میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں نبی کی وفات ہوتی ہے وہیں اس کی قبر

ہوتی ہے۔'' چونکہ آپ ﷺ کی وفات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوئی جہاں آپ ﷺ کی چارپائی تھی وہیں قبر بنائی گئی۔'' تو مرزے کی قبر ٹوٹی خانے میں ہونی چاہیے تھی یہ تم نے زیادتی کی کہ دوسری جگہ لے گئے۔ پھر ہیضے کی بیماری کے ساتھ مرا جس کے بارے میں آتا ہے کہ ہیضہ اور طاعون اللہ تعالیٰ کے عذابوں میں سے ہیں۔ رب تعالیٰ نے تو اس کو عذاب دیا ہے۔

مردِ مومن کی مزید گفتگو

تو مردِ مومن نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا حد سے بڑھنے والے اور کذاب کو ﴿یٰقَوْمِ﴾ اصل میں یٰقَوْمِیْ تھا 'ی' متکلم کی تخفیفاً حذف کر دی گئی ہے اے میری قوم! مردِ مومن نے کہا ﴿لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ﴾ تمھارے لیے ہے ملک آج کے دن ﴿ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ غالب ہو زمین میں۔ مصر کی زمین پر تمہارا غلبہ ہے فوج تمہارے پاس، کھیت تمہارے پاس، ملکی اختیارات تمہارے پاس، آج تمہاری شاہی ہے ﴿فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا﴾ پس کون ہماری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کی گرفت سے اگر آ گئی وہ ہمارے پاس۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہمیں کون بچائے گا۔ کابینہ میں رجل مومن نے یہ تقریر کی ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی﴾ کہا فرعون نے میں تمہیں نہیں دکھاتا مگر وہ جو میں رائے رکھتا ہوں، میں تمہیں رائے نہیں دیتا مگر وہی میری رائے ہے۔ میری رائے یہی ہے ﴿ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی﴾ ''مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ اپنے رب کو بلائے کہیں یہ تمہارا دین نہ بدل دے یا زمین میں فساد پھیلائے۔ میں تمہارا دین بچانے کے لیے اور امن و امان قائم کرنے کے لیے اپنی رائے پر قائم ہوں اور اے میری کابینہ کے افراد ﴿وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ﴾ اور میں نہیں راہنمائی کرتا تمہاری مگر بھلائی کے راستے کی۔ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں تمہاری بھلائی ہے تاکہ تمہارا دین بھی محفوظ رہے اور سیاست بھی تمہارے ہاتھ میں رہے۔ ملک میں امن قائم کرنا میرا حق ہے۔ جیسا کہ آج کل کے فرعونی حکمران دعوے کرتے ہیں۔ مگر رجل مومن خاموش نہیں رہا۔ فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ﴾ اور کہا اس شخص نے جو ایمان لا چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ فرعون بڑا ضدی ہے اس کی طبیعت مزاج سے واقف تھا کہا ﴿یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ﴾ اے میری قوم! بے شک میں تم پر خوف کرتا ہوں اس قسم کے عذاب کا اگلی جماعتوں کے دن کی طرح۔ جیسے پہلی قوموں کے ہلاکت کے دن آئے اسی طرح کا دن تمہارے اوپر بھی آسکتا ہے کیونکہ رب تعالیٰ کے پیغمبروں کے خلاف کارروائی کرنا ان کا مقابلہ کرنے کا انجام اچھا نہیں ہے۔

﴿مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ قوم نوح کی عادت کی طرح۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی مخالفت کی تھی ﴿وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾ [سورۃ القمر] ''اور کہا انھوں نے یہ دیوانہ ہے اور جھڑک دیا۔'' مجلس میں آتے تو دھکے مار کر باہر نکال دیتے کہ پاگل ہے اس نے ہمارے کان کھا لیے ہیں اپنی رٹ نہیں چھوڑتا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ ''اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ معبود نہیں ہے۔'' پھر نوح علیہ السلام کی قوم کا کیا حشر ہوا ﴿مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا﴾ [نوح: ۲۵] ''اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کیے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے۔''

﴿وَعَادٍ﴾ اور قوم عاد۔ ان کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ انھوں نے پورا زور لگایا مگر قوم نے نہیں مانا۔ اللہ تعالیٰ نے بارش روک دی، پانی کے چشمے خشک ہو گئے، کنویں خشک ہو گئے، کھیت مارے گئے، درخت سوکھ گئے، جانور بھوکے پیاسے مرنے لگے۔ کچھ لوگ یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا مجھ پر ایمان لاؤ رب تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کرو ﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ [ہود: ۵۲] ''اللہ تعالیٰ چھوڑ دے گا آسمان کو تمہارے اوپر بارش برسانے والا۔'' قوم نے کہا کہ اگر تیرے کہنے سے ہمیں پانی ملتا ہے تو پھر ہمیں ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ بادل کا ایک ٹکڑا نظر آیا ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ﴾ ''پس جب انھوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی شکل میں جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آ رہا تھا بڑے خوش ہوئے ﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ [الاحقاف: ۲۴] '' کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔'' وہ جیسے ہی قریب آیا ترمذی شریف کی روایت ہے بادل کے ٹکڑے سے آواز آئی:

رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا.

''اے تند و تیز ہوا ان کو راکھ کر دے کسی ایک کو نہ چھوڑنا۔''

یہ آواز بھی انھوں نے کانوں کے ساتھ سنی مگر نہ مانے۔ اس بادل سے اتنی تیز ہوا نکلی کہ ان کو اٹھا اٹھا کر پھینک دیا کسی کو آدھے میل پر پھینکا، کسی کو میل دور جا کر پھینکا۔ ایسے پڑے تھے جیسے کھجور کے تنے گرے پڑے ہوتے ہیں ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقہ:] ''گویا وہ کھجور کے تنے ہیں جو اکھاڑ کر پھینک دیے گئے ہیں۔''

﴿وَثَمُوْدَ﴾ اور ثمود قوم۔ ثمود قوم پر کیا گزری؟ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو سمجھایا اور منہ مانگی نشانی بھی مل گئی مگر نہیں مانا۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری اور زلزلہ بھی مسلط کیا گیا جہاں جہاں تھے سب کے سب فنا ہو گئے ایک بچہ بھی نہ بچا ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ان کا کیا حشر ہوا۔ ان کے بعد پیغمبروں کی مخالفت کی وجہ سے بے شمار قومیں تباہ ہوئیں۔ اور اے میری قوم! ﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ کرتا اپنے بندوں کے لیے ظلم کا۔ اللہ تعالیٰ بڑے عادل، لطیف، رحیم ہیں۔ رب کے پیغمبر کے قتل کا ارادہ بدلو اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو ﴿وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ اور اے میری قوم! بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ اس دن کا جس دن چیخو گے پکارو گے۔ چیخ پکار کے دن کا خوف کرتا ہوں۔ جب آدمی مصیبت میں پھنس جائے تو دوسرے کو مدد کے لیے پکارتا ہے مجھے خوف ہے کہ جس دن تم پر عذاب آئے گا اور چیخیں مارو گے اور ایک دوسرے کو پکارو گے پھر کیا ہوگا؟ ﴿يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ﴾ جس دن تم بھاگو گے پشت دکھاتے ہوئے۔ جب بندہ خود مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کو اپنی فکر ہوتی ہے دوسرا کوئی یاد نہیں ہوتا۔

اور یاد رکھو! جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آئے گا تو کوئی تمہاری حمایت کرنے والا نہیں ہوگا ﴿مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچنے کا واحد طریقہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو بُرے نظریات رکھتے ہو ان کو بدلو۔ اگر تم نے موسیٰ کے خلاف نظریات نہ بدلے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہاری

گمراہی پر مہر لگا دیں گے ﴿وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ہَادٍ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اور کرتا اسی کو ہے جو گمراہی کے چکر سے نکلنے کے لیے تیار نہ ہو تو پھر اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ آگے مزید مردِ مومن کی تقریر آئے گی اور پھر فرعون درمیان میں کاٹے گا اور مناظرہ کا بینہ کے سامنے ہوگا۔ آگے باقی قصہ آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَ لَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿جَآءَکُمْ یُوْسُفُ﴾ آئے تمھارے پاس یوسف علیہ السلام ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلائل کے ساتھ ﴿فَمَا زِلْتُمْ﴾ پس ہمیشہ رہے تم لوگ ﴿فِیْ شَکٍّ﴾ شک میں ﴿مِّمَّا جَآءَکُمْ بِہٖ﴾ جو وہ لے کر آئے تمھارے پاس ﴿حَتّٰی﴾ یہاں تک کہ ﴿اِذَا ہَلَکَ﴾ جب وہ وفات پا گئے ﴿قُلْتُمْ﴾ تم نے کہا ﴿لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ﴾ ہر گز نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ﴿مِنْۢ بَعْدِہٖ﴾ اس کے بعد ﴿رَسُوْلًا﴾ کوئی رسول ﴿کَذٰلِکَ﴾ اسی طرح ﴿یُضِلُّ اللّٰہُ﴾ گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿مَنْ ہُوَ مُسْرِفٌ﴾ اس کو جو اسراف کرنے والا ہو ﴿مُّرْتَابُ﴾ شک میں مبتلا ﴿الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں ﴿فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں ﴿بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ﴾ بغیر دلیل کے ﴿اَتٰہُمْ﴾ جو ان کے پاس آئی ﴿کَبُرَ مَقْتًا﴾ بڑی ناراضگی ہے ﴿عِنْدَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿وَ عِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان لوگوں کے ہاں جو ایمان لائے ﴿کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے ﴿عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ ہر متکبر جبار کے دل پر ﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ اور کہا فرعون نے ﴿یٰہَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا﴾ اے ہامان بناؤ میرے لیے ایک محل ﴿لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ﴾ تاکہ میں پہنچوں راستوں پر ﴿اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ﴾ یعنی آسمان کے راستوں پر ﴿فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰہِ مُوْسٰی﴾ پس میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو ﴿وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا﴾ اور بے شک میں خیال کرتا ہوں اس کو جھوٹا ﴿وَ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ﴾ اور اسی طرح مزین کیا گیا فرعون کے لیے ﴿سُوْٓءُ عَمَلِہٖ﴾ اس کے برے عمل کو ﴿وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ﴾ اور روک دیا گیا وہ سیدھے راستے سے ﴿وَ مَا کَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ﴾ اور نہیں تھی تدبیر فرعون کی مگر تباہی میں۔

ماقبل سے ربط:

اس سے پہلے رکوع میں تم نے یہ بات پڑھی کہ جب فرعون نے کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہوں تم مجھے نہ روکنا تو فرعون کا چچازاد بھائی حزقیل بول پڑا ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ﴾ "کیا تم قتل کرتے ہو ایک آدمی کو اس لیے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔" اس گناہ کا تم پر وبال پڑے گا۔

مردِ مومن کی مزید تقریر

آج کی آیات میں بھی اسی رجل مومن کی تقریر ہے ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ اور البتہ تحقیق آئے تمہارے پاس اسی مصر کی زمین میں یوسف علیہ السلام اس سے پہلے۔ اس سے پہلے مصر میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تھی اور انھوں نے قوم کی اصلاح کی تھی۔ واضح دلائل لے کر آئے۔ تفصیل کے ساتھ ہم نہیں بتا سکتے کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کون کون سے معجزے عطا فرمائے تھے مگر اتنی بات واضح ہے کہ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس کی صداقت کے لیے معجزے عطا فرمائے۔ اے مصریو! یوسف علیہ السلام واضح دلائل لے کر تمہارے پاس آئے ﴿ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ ﴾ پس تم ہمیشہ شک میں رہے ﴿ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ﴾ اس چیز کے بارے میں جو یوسف لے کر تمہارے پاس آئے۔ تمہارے آباؤ اجداد یوسف علیہ السلام کے بارے میں شک میں رہے اور تم آج موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے بارے میں شک کرتے ہو ﴿ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ ﴾ عربی میں هَلَكَ اور مَاتَ اور فَاتَ ایک معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب یوسف علیہ السلام وفات پا گئے ﴿ قُلْتُمْ ﴾ تم نے کہا ﴿ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ﴾ ہرگز نہیں بھیجے گا ان کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی رسول۔ ان سے ہماری جان چھوٹ گئی۔ یوسف علیہ السلام نے عرصہ دراز تک مصر والوں کی خدمت کی سیاسی بھی اور مذہبی بھی لیکن مصر کے وہ لوگ جو کافر تھے وہ آخر دم تک کافر ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں مستقل ان کے حالات بیان فرمائے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تو کافر مشرک کوئی نہ تھا اور گناہ تھے مگر کفر شرک والا گناہ نہیں تھا ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ [البقرہ: ۲۱۳] ''سارے لوگ ایک مذہب پر تھے۔'' شرک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہوا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کوئی ایسا دور نہیں بتلایا جاتا جس میں کوئی کافر نہ ہو۔ مسلمان بھی تھے اور کافر بھی تھے بلکہ مومن تھوڑے اور کافر زیادہ تھے۔ حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال تبلیغ کی مگر صرف ان کی اہلیہ محترمہ سارہ علیہا السلام اور ان کے بھتیجے لوط صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ دیا۔ پیغمبر پیدائشی طور پر ہی موحد ہوتا ہے تیسرا کوئی آدمی ایمان نہیں لایا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سدوم کے علاقے میں بھیجا۔ صرف ایک گھر مسلمانوں کا تھا۔ سورۃ ذاریات میں ہے ﴿ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ''پس نہ پایا ہم نے ان میں سوائے ایک گھرانے مسلمان کے۔'' ایک بڑی حویلی تھی اس کے ایک کمرے میں لوط علیہ السلام، ان کی بیوی اور دو یا تین بیٹیاں رہتی تھیں۔ مزید دو تین کمرے تھے جن میں اور مومن رہتے تھے۔ ساری آبادی میں ایک گھر مومنوں کا تھا۔ تو ہمیشہ کفر کی اکثریت رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار بتلاتے ہیں اور ڈیڑھ لاکھ سے زائد بھی بتلائی گئی ہے باقی سارا عرب کافر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سارا عرب مسلمان ہو گیا۔

تو فرمایا تم یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی شک میں رہے اور ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد تم نے کہا اب اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کارروائیاں کرتے ہو یہ تمھارا آبائی پیشہ ہے ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ ﴾ اسی

طرح اللہ تعالیٰ بہکاتا ہے گمراہ کرتا ہے ﴿مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ﴾ جو اسراف کرنے والا شک میں مبتلا ہے۔ اسراف کا معنی حد سے گزرنے والا۔ جو آدمی اپنی حد سے آگے گزرتا ہے وہ مسرف ہے مُرتاب ریب سے ہے۔ اس کا معنی ہے شک میں مبتلا جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی حد پھلانگ جائے اور شک میں مبتلا ہو اس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے۔ جو ہدایت نہ چاہے اس کو اللہ تعالیٰ جبراً ہدایت نہیں دیتا ﴿الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے بارے میں ﴿بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ﴾ بغیر کسی دلیل کے ﴿اَتٰىهُمْ﴾ جو ان کے پاس آئی ہو۔ فرعون تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے وزیر مشیر سارا عملہ بھی موجود تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جا کر کہا کہ میں رب تعالیٰ کا پیغمبر ہوں۔ رب تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کرو اس کے احکام پر عمل کرو۔ قیامت حق ہے اس کو مانو۔ فرعون نے کہا ﴿اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ﴾ ”اگر تو لایا ہے کوئی نشانی تو اس کو لا اگر تو سچا ہے ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ ” پس موسیٰ علیہ السلام نے ڈالا اپنی لاٹھی کو پس اچانک وہ بڑا اژدھا بن گیا ﴿وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ [الاعراف: ۱۰۸،۱۰۷] ”اور نکالا انھوں نے اپنے ہاتھ کو پس اچانک وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لیے۔“

موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

تفسیروں میں اس کا عجیب نقشہ کھینچا گیا ہے کہ فرعون تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا تھا اژدھا نے جب اس کی طرف رخ کیا تو فرعون بدحواس ہو کر پیچھے گرا۔ نیچے فرعون اور اوپر کرسی، سب لوگ حیران پریشان ہو گئے مگر وہاں سے بھاگا کوئی نہیں کہ فرعون کو علم ہو گیا تو ہمارا حشر کر دے گا ہماری شامت آجائے گی۔ بڑا ظالم تھا ذُو الْاَوْتَاد۔ میخوں والا۔ اس کا لقب قرآن میں ہے سورۃ الفجر پارہ ۳۰ میں۔ ہماری سختی آجائے گی کہ عین مصیبت کے وقت تم مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے اپنی جانیں بچائیں اور میری کوئی فکر نہیں کی۔ اس لیے کوئی وہاں سے بھاگا نہیں۔ اتنے واضح معجزے دیکھنے کے بعد فرعون نے کہا ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ”یہ کھلا جادو ہے۔“ مقابلے کے لیے وقت مقرر کرو ہمارے پاس بھی بڑے بڑے جادوگر ہیں۔ عید کا دن چاشت کا وقت مقرر ہوا تفسیروں میں آتا ہے کہ بہتر ہزار جادوگر مقابلے میں شریک ہوئے۔ ہر ایک نے دو دو سانپ نکالے ایک رسی اور ایک لاٹھی۔ جب ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپ میدان میں نکل آئے تو لوگوں نے بعزۃ فرعون، فرعون زندہ باد کے نعرے شروع کر دیئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی لاٹھی مبارک کو ڈالا تو وہ اژدھا بن کر سب کو نگل گئی۔ جادوگر ہار گئے اور حقیقت کو سمجھ کر مسلمان ہو گئے مگر فرعون، ہامان، قارون وغیرہ نے تسلیم نہیں کیا۔ تو وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بڑی ناراضگی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان لوگوں کے ہاں جو مومن ہیں۔ آج ہمارے ایمان کی نسبت پہلے ایمان والوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے مگر جس میں جتنی تھوڑا بہت ایمان ہے۔ جب شریعت کے خلاف بات سنتا ہے تو اسے ضرور کوفت ہوتی ہے دل کڑھتا ہے چاہے کچھ نہ کر سکے۔ ان لوگوں کا ایمان تو پہاڑ جیسا تھا۔ تو فرمایا مومنوں کے ہاں بھی بڑی ناراضگی کی بات ہے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑا

کرنا بغیر کسی سند کے۔

فرمایا ﴿ کَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے ہر متکبر جبر کرنے والے کے دل پر۔ پھر خیر اس میں داخل نہیں ہو سکتی اور جس کے دل پر مہر لگ جائے تو وہ حق کو جانتے ہوئے بھی نہیں مانتا حق کو دیکھتے ہوئے بھی تسلیم نہیں کرتا۔ فرعون نے رجل مومن کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ اپنے وزیر اعظم ہامان کی طرف رخ پھیر لیا ﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ﴾ اور کہا فرعون نے ﴿ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا ﴾ اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنا ﴿ لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴾ تاکہ پہنچوں میں راستوں پر۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۳۸ پارہ ۲۰ میں ہے فرعون نے ہامان کو کہا ﴿ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی ﴾ ''میرے لیے گارے کی اینٹیں بنا کر بھٹے میں پکا کر محل تیار کرو تاکہ میں جھانک کر موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو دیکھوں کہ وہ کس طرح کا ہے۔'' بعض کہتے ہیں کہ یہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مذاق کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں یہ اس کی حماقت تھی کہ اگر واقعی آسمانوں پر رب ہے تو میں وہاں دیکھوں گا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تو قریب ہوں محل بنانے کی کیا ضرورت ہے میں تجھے بحر قلزم کی لہروں میں نظر آؤں گا۔ جب ڈوبنے لگا تو اس کو رب نظر آیا ﴿ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ ''کہا فرعون نے ایمان لایا ہوں میں کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔'' اور یہاں ہے کہ اے ہامان میرے لیے ایک محل بنا تاکہ میں پہنچ جاؤں راستوں پر راستے کون سے ﴿ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ ﴾ آسمان کے راستوں ﴿ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی ﴾ پس میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو۔ یہ فرعون کی حماقت کی بات تھی۔

احادیث میں آتا ہے کہ زمین سے آسمان تک کی مسافت پانچ سو سال کی ہے یعنی جتنا سفر آدمی درمیانی چال چلتے ہوئے پانچ سو سال میں کرتا ہے اتنا سفر ہے زمین سے لے کر آسمان تک۔ اتنی ہی سفر ہے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اور دوسرے سے تیسرے تک تیسرے سے چوتھے تک پانچویں سے چھٹے اور ساتویں تک۔ یعنی ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی مسافت ہے۔ پھر ساتویں آسمان کے اوپر کرسی ہے پھر عرش ہے پھر عرش پر رب تعالیٰ مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور عرش پر مستوی ہوتے ہوئے ہمارے پاس بھی ہے۔ سورہ حدید پارہ ۲۷ میں ہے ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔'' اور ساتھ بھی اتنا کہ فرمایا ﴿ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴾ ''ہم انسان کے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔'' سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہم نے یہ عقیدہ رکھنا ہے۔ تو فرعون نے کہا کہ میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو ﴿ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ﴾ اور بے شک میں خیال کرتا ہوں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ وہ جھوٹا ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَكَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ ﴾ اور اسی طرح مزین کیا گیا فرعون کے لیے ﴿ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ ﴾ اس کا برا عمل۔ شیطان نے مزین کیا، تاج نے مزین کیا، اقتدار نے مزین کیا، فوجوں اور عملے نے مزین کیا تکبر اور گھمنڈ کی وجہ سے ایمان نہ لایا ﴿ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ﴾ اور روک دیا گیا سیدھے راستے سے۔ اقتدار کے نشے میں آ کر حق کو قبول نہ کیا اور ساری

حرکتیں کیں ﴿وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ﴾ اور نہیں تھی تدبیر فرعون کی مگر تباہی میں۔ اپنی فوجوں کو تباہ کیا، قوم کو تباہ کیا، خود تباہ ہوا یہ موسیٰ علیہ السلام کا کچھ بگاڑ سکا نہ ہارون علیہ السلام اور مومنوں کا کچھ بگاڑ سکا۔ صرف اتنا ہوا کہ رب تعالیٰ نے اس کی لاش کو کنارے پر پھینک دیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں۔ یہ تھا اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہنے والا جس کا پیٹ آج مشک کی طرح پانی سے بھرا ہے اور ناک سے بہہ رہا ہے۔ پھر آج تک اس کی لاش مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ جب کبھی اخبارات میں اس کا فوٹو آتا ہے تو آدمی دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔

﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿الَّذِيْٓ﴾ اس شخص نے ﴿اٰمَنَ﴾ جو ایمان لا چکا تھا ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اتَّبِعُوْنِ﴾ تم میری پیروی کرو ﴿اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ میں تمھاری راہنمائی کرتا ہوں سیدھے راستے کی ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ یہ دنیا کی زندگی ﴿مَتَاعٌ﴾ تھوڑا سا فائدہ ہے ﴿وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ﴾ اور بے شک آخرت ہی ﴿هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ وہی ٹھہرنے کی جگہ ہے ﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً﴾ جس شخص نے عمل کیا برا ﴿فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ پس اس کو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر اس جیسا ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور جس نے عمل کیا اچھا ﴿مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ وہ مرد ہو یا عورت ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اس حال میں کہ وہ ایمان دار ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ پس وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں ﴿يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا﴾ ان کو رزق دیا جائے گا اس جنت میں ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ بغیر حساب کے ﴿وَيٰقَوْمِ﴾ اور اے میری قوم! ﴿مَا لِيْٓ﴾ مجھے کیا ہو گیا ہے ﴿اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ﴾ میں تمھیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف ﴿وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ﴾ اور تم مجھے دعوت دیتے ہو آگ کی طرف ﴿تَدْعُوْنَنِيْ﴾ تم مجھے دعوت دیتے ہو ﴿لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ﴾ کہ میں کفر کروں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿وَاُشْرِكَ بِهٖ﴾ اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ جس کا مجھے کچھ علم نہیں ﴿وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ﴾ اور میں تمھیں دعوت دیتا ہوں ﴿اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ﴾ غالب اور بخشنے والی ذات کی طرف ﴿لَا جَرَمَ﴾ ضرور بالضرور ﴿اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ﴾ بے شک وہ چیز جس کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو ﴿لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا﴾ نہیں ہے اس کی دعوت دنیا میں ﴿وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور نہ آخرت میں ﴿وَاَنَّ مَرَدَّنَآ﴾ اور بے شک ہمارا پھر جانا ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے ﴿وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ اور بے شک حد سے بڑھنے والے وہی دوزخی ہیں ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ﴾ پس تاکید تم یاد کرو گے ﴿مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ﴾ جو میں تمھیں کہتا ہوں ﴿وَاُفَوِّضُ

اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ اور میں سپرد کرتا ہوں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ﴾ دیکھ رہا ہے اپنے بندوں کو ﴿فَوَقٰىہُ اللّٰہُ﴾ پس بچایا اس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوۡا﴾ ان بُری تدبیروں سے جو انھوں نے کیں ﴿وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ﴾ اور گھیر لیا فرعونیوں کو ﴿سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ﴾ بُرے عذاب نے۔

اس سے پہلے یہ بات بیان ہوئی ہے کہ جب فرعون نے کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہوں تو مردِ مومن نے فرعون کی بات کو کاٹا اور لوگوں کو نتیجے سے آگاہ کیا کہ اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکل میں آئے گا اور تمھارے سے پہلے جن قوموں نے پیغمبروں کی مخالفت کی ان کا انجام تمہارے سامنے ہے تمھارا بھی انجام ویسا ہی ہوگا۔ فرعون نے رجل مومن کا مقابلہ چھوڑ کر کہ یہ تو اپنی بات کو چھوڑتا نہیں ہے۔ اپنے وزیر اعظم ہامان کی طرف رخ کیا کہ مجھے ایک محل تیار کر کے دے تاکہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے رب کو دیکھوں۔

دنیا کی بے ثباتی :

جب فرعون کی گفتگو ختم ہوئی تو مردِ مومن بول پڑا ﴿وَ قَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ﴾ اور کہا اس شخص نے جو ایمان لا چکا تھا ﴿یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ﴾ اے میری قوم میری پیروی کرو ﴿اَہۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ﴾۔ رشاد کا معنیٰ ہے بھلائی۔ میں تمھاری راہنمائی کرتا ہوں بھلائی کے راستے کی۔ فرعون نے جو تمھیں کہا ہے کہ میں تمھیں سیدھے راستے پر چلاتا ہوں اس نے غلط کہا ہے وہ راستہ صحیح نہیں ہے صحیح راستہ یہ ہے ﴿یٰقَوۡمِ﴾ اے میری قوم ﴿اِنَّمَا ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ﴾ پختہ بات ہے کہ یہ دنیا کی زندگی تھوڑا سا سامان ہے۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اے میری قوم ﴿وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَۃَ ہِیَ دَارُ الۡقَرَارِ﴾ اور بے شک آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے۔ اصل زندگی اور ہمیشہ کی زندگی آخرت کی ہے۔ دنیا کی زندگی پر مسحور نہ ہوں اس پر نہ مرو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اے میری قوم! ﴿مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً﴾ جس نے عمل کیا بُرا ﴿فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا﴾ پس اس کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اس جیسا۔ اور سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۶۰ پارہ ۸ میں ہے ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا﴾ "جو شخص لایا ایک نیکی پس اس کے لیے دس گنا اجر ہے ﴿وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا﴾ اور جو شخص لایا برائی پس نہیں بدلا دیا جائے گا مگر اس جیسا۔" اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان دیکھو گناہ ایک کرے گا تو ایک ہی سمجھا جائے گا نیکی ایک کرے گا تو دس شمار ہوں گی۔ ایک دفعہ سبحان اللہ! کہا دس نیکیاں مل گئیں، ایک دفعہ کسی کو کہا السلام علیکم! تو دس نیکیاں مل گئیں اور اگر کسی کو گالی نکالتا ہے تو ایک گناہ ہوگا۔

پھر نیکی میں تفصیل ہے عام حالات میں نیکی ایک کی دس اور فی سبیل اللہ کی مد میں کرے گا تو ایک کا بدلہ کم از کم سات سو ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۱ میں ہے ﴿وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے یعنی سات سو سے زیادہ کر دے جس کے لیے چاہے۔ پھر فی سبیل اللہ کی بہت ساری مدیں ہیں علم دین حاصل کرنا مثلاً: آپ اپنے گھر سے اس نیت کے ساتھ چلے کہ درس قرآن سننا ہے تو ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ہیں آتے ہوئے بھی اور

جاتے ہوئے بھی۔ اسی طرح دین کی تبلیغ کے لیے چلے ہیں تو ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی۔ جہاد کے لیے جا رہے ہیں ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی۔ حج کا سفر بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔

تو فرمایا جس نے عمل کیا بُرا تو اس کو اس جیسا بدلہ دیا جائے گا ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور جس نے عمل کیا اچھا ﴿مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ وہ مرد ہو یا عورت ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اس حال میں کہ وہ مومن ہو کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل عمل نہیں ہے۔

قبولیتِ عمل کی شرائط

عمل کے قبول ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں:

① ...... ایمان ② ...... اخلاص ③ ...... اور اتباع سنت

ان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ پس یہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں ﴿يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ رزق دیا جائے گا ان کو جنت میں بغیر حساب کے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک ایک جنتی سو سو آدمیوں کے برابر کھائے گا اور بڑی عجیب بات ہے لَا يَبُوْلُوْنَ وَ لَا يَتَغَوَّطُوْنَ "نہ پیشاب کریں گے اور نہ پاخانہ۔" بخاری شریف کی روایت ہے۔ سوال کیا گیا حضرت! وہ کھانا کہاں جائے گا؟ فرمایا ڈکار کے ساتھ کھانا ہضم ہو جائے گا۔

مردِ مومن نے کہا ﴿وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ﴾ اور اے میری قوم مجھے کیا ہو گیا ہے ﴿اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ﴾ میں تمھیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف ﴿وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ﴾ اور تم مجھے دعوت دیتے ہو آگ کی طرف۔ وہ اس طرح کہ ﴿تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ﴾ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں کفر کروں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کہ اس کے احکام کو نہ مانوں۔ خدا، پیغمبر اور معجزات کو نہ مانوں ﴿وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور میں شریک ٹھہراؤں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس چیز کو جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اے میری قوم! ذرا سوچو غور کرو میں تمھیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم آگ کی طرف دعوت دیتے ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتا ہوں اور تم شرک کی دعوت دیتے ہو ﴿وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ﴾ اور میں تمھیں دعوت دیتا ہوں اس ذات کی طرف جو غالب ہے بخشنے والا ہے۔ ضابطے کے مطابق لَا جَرَمَ کا معنیٰ ہے ضرور بالضرور، لامحالہ ﴿اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ﴾ بے شک وہ چیز جس کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو ﴿لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ﴾ نہیں ہے اس کی دعوت دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ نہ دنیا میں دعوت قبول کر سکتا ہے نہ آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جو دعاؤں کو قبول کرے ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ [النمل: ۶۲] "بھلا کون ہے جو مجبور اور بے کس کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور دُور کرتا ہے تکلیف کو۔" اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی دوسری ذات نہیں ہے جو دعا قبول کرے اور کسی کا کام بنا سکے۔ دنیا اور آخرت میں اگر یہ اختیارات حاصل ہوتے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو حاصل ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے بلند مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ ہر مسلمان کا بنیادی اور ٹھوس عقیدہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زبان مبارک سے اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ "آپ ان کو کہہ دیں ﴿اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن: ۲۱] میں نہیں ہوں مالک تمھارے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا۔" اور یہ بھی اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ "آپ کہہ دیں ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [الاعراف: ۱۸۸] میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو اور کسی کی کیا حیثیت ہے؟ کیا کوئی ولی، پیر، شہید آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ سکتا ہے؟ حاشا وکلا۔

تو فرمایا کہ تم ان کو پکارتے ہو جن کے لیے پکار نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں ﴿وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور بے شک ہمارا پھر جانا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ مَرَدٌّ ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے جس کا معنیٰ ہے لوٹنے کی جگہ اور مصدر میمی بھی بن سکتا ہے پھر معنیٰ ہوگا لوٹنا۔ ہمارے لوٹنے کی جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، ہمارا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور اے میری قوم سن لو! ﴿وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ اور بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھلانگنے والے ہی دوزخی ہیں۔ اے میری قوم! جو باتیں میں کہہ رہا ہوں ان کو ٹھنڈے دل کے ساتھ سنو اور سمجھو ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ﴾ پس تاکید تم یاد کرو گے جو میں تمھیں کہتا ہوں۔ یہ سب تمھارے سامنے آئیں گی بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے دوزخ بھی سامنے ﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں ﴿اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے بندوں کو۔

مردِ مومن کی حفاظت

یہاں پر تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ رجل مومن نے حق بیان کر دیا دربار کا وقت ختم ہو گیا۔ وزیر مشیر اور عملہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن مرد مومن کی تقریر سے فرعون کی نیند حرام ہو گئی۔ ایک تو اس لیے کہ چچازاد بھائی ہے دوسرا یہ کہ کسی بڑے عہدے پر فائز تھا۔ وزیر داخلہ تھا یا کوئی اور عہدہ۔ اور اس کی باتوں کا فرعون کے پاس جواب بھی کوئی نہیں تھا۔ مرد مومن نے وہاں سے اٹھ کر جنگل کا رخ کیا۔ اس کو علم تھا کہ اب اس خبیث نے کیا کرنا ہے۔ فرعون نے ہنگامی اجلاس طلب کر لیا اور حزقیل کے متعلق رائے لی کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ کہنے لگا میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کر دینا چاہیے اگرچہ وہ میرے چچا کا لڑکا ہے مگر اب وہ ملک وقوم کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے۔ سب نے فرعون کی ہاں میں ہاں ملائی کہ مزاج کو جانتے تھے کہ فرعون جو بات کرتا ہے اس کو کر کے چھوڑتا ہے۔ چنانچہ فرعون نے ایک ایک ہزار فوجی جوان روانہ کیا کہ اس کو تلاش کرو اور جہاں ملے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ تفسیر صاوی وغیرہ میں آتا ہے کہ مرد مومن نے جنگل میں ڈیرہ لگایا۔ جب یہ فوجی وہاں پہنچے تو وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ بنی اسرائیل کے لیے دو نمازیں تھیں ہمارے لیے پانچ ہیں اور اس کے اردگرد شیر چیتے اور بھیڑیے پہرہ دے رہے تھے۔ جس وقت یہ فوج قریب گئی تو شیر، چیتوں اور بھیڑیوں نے ان کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا اور جو بھاگ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے جب فرعون کے پاس پہنچے تو اس نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دو انھوں نے میرا حکم کیوں نہیں مانا خالی واپس کیوں

آ گئے ہیں۔ وہ مرد مومن اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں تھا یہ کیسے گرفتار کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا﴾ پس بچا لیا اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو ان کی بُری تدبیروں سے جو انھوں نے کیں کہ اس کو گرفتار کر کے قتل کر دو ﴿وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ اور گھیر لیا فرعونیوں کو بُرے عذاب نے۔ بحرِ قلزم میں ان کو اللہ تعالیٰ نے غرق کیا۔ فرعون، ہامان اور ان کی فوجوں کو۔ باقی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز!

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا﴾ آگ ہے ان کو پیش کیا جائے گا اس پر ﴿غُدُوًّا﴾ پہلے پہر ﴿وَّ عَشِيًّا﴾ اور پچھلے پہر ﴿وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی (اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے) ﴿اَدْخِلُوْٓا﴾ داخل کرو ﴿اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعونیوں کو ﴿اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ سخت عذاب میں ﴿وَ اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ﴾ اور جس وقت آپس میں جھگڑا کریں گے ﴿فِي النَّارِ﴾ دوزخ میں ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس کہیں گے ﴿الضُّعَفٰٓؤُا﴾ کمزور ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ جنھوں نے تکبر کیا ﴿اِنَّا كُنَّا﴾ بے شک ہم ﴿لَكُمْ تَبَعًا﴾ تمھارے تابع تھے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ﴾ پس کیا تم کفایت کر سکتے ہو ﴿عَنَّا﴾ ہماری طرف سے ﴿نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ﴾ آگ کے ایک حصے کی ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾ کہیں گے وہ لوگ ﴿اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ جنھوں نے تکبر کیا ﴿اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ﴾ بے شک ہم سب اس میں پڑے ہوئے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ﴾ فیصلہ کیا ہے بندوں کے درمیان ﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ ﴿فِي النَّارِ﴾ جو دوزخ میں ہوں گے ﴿لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ﴾ دوزخ کے داروغوں کو ﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ﴾ پکارو اپنے رب کو ﴿يُخَفِّفْ عَنَّا﴾ کہ تخفیف کر دے ہم سے ﴿يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ ایک دن عذاب سے ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ کہیں گے ﴿اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ﴾ کیا نہیں آئے تھے تمھارے پاس ﴿رُسُلُكُمْ﴾ تمھارے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں آئے تھے ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿فَادْعُوْا﴾ پس تم خود ہی دعا کرو ﴿وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور نہیں ہے دعا کافروں کی مگر خسارے میں ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ بے شک ہم البتہ ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ اور جس دن کھڑے ہوں گے گواہ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ جس دن نفع نہیں دے گا ظالموں کو ﴿مَعْذِرَتُهُمْ﴾ ان کا معذرت کرنا ﴿وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ اور ان کے لیے لعنت ہوگی ﴿وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ اور ان کے لیے بُرا گھر ہوگا۔

اس سے پہلے مرد مومن جوفرعون کا چچا زاد بھائی تھا اس کا اور فرعون کے مکالمے کا ذکر تھا۔ آخر میں مرد مومن نے کہا کہ میری باتیں تم یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کو فرعونیوں کے شر سے بچالیا اور فرعونیوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔ وہ عذاب کیا تھا؟

فرعونیوں کا انجام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا﴾ آگ ہے جس پر وہ پیش کیے جاتے ہیں ﴿غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر یعنی صبح شام آگ میں ہیں صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک عذاب میں ہیں بظاہر تو فرعون اور اس کا وزیر اعظم ہامان اور اس کا سارا لشکر بحر قلزم میں غرق ہوا لیکن حقیقت میں سیدھے دوزخ میں گئے اس سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے کیوں کہ آخرت کے عذاب کا ذکر آگے آرہا ہے ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے ﴿اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ داخل کرو فرعونیوں کو سخت عذاب میں تو قیامت کا عذاب علیحدہ ہے اور مرنے کے بعد جو عذاب ہے اسی کو قبر برزخ کا عذاب کہتے ہیں۔ مرنے والا جہاں بھی ہو چاہے اس کو مچھلیاں کھا گئی ہوں، درندے کھا گئے ہوں، دفن کر دیا گیا ہو، آگ میں جلا دیا گیا ہو اگر وہ سزا یافتہ ہے تو اس کو عذاب ضرور ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دفن کر دینے کے بعد اگر وہ کافر ہے تو پہلے اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ میرے لیے جنت کی کھڑکی کھولی گئی ہے حالانکہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر مومن ہوتے تو یہ ٹھکانا تھا۔ پھر فوراً حکم ہوتا ہے کہ اب دوزخ کی کھڑکی کھول دو اور کہا جاتا ہے کہ اب تمہارا یہ ٹھکانا ہے۔ اگر مومن ہوتا ہے تو اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھولی جاتی ہے تا کہ اس کو علم ہو جائے کہ اگر ایمان نہ ہوتا تو یہ ٹھکانا تھا۔ پھر فوراً جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے کہ اب تمہارا یہ ٹھکانا ہے۔ تو مرنے کے بعد عذاب ثواب شروع ہو جاتا ہے اور قیامت تک رہتا ہے۔

تابع و متبوع کا جھگڑا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ﴾ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب آپس میں جھگڑا کریں گے دوزخ میں ﴿فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا﴾ پس کہیں گے کمزور ﴿لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا﴾ ان کو جنھوں نے تکبر کیا۔ یوں سمجھو کہ چھوٹے بڑوں کو کہیں گے، شاگرد استادوں کو کہیں گے، مرید پیروں کو کہیں گے، کارکن لیڈروں کو کہیں گے، رعایا اپنے سرداروں کو کہے گی ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ تَبَعًا تَابِعٌ کی جمع ہے۔ بے شک ہم تمہارے تابع تھے تو تمہارے پیچھے لگ کر ہم نے یہ کارروائیاں کیں ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ﴾ پس کیا تم کفایت کر سکتے ہو ہماری طرف سے آگ کے ایک حصے کی۔ دنیا میں تم نے ہمیں اپنے ساتھ ملایا تھا آج ہماری کچھ مدد کرو کہ ہم دوزخ میں نہ جائیں ﴿قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا﴾ کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے تکبر کیا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے اقتدار والے ﴿اِنَّا كُلٌّ فِیْهَاۤ﴾ بے شک ہم سب اس میں پڑے ہوئے ہیں

تمھیں کیسے رہا کرائیں۔

اور سورہ سبا آیت نمبر ۳۲ پارہ ۲۲ میں ہے کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے تکبر کیا ان لوگوں سے جو کمزور ہیں ﴿اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰكُمۡ عَنِ الۡهُدٰى﴾ "کیا ہم نے تمھیں روکا تھا ہدایت سے ﴿بَعۡدَ اِذۡ جَآءَكُمۡ﴾ بعد اس کے کہ جب آگئی تمھارے پاس ﴿بَلۡ كُنۡتُمۡ مُّجۡرِمِيۡنَ﴾ بلکہ تم خود مجرم تھے۔" اور کہیں گے کمزور لوگ ان کو جنھوں نے تکبر کیا ﴿بَلۡ مَكۡرُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ﴾ "بلکہ رات دن کے فریب میں تم ہمیں گمراہ کرتے تھے ﴿اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّكۡفُرَ بِاللّٰهِ﴾ جب تم حکم دیتے تھے ہمیں کہ ہم کفر کریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿وَنَجۡعَلَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا﴾ اور بنائیں ہم اس کے لیے شریک۔" یہ باتیں تم بھول گئے۔ دن رات جلسے کر کے اجتماع کر کے یہی سبق تو ہمیں دیتے تھے آج کہتے ہو کہ ہم نے تمھیں گمراہ نہیں کیا۔ آج تم کیسے بری الذمہ ہو گئے۔ تو یہ جھگڑا آپس میں کریں گے دوزخ کے اندر۔

تو وڈیرے کہیں گے بے شک ہم سب دوزخ میں پڑے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَكَمَ بَيۡنَ الۡعِبَادِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے اپنے بندوں کے درمیان۔ لہٰذا اب تم بھی بھگتو اور ہم بھی بھگت رہے ہیں۔ جب ایک دوسرے کی امداد نہیں کر سکیں گے اور بے بس ہوں گے تو ﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ فِى النَّارِ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جو دوزخ میں ہوں گے ﴿لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ﴾ خَزَنَة خازن کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے نگران پہرے دار، جہنم کے پہرے دار فرشتے۔ سورہ مدثر پارہ ۲۹ میں ہے ﴿عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ﴾ "مقرر ہیں اس پر انیس فرشتے۔" یہ بڑے بڑے عہدوں والے ان کے نیچے ہزاروں کی تعداد میں فرشتے ہوں گے ان انیس فرشتوں کے انچارج کا نام ہے مالک علیہ السلام۔ تو یہ سب دوزخی مل جل کر جہنم کے دروغوں سے کہیں گے ﴿ادۡعُوۡا رَبَّكُمۡ﴾ پکارو اپنے رب کو۔ اپنے رب سے دعا کرو ﴿يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ﴾ وہ تخفیف کر دے ہم سے ایک دن کے عذاب کی تاکہ ہم سانس لے سکیں۔ اس سے پہلے خود بھی دعا کریں گے اور رب تعالیٰ کو کہیں گے اے رب ہمارے ہمیں نکال دے یہاں سے۔ پھر اگر ہم لوٹ کر ایسی بات کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ ہزار سال تک دعا کرتے رہیں گے۔ ہزار سال کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ﴾ [المومنون: ۱۰۸] "ذلیل ہو کر یہاں دوزخ میں ہی پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔" میرے سے کچھ نہ مانگو۔ جب خود مانگنے میں ناکام ہو جائیں گے تو پھر جہنم کے دروغوں کو کہیں گے کہ اپنے رب سے کہو کہ ایک دن کے عذاب کی ہم سے تخفیف ہو جائے جیسے محنت مزدوری کرنے والے لوگ چھٹی والے دن قدرے خوش ہوتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ سکھ ہوا نیند کی کمی پوری کر لیں سودا سلف خرید لیں گے تھکاوٹ دور کر لیں گے لیکن ان کو تخفیف حاصل نہیں ہوگی۔ سورۃ نبا میں ہے ﴿فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِيۡدَكُمۡ اِلَّا عَذَابًا﴾ "اب تم اس عذاب کا مزہ چکھو پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے مگر عذاب۔" مثلاً: کل جتنا عذاب تھا آج اس سے زیادہ ہوگا اس سے اگلے دن اور تیز ہوگا۔ جنت والوں کے لیے خوشیوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور دوزخیوں کے لیے عذاب میں۔

تو جب فرشتوں سے تخفیف عذاب کا کہیں گے ﴿قَالُوْٓا﴾ فرشتے کہیں گے ﴿اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ﴾ کیا نہیں آئے تھے تمھارے پاس تمہارے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر۔ پیغمبر کے نائب تمھارے پاس نہیں پہنچے ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ دوزخی کہیں گے کیوں نہیں آئے تھے پیغمبر بھی آئے تھے اور ان کے نائبین بھی آئے تھے انھوں نے ہمیں حق سنایا اور بتلایا اور سمجھایا تھا لیکن ﴿غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴾ [المومنون:۱۰۶] "ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔" ﴿قَالُوْا﴾ فرشتے کہیں گے ﴿فَادْعُوْا﴾ پس تم خود دعا کرو۔ ہم نے تمھارے لیے دعا کر کے رب کو ناراض نہیں کرنا خود اپنی درخواست پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور نہیں ہے دعا کافروں کی مگر خسارے میں۔ ان کو دعا کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ جب ہر طرف سے ناکام ہو جائیں گے تو پھر ابلیس کے پاس جائیں گے اور کہیں گے دنیا میں تو ہمیں بڑے سبز باغ دکھاتا تھا اب ہمارے لیے کچھ کر تو نے ہمارے سے شرک کرایا، غلط کاریاں کرائیں۔ شیطان جواب دے گا ﴿مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ "میرا تمھارے اوپر کوئی زور نہیں تھا ﴿اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ﴾ مگر میں نے تمھیں دعوت دی تم نے میری بات قبول کر لی ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ پس مجھے ملامت نہ کرو ملامت کرو اپنی جانوں کو ﴿مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ﴾ [ابراہیم:۲۲] نہ میں تمھیں چھڑا سکتا ہوں اور نہ تم مجھے چھڑا سکتے ہو۔" تو کہیں سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کاش! کہ آج دنیا میں سمجھ جائیں۔ اس سے پہلے بیان ہوا ہے کہ فرعون اور اس کے حواریوں نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہارون علیہ السلام کے خلاف، مرد مومن کے خلاف بڑے منصوبے بنائے، اللہ تعالیٰ نے سارے ناکام کیے۔

نصرتِ خداوندی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ بے شک البتہ ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں۔ وہ مدد چاہے پہلے مرحلے میں ہو جائے یا آخری مرحلے میں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی نصرت ضرور فرماتے ہیں۔ مثلاً: احد کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد فرمائی۔ بعد میں اپنی غلطی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد پھر دشمن ہی بھاگا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا تعاقب کیا اور وہ پیغمبر جن کو جہاد کا حکم تھا ان کی مدد اور دشمن کی ناکامی تو عیاں ہے اور جن پر جہاد فرض نہیں تھا ان کو اگرچہ تکالیف پہنچی حتی کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید بھی کر دیا گیا۔ جیسے: زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام۔ تو ان کی نصرت اس معنیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مخالفین سے ضرور انتقام لیا ہے نیست و نابود کیا ہے اور پیغمبروں کے مشن کو دنیا میں جاری رکھا۔ یہی ان کی نصرت اور پھر کامیابی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ حق پرستوں کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرتا خواہ درمیان میں کتنے ہی اتار چڑھاؤ کیوں نہ آئیں مگر مشن انہی کا کامیاب ہوتا ہے اور آخرت میں تو ان کی کامیابی یقینی ہے۔

فرمایا ﴿وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ اشھاد - شاھد کی جمع ہے۔ جب قیامت والے دن گواہ کھڑے ہوں گے اس وقت بھی مدد کریں گے۔ وہ گواہ خود پیغمبر بھی ہوں اور مومن بھی ہوں گے، ہاتھ پاؤں بھی گواہی دیں گے جیسا کہ سورہ یٰسین میں موجود ہے اور دوسرے اعضاء بھی گواہی دیں گے جیسا کہ سورہ حم سجدہ میں اور لوگ کہیں گے اپنی کھالوں سے ﴿لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ "تم کیوں گواہی دیتے ہو ہمارے خلاف ﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ وہ کہیں گے کہ ہمیں بلوایا ہے اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔" ہمارا کیا اختیار ہے۔

توجس دن گواہ کھڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس دن بھی پیغمبروں کو اور مومنوں کو کامیابی نصیب فرمائے گا ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ﴾ جس دن فائدہ نہیں دے گا ظالموں کو ان کا معذرت کرنا۔ مختلف بہانے کریں گے۔ کبھی کہیں گے ﴿اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ [الاحزاب: ۶۷] "بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور بڑوں کی تو انھوں نے ہمیں گمراہ کیا۔" کبھی کہیں گے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [الملک: ۱۰] "کاش کہ ہم سنتے اور سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔" کبھی کہیں گے ہم نے تو شرک کیا ہی نہیں ویسے ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے ﴿وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ [سورۃ القیامۃ] "اگر چہ وہ اپنے کتنے ہی حیلے بہانے کریں لیکن ان کا کوئی بہانہ ان کو فائدہ نہیں دے گا۔" ﴿وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ اور ان کے لیے لعنت ہوگی ﴿وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ اور ان کے لیے بُرا گھر ہوگا۔ دوزخ سے بُرا گھر کون سا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد، عورت کو اس سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین]

﴿وَلَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿اٰتَيْنَا مُوْسَى﴾ دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿الْهُدٰى﴾ ہدایت ﴿وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا ﴿هُدًى﴾ جو ہدایت تھی ﴿وَذِكْرٰى﴾ اور نصیحت تھی ﴿لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ عقل مندوں کے لیے ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے ﴿وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ اور معافی مانگیں اپنی لغزش کے لیے ﴿وَسَبِّحْ﴾ اور تسبیح بیان کریں ﴿بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کی حمد کے ساتھ ﴿بِالْعَشِيِّ﴾ پچھلے پہر ﴿وَالْاِبْكَارِ﴾ اور پہلے پہر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يُجَادِلُوْنَ﴾ جھگڑا کرتے ہیں ﴿فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں ﴿بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ﴾ بغیر کسی دلیل کے ﴿اَتٰىهُمْ﴾ جو ان کے پاس آئی ہو ﴿اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ﴾ نہیں ہے ان کے سینوں میں ﴿اِلَّا كِبْرٌ﴾ مگر تکبر ﴿مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ﴾ نہیں ہیں وہ اس تک پہنچنے والے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ پس آپ اللہ تعالیٰ سے پناہ لیں ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہی ﴿هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ وہی سننے والا دیکھنے والا ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ﴾ البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ﴿اَكْبَرُ﴾ بہت بڑا ہے ﴿مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ لوگوں کے پیدا کرنے سے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ﴾ لیکن اکثر لوگ ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے ﴿وَ مَا يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ﴾ اور نہیں ہے برابر اندھا اور دیکھنے والا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿وَ لَا الْمُسِیْٓءُ﴾ اور نہ بُرے کام کرنے والا ﴿قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ بے شک قیامت البتہ آنے والی ہے ﴿لَّا رَيْبَ فِيْهَا﴾ کوئی شک نہیں ہے اس میں ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ﴾ اور فرمایا تمھارے رب نے ﴿ادْعُوْنِیْٓ﴾ پکارو مجھے ﴿اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ میں قبول کرتا تمھاری دعاؤں کو ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ جو تکبر کرتے ہیں ﴿عَنْ عِبَادَتِیْ﴾ میری عبادت سے ﴿سَيَدْخُلُوْنَ﴾ عنقریب داخل ہوں گے ﴿جَهَنَّمَ﴾ جہنم میں ﴿دٰخِرِيْنَ﴾ ذلیل ہو کر۔

فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل اب آزاد قوم تھی۔ ان کو قانون اور دستور کی ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو تورات عطا فرمائی۔ آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد تورات بڑی بلند مرتبے والی کتاب تھی۔ لیکن اس وقت قطعیت کے ساتھ نہیں بتلایا جا سکتا کہ تورات اپنی اصلی شکل میں کسی جگہ موجود ہے کیوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اس میں بڑی گڑبڑ کی ہے، تحریف کی ہے۔ آسمانی کتابوں میں صرف قرآن پاک کو یہ شرف حاصل ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود اپنی اصل شکل میں موجود ہے زیر زبر کا بھی فرق اس میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس اُمت نے یہ ڈیوٹی ادا کی ہے۔

علمی میراث

تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت والی کتاب تورات ﴿وَ اَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ﴾ اور وارث بنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور علم کی بھی وراثت ہوتی ہے وراثت صرف مال کی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر: لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا ''درہم دینار کے وارث نہیں بناتے۔'' انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت سونے چاندی کے سکے نہیں ہوتی اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ ''وہ علم کا وارث بناتے ہیں فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ ''جس نے صحیح علم حاصل کیا اس نے پیغمبروں کی وراثت کا وافر حصہ لیا۔'' تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تورات کا وارث بنایا ﴿هُدًى﴾ ہدایت تھی ﴿وَّ ذِكْرٰى﴾ اور نصیحت والی کتاب تھی ﴿لِاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ عقلمندوں کے لیے۔ کیوں کہ آسمانی کتاب انھی لوگوں کے لیے ہدایت بنتی ہے جن کی عقل صحیح ہو۔ اور اُوٹ پٹانگ عقل والے کبھی آسمانی

کتاب بے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرعون کا قصہ تم نے سن لیا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو کیا کیا تکلیفیں پہنچائیں لہٰذا ﴿فَاصْبِرْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان کافروں کی اذیت پر صبر کریں ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ قیامت کا حق ہے۔ساری حقیقت قیامت والے دن کھل جائے گی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا﴿وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ اور بخشش طلب کر اپنی لغزش کے لیے۔

اجتہادی غلطی پر تنبیہ مع شان نزول

پیغمبر کی لغزش کو ذنب، گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔کیونکہ بڑوں کی چھوٹی بات بھی بڑی ہوتی ہے کیونکہ پیغمبر کا مقام بہت بلند ہے۔اس لیے کہا گیا ہے:

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

جس کا جتنا مقام بلند ہوتا ہے اس پر پابندیاں زیادہ ہوتی ہیں۔تو یہاں لغزش کو ذنب کہا گیا ہے۔باقی پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔اہل حق کا یہ مذہب ہے عقیدہ اور نظریہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام صغیرہ کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔البتہ اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے،لغزش ہوسکتی ہے اس لغزش کو بھی بڑا سمجھا جاتا ہے۔مرتبے کے بلند ہونے کی وجہ سے۔مثلاً: ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مشرکوں کا ایک بڑا وفد آیا اور کہا کہ ہم آپ کی گفتگو سننا چاہتے ہیں اس شرط پر کہ آپ کے پاس یہ جو غریب اور غلام قسم کے لوگ بیٹھے ہیں ان کو مجلس سے اُٹھادیں کیوں کہ سردار اور رئیس لوگ ہیں ہمارا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ ان کمزوروں کے ساتھ بیٹھ کر آپ کی گفتگو سنیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل مبارک میں خیال آیا کہ میں ان لوگوں کو تلاش کرتا پھرتا ہوں آج یہ خود آگئے ہیں چلو تھوڑے وقت کے لیے میں اپنے صحابہ کو مجلس سے اٹھا کر ان کو حق سنادوں تاکہ ان کو بات سمجھ آجائے۔بڑی اچھی نیت تھی اور اس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق بھی تھا۔فقہی طور پر استاد کو حق ہے کہ شاگرد کو مجلس سے اٹھادے، پیر کو حق ہے کہ مرید کو مجلس سے نکال دے، باپ کو حق ہے کہ بیٹے کو اپنی مجلس سے اٹھادے، ہر بڑے کو حق ہے کہ ماتحت کو کسی مصلحت کے لیے مجلس سے اٹھادے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق تو بہت زیادہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حقارت کی وجہ سے مجلس سے نہیں اٹھانا تھا بلکہ سرداروں کو حق سنانے کے لیے اٹھانا تھا۔

اب کافر اس بات کے منتظر تھے کہ یہ ابھی اپنے ساتھیوں کو اُٹھائیں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتظر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں حکم دیں تو ہم اُٹھ کھڑے ہوں۔اتنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ [الانعام:۵۲] ''اور آپ نہ نکالیں ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور وہ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا۔'' آخر میں فرمایا﴿فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''پس اگر آپ نے ان کو مجلس سے نکالا تو

آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا۔'' تو یہ ظالموں میں شمار ہونے کا لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی وجہ سے استعمال ہوا ہے چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بہت بلند تھا اس لیے اس قسم کی لغزش پر معافی مانگنے کا حکم ہوا ہے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ اور پورا اِسْتِغْفَار اس طرح ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ اور مختصر جملہ ہے استغفر اللہ۔ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اور تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ ﴿بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ پچھے پہر اور پہلے پہر۔ سورج کے ڈھلنے کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک یہ سارا وقت عشی کہلاتا ہے اور صبح صادق کے بعد جب روشنی شروع ہو جاتی ہے اس وقت سے لے کر زوال تک یہ ابکار اور بکرہ کہلاتا ہے۔ تسبیح ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ مسلم شریف میں روایت ہے: اَفْضَلُ الْكَلَامِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ اس کو افضل الکلام کہا گیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی سلبی صفات بھی آجاتی ہیں اور ایجابی صفات بھی آجاتی ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کشادہ فرما دیتے ہیں۔

اہل حق کو مٹانے کے منصوبے:

فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں۔ کوئی توحید کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے کوئی رسالت اور قیامت کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے ﴿بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ﴾ بغیر کسی سند اور دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ﴿اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ﴾۔ ان نفی کا ہے۔ نہیں ہے ان کے سینے میں مگر تکبر۔ تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ﴾ نہیں ہیں وہ تکبر کی حد تک پہنچ سکتے۔ یہ اپنے آپ کو جتنا بڑا سمجھیں خدا کے ہاں ذلیل ہو کر رہیں گے اور اسلام کو مٹانے اور اہل حق کو مٹانے کے جتنے بھی منصوبے بنائیں ان کے منصوبے کامیاب نہیں ہوں گے۔

اس وقت مغربی قوتیں مسلمانوں کے جہاد سے بڑی خوف زدہ ہیں باوجود اس کے کہ مادی قوت ان کے پاس زیادہ ہے، اسلحہ ان کے پاس زیادہ ہے مگر کلمہ حق کی وجہ سے ان کو پسو پڑے ہوئے ہیں کہ مسلمان مختلف جگہوں میں جہاد کے نام پر گھس جاتے ہیں اور اسلام کے لیے لڑتے ہیں۔ ان کو بنیاد پرست کہتے ہیں۔ الحمد للہ! ہم بنیاد پرست ہیں اور بنیاد پرستی پر ہمیں فخر ہے ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بنیاد پرستی نہیں چھوڑنی۔ کہو ٹھیک ہے ہم بنیاد پرست ہیں۔ عموماً بنیاد پرست عقیدے کے پکے ہوتے ہیں۔ ہماری بنیاد بہت مضبوط ہے، عقائد بڑے اٹل ہیں۔ یہ تو فخر کی بات ہے باطل قوتیں خصوصاً امریکہ پاکستان میں مدارس بند کرانے کے درپے ہیں کہ یہی بنیاد پرستی کی پنیری ہیں اور اس پر لباس چڑھایا فرقہ واریت کا (اور اب دہشت گردی کا الزام لگا رہے ہیں یہ سب بہانے ہیں مدارس کو بند کرنے کے) اور مختلف منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ لیکن یاد

رکھنا! ان کی شرارتوں اور خباثتوں سے اسلام نہیں مٹ سکتا یہ خود مٹ جائیں گے ان کی حکومتیں اور اقتدار ختم ہو جائیں گے اسلام اپنی جگہ پر قائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [سورۃ صف:۸] ''اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں۔'' کافر مشرک اس کو ناپسند بھی کریں اللہ تعالیٰ اپنے دین کو برقرار رکھے گا اور چمکائے گا۔

تو فرمایا ان کے دلوں میں تکبر ہے جس کو یہ پہنچ نہیں سکتے ﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ﴾ پس اے مخاطب اللہ تعالیٰ سے پناہ لے۔ اللہ تعالیٰ پناہ دینے والا ہے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ''میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود کے شر سے۔'' ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ بے شک وہی اللہ تعالیٰ ہی ہے سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

منکرین قیامت کو سمجھانا

آگے اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کو سمجھایا ہے جو کہتے ہیں ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴾ [ق:۳] ''کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا ﴿ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ بہت بڑا ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے۔ آسمانوں اور زمین کے وجود کی نسبت انسان کے وجود کی کیا حیثیت ہے۔ یہ تو تمھارے علم میں ہے کہ سات آسمانوں اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اس ذات کے لیے اس چھوٹے سے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

اخبارات میں آتا ہے کہ جب سورج گرھن ہوتا ہے تو سائنس دان اس علاقے جاتے ہیں جائزہ لینے کے لیے کہ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ان بے چاروں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قوت کا چھوٹا سا کرشمہ ہے۔ تو فرمایا آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا بہت بڑا ہے انسانوں کے پیدا کرنے سے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے نہیں سمجھتے کہ جو رب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہ انسان کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴾ اور نہیں ہے برابر اندھا اور دیکھنے والا۔ جس طرح اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہیں اسی طرح موحد اور مشرک بھی برابر نہیں ہیں مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہیں، سنت پر چلنے والا اور بدعتی بھی برابر نہیں ہیں، سچا اور جھوٹا برابر نہیں ہیں ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے اچھے وہ ﴿ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ﴾ اور نہ بدکار برابر ہیں۔ ایک آدمی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والا ہے اور دوسری طرف وہ ہے جو برائیوں میں ڈوبا ہوا ہے یہ دونوں برابر نہیں ہیں، رات اور دن برابر نہیں ہیں ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

سمجھنے کے لیے تو اتنی بات ہی کافی ہے کہ جو رب آسمانوں اور زمین کو پیدا کر سکتا ہے وہ تمھیں بھی دوبارہ پیدا کر سکتا ہے مگر تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ ﴿ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ ﴾ بے شک البتہ قیامت آنے والی ہے ﴿ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ﴾ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیوں قائم کرے گا؟ تاکہ حق اور باطل کا فرق ہو جائے، مومن اور کافر کا

فرق ہو جائے، نیک اور بد کا فرق ہو جائے۔ دنیا کی عدالتوں میں تو بسا اوقات جھوٹے بھی سچے ہو جاتے ہیں اور دنیا میں کتنے اللہ تعالیٰ کے مومن اور نیک بندے ہیں کہ ان کو سیر ہو کر کھانا نہیں ملا، سکھ نصیب نہیں ہوا اور کتنے غنڈے اور بدمعاش ایسے ہیں کہ انھوں نے ساری زندگی بدمعاشی میں گزاری مگر ان کو پوری سزا نہیں ملی۔ اگر انصاف نہ قائم کیا جائے نیکوں کو نیکی کا صدنہ ملے اور بروں کو برائی کا بدلہ نہ ملے تو پھر تو اللہ تعالیٰ کی حکومت اندھیر نگری ہوئی۔ حالانکہ وہ تو ﴿ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴾ ہے۔ [سورۃ التین: پارہ ۳۰]

لہٰذا بغیر کسی شک شبہ کے قیامت قائم ہوگی اور ہر ایک کے ساتھ انصاف ہوگا ﴿ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ آج بھی اکثریت توحید و رسالت اور قیامت کی منکر ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہمیشہ تھوڑے ہوئے ہیں لہٰذا قلت کی وجہ سے بدگمانی نہ کرو اور سمجھو کہ حق والے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں ﴿ وَقَالَ رَبُّکُمُ ﴾ اور فرمایا تمھارے رب نے ﴿ اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ﴾ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو دعا کو قبول کرتا ہوں۔ میں ہی تمہارا حاجت روا اور مشکل کشا ہوں، فریاد رس اور دست گیر ہوں میرے سوا کسی کو نہ پکارو۔ مگر یہاں تو ظالم لوگ زور لگا لگا کر کہتے ہیں: ؎

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امداد کا کیا معنٰی؟ غیر اللہ کو نافع اور ضار سمجھنا شرک کا بہت بڑا استون ہے۔ یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کچھ نہیں ہے کوئی ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔

فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ ﴾ بے شک وہ لوگ جو تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے۔ تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ عِبَادَتِیۡ کا معنٰی ہے دُعَآءِیۡ تکبر کرتے ہیں، مجھ سے نہیں مانگتے، مجھے نہیں پکارتے۔ نسائی شریف میں حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنۡ لَّمۡ یَسۡئَلِ اللّٰہَ یَغۡضَبۡ عَلَیۡہِ ''جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتے ہیں۔'' اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ہمارے بچے بچیاں ہمارے بجائے محلے میں جا کر کسی سے مانگیں کہ مجھے یہ چیز دو مجھے وہ چیز دو، تو کوئی غیرت مند یہ چیز گوارا کرتا ہے؟ بلکہ وہ پٹائی کرے گا کہ میرے ہوتے ہوئے تم غیروں سے کیوں مانگتے ہو؟ ہم تم تو برداشت نہیں کرتے تو رب تعالیٰ کب برداشت کرتے ہیں کہ میرا بندہ میرے علاوہ کسی اور سے مانگے۔

تو فرمایا جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے، مجھ سے مانگنے سے ﴿ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ﴾ عنقریب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔ رب تعالیٰ کو مشکل کشا نہ ماننے والوں کے لیے اور دوسروں کو مشکل کشا، حاجت روا سمجھنے والوں کے لیے دوزخ اور ذلت ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے رات ﴿لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ تا کہ تم آرام حاصل کرو اس میں ﴿وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور دن بنایا روشن ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَذُوْ فَضْلٍ﴾ فضل کرنے والا ہے ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ لوگوں پر ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ﴿لَا یَشْكُرُوْنَ﴾ شکر ادا نہیں کرتے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا رب ہے ﴿خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کا خالق ہے ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ پس کدھر تم الٹے پھیرے جاتے ہو ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ﴾ اُلٹے پھیرے گئے وہ لوگ ﴿كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے زمین ٹھہرنے کی جگہ ﴿وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً﴾ اور آسمان کو چھت ﴿وَّ صَوَّرَكُمْ﴾ اور اس نے تمھیں صورت بخشی ﴿فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ پس بہت اچھی صورت ﴿وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ اور رزق دیا تمھیں پاکیزہ چیزوں سے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا رب ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ﴾ پس برکت والا ہے اللہ تعالیٰ ﴿رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ﴿هُوَ الْحَیُّ﴾ وہی زندہ ہے ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ﴿فَادْعُوْهُ﴾ پس تم اسی کو پکارو ﴿مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین اور اعتقاد ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا ﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ﴾ آپ کہہ دیں مجھے روکا گیا ہے ﴿اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ﴾ کہ میں عبادت کروں ان کی ﴿تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ﴾ جس وقت پہنچ چکے ہیں میرے پاس واضح دلائل ﴿مِنْ رَّبِّیْ﴾ میرے رب کی طرف سے ﴿وَ اُمِرْتُ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اُسْلِمَ﴾ کہ میں فرماں برداری کروں ﴿لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تمام جہانوں کے پالنے والے کی ﴿هُوَ الَّذِیْ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ جس نے پیدا کیا تمھیں مٹی سے ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر نطفے سے ﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے ﴿ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ پھر نکالتا ہے تمھیں بچے کی شکل میں ﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ﴾ پھر تا کہ تم پہنچ جاؤ اپنی قوت کو ﴿ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا﴾ پھر تا کہ ہو جاؤ تم بوڑھے ﴿وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى﴾ اور بعضے تم میں سے وہ ہیں جن کو وفات دی جاتی ہے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى﴾ اور تا کہ تم پہنچو ایک مقرر میعاد تک ﴿وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اور تا کہ تم سمجھو ﴿هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ﴾ وہ ذات ہے جو زندہ کرتی ہے ﴿وَ یُمِیْتُ﴾ اور مارتی

ہے ﴿فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا﴾ پس جس وقت وہ طے کرتا ہے کوئی معاملہ ﴿فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ﴾ پس پختہ بات ہے وہ کہتا ہے اس کو ﴿کُنْ﴾ ہوجا ﴿فَیَكُوْنُ﴾ پس وہ ہوجاتا ہے۔

اثباتِ توحید کے دلائل

اس سے پہلے قیامت کا مسئلہ بیان ہوا ہے کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور آج کے رکوع میں توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور اس کے اثبات پر دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

پہلی دلیل : ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے بنایا تمھارے لیے رات کو ﴿لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ تاکہ تم اس میں آرام کرو، سکون حاصل کرو۔ اس بات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ رات کو جب آدمی سوتا ہے تو دن کی تھکاوٹ دور ہوجاتی ہے۔ تو یہ رات بنانے والا، سکون دینے والا کون ہے؟ ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے دن کو روشن بنایا تاکہ تم دن کو اپنے کام کرسکو ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے، مہربانی کرنے والا ہے لوگوں پر ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ رات کی نیند اور سکون اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے اور دن کو حلال روزی کمانا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے اور جو شکر ادا کرتے ہیں ان میں سے اکثر شکر کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ الحمد للہ! کہہ دینے کو اور شکرًا للہ کہہ دینے کو سمجھتے ہیں کہ ہم نے شکر ادا کردیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح شکر ادا نہیں ہوتا۔ شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ نماز ہے کہ نماز میں بندے کا ہر عضو خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ نماز میں ہاتھ باندھ کر قیام میں کھڑا ہے سجدے میں پاؤں، گھٹنے، ہاتھ، پیشانی، ناک زمین پر ٹکی ہوئی ہے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہے۔ زبان سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھ رہا ہے۔ انسان جب پانی پیتا ہے تو دومنٹ میں اس کا اثر پاؤں کے ناخنوں تک پہنچ جاتا ہے، خوراک کھاتا ہے تو اس کے ذریعے سارے بدن میں قوت آجاتی ہے اور شکر کے لیے صرف دو تولے کی زبان ہلاتا ہے۔ تو شکر کا بہتر طریقہ نماز ہے۔

فرمایا ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ تمھارا رب ہے، تمھارا پالنے والا ہے ﴿خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کا خالق وہی ہے۔ جب خالق وہ ہے رب وہ ہے تو پھر ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا۔ اس کے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں ہے، نہ کوئی نذر و نیاز کے لائق، نہ کوئی حاجت روا، نہ کوئی مشکل کشا، نہ کوئی فریادرس، نہ کوئی اس کے سوا دستگیر ﴿فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ﴾ پس کدھر تم اُلٹے پھیرے جاتے ہو۔ رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر تم مانتے کیوں نہیں ہو ﴿كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ﴾ اسی طرح اُلٹے پھیرے گئے حق سے وہ لوگ ﴿كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ جو رب تعالیٰ کی آیات کو نہیں مانتے وہ حق سے پھیر دیے جاتے ہیں۔

دوسری دلیل: ﴿ اَللّٰہُ الَّذِیْ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا ﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے زمین ٹھہرنے کی جگہ۔ زمین پر تم خود ٹھہرتے ہو، مکان بناتے ہو ﴿ وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ اور آسمان کو چھت بنایا ﴿ وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہی تمھیں صورتیں اور شکلیں دیں اور اچھی شکلیں دیں۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۶ میں ہے ﴿ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ﴾ "اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو رحم مادر میں تمھاری تصویر کشی کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔" اگرچہ بعض بدشکل بھی ہوتے ہیں مگر ان کا حیوانوں کے ساتھ تقابل کیا جائے تو ان کے مقابلے میں وہ خوب صورت ہوتے ہیں۔ مصور حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے کسی شخص کو کسی جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔

قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تصویر بنانے والے سے کہے گا کہ میں نے تصویر بنا کر اس میں جان بھی ڈالی تھی اب تم بھی اس میں جان ڈالو۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت پکڑ ہوگی۔ تو کسی جاندار کی تصویر بنانا قطعی حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت عطا فرمائی ہے ﴿ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ﴾ اور رزق دیا تمھیں پاکیزہ چیزوں سے اور نجس اور پلید چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے حرام فرما دیں ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰہُ رَبُّكُمْ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا پروردگار ہے ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ پس برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اور یاد رکھنا! ﴿ هُوَ الْحَیُّ ﴾ وہی زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر دائمی حیات کسی کو حاصل نہیں ہے۔ فرشتے ہزار ہا سال سے زندہ ہیں مگر ایک وقت آئے گا کہ ان پر موت آئے گی۔ جنات کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ دو ہزار سال انھوں نے زمین پر حکمرانی کی تھی اور ابلیس لعین سب کا بابا ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا مگر اس پر بھی موت آئے گی ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ہمیشہ کی زندگی کسی کے لیے نہیں ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ﴿ فَادْعُوْهُ ﴾ پس تم پکارو اس کو ﴿ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ﴾ خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین اور اعتقاد۔

شرکیہ خرافات:

شرک کی ایک قسم غیر اللہ سے مانگنا بھی ہے ۔

امداد کن امداد کن یا غوث اعظم دست گیر

بڑی عجیب بات ہے مسلمان کہلانے والے بڑی جرأت کے ساتھ لاؤڈ سپیکر پر غیر اللہ سے مانگتے ہیں اجتماعی طور پر بھی مانگتے ہیں۔ بھئی! رب تعالیٰ کے بغیر اور کون ہے مدد کرنے والا کہ اس کو پکارا جائے؟ کوئی نہیں ہے صرف رب تعالیٰ ہے 1936ء کے قریب کا واقعہ ہے۔ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا کہ اجمیر شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں جمعرات کو قوالی ہوتی تھی مجاوروں نے

جسے پہنے ہوئے تھے تنگ پاجاما اور سر پر بڑی بڑی پگڑیاں تھیں۔ قوالی سننے کے لیے ایک انگریز اور میم بھی آئے ہوئے تھے۔ قوالوں نے عجیب عجیب شعر کہے۔ ایک نے کہا: ؎

خدا سے میں نہ مانگوں گا کبھی فردوس اعلیٰ کو
مجھے کافی ہے یہ تربت معین الدین چشتی کی

جس وقت اس نے یہ شعر پڑھا تو لوگوں پر وجد طاری ہو گیا۔ کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا پڑا تھا۔ اندازہ لگاؤ خدا کے ساتھ ٹکرا کر بیٹھا تھا کہ میں خدا سے جنت الفردوس کبھی نہیں مانگوں گا۔ اس کے بعد دوسرا آیا اس نے اپنے کرتب دکھائے۔ کہنے لگا: ؎

نہ جا مسجد نہ کر سجدہ نہ رکھ روزہ نہ مر بھوکا
وضو کا توڑ دے کوزہ شراب شوق پیتا جا

اس نے یہ سبق دیا۔ میں کہتا ہوں او ظالمو! یہ تمھاری محبت ہے بزرگوں کے ساتھ؟ سید معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ تھے کہ جن کے ہاتھ پر نوے ہزار ہندو مسلمان ہوا تھا۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر چالیس ہزار ہندو مسلمان ہوا تھا۔ اور آج معاف رکھنا! ہمارے ہاتھ پر مسلمان نہیں ہوتے۔ اوروں کی تو میں بات نہیں کرتا مجھے یہاں آئے ہوئے باون (۵۲) سال ہو گئے ہیں (جس سال یہ درس دیا اس سال تک) کتنے مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان بنے ہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ ہمارے سے تو مسلمان مسلمان نہیں ہوتے۔ ان بزرگوں نے لوگوں کو توحید کا سبق دیا تھا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر کتاب لکھی ہے ''کشف المحجوب'' فارسی زبان میں تھی اب اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ حضرت ایک موقع پر اپنے شاگردوں اور مریدوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ نہ کوئی گنج بخش ہے اور نہ کوئی رنج بخش ہے۔'' آج لوگ ان کی قبر کی پوجا کرتے ہیں اور ان کو گنج بخش بنا دیا ہے اور ان کی قبر کو دودھ کے ساتھ دھوتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ سب خرافات ہیں ان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی ان کی مسلمانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حق کہنے والوں کو وہابی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، قبر قبر ہے قبروں کی پوجا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کوئی رنج بخش ہے نہ کوئی گنج بخش ہے، نہ مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریاد رس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے دین کو۔

فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔ ہم نے ان کو دلائل کے ساتھ سمجھایا ہے ﴿ قُلْ ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیں ﴿ اِنِّيْ نُهِيْتُ ﴾ بے شک مجھے روکا گیا ہے ﴿ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے اور کہتے ہو: یَا لَاتَ اَغِثْنِيْ، یَا مَنَاتَ اَغِثْنِيْ، یَا عُزّٰی اَغِثْنِيْ. میں ان کی پوجا نہیں کروں گا ﴿ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ ﴾ جب کہ میرے پاس واضح دلائل آچکے ہیں ﴿ مِنْ رَّبِّيْ ﴾ میرے رب کی طرف سے اور ﴿ وَاُمِرْتُ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کہ میں

فرماں برداری کروں تمام جہانوں کو پالنے والے کی۔ میں رب کے سامنے سر جھکادوں گردن جھکادوں۔ بے شک پیغمبر پیغمبر ہیں، صحابہ صحابہ ہیں، شہید شہید ہیں، ولی ولی ہیں، مگر رب رب ہے۔ رب تعالیٰ کی صفات تو کسی کے اندر نہیں ہیں۔

توحید باری تعالیٰ

فرمایا ﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا مٹی سے۔ آدم علیہ السلام کو ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران: ۵۹] آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر آگے نسل چلائی ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر نطفے سے ﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے پھر اس کی بوٹی بنائی پھر اس کی ہڈیاں بنائیں پھر ان پر گوشت چڑھایا پھر چار ماہ بعد روح کا تعلق بدن کے ساتھ جوڑا تو وہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگا ﴿ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ پھر نکالا تمھیں بچے کی شکل میں ماؤں کے پیٹوں سے کہ اس وقت کوئی شد بد نہیں ہوتی ﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ﴾ پھر تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنی قوت کو، جوانی کو ﴿ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا﴾ پھر تاکہ ہو جاؤ تم بوڑھے۔ یہ تمام انقلاب لانے والا کون ہے؟ ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى﴾ اور بعضے تم میں سے وہ ہیں جن کو وفات دی جاتی ہے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔ بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں۔ یہ مشاہدے کی بات ہے:

عیاں راچہ بیاں

دلیل ہمیشہ اس چیز کی ہوتی ہے جو نظری ہو۔ یہ سارے کام کرنے والا کون ہے؟ زندگی دینے والا کون ہے، جوانی تک پہنچانے والا کون ہے، جوانی سے پہلے مارنے والا کون ہے؟ ﴿وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى﴾ اور تاکہ تم پہنچو میعاد مقرر تک۔ جس کے لیے رب تعالیٰ نے جو میعاد مقرر فرمائی ہے اس سے پہلے کوئی نہیں مر سکتا ﴿فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ [یونس: ۴۹] ''نہ موخر ہوگا ایک گھڑی اور نہ مقدم ہوگا۔'' یہ دلائل رب تعالیٰ نے پیش کیے ہیں ﴿وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اور تاکہ تم سمجھو آسمان کی طرف دیکھو ، زمین کی طرف دیکھو، چاند سورج ستاروں کے محکم نظام کی طرف دیکھو، اپنے وجود کی طرف دیکھو، مگر افسوس کہ اس ذات کو چھوڑ کر اوروں کی پوجا کرتے ہو ﴿هُوَالَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ وہی ذات ہے جو زندہ کرتی ہے اور مارتی ہے اس کے سوا نہ موت کسی کے پاس نہ حیات کسی کے پاس ﴿فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا﴾ پس جس وقت وہ طے کرتا ہے کوئی معاملہ کسی چیز کے ہونے کا یا نہ ہونے کا، فنا کرنے کا ﴿فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ﴾ پس پختہ بات ہے وہ اس کو کہتا ہے ﴿كُنْ﴾ ہو جا ﴿فَیَكُوْنُ﴾ پس وہ کام ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے اسباب کے ہم محتاج ہیں وہ بغیر سبب کے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿اِلَى الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿یُجَادِلُوْنَ﴾ جو جھگڑا کرتے ہیں ﴿فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں ﴿اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ﴾ کدھر پھیرے جا رہے ہو ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ﴿كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ﴾ جنھوں نے جھٹلایا کتاب کو ﴿وَبِمَآ﴾ اور اس چیز کو ﴿اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا﴾ کہ بھیجا ہم نے

اس چیز کے ساتھ رسولوں کو ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے ﴿ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ﴾ جس وقت طوق ہوں گے ان کی گردنوں میں ﴿ وَالسَّلٰسِلُ ﴾ اور زنجیریں ﴿ يُسْحَبُوْنَ ﴾ گھسیٹے جائیں گے ﴿ فِي الْحَمِيْمِ ﴾ گرم پانی میں ﴿ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴾ پھر آگ میں ان کو جھونک دیا جائے گا ﴿ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ ﴾ پھر کہا جائے گا ان کو ﴿ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴾ کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے نیچے ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہیں گے ﴿ ضَلُّوْا عَنَّا ﴾ وہ گم ہو گئے ہیں ہم سے ﴿ بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا ﴾ بلکہ ہم نہیں پکارتے تھے ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے ﴿ شَيْئًا ﴾ کسی چیز کو ﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اسی طرح بہکاتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یہ ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴾ اس وجہ سے کہ تم خوشی مناتے تھے ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ زمین میں ﴿ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ناحق ﴿ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴾ اور اس وجہ سے کہ تم گھمنڈ کرتے تھے ﴿ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ ﴾ داخل ہو جاؤ تم جہنم کے دروازوں میں ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں ﴿ فَبِئْسَ ﴾ پس بُرا ہے ﴿ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا۔

آیاتِ الٰہیہ میں مجادلہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿ اِلَى الَّذِيْنَ ﴾ ان لوگوں کو ﴿ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں۔ قرآن کریم کی آیتیں سن کر بجائے ماننے کے الٹا الجھتے ہیں جھگڑا کرتے ہیں ﴿ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴾ کدھر پھیرے جارہے ہیں۔ مثلاً: سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۹۸ میں ہے ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ ''بے شک تم اور وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا جہنم کا ایندھن ہو ﴿ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴾ اور تم اس میں داخل ہو گے ﴿ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ﴾ اگر یہ معبود ہوتے تو دوزخ میں داخل نہ ہوتے ﴿ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ یہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ ﴾ ان کے لیے اس میں چلانے کی آوازیں ہوں گی ﴿ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ اور وہ اس میں سنیں گے نہیں۔'' مثال کے طور پر جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عبداللہ ابن زبعری جو پروپیگنڈے کا بڑا ماہر تھا اس نے سنیں تو بازاروں اور گلیوں میں جا کر اس نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ آؤ میں تمھیں محمد کا تازہ سبق سناؤں۔ وہ کہتا ہے ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ [الانبیاء:۹۸] ''بے شک تم اور جن کی عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا جہنم کا ایندھن ہو تم بھی اور تمھارے معبود بھی دوزخ میں جائیں گے۔'' تو عبادت تو عیسیٰ علیہ السلام کی بھی کی گئی ہے، عزیر علیہ السلام کی بھی کی گئی ہے، فرشتوں کی عبادت بھی ہوئی ہے۔ تو کیا یہ سارے بزرگ بھی دوزخ میں جائیں گے؟ رب تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾ [الانبیاء:۱۰۱] ''بے شک وہ لوگ کہ جن کے لیے

ہماری طرف سے بھلائی طے ہو چکی ہے یہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا﴾ وہ نہیں سنیں گے اس کی آہٹ بھی۔'' وہ دوزخ کی چھوں چھوں بھی نہیں سنیں گے۔ بات تو معبودانِ باطلہ کی ہو رہی ہے جنھوں نے اپنی عبادت خود کروائی ہے۔ خواہ مخواہ حق و باطل کا مغلوبہ بناتے ہو۔

یہ میں نے ایک مثال دی ہے سمجھانے کے لیے ورنہ قرآن پاک میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں آیتوں کے متعلق جھگڑا کرنے کی۔ مثلاً: سورہ مائدہ کی یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ﴾ ''کہ حرام کر دیا گیا تم پر مردار جانور۔'' یعنی جس کو رب مار دے۔ کہنے لگے دیکھو! یہ کہتا ہے کہ ہمارا مارا ہوا حلال اور رب کا مارا حرام ہے۔ یعنی جس پر یہ چھری پھیریں وہ تو حلال ہو اور جس کو رب مارے وہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ﴾ [الانعام: ۱۱۸] ''پس کھاؤ تم اس میں سے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔'' مارتا اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ مارتا ہے جس کو ذبح کیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کے ساتھ حلال ہوتا ہے اور جو مردار ہوا ہے اس پر تکبیر نہیں کہی گئی وہ رب تعالیٰ کے نام کی برکت سے محروم ہو گیا ہے اس لیے حرام ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرنے والے کدھر پھیرے جا رہے ہیں۔ ﴿اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ﴾ وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا کتاب قرآن کریم کو ﴿وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا﴾ اور اس چیز کو جھٹلایا کہ بھیجا ہم نے اس کے ساتھ اپنے رسولوں کو۔ جو چیز ہم نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا توحید اور قیامت کا مسئلہ اس کو بھی انھوں نے رد کر دیا رسالت کا مسئلہ بھی رد کر دیا۔ تمام کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے ﴿لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾۔ مگر ان شیطان یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا، عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا، جاہل مشرکوں نے فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں بنا دیا۔ انھوں نے پیغمبر کے وعظ اور تبلیغ کو جھٹلا دیا ﴿فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب یہ جان لیں گے۔ ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ اَغْلَال۔ غُلٌّ کی جمع ہے معنیٰ طوق۔ اَعْنَاق عُنُقٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے گردن۔ جس وقت طوق ہوں گے ان کی گردنوں میں۔ سورہ یٰسین میں ہے ﴿فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ ''پس وہ ٹھوڑیوں تک اٹھے ہوئے ہیں۔'' پس ان کے سر اوپر کو اُٹھے ہوئے ہیں۔ دنیا میں صراط مستقیم کو نہیں دیکھتے تھے آج ان کی گردنیں طوقوں کے ساتھ اُوپر رہیں گی ﴿وَالسَّلٰسِلُ﴾ سِلْسِلَةٌ کی جمع ہے معنیٰ زنجیر۔ اور زنجیریں ہوں گی۔ اگر پاؤں میں ڈالی جائے تو بیڑی کہتے ہیں اور ہاتھ میں ڈالی جائے تو ہتھکڑی کہتے ہیں۔ گردنوں میں طوق ہوں گے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں۔ اس طرح جکڑے ہوئے ہوں گے۔

﴿یُسْحَبُوْنَ﴾ گھسیٹے جائیں گے ﴿فِی الْحَمِیْمِ﴾ گرم پانی میں۔ وہ پانی اتنا گرم ہوگا کہ ان کو مارنا مقصود ہو تو ایک منٹ میں مر جائیں مگر مریں گے نہیں ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ [محمد: ۱۵] ''پس وہ ان کی آنتیں کاٹ کر پشت کی طرف سے نکال دے گا۔'' ﴿ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ﴾ پھر آگ میں ان کو جھونک دیا جائے گا ﴿ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا ﴿اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ جن کو تم دنیا میں حاجت روا،

مشکل کشا، فریادرس سمجھ کر پکارتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے چھڑا لیں گے وہ کہاں ہیں؟

مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں

اور یہ بات بھی کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں ہیں مشرکین اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آسمانوں زمینوں کا خالق مانتے ہیں اپنا اور اپنے باپ دادا کا خالق مانتے ہیں چاند، سورج، ستاروں کا خالق مانتے ہیں، رزق دینے والا اور کائنات کا مدبر مانتے ہیں اور ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور ہم بہت پست ہیں ہماری براہ راست اس تک رسائی نہیں ہے۔ یہ ولی پیر رب تک پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔

پھر مثالیں دیتے ہیں کہ دیکھو جی! مکان کی چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت ہے سیڑھیوں کے بغیر مکان کی چھت پر نہیں چڑھا جا سکتا۔ بادشاہ کو ملنے کے لیے ممبروں کی ضرورت ہوتی ہے براہِ راست نہیں مل سکتے۔ رب تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے وہ تو بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے اس تک ہم ولیوں کے بغیر کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ ﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [یونس:۱۸] ''یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [زمر:۳] ''ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں گے۔'' یہ ہمیں درجے میں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ اور مشرک اس بات کے بھی قائل تھے کہ ذاتی طور پر یہ کچھ نہیں کر سکتے ذاتی طور پر سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں ان کے پاس عطائی اختیارات ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے ہیں (چنانچہ آج کل کے مشرک بھی ایک شعر پڑھتے ہیں وہ یہ ہے ۔

معبود ما مسجود ما ایک خدا ایک خدا
حاجت روا باذن خدا مصطفیٰ مصطفیٰ

تو یہ بھی عطائی اختیارات کے قائل ہیں۔ مرتب) پھر مشرک حج عمرے کے بھی قائل تھے قربانی کے قائل تھے، صفا مروہ کی سعی کے قائل تھے، عرفات منیٰ کے قائل تھے، بچوں کے ختنے کراتے تھے، حج عمرے کے موقع پر تلبیہ پڑھتے تھے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ''اے پروردگار ہم حاضر ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے ہم حاضر ہیں اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ۔ ہاں! وہ تیرے شریک ہیں جن کو آپ نے تھوڑے سے اختیارات دیئے ہیں وہ خود ذاتی طور پر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔'' یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔

تو مشرک اللہ تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت ہوتی ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۳۶ پارہ ۸ میں ہے وہ اپنی زمین کی پیداوار میں سے اور جانوروں میں سے باقاعدہ اللہ تعالیٰ کا بھی حصہ نکالتے تھے اور بابوں کا بھی حصہ نکالتے تھے اور کہتے تھے ﴿ هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اپنے خیال سے اور یہ ہمارے شریکوں کے

لیے ہے۔ پھر بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیری میں سے کچھ دانے اس طرف چلے جاتے تو الگ نہیں کرتے تھے کہتے تھے اللہ تعالیٰ غنی ہے یہ محتاج ہیں اور اگر بابوں کی ڈھیری میں سے کچھ دانے ادھر چلے جاتے تو فوراً الگ کر لیتے تھے کہ رب تو غنی ہے یہ محتاج ہیں۔ تو مشرک رب تعالیٰ کی ذات کا منکر نہیں ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے ہماری وہاں تک براہِ راست رسائی نہیں ہے۔ یہ بزرگ پیر ہمارے واسطے ہیں رب تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے۔ رب تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ فرمایا ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق:۱۶] ''ہم زیادہ قریب ہیں انسان کے اس کی شہ رگ سے۔'' اور اللہ تعالیٰ کو بادشاہوں پر بھی قیاس نہ کرو۔ ان (بادشاہوں) کو ہر چیز کا علم نہیں ہوتا لوگ ان کے پاس حقائق بتانے اور آگاہ کرنے کے لیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ علیم کل ہے ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہے۔ فرمایا ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:۷۴] ''پس نہ بیان کرو تم مثالیں اللہ تعالیٰ کے لیے بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ بادشاہ بلا واسطہ اس لیے بھی کسی سے نہیں ملتا کہ اس کو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ آدمی مجھے گولی مارنے کے لیے نہ آ رہا ہو۔ اس لیے وہ تسلی کرنے کے بعد کسی کو قریب آنے دیتا ہے۔ تو رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک بناتے تھے ﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ وہ کہیں گے وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں، غائب ہو گئے ہیں ﴿بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا﴾ بلکہ ہم نہیں پکارتے تھے اس سے پہلے کسی چیز کو۔ منکر ہو جائیں گے کہ ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے۔ ساتویں پارے میں آتا ہے مشرک کہیں گے ﴿وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ''اللہ کی قسم ہے جو ہمارا رب ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ ''دیکھو کیسا جھوٹ بولا ہے اپنی جانوں پر ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ [الانعام:۲۴-۲۳] ''اور گم ہو گئیں ان سے وہ باتیں جو یہ گھڑتے تھے۔'' مشرک اتنے بڑے بے حیا اور جھوٹے ہیں کہ رب تعالیٰ کی عدالت میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دے گا اور ہاتھ پاؤں بول کر گواہیاں دیں گے جیسا کہ سورۃ یٰسین میں ہے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے ساتھ ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے۔'' کان بولیں گے، ناک بولے گا، آنکھیں بولیں گی، چمڑے بولیں گے۔ جیسا کہ حم سجدہ کے تیسرے رکوع میں اس کا ذکر ہے۔

تو مشرک کہیں گے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں بلکہ ہم نہیں تھے پکارتے اس سے پہلے کسی چیز کو ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اسی طرح بہکاتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو ﴿ذٰلِكُمْ﴾ کا مشارٌ اِلیہ یہاں تین چیزیں ہیں۔ ایک ہے جس وقت گردنوں میں طوق ہوں گے بیڑیاں ہوں گی، دوسرا ہے گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا، تیسرا ہے آگ میں داخل کیا جائے گا۔ فرمایا ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ تم خوشیاں مناتے تھے ﴿فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ زمین میں ناحق۔ کفر پر خوشی، شرک پر خوشی، بدعات پر خوشی، اس لیے تمھاری گردنوں میں طوق ڈالے ہیں گرم پانی میں گھسیٹا ہے اور آگ میں داخل کیا

ہے یہ اس کا بدلہ ہے ﴿ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴾ اور اس وجہ سے کہ تم گھمنڈ کرتے تھے اپنے کفر پر کہ ہماری تعداد زیادہ ہے ہمارے پاس مال زیادہ ہے ہمارے پاس قوت زیادہ ہے آج ان چیزوں پر گھمنڈ کا مزا چکھو۔

رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿ اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ ﴾ داخل ہو جاؤ تم جہنم کے دروازوں میں ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں۔ اس لیے کہ تم نے شرک کیا پیغمبروں کی مخالفت کی اس لیے تم جہنم میں ہمیشہ رہو گے۔ روایات میں آتا ہے کہ جس وقت آگ میں ہزاروں سال چیخیں ماریں گے واویلا کریں گے کہ ہمیں یہاں سے نکال دو تو رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان کو یہاں سے نکال کر زمہریر کے طبقے میں داخل کر دو۔ یہ جہنم کا سخت ٹھنڈا طبقہ ہے جب یہاں سخت سردی لگے گی تو کہیں گے آگ میں چلیں تو مختلف عذابوں میں رہیں گے ﴿ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ پس بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿ فَاصْبِرْ ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿ اِنَّ ﴾ بے شک ﴿ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے ﴿ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ ﴾ پس اگر ہم دکھائیں آپ کو ﴿ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ ﴾ بعض وہ عذاب جس سے ہم ان کو ڈراتے ہیں ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ﴾ یا ہم آپ کو وفات دے دیں ﴿ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴾ پس وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول ﴿ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ آپ سے پہلے ﴿ مِنْهُمْ ﴾ ان میں سے بعض ﴿ مَّنْ ﴾ وہ ہیں ﴿ قَصَصْنَا عَلَيْكَ ﴾ جن کے حالات ہم نے آپ پر بیان کیے ہیں ﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ اور بعض ان میں سے ﴿ مَّنْ ﴾ وہ ہیں ﴿ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ کہ ہم نے ان کے حالات بیان نہیں کیے ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ ﴾ اور نہیں ہے شان کسی رسول کی ﴿ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ ﴾ یہ کہ لائے کوئی معجزہ ﴿ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ﴾ پس جس وقت آئے گا حکم اللہ تعالیٰ کا ﴿ قُضِيَ بِالْحَقِّ ﴾ فیصلہ کر دیا جائے گا حق کے ساتھ ﴿ وَخَسِرَ هُنَالِكَ ﴾ اور نقصان اٹھائیں گے اس مقام پر ﴿ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ باطل پر چلنے والے ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ ﴾ جس نے بنائے تمھارے لیے مویشی ﴿ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا ﴾ تاکہ تم سوار ہو ان میں سے بعض پر ﴿ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ اور بعض ان میں سے کھاتے ہو ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ ﴾ اور تمھارے لیے ان میں کئی فائدے ہیں ﴿ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً ﴾ اور تاکہ تم پہنچو ان کے ذریعے اس ضرورت تک ﴿ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ﴾ جو تمھارے دلوں میں ہے ﴿ وَعَلَيْهَا ﴾ اور ان جانوروں پر ﴿ وَعَلَى الْفُلْكِ ﴾ اور کشتیوں پر ﴿ تُحْمَلُوْنَ ﴾ تم سوار کیے جاتے ہو ﴿ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اور دکھاتا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں ﴿ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی

کون سی نشانی کا تم انکار کرو گے۔

مشرکین کا حملہ کرنا

مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دو طرح سے حملہ کرتے تھے۔ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر اور ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ پر کہتے ﴿سٰحِرٌ کَذَّابٌ﴾ ''جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔'' معاذ اللہ تعالیٰ۔ کبھی کہتے دیوانہ ہے اور طعنے دیتے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی بنا پھرتا ہے نہ مال ہے نہ کوٹھی ہے نہ فوج ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ساری باتیں دل آزاری کی ہیں۔ معاف رکھنا! ہم تم کیا ہیں مگر ہمیں بھی کوئی کہے کہ تم جھوٹے ہو دیوانے ہو تو غصہ آتا ہے اور اگر یہ کہیں کہ تو بڑا جھوٹا ہے تو اور زیادہ غصہ آئے گا۔ دوسرا حملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن اور پروگرام پر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ ''کیا کر دیا ہے اس نے تمام الٰہوں کو ایک ہی الٰہ ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ بے شک یہ عجیب بات ہے۔'' قیامت کا انکار کرتے آخرت کا انکار کرتے۔ کہتے ﴿مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ﴾ [سورہ یٰسین] ''ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔'' تو ان چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبعی طور پر تکلیف ہوتی تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی کہ ایک آدمی بے لوث حق بیان کر رہا ہے اور مخاطبین کے فائدے کی بات کر رہا ہو۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اس کو ستایا جائے تکلیف پہنچائی جائے تو تکلیف ہوتی ہے اس پر۔

تلقین صبر

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ﴿فَاصْبِرْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پس آپ ان کی فضول باتوں اور ایذا رسانیوں پر صبر کریں ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے قیامت ضرور آئے گی ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا﴾ [المومن: ۵۹] ''بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' ضرور آئے گی ان کے انکار پر آپ صبر سے کام لیں ﴿فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ﴾ پس اگر ہم دکھا دیں آپ کو بعض وہ عذاب جس سے ہم ان کو ڈراتے ہیں کہ نافرمانی پر عذاب آئے گا ﴿اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ﴾ یا ہم آپ کو وفات دے دیں آپ کی زندگی میں ان کو عذاب نہ آئے تو یہ بچ تو نہیں سکتے کیوں؟ ﴿فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ﴾ پس ہماری طرف ہی یہ لوٹائے جائیں گے۔ آنا تو ہمارے پاس ہی ہے۔ عذاب سے بچ نہیں سکتے چھٹکارا کوئی نہیں ہے سزا ضرور پائیں گے۔

فرمایا ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے۔ قرآن پاک میں جہاں بھی رسولوں کا ذکر آتا ہے ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ کا لفظ آتا ہے آپ سے پہلے مِنْ بَعْدِكَ کا لفظ نہیں آتا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی رسول نے آنا ہوتا تو یقیناً اس کا بھی ذکر ہوتا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھی رسول بھیجے اور بعد میں بھی بھیجیں گے۔ لیکن پورے قرآن پاک میں بعد کا لفظ کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ چونکہ آپ کے بعد کسی نے آنا نہیں تھا۔ قرآن پاک میں پیغمبروں

کی گنتی اور تعداد مذکور نہیں ہے کہ کتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں؟ صرف پچیس پیغمبروں کے نام مذکور ہیں باقیوں کا اجمالی ذکر ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا مکلف بنایا ہے کہ سارے پیغمبروں کے نام اور نسب نامے یاد کرو بس ہمارے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ہم تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں کہ سارے برحق پیغمبر تھے۔ پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام ہیں اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں صرف چھ فرشتوں کا نام آیا ہے۔ تمام فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ہمارے ایمان کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے فرشتے پیدا کیے ہیں ہمارا سب پر ایمان ہے۔ چار کتابوں کا نام ہمیں معلوم ہے باقی صحیفوں کے نام ہم نہیں جانتے بس ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم اقرار کریں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ "میرا اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے۔" گنتی کی ہمیں ضرورت نہیں اور نہ رب تعالیٰ نے ہمیں بتلائی ہے نہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا مکلف بنایا ہے۔

نفیِ علمِ کلی

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول آپ سے پہلے ﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ﴾ بعض ان میں سے وہ ہیں جن کے حالات ہم نے آپ پر بیان کر دیے ہیں ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ اور بعض وہ ہیں کہ ہم نے ان کے حالات آپ پر بیان نہیں کیے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء و رسل کے حالات بیان کیے ہیں اور بعض کے حالات بالکل بیان نہیں کیے۔ بعض کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا ہی نہیں کیا۔ تو یہ جو جاہل قسم کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کلی عطا کر دیا۔ تو سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض کے حالات کا علم عطا ہی نہیں کیا تو وہ اور کہاں سے عطا ہوگا؟

مستدرک حاکم میں روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں۔ اور نیز میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں۔ دیکھو! تبع اور ذوالقرنین دونوں کا نام قرآن کریم میں مذکور ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہے کہ دونوں نبی تھے یا نہیں۔ لہٰذا یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز کا علم کلی عطائی حاصل تھا قرآن کریم کی نص کے بالکل خلاف ہے اور کفریہ شرکیہ عقیدہ ہے۔

نفیِ مختارِ کل

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ﴾ اور نہیں ہے شان کسی رسول کی کہ لائے کوئی معجزہ ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ یعنی رسول یا نبی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی یا معجزہ پیش کر سکے۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین نے طرح طرح کے معجزے مانگے۔ کبھی کہتے چشمے جاری کر دے کبھی کہتے آپ کے پاس

کھجوروں اور انگوروں کے باغات ہونے چاہییں، کبھی کہتے آپ کے لیے سونے کا گھر ہونا چاہیے جیسا کہ آپ حضرات سورہ بنی اسرائیل میں پڑھ چکے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ ''نہیں ہوں میں مگر ایک بشر رسول۔'' مطلب یہ ہے کہ معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ کوئی نشانی معجزہ ظاہر کر دیتا ہے۔ تو معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کرامت بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ معجزے میں نبی کو دخل نہیں اور کرامت میں ولی کو دخل نہیں ہے۔ اسی اصول کو یہاں بیان کیا گیا ہے کہ کسی رسول کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی یا معجزہ پیش کر سکے۔

فرمایا ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ پس جس وقت حکم آئے گا اللہ تعالیٰ کا ﴿قُضِيَ بِالْحَقِّ﴾ فیصلہ کر دیا جائے گا حق کے ساتھ۔ اور ہر ایک کا کیا اس کے سامنے آ جائے گا اور نتیجہ یہ نکلے گا ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ اور نقصان اٹھائیں گے اس مقام پر باطل پر چلنے والے۔ باطل پرستوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا اور کفر شرک تکبر کرنے والوں اور غلط عقائد رکھنے والوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلنا پڑے گا۔

توحید باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے بنائے تمھارے لیے مویشی اور اُونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے ﴿لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا﴾ تاکہ تم سوار ہو ان میں سے بعض پر۔ اُونٹ ہے، گھوڑا ہے، خچر ہے، گدھا ہے۔ پہلے زمانے میں یہی جانور سواری کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ آج تو سواری اور بار برداری کے لیے بڑی بڑی گاڑیاں، ٹرک، ٹریلر، بحری جہاز، ہوائی جہاز معرض وجود میں آ چکے ہیں۔ مگر پہلے زمانے میں اُونٹ ہی ایک ایسا جانور تھا جو سواری اور بار برداری کے لیے زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ اسے صحرائی جہاز کہا جاتا ہے۔ دوسرے جانور بھی سواری اور بار برداری کا کام دیتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور بعضے ان میں سے کھاتے ہو۔ یہ حلال جانور جن کا گوشت کھاتے ہو اور قربانی کے لیے بھی یہی آٹھ قسم کے جانور مخصوص ہیں اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری۔ فرمایا ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ﴾ اور تمھارے لیے ان میں کئی فائدے ہیں۔ سواری کرنے اور گوشت کھانے کے علاوہ ان کا دودھ پیتے ہیں ان کے بالوں سے گرم کپڑے بنائے جاتے ہیں اور قالین بنائے جاتے ہیں اور ان کی کھالوں سے جوتے اور جیکٹیں تیار کی جاتی ہیں۔ ان کی ہڈیاں کھاد میں استعمال ہوتی ہیں۔ غرض یہ کہ ان سے بہت سے فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا ﴿وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ﴾ اور تاکہ تم پہنچو ان جانوروں کے ذریعے اس ضرورت تک جو تمھارے سینوں میں ہے۔ تجارت کے لیے، علم حاصل کرنے کے لیے اور جو بھی حاجت تمھارے دل میں ہو ان پر سوار ہو کر وہاں پہنچو ﴿وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾ اور ان جانوروں پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔ اس وقت آج کی نئی ایجادات نہیں

ہوئی تھیں جو ہمارے سامنے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے آسانیاں پیدا فرمائی تھیں۔ اور کئی علاقوں میں آج بھی یہی سواریاں ہیں ﴿وَ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور وہ دکھاتا ہے تمھیں اپنی نشانیاں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو ﴿فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی کون سی نشانی کا تم انکار کرو گے۔ انکار تو نہیں کر سکتے البتہ انسان ناشکری کرتا ہے کہ ان کے خالق کی بجائے مخلوق کے دروازے پر جا کر سجدے کرتا ہے اور نذر و نیاز پیش کرتا ہے چڑھاوے چڑھاتا ہے۔ کتنی بڑی ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا﴾ کیا پس یہ لوگ چلے پھرے نہیں ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿فَیَنْظُرُوْا﴾ پس دیکھتے ﴿كَیْفَ كَانَ﴾ کیسا تھا ﴿عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ﴾ تھے وہ زیادہ ان سے ﴿وَ اَشَدَّ قُوَّةً﴾ اور زیادہ سخت تھے قوت میں ﴿وَّ اٰثَارًا﴾ اور نشانات قائم کرنے میں ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ﴾ پس نہ کفایت کی ان کو ﴿مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ اس چیز نے جو وہ کماتے تھے ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ﴾ پس جب آئے ان کے پاس ﴿رُسُلُهُمْ﴾ ان کے رسول ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿فَرِحُوْا﴾ خوش ہوئے وہ لوگ ﴿بِمَا﴾ اس چیز پر ﴿عِنْدَهُمْ﴾ جو ان کے پاس تھی ﴿مِّنَ الْعِلْمِ﴾ علم سے ﴿وَ حَاقَ بِهِمْ﴾ اور گھیر لیا ان کو ﴿مَّا﴾ اس چیز نے ﴿كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ پس جب دیکھا انھوں نے ہمارے عذاب کو ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ پر جو اکیلا ہے ﴿وَ كَفَرْنَا﴾ اور انکار کیا ہم نے ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا ﴿كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ﴾ جس کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے ﴿فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ﴾ پس نہ فائدہ دیا ان کو ﴿اِیْمَانُهُمْ﴾ ان کے ایمان نے ﴿لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ جب دیکھا انھوں نے ہمارے عذاب کو ﴿سُنَّتَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے ﴿الَّتِیْ﴾ وہ دستور ﴿قَدْ خَلَتْ﴾ جو گزر چکا ہے ﴿فِیْ عِبَادِهٖ﴾ اس کے بندوں میں ﴿وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور نقصان اُٹھایا اس جگہ کفر کرنے والوں نے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو ایک اہم بات کی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ کیا پس یہ لوگ نہیں چلے پھرے زمین میں ﴿فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ پس دیکھتے کیا انجام ہوا، کیا حشر ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔

درسِ عبرت

مکے والے عموماً دو تجارتی سفر کرتے تھے۔گرمی کے موسم میں شام کا کہ وہ ٹھنڈا علاقہ تھا اور سردیوں میں یمن کا کہ وہ گرم علاقہ ہے۔سورۃ قریش پارہ ۳۰ میں ہے ﴿رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ "گرمی اور سردی کے موسم میں۔" تباہ شدہ قومیں ان کے راستے میں تھیں۔ان کی تباہی کے نشانات نظر آتے تھے۔تبع کی قوم یمن میں تھی اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود راستے میں تھی اور ہود علیہ السلام کی قوم عاد بھی راستے میں تھی اور جب ملک شام کی طرف جاتے تھے شعیب علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی قوم اور دیگر قوموں کی تباہ شدہ بستیوں سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ان سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیے تھی اور جو عبرت حاصل نہیں کرتا وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے سفر میں جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے تباہ شدہ علاقے سے گزرے تو فرمایا کہ سر کپڑوں سے ڈھانپ لو اور یہاں جلدی سے گزر جاؤ کہ مجرم قوم کے علاقے سے نفرت کا اظہار ہو اور صرف عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔جن لوگوں نے اس چشمے سے جس سے اونٹنی اور ان لوگوں کے جانور پانی پیتے تھے اس کے پانی کے ساتھ آٹا گوندھا اور مشکیزے بھرے ہیں مشکیزوں کا پانی ضائع کر دو اور یہ آٹا خود نہ کھانا۔ان لوگوں کی جگہوں سے بھی نفرت کرنی ہے۔

تو فرمایا کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں زمین میں کہ دیکھتے کیا حشر ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے ﴿كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ﴾ وہ ان سے زیادہ تھے تعداد میں۔عمریں ان کی لمبی ہوتی تھیں۔دو،دو سو سال،چار چار سو سال،چھ سو سال۔ایسے بھی ہوتے تھے جو اپنی چار چار،پانچ پانچ نسلیں دیکھ کر مرتے تھے ﴿وَاَشَدَّ قُوَّةً﴾ اور قوت میں بھی زیادہ تھے۔بدنی قوت کا یہ حال تھا کہ عاد قوم کا یہ نعرہ قرآن پاک میں موجود ہے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم السجدہ:۱۵] "ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا او ظالمو! جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہ تم سے زیادہ طاقت ور ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کے ذریعے سے اس قوم کو تباہ کر دیا جو نباتات کی نشوونما اور حیوانات کی بقا کا ذریعہ ہے۔جس کے بغیر انسان اور حیوان کا گزارا نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم کو پانی میں غرق کیا جو انسانی،حیوانی بقا کا ذریعہ ہے۔تو فرمایا وہ پہلے تعداد میں بھی تم سے زیادہ تھے اور بدنی قوت میں بھی ﴿وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ﴾ اور زمین میں نشانات چھوڑنے میں بھی۔جو نشانات،یادگاریں ان قوموں نے چھوڑی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔انھوں نے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں،بڑے بلند مینار بنائے۔ثمود قوم نے چٹانیں تراش تراش کر مکان بنائے،پھر علیحدہ علیحدہ کمرے۔یہ سونے کا،یہ کھیلنے اور ناچنے کا،یہ مہمان خانہ۔چٹانیں تراش کر اس لیے بنائے کہ دیواریں زلزلے سے گر جاتی ہیں یہ نہیں گریں گے۔وہ بھی تباہ ہوئے۔یادگاریں اور مکان موجود ہیں مگر کس کام کے۔آج مکان میں مکین کوئی نہیں۔

فرمایا ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ پس نہ کفایت کی ان کو نہ بچایا ان کو اس چیز نے جو وہ کماتے تھے۔نہ تعداد کی کثرت بچا سکی نہ طاقت بچا سکی۔یہ چٹانیں تراش کر مکان بنانے والے زلزلے سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو زلزلے اور چیخ سے تباہ کیا۔کوئی شے ان کے کام نہ آئی۔کوئی چیز ان کو اللہ کی گرفت سے نہ بچا سکی ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ پس جب

پہنچے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر۔ پیغمبروں نے دلائل پیش کیے معجزات دکھائے ﴿فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ وہ کافر خوش ہوئے اس چیز پر جو ان کے پاس تھی علم سے۔ کہنے لگے ہمیں پیغمبروں کے علم کی کیا ضرورت ہے ہمارے پاس مادی ترقی کے علوم موجود ہیں۔

حکیم سُقراط کا فخر

تفسیروں میں آتا ہے کہ سقراط جو یونان کا بڑا حکیم تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اس کو کسی نے کہا کہ یہاں ایک بزرگ ہیں موسیٰ بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام، بڑی اچھی اور معقول باتیں بتلاتے ہیں۔ ان کی باتیں بڑی وزنی ہوتی ہیں آپ ان کی مجلس میں شریک ہوں ان کی صحبت میں بیٹھیں تو بڑا فائدہ ہوگا۔ تو سقراط نے بڑے فخریہ انداز میں کہا کہ ہم سے زیادہ علم کس کے پاس ہے میں اس کے پاس کیوں جاؤں؟ بے شک مادیت کا علم اس کے پاس تھا مگر خدائی علم تو اس کے پاس نہ تھا جو بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے۔ تو اس کو خود ساختہ علم پر گھمنڈ تھا۔ اور قارون کے متعلق تم پڑھ چکے ہو کہ جب اس کو لوگوں نے کہا اِترا اَو مت اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ "اور تلاش کر اس میں جو رب نے تجھے دی ہے آخرت کا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے۔" ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ [القصص: ۷۷] "اور احسان کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ بے شک دی گئی ہے مجھے دولت علم کی بنا پر۔" میں نے اپنے ذاتی علم کی بنا پر سب کچھ حاصل کیا ہے۔ تم بھی علم حاصل کرو۔ تو اس نے اپنے علم پر گھمنڈ کیا۔

تو فرمایا کہ جب آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر تو وہ اپنے علم پر اترانے لگے ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور گھیر لیا ان کو اس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ کہتے تھے ﴿فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [الاعراف: ۷۰] "پس لاؤ ہمارے پاس وہ چیز جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر ہو تم سچے۔" جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ کہاں چھپا کے رکھا ہوا ہے لاتے کیوں نہیں ہو۔ پھر ان لوگوں نے جن عذابوں کا استہزاء کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر وہی مسلط کیے۔ کسی پر رب تعالیٰ نے سیلاب مسلط کیا، کسی پر ہوا مسلط کی، کسی پر زلزلہ کیا، کسی پر طاعون مسلط کیا، کسی پر ہیضہ مسلط کیا۔ بنی اسرائیل کے بارے میں آتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے طاعون کی بیماری مسلط کی۔ صبح سے لے کر دوپہر تک ستر ہزار مر گئے۔ تین چار مہینے ان پر یہ عذاب مسلط رہا مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ جو لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے وہ انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ: اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ "نیک بخت انسان وہ ہے جو دوسرے کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے سبق حاصل کرے۔" ظفر مرحوم نے کیا اچھا شعر کہا ہے:

ظفر اسے آدمی نہ جانیے گا گو وہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

آدمی کو عیش میں خدا نہیں بھولنا چاہیے اور نہ طیش میں۔

حالتِ نزع میں ایمان معتبر نہیں

تو فرمایا گھیر لیا ان کو اس چیز نے جس کا مذاق اُڑاتے تھے ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ پس جب دیکھا اُنھوں نے ہماری پکڑ کو ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ﴾ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر جو اکیلا ہے ﴿وَ کَفَرْنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشْرِکِیْنَ﴾ اور ہم انکار کرتے ہیں اس چیز کا جس کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ فرعون کا واقعہ تم پڑھ چکے ہو جو بڑے زور وشور کے ساتھ اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا۔ سورۃ النازعات پارہ ۳۰ میں ہے ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ اور یہ بھی کہتا تھا ﴿مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ﴾ [سورۃ القصص] "میں نہیں جانتا تمھارے لیے کوئی الٰہ اپنے سوا۔" بحرِ قلزم کے ایک ہی غوطے نے دماغ درست کر دیا اور کہنے لگا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [یونس:۹۰] "ایمان لایا میں کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔" میں اپنی ساری غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا ﴿آٰلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ کُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ "اب یہ کہتے ہو اور تحقیق تم نافرمانی کرتے تھے اس سے پہلے اور تھا تو فسادی۔" بڑا اغنڈا تھا۔

ہر مجرم نے مرنے سے پہلے اپنے جرم کا اقرار کیا ہے کہ ہم ظالم تھے مشرک تھے لیکن نزع کی حالت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ نزع کا مطلب ہے روح نکلنے کا وقت۔ یعنی اٹھارہ فرشتے روح نکالنے کے لیے لائن میں کھڑے ہوتے ہیں مرنے والے کو نظر آتے ہیں اگر مرنے والا نیک آدمی ہے تو فرشتہ کہتا ہے: یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الطَّیِّبَہ اُخْرُجِیْ اِلٰی رِضْوَانِ اللّٰہِ۔ "اے پاکیزہ روح! نکل آ رب آپ پر راضی ہے۔" اگر بُرا آدمی ہے تو فرشتہ کہتا ہے: یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَہ اُخْرُجِیْ اِلٰی سَخَطِ اللّٰہِ وَ غَضَبِہٖ "اے خبیث روح! نکل آ تجھ پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔" وہ جان نفس سے نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ تو فرشتے اس طرح نکالتے ہیں جیسے لوہے کی سلاخ کو گرم کر کے بھیگی ہوئی روئی سے کھینچا جائے اور ساتھ ساتھ اس کے منہ اور پشت پر مارتے بھی ہیں ﴿یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ﴾ [الانفال:۵۰] "فرشتے ان کے چہرے پر مارتے ہیں اور ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔" جیسے: ہماری پولیس اشتہاری مجرم کو پکڑتے ہوئے کرتی ہے۔ تو کہیں گے ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ﴾ پس نہ فائدہ دیا ان کو ان کے ایمان نے ﴿لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ جب دیکھا انھوں نے ہماری گرفت کو ہمارے عذاب کو۔ عذاب آ جانے کے بعد ایمان قبول نہیں۔ جب نزع کی حالت شروع ہو جائے تو اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔ پھر جس طرح ایک فرد کی نزع کی حالت ہوتی ہے اسی طرح ہمارے جہان کی بھی نزع ہوگی۔ وہ اس وقت شروع ہوگی جب سورج مغرب سے طلوع کرے گا اور جس دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اسی دن دابۃ الارض بھی

زمین سے نکلے گا اور وہ لوگوں کے ساتھ گفتگو کرے گا۔ اس دن سے توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کے بعد نہ کسی کا ایمان قبول ہوگا اور نہ توبہ قبول کی جائے گی۔ نیکی میں اضافے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پس جو پہلے سے ایمان اور عمل صالح چلے آ رہے ہیں وہی معتبر ہوں گے۔ مغرب سے سورج طلوع ہونے کے بعد روایات کے مطابق ایک سو بیس سال تک جہان باقی رہے گا پھر فنا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سُنَّتَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے ﴿الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ﴾ جو گزر چکا ہے اس کے بندوں میں کہ عذاب آ جانے کے بعد ایمان، توبہ اور اعتراف مفید نہیں ہوتا ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور نقصان اٹھایا اس جگہ کفر کرنے والوں نے۔ ایسے موقع پر کافروں نے ہمیشہ نقصان ہی اٹھایا ہے ان کی توبہ قبول نہ ہوئی اور وہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خسارے سے محفوظ فرمائے۔

آج بروز اتوار ۷ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ بمطابق ۱۳ را کتوبر ۲۰۱۳ء۔
سترہویں جلد مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علیٰ ذالك

(مولانا) محمد نواز بلوچ
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الزُّخۡرُفِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الۡجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ الۡاَحۡقَافِ مَکِّیَّۃٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ اٹھارہ)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محتـــرم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تا کہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

نوٹ: اغلاط کی نشان دہی کے لیے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-6450340

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ حٰمٓ السَّجۡدَةِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ فَمَنۡ اَظۡلَمُ ، اِلَيۡهِ يُرَدُّ

۲۴ ۲۵

آیاتھا ۵۴ ﴿۴۱﴾ سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۶۱﴾ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِیْلٌ﴾ اُتاری ہوئی ہے ﴿مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمٰن کی طرف سے ﴿الرَّحِیْمِ﴾ رحیم کی طرف سے ﴿کِتٰبٌ﴾ کتاب ہے ﴿فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ﴾ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اس کی آیتیں ﴿قُرْاٰنًا﴾ قرآن ہے ﴿عَرَبِیًّا﴾ عربی میں ﴿لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو جانتی ہے ﴿بَشِیْرًا﴾ خوش خبری دینے والا ہے ﴿وَّنَذِیْرًا﴾ اور ڈرانے والا ہے ﴿فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ﴾ پس اعراض کیا ان میں سے اکثر نے ﴿فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ﴾ پس وہ سنتے نہیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿قُلُوْبُنَا﴾ ہمارے دل ﴿فِیْٓ اَکِنَّۃٍ﴾ پردوں میں ہیں ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ﴾ جس چیز کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں ﴿وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں ﴿وَّمِنْ بَیْنِنَا﴾ اور ہمارے درمیان ﴿وَبَیْنِکَ﴾ اور آپ کے درمیان ﴿حِجَابٌ﴾ پردہ ہے ﴿فَاعْمَلْ﴾ پس آپ اپنا کام کریں ﴿اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنا عمل کرنے والے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ﴾ پختہ بات ہے ﴿اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ﴾ میں بشر ہوں تمہارے جیسا ﴿یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ وحی کی جاتی ہے میری طرف ﴿اَنَّمَآ﴾ پختہ بات ہے ﴿اِلٰھُکُمْ﴾ تمھارا معبود ﴿اِلٰہٌ وَّاحِدٌ﴾ ایک ہی معبود ہے ﴿فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ﴾ پس قائم ہو جاؤ اس کی طرف ﴿وَاسْتَغْفِرُوْہُ﴾ اور اس سے معافی مانگو ﴿وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ﴾ اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے ﴿الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ﴾ وہ جو نہیں دیتے زکوٰۃ ﴿وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کے منکر ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿لَھُمْ اَجْرٌ﴾ ان کے لیے اجر ہے ﴿غَیْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ غیر منقطع۔

تعارف سورت

اس سورہ کا نام ﴿حٰمٓ﴾ سجدہ ہے۔ ﴿حٰمٓ﴾ تو پہلی آیت ہے اور اس میں آگے سجدہ بھی آ رہا ہے۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ساٹھ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے چھ [۶] رکوع اور چون [۵۴] آیتیں ہیں۔ سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں جیسے: الم، حم، طہ وغیرہ، ان کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے اللّٰہ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ ''ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔'' دوسرا قول یہ ہے کہ سِرٌّ بَیْنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ

''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں۔'' ان کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ھی اسماء اللہ تعالیٰ ''یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس کی پھر دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ حٰمٓ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا نام ہے الٓمٓ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں تو ان کا ذکر نہیں ہے؟ تو اس کا جواب امام رازی، حافظ ابن کثیر علامہ آلوسی وغیرہ رحمہم اللہ یہ دیتے ہیں کہ ننانوے نام تو مشہور ہیں۔ سارے نام یہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام تو آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہیں لہٰذا یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ایک ایک حرف ایک ایک نام کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً ''ح'' سے مراد حمید ہے۔ حمید کا معنیٰ ہے قابل تعریف۔ اور میم سے مراد مجید ہے۔ معنیٰ ہے بزرگ۔ درود شریف میں ہے اِنَّکَ حَمِیْدٌ۔ اس تفسیر کے مطابق معنیٰ ہوگا وہ ذات پروردگار قابل تعریف اور بزرگ ہے۔

﴿تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اتاری ہوئی ہے رحمٰن و رحیم کی طرف سے ﴿كِتٰبٌ﴾ کتاب ہے۔ یہ کتاب جو ہمارے سامنے ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی ہے جو رحمٰن بڑا مہربان ہے اور رحیم کی طرف سے اتاری گئی ہے جو نہایت رحم کرنے والا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن اسے کہتے ہیں جو بن مانگے دے اور رحیم اسے کہتے ہیں جو مانگنے پر دے۔ رب تعالیٰ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے بن مانگے بھی دیتا ہے اور مانگنے پر بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بن مانگے وجود دیا، ہاتھ، پاؤں، آنکھیں دیں، ناک، کان، دل دماغ دیا، زبان اور کتنی چیزیں ہیں جو بن مانگے دیتا ہے۔ فرمایا ﴿فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اس کی آیتیں۔ جن میں کوئی ابہام اور اخفا نہیں ہے عقائد و مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ قرآن ہے عربی زبان میں ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں جانتے ہیں۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی تھے۔

عربوں کی مذمت نہیں کرنی چاہیے

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم عربیوں کو بُرا نہ کہو لا تسبوا العرب لانی عربی کیونکہ میں بھی عربی ہوں۔ مثلاً: اگر کوئی یوں کہے کہ عربی ایسے ہوتے ہیں تو اس میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آ گئے تو ایمان کہاں بچے گا؟ تو فرمایا کہ سب عربیوں کو بُرا نہ کہو کیونکہ میں عربی ہوں۔ اس طرح تمھارے ایمان پر زد پڑے گی۔ ہاں اگر کوئی یوں کہے کہ آج کل کے عربیوں کا کوئی حال نہیں الا ماشاء اللہ۔ تو یہ جملہ کہہ سکتے ہیں۔ سارے نیک بھی نہیں سارے بد بھی نہیں۔

ایک موقع پر کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعروں میں بُرا کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ ان کا جواب دو۔ مگر ایک بات یاد رکھنا کہ تم جو قریش کی مذمت کرو گے تو میں بھی تو قریشی ہوں۔ تم جو

کہو گے کہ قریشی ایسے ہوتے ہیں قریشی ویسے ہوتے ہیں تو میں بھی قریشی ہوں۔ تو بخاری شریف کی روایت ہے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میں آپ کو ایسے نکال لوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے میں سے بال نکال دیا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زد نہیں آئے گی۔ مثلاً: میں یہ نہیں کہوں گا قریشی ایسے ہوتے ہیں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ قریش میں جو مشرک اور کافر ہیں، رب کے نافرمان قریشی ہیں وہ بُرے ہیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ ان لفظوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو شامل نہیں ہیں۔

تو فرمایا کہ اہل عرب کو بُرا بھلا نہ کہو کہ میں بھی عربی ہوں۔ تو قرآن عربی زبان میں نازل ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی ہیں اور جنتیوں کی زبان بھی عربی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عربی جیسی فصیح و بلیغ زبان دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ زبان زبان کا فرق ہوتا ہے۔ پھر ہر زبان کے اپنے الفاظ و معانی اور انداز ہے جو زبان والا ہی سمجھتا ہے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بڑے مقرر تھے اور پنجابی میں تقریر کرتے تھے۔ یہ جو بڑی عمر کے لوگ ہیں انھوں نے ان کی تقریریں سنی ہوں گی۔ ایک جگہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک بابا جی نے کھڑے ہو کر کہا شاہ جی! آج پنجابی میں تقریر کرنا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم پنجابی جانتے ہو؟ کہنے لگا ہاں میں پنجابی جانتا ہوں۔ فرمایا یہ بتا کہ پنجابی میں بے وقوف کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا بے وقوف کو۔ فرمایا کھڑا ہو جا۔ دوسرے سے پوچھا کہ بے وقوف کو کیا کہتے ہیں۔ اس نے کہا جھلا! فرمایا تو بھی کھڑا ہو جا۔ ایک اور سے پوچھا تو اس نے کہا پاگل۔ فرمایا تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔ فرمایا تم تو پنجابی نہیں جانتے۔ فرمایا پنجابی میں بے وقوف کو جھلا یوڑ کہتے ہیں۔ یہ ٹھیٹھ پنجابی ہے۔ تو خیر زبانوں میں فصیح و بلیغ زبان عربی ہے۔ پھر اس کی نزاکتوں کو وہی لوگ جانتے ہیں جو عربی ہیں۔ ہم تم عجمی کیا سمجھتے ہیں؟ الحمد للہ! میں نے سولہ سال پڑھنے کے بعد تخصص کیا جس کو پی، ایچ، ڈی کہتے ہیں۔ تو اٹھارہ سال پڑھا اور تقریباً ساٹھ سال ہو گئے ہیں پڑھاتے ہوئے لیکن ابھی تک میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مجھے عربی پر مکمل عبور حاصل ہے، توبہ توبہ کچھ نہیں۔ یہ بڑی وسیع زبان ہے۔

تو فرمایا یہ قرآن عربی میں ہے اس قوم کے لیے جو علم رکھتی ہے ﴿بَشِيْرًا﴾ یہ قرآن خوش خبری دینے والا ہے۔ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خوش خبری دیتا ہے ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور ڈرانے والا ہے۔ نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہے، قبر کے عذاب سے، جہنم کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اس کو مان کر اس پر عمل کرتے لیکن ﴿فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ﴾ پس اعراض کیا ان میں سے اکثر نے ﴿فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ پس وہ نہیں سنتے۔ ایسا سننا کہ جس کے بعد اس کو قبول کر لیں ویسے تو سنتے ہیں لیکن سماع قبول نہیں ہے کہ سننے کے بعد قبول کر لیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے۔ کافروں نے کہا ﴿قُلُوْبُنَا﴾ قلب کی جمع ہے ﴿فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾۔ كِنَانٌ کی جمع ہے۔ ہمارے دل پردوں میں ہیں ﴿مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ اس چیز سے جس چیز کے بارے میں آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں۔ ہم نے اپنے دلوں پر پردے چڑھا رکھے ہیں آپ کی بات کو دلوں کے قریب نہیں آنے دیتے ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں، ڈاٹ ہیں۔ تم جتنا مرضی چلاتے رہو، زور لگاتے رہو، وعظ کرتے رہو ہم نے اس کو کانوں تک نہیں پہنچنے دینا ﴿وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔ ہم نے جو دد

انکار کا پردہ لٹکایا ہوا ہے۔اس کی موجودگی میں آپ کی کوئی بات ہمارے قریب نہیں آسکتی ﴿فَاعْمَلْ﴾ آپ اپنا کام کریں ﴿اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ جب انھوں نے اس چیز کو پسند کرلیا اور اپنے لیے ہدایت کے دروازے خود بند کردیئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ [البقرہ:۷] "مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اوران کے کانوں پر اوران کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔" ابتداءً نہیں ان کے اس پر راضی ہونے کے بعد۔ یہ آیت کریمہ جب پڑھتے ہیں تو سطحی قسم کے لوگ اشکال میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود مہریں لگادیں تو پھر بندے کا کیا اختیار ہے؟ بندہ خدا سے طاقت ور تو نہیں ہے کہ اس کی مہروں اور پردوں کو ہٹادے۔ فارسی کا مشہور شعر ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز میگوئی دامن ترمکن ہشیار باش

"کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پانی میں پھینک دو پھر کہو کہ پانی میں بھیگنا نہیں ہے۔" بھائی وہ بھیگے گا نہیں تو اور کیا کرے گا؟ تو ایسی آیات کو پڑھ کر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کا کیا قصور ہے۔ تو بات سمجھ آگئی نا کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً اور جبراً کسی کو مہر نہیں لگاتا جب انھوں نے خود مہریں لگادیں پردے کرلیے اور کفروشرک پر راضی ہوگئے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو اس پر پکا کردیتا ہے اور ان کے لیے ہدایت کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیردیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔" یعنی جس طرف کوئی چلنا چاہتا ہے رب تعالیٰ اس کو اس طرف چلادیتے ہیں ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [صف:۵] "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا۔" اور سورۃ عنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور جو کوشش کرتے ہیں ہمارے لیے تو ہم ضرور ان کی راہنمائی کر ...یں اپنے راستوں کی۔" تو اللہ تعالیٰ نہ کسی کو جبراً گمراہ کرتے ہیں اور نہ ہدایت دیتے ہیں۔

تو کافروں نے کہا کہ ہم پر آپ کا وعظ کچھ اثر نہیں کرتا آپ اپنا کام کریں ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں اے نبی کریم ﷺ! ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ پختہ بات ہے کہ میں بشر ہوں تمھارے جیسا میرے اختیار میں نہیں ہے کہ تمھارے کانوں سے ڈاٹیں نکال دوں۔ تمھارے دلوں اور آنکھوں سے پردے ہٹادوں۔ پیغمبر کا کام ہے حق سنانا، ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۵۶ پارہ ۲۰ میں ہے "بے شک آپ ﷺ اے نبی کریم! ہدایت نہیں دے سکتے اسے جس کے ساتھ آپ کی محبت ہے ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" پیغمبر کا کام ہے حق پہنچادینا اور سنادینا ﴿وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ [سورۃ یٰسین] حضرت آدم علیہ السلام نے بیٹے قابیل کی جب حرکتیں دیکھیں تو باپ اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو بڑے پیارے انداز میں سمجھایا ﴿يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ [ہود:۴۲] "اے میرے پیارے بیٹے سوار ہوجاؤ ہمارے ساتھ کافروں کا ساتھ نہ دو غرق ہوجاؤ گے۔" اس نے بڑے متکبرانہ انداز میں جواب دیا ﴿سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ﴾

''میں پناہ پکڑوں گا اس پہاڑ کی طرف وہ مجھے بچالے گا پانی میں ڈوبنے سے۔'' بیوی نے بھی ہدایت قبول نہیں کی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے دل سے کفر نہ نکال سکے بڑے پیارے انداز میں سمجھاتے رہے ہیں یٰۤاَبَتِ یٰۤاَبَتِ ''اے ابا جی، اے ابا جی'' تو فرمایا میں تمھارے جیسا بشر ہوں ہاں فرق یہ ہے کہ ﴿یُوْحٰۤی اِلَیَّ﴾ وحی کی جاتی ہے میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اس میں بنیادی مسئلہ یہ ہے ﴿اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے کہ الٰہ تمہارا ایک ہی الٰہ ہے اس کے سوا تمہارا کوئی معبود، مشکل کشا نہیں ہے ﴿فَاسْتَقِیْمُوْۤا اِلَیْهِ﴾ پس تم سب کے سب قائم ہو جاؤ اس کی طرف۔ رب تعالیٰ کے دین پر آ کر ڈٹ جاؤ ﴿وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ اور بخشش طلب کرو اس سے، معافی مانگو اس سے کفر، شرک اور معاصی سے۔ ہر آدمی کو اپنے اپنے اعتبار سے اپنے آپ کو گناہ گار سمجھنا چاہیے۔ اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم نیک پاک ہیں کیونکہ جو اپنے آپ کو نیک پاک سمجھے گا اس نے کب توبہ کرنی ہے؟ لہٰذا اپنے آپ کو گناہ گار سمجھو اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو ﴿وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور ہلاکت اور خرابی ہے مشرکوں کے لیے۔ دو صفتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صفت: ﴿الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے بھی مشرک ہیں کہ انھوں نے شیطان اور نفس کی اطاعت کی، رب تعالیٰ کا حکم نہیں مانا۔

دوسری صفت: ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ آخرت کا انکار دو قسم پر ہے عقیدے کے لحاظ سے اور عمل کے لحاظ سے۔ کلمہ پڑھنے والے عقیدہ کے لحاظ سے تو قیامت کے منکر نہیں ہیں لیکن عمل کے لحاظ سے ان کو دیکھو تو گویا انھیں قیامت پر یقین نہیں ہے۔ ان مغربی قوتوں نے ہمارے ایمانوں پر ضرب کاری لگائی ہے اور لگا رہے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان نہ رہے۔ مسلمانوں کو بدعمل بنا کر ان پر مختلف علاقوں میں مظالم ڈھا رہے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے نہ ہوں۔ اب کچھ مسلمان مختلف علاقوں میں جہاد کے لیے اٹھے ہیں اور جہاد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے۔ یہود و ہنود وغیرہ مسلمانوں پر عقیدے کے لحاظ سے عمل اور اخلاق کے لحاظ سے حملے کر رہے ہیں کہ مسلمان ہر اعتبار سے تباہ ہو جائیں۔ ان کو یہ خدشہ اور ڈر ہے کہ جس طرح صلیبی جنگوں میں ہمارے ساتھ ہوا تھا دوبارہ ایسا نہ ہو۔

صلیبی جنگوں کے زمانے میں سارا یورپ یہ ارادہ کر کے نکلا تھا کہ ہم نے ایک بھی کلمہ پڑھنے والا نہیں چھوڑنا اور اس عہد پر انہوں نے اپنے بدن سے خون نکال کر اس سے دستخط کیے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف: ۸] ''اللہ تعالیٰ نور ایمان، نور اسلام اور نور توحید کو چمکانے والا ہے کافر بے شک جلتے رہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا اور اس نے ان کو سبق سکھایا۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے ارادے خاک میں ملا دیئے۔ اے پروردگار! ہمیں صلاح الدین ایوبی جیسا بندہ عطا فرما، سلطان محمود غزنوی جیسا بندہ عطا فرمایا الپ ارسلان جیسا بندہ عطا فرما۔ ہمارے حکمران تو شیطان مجسم ہیں چاہے کسی بھی جگہ کے ہوں۔ بس! انیس بیس کا فرق ہو گا دین کے خیر خواہ اور

حامی نہیں ہیں صرف اپنی ذات کے خیر خواہ ہیں۔ تو فرمایا خرابی ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔

ان کے برعکس لوگوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ ان کے لیے اجر ہے غیر منقطع۔ جو ختم ہونے میں نہیں آئے گا کیونکہ جنت کی ہر چیز دائمی ہے۔ زندگی دائمی، پھل میوے دائمی، خوشیاں دائمی۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن مرد عورت کو نصیب فرمائے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَئِنَّكُمْ﴾ کیا بے شک تم ﴿لَتَكْفُرُوْنَ﴾ انکار کرتے ہو ﴿بِالَّذِیْ﴾ اس ذات کا ﴿خَلَقَ الْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا زمین کو ﴿فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ دو دنوں میں ﴿وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ﴾ اور بناتے ہو اس کے لیے ﴿اَنْدَادًا﴾ شریک ﴿ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یہ ہے تمام جہانوں کا پالنے والا ﴿وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ﴾ اور رکھے اس نے زمین میں مضبوط پہاڑ ﴿مِنْ فَوْقِهَا﴾ اس کے اوپر ﴿وَبٰرَكَ فِیْهَا﴾ اور برکت ڈالی اس میں ﴿وَقَدَّرَ فِیْهَآ﴾ اور مقرر کی ہیں اس میں ﴿اَقْوَاتَهَا﴾ اس کی خوراکیں ﴿فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ﴾ چار دنوں میں ﴿سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ﴾ برابر ہے پوچھنے والوں کے لیے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓی﴾ پھر اس نے ارادہ کیا ﴿اِلَی السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف ﴿وَهِیَ دُخَانٌ﴾ اور وہ دھواں تھا ﴿فَقَالَ لَهَا﴾ پس فرمایا اس کو ﴿وَلِلْاَرْضِ﴾ اور زمین کو ﴿ائْتِیَا﴾ آؤ تم دونوں ﴿طَوْعًا﴾ خوشی سے ﴿اَوْ كَرْهًا﴾ یا جبراً ﴿قَالَتَآ﴾ دونوں نے کہا ﴿اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ﴾ آئے ہیں ہم خوشی کے ساتھ ﴿فَقَضٰىهُنَّ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے پورا کیا ان کو ﴿سَبْعَ سَمٰوَاتٍ﴾ سات آسمان ﴿فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ دو دنوں میں ﴿وَاَوْحٰی﴾ اور وحی کی اس نے ﴿فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ﴾ ہر آسمان میں ﴿اَمْرَهَا﴾ اس کے معاملے کی ﴿وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا﴾ اور مزین کیا ہم نے آسمان دنیا کو ﴿بِمَصَابِیْحَ﴾ چراغوں کے ساتھ ﴿وَحِفْظًا﴾ اور حفاظت کے لیے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿تَقْدِیْرُ﴾ اندازہ ہے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ غالب کا ﴿الْعَلِیْمِ﴾ جاننے والے کا ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ پس اگر وہ اعراض کریں ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿اَنْذَرْتُكُمْ﴾ میں نے تمھیں ڈرا دیا ہے ﴿صٰعِقَةً﴾ عذاب سے ﴿مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ﴾ جیسا کہ عذاب آیا عاد قوم پر ﴿وَّثَمُوْدَ﴾ اور ثمود قوم پر ﴿اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ﴾ جس وقت آئے ان کے پاس رسول ﴿مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ﴾ ان کے آگے سے ﴿وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ اور ان کے پیچھے سے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ کہ نہ عبادت کرو مگر صرف اللہ تعالیٰ کی ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿لَوْ شَآءَ رَبُّنَا﴾ اگر چاہتا ہمارا رب ﴿لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ البتہ اتارتا فرشتوں کو ﴿فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ پس بے شک ہم اس چیز کے

جو تم دے کر بھیجے گئے ہو انکار کرنے والے ہیں۔

ربط آیات

اس سے پہلے ذکر تھا مشرکوں کی خرابی اور ہلاکت کا۔آگے اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھایا ہے اپنے پیغمبر کے ذریعے۔اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ فرما دیں، ان سے کہہ دیں ﴿اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ﴾ کیا بے شک تم انکار کرتے ہو اس ذات کا یعنی اس کے احکام کا ﴿خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ جس نے پیدا کیا زمین کو دو دنوں میں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کا مادہ دو دنوں میں بنایا۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اتوار اور سوموار والے دن زمین کو بنا کر پیڑے کی شکل میں جیسے روٹی کا پیڑا ہوتا ہے کعبے والی جگہ رکھا۔مکہ مکرمہ مرکز ہے۔مکہ کا لفظی معنیٰ ہے ناف۔یہ انسانی جسم کے عین درمیان میں ہوتی ہے۔تو مکہ مکرمہ بھی د کے سنٹر میں ہے تو زمین کو تو اللہ تعالیٰ نے بنایا ﴿وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا﴾ انداد جمع ہے نِدٌّ کی۔شریک کے معنیٰ میں ہے کہ تم بناتے ہو اللہ تعالیٰ کے شریک او ظالمو! تم اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہو حالانکہ زمین کو تو اس نے پیدا کیا ہے ﴿ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہی ہے رب العالمین جس نے زمین پیدا کی ہے ﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾۔یہ رَاسِيَةٌ کی جمع ہے مضبوط پہاڑ۔اور رکھے اللہ تعالیٰ نے زمین میں مضبوط پہاڑ ﴿مِنْ فَوْقِهَا﴾ اس کے اوپر۔زمین کو پہلے اللہ تعالیٰ نے پیڑے کی شکل میں بنا کر رکھا پھر آسمان بنائے ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ [سورۃ النازعات] ''اس کے بعد زمین کو بچھایا۔'' روٹی بعد میں بنائی۔تب زمین میں حرکت تھی اللہ تعالیٰ نے اس میں پہاڑ رکھ دیئے ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ [سورۃ لقمان] کہ وہ حرکت نہ کرے۔﴿وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ [سورۃ النباء] ''پہاڑوں کو میخیں بنا کر زمین میں گاڑ دیا۔'' ﴿وَبٰرَكَ فِيْهَا﴾ اور برکت رکھی اس میں۔ھا ضمیر کا مرجع پہاڑ بھی بناتے ہیں کہ پہاڑوں میں برکت رکھی کہ پہاڑوں پر درخت ہیں جڑی بوٹیاں ہیں، پانی کے چشمے ہیں۔یہ بھی صحیح ہے۔اور اس کا مرجع زمین بھی بناتے ہیں۔تو معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ نے زمین میں برکت رکھی ہے۔زمین میں تو بہت کچھ ہے۔تو فرمایا زمین کو پیدا کیا ﴿وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا﴾ اقوات۔قوت کی جمع ہے۔معنیٰ ہے خوراک، روزی۔تو معنیٰ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں اس میں خوراکیں، روزیاں ﴿فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ﴾ چار دنوں میں۔دو دن میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو گیند کی شکل میں بنایا پھر دو دن میں اس میں پہاڑ رکھے اس کو پھیلایا اور اس میں روزیاں مقرر کیں۔کسی جگہ گندم، کسی جگہ چاول، کسی جگہ مکئی اور باجرا ہوگا، کسی جگہ کوئی پھل ہوگا، کسی جگہ کوئی پھل ہوگا۔منگل اور بدھ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہاڑ اور خوراکیں زمین میں مقرر فرمائیں ﴿سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ﴾ یہ برابر ہے پوچھنے والوں کے لیے۔چوں کہ آنحضرت ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تھا کہ زمین کو کیسے اور کتنے دنوں میں بنایا ہے۔تو ان کے سوال کا جواب مکمل ہوگیا۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ﴿اِلَى السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف ﴿وَهِيَ دُخَانٌ﴾ اور وہ دھواں تھا ﴿فَقَالَ

لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کہا اور زمین سے آؤ تم دونوں ﴿ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ﴾ خوشی سے یا جبراً۔ جس ساخت میں میں تمھیں بنانا چاہتا ہوں خوشی سے بننا چاہتے ہو یا جبراً ﴿ قَالَتَآ ﴾ آسمان بھی بولا اور زمین بھی بولی ﴿ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴾ آئے ہیں ہم خوشی کے ساتھ۔ پروردگار! ہم بن گئے، تعمیل کرتے ہیں آپ کے حکم کی۔ جمعرات اور جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان بنائے، اتوار، سوموار کو زمین کا مادہ بنایا، منگل بدھ کو زمین میں پہاڑ، خوراکیں چشمے وغیرہ مقرر فرمائے۔ جمعرات اور جمعہ کے دن آسمان بنائے۔ یہ خلاصہ ہے مسلم شریف کی روایت کا۔ فرمایا ﴿ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو برابر کر دیا سات آسمان ﴿ فِيْ يَوْمَيْنِ ﴾ دو دنوں میں۔ جمعرات اور جمعہ کو۔ قرآن پاک میں سات آسمانوں کا ذکر متعدد بار آیا ہے اور زمین کے سات ہونے کا ذکر صرف ایک مرتبہ سورہ طلاق میں آیا ہے ﴿ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ اور یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں اس کے نیچے اور زمین ہے، اس کے نیچے اور زمین ہے، اس کے نیچے اور زمین ہے، اس طرح سات زمینیں ہیں۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ ہر زمین میں مخلوق ہے اور یہ زمینیں اوپر نیچے ہیں۔ اس طرح نہیں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں مثلاً ایک زمین پاکستان کی ہے، ایک امریکہ کی ہے اور ایک افریقہ کی ہے اس طرح سات زمینیں ہیں۔ یہ نظریہ غلط ہے بلکہ زمینیں اوپر نیچے ہیں۔ اور اس پر بہت سارے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حدیث ہے جو آدمی کسی دوسرے کی ایک بالشت زمین پر بھی ناجائز قبضہ کرے گا تو قیامت والے دن وہ زمین بھی اور اس کے نیچے کی چھ زمینوں میں سے ایک ایک بالشت اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ زمینیں اوپر نیچے ہوں ورنہ اس زمین کا امریکہ چین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری دلیل: ترمذی شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص زمین میں زنجیر لٹکائے کہ وہ دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں زمین تک پہنچ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح اوپر نیچے ہیں۔ فرمایا ﴿ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ﴾ اور وحی کی اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کے معاملے کی۔ ہر آسمان میں فرشتے مقرر فرمائے اور ان کے ذمے ڈیوٹیاں لگائیں۔ باقی معاملات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آسمان پر ایک بالشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول نہ ہو اور فرشتوں کی حمد وثنا ہے سبحان اللہ وبحمدہ۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ افضل الکلام سبحان اللہ وبحمدہ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس کلمے کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسی کلمے کی برکت سے اللہ تعالیٰ حیوانوں کو روزی دیتا ہے وہ زبان حال سے کہتے ہیں سبحان اللہ وبحمدہ اور ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے بیت المعمور، یہ فرشتوں کا قبلہ ہے روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور جس نے ایک دفعہ طواف کر لیا پھر اس کو ساری زندگی دوبارہ طواف کا موقع نہیں ملتا۔

تو فرشتوں کی تعداد کا کوئی حساب نہیں ہے۔ اور ہر آدمی کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں چوبیس فرشتے ہوتے ہیں۔ چار فرشتے تو کراماً کاتبین ہیں دو دن کے اور دو رات کے ﴿وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۙ﴾ [سورۃ الانفطار] اور سورہ ق پارہ ۲۶ میں ہے ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ﴾ ''دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہیں۔'' دائیں کندھے پر نیکیاں لکھنے والا اور بائیں کندھے پر بدیاں لکھنے والا بیٹھا ہے مگر محسوس نہیں ہوتے اور دس فرشتے دن کو انسان کی حفاظت پر مامور ہیں اور دس رات کو ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [الرعد: ۱۱] ''اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے فرشتے ہیں۔'' آدمی کے آگے اور پیچھے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ سند کے ساتھ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس فرشتے دن کو انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہوتے ہیں اور دس رات کو، جب تک انسان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے۔ پھر جس طرح انسان کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں اسی طرح ہر جن کے ساتھ دس فرشتے دن کو اور دس رات کو حفاظت کے لیے مقرر ہیں۔ جنات بھی مکلف ہیں اور جنات کی آبادی انسانوں سے زیادہ ہے کہ ان کی پیدائش انسان سے دو ہزار سال پہلے ہوئی ہے۔ انسان سے پہلے انھوں نے دو ہزار سال زمین میں حکمرانی کی ہے پھر ان میں نیک بھی ہیں اور بد بھی، مومن بھی اور کافر بھی۔

سورہ جن پارہ ۲۹ میں ہے ﴿وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآىِٕقَ قِدَدًا﴾ ''اور بے شک ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور اس کے علاوہ بھی یعنی بدکار بھی۔ ہم مختلف راستوں میں بٹے ہوئے ہیں'' اور آگے ہے ﴿وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ ''اور بے شک ہم میں مسلمان بھی ہیں اور ناانصاف بھی یعنی کافر بھی۔'' یہ جنات کا اپنا بیان ہے۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی ہر آسمان میں اس کے معاملے کی ﴿وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ﴾ اور مزین کیا ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں کے ساتھ یعنی ستاروں کے ساتھ۔ مطلع صاف ہو تو رات کو ستارے جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ ان میں کچھ چھوٹے ہیں اور کچھ بڑے ہیں۔ بعض ستارے زمین سے بھی کئی گنا بڑے ہیں اور بے شمار ستارے ہیں۔

فضیلت حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ حضرت! کوئی بندہ ایسا بھی ہے کہ جس کی نیکیاں ستاروں کے برابر ہوں۔ یہاں سے تم ان کے ذہن کا اندازہ لگاؤ کیا سوچ ہے، کیا فکر ہے۔ ہماری ماں بہن ہوتی تو سوال ہوتا کہ حضرت! ستاروں کے برابر کس کے پاس پیسے ہوں گے۔ سوال ڈالروں، پونڈوں اور ریالوں کا ہوتا۔ مگر اُم المومنین پوچھتی ہیں کہ حضرت کوئی ایسا بندہ ہے جس کی نیکیاں ستاروں کے برابر ہوں؟ فرمایا ہاں! عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں ستاروں کے برابر ہیں۔ مگر افسوس کہ جس کی نیکیاں ستاروں کی طرح بے شمار ہیں آج لوگ ان پر برستے اور زبان درازی کرتے

ہیں۔ کتنا ظلم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کا مسئلہ اور رافضیوں کا نظریہ

خمینی اپنی کتاب کشف الاسرار میں لکھتا ہے کہ قرآن کریم کا پہلا منکر اور باغی ابوبکر ہے رضی اللہ عنہ۔ کیونکہ اس نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت کا حصہ نہیں دیا۔ یہاں پر ایک مسئلہ سمجھ لیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت تقسیم ہوتی تو مسئلہ بنتا چوبیس (۲۴) سے کیوں کہ اس وقت شرعی وراث چچا، بیویاں اور بیٹی تھی۔ تو مسئلہ چوبیس سے حل ہوتا آدھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مل جاتا کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ﴾ [النساء:۱۱] ''اور ایک ہی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔'' اور بیوی ایک ہو یا ایک سے زاید ہوں تو ان کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ تو چوبیس میں سے بارہ حصے ملتے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو۔ آٹھواں حصہ بنتا ہے تین۔ تو تین حصے بیویوں کو ملتے۔ باقی نو حصے ملتے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو۔ اگر وراثت تقسیم ہوتی تو اس طرح ہوتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے اور متواتر روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِيَاءِ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ''ہم پیغمبروں کی جماعت جو چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر فرمایا۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے اس رب کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی قَالَا اللّٰہ نَعَمْ۔ دونوں بزرگوں نے کہا ہاں! اللہ گواہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن کے کیسے منکر ہوئے؟ پھر خمینی نے لکھا ہے کہ دوسرے نمبر پر قرآن کا منکر، ملحد اور زندیق عمر ہے، رضی اللہ عنہ۔ خمینی کے انقلاب سے پہلے یہ لوگ ہر ملک میں دبے ہوئے تھے پاکستان میں بھی ان کو اتنی جرات نہیں تھی کہ کھل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کریں یہ پَر ان کو خمینی نے لگائے ہیں۔

تو اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت! کسی آدمی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں عمر کی۔ تو اُم المومنین نے کہا میرے ابا جی کی نیکیاں؟ فرمایا عائشہ! عمر کی ساری نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔

تو آسمان پر بے شمار ستارے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو مزین کیا ہے ﴿ وَحِفْظًا ﴾ اور آسمان کی حفاظت کے لیے ہیں کہ یہ جنات اور شیاطین اوپر جا کر فرشتوں کی باتیں نہ سنیں۔ جب یہ اوپر جاتے ہیں تو ﴿ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [سورۃ الحجر:۱۸] ''پس پیچھا کرتا ہے اس کا ایک روشن شہاب۔'' ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾ یہ اندازہ ہے غالب کا، جاننے والے کا ﴿ فَاِنْ اَعْرَضُوْا ﴾ پس اگر وہ اعراض کریں۔ اگر یہ کافر مشرک لوگ اعراض کریں آپ کی نصیحت کو قبول نہ کریں ﴿ فَقُلْ ﴾ تو ان سے کہہ دیں ﴿ اَنْذَرْتُكُمْ ﴾ میں نے تمھیں ڈرا دیا ہے ﴿ صٰعِقَةً ﴾۔ صاعقہ کا معنیٰ بجلی کا بھی ہے اور مطلق عذاب کا بھی ہے چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو۔ یہاں معنیٰ عذاب کا ہے۔ میں تمھیں ڈرا چکا ہوں عذاب سے ﴿ مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴾ عاد اور ثمود کے عذاب کی طرح۔ جیسے عاد قوم پر تند و تیز ہوا کا عذاب آیا اور ثمود قوم کے متعلق صَیْحَہ کا لفظ

بھی آیا ہے ڈراونی آواز اور رَجۡفَه کا لفظ بھی آیا ہے زلزلہ۔ ﴿اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ﴾ جس وقت آئے قوم عاد اور ثمود کے پاس ان کے رسول ﴿مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ﴾ ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے۔ اگر قوم آرہی ہوتی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر سامنے سے پہنچا اور کہا ﴿يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ﴾ اور جا رہے ہوتے تو پیچھے سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے۔ تو سامنے سے بھی تبلیغ کی پیچھے سے بھی تبلیغ کی اور یہ سبق دیا ﴿اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ﴾ یہ کہ تم نہ عبادت کرو مگر صرف اللہ تعالیٰ کی ﴿قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا﴾ ان لوگوں نے کہا اگر چاہتا ہمارا رب ﴿لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ البتہ اتارتا فرشتے نوری مخلوق کو پیغمبر بنا کر بھیجتا۔ تم تو ہماری طرح کھاتے پیتے ہو، انسان ہو تم کیسے پیغمبر بن گئے۔

سورہ مومنون آیت نمبر ۳۳ پارہ ۱۸ میں ہے ﴿مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ﴾ ''نہیں یہ پیغمبر مگر انسان تمھارے جیسا ﴿يَاۡكُلُ مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ وَيَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ﴾ کھاتا ہے ان چیزوں سے جن سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے ان چیزوں میں سے جو تم پیتے ہو۔'' اور سورۃ الفرقان آیت نمبر ۷ پارہ ۱۸ میں ہے کہ انھوں نے کہا ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِيۡ فِي الۡاَسۡوَاقِ﴾ ''کیا ہے اس رسول کو یہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں۔'' سودا سلف خریدتا ہے، بیچتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ مشرک قوموں کا نظریہ تھا کہ پیغمبر بشر نہیں ہونا چاہیے، نوری ہونا چاہیے۔

تو کہنے لگے اگر چاہتا ہمارا پروردگار تو اتارتا فرشتے ﴿فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ﴾ پس بے شک ہم اس چیز کے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو منکر ہیں۔ نہ توحید مانتے ہیں، نہ رسالت، نہ قیامت مانتے ہیں۔ آگے بھی اسی سلسلے کا ذکر ہے۔

﴿فَاَمَّا عَادٌ﴾ پس بہر حال عاد قوم نے ﴿فَاسۡتَكۡبَرُوۡا﴾ پس تکبر کیا ﴿فِي الۡاَرۡضِ﴾ زمین میں ﴿بِغَيۡرِ الۡحَقِّ﴾ ناحق ﴿وَقَالُوۡا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ کون زیادہ سخت ہے ہم سے قوت میں ﴿اَوَلَمۡ يَرَوۡا﴾ کیا اور انھوں نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيۡ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ﴿خَلَقَهُمۡ﴾ جس نے ان کو پیدا کیا ﴿هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً﴾ وہ زیادہ سخت ہے ان سے قوت میں ﴿وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ﴾ اور تھے وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے ﴿فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ﴾ پس بھیجی ہم نے ان پر ﴿رِيۡحًا﴾ ہوا ﴿صَرۡصَرًا﴾ تند و تیز ﴿فِيۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ منحوس دنوں میں ﴿لِّنُذِيۡقَهُمۡ﴾ تاکہ ہم چکھائیں ان کو ﴿عَذَابَ الۡخِزۡيِ﴾ رسوائی کا عذاب ﴿فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت ہی رسوا کرنے والا ہے ﴿وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ﴾ اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی ﴿وَاَمَّا ثَمُوۡدُ﴾ اور بہر حال قوم ثمود ﴿فَهَدَيۡنٰهُمۡ﴾ پس ہم نے ان کو راستہ بتلایا ﴿فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى﴾ پس انھوں نے پسند کیا اندھے پن کو ﴿عَلَى الۡهُدٰى﴾ ہدایت کے اوپر

﴿فَاَخَذَتْهُمْ﴾ پس پکڑا ان کو ﴿صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ﴾ ذلت والے عذاب کی کڑک نے ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ بہ سبب اس کے جو وہ کماتے تھے ﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ بچتے تھے ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ﴾ اور جس دن اکٹھے کیے جائیں گے ﴿اَعْدَآءُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دشمن ﴿اِلَى النَّارِ﴾ دوزخ کی طرف ﴿فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ پس وہ گروہ در گروہ کر دیے جائیں گے ﴿حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا﴾ یہاں تک کہ وہ اس کے قریب پہنچیں گے ﴿شَهِدَ عَلَيْهِمْ﴾ گواہی دیں گے ان کے خلاف ﴿سَمْعُهُمْ﴾ ان کے کان ﴿وَاَبْصَارُهُمْ﴾ اور ان کی آنکھیں ﴿وَجُلُوْدُهُمْ﴾ ان کے چمڑے ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کی جو وہ کرتے تھے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور وہ کہیں گے ﴿لِجُلُوْدِهِمْ﴾ اپنے چمڑوں کو ﴿لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ تم کیوں گواہی دیتے ہو ہمارے خلاف ﴿قَالُوْۤا﴾ وہ کہیں گے ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ﴾ بلوایا ہے ہم کو اس اللہ نے ﴿اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے ﴿وَّهُوَ خَلَقَكُمْ﴾ اور اسی نے تم کو پیدا کیا ﴿اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ پہلی مرتبہ ﴿وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے گئے ہو۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی اور سنی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ لوگ نصیحت سے اعراض کریں، توحید و رسالت اور قیامت سے اعراض کریں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ میں نے تمھیں ڈرا دیا ہے عذاب سے جیسا کہ عذاب آیا تھا عاد اور ثمود قوم پر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے ہلاک ہو جاؤ جس طرح کہ وہ ہلاک ہوئے ہیں۔ اب پروردگار اس کی تھوڑی سی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

فرمایا ﴿فَاَمَّا عَادٌ﴾ پس بہرحال عاد قوم نے ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ پس تکبر کیا زمین میں ناحق۔ نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں قوم عاد تھی۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ بارھویں پارے میں ہے ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ ''اور ہم نے عاد قوم کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔'' یہ قوم نجران، حضر موت، مغربی یمن اور عمان کے درمیان میں آباد تھی۔ جغرافیے میں اس کا نام ربع خالی اور طہماء ہے۔ اس علاقے میں زیادہ تر ریت کے ٹیلے تھے مگر نجران کے قریب زرعی زمین بھی تھی یہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تنومند اور بڑی قوت والے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بارش روک دی۔ بارانی علاقہ تھا لوگوں کو بڑی پریشانی ہوئی، چشموں کا پانی سوکھ گیا، کنوؤں کا پانی کم ہو گیا اور بعض کا بالکل ختم ہو گیا، کھیت سوکھ گئے، درخت جھلس گئے، جانور بھوکے پیاسے مرنے لگے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ توبہ کرو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو، میری اطاعت کرو ﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

﴿مِّدْرَارًا﴾ [ہود: ۵۲] ''اللہ تعالیٰ چھوڑ دے گا آسمان کو تمہارے اوپر بارش برسانے والا۔'' اور تمہاری طاقت کے ساتھ طاقت کو بڑھا دے گا۔ لیکن وہ قوم اتنی سرکش تھی کہ کہنے لگی کہ اگر تمہاری وجہ سے بارش ہونی ہے تو پھر ہمیں بارش کے ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس قوم کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عاد قوم نے تکبر کیا زمین میں ناحق ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ کون زیادہ سخت ہے ہم سے قوت میں۔ ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے، ہم سے قد کس کا بڑا ہے، بدنی اور مالی طاقت میں ہم سے زیادہ کون ہے۔ رب تعالیٰ نے جواب دیا ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ﴾ کیا اور انھوں نے نہ دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ﴿خَلَقَهُمْ﴾ جس نے ان کو پیدا کیا ﴿هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ وہ زیادہ سخت ہے قوت میں ان سے ﴿وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ اور تھے وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے۔ پھر کیا ہوا ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا﴾ پس بھیجی ہم نے ان پر ہوا ﴿صَرْصَرًا﴾ تند و تیز جھکڑ چلائے ﴿فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ منحوس دنوں میں۔ ہوا کیوں چلائی ﴿لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ﴾ تاکہ ہم چکھائیں انھیں رسوائی کا عذاب ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت رسوا کرنے والا ہے ﴿وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ کئی سال بارشیں نہ ہوئیں پھر بادل کا ایک ٹکڑا ان کو نظر آیا تو بڑے خوش ہوئے۔ کہنے لگے ﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ ''یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا۔'' ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ﴾ [الاحقاف: ۲۴] ''نہیں بلکہ یہ وہ ہے کہ جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے'' یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ جس وقت بادل ان کے قریب آ گیا تو اس سے آواز آئی: رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا ''ان کو راکھ اور خاک کر دے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑنا۔'' یہ آواز کانوں سے سننے کے باوجود عبرت حاصل نہ کی، ضد نہ چھوڑی، حق کو قبول نہیں کیا۔ ہوا نے ان کو پٹکا پٹکا کر مارا۔ کوئی یہاں گرا پڑا ہے کوئی وہاں گرا پڑا ہے۔ سورۃ الحاقہ پارہ ۲۹ میں ہے ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ ''گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہیں جو اکھاڑ کر پھینک دیے گئے ہیں۔'' وہ ہوا جو عالم اسباب میں جان دار چیزوں کے لیے نجات کا ذریعہ ہے اسی ہوا کو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بنا کر مسلط کر دیا۔

بعض لوگوں کا باطل استدلال اور اس کا جواب

یہاں پر ایک اہم بات سمجھ لیں۔ بعض لوگوں نے ﴿فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ سے غلط استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنوں میں نحس بھی ہیں اور سعد بھی ہیں۔ دن منحوس بھی ہوتے ہیں اور اچھے بھی ہوتے ہیں کہ منحوس دنوں میں ان پر عذاب مسلط کیا۔ اسی وجہ سے بعض جاہل لوگ کہتے ہیں:

منگل بدھ نہ جاویں پہاڑ
جیتی بازی آویں ہار

منگل بدھ والے دن پہاڑ کا سفر نہ کرنا ورنہ شکست کھا کر آؤ گے۔ اور بعض علاقوں میں شوال کے مہینے میں نکاح کو معیوب سمجھتے ہیں اور اس کو خالی مہینہ کہتے ہیں کہ یہ نکاح سے خالی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بعض عورتوں نے ذکر کیا کہ امی جان! لوگ کہتے ہیں کہ شوال کے مہینے میں نکاح ہو تو نباہ نہیں ہوتا۔ فرمایا لوگ غلط کہتے ہیں میرا نکاح بھی شوال کے مہینے میں ہوا ہے اور رخصتی بھی شوال کے مہینے میں ہوئی ہے۔ اس وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی برادری کے لڑکے لڑکیوں کے نکاح شوال کے مہینے میں کرتی تھیں۔ اور جیسے آج کل اپنے آپ کو سنی کہلانے والے لوگ محرم میں نکاح کرنے کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ شیعہ تو خیر رہے اپنی جگہ سنی کہلانے والوں کی بات کرتا ہوں۔ یہ لوگ شریعت کی حدود پھلانگنے والے ہیں۔

شرعی طور پر محرم میں نکاح کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ محرم میں نکاح اس لیے نہیں کرتے کہ دس محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور رجب میں بھی نکاح نہیں کرتے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ رجب میں شہید ہوئے تھے۔ شوال کے مہینے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اگر ضابطہ یہی ہوتا اور بارہ مہینوں میں اہل بیت کے بارہ آدمی شہید ہوتے تو پھر بارہ مہینوں پر تو ان کا قبضہ ہو جاتا تو نکاح کون سے مہینے میں کرتے۔ لہٰذا یہ نظریہ ہی غلط ہے۔ وہ منحوس دن کافروں کے لیے تھے۔ دنوں میں ذاتی نحوست نہیں ہوتی۔ آگے آرہا ہے ﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ "اور ہم نے نجات دی ایمان والوں کو" انھی دنوں میں ہود اور ان کے ساتھیوں کو نجات ملی۔ اگر دنوں میں نحوست ہوتی تو یہ بھی نہ بچتے۔ پھر یہ عذاب قوم عاد پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ہوتا رہا۔ چنانچہ سورۃ الحاقہ پارہ ۲۹ میں ہے ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا﴾ "ہوا کو مسلط کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔" بدھ والے دن عذاب شروع ہوا اگلے بدھ تک جاری رہا۔ تو اب سعد کس دن کو کہو گے نحس کس دن کو کہو گے۔ سارے دن ہی منحوس ہو گئے۔ لہٰذا دن ذاتی طور پر کوئی بھی منحوس نہیں ہے۔ یہ نحوست ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ان کے حق میں تھی اور یہ دن ان کے لیے منحوس تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تباہ ہوئے اور ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا کچھ بھی نہ بگڑا۔

﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ﴾ اور بہر حال ثمود قوم جو تھی پس ہم نے ان کو راستہ بتلایا ان کی راہنمائی کی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اللہ کے نبی نے ان کی زبان میں ان کی راہنمائی کی ﴿فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى﴾ پس انھوں نے پسند کیا اندھے پن کو۔ دلوں کے اندھے ہونے کو انھوں نے پسند کیا ﴿عَلَى الْهُدٰى﴾ ہدایت پر۔ ہدایت کے مقابلے میں انھوں نے گمراہی کو اختیار کیا ہدایت انھوں نے قبول نہ کی ضد پر اڑے رہے، منہ مانگا معجزہ بھی مل گیا جو چٹان انھوں نے خود متعین کی اس سے اونٹنی نکلی لیکن پھر بھی نہیں مانے ﴿فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ﴾ ھون۔ ھا کے ضمہ کے ساتھ ہو تو معنیٰ ہوتا ہے ذلت اور ھا کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنیٰ ہوتا ہے وقار کے ساتھ چلنا۔ یہاں ضمہ کے ساتھ ہے۔ تو معنیٰ ہوگا پس پکڑا ان کو ذلت والے عذاب کی کڑک نے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک بڑی کڑک دار آواز نکالی جس سے زلزلہ آیا۔ ان کے متعلق صیحہ کا لفظ بھی آتا ہے اور رجفہ کا لفظ بھی آتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کو سخت ذلیل عذاب کی کڑک میں کیوں پکڑا ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ بہ سبب

اس کے جو وہ کماتے تھے۔ ان کے کفر، شرک اور برائی کا صلہ ان کو ملا ﴿وَنَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تھے وہ بچتے رب تعالیٰ کی نافرمانی سے۔ یہ تو دنیا کا عذاب تھا ﴿وَ یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ﴾ اور جس دن چلائے جائیں گے، اکٹھے کیے جائیں گے اللہ تعالیٰ کے دشمن آگ کی طرف۔ محشر والے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت والی جگہ سے جنت بھی نظر آئے گی اور دوزخ بھی ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ ''اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ﴾ [الشعراء: ۹۰-۹۱] اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو گمراہوں کے لیے۔'' ﴿فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ﴾ پس وہ گروہ در گروہ کر دیئے جائیں گے۔

اسی پارے میں تم پڑھ چکے ہو ﴿وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ ''اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔'' یہودیوں کا علیحدہ گروہ، عیسائیوں کا علیحدہ گروہ، ہندوؤں کا علیحدہ گروہ، سکھوں کا علیحدہ گروہ بدھوؤں کا علیحدہ گروہ، اسی طرح مومنوں کے بھی علیحدہ علیحدہ گروہ ہوں گے۔ نفل نمازیں زیادہ پڑھنے والوں کا علیحدہ گروہ ہوگا۔ فرض نمازیں تو سب مومن پڑھتے ہیں۔ مجاہدین کا گروہ علیحدہ ہوگا۔ جنھوں نے کثرت کے ساتھ حج کیے ان کا گروہ علیحدہ ہوگا، کثرت سے نفلی روزے رکھنے والوں کا گروہ علیحدہ ہوگا۔ جنھوں نے دین کی تبلیغ کثرت کے ساتھ کی ان کا گروہ علیحدہ ہوگا۔

تو اعداء اللہ گروہ در گروہ تقسیم ہوں گے ﴿حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا﴾ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب پہنچیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی وہاں سے دوزخ نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بتلاؤ میرے بندو! میں نے تمھیں عقل دی، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں پھر تم نے میری توحید کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟ میرے پیغمبروں کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟ تو یہ کہیں گے ﴿وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ ''قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔'' ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ ''دیکھو کیسا جھوٹ بولا انھوں نے اپنی جانوں پر ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ [انعام: ۲۴-۲۳] ''اور گم ہو گئیں ان سے وہ باتیں جو وہ کرتے تھے۔'' مشرک اتنا بے حیا اور ڈھیٹ ہوتا ہے رب تعالیٰ کی سچی عدالت میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہریں لگا دیں گے۔

سورۃ یٰسین میں ہے ﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ﴾ ''آج ہم مہریں لگا دیں گے ان کے مونہوں پر۔'' پھر کیا ہوگا؟ ﴿شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ﴾ گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں ﴿وَ جُلُوْدُهُمْ﴾ ان کے چمڑے ﴿بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کی وہ خبر دیں گے جو وہ کرتے رہے۔ جس طرح اب میں زبان سے بول رہا ہوں اور تم میرے الفاظ سن رہے ہو اس طرح کان، آنکھیں، چمڑے، ہاتھ پاؤں بولیں گے، کہنیاں اور گھٹنے بولیں گے کہ واقعی انھوں نے شرک کیا ہے۔

﴿وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ﴾ اور وہ مجرم اپنے چمڑوں سے کہیں گے ﴿لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا﴾ کیوں گواہی دیتے ہو تم ہمارے خلاف ﴿قَالُوْۤا﴾ وہ اعضاء کہیں گے ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ بلوایا ہے ہم کو اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔

ہمارا کیا بس ہے ہم تو رب تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ ﴿وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اور اسی نے تمھیں پیدا کیا پہلی مرتبہ اور جس جس کو کام میں لگایا، کان سننے کے لیے، آنکھیں دیکھنے کے لیے، ہاتھ پکڑنے کے لیے، زبان بولنے کے لیے، پاؤں چلنے کے لیے، اسی رب نے یہ تصرف فرمایا ہے اور ہر ایک سے بلوا رہا ہے ﴿وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی رب کی طرف آج تم لوٹائے گئے ہو۔ یہ سارا نقشہ قیامت والے دن سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے لے جائے اور آخرت کی شرمندگی سے محفوظ فرمائے۔

~~~

﴿وَمَا كُنْتُمْ﴾ اور نہیں تھے تم ﴿تَسْتَتِرُوْنَ﴾ چھپ سکتے ﴿اَنْ﴾ اس بات سے ﴿يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ﴾ کہ گواہی دیں تمھارے خلاف ﴿سَمْعُكُمْ﴾ تمھارے کان ﴿وَلَآ اَبْصَارُكُمْ﴾ اور نہ اس سے کہ گواہی دیں تمھارے خلاف تمھاری آنکھیں ﴿وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ اور نہ اس سے کہ گواہی دیں تمھارے خلاف تمھارے چمڑے ﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ﴾ اور لیکن تم نے خیال کیا کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَعْلَمُ﴾ نہیں جانتا ﴿كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ بہت ساری وہ چیزیں جو تم کرتے ہو ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ﴾ اور یہ تمھارا خیال ہے ﴿الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ﴾ وہ خیال جو تم نے کیا ﴿بِرَبِّكُمْ﴾ اپنے رب کے بارے میں ﴿اَرْدٰىكُمْ﴾ اس خیال نے تمھیں ہلاک کر دیا ﴿فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پس ہو گئے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿فَاِنْ يَّصْبِرُوْا﴾ پس اگر وہ صبر کریں ﴿فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ پس دوزخ کی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے ﴿وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا﴾ اور اگر وہ معافی مانگیں ﴿فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ پس نہیں ہوں گے وہ کہ ان کو معافی کا موقع دیا جائے ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ﴾ اور ہم نے مسلط کر دیے ہیں ان کے لیے ساتھی ﴿فَزَيَّنُوْا لَهُمْ﴾ پس انھوں نے مزین کیا ان کے لیے ﴿مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ جو کچھ ان کے آگے ہے ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ﴿وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ اور لازم ہو چکی ان پر بات ﴿فِيْٓ اُمَمٍ﴾ ان اُمتوں میں ﴿قَدْ خَلَتْ﴾ تحقیق جو گزر چکی ہیں ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ جنات میں سے اور انسانوں میں سے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ نہ سنو تم اس قرآن کو ﴿وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ اور اس میں شور مچاؤ ﴿لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ تاکہ تم غالب آ جاؤ ﴿فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس البتہ ہم ضرور چکھائیں گے ان لوگوں کو جو کافر ہیں ﴿عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ سخت عذاب ﴿وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ﴾ اور ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے ﴿اَسْوَاَ الَّذِيْ﴾ بہت
~~~

بُرا بدلہ ہے اس چیز کا ﴿كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جو وہ کرتے ہیں ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ﴾ یہ ہے سزا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی ﴿النَّارُ﴾ دوزخ کی آگ ﴿لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾ ان کے لیے دوزخ میں ہمیشگی کا گھر ہے ﴿جَزَآءً﴾ بدلہ ہوگا ﴿بِمَا كَانُوْا﴾ اس چیز کا کہ تھے ﴿بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ ہماری آیتوں کا وہ انکار کرتے تھے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے سبق میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ قیامت والے دن انسان کے اپنے اعضاء جب اس کے خلاف گواہی دیں گے تو یہ کہیں گے تم ہمارے چمڑے (جسم کا حصہ) ہو کر ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو؟ تو وہ کہیں گے ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ "بلوایا ہے ہم کو اسی اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔" اور انسان کے اعضاء یہ بھی کہیں گے ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ﴾ اور نہیں تھے تم چھپ سکتے ﴿اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ﴾ اس بات سے کہ گواہی دیں تمہارے خلاف ﴿سَمْعُكُمْ﴾ تمہارے کان ﴿وَلَآ اَبْصَارُكُمْ﴾ اور نہ اس بات سے کہ تمہاری آنکھیں گواہی دیں ﴿وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ اور نہ اس بات سے کہ تمہارے چمڑے گواہی دیں۔ یہ تو انسان کے بس میں نہیں ہے کہ گناہ کرتے وقت اعضاء کو اتار کر پھینک دے۔ کان اتار دے، آنکھیں نکال دے، ہاتھ پاؤں الگ کر دے، چمڑا اتار دے پھر گناہ کرے کہ یہ گواہ نہ بن سکیں۔ یہ تو انسان کے بس میں نہیں ہے۔ تو یہ اعضاء کہیں گے کہ تم چھپ نہیں سکتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان گواہی دیں اور نہ آنکھیں گواہی دیں اور نہ چمڑے گواہی دیں ﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ﴾ اور لیکن تم نے خیال کیا کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں جانتا تمہارے بہت سارے وہ کام جو تم کرتے ہو۔ تم گناہ کے کام لوگوں سے چھپ کر کرتے تھے مگر خدا تعالیٰ سے ذرا شرم نہیں کھاتے تھے حالانکہ اس سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے مگر تم سمجھ رہے تھے کہ یہ برائیاں اللہ تعالیٰ سے بھی پوشیدہ ہیں اور ان کو کوئی نہیں دیکھتا اور نہ کوئی جانتا ہے۔

اگر بندہ یہ سمجھے کہ میرا یہ عمل رب دیکھ رہا ہے تو پھر گناہ کی نوبت ہی نہ آئے۔ ایسا اندھا اور بہرا ہو کر کرتا ہے کہ شاید اس کے رب کو علم نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ تم نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نہیں جانتا تمہارے بہت سے اعمال کو ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ﴾ اور یہ تمھارا خیال ہے جو خیال تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا ﴿اَرْدٰىكُمْ﴾ اس خیال نے تمھیں ہلاک کر دیا برے عمل کرتے وقت تم نے یہ خیال کیا کہ تمہارے رب کو تمہارے اعمال کا علم نہیں ہے اور وہ تم سے پوچھے گا نہیں۔ اس خیال نے تمھیں تباہ کر دیا ﴿فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پس ہو گئے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ پس اگر یہ صبر کریں پس دوزخ کے عذاب پر، تو دوزخ ان کا ٹھکانا ہے۔ صبر کرنا پڑے گا ﴿وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا﴾ اور اگر معافی مانگیں گے ﴿فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ پس نہیں ہوں گے وہ کہ ان کو معافی کا موقع دیا جائے۔ عتبیٰ بروزن بشریٰ یہ مصدر ہے عتبیٰ کا معنیٰ ہے الرجوع اِلٰی مَا یَرْضَی اللّٰہُ "اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنا۔" تو لغوی

معنی میں مطلب یہ بنے گا اگر وہ رب کو راضی کرنا چاہیں گے تو نہیں ہوں گے وہ ان میں سے جنھیں رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی اجازت ملے گی۔ اب محاورے کے طور پر معنی ہوگا کہ اگر وہ توبہ کرنا چاہیں گے تو ان کی معافی قبول نہیں کی جائے گی۔ بعض جرم ایسے ہوتے ہیں کہ مجرم معافی مانگ لے اور آئندہ کے لیے اطمینان دلادے تو اس کو معاف کر دیا جاتا ہے لیکن چونکہ کافروں اور مشرکوں پر جنت حرام ہے اور ان کا ہمیشہ کے لیے ٹھکانا دوزخ ہے لہٰذا ان کو معافی مانگنے کا موقع نہیں دیا جائے گا ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے مسلط کر دیئے ان کے لیے ﴿قُرَنَآءَ﴾ ساتھی۔ قرین کی جمع ہے۔ ان کے ساتھ ہم نے ساتھی جوڑ دیئے ہیں ﴿فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ پس ان ساتھیوں نے ان کے لیے مزین کیا ان گناہوں کو جو ان کے آگے ہیں ﴿وَ مَا خَلْفَهُمْ﴾ اور ان گناہوں کو جو ان کے پیچھے ہیں۔ بُرے ساتھی انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور جنات میں سے بھی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب انسان کو اچھا خیال آئے تو یہ فرشتے کے اثر کی وجہ سے ہوتا ہے جو دل کے ایک کونے میں ہے۔ تو اس پر الحمدللہ کہے کہ یہ فرشتے کا القاء ہے۔ اور اگر دل میں بُرا خیال پیدا ہو تو یہ شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے۔ اس وقت بائیں طرف تھوک دو اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھو اور اس وسوسے کو دل سے نکالنے کی کوشش کرو۔ بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ ''شیطان انسان کے جسم میں وہاں تک اثر کرتا ہے جہاں تک خون گردش کرتا ہے۔'' اور خون ناخنوں کے نیچے تک چلتا ہے تو اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ شیطان کا انسان کے بدن میں دخل ہے۔ تو وہ ساتھی انسان بھی ہو سکتے ہیں اور جنات بھی۔ انسان نظر آتے ہیں اور جنات نظر نہیں آتے۔ بُرے ساتھی اچھے سے اچھے انسان کو بھی بگاڑ دیتے ہیں۔

بُرے ساتھی :

تفسیروں میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کے ساتھی بُرے تھے اس کے باپ نوح علیہ السلام نے سمجھایا کہ بیٹے! ان کے ساتھ نہ بیٹھا کرو۔ نرمی کے ساتھ بھی سمجھایا اور گرمی کے ساتھ بھی سمجھایا مگر بدقسمت پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا وہ نصیحت کو قبول نہیں کرتا بلکہ نصیحت اس کو گولی کی طرح لگتی ہے۔ تو بُرے ساتھیوں نے اس کا بیڑا غرق کر دیا۔

اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ تمھیں کسی آدمی کے بارے میں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ بُرا ہے یا اچھا ہے، نیک ہے یا بد ہے بلکہ اس کی سوسائٹی اور جماعت کو دیکھو کیسی ہے اور وہ کس قسم کے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے فَاِنَّ الْمَرْءَ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ ''بے شک آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔'' جو اس کے ساتھیوں کے خیالات ہوں گے اس کے بھی وہی ہوں گے اور فطری طور پر نیکی کا اثر دیر سے ہوتا ہے اور برائی کا اثر جلدی ہوتا ہے اس لیے کہ نفس امارہ برائی کو چاہتا ہے۔ سیانے لوگوں نے کہا ہے کہ بُرائی کی رفتار گھوڑے کی ہے اور نیکی کی رفتار چیونٹی کی ہے۔ تو اچھی مجلسوں میں بیٹھنے والے پر نیکی کا اثر دیر سے ہوتا ہے اور بری مجلسوں میں بیٹھنے والے پر برائی کا اثر فوراً ہوتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان پر مسلط کیے ہیں ساتھی جو مزین کرتے ہیں ان کے لیے ان گناہوں کو جو آگے ہیں اور جو پیچھے ہیں۔ وہ سارے گناہوں کو اچھی شکل میں پیش کرتے ہیں کہ ڈاکے میں تھوڑے سے وقت میں بڑی رقم مل جائے گی مزے کرو گے، چوری میں تھوڑا سا وقت لگے گا پھر ہمیشہ عیش کرو گے۔ وہ سب کے سب گناہ مزین کر کے پیش کرتے ہیں ﴿وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ اور لازم ہو چکی ان کافروں پر بات ﴿فِيْٓ اُمَمٍ﴾ ان امتوں کی طرح ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو گزر چکی ہیں ان سے پہلے ﴿مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے۔ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے زمین پر جنات کی حکمرانی تھی اس کے بعد آدم علیہ السلام تشریف لائے تو خلافت ارضی آدم علیہ السلام کے سپرد کی گئی۔ تو فرمایا کہ جو امتیں ان سے پہلے گزر چکی ہیں جنوں اور انسانوں میں سے جو فیصلہ ان کے بارے میں تھا ان کے بارے میں بھی وہی فیصلہ ہے۔ وہ فیصلہ یہ ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے یہ بھی نقصان اٹھائیں گے۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی رب تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا خسارے میں رہے گا۔

کافروں کی حق کے خلاف سازش اور طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ چند آدمیوں کو اکٹھے دیکھتے تو وہاں پہنچ کر ان کو تبلیغ شروع کر دیتے گرمی ہو یا سردی ہو، آندھی ہو یا طوفان، رات ہو یا دن۔ ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مشن پہنچاتے۔ بڑی نرمی کے ساتھ ان کو قرآن سناتے اور سمجھاتے (کفار بھی وہاں پہنچ جاتے اور آوازے کستے)۔ چونکہ ان لوگوں کی مادری زبان عربی تھی مطلب خود بخود سمجھ جاتے۔ کچھ لوگوں پر اثر ہوتا وہ آپس میں باتیں کرتے کہ کہتا تو ٹھیک ہے باتیں تو صحیح کرتا ہے۔ مگر جب دھڑے کی طرف دیکھتے، باپ دادے کے عقیدے کی طرف دیکھتے تو قبول کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

جب رؤسائے قریش وکفار نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مجلس میں پہنچ جاتے ہیں اور قرآن سناتے ہیں اور قرآن کا اثر لوگوں پر ہوتا ہے تو پھر انھوں نے یہ مہم شروع کی ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ نہ سنو تم اس قرآن کو ﴿وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ اور شور مچاؤ اس میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ تاکہ تم غالب آجاؤ۔ یہ مہم انھوں نے گلیوں میں بازاروں میں، محلوں میں شروع کی کہ قرآن نہیں سننا اور جب یہ قرآن سنائے تو شور مچاؤ کہ کسی کو سمجھ ہی نہ آئے۔ اس پر وہ عرصہ دراز تک عمل کرتے رہے کہ جہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سنانے کے لیے تشریف لے جاتے تو شور مچانے کے لیے یہ بھی وہاں پہنچ جاتے اور اس کے لیے انھوں نے معقول طریقے پر بندوبست کیا ہوا تھا۔ ایک گروپ تھا جس کی ڈیوٹی تھی کہ جہاں یہ جائے تم وہاں پہنچ کر شور مچاؤ اور جو بڑے تھے ان کا طریقہ مختلف تھا۔ بڑے اجتماعات میں وہ خود پہنچتے تھے مثلاً حج کے دنوں میں لوگ جمع ہوتے تھے اور دور دراز سے آتے تھے۔

مستدرک حاکم اور مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تبلیغ کے لیے پہنچ جاتے۔ تو انھوں نے باریاں مقرر کی ہوتی تھیں کہ مزدلفہ کے مقام پر ابوجہل تردید کرے گا، منیٰ کے مقام پر ابولہب اور عرفات کے میدان میں فلاں تردید کرے گا کہ ان

مقامات پر لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ اور طریقۂ واردات ان لوگوں کا یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان شروع فرماتے تو یہ بھی جا کر بیٹھ جاتے اور دوسرے لوگوں کی طرح سنتے رہتے تھے درمیان میں نہیں بولتے تھے۔

جب بیان ختم ہوتا تو مثلاً : ابوجہل کھڑا ہو جاتا اور کہتا ایھا الناس اے لوگو میری بات سنو! میرا نام عمرو بن ہشام ہے (اور ابوالحکم میرا عہدہ اور منصب ہے) ابوالحکم کا معنیٰ ہے چیئرمین۔ ابوجہل تو اس کو مسلمان کہتے تھے وہ لوگ تو اس کو ابوالحکم کہتے تھے۔ یہ اس کی کنیت تھی۔ میں عمرو بن ہشام ابوالحکم ہوں۔ یہ شخص میرا بھتیجا ہے صَابِیٌٔ کَاذِبٌ " یہ صابی ہے اپنے باپ دادا سے دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹا ہے۔" اس کے پھندے میں نہ آنا۔ ابولہب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا۔ جب اس کی باری ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے ختم ہونے پر کھڑا ہو جاتا اور کہتا اَیُّھَا النَّاس اے لوگو میری بات سنو! میرا نام عبدالعزّٰی اور میرے والد کا نام عبدالمطلب تھا۔ عبدالمطلب مشہور شخصیت تھی ان کو مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب جانتے تھے۔ ابولہب کہتا اس شخص نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے پھندے میں نہ آنا یہ صابی اور کاذب ہے۔ اس وقت اہل حق کو صابی کہتے تھے جس طرح آج کل وہابی کہتے ہیں۔

ایک موقع پر ابوجہل نے ریت کی مٹھی بھر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر پھینکی وہ گویا کہ لوگوں کو سبق دے رہا تھا کہ تم بھی اس پر ریت اور پتھر پھینکو۔ تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ شکنی کے لیے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافروں نے کہا کہ نہ سنو اس قرآن کو اور شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔

فرمایا ﴿فَلَنُذِیۡقَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا﴾ پس ہم ضرور چکھائیں گے ان لوگوں کو جو کافر ہیں ﴿عَذَابًا شَدِیۡدًا﴾ بڑا سخت عذاب۔ لگالیں یہ جتنا زور لگا سکتے ہیں۔ دیکھو! ہم ان کا کیا حشر کرتے ہیں ﴿وَّلَنَجۡزِیَنَّھُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ اور ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے بہت برا بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کرتے ہیں۔ وہ دوزخ کی آگ ہے جو دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے ﴿ذٰلِکَ جَزَآءُ اَعۡدَآءِ اللّٰہِ﴾ یہ بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا ﴿النَّارُ﴾ آگ کی شکل میں ﴿لَھُمۡ فِیۡھَا دَارُ الۡخُلۡدِ﴾ ان کے لیے دوزخ میں ہیشگی کا گھر ہے۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ﴿جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ﴾ بدلہ ہوگا اس چیز کا کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

صرف انکار ہی نہیں کرتے تھے بلکہ کھلا مقابلہ کرتے تھے۔ اس کا بدلہ ان کو ضرور مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں ہے۔ یہ جو چاہیں کرتے پھریں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ ﴿کَفَرُوۡا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿رَبَّنَاۤ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اَرِنَا الَّذَیۡنِ﴾ دکھا دے ہمیں وہ دو ﴿اَضَلّٰنَا﴾ جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا ﴿مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ﴾ جنات میں سے

اور انسانوں میں ﴿ نَجْعَلْهُمَا ﴾ ہم ان کو کچل دیں ﴿ تَحْتَ اَقْدَامِنَا ﴾ اپنے پاؤں کے نیچے ﴿ لِيَكُوْنَا ﴾ تاکہ ہو جائیں وہ ﴿ مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴾ پست لوگوں میں سے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا ﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ﴿ رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾ پروردگار ہمارا اللہ ہے ﴿ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ پھر وہ ڈٹ گئے ﴿ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ ﴾ اُترتے ہیں ان پر ﴿ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ فرشتے (اور کہتے ہیں) ﴿ اَلَّا تَخَافُوْا ﴾ یہ کہ تم خوف نہ کرو ﴿ وَلَا تَحْزَنُوْا ﴾ اور نہ غم کھاؤ ﴿ وَاَبْشِرُوْا ﴾ اور خوش ہو جاؤ ﴿ بِالْجَنَّةِ ﴾ جنت پر ﴿ الَّتِيْ ﴾ وہ جنت ﴿ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ ﴾ ہم تمھارے ساتھی ہیں ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ اور آخرت میں ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا ﴾ اور تمھارے لیے اس جنت میں ہوگا ﴿ مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ ﴾ جو تمھارے جی چاہیں گے ﴿ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴾ اور تمھارے لیے ہوگا اس جنت میں جو تم طلب کرو گے ﴿ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴾ مہمانی ہوگی بخشنے والے مہربان کی طرف سے ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا ﴾ اور کون زیادہ اچھا ہے بات کے لحاظ سے ﴿ مِّمَّنْ ﴾ اس شخص سے ﴿ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ ﴾ جو بلاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ اور عمل کرتا ہے اچھا ﴿ وَّقَالَ ﴾ اور کہتا ہے ﴿ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ ﴾ اور نہیں ہے برابر نیکی ﴿ وَلَا السَّيِّئَةُ ﴾ اور نہ برائی ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ ﴾ اور ٹال دیں آپ ایسے طریقے کے ساتھ ﴿ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ جو اچھا ہو ﴿ فَاِذَا الَّذِيْ ﴾ پس اچانک وہ شخص ﴿ بَيْنَكَ ﴾ تیرے درمیان ﴿ وَبَيْنَهٗ ﴾ اور اس کے درمیان ﴿ عَدَاوَةٌ ﴾ عداوت ہے ﴿ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ گویا کہ وہ دوست ہوگا مخلص ﴿ وَمَا يُلَقّٰىهَآ ﴾ اور نہیں دی جاتی یہ خصلت ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ ﴾ مگر ان لوگوں کو ﴿ صَبَرُوْا ﴾ جنھوں نے صبر کیا ﴿ وَمَا يُلَقّٰىهَآ ﴾ اور نہیں دی جاتی یہ خصلت ﴿ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ مگر اس کو جو بڑے نصیبے والا ہو۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں تم نے پڑھا ﴿ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ﴾ یہ ہے بدلہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا آگ۔ کافروں کو جب دوزخ میں تکلیف ہوگی تو کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ فرمایا ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿ رَبَّنَآ ﴾ اے ہمارے رب ﴿ اَرِنَا الَّذَيْنِ ﴾ دکھا دے ہمیں وہ دو ﴿ اَضَلّٰنَا ﴾ جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ وہ دو کون ہیں؟ ﴿ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے۔ کیوں دکھا ﴿ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا ﴾ ہم ان کو کچل دیں اپنے پاؤں کے نیچے۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جس طرح انسان انسان کو گمراہ کرتا ہے اسی طرح جن یعنی شیطان بھی انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ تو

مطلب ہوگا کہ جن انسانوں اور جنوں نے، شیطانوں نے ہمیں بہکایا اور گمراہ کیا وہ ہمیں دکھا۔ ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتے ہیں۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جن سے مراد ابلیس ہے اور انس سے مراد آدم علیہ السلام کا نافرمان بیٹا قابیل ہے جس نے اپنے بھائی ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کر کے سب سے پہلے برائی دنیا میں پھیلائی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دنیا میں جتنے ناحق قتل ہوتے ہیں وہ سب قابیل کی گردن پر ہیں لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ ''اس لیے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل ناحق کی بنیاد رکھی۔'' تو جن سے مراد ابلیس اور انس سے مراد قابیل۔ اے پروردگار! ہمیں یہ دونوں دکھا کہ ہم ان کو اپنے قدموں کے نیچے کچل دیں کہ انھوں نے ہمارا بیڑا غرق کیا ہے ﴿لِیَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ﴾ تاکہ ہو جائیں وہ پست لوگوں میں سے۔ ذلیل ہو جائیں۔ مگر ان باتوں کا کیا فائدہ ہوگا؟ ابلیس بھی دوزخ میں ہوگا گمراہ کرنے والے انسان بھی دوزخ میں ہوں گے اور اس طعنہ بازی سے عذاب سے چھٹکارا تو حاصل نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل دی تھی، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں۔ ہر زمانے میں حق کی آواز کانوں تک پہنچانے والے بھیجے، اتنے اسباب کے ہوتے ہوئے تم ابلیس اور قابیل کے نقش قدم پر کیوں چلے، کیوں شیطان کے چیلے بنے۔ ان پر غصے کی وجہ سے عذاب نہیں ٹلے گا۔ یہ کافروں کا حشر ہے۔ اب مومنوں کا حال بھی سن لو۔

فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے۔ رب کا معنیٰ ہے پالنے والا۔ خوراک، پانی، ہوا کی ضرورت پوری کرنے والا، لباس دینے والا۔ تربیت کے جتنے کام ہیں وہ سارے رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اگر کوئی رب کا مفہوم سمجھ لے تو کبھی شرک نہیں کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تو فرمایا کہ جنھوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ پھر ڈٹ گئے اس پر کہ اور کسی کو رب نہیں مانا۔ رب تعالیٰ کی توحید سے پھرے نہیں۔ تو پھر یہ ہوتا ہے ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اترتے ہیں ان مومنوں پر فرشتے موت کے وقت عزرائیل علیہ السلام اور اس کے ساتھی۔ پھر سلام کے بعد کہتے ہیں ﴿اَلَّا تَخَافُوْا﴾ یہ کہ تم خوف نہ کرو ﴿وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ اور غم نہ کرنا۔ دنیا کی جدائی کا ﴿وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ اور خوش ہو جاؤ اس جنت پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ پھر مرنے والے کے سامنے جنت کے باغات، محلات، کوٹھیاں، پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس کو دنیا کی جدائی کا صدمہ نہ ہو، پریشانی نہ ہو۔ اور فرشتے یہ بھی کہتے ہیں خوف نہ کھا، غم نہ کر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور ہم فرشتے ﴿نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ ہم تمھارے ساتھی اور دوست ہیں دنیا کی زندگی میں۔ تمھیں خوش خبریاں دیں، بشارتیں سنائیں ﴿وَفِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں بھی ہم تمھارے ساتھی ہیں۔

ایمان والوں کے لیے خوش خبریاں

احادیث میں آتا ہے کہ مومن کے لیے فرشتے جنت سے کفن اور خوشبوئیں لے کر آتے ہیں اور اس کفن میں لپیٹ کر

لے جاتے ہیں۔ پھر عقیدت کی وجہ سے ہر ایک فرشتہ یہ چاہتا ہے کہ میں اس کو اٹھا کر لے جاؤں۔ پھر جس دروازے سے فرشتوں کو لے جانے کا حکم ہوتا ہے اس دروازے سے لے جاتے ہیں۔ اس سے ملحق دروازے والے فرشتے کہتے ہیں کہ اس کو اس دروازے سے لے جاؤ۔ نیک روح کا اتنا اعزاز اور اتنی تعظیم ہوتی ہے۔ فرشتے اس کو علیین میں پہنچا دیتے ہیں اور علیین میں ہونے کے باوجود قبر میں اپنے جسم کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہوتا ہے اس کے باقی رشتہ دار، دوست احباب اگر نیک تھے ان کی روحیں بھی وہیں ہوتی ہیں۔ یوں وہ ایک دوسرے سے حال احوال پوچھتے ہیں۔

اگر کوئی بُرا مرا ہے تو اس کے متعلق پوچھتا ہے وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بد بخت ہمارے پاس تو نہیں آیا سجّین میں ہوگا جو بدبختوں کی ارواح کا مقر ہے۔ روح وہاں ایک دوسرے کو ایسے پہچانتی ہیں جیسے اس وقت ہم ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی تیرے ساتھی تھے اور آخرت میں بھی ﴿وَلَكُمْ فِيهَا﴾ اور تمہارے لیے اس جنت میں ہوگا ﴿مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ جو کچھ تمہارے جی چاہیں گے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ میں اڑ کر فلاں جگہ پہنچ جاؤں پرندے کی طرح اڑتا ہوا فضا میں نظر آئے گا۔ اگر خیال کرے گا کہ فلاں بٹیر اور تیتر میری خوراک بنے تو اسی وقت وہ بھنا ہوا پلیٹ میں سامنے ہوگا۔ جس پھل کے بارے میں خواہش کرے گا اس کی شاخ خود بخود جھک کے سامنے آجائے گی۔ درخت پر چڑھ کر پھل اتارنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی جو چاہو گے ملے گا ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ اور تمہارے لیے ہوگا اس جنت میں جو تم طلب کرو گے۔ جو مانگو گے رب تعالیٰ تمہیں دے گا ﴿نُزُلًا﴾ مہمانی ہوگی ﴿مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔ رب تعالیٰ کی مہمانی، رب تعالیٰ کی عظمت اور شان کے مطابق ہوگی۔ جیسے آج کوئی میرا معزز مہمان آجائے تو میں اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کی خدمت کرتا ہوں۔ غریب آدمی کا مہمان ہو تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق خدمت کرتا ہے۔ یہ مہمانی رب غفور رحیم کی طرف سے ہوگی۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ کافروں نے کہا ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ نہ سنو تم اس قرآن کو اور شور مچاؤ اس میں تاکہ تم غالب آجاؤ۔ نہ کوئی قرآن سنے، نہ سمجھے، نہ ایمان لائے۔ ادھر انسان کا مزاج ہے کہ اخلاص کے ساتھ بات کرتا ہے کوئی لالچ، طمع اور دنیاوی مفاد نہیں ہے۔ مفت میں دوسروں کے فائدے کی بات کرتا ہے اور وہ سننے پر آمادہ نہ ہوا اُلٹا شور مچائے تو دکھ ہوتا ہے اور انسان ہمت ہار جاتا ہے۔ انسان کا دل نہیں چاہتا کہ میں اس کو بات سناؤں لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہمت نہیں ہارتے، نہ تبلیغ چھوڑتے ہیں کوئی مانے گا تو اس کی قسمت اچھی ہوگی نہیں مانے گا تو پیغمبروں کو دعوت کا اجر وثواب ملے گا۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایسے پیغمبر بھی دنیا میں تشریف لائے کہ جنھوں نے ساری زندگی تبلیغ کی ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا وَيَجِيْءُ نَبِيٌّ وَلَيْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ تو کیا ان کی تبلیغ ضائع ہوگئی ہرگز نہیں! ان کو اجر ملے گا، ثواب ملے گا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا﴾ اور کون زیادہ اچھا ہے بات کے لحاظ سے ﴿مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ اس شخص سے جو دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور صرف دعوت ہی نہیں ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور خود بھی نیک عمل کرتا ہے۔ جو خود

عامل ہوتا ہے ایسے داعی کی بات مؤثر ہوتی ہے۔ اور اگر اس کا اپنا عمل اور کردار دعوت کے مطابق نہیں ہے، اس کی شکل وصورت سنت کے مطابق نہیں ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے آؤ نورانی سنتوں کی طرف تو دیکھنے والے کہیں گے یہ کیا کہتا ہے اور اس کی اپنی شکل کیا ہے؟ خود اس کا اپنا عمل کیا ہے؟ جن لوگوں کا قول وفعل ایک ہوتا تھا ان کی شکل دیکھ کر لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ لوگ ان کے عمل اور کردار کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے زبانی دعوت دینے کی کم ضرورت پیش آتی تھی۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((خِيَارُ عِبَادِ اللهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللهُ او كما قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم)) ''اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی رب یاد آجائے۔'' وہ اللہ کے بندے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتے ہیں۔ ان کو دیکھنے والے کو بھی شوق پیدا ہوتا ہے کہ میں بھی رب تعالیٰ کو یاد کروں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس شخص سے زیادہ اچھا آدمی کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے اور خود بھی اچھا عمل کرتا ہے۔ اور دعوت کس بات کی ﴿وَّقَالَ﴾ اور وہ کہتا ہے ﴿اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اسلام قبول کرنے والا ہوں۔ ساتھیو! اس وقت کفر کی طرف دعوت دینے والے بڑے منظم طریقے سے ہر ملک میں کام کر رہے ہیں۔

ایک غیر مسلم کے قبول اسلام کا واقعہ

چھ سات سال پہلے کی بات ہے کہ یہاں ایک جماعت آئی۔ ان میں ایک آسٹریلیا کا آدمی تھا شام کی نماز میں نے پڑھائی تو ساتھیوں نے کہا کہ اس کا اعلان کریں اس نے کچھ بیان کرنا ہے۔ اس کی زبان تو انگریزی تھی ترجمان کے ذریعے اس نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ سنایا۔ تعلیم یافتہ آدمی تھا اپنی حکومت کی طرف سے کئی ممالک میں مختلف عہدوں پر رہ چکا تھا۔ چودہ پندرہ ملکوں کے اس نے نام بتلائے۔ بہرحال اس نے بتلایا کہ مجھے ہندوؤں نے بھی اپنے مذہب کی دعوت دی، سکھوں نے بھی دعوت دی، بدھ مت والے بھی میرے پاس پہنچے اور بھی کئی لوگ میرے پاس آئے لیکن مسلمانوں میں سے میرے پاس اسلام کی دعوت لے کر کوئی نہ آیا۔ میں سوچتا تھا کہ دنیا میں مسلمان بھی رہتے ہیں اسلام بھی ایک مذہب ہے باقی سب لوگ میرے پاس اپنے اپنے مذہب کی دعوت کے لیے آتے ہیں لیکن مسلمان نہیں آئے۔ کئی سالوں کے بعد میرے پاس چند آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے آئے ہیں۔ انھوں نے مجھے بڑے اچھے پیرائے میں حق کی بات بتلائی، اسلام کے سچا مذہب ہونے پر دلائل دیئے، میں پہلے ہی اسلام کی دعوت کا متمنی تھا میں پہلی مجلس ہی میں مسلمان ہو گیا لیکن میری بیوی ابھی تک کافر ہے، عیسائی ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی بھی کافر ہیں ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس سے اندازہ لگاؤ کہ کافر قومیں کتنی تبلیغ کرتی ہیں اپنے غلط مذہب کی۔ الحمد للہ! یہ فرض کفایہ اس وقت تبلیغی جماعت نے احسن طریقہ سے ادا کیا ہے تمام ملکوں میں پہنچے ہیں۔ یہ دعوت الی اللہ کا کام بہت بلند کام ہے۔ اپنے گلی محلوں میں بھی کرو،

اپنے دوستوں کو بھی کہو کہ اس کام کے لیے وقت دیں۔ تو فرمایا کہ اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے اور عمل بھی اچھا کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ ﴾ اور نہیں ہے برابر نیکی ﴿ وَلَا السَّيِّئَةُ ﴾ اور نہ برائی یعنی نیکی اور برائی برابر نہیں ہیں ﴿ اِدْفَعْ ﴾ ٹال دے ﴿ بِالَّتِيْ ﴾ ایسے طریقے سے یعنی ﴿ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ جو اچھا ہو۔ برائی کو اچھے طریقے سے ٹال دو لڑنے والے کے ساتھ صلح رکھو۔ گالیوں کا جواب نہ دو، سختی کرنے والے کے ساتھ نرمی کرو ﴿ فَاِذَا ﴾ پس جب تم احسن طریقے کے ساتھ ٹالو گے تو ﴿ الَّذِيْ ﴾ وہ شخص ﴿ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ ﴾ کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے ﴿ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ گویا کہ وہ مخلص دوست ہوگا۔ اگر وہ انسان ہے تو وہ ضرور سوچے گا کہ میں اس کو گالیاں دیتا ہوں اور مجھے کچھ نہیں کہتا۔ میں اس کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہوں اور وہ اچھائی کے ساتھ۔ انسان ہے تو وہ ضرور دوست بن جائے گا ﴿ وَمَا يُلَقّٰىهَآ ﴾ اور نہیں دی جاتی یہ اچھی خصلت۔ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالنے والی ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾ مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں۔ ہر آدمی صبر اور حوصلے سے کام نہیں لیتا ﴿ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ اور نہیں دی جاتی یہ خصلت مگر اس کو جو بڑے نصیبے والا ہو۔ جس کا بخت اچھا ہو، کردار اچھا ہو اس کو یہ خصلت ملتی ہے برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالنے والی۔ یہ ہمارے لیے عملی سبق ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ ﴾ اور اگر چوک لگے آپ کو ﴿ مِنَ الشَّيْطٰنِ ﴾ شیطان کی طرف سے ﴿ نَزْغٌ ﴾ چوکا ﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ﴾ پس آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ لیں ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ وہی ہے سننے والا جاننے والا ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿ الَّيْلُ ﴾ رات ﴿ وَالنَّهَارُ ﴾ اور دن ﴿ وَالشَّمْسُ ﴾ اور سورج ﴿ وَالْقَمَرُ ﴾ اور چاند ﴿ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ ﴾ نہ سجدہ کرو سورج کو ﴿ وَلَا لِلْقَمَرِ ﴾ اور نہ چاند کو ﴿ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ ﴾ اور سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کو ﴿ الَّذِيْ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ﴿ خَلَقَهُنَّ ﴾ جس نے ان کو پیدا کیا ہے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ اگر ہو تم خالص اسی کی عبادت کرتے ﴿ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا ﴾ پس اگر یہ لوگ تکبر کریں ﴿ فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ پس وہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں ﴿ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ ﴾ وہ تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی ﴿ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ رات کو اور دن کو ﴿ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴾ اور وہ تھکتے نہیں ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿ اَنَّكَ ﴾ بے شک آپ ﴿ تَرَى الْاَرْضَ ﴾ دیکھتے ہیں زمین کو ﴿ خَاشِعَةً ﴾ دبی ہوئی ﴿ فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ ﴾ پس جس وقت ہم اتارتے ہیں اس پر پانی ﴿ اهْتَزَّتْ ﴾ حرکت کرتی ہے ﴿ وَرَبَتْ ﴾

اور پھولتی ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا ﴾ بے شک وہ ذات جس نے اس کو زندہ کیا ہے ﴿ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ﴾ البتہ زندہ کرے گا مردوں کو ﴿ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿ یُلْحِدُوْنَ ﴾ جو ٹیڑھے چلتے ہیں ﴿ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ﴾ ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿ لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ﴾ وہ مخفی نہیں ہیں ہم پر ﴿ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ ﴾ کیا پس وہ شخص جو ڈالا گیا آگ میں ﴿ خَیْرٌ ﴾ بہتر ہے ﴿ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا ﴾ یا وہ شخص جو آئے گا امن کی حالت میں ﴿ یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ قیامت والے دن ﴿ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ﴾ عمل کرو تم جو چاہو ﴿ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴾ بے شک وہ جو تم عمل کرتے ہو دیکھتا ہے۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں تم نے یہ بات پڑھی ہے ﴿ وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ ''اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور خود بھی اچھا عمل کیا اور کہا کہ میں فرمانبردار ہوں۔'' دعوت الی اللہ کے سلسلے میں بڑی تکلیفیں آتی ہیں۔ مشرک قوم کو دعوت دینے والے پہلے پیغمبر نوح علیہ السلام ہیں۔ ان کو جو تکالیف پہنچائی گئیں آدمی پڑھ کر حیران ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام قوم کو دعوت دینے کے لیے کسی مجلس میں داخل ہوتے تو وہ لوگ ان کو دیوانہ اور پاگل کہہ کر دھکے دے کر نکال دیتے تھے ﴿ مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ ﴾ [سورۃ القمر] کتنے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا گیا اور نیکی کا حکم دینے والوں کو قتل کیا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۱ پارہ ۳ میں ہے ﴿ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ﴾ ''اور وہ قتل کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق اور قتل کرتے تھے ان لوگوں کو جو حکم دیتے تھے لوگوں کو انصاف کرنے کا۔'' لوگوں میں سے پھر جاہل قسم کے لوگ عجیب عجیب قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ بعض ایسی بات کر دیتے ہیں جو برداشت سے باہر ہوتی ہے کہ آخر نبی بھی تو انسان ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سبق دیا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ﴿ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ ﴾ اور اگر چوک لگے آپ کو شیطان کی طرف سے اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان ابھارنا کہ یہ جاہل کیا کہتا ہے ﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ﴾ تو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ لیں۔ تو اس کو جواب نہ دیں اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ لیں۔ بڑے دل گردے اور حوصلے کی بات ہے وہ گالیاں نکالے، بے ہودہ باتیں اور داعی یہ سمجھ کر جواب نہ دے کہ شیطان مجھے ابھارنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرے۔ بڑا مشکل مرحلہ ہے ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ تمھاری باتیں بھی سنتا ہے اور ان کی باتیں بھی سنتا ہے۔ تمھارے کردار کو بھی جانتا ہے اور ان کی کارروائیوں کو بھی جانتا ہے۔ پھر دعوت الی اللہ میں سب سے پہلے ایمان اور عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے سب سے پہلے اپنی قوموں کو یہی دعوت دی

﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ [سورہ ہود] ''اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود اور کوئی مشکل کشا نہیں ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بھی واضح ہیں۔

دلائل توحید

آگے اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر دو طرح کی نشانیاں پیش کی ہیں۔ پھر ان دو نشانیوں میں کئی چیزیں آ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن۔ دن اور رات کو سمجھنے کے لیے اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے رات اور دن سب کو نظر آتے ہیں ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور اس کی قدرت اور توحید کی نشانیوں میں سے ہے سورج اور چاند بھی۔ سورج کی روشنی سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اور وہ حجم میں چاند اور زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ اور چاند کی چاندنی سے بھی تم فائدہ اٹھاتے ہو اور عالم اسباب میں سورج کی کرنوں کا اور چاند کی چاندنی کا فصلوں پر اثر ہے، درختوں اور پودوں پر اور باقی سب چیزوں پر اثر ہے۔ انسانی صحت پر بھی اثر ہے۔ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگایا ہے۔

فرمایا ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ﴾ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو سجدہ کرو سب مخلوق ہیں ﴿وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ﴾ اور سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ بے شک سورج میں روشنی اور چمک ہے چاند میں بھی دھیمی روشنی ہے مگر یہ خدائی کی دلیل تو نہیں ہیں۔ ان کے وجود اگرچہ انسان کے وجود سے بڑے ہیں انسان کا وجود ان کے مقابلے میں بہت چھوٹا سا ہے مگر چاند، سورج انسان کے مقابلے میں مجبور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے اختیارات انسان کو دیئے ہیں وہ نہ سورج کو حاصل ہیں اور نہ چاند کو حاصل ہیں۔ سورج کی ایک لائن اور رفتار مقرر ہے چاند کی بھی ایک لائن اور رفتار مقرر ہے کیا مجال ہے کہ وہ اس سے دائیں بائیں ہو سکیں یا اِدھر اُدھر ہو سکیں یا ان کی رفتار میں کمی بیشی آئے یا اپنی مرضی سے آگے پیچھے ہو سکیں۔ انسان کو تو یہ اختیارات حاصل ہیں۔ اپنی مرضی سے سوئے، اپنی مرضی سے اٹھے، کھڑا ہو یا بیٹھے، تیز چلے یا آہستہ، ادھر جائے یا ادھر نہ جائے۔ تو اتنے وسیع اختیارات والا مجبور کو سجدہ کرے حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ آج بھی مشرک قومیں موجود ہیں اور پہلے بھی تھیں کہ جب سورج چڑھتا ہے تو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہمارے لیے خیر ہو۔ چاند طلوع ہوتا ہے تو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔

اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ سورج کے طلوع کے وقت اور زوال اور غروب کے وقت نماز نہ پڑھو کہ ان وقتوں میں کافر سورج کو سجدہ اور اس کی عبادت کرتے ہیں لہٰذا ہماری ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ اسی طرح سانپ اور شیر کی پوجا کرنے والے بھی دنیا میں موجود ہیں، پانی اور درختوں کی پوجا کرنے والے بھی موجود ہیں۔ تو فرمایا کہ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو سجدہ کرو۔ سجدہ کرو اس ذات کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ اگر ہو تم خالص اسی کی عبادت کرتے تو اس

کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو اور نہ کسی کے سامنے جھکو۔

ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی نہیں ہے۔ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی کہ حضرت! لوگ بڑے بڑے چودھریوں کو سجدہ کرتے ہیں ہم آپ کو نہ کریں؟ فرمایا ہماری شریعت میں نہ کسی زندہ کو سجدہ جائز ہے نہ قبر کو جائز ہے۔ فرمایا ﴿فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا﴾ پس اگر یہ لوگ ان دلائل سے تکبر کریں اور اپنے مالک و خالق کو سجدہ نہ کریں تو ﴿فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ پس وہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں فرشتے ﴿يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ﴾ وہ تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی ﴿بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ رات کو بھی اور دن کو بھی ﴿وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ﴾ اور وہ فرشتے تھکتے نہیں تسبیح کرنے سے۔ وہ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ پیشاب، نہ پاخانہ، نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں، نہ ان کو تھکاوٹ ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ''محبوب کلام اللہ تعالیٰ کے ہاں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ہے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ کی سب صفات ہیں۔ ایجابی بھی اور سلبی بھی۔ یہ آیت سجدہ ہے پڑھنے والے پر بھی سجدہ ہے اور سننے والوں پر بھی۔ اس کے لیے تمام وہ شرائط ضروری ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ کپڑے پاک ہوں، بدن پاک ہو، باوضو ہو، چہرہ قبلے کی طرف ہو۔ سورج کے طلوع ہونے کے وقت، زوال کے وقت اور غروب ہونے کے وقت منع ہے۔ باقی تمام اوقات میں سجدۂ تلاوت کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی ادا نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ کیوں کہ واجب کے چھوڑنے سے انسان گناہ گار ہوتا ہے۔

دوسری دلیل: فرمایا ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً﴾ بے شک آپ دیکھتے ہیں زمین کو دبی ہوئی۔ بارش نہ ہو خشک زمین دبی ہوتی ہے ﴿فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ﴾ پس جس وقت ہم اُتارتے ہیں اس پر پانی۔ بارش نازل ہوتی ہے ﴿اهْتَزَّتْ﴾ زمین حرکت کرتی ہے ﴿وَرَبَتْ﴾ اور زمین پھولتی ہے جیسے خمیر ہوتا ہے۔ پھر اس میں سبزیاں پیدا ہوتی ہیں، درخت اگتے ہیں، چارا پیدا ہوتا ہے، نباتات اور پھل انسانوں کے کام بھی آتے ہیں اور حیوانوں کے بھی۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا﴾ بے شک وہ رب جس نے زندہ کیا ہے اس زمین کو ﴿لَمُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ البتہ وہی رب زندہ کرے گا مردوں کو۔ یہ زمین کی حالت تمہارے سامنے اور مشاہدے میں ہے۔ جو رب یہ کر سکتا ہے وہ مردے بھی زندہ کر سکتا ہے اس کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کی بارش ہوگی اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے سب لوگ زمین سے باہر نکل آئیں گے۔ یوں اگیں گے جیسے سبزیاں اگتی ہیں۔ وہ بھی نکلیں گے جن کو پرندے درندے کھا گئے، مچھلیاں کھا گئیں، آگ میں جلا دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے سب کو زندہ کر کے حاضر کر دے گا ﴿اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اتنے واضح دلائل سننے کے بعد بھی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ بے شک وہ لوگ جو ٹیڑھے چلتے ہیں کج روی کرتے ہیں ہماری آیتوں میں۔ اِلحاد کا معنیٰ ہے ٹیڑھا چلنا۔ ہر شے ایک طرف چل رہی ہے اور یہ دوسری طرف چلتے ہیں ﴿لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا﴾ وہ ہم پر مخفی نہیں ہیں۔ ایک کج روی یہ ہے کہ آیات کا انکار کرنا جیسا کہ تم نے کل

کے سبق میں پڑھا کہ ﴿ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴾ ''کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔'' اور کہتے تھے ﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ﴾ ''اس قرآن کو نہ سنو اور شور کرو اس میں۔'' اور ایک کج روی یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی غلط تفسیر کرنا۔ اوٹ پٹانگ تفسیریں کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا یہ بھی الحاد ہے۔ تو غلط تفسیریں اور تعبیریں کرنے والے بھی ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اب فیصلہ تم خود کرلو ﴿ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ ﴾ کیا پس وہ شخص جو ڈالا جائے گا دوزخ میں ﴿ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ﴾ [نمل: ۹۰] ''اور جو شخص لائے گا برائی پس وہ اوندھے منہ ڈالے جائیں گے آگ میں۔'' سر نیچے اور ٹانگیں اوپر ہوں گی ﴿ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴾ [سورہ رحمن] ''پیشانی کے بالوں سے اور قدموں سے پکڑ کر فرشتے اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔'' کیا یہ آدمی جس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا ﴿ خَيْرٌ ﴾ بہتر ہے ﴿ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ یا وہ شخص جو آئے گا امن کی حالت میں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا پھر جنت میں جائے گا یہ بہتر ہے۔ ان دونوں میں سے کون بہتر ہے فیصلہ خود کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ﴾ عمل کرو تم جو تمھارا جی چاہے۔ یہ امر توبیخ کے لیے ہے کہ ہم نے تمھیں پیغمبروں کے ذریعے نیکی کے راستے بتلائے ہیں اور برے راستوں سے بھی آگاہ کیا ہے۔ اگر تم نیکی کے راستے پر نہیں چلتے تو پھر اپنی مرضی کرو ہم نے تم پر نیکی بدی، حق باطل، اسلام کفر، توحید شرک واضح کر دیا ہے دلائل کے ساتھ۔ اب تمھاری مرضی ہے جو چاہو عمل کرو۔ مگر ایک بات یاد رکھو! ﴿ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔ معاملہ تمھارا رب کے ساتھ ہے اس بات کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿ كَفَرُوْا ﴾ جنھوں نے انکار کیا ﴿ بِالذِّكْرِ ﴾ قرآن پاک کا ﴿ لَمَّا جَآءَهُمْ ﴾ جس وقت وہ ان کے پاس آ گیا ﴿ وَاِنَّهٗ ﴾ اور بے شک وہ قرآن پاک ﴿ لَكِتٰبٌ ﴾ البتہ کتاب ہے ﴿ عَزِيْزٌ ﴾ غالب ہے ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ ﴾ نہیں آ سکتا اس کے پاس باطل ﴿ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ ﴾ نہ آگے سے ﴿ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ﴾ اور نہ اس کے پیچھے سے ﴿ تَنْزِيْلٌ ﴾ یہ اتاری ہوئی ہے ﴿ مِّنْ حَكِيْمٍ ﴾ حکمت والے ﴿ حَمِيْدٍ ﴾ قابل تعریف کی طرف سے ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ ﴾ نہیں کہا جاتا آپ کو ﴿ اِلَّا ﴾ مگر ﴿ مَا ﴾ وہی کچھ ﴿ قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ ﴾ تحقیق جو کہا گیا رسولوں کو ﴿ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ آپ سے پہلے ﴿ اِنَّ رَبَّكَ ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ ﴾ البتہ بخشنے والا ہے ﴿ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ اور دردناک سزا دینے والا بھی ہے ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا ﴾ اور اگر ہم بناتے اس قرآن کو عجمی ﴿ لَّقَالُوْا ﴾ البتہ یہ لوگ کہتے ﴿ لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ﴾ کیوں نہیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئیں اس کی آیتیں ﴿ ءَاَعْجَمِيٌّ ﴾ کیا کتاب عجمی ﴿ وَّعَرَبِيٌّ ﴾ اور قوم عربی ﴿ قُلْ ﴾ آپ فرما دیں ﴿ هُوَ لِلَّذِيْنَ ﴾

﴿اٰمَنُوْا﴾ یہ قرآن ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿هُدًى﴾ ہدایت ہے ﴿وَّ شِفَآءٌ﴾ اور شفا ہے ﴿وَ الَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے ﴿فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ﴾ ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں ﴿وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ اور وہ ان کے لیے اندھا پن ہے ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ ہیں ﴿يُنَادَوْنَ﴾ کہ ان کو پکارا جاتا ہے ﴿مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ دور کی جگہ سے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب ﴿فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ پس اختلاف کیا گیا اس میں ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ﴾ اور اگر نہ ہوتی یہ بات ﴿سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ جو ہو چکی تیرے رب کی طرف سے ﴿لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ﴿وَاِنَّهُمْ﴾ اور بے شک یہ لوگ ﴿لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ البتہ شک میں ہیں اس کی طرف سے ﴿مُرِيْبٍ﴾ جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ جس نے عمل کیا اچھا ﴿فَلِنَفْسِهٖ﴾ پس اپنے نفس کے لیے ہے ﴿وَمَنْ اَسَآءَ﴾ اور جس نے برائی کی ﴿فَعَلَيْهَا﴾ پس اسی کے نفس پر پڑے گی ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب ظلم کرنے والا بندوں پر۔

قرآن کریم کے متعدد نام

قرآن کریم کے متعدد نام ہیں۔ایک نام ہے قران۔اس کا مجرد قَرَءَ يَقْرَءُ ہے۔ اور قران مصدر ہے مفعول کے معنی میں۔ مَقْرُوْءٌ یعنی وہ کتاب جو زیادہ پڑھی جاتی ہے۔الحمد للہ! قرآن وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ دوسرا نام فرقان ہے۔یہ بھی مصدر ہے فاعل کے معنی میں۔ اَلْفَارِقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ ''حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا۔'' تیسرا نام ذکر ہے۔ذکر کا معنیٰ نصیحت والی کتاب۔﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ ''اس نصیحت والی کتاب کو ہم نے اتارا ہے اور اس کے نگران اور محافظ بھی ہم ہیں۔'' الحمد للہ! قرآن پاک آج تک محفوظ ہے الفاظ کے اعتبار سے بھی اور ترجمہ اور تفسیر کے لحاظ سے بھی۔تو ذکر قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا قرآن پاک کا ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جب قرآن پاک ان کے پاس آگیا ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ ذکر یہ قرآن پاک ﴿لَكِتٰبٌ﴾ البتہ کتاب ہے ﴿عَزِيْزٌ﴾ بڑی غالب اور قوی۔یہ ایسی کتاب ہے ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ نہیں آسکتا نہیں ٹھہر سکتا باطل اس کے آگے سے ﴿وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ اور نہ اس کے پیچھے۔میدان جنگ میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ طاقت ور، بہادر دشمن ہو تو سامنے سے حملہ کرتا ہے اور اگر بزدل قسم کا ہو تو پیچھے سے حملہ کرتا ہے۔یہ کتاب ایسی ہے کہ باطل اس پر نہ آگے سے حملہ کر سکتا ہے نہ پیچھے سے۔یہ غالب اور قوی کتاب ہے باطل اس پر حملہ آور نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ تعالیٰ اس کو غلط ثابت کر دے یا اس کی کسی بات کی

تردید کر سکے یا اس کے مقابلے میں کوئی اور کتاب لا سکے۔صدیاں گزر گئی ہیں قرآن پاک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ دنیائے کفر نے پورا زور لگایا کہ اس کو مٹا دے اور آج بھی یورپی اقوام کی بہت ساری مشینریاں کام کر رہی ہیں اور بے تحاشا رقم خرچ کر رہی ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم، دینی تعلیم اور دینی مدارس کو ختم کر کے دنیاوی تعلیم بچوں کے لیے لازم کر دیں تا کہ کوئی بچہ قرآن پاک کی تعلیم کے لیے مساجد اور مدارس میں نہ جا سکے۔

خیر سے ہماری وزیر اعظم یعنی وزیر اعظم پاکستان بے نظیر بھٹو صاحبہ کے بیانات اخبارات میں آچکے ہیں کہ اس نے دینی مدارس کو ختم کرنے کے لیے امریکہ سے مدد طلب کی ہے کہ میں دینی مدارس کو ختم کرنا چاہتی ہوں میری مدد کی جائے مگر:

؎ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بھائی! جس دین کی حفاظت و بقا کا ذمہ رب تعالیٰ نے لیا ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے؟ یہ خام خیالیاں اور باطل ارادے ہیں۔اپنے کفر کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔بے شک دنیا میں باطل لوگ بھی موجود ہیں مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! حق والے بھی موجود ہیں۔قرآن پاک پر عمل کرنے والے موجود ہیں۔قرآن پاک کی تعلیم کے لیے لاکھوں کی تعداد میں دنیا میں مدارس موجود ہیں کوئی دنیا کی طاقت اس تعلیم کو مٹا نہیں سکتی۔ہاں صرف اپنا خبث باطن ظاہر کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

فرمایا ﴿تَنْزِيْلٌ﴾ یہ کتاب اتاری ہوئی ہے ﴿مِّنْ حَكِيْمٍ﴾ حکمت والے کی طرف سے ﴿حَمِيْدٍ﴾ جو قابل تعریف ہے۔یہ کتاب کسی بندے کی بنائی ہوئی نہیں ہے اس کا اتارنے والا بھی پروردگار اور اس کا محافظ بھی پروردگار ہے۔اس کی حفاظت کس انداز سے کی کہ اس گئے گزرے دور میں بھی لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں قرآن پاک کے حافظ موجود ہیں۔ انڈونیشیا میں اکثر خاندانوں کا شادی کا معیار ہی حفظ قرآن ہے۔وہ بچے بچی کی شادی اس وقت کرتے ہیں جب لڑکا لڑکی حافظ قرآن ہوں۔ہمارے ہاں تو معیار جہیز ہے کہ پہلے ہی فہرست بنا دیتے ہیں کہ ہم نے یہ کچھ لینا ہے۔اور بنگلہ دیش میں گھروں کے گھر حفاظ قرآن ہیں۔کیا مرد اور کیا عورتیں، کیا بچے اور کیا بوڑھے۔تو ان شاء اللہ العزیز قرآن پاک کو، دینی تعلیم کو، دینی مدارس کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔اس کو جتنا دبانے کی کوشش کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنا ہی ابھرے گا۔

آگے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آج یہ لوگ آپ کو دیوانہ، شاعر اور کذاب کہتے ہیں، جادوگر، مسحور کہتے ہیں، کبھی کاہن کہتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔آپ سے پہلے پیغمبروں کو بھی یہی کچھ کہا گیا ہے۔فرمایا ﴿مَا يُقَالُ لَكَ﴾ اے نبی کریم ﷺ! نہیں کہا جاتا آپ کو ﴿اِلَّا مَا﴾ مگر وہی ﴿قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ﴾ تحقیق جو کہا گیا رسولوں کو آپ سے پہلے۔ پہلے پیغمبروں کو بھی کافروں نے کذاب کہا، اشر شرارتی بھی کہا، جادوگر اور مسحور اور مفتری بھی کہا۔تو ان کی باتوں سے آپ گھبرائیں نہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ﴾ بے شک آپ کا رب البتہ بخشنے والا ہے ﴿وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ﴾ عقاب کا معنی سزا، الیم کا معنی درد ناک۔اور دردناک سزا دینے والا ہے۔جو قاعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور کلمہ شہادت اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ کا دل سے اقرار کرے اور اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہو کر کہ میں پہلے جو کفر شرک اور گناہ کرتا رہا ہوں ان سے توبہ کرتا ہوں۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ بخشش فرما دیتے ہیں اور جو کفر و شرک سے باز نہ آئیں اور ضد پر اڑے رہیں، برائی پر مصر ہوں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور برزخ میں بھی۔

قرآن پاک کو عربی زبان میں اُتارنے کی حکمت

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن کو عربی زبان میں کیوں نازل فرمایا۔ چونکہ قرآن پاک کے اول مخاطبین عربی تھے اس لیے پیغمبر کی زبان بھی عربی اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی وہ بھی عربی میں۔ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ﴾ [ابراہیم: ۴] ''اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ بیان کرے ان کے لیے۔'' اس وقت عرب میں رہنے والی قومیں، کیا یہودی، کیا عیسائی، کیا قریش اور کیا صابئین، سب عربی بولتے تھے۔ اس وقت عرب میں جتنی قومیں تھیں سب عربی بولتے تھے اور کفر شرک کی سب حدیں عبور کر گئے تھے۔ سورہ بینہ پارہ ۳۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ﴾ ''نہیں ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں باز آنے والے یہاں تک کہ آ جائے ان کے پاس واضح دلیل۔'' وہ لوگ کفر و شرک کی اس حد کو پہنچ چکے تھے کہ اگر آج ان کے پاس کامل حکیم نہ آتا اور کامل نسخہ نہ آتا تو ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک جیسا نسخہ بھیجا اور آنحضرت ﷺ جیسا حکیم بھیجا اور ان کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اعتراض نہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں بناتے۔ عربی کے علاوہ تمام زبانوں کو عجمی کہتے تھے ﴿لَّقَالُوْا﴾ البتہ یہ لوگ عرب میں رہنے والے کہتے ﴿لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ﴾ کیوں نہیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئیں اس کی آیتیں۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی یہ ترکی زبان ہے یا جرمنی کی زبان ہے۔ اگر قرآن عربی میں نہ ہوتا تو پھر یہ بھی کہتے ﴿ءَ اَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ﴾ یہ کیا ہوا قرآن عجمی ہے اور قوم عربی ہے۔ اگر ہماری اصلاح کے لیے اترتا تو عربی میں اترتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن عربی میں نازل کیا کہ وہ سمجھ سکیں۔ قوم بھی عربی، پیغمبر بھی عربی، کتاب بھی عربی زبان میں۔ دنیا میں جتنی زبانیں ہیں سب سے زیادہ فصیح اور وسیع عربی ہے چونکہ ہم عربی سے بہت دور ہیں اس لیے اس کی فصاحت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بہترین زبان میں قرآن اتارا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے بلند ترین شخصیت پر نازل فرمایا۔ قرآن اور صاحب قرآن نے تھوڑے سے عرصے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان لوگوں کے دل پھیر دیئے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کو دور دراز کے علاقوں تک پہنچایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں آنحضرت ﷺ کی رسالت کے گواہ ہیں قرآن پاک اور احادیث کے گواہ ہیں۔ اگر ان پر اعتماد نہ کیا جائے تو کسی شے پر اعتماد باقی نہیں رہتا۔ اگر گواہ ہی جھوٹے

ہو جائیں تو پھر دعویٰ تو ثابت نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کو جمع کرنا اور رافضیوں کا رفض

ابن العرجاء رافضیوں کا بڑا تھا اس نے چار ہزار احادیث من گھڑت تیار کیں۔ ان میں اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرآن پاک کی بڑی توہین کی ہے۔ اس وقت اسلامی حکومت تھی اگرچہ کمزور تھی مگر آج کے مسلمانوں سے بہت بہتر تھی۔ اس کو گرفتار کر کے جب عدالت میں پیش کیا گیا تو اس سے عدالت نے پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟ تو اس ملحد نے کہا کہ اگر سچی بات پوچھتے ہو تو اس سے میرا مقصد اسلام کو باطل کرنا اور مٹانا ہے اور اسلام اس وقت ہی باطل ہوگا کہ جب اس کے گواہ باطل ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ قرآن کے گواہ ہیں، نبوت کے گواہ ہیں، اسلام کے گواہ ہیں جب گواہ ہی جھوٹے ہو گئے (معاذ اللہ تعالیٰ) تو پھر یہ چیزیں کہاں رہیں گی۔ دیکھو! یہ قرآن پاک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پہلے سارا لکھا ہوا نہیں تھا۔ یمامہ کے مقام پر جنگ میں تین دنوں میں سات سو حافظ قرآن شہید ہوئے۔ لڑائیاں زور شور سے جاری تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ حضرت! اگر اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو پھر قرآن باقی نہیں رہے گا لہٰذا اس کو کتابی شکل میں لکھنے کا حکم دیں۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آمادہ نہ ہوئے پھر شرح صدر ہوا اور قرآن پاک کو کتابی شکل میں مرتب کرایا۔ لیکن سورتوں میں کچھ تقدیم و تاخیر تھی۔ موجودہ ترتیب سے کوئی سورت آگے تھی کوئی پیچھے تھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت پہلے پڑھتے تھے اور یہ بعد میں پڑھتے تھے۔ تو انھوں نے پھر دوبارہ مرتب کیا۔

تو یہ موجودہ ترتیب، ترتیب عثمانی ہے۔ قرآن کریم کو جمع کیا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع کیا اور ترتیب دی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ یہ تینوں بڑے کافر ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) تو پھر قرآن کہاں سے لاؤ گے۔ رافضی کہتے ہیں کہ اصلی قرآن کی سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیات تھیں اور جو ہمارے پاس قرآن ہے اس کی آیتیں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں۔ اور یہ گھڑنتل (خود ساختہ امر) ان کی سب سے بڑی کتاب اصول کافی میں ہے۔ جو ان کی بنیادی کتاب ہے۔ اس میں ہے کہ اصلی قرآن کا ایک حرف بھی اس میں نہیں ہے۔ موجودہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اگر تمہارے سامنے کہیں ناکہ ہم اس قرآن کو مانتے ہیں تو سمجھ جاؤ کہ یہ تقیہ کر رہے ہیں، تقیہ سے کام لے رہے ہیں۔ تقیہ ان کے دین کا حصہ ہے۔ تقیہ کا معنیٰ ہے کہ جو بات زبان پر ہو وہ دل میں نہ ہو اور جو بات دل میں ہو وہ زبان پر نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ نو حصے دین تقیے میں ہے۔ جب معاذ اللہ تعالیٰ صحابہ کافر ہو گئے اور قرآن دنیا میں ہے نہیں تو پھر اسلام کہاں سے آئے گا؟ ان کا عقیدہ ہے کہ امام معصوم ہیں۔ خمینی کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیۃ" کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے اور بنیادی عقائد میں سے ہے کہ ہمارے بارہ امام تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔ بھائی کیا ایمان اس کا نام ہے کہ قرآن کا انکار کیا جائے، صحابہ کی تکفیر کی جائے، غیر نبی کو نبی سے بڑھا دیا جائے؟ اور یہ سب کچھ خمینی کے آنے کے بعد ہوا ہے۔ پہلے ان کو اتنی جرأت نہیں تھی۔ اس خبیث نے

ڈالروں کے ذریعے ان کو جرأت دلائی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک رافضی شیطان محمد حسین ڈھکو لکھتا ہے کہ ''ہم بھی مانتے ہیں کہ ابوبکر خلیفہ تھا مگر مسلمان نہیں تھا۔ اس طرح کا خلیفہ تھا جیسے لوگوں نے غلام احمد کو مانا۔ کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک ابوبکر اور غلام احمد قادیانی دونوں برابر ہیں۔'' اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''ہم بھی حضرت عائشہ صدیقہ کو اُم المومنین مانتے ہیں۔ مگر وہ خود مومن نہیں تھی۔'' یہ کتابیں پاکستان میں شائع ہو رہی ہیں لیکن اگر کوئی مولوی بے چارہ ان کا حوالہ دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتا ہے۔ وہ دھڑا دھڑ کتابیں لکھیں تو ان کو کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ آخر کیوں؟ وزیر اعظم شیعہ ہے اس کا خاوند غالی شیعہ ہے زرداری۔ اور وزیر اعظم کے بہت سارے میسر شیعہ ہیں۔ ہنجر وال ٹھوکر نیاز بیگ کے علاقہ میں کارروائی ہوئی تو پولیس بھی عاجز آ گئی۔ ایران والوں نے زرداری کو کہا کہ ہنجر وال میں کیا ہو رہا ہے؟ انھوں نے پورا ساتھ دے کر ان کو بچایا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں بناتے تو یہ لوگ کہتے کیوں نہیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئیں اس قرآن کی آیتیں۔ کیا عجمی زبان اور لوگ عربی ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یہ قرآن ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ﴿هُدًى﴾ نری ہدایت ہے ﴿وَّشِفَآءٌ﴾ اور شفا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر ﴿فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ﴾ ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں ﴿وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ اور یہ قرآن ان کے حق میں اندھا پن ہے۔ اندھے کو کیا نظر آئے گا؟ کچھ بھی نہیں۔

''انھے نوں بازار پھیرایا تھاں تھاں دا انہوں سیر کرایا
جاں پچھیا اوں انھے توں آکھے کجھ نظریں نہ آیا'' (از مرتب)

فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کو پکارا جاتا ہے دور کی جگہ سے۔ کسی کو کوئی دور سے پکارے تو وہ سن نہیں سکتا۔ ان کے وجود قریب ہونے کے باوجود دل ان کے دور ہیں یہ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ اس قرآن میں اختلاف کرتے ہیں کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا تو آپ گھبرائیں نہ۔ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے ساتھ بھی یہ ہوا تھا۔ فرمایا ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ﴿فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ پس اس میں اختلاف کیا گیا۔ کچھ نے مانا کچھ نے نہیں مانا ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک بات ﴿سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ جو پہلے ہو چکی آپ کے رب کی طرف سے ﴿لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان۔

اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو ایک مدت تک زندہ رہنے کا حق دیا ہے کہ وہ اس سے پہلے اسے نہیں مارے گا۔ اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ اس قوم نے فلاں وقت تک زندہ رہنا ہے تو ہم ان کو فوراً سزا دے دیتے ﴿وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ﴾ اور بے شک یہ لوگ البتہ شک میں ہیں ﴿مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴾ اس کی طرف سے جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ جس نے اچھا عمل کیا اس نے اپنے نفس کے لیے کیا ﴿وَمَنْ اَسَآءَ﴾ اور جس نے برا کام کیا ﴿فَعَلَيْهَا﴾ پس اس کے نفس پر پڑے گا۔ نہ

رب تعالیٰ کا کوئی نقصان ہوگا نہ پیغمبر کا۔ اور یاد رکھو! ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب ذرہ برابر ظلم کرنے والا بندوں پر۔ ہر کوئی اپنے کیے کا پھل پائے گا۔

﴿اِلَيْهِ﴾ اسی کی طرف ﴿يُرَدُّ﴾ لوٹایا جاتا ہے ﴿عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کا علم ﴿وَمَا تَخْرُجُ﴾ اور نہیں نکلتے ﴿مِنْ ثَمَرٰتٍ﴾ پھل ﴿مِّنْ اَكْمَامِهَا﴾ اپنے غلافوں سے ﴿وَمَا تَحْمِلُ﴾ اور نہیں حاملہ ہوتی ﴿مِنْ اُنْثٰى﴾ کوئی مادہ ﴿وَلَا تَضَعُ﴾ اور نہ جنتی ہے ﴿اِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾ مگر وہ اس کے علم میں ہے ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن وہ ان کو پکارے گا ﴿اَيْنَ شُرَكَآءِيْ﴾ کہاں ہیں میرے شریک ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ کہیں گے ﴿اٰذَنّٰكَ﴾ ہم آپ کو بتلاتے ہیں ﴿مَامِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ﴾ نہیں ہے ہم میں سے کوئی اس کی گواہی دینے والا ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور گم ہو جائیں گے ان سے ﴿مَّا﴾ وہ ﴿كَانُوْا يَدْعُوْنَ﴾ جن کو وہ پکارتے تھے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَظَنُّوْا﴾ اور وہ یقین کرلیں گے ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ﴾ نہیں ہے ان کے لیے کوئی چھٹکارا ﴿لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ﴾ نہیں تھکتا انسان ﴿مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ﴾ بھلائی کی دعا مانگنے سے ﴿وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور اگر پہنچے اس کو تکلیف ﴿فَيَـُٔوْسٌ﴾ پس وہ ناامید ہوتا ہے ﴿قَنُوْطٌ﴾ ناامیدی کے آثار چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً﴾ اور اگر ہم چکھائیں اس کو رحمت ﴿مِّنَّا﴾ اپنی طرف سے ﴿مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ﴾ تکلیف کے بعد ﴿مَسَّتْهُ﴾ جو اس کو پہنچی ہے ﴿لَيَقُوْلَنَّ﴾ البتہ ضرور کہتا ہے ﴿هٰذَا لِيْ﴾ یہ میری وجہ سے ہے ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾ اور میں نہیں خیال کرتا قیامت قائم ہونے والی ہے ﴿وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ﴾ اور اگر میں لوٹا دیا گیا ﴿اِلٰى رَبِّيْٓ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ بے شک میرے لیے اس کے پاس بھلائی ہوگی ﴿فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ﴾ پس البتہ ہم ضرور خبر دیں گے ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿بِمَا عَمِلُوْا﴾ جو انھوں نے عمل کیے ہیں ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ہم ضرور چکھائیں گے ﴿مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ گاڑھا عذاب ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ اور جس وقت ہم انعام کرتے ہیں انسان پر ﴿اَعْرَضَ﴾ وہ اعراض کرتا ہے ﴿وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ اور پہلوتہی کرتا ہے ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے اس کو تکلیف ﴿فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ پس لمبی چوڑی دعا والا ہوتا ہے۔

علم غیب خاصۂ خداوندی ہے !

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ قیامت کا بھی ہے کہ قیامت حق ہے۔ اس کو تسلیم کیے بغیر کوئی آدمی مسلمان

نہیں رہ سکتا اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروریات دین میں سے ہے اور اہم عقیدہ ہے کہ قیامت کے واقع ہونے کا صحیح علم رب تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ احادیث میں صرف اتنا آیا ہے کہ قیامت جمعہ والے دن قائم ہوگی لیکن وہ جمعہ کس سال اور کس مہینے کا ہوگا اور اس کے آنے میں کتنے سال باقی ہیں؟ کتنی تاریخیں باقی ہیں؟ یہ صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسی کا ذکر ہے ﴿اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اسی اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم۔ قیامت کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا﴾ اور نہیں نکلتے پھل اپنے غلافوں سے۔ اَکْمَام کِمٌّ کی جمع ہے، کاف کے کسرے کے ساتھ کِمٌّ کا معنیٰ ہے چھلکا۔ اخروٹ بادام کے اوپر جو چھلکا ہوتا ہے کسی پھل پر موٹا اور کسی پر باریک چھلکا ہوتا ہے۔ ﴿وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى﴾ اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ۔ چاہے انسانوں میں سے ہو یا جنات اور حیوانات میں سے ہو ﴿وَ لَا تَضَعُ﴾ اور نہ جنتی ہے ﴿اِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾ مگر وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ نر ہے یا مادہ ہے، صحیح سالم ہے یا ادھورا ہے۔ حالانکہ خود حاملہ کو علم نہیں ہے کہ اس کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ، ایک ہیں یا دو، کالا ہے یا گورا۔ اٹھائے پھرتی ہے اس کو کوئی علم نہیں ہے ﴿وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ﴾ [سورہ لقمان] ''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔'' علم غیب خاصۂ خداوندی ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا آواز دے گا، کہے گا، مشرکوں کو آواز دے کر فرمائے گا ﴿اَیْنَ شُرَكَآءِیْ﴾ کہاں ہیں میرے شریک جن کو تم میری ذات وصفات میں شریک بناتے تھے اور ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ﴿قَالُوْۤا﴾ مشرک کہیں گے ﴿اٰذَنّٰكَ﴾ ہم آپ کو بتلاتے ہیں آپ کے سامنے بیان دیتے ہیں۔ کیا بیان دیتے ہیں؟ ﴿مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ﴾ نہیں ہے ہم میں سے کوئی اس کا گواہ کہ آپ کا بھی کوئی شریک ہے۔ ساری زندگی کفر وشرک کرتے رہے قیامت والے دن رب کی سچی عدالت میں کہیں گے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس بات کی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہے کہ آپ کا کوئی شریک ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۲۳ پارہ ۷ میں ہے کہ کہیں گے ﴿وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ ''قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم نہیں تھے شرک کرنے والے۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ ''دیکھو کیسے جھوٹ بول رہے ہیں اپنی جانوں پر۔''

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور گم ہو جائیں گے، غائب ہو جائیں گے وہ جن کو یہ پکارتے تھے اس سے پہلے۔ دنیا میں جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر سمجھ کر پکارتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے ان میں سے کوئی ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا ﴿وَ ظَنُّوْا﴾ اور مشرک یقین کر لیں گے ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ﴾ محیص ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت معنیٰ ہوگا نہیں ہے ان کے لیے چھٹکارے کی جگہ۔ اور مصدر بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت معنیٰ ہوگا نہیں ہے ان کے لیے کوئی چھٹکارا کہ عذاب سے ان کو چھٹکارا مل جائے ﴿لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ﴾ نہیں تھکتا انسان خیر مانگنے سے۔ خیر میں مال، اولاد، عہدے کی ترقی سب داخل ہیں۔ انسان مال مانگنے سے، اولاد مانگنے سے، ترقی مانگنے سے نہیں تھکتا۔

رحمت خداوندی اور انسان کی مایوسی

حدیث میں آتا ہے: لَوْ کَانَ لِابْنِ ادم و ادیان من ذَهبٍ لَابْتَغٰی ثَالِثًا ''اگر ہوں آدم کے بیٹے کے پاس دو میدان سونے کے بھرے ہوئے تو ان پر کفایت نہیں کرے گا ضرور تیسرا تلاش کرے گا وَ لَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنَ اٰدم اِلَّا التُّرَابُ آدم کے پیٹ کو مٹی ہی بھرے گی۔'' کتنا مال مل جائے، کتنی ترقی ہو جائے مزید کا طالب ہوتا ہے کہتا ہے اور ہو۔ نہیں تھکتا انسان خیر مانگنے سے، مال مانگنے سے اور اولاد اور عزت مانگنے سے، ترقی اور اقتدار مانگنے سے ﴿وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور اگر اس کو پہنچے تکلیف ﴿فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ﴾ یؤس کا معنیٰ ہے نا امید ہونا اور قنوط کا معنیٰ ہے مایوسی کے اظہار کا چہرے پر ظاہر ہونا۔ جب کوئی آدمی پریشان ہوتا ہے تو دوسرا آدمی اس کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ جاتا ہے کہ یہ پریشان ہے اسی طرح اگر کسی کو خوشی ہو تو اس کے اثرات بھی چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں۔ تو معنیٰ ہوگا پس وہ نا امید ہوتا ہے اور اس کے نا امید ہونے کے آثار چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہونا بڑا سخت گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ [زمر: ۵۳] ''نہ مایوس ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔'' ایمان کے متعلق فرماتے ہیں کہ الایمانُ بَیْنَ الخوف وَالرّجَآء ''ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے۔'' رب تعالیٰ کے عذاب کا ڈر بھی ہو اور رحمت سے نا امید بھی نہ ہو۔ ان دونوں چیزوں کے درمیان اعتدال کا راستہ ایمان ہے۔ لیکن خوف سے مراد زبانی خوف نہیں ہے حقیقتاً خدا کا خوف ہو۔ مثلاً: ایک آدمی کہتا ہے کہ میں رب تعالیٰ سے بڑا ڈرتا ہوں مگر نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا، حق اور باطل کے درمیان فرق نہیں کرتا، نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق پہچانتا ہے نہ مخلوق کے اور کہتا ہے کہ میں رب سے ڈرتا ہوں تو اس کا نام تو ڈرنا نہیں ہے۔ رب تعالیٰ سے ڈرنے والا تو وہ ہے جو رب تعالیٰ کی مخالفت نہ کرے اور اس کے احکام کا پابند ہو کسی ایک حکم کی بھی مخالفت نہ کرے۔ اسی طرح ایک آدمی طمع رکھتا ہے کہ مجھے ہر چیز مل جائے لیکن وہ اسباب کو کام میں نہیں لاتا جب کہ حکم ہے کہ اسباب کو کام میں لاؤ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ لیکن اس کی رحمت کو اسباب کے ساتھ متعلق کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہے محنت نہیں کرتا، تجارت نہیں کرتا، ملازمت اختیار نہیں کرتا، زراعت نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ مجھے وافر دولت مل جائے۔ رب تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ بغیر اسباب کے بھی دے سکتا ہے لیکن عادۃ اللہ اس طرح جاری نہیں ہے کچھ کرنا پڑے گا پھر ملے گا۔ رب قادر مطلق ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام ایشیائے کوچک جو آج کل ترکوں کے پاس ہے اس علاقے میں رہتے تھے۔ ان کا واقعہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت بھی عطا فرمائی اور مال اولاد سے بھی نوازا۔ تین لڑکے تھے ان کی شادیاں کیں، تین لڑکیاں تھیں ان کی شادیاں کیں، چھ سات ہزار بھیڑ بکریاں تھیں، تین ہزار اونٹ تھے، پانچ ہزار جوڑی بیلوں کی تھی۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ معمول یہ تھا کہ کوئی چیز ذبح کرتے تو پڑوسیوں کا بھی خیال کرتے تھے ایک دن بکری ذبح کی کوئی ذہنی پریشانی تھی پڑوسیوں کا بالکل خیال نہ آیا۔ وہ بھی باضمیر تھے مانگا انھوں نے بھی نہیں۔ خیال تھا کہ دیں گے کچھ پکایا بھی نہ، رات

بغیر کھانے پینے کے گزاری۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ خود بندہ بکری کا گوشت کھائے اور پڑوسی بھوکا رہے۔ تکلیف طاری کر دی۔ بیٹے بیٹیاں بھی چھین لیں اور مال بھی چھین لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ واپس کر دیا۔ ایک دن نہا رہے تھے کہ سونے چاندی کی مکڑیوں کی بارش ہوگئی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جلدی جلدی کپڑے سمیٹنے شروع کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے ایوب علیہ السلام! میں نے تجھے غنی نہیں کر دیا پہلے کپڑے پہن لو پھر اکٹھا کر لینا۔ کہنے لگے: لَا غِنَاءَ عَنْ بَرْكَتِكَ "آپ کی برکت سے غنا نہیں ہے۔" جب اے پروردگار! آپ دینے پر آئے ہیں تو میں آپ کی نعمت کی قدر کیوں نہ کروں۔ تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سونے کی مکڑیاں برسا سکتا ہے لیکن عالم اسباب میں اس نے ضابطہ یہی بنایا ہے کہ انسان کچھ نہ کچھ کرے گا تو بات بنے گی۔ تو فرمایا کہ انسان کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے ایسا کہ اس کے آثار اس کے چہرے سے نظر آتے ہیں ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا﴾ اور اگر ہم چکھائیں انسان کو رحمت اپنی طرف سے ﴿مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ﴾ تکلیف کے بعد ﴿مَسَّتْهُ﴾ جو اس کو پہنچی ہے۔ مثلاً فقر کے بعد مال مل گیا، بیماری کے بعد صحت مل گئی۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ﴾ البتہ انسان ضرور کہتا ہے یہ میری وجہ سے ہے میری محنت کا نتیجہ ہے مگر اتنا نہیں سوچتا کہ اصل تو رب تعالیٰ کا فضل و کرم ہے محنت تو بہانہ ہے۔ ان چیزوں کا تعلق محنت کے ساتھ ہوتا تو مزدور آدمی سارا دن خون پسینا ایک کرتا ہے، گرمی کے زمانے میں ٹوکری اٹھاتا ہے، پتھر اٹھاتا ہے، روڑی کوٹتا ہے مگر شام کو اس کو اتنا نہیں ملتا جتنا پنکھے کے نیچے بیٹھنے والے کو ملتا ہے۔ تو یہ سمجھ لینا کہ یہ میری محنت ہے یہ غلط ہے۔

تو ایک سبب ہے اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ تو فرمایا کہ اگر ہم اس کو چکھائیں رحمت اپنی طرف سے اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہے تو ضرور کہتا ہے کہ میری وجہ سے ہے، میری محنت کا نتیجہ ہے۔ اور پھر یہ بھی کہتا ہے ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت قائم ہوگی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قیامت کوئی نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو ﴿وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ﴾ اور البتہ اگر میں لوٹا دیا گیا اپنے رب کی طرف۔ اگر قیامت آ بھی گئی تو ﴿اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ بے شک میرے لیے اس رب کے پاس بھلائی ہوگی چونکہ مجھے یہاں سب کچھ ملا ہوا ہے وہاں بھی سب کچھ ملے گا۔ اس نے یہ باطل قیاس کیا کہ دنیا میں رب تعالیٰ نے اس کو مال دیا، اولاد دی، عہدہ دیا، اس سے اس نے یہ سمجھا کہ رب میرے اوپر راضی ہے تو جب رب میرے اوپر راضی ہے تو اگر قیامت آ بھی گئی تو وہاں بھی راضی ہوگا حالانکہ کئی مرتبہ یہ بات تم سن چکے ہو کہ رب تعالیٰ کے راضی اور ناراض ہونے کا معیار دنیا نہیں ہے بلکہ دین اور ایمان ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس پر راضی ہوتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس پر راضی نہیں ہوتا وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ اور دین نہیں دیتا مگر اس کو جس پر راضی ہوتا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے وَلَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ "اور ایمان نہیں دیتا مگر اس کو جس پر راضی ہوتا ہے۔" تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا معیار دنیا نہیں ہے دین اور

ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس البتہ ہم ضرور خبر دیں گے ان لوگوں کو جو کافر ہیں۔ ان کو ہم بتلائیں گے ﴿بِمَا عَمِلُوْا﴾ جو انھوں نے عمل کیے ہیں کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ اور ہم ان کو ضرور چکھائیں گے گاڑھا عذاب۔ ہم ان کو سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کی عمومی فطرت یہ ہے ﴿وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ اور جس وقت ہم انعام کرتے ہیں انسان پر ﴿اَعْرَضَ﴾ وہ اعراض کرتا ہے ﴿وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ اور پہلو تہی کرتا ہے۔ نعمت پر شکر ادا کرنے کے بجائے اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے۔ اس کے برخلاف ﴿وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے اس کو تکلیف ﴿فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ پس لمبی چوڑی دعا مانگنے والا ہوتا ہے۔ پھر لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے۔ خوش حالی اور آسودگی میں تو اپنے مالک کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو مشکل کشائی کے لیے لمبے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بھلا بتلاؤ تم ﴿اِنْ كَانَ﴾ اگر ہے یہ قرآن کریم ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ﴾ پھر تم نے اس کا انکار کردیا ﴿مَنْ اَضَلُّ﴾ کون زیادہ بہکا ہوا ہے ﴿مِمَّنْ﴾ اس شخص سے ﴿هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾ جو اختلاف میں دور جا پڑا ہے ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ عنقریب ہم ان کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں ﴿فِي الْاٰفَاقِ﴾ زمین کے اطراف میں ﴿وَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور ان کی جانوں میں بھی ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ﴾ یہاں تک کہ واضح ہو جائے ان کے سامنے ﴿اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ بے شک یہ حق ہے ﴿اَوَ لَمْ يَكْفِ﴾ کیا کافی نہیں ہے یہ بات کہ ﴿بِرَبِّكَ﴾ آپ کا رب ﴿اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿اَلَاۤ﴾ خبردار ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿فِيْ مِرْيَةٍ﴾ شک میں ہیں ﴿مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی ملاقات سے ﴿اَلَاۤ﴾ خبردار ﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلے رکوع میں قرآن پاک کے متعلق تھا ﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ ''اور بے شک یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ باطل نہ اس کے سامنے کھڑا ہوسکتا ہے نہ سامنے سے حملہ کرسکتا ہے نہ پیچھے سے حملہ کرسکتا ہے۔'' صدیاں گزر گئیں آج تک قرآن پاک میں کوئی خامی نہیں نکال سکا۔ ضدی لوگوں کے سوا باقی جنھوں نے نہیں مانا وہ صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ بھلا بتلاؤ اگر یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے ﴿ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ﴾ پھر تم نے اس کا انکار کر دیا۔ یہ بتلاؤ ﴿مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ﴾ کون زیادہ بہکا ہوا ہے، کون زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے جو اختلاف میں دور جا پڑا ہے۔ قرآن عربی زبان میں بڑی فصیح و بلیغ کتاب ہے۔ کافر اس کے اثر کا انکار نہیں کرتے تھے اس کا اثر مانتے تھے مگر کہتے تھے اثر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سچی کتاب ہے اور اس کا پیش کرنے والا سچا ہے۔ بلکہ کہتے تھے کہ سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ''یہ کھلا جادو ہے۔'' اس کا اثر جادو ہونے کی وجہ سے ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳ پارہ ۱۶ میں ہے ﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ ''اور کیا تم پھنسے ہو جادو میں اور تم دیکھ رہے ہو۔'' اچھے بھلے بصیرت والے ہو کر جادو میں پھنسے ہو۔ جادو کہہ کر ٹھکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا﴾ عنقریب ہم ان کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں ﴿فِی الْاٰفَاقِ﴾۔ آفاق افق کی جمع ہے افق کا معنیٰ ہے کنارہ۔ زمین کے کناروں میں، اطراف میں کبھی کہیں زلزلہ ہوگا، کبھی قحط سالی ہوگی کسی جگہ ہیضہ پھیل جائے گا، کسی جگہ طاعون پھیل جائے گا، کہیں بارش نہیں ہوگی، کہیں سیلاب آ جائے گا۔ مختلف اوقات میں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ انسان اگر صحیح معنیٰ میں انسان ہے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ضرور عبرت حاصل کرے گا ﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور خود ان کی اپنی جانوں میں بھی۔ گھر کا کوئی فرد بیمار، کبھی کوئی بیمار، کبھی مالی تنگی، کبھی جھگڑا فساد، کبھی کچھ ہوگا کبھی کچھ ہوگا۔ ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ بندوں کو جھنجھوڑتے ہیں کہ سنبھل جاؤ ہوش کے ناخن لو ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ﴾ یہاں تک کہ واضح ہو جائے ان کے سامنے ﴿اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ بے شک یہ قرآن کریم حق ہے۔ قرآن کریم کی حقانیت کے لیے ہم مختلف قسم کی نشانیاں اپنی قدرت کی دکھاتے ہیں۔ کبھی کسی جگہ، کبھی کسی جگہ، کبھی بدنی، کبھی مالی، مگر یہ لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے ﴿اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ﴾ کیا کافی نہیں ہے یہ بات کہ آپ کا رب ﴿اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ کہ بے شک وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ ہر چیز رب تعالیٰ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی جانتا ہے۔ معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے جس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔ فرمایا یہ بھی سن لو ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ﴾ بے شک یہ لوگ شک میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے۔ کہتے ہیں قیامت نہیں آئے گی۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا ہے کافر نے کہا مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ''میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت قائم ہوگی۔'' تو بڑے زوردار الفاظ میں قیامت کا انکار کرتے تھے۔ فرمایا ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔ علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، تمام چیزیں اس کے علم اور قدرت میں ہیں۔

نوٹ: ''اس درس میں سورہ شوریٰ کی پہلی پانچ آیات بھی تھیں مگر ہم نے سورت کے الگ ہونے کی وجہ سے ان کو الگ لکھ دیا ہے۔ مرتب''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ اِلَیۡہِ یُرَدُّ

(۲۵)

آیاتھا ۵۳ (۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَكِّيَّةٌ (۶۲) رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ ○ كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ﴾ وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف ﴿وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں ﴿اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ﴿الْعَزِيْزُ﴾ غالب ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ حکمت والا ہے ﴿لَهٗ﴾ اسی کے لیے ہے ﴿مَا﴾ جو کچھ ہے ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ ہے زمین میں ﴿وَ هُوَ الْعَلِيُّ﴾ اور بلند ہے ﴿الْعَظِيْمُ﴾ عظمت والا ہے ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ﴾ قریب ہے کہ آسمان ﴿يَتَفَطَّرْنَ﴾ پھٹ جائیں ﴿مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ اوپر سے ﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور فرشتے ﴿يُسَبِّحُوْنَ﴾ تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی حمد کی ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور بخشش طلب کرتے ہیں ﴿لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ ان کے لیے جو زمین میں ہیں ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

وجہ تسمیہ سورت

اس سورت کا نام شوریٰ ہے اور شوریٰ کا معنیٰ ہے مشورہ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ "ان کا معاملہ آپس میں مشورے سے طے ہوتا ہے۔" جن چیزوں کا ذکر قرآن و حدیث میں نہ ہو، اجماع امت سے ثابت نہ ہوں تو ایسی چیزوں میں مشورے کا حق مسلمانوں کو قیامت تک حاصل رہے گا۔ کیونکہ بعض آدمی سمجھدار ہوتے ہیں اور حقیقت کی تہہ کو پہنچ جاتے ہیں اور جو سطحی قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو جس وقت مشورہ کرتے ہیں تو کمزور اپنی کمزوری اور خامی کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں کی رائے کو قبول کر لیتے ہیں۔ تو جو فیصلہ مل جل کر کریں گے وہ فیصلہ صحیح ہوتا ہے۔ تو چونکہ اس سورت میں شوریٰ کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام شوریٰ ہے۔ اکسٹھ [۶۱] سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں یہ باسٹھ [۶۲] نمبر پر نازل ہوئی۔ یہ مکی سورۃ ہے۔ اس کے پانچ [۵] رکوع اور ترپین [۵۳] آیات ہیں اور موجودہ ترتیب کے لحاظ سے اس کا بیالیسواں [۴۲] نمبر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے باسٹھ [۶۲] نمبر ہے۔

﴿حٰمٓ عٓسٓقٓ﴾ یہ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ قطع کا معنیٰ ہے الگ کرنا۔ لفظ سے ایک حرف الگ کر لیا جائے اختصاراً۔ ح سے مراد حمید ہے، م سے مراد مجید۔ حمید کے معنیٰ قابل تعریف۔ مجید کا معنیٰ بزرگ۔ اللہ تعالیٰ کا نام حمید بھی ہے مجید بھی ہے۔ ع سے مراد علیم۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے علیم ... سمیع ہے اللہ تعالیٰ سننے والا بھی ہے۔ ق سے مراد قادر ہے کہ اللہ تعالیٰ

ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ﴾ اسی طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی طرف ﴿وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور ان کی طرف بھی وحی بھیجی جو پیغمبر آپ سے پہلے گزرے ہیں۔ وحی کون بھیجتا ہے؟ اللہ تعالیٰ۔ لفظ اللہ فاعل ہے ﴿يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ﴾ کا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے پہلے تھے۔ سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام تھے دوسرے پیغمبر آدم علیہ السلام کے بیٹے شیث تھے۔ اس کے بعد کتنے ہی پیغمبر تشریف لائے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے آکر بشارت سنائی کہ ﴿وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ [صف:۶] "اور میں خوشخبری سنانے والا ہوں ایک رسول کی جو آنے والا ہے میرے بعد نام اس کا احمد ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔" محمد کے لفظی معنیٰ ہیں تعریف کیا ہوا۔ یہ باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف رب نے کی، فرشتوں نے کی، انسانوں اور جنات نے کی، اپنوں اور بے گانوں نے کی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جتنی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہوئی۔ اور احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ ہے سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے نہیں کی۔ تو پیغمبر جتنے بھی تشریف لائے ہیں سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا وہ بعد میں آئیں گے لیکن اُمتی کی حیثیت سے آئیں گے وہ اپنی شریعت کی لوگوں کو دعوت نہیں دیں گے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی دعوت دیں گے اور ان کے آنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑے گی کیوں کہ گنتی وہی رہے گی گنتی نہیں بڑھے گی۔

تو فرمایا اسی طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں ﴿اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ وہ اللہ جو غالب ہے حکمت والا ہے۔

نافع اور ضار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

فرمایا ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ اسی اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمان میں چاند، سورج، ستارے ہیں اور بے شمار مخلوق ہے جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، زمین میں پہاڑ ہیں، میدان ہیں، دریا ہیں، انسان اور حیوان ہیں، جنات ہیں، چرند پرند ہیں، حشرات الارض ہیں اور کتنی مخلوق ہے جس کو رب کے سوا کوئی نہیں جانتا سب کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور سب پر تصرف بھی اسی کا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو تصرف کا حق ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن پاک میں اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] "بے شک میں نہیں ہوں مالک تمھارے لیے نفع ونقصان کا۔" اور یہ بھی اعلان کروایا کہ آپ ان کو کہہ دیں ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [الاعراف:۱۸۸] "میں نہیں ہوں مالک اپنے لیے نفع نقصان کا۔" اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفع کے مالک ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی تکلیف نہ آتی۔

حالانکہ احد کے مقام پر عتبہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیچے والے دو دانتوں میں سے دائیں طرف والا دانت شہید ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو گئے۔ خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ عبداللہ بن قمیہ کافر نے تلوار ماری خَود (لوہے کی ٹوپی) کٹ گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں ہوتا تو یہ معاملہ کبھی نہ پیش آتا لہٰذا نافع اور ضار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے سب کا وہی خالق، وہی مالک اور وہی متصرف ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ اور وہی بلند اور عظمت والا ہے۔ ذات کے لحاظ سے بڑا اور رتبے کے لحاظ سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑی ذات کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں رتبے اور درجے کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ذات کوئی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میدان محشر میں لواء الحمد یعنی حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور آدم علیہ السلام اور باقی تمام پیغمبر میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

مقام محمود کو تم یوں سمجھو کہ جیسے جلسوں کے لیے سٹیج ہوتا ہے اور خاص لوگ اس پر ہوتے ہیں عام لوگ نیچے ہوں گے اور انبیائے کرام مقام محمود پر ہوں گے۔ فرمایا میں مقام محمود پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گا اور ساری مخلوق کے لیے شفاعت کروں گا کہ حساب کتاب شروع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرمائیں گے۔

فرمایا ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اوپر سے کہ ساتواں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھٹے پر اور چھٹا گرے پانچویں پر اور پانچواں گرے چوتھے پر اور چوتھا گرے تیسرے پر۔ اُوپر سے پھٹنا شروع ہوں۔ کیوں؟ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اور فرشتے تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں ان کے جسم وزنی نہیں ہیں ہمارے جسموں کی طرح مگر اس کثرت سے ہیں کہ اس تکثر کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے۔ آسمانوں میں چار انگشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت میں مصروف نہ ہو۔ تو ایک تفسیر تو یہ ہے کہ فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آسمان پھٹ جائیں۔ چنانچہ سورۃ مریم پارہ ۱۶ میں ہے ﴿قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ "اور کہا کافروں اور مشرکوں نے کہ بنا لیا ہے رحمن نے بیٹا ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا﴾ البتہ تحقیق لائے ہو تم ایک بڑی ناگوار بات ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ "قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں اس سے اور زمین شق ہو جائے اور گر پڑیں پہاڑ گر پڑنا ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ "اس وجہ سے کہ پکارتے ہیں یہ لوگ رحمان کے لیے اولاد۔" اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يَسُبُّنِيْ اِبْنُ اٰدَمَ وَ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ "آدم کا بیٹا مجھے گالیاں نکالتا ہے حالانکہ اس کو یہ حق نہیں ہے۔" گالیاں کیسے نکالتا ہے؟ يَدْعُوْ لِيْ وَلَدًا "میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" کوئی کہتا ہے عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، کوئی کہتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کوئی کہتا ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ تمھارے ان گندے عقائد سے ناراض ہو کر زمین و آسمان کا نظام ہی درہم برہم کر دے۔

تو فرمایا فرشتے تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ مسلم شریف میں روایت ہے اَحَبُّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ "اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب کلام سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ہے۔" فرشتے اور کیا کرتے ہیں ﴿وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور بخشش طلب کرتے ہیں ان کے لیے جو زمین میں ہیں۔ زمین والوں کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں اور یہ بھی تم سورہ مومن میں پڑھ چکے ہو ﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ﴾ "جو اٹھا رہے ہیں عرش کو ﴿وَ مَنْ حَوْلَهٗ﴾ اور جو اس کے آس پاس ہیں ﴿یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے رب کی ﴿وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ اور ایمان رکھتے ہیں اس پر ﴿وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور مومنوں کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً﴾ اے ہمارے رب وسیع ہے ہر چیز پر آپ کی رحمت ﴿وَّ عِلْمًا﴾ اور علم ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا﴾ بخش دے ان لوگوں کو جنھوں نے توبہ کی ﴿وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ﴾ اور تیرے راستے پر چلے ﴿وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾ اور بچا ان کو دوزخ کے عذاب سے ﴿رَبَّنَا﴾ اے رب ہمارے ﴿وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ﴾ اور داخل کر ان کو ہمیشگی کے باغوں میں ﴿الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ﴾ جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے ﴿وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ﴾ اور ان کو بھی جو نیک ہوں ان کے باپ دادا میں ﴿وَ اَزْوَاجِهِمْ﴾ اور ان کی بیویوں میں سے ﴿وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ﴾ اور ان کی اولادوں میں سے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ بے شک آپ ہی غالب ہیں اور حکمت والے ہیں ﴿وَ قِهِمُ السَّیِّاٰتِ﴾ [مومن: ۷ تا ۹] "اور بچا ان کو برائیوں سے پریشانیوں سے۔"

فرمایا ﴿اَلَاۤ﴾ خبردار ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

﴿وَ الَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اتَّخَذُوْا﴾ جنھوں نے بنائے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِهٖۤ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ کارساز ﴿اللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی نگرانی کرتا ہے ان کی ﴿وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان پر ﴿بِوَكِیْلٍ﴾ وکیل ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ﴾ وحی کی ہم نے آپ کی طرف ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا﴾ قرآن عربی زبان میں ﴿لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی﴾ تاکہ آپ ڈرائیں بستیوں کی ماں کو ﴿وَ مَنْ حَوْلَهَا﴾ اور ان کو جو اس کے اردگرد ہیں ﴿وَ تُنْذِرَ﴾ اور تاکہ آپ ڈرائیں ﴿یَوْمَ الْجَمْعِ﴾ جمع ہونے والے دن سے ﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ اس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ﴾ ایک فریق جنت میں ہوگا ﴿وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ﴾ اور ایک فریق بھڑکتی ہوئی آگ میں ہوگا ﴿وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَجَعَلَهُمْ﴾ تو کر دے ان کو ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک ہی گروہ ﴿وَّ لٰكِنْ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت میں ﴿وَ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور جو ظالم ہیں ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی حمایتی ﴿وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾ اور نہ کوئی

مددگار ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا﴾ کیا بنا لیے ہیں انھوں نے ﴿مِنْ دُوْنِهٖٓ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿اَوْلِيَآءَ﴾ کارساز ﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی ہے کارساز ﴿وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَمَا﴾ اور وہ چیز ﴿اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ﴾ جس میں تم نے اختلاف کیا ہے ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کوئی بھی چیز ہو ﴿فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ ہی میری پرورش کرنے والا ہے ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اسی پر میں نے بھروسا کیا ﴿وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے جن کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے عقیدہ توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور اپنی صفات اور اپنے افعال میں وحدہ لاشریک لہٗ ہے کوئی اس کا کسی معنیٰ اور کسی حیثیت میں اور کسی اعتبار سے شریک نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیارات کسی کو دیئے ہیں رتی برابر بھی۔ لیکن مشرک قوموں نے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبروں کو ولیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ولیوں کو بڑا نیک سمجھتے ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ وہ نیک تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ یہ ہم سے راضی ہوں گے تو پھر رب تعالیٰ کے آگے ہماری درخواستیں پیش کریں گے پھر نبیوں، رسولوں، شہیدوں کے متعلق یہ نظریہ اپنایا کہ وہ حاضر و ناظر بھی ہیں اور عالم الغیب بھی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اختیارات بھی عطا کیے ہیں، یہ ہماری حفاظت اور نگرانی بھی کرتے ہیں۔

یہ جاہل قسم کے لوگ جو گیارھویں دیتے ہیں ان کا بھی یہی نظریہ ہوتا ہے کہ اس سے مال میں برکت ہوگی اور ہمارا مال نقصان سے محفوظ رہے گا۔ اگر گیارھویں نہ دی تو نقصان ہوگا۔ یہی شرکیہ عقائد ہیں۔ بہت کم لوگ ہوں گے جو ایصال ثواب کا لحاظ رکھیں۔ بے شک ایصال ثواب اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر ایک ہی شخصیت کو ثواب پہنچانا اور گیارھویں تاریخ کو پہنچانے کا کیا مقصد ہے؟ یہ بدعت ہے۔ ایصال ثواب ہر وقت اور ہر ایک کے لیے مطلوب ہے۔ یہ جو تعیین ہے ضرور دال میں کالا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے بنائے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کارساز، کام بنانے والے، نگران اور محافظ ﴿اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی نگرانی کرتا ہے ان کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو نگران اور محافظ بنائے پھرتے ہیں اور جن کو اپنے لیے نگران اور کارساز سمجھتے ہیں ان کا نگران اور محافظ بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اختیارات سارے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ آپ ان کو یہ بات سمجھا دیں ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان پر وکیل، ان کے ذمہ دار کہ ان سے ہدایت قبول کروائیں۔ جس طرح وکیل کی ہار جیت موکل کی ہار جیت ہوتی ہے ایسا نہیں ہے۔ پس آپ ان کو حق کھول کر سنا دیں تاکہ ان کو شبہ نہ رہے پھر میں جانوں اور یہ جانیں ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ اور اسی طرح وحی

کی ہم نے آپ کی طرف جس طرح آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف کی ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا﴾ قرآن عربی زبان میں۔ آپ بھی عربی، قوم بھی عربی، کتاب بھی عربی زبان میں۔ قرآن کریم کو کیوں اتارا؟ ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی﴾ تاکہ آپ ڈرائیں بستیوں کی ماں کو، سب بستیوں کی اصل بستی کو۔ اُمّ کے لفظی معنیٰ ماں کے ہیں۔ جس طرح ماں سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح دنیا کی ساری بستیاں مکہ مکرمہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ زمین کا پیڑا بنا کر اللہ تعالیٰ نے یہاں رکھا جہاں کعبہ ہے پھر زمین کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ سورۃ النازعات پارہ ۳۰ میں ہے ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ "اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔" تو یہ دنیا میں جتنی بستیاں ہیں ان کا مرکز مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ کا معنیٰ ناف، دُھنی، بدن کا سنٹر اور درمیان ہوتا ہے۔

ساری دنیا کا وسط کعبۃ اللہ ہے

مکہ مکرمہ عین دنیا کا نصف ہے۔ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس کو ناف کے ذریعے خوراک ملتی ہے اسی طرح روحانی خوراک مکہ مکرمہ کے ذریعے سے ملتی ہے اور قیامت تک ملتی رہے گی۔ اور کعبہ دنیا کے قیام کا ذریعہ ہے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ۔ جب تک کعبہ ہے دنیا کا نظام قائم ہے۔ جس وقت کعبۃ اللہ کو شہید کر دیا جائے گا اسرافیل علیہ السلام بگل پھونک دیں گے قیامت برپا ہو جائے گی۔ تو فرمایا تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ یعنی مکے والوں کو ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اور ان کو جو اردگرد والے ہیں۔ جو بستیاں مکہ مکرمہ کے اردگرد ہیں ان کو بھی ڈرائیں رب تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے۔ ساری دنیا ہی ام القریٰ کے اردگرد ہے۔ آپ کی بعثت ساری کائنات کے لیے ہے۔ چنانچہ آپ براہِ راست جہاں جہاں تک پہنچ سکتے تھے آپ نے وہاں پہنچ کر تبلیغ کی اور آگے آپ کے تیار کردہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی۔ جو بڑے وفادار، جفاکش اور انتہائی مخلص تھے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کو مشرق و مغرب کے کونوں تک پہنچایا۔ آج اس گئے گزرے ہوئے زمانے میں بھی الحمد للہ! کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں کلمہ طیبہ پڑھنے والے لوگ موجود نہ ہوں چاہے تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ تو فرمایا تاکہ آپ ڈرائیں مکہ مکرمہ اور اردگرد کی بستیوں کے لوگوں کو رب کے عذاب سے ﴿وَتُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ﴾ اور تاکہ آپ ان کو ڈرائیں جمع ہونے والے دن سے۔ وہ قیامت کا دن ہے ﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ کوئی شک نہیں ہے اس اجتماع والے دن میں۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے قیامت کا عقیدہ۔ قیامت یقیناً آئے گی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس دن جزائے عمل کی منزل آئے گی جس کے نتیجہ میں ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ﴾ ایک فریق، ایک گروہ جنت میں ہوگا ﴿وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ﴾ اور ایک فریق، ایک گروہ دوزخ میں ہوگا، بھڑکتی ہوئی آگ میں ہوگا۔ موحد جنت میں ہوں گے اور مشرک کافر دوزخ میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ تو کر دے ان کو ایک گروہ۔ جبراً اطاعت پر مجبور کر دے کہ نافرمانی کی طاقت ان سے سلب کر لے مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے کیوں کہ اس طرح تو پھر امتحان ختم ہو گیا۔ امتحان تو اس وقت ہے کہ نیکی بدی کی طاقت دے کر اختیار دیا جائے کہ جس کو چاہے اپنی مرضی سے

اختیار کرے اس واسطے فرمایا ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔" ﴿لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ [البقرہ:۲۵۶] "دین میں کوئی جبر نہیں ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔" تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو جبراً سب کو ایک گروہ بنا دے۔ ﴿وَّ لٰكِنْ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں اور داخل اسے ہی کرتا ہے جو طالب ہوتا ہے ﴿وَ الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾ اور ظالموں کے لیے نہیں ہوگا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار یعنی جو لوگ کفر و شرک ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ان کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ﴾ کیا بنائے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے کارساز کہ یہ ان کی مشکل کشائی کریں گے اور مشکل میں کام آئیں گے ﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی ہے کارساز اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشائی کرنے والا نہیں ہے، کارساز فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ﴿وَ هُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی﴾ اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو ﴿وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے لہٰذا اسی کو کارساز سمجھنا چاہیے اور تمام حاجات میں اسی کو پکارنا چاہیے اور اسی کی توحید پر ایمان لانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور وہ چیز جس میں تم نے اختلاف کیا ہے کوئی بھی چیز ہے ﴿فَحُكْمُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ پس اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۵۹ پارہ نمبر ۵ میں ہے ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ "پس اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو لوٹاؤ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔" اگر آپس کے اختلافات اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حل کر لیے جائیں تو دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن جائے مگر افسوس کہ ہر آدمی، گروہ اور جماعت اپنی من مانی کرتی ہے جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

تو فرمایا جس چیز میں تم نے اختلاف کیا کوئی بھی چیز ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ﴾ یہ اللہ تعالیٰ میری پرورش کرنے والا ہے ﴿عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اسی پر میں نے بھروسا کیا ﴿وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ﴾ اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ﴾ بنانے والا ہے آسمانوں کو ﴿وَ الْاَرْضِ﴾ اور زمین کو ﴿جَعَلَ﴾ اس نے بنائے ﴿لَكُمْ﴾ تمھارے لیے ﴿مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ تمھاری جانوں میں سے ﴿اَزْوَاجًا﴾ جوڑے ﴿وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ﴾ اور مویشیوں میں سے بھی ﴿اَزْوَاجًا﴾ جوڑے ﴿یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ﴾ بکھیرتا ہے تم کو اس میں ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ نہیں ہے اس کے مثل کوئی چیز ﴿وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے ﴿لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ﴾ اسی کے لیے

ہیں چابیاں آسمانوں کی ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کی ﴿یَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ بڑھاتا ہے رزق ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہتا ہے ﴿وَیَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿بِكُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کو ﴿عَلِیْمٌ﴾ جانتا ہے ﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ﴿مِّنَ الدِّیْنِ مَا﴾ وہ دین ﴿وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا﴾ جس کی تاکید کی نوح علیہ السلام کو ﴿وَّالَّذِیْٓ﴾ اور وہی ﴿اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ﴾ جس کی وحی کی ہم نے آپ کی طرف ﴿وَمَا﴾ اور وہ ﴿وَصَّیْنَا بِهٖٓ﴾ جس کی تاکید کی ہم نے ﴿اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی﴾ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ کہ قائم کرو تم دین کو ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو ﴿كَبُرَ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ﴾ بھاری ہے مشرکوں پر ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ﴾ جس چیز کی تم ان کو دعوت دیتے ہو ﴿اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی منتخب کرتا ہے اپنی طرف ﴿مَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہتا ہے ﴿وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ﴾ اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿یُّنِیْبُ﴾ جو رجوع کرتا ہے ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا﴾ اور نہیں تفرقہ ڈالا ان لوگوں نے ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا﴾ مگر بعد اس کے ﴿جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ آ گیا ان کے پاس علم ﴿بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ﴾ سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک بات ﴿سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ جو ہو چکی آپ کے رب کی طرف سے ﴿اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ایک مدت مقرر تک ﴿لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ﴾ البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ﴾ اور بے شک وہ لوگ ﴿اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو وارث بنایا گیا کتاب کا ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ البتہ وہ شک میں ہیں اس کی طرف سے ﴿مُرِیْبٍ﴾ جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ﴾ "کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کارساز، مشکل کشا بنا لیا ہے۔" حالاں کہ کارساز تو فقط اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی رب جو ہر چیز پر قادر ہے ﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے ﴿جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ اس نے بنائے ہیں تمھارے لیے تمھاری جانوں میں سے جوڑے۔ کسی کو مرد بنا دیا کسی کو عورت بنا دیا ﴿وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا﴾ اور مویشیوں میں سے بھی جوڑے بنائے، نر، مادہ کہ نسل کا سلسلہ قائم رہے ﴿یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ﴾ بکھیرتا ہے تمھیں زمین میں یا بکھیرتا ہے تمھیں ماں کے رحم میں یا بناوٹ میں تمھیں بکھیرتا ہے۔ کسی کو کوئی شکل وصورت، کسی کو کوئی شکل وصورت عطا کرتا ہے ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ نہیں ہے اس کے مثل کوئی چیز۔ یہاں کاف زائدہ ہے کیونکہ اگر کاف زائدہ نہ ہوتو

معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔ کیونکہ کاف کا معنیٰ بھی تو مثل ہے۔ تو نفی مثل کے مثل کی ہوگی مثل ثابت ہو گئی۔ تو کاف زائدہ ہے۔ معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بے مثل اور بے مثال ہے نہ اس کی ذات کے مثل کوئی ہے اور نہ اس کی صفات کے مثل کوئی ہے، نہ ارادے میں اس کے مثل کوئی ہے اور نہ افعال میں اس کے مثل کوئی ہے اور نہ مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی تشبیہ دی جاسکتی ہے، نہ اس کا باپ ہے، نہ ماں ہے، نہ بیوی ہے، نہ اولاد ہے اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سننے والی دیکھنے والی ہے۔ ساری کائنات کی بولیاں سنتا بھی ہے اور ان کے حالات کو دیکھتا بھی ہے ﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اسی کے پاس ہیں چابیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں ہر چیز میں تصرف کرنے والا وہی ہے ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ بڑھاتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے ﴿وَيَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق رزق تقسیم کرتا ہے کیوں کہ ﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ لہٰذا وہ بہتر سمجھتا ہے کہ کس کو کتنا رزق دینا ہے۔ جب پیدا کرنے والا وہی ہے، رزق دینے والا وہی ہے، تصرف کرنے والا وہی ہے تو دین بھی اسی کا ہے ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ مقرر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے وہ دین۔

شریعت اصل (عربی لغت) میں اس گھاٹ کو کہتے ہیں جس پر اُتر کر لوگ پانی پیتے ہیں۔ اسی مناسبت سے شریعت کو بھی دین کہا جاتا ہے کہ لوگ اس سے روحانی پیاس بجھاتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کر کے اپنی زندگی کو درست کر لیتے ہیں۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر فرمایا ﴿مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ جس کی تاکید کی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ اور یہ وہی دین ہے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی اور یہ وہی دین ہے ﴿وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ اور جس کی تاکید کی ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان سب کو یہی تاکید کی ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ کہ وہ دین کو قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ، پیغمبروں کی رسالت کا عقیدہ، قیامت کا حق ہونا ایسے اصول ہیں کہ جن میں کسی بھی نبی کے زمانے میں کوئی اختلاف نہیں رہا اور ان پر ایمان لانا ہر نبی کی امت کے لیے ضروری تھا یہی دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ غرض یہ کہ دین اور ملت ہر دور میں ایک ہی رہے ہیں البتہ ان عقائد کی تفصیلات کو شریعت کہا جاتا ہے۔ سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۸ میں ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ "تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے جدا جدا شریعت اور راستہ مقرر کیا ہے۔" یعنی ہر اُمت کی شریعت مختلف رہی ہے مثلاً: پہلی امتوں میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا لیکن بعد میں اس کو حرام قرار دے دیا گیا۔ بعض شریعتوں میں اُونٹ کا گوشت اور دودھ ناجائز تھا ہمارے آخری پیغمبر کی شریعت میں جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَآءِ بَنُوْ عَلَّاتٍ دِيْنُنَا وَاحِدٌ "ہم انبیاء کا گروہ علاتی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہے۔" علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں۔ مطلب یہ کہ دین اور ملت تو تمام اُمتوں

کی یکساں ہیں مگر ان کی شریعتیں الگ الگ ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم پیغمبروں کو تاکیداً حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو کہ دین کے کسی اصول کو مانو اور کسی کو نہ مانو یا کسی نبی کی نبوت پر ایمان لائے اور کسی کا انکار کر دے بلکہ سارے نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اپنے اپنے زمانے میں برحق تھے اور اب دین اور شریعت صرف حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

تو فرمایا دین میں تفرقہ نہ ڈالو کہ اس کا کوئی اصول مانو اور کوئی نہ مانو۔ان میں سرفہرست توحید کا اصول ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ﴾ بھاری ہے مشرکوں پر بہت زیادہ ﴿مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ جس کی طرف آپ ان کو دعوت دیتے ہیں، بلاتے ہیں۔توحید کی دعوت ان کو گولی کی طرح لگتی ہے۔سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۴۶ میں ہے ﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا﴾ "اور جب آپ ذکر کرتے ہیں اپنے رب کا قرآن میں اکیلا تو وہ پھر جاتے ہیں اپنی پشتوں پر نفرت کرتے ہوئے۔" اور کہتے ہیں ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ "کیا اس نے کر دیا ہے تمام معبودوں کو ایک معبود ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [ص:۵] "بے شک یہ ایک عجیب چیز ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ کی توحید مشرکوں پر بھاری ہے جس کی تم ان کو دعوت دیتے ہو۔فرمایا ہدایت اور گمراہی کا ایک ضابطہ یہ ہے ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ اور اپنی طرف راہ نمائی کرتا ہے اس شخص کی جو رجوع کرتا ہے۔جو ہدایت کا طالب ہوتا ہے ہدایت اس کو دیتا ہے۔سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی ہم ان کو اپنے راستے بتا دیتے ہیں۔" ہدایت کے طالب کو صحیح راستہ مل جاتا ہے۔

فرمایا ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا﴾ ان گمراہ فرقوں نے تفرقہ نہیں ڈالا ان لوگوں نے ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ﴾ مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آ گیا اپنے درمیان سرکشی کرتے ہوئے۔اہل کتاب کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتابیں آئیں، پیغمبر تشریف لائے، انھوں نے ہدایت کو واضح کیا مگر ان لوگوں نے ضد، عناد اور آپس میں سرکشی کرتے ہوئے دین کے اصولوں میں اختلاف کیا اور فرقے بنا لیے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔آخری پیغمبر اور آخری کتاب کا بھی ان کو علم تھا محض ضد، عناد اور سرکشی کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور مخالفت شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو ہو چکی آپ کے رب کی طرف سے۔آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مقرر وقت تک ﴿لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے قطعی فیصلہ کے لیے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے۔اگر یہ بات طے نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں، مشرکوں اور سرکشی کرنے والوں کا فیصلہ دنیا ہی میں کر دیتا ان کو اسی دنیا میں فوراً سزا دے دیتا۔ مگر اس کا قانون ہے ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ [القلم:۴۵] "اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بہت

مضبوط ہے۔"

فرمایا یہ بات بھی سن لیں ﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اور بے شک وہ لوگ جن کو وارث بنایا گیا کتاب کا ان کے بعد ﴿لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ﴾ وہ البتہ تردد انگیز شک میں ہیں۔ یعنی یہود ونصاریٰ کے پہلے گروہوں نے جو تحریفات کیں ان کی تحریفات کو خالص کتاب قرآن کے ساتھ مٹا دیا گیا تو یہ پچھلے شکرگزار ہو کر اس پر ایمان نہ لائے بلکہ شک میں پڑے ہوئے ہیں قرآن کے بارے میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری رسالت کے بارے میں۔

﴿فَلِذٰلِكَ﴾ پس اسی لیے ﴿فَادْعُ﴾ آپ دعوت دیں ﴿وَاسْتَقِمْ﴾ اور قائم رہیں آپ ﴿كَمَآ اُمِرْتَ﴾ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور نہ پیروی کریں آپ ان کی خواہشات کی ﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿اٰمَنْتُ﴾ میں ایمان لایا ہوں ﴿بِمَآ﴾ اس چیز پر ﴿اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ﴾ جو نازل کی ہے اللہ تعالیٰ نے کتاب سے ﴿وَاُمِرْتُ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ﴾ کہ میں عدل کروں تمھارے درمیان ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے ﴿وَرَبُّكُمْ﴾ اور تمھارا بھی رب ہے ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں ﴿وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں ﴿لَا حُجَّةَ﴾ کوئی جھگڑا نہیں ﴿بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ﴾ ہمارے اور تمھارے درمیان ﴿اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا﴾ اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا ہم سب کو ﴿وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿یُحَآجُّوْنَ﴾ جو جھگڑا کرتے ہیں ﴿فِی اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا﴾ بعد اس کے کہ جو ﴿اسْتُجِیْبَ لَهٗ﴾ اس کی بات کو قبول کیا گیا ہے ﴿حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ﴾ ان کی دلیل کمزور ہے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے ہاں ﴿وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ﴾ اور ان پر غضب ہے ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ﴾ اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

ربط آیات :

اس سے پہلے سبق میں گزرا ہے کہ ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ﴾ "بھاری ہے مشرکوں پر وہ چیز یعنی توحید جس کی طرف آپ ان کو دعوت دیتے ہیں۔" اور اہل کتاب نے بھی ضد عناد کی وجہ سے دین میں تفرقہ پیدا کر رکھا ہے ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ﴾ پس اسی وجہ سے آپ ان کو دعوت دیں دین اور توحید کی پوری استقامت کے ساتھ تاکہ انھیں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ فرمایا ﴿وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ اور آپ قائم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ سورہ ہود آیت نمبر ۱۱۲ میں ہے ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ "پس آپ ڈٹ کر رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان

لوگوں کو بھی جنھوں نے توبہ کی آپ کے ساتھ۔" کفر و شرک سے توبہ کر کے آپ کا ساتھ دیا ہے وہ بھی ڈٹ کر رہیں۔

استقامت علی الدین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا: شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدُ وَ اَخَوَاتُھَا "سورۃ ہود اور اس جیسی سورتوں کے مضامین نے مجھے بوڑھا کر دیا۔" کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ ڈٹ کر رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ یاد رکھنا! حق کو قبول کرنا اور پھر اس پر ڈٹ جانا بڑی بات ہے اور آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیے یہ نہیں کہ آدمی لوٹے کی طرح پھرتا رہے صبح کو کوئی عقیدہ ہو اور شام کو کوئی عقیدہ ہو۔ سورہ حم سجدہ آیت نمبر ۳۰ میں ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ "بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ پھر اس پر ڈٹ گئے ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔"

تو فرمایا قائم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے ﴿وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور پیروی نہ کریں آپ ان لوگوں کی خواہشات کی۔ مخالفین کی تو خواہش ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے پھیر دیں اور اپنے دین کے ساتھ ملانے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردار کر دیا کہ آپ اپنے دین پر قائم رہیں اور ان کی خواہشات کی پروا نہ کریں۔ ﴿وَ قُلْ﴾ اور کہیں ﴿اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ﴾ میں ایمان لایا اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے کتاب کی صورت میں نازل فرمائی ہے۔ میں وحی الٰہی پر ایمان رکھتا ہوں اس کے خلاف تمھاری باتوں کو تسلیم نہیں کر سکتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ بھی کہہ دیں ﴿وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔ عدل قائم ہوگا تو ظلم ختم ہوگا، امن قائم ہوگا بدامنی کی وجہ ہی ناانصافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وَاٰتِ كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ "ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔" انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ آج دنیا میں عدل نہیں ہے۔ چھوٹی عدالتوں سے لے کر بڑی عدالتیں موجود ہیں مگر انصاف نہیں ملتا جب تک عدل قائم نہیں ہوگا دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ سورۃ نحل آیت نمبر ۹۰ میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔" اور سورہ انعام آیت نمبر ۱۵۲ میں ہے ﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ "اور جس وقت بات کرو تو انصاف کے ساتھ اگرچہ کوئی فریق تمھارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔" تو فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف قائم کروں۔

فرمایا ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ وہی خالق بھی ہے اور مالک بھی، وہی مشکل کشا اور حاجت روا بھی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی بگڑی بنانے والا ہے اور نہ ہی کوئی عبادت کے لائق ہے ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اپنے اعمال

کے مطابق جزا وسزا ملے گی۔

سورہ مدثر پارہ ۲۹ میں ہے ﴿کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَهِیۡنَةٌ﴾ "ہر نفس اپنی کمائی میں گروی ہے۔" کوئی شخص کسی شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ﴿لَا حُجَّةَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ﴾ کوئی جھگڑا نہیں ہمارے تمھارے درمیان۔ ہمارا رب بھی اللہ تعالیٰ ہے تمھارا رب بھی اللہ تعالیٰ ہے تو پھر ہمارے تمھارے درمیان جھگڑے والی بات کون سی رہ جاتی ہے؟ حقیقی فیصلہ قیامت والے دن ہوجائے گا ﴿اَللّٰهُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا قیامت والے دن۔ اس دن کسی کے ساتھ کوئی رورعایت نہیں ہوگی ﴿اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ اللّٰهُ جَمِیۡعًا﴾ [بقرہ:۱۴۸] "تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئے گا۔" خواہ قبروں میں ہو یا درندے کھا گئے ہوں یا مچھلیاں کھا گئی ہوں ﴿وَ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ﴾ اور سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوکر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ دنیا کے تمام جھگڑوں کی حقیقت وہاں کھل جائے گی۔

فرمایا ﴿وَ الَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں ﴿مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَهٗ﴾ بعد اس کے کہ اس کی بات کو قبول کیا گیا ہے یعنی سمجھ دار لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لا چکے ہیں اس کے باوجود جو لوگ مسلسل انکار کرتے ہیں اور فضول حجت بازی کرتے ہیں ﴿حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ ان کی دلیل کمزور ہے ان کے رب کے ہاں۔ ﴿دَاحِضَةٌ﴾ کا لغوی معنیٰ ہے پھسلنا۔ جیسے کوئی شخص کیچڑ میں پھسل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ جھگڑا اور دلیل پھسلنے والی ہے بالکل کمزور ہے جو ان کے باطل عقیدے کے حق میں پیش کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ جھوٹے ثابت ہو چکے ہیں ﴿وَ عَلَیۡهِمۡ غَضَبٌ﴾ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضی ہے کیونکہ یہ حق کو ٹھکرا رہے ہیں ﴿وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ﴾ اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کو قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور عذاب سے حفاظت فرمائے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیۡۤ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ﴾ جس نے اُتاری کتاب ﴿بِالۡحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَ الۡمِیۡزَانَ﴾ اور ترازو بھی ﴿وَ مَا یُدۡرِیۡکَ﴾ اور آپ کو کیا خبر ﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیۡبٌ﴾ شاید کہ قیامت قریب ہو ﴿یَسۡتَعۡجِلُ بِهَا﴾ جلدی کرتے ہیں اس کے بارے میں ﴿الَّذِیۡنَ﴾ وہ لوگ ﴿لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا﴾ جو ایمان نہیں لاتے اس پر ﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ﴿مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا﴾ وہ ڈرنے والے ہیں اس سے ﴿وَ یَعۡلَمُوۡنَ﴾ اور جانتے ہیں ﴿اَنَّهَا الۡحَقُّ﴾ کہ بے شک وہ برحق ہے ﴿اَلَاۤ﴾ خبردار ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿یُمَارُوۡنَ﴾ جو جھگڑا کرتے ہیں ﴿فِی السَّاعَةِ﴾ قیامت کے بارے میں ﴿لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ﴾ البتہ گمراہی میں دور جا پڑے ہیں ﴿اَللّٰهُ لَطِیۡفٌۢ﴾ اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے ﴿بِعِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں

کے ساتھ ﴿یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَهُوَ الْقَوِیُّ﴾ اور وہ قوت والا ہے ﴿الْعَزِیْزُ﴾ غالب ہے ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ﴾ جو شخص چاہتا ہے ﴿حَرْثَ الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کی کھیتی ﴿نَزِدْ لَهٗ﴾ ہم زیادہ کریں گے اس کے لیے ﴿فِیْ حَرْثِهٖ﴾ اس کی کھیتی میں ﴿وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ﴾ اور جو شخص چاہتا ہے ﴿حَرْثَ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی کھیتی ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ ہم دیں گے اس کو اس میں سے ﴿وَمَا لَهٗ﴾ اور نہیں ہوگا اس کے لیے ﴿فِی الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت میں ﴿مِنْ نَّصِیْبٍ﴾ کوئی حصہ ﴿اَمْ لَهُمْ﴾ کیا ان کے لیے ﴿شُرَكٰٓؤُا﴾ کوئی شریک ہیں ﴿شَرَعُوْا لَهُمْ﴾ جنھوں نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ﴿مِّنَ الدِّیْنِ﴾ دین سے ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ جس کی اجازت نہیں دی اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ﴾ اور اگر نہ ہوتی فیصلے کی بات ﴿لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ﴾ تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ﴾ اور بے شک ظالموں کے لیے ﴿عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ دردناک عذاب ہے ﴿تَرَی الظّٰلِمِیْنَ﴾ دیکھیں گے آپ ظالموں کو ﴿مُشْفِقِیْنَ﴾ ڈرنے والے ہوں گے ﴿مِمَّا﴾ اس چیز سے ﴿كَسَبُوْا﴾ جو انھوں نے کمائی ﴿وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ﴾ اور وہ واقع ہونے والی ہے ان پر ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ﴾ وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے ہوگا ﴿مَّا یَشَآءُوْنَ﴾ جو وہ چاہیں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے پاس ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ﴾ یہ ہے فضیلت بڑی۔

ربطِ آیات

اس سے پچھلے سبق میں تم نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں حساب کتاب ہونا ہے ان احکام کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمائے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے اتاری ہے کتاب ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔ اس کتاب کا سارا پروگرام حق، صداقت پر مبنی ہے اور اس میں کسی قسم کے باطل کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ تم نے حم سجدہ کے اندر پڑھا ہے ﴿لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ "نہ باطل اس پر آگے سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔" اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو مکمل حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے ﴿وَالْمِیْزَانَ﴾ میزان کو بھی نازل کیا ہے۔

والمیزان کی تفسیر

میزان سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عطف تفسیری ہے اور وہ کتاب ہی میزان ہے حق اور باطل کے

درمیان۔ یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ میزان سے مراد عقل ہے کہ عقل سے انسان کھوٹی کھری بات میں تمیز کرتا ہے۔ تیسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ میزان سے مراد میزان یعنی ترازو ہے۔ جس طرح تم حسی چیزوں کا ترازو سے موازنہ کرتے ہو اسی طرح قیامت والے دن تمہارے اعمال کا موازنہ کیا جائے گا اور دنیا میں اس کے ذریعے ماپ تول میں انصاف قائم کیا جاتا ہے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

منکرین قیامت مذاق کے طور پر قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [سورۃ الملک] "قیامت والا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم وعدے میں سچے ہو۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ﴾ تمھیں کیا خبر شاید کہ قیامت قریب ہو۔ بڑی قیامت تو اپنے وقت پر اجتماعی طور پر سب کے لیے آئے گی اور وہ کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا علم کسی کو نہیں دیا۔ اور چھوٹی قیامت تو انسان کے ہر وقت قریب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "پس تحقیق جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔" قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

فرمایا ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ﴾ جلدی کرتے ہیں قیامت کی وہ لوگ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا﴾ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ قیامت کی ہولناکیوں سے بے خبر ہیں۔ ان کو انجام کا احساس نہیں ہے اس لیے جلدی مانگتے ہیں۔ اس کے برخلاف ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ﴿مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا﴾ وہ ڈرنے والے ہیں اس سے۔ ان کو ہر وقت فکر رہتی ہے کہ معلوم نہیں آگے کیا صورت حال پیش آئے گی۔ وہ آخرت کی تیاری کرتے ہیں اور کفر و معاصی سے بچتے ہیں ﴿وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ قیامت برحق ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور اس دن ہر آدمی کو اپنے کیے کی جزا سزا ملنی ہے۔ فرمایا ﴿اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ﴾ خبردار بے شک وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں قیامت کے بارے میں اور کہتے ہیں ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [سورہ یٰسین] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [مومنون: ۳۶] "بڑی دور کی بات ہے بڑی دور کی بات ہے جس سے تم ڈراتے ہو۔" کہ ہم دوبارہ زندہ ہوں گے حساب کتاب ہوگا۔ یہ قیامت کے متعلق جھگڑا کرنے والے ﴿لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ﴾ یہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے اس لیے فوراً پکڑتا نہیں ہے مہلت دیتا رہتا ہے ﴿يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے۔

بعض اوقات نافرمانوں کو بہت زیادہ دیتا ہے اور نیکوں کو تنگی میں رکھتا ہے رزق کی تقسیم اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کے ساتھ نہیں ہوتا ﴿وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ قوت والا اور غالب ہے۔ تمام اختیارات اس کے پاس ہیں ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ﴾ جو شخص چاہتا ہے ﴿حَرْثَ الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کی کھیتی کو ﴿نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ ہم زیادہ کریں گے اس کے لیے اس کی کھیتی میں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان

لانے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے بعد عبادت و ریاضت کے ذریعے محنت کرتا ہے وہ ایسی کھیتی پر کام کر رہا ہے کہ جس کا پھل آخرت میں ملے گا۔ نیکی کرنے والے کو ہر نیکی کا کم از کم بدلہ دس گنا ملتا ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [الانعام:۱۶۱] ”جو شخص لایا ایک نیکی پس اس کے لیے دس گنا اجر ہے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔“ اللہ تعالیٰ چاہے تو لاکھوں کروڑوں گنا بدلہ عطا فرمائے۔

آگے دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا ﴿وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا﴾ اور جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کی کھیتی کا ﴿نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ ہم دیں گے اس کو اس میں سے یعنی ضروری نہیں ہے کہ دنیا کے طالب کو اس کی خواہش کے مطابق مل جائے بلکہ ہم اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ اس کو دیں گے مگر ساتھ ہی یہ فرمایا ﴿وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ اور نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ۔ اور سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۸ میں ہے ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ ”پھر ہم نے اس کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔“ کیوں کہ اس نے آخرت کا ارادہ ہی نہیں کیا اور اس کی ساری کوشش دنیا کے لیے ہے۔ اسی رکوع میں اللہ تعالیٰ کا فرمان گزر چکا ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ”تمھارے لیے اللہ تعالیٰ نے وہی دین مقرر کیا ہے جو پہلے انبیائے کرام ﷩ کے لیے مقرر کیا تھا۔“

اب اللہ تعالیٰ اس دین کے منکرین کے لیے فرماتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ کیا ان لوگوں کے لیے کوئی شریک ہیں جنھوں نے کوئی ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ گویا کہ انھوں نے کوئی علیحدہ دین مقرر کر رکھا ہے بنا رکھا ہے۔ انھوں نے کوئی حلال وحرام کے ضابطے بنائے ہیں، معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی کوئی حدیں بیان کی ہیں تو لاؤ پیش کرو جن کو انھوں نے شریک بنایا ہوا ہے۔ انھوں نے کوئی علیحدہ دین نہیں بنایا البتہ مشرکوں نے خود ساختہ رسمیں اور بدعات بنائی ہوئی ہیں جو دین حق کے سراسر خلاف ہیں۔ یہ تمام رسومات قل، تیجا، ساتواں، چالیسواں، عرس، قبروں پر چراغاں کرنا، چادریں چڑھانا، ان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں اور دین کے خلاف ایک بغاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ اور اگر نہ ہوتی فیصلے کی ایک بات پہلے سے طے شدہ تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے ان باغیوں کو دنیا ہی میں پوری پوری سزا دے دی جاتی۔ وہ طے شدہ بات یہ ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ [سجدہ:۲۵] ”بے شک آپ کا رب وہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت والے دن ان چیزوں کے بارے میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔“ تو فرمایا کہ اگر ایک طے شدہ بات نہ ہوتی تو ان لوگوں کا فیصلہ فوراً کر دیا جاتا ﴿وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ﴾ اور بے شک ظلم کرنے والوں کے لیے ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ دردناک عذاب ہے۔ فرمایا ﴿تَرَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ دیکھیں گے آپ ظالموں کو ﴿مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا﴾ ڈرنے والے ہوں گے اپنی کمائی سے۔ جب میدان محشر میں پہنچیں گے اور ان کے کفریہ شرکیہ اعمال ان کے سامنے آئیں گے اور ان کا انجام بھی سامنے نظر آ رہا ہوگا تو خوف زدہ ہوں گے اور حقیقت میں ﴿وَ هُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ﴾ اور وہ ان پر واقع ہونے والا ہوگا ان کی کارروائیوں کا وبال ان پر

پڑنے والا ہوگا وہ اس سے بچ نہیں سکیں گے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے۔ عقیدہ توحید والا بنایا، زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں گزری ﴿فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ﴾ وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ﴾ ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے پاس۔ جنتی جو درخواست کریں گے اللہ تعالیٰ پوری فرمائے گا۔

جنت کی نعمتیں

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک جنتی آدمی عرض کرے گا کہ پروردگار! مجھے کھیتی باڑی کا بڑا شوق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! جنت کی نعمتوں سے تیرا پیٹ نہیں بھرا؟ کیا تو ان چیزوں سے راضی نہیں ہوا؟ عرض کرے گا مولا کریم! میں تیری عطا کردہ نعمتوں پر بڑا خوش ہوں مگر کھیتی باڑی میری دلی خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا کھیت تیار کیا جائے گا پھر اس میں بیج ڈالا جائے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے فصل اگے گی پھر پک جائے گی پھر کٹ کر اناج کے ڈھیر لگ جائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس آدمی کی خواہش فوراً پوری فرما دیں گے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں جنت تک پہنچا دے اور یہ ہر مومن کی دلی خواہش ہے تو فرمایا وہاں پر سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہو گے اڑتے پھرو گے۔ گھوڑا تمھیں بلاخوف وخطر منزل مقصود تک پہنچائے گا۔ الغرض جنت میں ہر جنتی کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ فرمایا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ یہ ہے فضیلت بڑی جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ دوسری جگہ فرمایا ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ [آل عمران:۱۸۵] "پس جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا پس وہ کامیاب ہو گیا۔" اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامیاب فرمائے۔ [آمین!]

﴿ذٰلِكَ الَّذِيْ﴾ یہ وہ چیز ہے ﴿يُبَشِّرُ اللّٰهُ﴾ جس کی خوش خبری دیتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿عِبَادَهُ﴾ اپنے بندوں کو ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کرتے ہیں اچھے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَآ اَسْئَلُكُمْ﴾ نہیں مانگتا میں تم سے ﴿عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ اس پر کوئی معاوضہ ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ﴾ مگر دوستی ﴿فِي الْقُرْبٰى﴾ قرابت داری میں ﴿وَمَنْ يَّقْتَرِفْ﴾ اور جو کمائے گا ﴿حَسَنَةً﴾ بھلائی ﴿نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا﴾ ہم زیادہ کریں گے اس کے لیے اس میں ﴿حُسْنًا﴾ خوبی ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرٌ﴾ بخشنے والا ہے ﴿شَكُوْرٌ﴾ قدردان ہے ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اس نے افتراء باندھا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ﴾ پس اگر چاہے اللہ تعالیٰ ﴿يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ مہر لگا دے آپ کے دل پر ﴿وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ﴾ اور مٹاتا ہے

اللہ تعالیٰ باطل کو ﴿وَ يُحِقُّ الْحَقَّ﴾ اور ثابت کرتا ہے حق کو ﴿بِكَلِمٰتِهٖ﴾ اپنے کلمات کے ساتھ ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہی ہے ﴿يَقْبَلُ التَّوْبَةَ﴾ جو قبول کرتا ہے توبہ ﴿عَنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں کی ﴿وَيَعْفُوْا﴾ اور معاف کرتا ہے ﴿عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ برائیاں ﴿وَيَعْلَمُ﴾ اور جانتا ہے ﴿مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ جو کچھ تم کرتے ہو ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور مزید عطا کرے گا ان کو اپنے فضل سے ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کشادہ کر دے رزق ﴿لِعِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں کے لیے ﴿لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ تو البتہ وہ سرکشی کریں زمین میں ﴿وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ﴾ لیکن وہ اتارتا ہے اندازے سے ﴿مَّا يَشَآءُ﴾ جتنا چاہتا ہے ﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے دیکھنے والا ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ اور وہ وہی ہے جو اتارتا ہے بارش کو ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا﴾ بعد اس کے کہ وہ ناامید ہو جاتے ہیں ﴿وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ﴾ اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت ﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ اور وہی حمایت کرنے والا ہے قابلِ تعریف ہے ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں کا پیدا کرنا اور زمین کا پیدا کرنا ﴿وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا﴾ اور جو بکھیرے ہیں ان دونوں کے درمیان ﴿مِنْ دَآبَّةٍ﴾ جانور ﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ان کے جمع کرنے پر جب چاہے گا قادر ہے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ میں ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل اچھے کیے وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے۔ ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكَ الَّذِيْ﴾ یہ ہے وہ چیز ﴿يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ﴾ جس کی خوش خبری دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے اچھے کہ ان کو جنت میں ہر قسم کا آرام نصیب ہوگا اور ان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے رسالت کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا اے نبی کریم ﷺ! ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ میں نہیں مانگتا اس تبلیغ حق کے سلسلہ میں تم سے کوئی معاوضہ۔ سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۰۹ میں ہے ﴿وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

اَجْرِ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ "میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا نہیں ہے میرا بدلہ مگر رب العالمین کے ذمہ۔" ہاں! میرا مطالبہ صرف اس قدر ہے ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ مگر دوستی قرابت داری میں کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا مگر تم میری قرابت داری کا تو کچھ لحاظ کرو۔ کسی خاندان سے پھوپھی، کسی سے چچی وغیرہ ہے تم میرے خاندان کے لوگ ہو اور خاندانی لوگ ایک دوسرے کا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ تم اگر میرے پروگرام کو قبول نہیں کرتے تو قرابت داری کا لحاظ کر کے مجھے تکلیف تو نہ پہنچاؤ۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کی صحیح تفسیر اور محب اہل بیت

شیعہ نے اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیں میں تم سے اس قرآن کے بیان کرنے پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ مگر یہ کہ تم میرے اہل بیت حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرو۔ یہ میں تم سے سوال کرتا ہوں یعنی مودۃ فی القربیٰ کا معنیٰ اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ استدلال عقلاً نقلاً دونوں طرح باطل ہے۔

عقلاً اس لیے باطل ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اس وقت تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ہجرت کے تیسرے سال کے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح ہوا رمضان ۴ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی اور ۵ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ تو جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے مکہ مکرمہ میں اس وقت تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وجود ہی نہیں ہے ان کے والدین کا نکاح ہی نہیں ہوا تو ہم کیسے مانیں کہ مودۃ فی القربیٰ کا معنیٰ ہے کہ تم اہل بیت حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرو۔

اور نقلاً اس لیے باطل ہے کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت اہل بیت سے محبت کے سلسلے میں ہے۔ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا ہاں! اتنی بات ہے کہ تم قرابت داری کا تو کچھ لحاظ کرو مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

تو آیت کریمہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے جو شیعہ نے نکالا ہے۔ باقی رہی محبت اہل بیت کے ساتھ تو اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے ساتھ محبت، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ محبت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت ضروری ہے۔ تو فرمایا تم میری بات مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی مگر صلہ رحمی کا دامن تو نہ چھوڑو۔

فرمایا ﴿وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا﴾ اور جو شخص کمائے گا بھلائی ہم زیادہ کریں گے اس کے لیے خوبی یعنی اس کا بدلہ بڑھا دیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، قدردان ہے۔ وہ معمولی سے عمل پر بھی بہت زیادہ اجر دیتا ہے۔

آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے وہیں جوان ہوئے۔ ساری زندگی انھی لوگوں میں گزری۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ عرصہ دور چلے گئے ہوں، ان کی نظروں سے اوجھل رہے ہوں اور غائبانہ کچھ لکھا پڑھا ہو بلکہ پورے چالیس سال ان میں رہے۔ لیکن وہ لوگ پھر بھی شوشے چھوڑنے سے باز نہیں آتے تھے۔ اس مقام پر بھی ان کے ایک شوشے کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَمْ يَقُولُونَ﴾ کیا یہ کافر کہتے ہیں ﴿افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ اس پیغمبر نے افتراء باندھا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہ یہ کہتا ہے مجھ پر وحی اترتی ہے مجھے نبوت ملی ہے۔ یہ الزام لگاتے ہیں حالانکہ جانتے تھے کہ یہ نہ لکھنا جانتا ہے، نہ پڑھنا جانتا ہے اور نہ یہ بد دیانت ہے بلکہ سارے آپ ﷺ کو امین مانتے تھے۔ فرمایا ﴿فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ پس اگر چاہے اللہ تعالیٰ مہر لگا دے آپ ﷺ کے دل پر صبر کی اور واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل پر صبر کی مہر لگائی تھی کہ آپ ﷺ کے منہ پر آپ ﷺ کو سٰحِرٌ کَذَّاب کہتے تھے، مسحور اور مجنون بھی کہتے تھے، کاہن بھی کہا اور جو بھی غلیظ زبان استعمال کر سکتے تھے کرتے رہے اور آپ ﷺ خندہ پیشانی سے ان کو ٹالتے تھے۔ ان ساری باتوں کو آپ ﷺ نے سن کر صبر کیا اس لیے کہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل پر صبر کی مہر لگا دی تھی۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے یعنی رسالت واپس لے لے، قرآن واپس لے لے ﴿وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ﴾ اور مٹا دے اللہ تعالیٰ باطل کو بغیر کسی نبی کی وساطت کے۔ رب تعالیٰ اس پر قادر ہے وہ چاہے تو اس طرح کر سکتا ہے۔ اس میں صرف اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت بتلائی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اس طرح بھی کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۶ میں فرمایا ﴿وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا﴾ "اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو وحی کی ہے ہم نے آپ کی طرف پھر نہ پائیں آپ اپنے لیے ہمارے اوپر کوئی دلیل۔" نہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وحی واپس لی اور نہ قرآن واپس لیا صرف قدرت بتلائی کہ ہم اگر چاہیں تو اس طرح کر سکتے ہیں۔ کرنے اور کر سکنے میں بڑا فرق ہے۔

تو فرمایا پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مہر لگا دے آپ کے دل پر اور مٹا دے باطل کو اللہ تعالیٰ ﴿وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ اور ثابت کر دے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ بے شک وہ جاننے والا ہے دلوں کے رازوں کو اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ جو کافر کہتے ہیں اس کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ مومن کر رہے ہیں اس کو بھی جانتا ہے سب کی حرکات، اقوال اور افعال کو بخوبی جانتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی ہے ﴿يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ﴾ جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی۔ آدمی کو ہر وقت اپنے آپ کو گناہ گار سمجھنا چاہیے اور توبہ کرتے رہنا چاہیے۔ اور یہ بھی تم کئی بار سن چکے ہو کہ توبہ کے لیے بھی شرائط ہیں محض زبانی کلامی توبہ توبہ کرنے سے معافی نہیں مل جاتی۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حق ذمہ نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی دو قسمیں ہیں۔

حقوق اللہ کی اقسام

❀ …… ایک وہ ہیں جن کی قضا ہو سکتی ہے۔

❀ …… اور دوسرے وہ ہیں جن کی قضا نہیں ہو سکتی۔

مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اگر رہ گئی ہیں تو یہ محض توبہ توبہ کہنے سے معاف نہیں ہوں گی۔ اگر لاکھ مرتبہ بھی توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوں گی۔ اکثر پڑھے لکھے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ بالغ ہونے کے بعد جو نمازیں کسی مرد و عورت کے ذمہ ہیں جب تک ان کی قضا نہیں لوٹائے گا معاف نہیں ہوں گی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور تمام فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔ ہاں! جن کی قضا نہیں ہے وہ توبہ سے معاف ہو جائیں گی۔ مثلاً: زنا کی قضا نہیں ہے سچے دل سے توبہ کرے گا معاف ہو جائے گا۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر میں کوتاہی کی ہے سچے دل سے توبہ کرے گا معاف ہو جائے گا۔ اور جو بندوں کے حقوق ہیں وہ توبہ سے کسی صورت معاف نہیں ہوتے۔ جب تک حقوق ادا نہ کر دیئے جائیں یا صاحب حقوق معاف کر دیں۔

تو فرمایا ﴿وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ اور معاف کرتا ہے برائیاں۔ صغیرہ گناہ وضو کی برکت سے، مسجد کی طرف آنے کی برکت سے، نماز کی برکت سے خود بخود معاف ہو جاتے ہیں۔ سورہ ہود آیت نمبر ۱۱۴ میں ہے ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ "بے شک نیکیاں دور کر دیتی ہیں برائیوں کو۔" تو صغیرہ گناہ نماز، روزہ، جمعہ، حج، عمرہ کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ کی تفصیل ابھی تم نے سنی ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ رب تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں ہے ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ دعاؤں کو ان لوگوں کی جو ایمان لائے ہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جنھوں نے عمل کیے اچھے۔ جو ایمان کی حالت میں اچھے عمل کریں گے رب تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ قبول کرے گا مگر قاعدے کے مطابق عمل ہونے چاہئیں۔ مثلاً: نماز پوری شرائط کے ساتھ، بدن پاک ہو، کپڑے پاک ہوں، جگہ پاک ہو، وقت ہو، چہرہ قبلے کی طرف ہو، اسی طرح باقی نیکیاں ہیں کہ قاعدے کے مطابق ہوں تو ان لوگوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔

دعا کی قبولیت کی صورتیں

پھر یہ بھی سمجھ لیں کہ بعض دفعہ آدمی ایک چیز کو اپنے لیے مفید سمجھ کر مانگتا ہے مگر وہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے لیے مفید نہیں ہوتی تو رب تعالیٰ اس کو نہیں دیتا۔ تو اس کا نہ دینا ہی دعا کا قبول ہونا ہے۔ بعض دفعہ وہ چیز مفید بھی ہوتی ہے پھر بھی نہیں ملتی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے آنے والی کسی مصیبت کو ٹال دیتے ہیں۔ یہ بھی دعا کی قبولیت ہے۔ بسا اوقات اس کی دعا کو ذخیرہ کر کے رکھا جاتا ہے قیامت والے دن اس کا بدلہ ملے گا مگر بندہ جلد باز ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے میری چیز جلدی ملے۔ بہر حال بندے کو دعا سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے الدعاء مخ العبادۃ "دعا عبادت کا مغز ہے۔" جیسے: ہڈی میں

گودااور مغز ہوتو جان دار میں جان اور قوت ہوتی ہے ورنہ وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا۔تو دعا عبادت کا مغز ہے۔

اور ایک حدیث پاک میں آتا ہے: لَیْسَ شَیْءٌ اَشْرَفَ عَلَی اللہِ مِنَ الدُّعَاءِ "اللہ تعالیٰ کے ہاں پکارنے سے زیادہ اشرف کوئی شے نہیں ہے لہٰذا اسی کو پکارو اور اسی سے مانگو وہی دیتا ہے۔" ﴿وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو مزید عطا کرے گا اپنے فضل سے۔عام حالات میں ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے اور فی سبیل اللہ کی مد میں سات سو گنا ملتا ہے۔اس سے زیادہ جس کو چاہے رب تعالیٰ دے دے ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ﴾ اور جو کافر ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عذاب سے ہر مسلمان مرد عورت کو بچائے اور محفوظ رکھے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کشادہ کردے رزق اپنے بندوں کے لیے تو البتہ وہ سرکشی کریں زمین میں۔یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جب انسان غریب ہوتا ہے اس وقت اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑا گہرا ہوتا ہے۔غربت میں رب قریب ہوتا ہے وہ رب سے مانگتا ہے۔پھر جب مال آجاتا ہے تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کو صبر کے ساتھ نہیں کھاتا۔مال کو صبر کے ساتھ کھانے اور استعمال کرنے والا ہزار میں سے کوئی ایک ہوگا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مال کے آنے کے بعد تبدیلی آجاتی ہے۔پہلے جماعت کے ساتھ نماز گئی پھر سرے سے نمازیں ہی گئیں، پھر جمعہ گیا، روزے گئے، پھر تاش جوا کھیلے گا، شرابیں پیے گا، بدمعاشیاں کرے گا۔

میں نے اپنی زندگی میں وہ لوگ دیکھے ہیں جو غربت کے زمانے میں باقاعدہ جماعت میں شریک ہوتے تھے، درس سنتے تھے، باقاعدگی کے ساتھ جمعہ میں آتے تھے۔بیرون ملک چلے جانے کے بعد روپے آگئے، ہر شے آگئی۔اس لیے اللہ تعالیٰ سارے بندوں کا رزق کشادہ نہیں کرتا۔اگر رزق کشادہ کرے اپنے بندوں کا تو البتہ وہ زمین میں سرکشی کرتے ہیں ﴿وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ﴾ لیکن وہ اُتارتا ہے اندازے سے جتنا وہ چاہتا ہے ﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ﴾ بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار بھی ہے اور دیکھنے والا بھی ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ﴾ اور اللہ وہی ہے جو اتارتا ہے بارش کو ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا﴾ بعد اس کے کہ لوگ نا اُمید ہو چکے ہوتے ہیں۔

دیکھو! آج کل کتنی شدید گرمی ہے (یہ درس گرمی کے موسم میں تھا) لوگ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں کاش کہ آسمان کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے گریبان میں جھانکتے کہ ہم بارش کے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بھی ہیں یا نہیں اور یہ بارشیں جو نہیں ہو رہیں کہیں ہماری شامت اعمال تو نہیں ہے۔اپنے گناہوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔فرمایا ﴿وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ﴾ اور وہ پھیلاتا ہے اپنی رحمت کو۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ رحمت کی بارش نازل فرمائے ہم اس کی رحمت کے منتظر ہیں ﴿وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ اور وہی حمایت کرنے والا ہے، کارساز اور قابل تعریف ہے۔فرمایا ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں کا پیدا کرنا اور زمین کا پیدا کرنا ﴿وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا﴾ اور جو بکھیرے ہیں آسمانوں اور زمین میں ﴿مِنْ دَآبَّةٍ﴾ جانور۔انسانوں کی شکلوں کو دیکھو، گھوڑے، بکری کو دیکھو، بلی اور سانپ کو دیکھو، کیڑے مکوڑے،

مچھر کو دیکھو۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے روح ڈالی ہے اور سارے اپنے نفع اور نقصان کو سمجھتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی قدرت کا یقین ہو جاتا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ رب ان کے جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔ قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔

﴿وَمَآ﴾ اور جو ﴿اَصَابَكُمْ﴾ پہنچی ہے تم کو ﴿مِّنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ کوئی مصیبت ﴿فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ پس اس وجہ سے جو کمایا ہے تمھارے ہاتھوں نے ﴿وَيَعْفُوْا﴾ اور اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے ﴿عَنْ كَثِيْرٍ﴾ بہت ساری غلطیوں سے ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے ﴿فِى الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور نہیں ہے تمھارے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿مِنْ وَّلِيٍّ﴾ کوئی حمایتی ﴿وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ اور نہ کوئی مددگار ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے ﴿الْجَوَارِ﴾ کشتیاں ﴿فِى الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿كَالْاَعْلَامِ﴾ جیسے ٹیلا ﴿اِنْ يَّشَاْ﴾ اگر وہ چاہے ﴿يُسْكِنِ الرِّيْحَ﴾ روک دے ہوا ﴿فَيَظْلَلْنَ﴾ پس وہ ہو جائیں ﴿رَوَاكِدَ﴾ ٹھہری ہوئی ﴿عَلٰى ظَهْرِهٖ﴾ اس کی پشت پر ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّكُلِّ صَبَّارٍ﴾ ہر صبر کرنے والے کے لیے ﴿شَكُوْرٍ﴾ شکر کرنے والے کے لیے ﴿اَوْ يُوْبِقْهُنَّ﴾ یا ان کو ہلاک کر دے ﴿بِمَا كَسَبُوْا﴾ ان کی کمائی کی وجہ سے ﴿وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ﴾ اور معاف کر دیتا ہے بہت سارے ﴿وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ﴾ اور تاکہ جان لیں وہ لوگ ﴿يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا﴾ جو جھگڑا کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ﴾ نہیں ہے ان کے لیے چھٹکارا ﴿فَمَآ﴾ پس جو ﴿اُوْتِيْتُمْ﴾ تم دیئے گئے ہو ﴿مِّنْ شَيْءٍ﴾ کوئی چیز ﴿فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ پس وہ فائدہ ہے دنیا کی زندگی کا ﴿وَمَا﴾ اور جو ﴿عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے ﴿وَّاَبْقٰى﴾ اور بہت ہی پائیدار ہے ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يَجْتَنِبُوْنَ﴾ جو بچتے ہیں ﴿كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ بڑے گناہوں سے ﴿وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور بے حیائی کی باتوں سے ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا﴾ اور جب وہ غصے میں آتے ہیں ﴿هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ وہ معاف کر دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پریشانیوں کے بارے میں ایک بات سمجھائی ہے۔ دنیا میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کو کوئی مصیبت اور پریشانی نہ آئی ہو۔ چاہے وہ امیر ہے یا غریب ہے، مرد ہے یا عورت ہے، بوڑھا ہے یا جوان ہے۔ پھر وہ مصیبت

اور پریشانی چاہے مالی ہو یا بیماری کی وجہ سے ہو یا اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ہو یا اولاد کے ستانے کی وجہ سے ہو۔

ایک بہت بڑے لغوی گزرے ہیں حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک بزرگ آدمی نے کہا کہ تمھارے پاس قلم دوات ہے تو لاؤ یا کسی پتے پر ایک شعر لکھ لو۔ یہ میرا شعر ہے:

عِشْ مُوْسِرًا فِي الدُّنْيَا اَوْ مُعْسِرًا
لَا بُدَّ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْهَمِّ

"دنیا میں تم چاہے مال دار ہو کر رہو یا فقیر ہو کر کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور آئے گی۔" کوئی گھر، کوئی آدمی تکلیف سے خالی نہیں ہے۔ لیکن اس کا سبب اکثر اپنی کوتاہیاں ہوتی ہیں ہمارے گناہ ہوتے ہیں ہم مانیں یا نہ مانیں۔

اس کا ذکر رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ اور جو پہنچتی ہے تم کو کوئی مصیبت ﴿فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ پس اس وجہ سے جو کمایا ہے تمھارے ہاتھوں نے یہ تمھارے عملی کرتوت کا نتیجہ ہے ﴿وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے بہت ساری غلطیاں۔ بہت ساری کوتاہیوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے۔ ہر گناہ پر پکڑے تو تم بچ نہیں سکتے۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ پریشانی انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر ایک کی مصیبت گناہوں کے نتیجہ میں ہو ہمارا ایمان ہے کہ پیغمبر صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں لیکن ان کو بڑی پریشانیاں آئیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفیں انبیاء علیہم السلام کو آتی ہیں

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! یہ بیان فرمائیں اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً "دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفیں کن لوگوں کو آئی ہیں؟ قَالَ فرمایا الانبیاء سب سے زیادہ پریشانیاں اور تکالیف انبیاء علیہم السلام کو پیش آئی ہیں ثُمَّ الْاَمْثَل پھر ان لوگوں کو جو درجے میں ان کے قریب ہیں ثُمَّ الامثل پھر ان کو جو ان کے قریب ہیں يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى قَدْرِ دِيْنِهٖ جتنا کسی میں دین ہوگا اتنی ہی اس کی آزمائش ہوگی۔" یہ ترمذی شریف کی صحیح روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ تکلیفیں پیغمبروں کو آئی ہیں۔ تو یہ گناہوں کے نتیجہ میں تو نہیں ہیں پیغمبر تو معصوم ہیں۔ پیغمبروں کو تکلیفیں کیوں پیش آئی ہیں؟ اس کی ایک وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۲۱] "البتہ تحقیق تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ایک اچھا نمونہ ہے۔" تو پیغمبروں کو تکلیفیں آئیں انھوں نے صبر کیا تم بھی تکلیفوں میں صبر سے کام لو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیفیں آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا، چہرۂ اقدس زخمی ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتیلا بیٹا شہید ہوا، بیٹے فوت ہوئے، بیٹیاں فوت ہوئیں، دشمنوں نے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر سے کام لیا۔ اگر پیغمبروں نے آرام دہ زندگی بسر کی ہوتی تو وہ نمونہ نہیں بن سکتے تھے۔ تو انبیائے کرام علیہم السلام کو تکلیفیں آئیں تا کہ ہمارے

لیے نمونہ بنیں کہ ہمیں تکلیفیں آئیں تو ہم ان کی طرح صبر کریں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تکالیف کی وجہ سے ان کے درجے بلند فرماتے ہیں۔ تو پیغمبروں کو جو تکلیفیں آتی ہیں وہ گناہوں کی وجہ سے نہیں آتیں انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا دوسرے لوگوں کو عموماً جو تکالیف آتی ہیں وہ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

تو فرمایا اور جو پہنچتی ہے تم کو کوئی مصیبت پس اس وجہ سے جو کمایا ہے تمھارے ہاتھوں نے اور درگزر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بہت سی خطاؤں سے ﴿ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے رب تعالیٰ کو زمین میں اپنا حکم نافذ کرنے سے۔ رب تعالیٰ کو فیصلہ نافذ کرنے میں تم عاجز نہیں کر سکتے ﴿ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ﴾ اور نہیں ہے تمھارے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿ مِنۡ وَّلِیٍّ ﴾ کوئی حمایتی کہ رب تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے حمایت کرے ﴿ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴾ اور نہ کوئی مددگار کہ وہ تمھیں رب تعالیٰ کے عذاب سے بچالے۔

آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بتلاتے ہیں۔ فرمایا ﴿ وَ مِنۡ اٰیٰتِہِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ ﴾ جوار - جاریۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کشتی۔ تو معنیٰ ہوگا کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں ﴿ کَالۡاَعۡلَامِ ﴾ یہ علم کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے ٹیلا۔ سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر آدمی دیکھے تو دور سے کشتیاں ٹیلے نظر آتے ہیں جیسے جیسے قریب آئیں گی تو معلوم ہوتا ہے کشتیاں ہیں۔ تو یہ کشتیاں رب تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں ﴿ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ ﴾ اگر رب تعالیٰ چاہے تو روک دے ہوا کو ﴿ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ ﴾ رَوَاکِدَ۔ رَاکِدَۃٌ کی جمع ہے ٹھہری ہوئی۔ پس ہو جائیں وہ اس کی پشت پر، سمندر کی سطح پر ٹھہری ہوئیں۔ پرانے زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں جو ہوا کے ذریعے چلتی تھیں بڑے بڑے مضبوط ٹاٹ باندھے ہوتے تھے جن کو ہوا لگتی تھی اور اس سے کشتیاں چلتی تھیں۔ پھر موسم کے لحاظ سے علم ہوتا تھا کہ کون سے موسم میں ہوا کا رخ کدھر کا ہوتا ہے؟ اس کے مطابق سفر ہوتا تھا کہ ان دنوں میں مشرق سے مغرب کی طرف چلے گی اور فلاں دنوں میں مغرب سے مشرق کی طرف چلے گی یا شمال سے جنوب کی طرف چلے گی۔ اب دنیا ترقی کر گئی ہے اب کشتیاں ایندھن کے ذریعے چلتی ہیں ،کوئلے، پٹرول اور بجلی کے ذریعے چلتی ہیں۔

تو فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے اور وہ ٹھہر جائیں سطح سمندر پر ﴿ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ﴿ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴾ ہر صبر کرنے والے کے لیے جو تکلیفوں پر صبر کرتا ہے اور شکر کرنے والے کے لیے کہ الحمد للہ! ہم نے اتنا لمبا سفر کیا کشتی سلامتی کے ساتھ ایک کنارے سے دوسرے کنارے لگ گئی۔ فرمایا یہ بھی یاد رکھو! ﴿ اَوۡ یُوۡبِقۡہُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا ﴾ یا رب تعالیٰ ان کشتیوں کو ہلاک کر دے ان کی کمائی کی وجہ سے وہ اس پر قادر ہے۔ اس وقت بھی کشتیاں ڈوب جاتی تھیں اور آج کل بھی ڈوب جاتی ہیں۔ باوجود اس قدر ترقی کے رب تعالیٰ ہی کشتیوں کو پار لگاتا ہے اور وہی ڈبوتا ہے۔ یہ سب اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ﴿ وَ یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴾ اور معاف کرتا ہے بہت سی غلطیوں اور کوتاہیوں کو۔ اگر اللہ تعالیٰ خطا اور لغزش پر پکڑے تو پھر بندہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا ﴿ وَّ یَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ ﴾ اور جانتا ہے ان لوگوں کو ﴿ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ﴾ جو

جھگڑا کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ﴾ نہیں ہے ان کے لیے چھٹکارا۔ محیص اسم ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے اور مصدر میمی بھی بن سکتا ہے۔ اگر ظرف کا ترجمہ کریں تو ترجمہ ہوگا چھٹکارے کی جگہ کہ رب تعالیٰ کی پکڑ سے بچنے کے لیے ان کے لیے کوئی چھٹکارے کی جگہ نہیں ہوگی۔

فرمایا ﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ پس جو چیز تمھیں دی گئی ہے مال ہو، اولاد ہو، زمین ہو، کارخانے، فیکٹریاں ہوں، سواریاں ہوں، جو کچھ بھی تمھیں دنیا میں ملا ہے ﴿فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ پس یہ تھوڑا سا سامان ہے دنیا کی زندگی کا۔ اس بات کو نہ بھولنا۔ کتنا عرصہ تم زندہ رہو گے اور ان نعمتوں کو استعمال کرو گے؟ اس کو فانی سمجھو اور اگلے جہان کی تیاری کرو ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ اور وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں ﴿وَّ اَبْقٰى﴾ اور بہت ہی پائیدار ہیں وہ کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں دنیا کی چیزیں دنیا میں ہی رہتی ہیں کسی کو کفن نصیب ہوتا ہے اور کسی کو کفن بھی نصیب نہیں ہوتا۔ تو دنیا کی چیزوں کو عارضی سمجھو اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر اور پائیدار ہے۔ اور وہ ہے کن کے لیے؟ ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے۔ یہ بنیادی شرط ہے آخرت کی کامیابی کے لیے۔ آخرت کی کامیابی ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو مومن ہیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ "تحقیق کامیابی حاصل کی ایمان والوں نے۔" تو آخرت کی کامیابی کی پہلی اور ضروری شرط ایمان ہے۔

دوسری خوبی: ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور اپنے رب پر وہ توکل کرتے ہیں۔ ان کا اعتماد رب تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ دکھ سکھ، راحت، تکلیف سب رب تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ مسلمان کا پختہ عقیدہ ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ "جو رب تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔" کسی کے کہنے اور کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تو فرمایا وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔

فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو بچتے ہیں ﴿كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ بڑے گناہوں سے ﴿وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور بے حیائی کی باتوں سے۔ آدمی بڑے گناہوں سے بچتا رہے تو چھوٹے گناہ نیکی کے کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خود بخود معاف کرتا رہتا ہے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۳۱ میں ہے ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ "اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمھیں روکا گیا ہے تو ہم معاف کر دیں گے تم سے تمھارے چھوٹے گناہ۔"

حدیث پاک میں ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا، جھوٹ بولنا، یہ سب بڑے گناہ ہیں۔ ان کے سوا اور بھی بہت سارے گناہ ہیں۔ تو فرمایا وہ لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ اور جب وہ غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں، غصے کو پی جاتے ہیں۔ بدلے کی طاقت رکھنے کے باوجود غصے پر قابو پانا اور درگزر کر لینا بہت بڑی بات ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اسْتَجَابُوْا﴾ جنھوں نے حکم مانا ﴿لِرَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کا ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور اُنھوں نے قائم کی نماز ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ اور ان کا معاملہ آپس میں مشورے سے طے ہوتا ہے ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ اور اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿يُنْفِقُوْنَ﴾ خرچ کرتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ﴾ جب پہنچی ہے ان پر زیادتی ﴿هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ وہ انتقام لیتے ہیں ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ﴾ اور برائی کا بدلہ ﴿سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ برائی ہے اس جیسی ﴿فَمَنْ عَفَا﴾ پس جس نے معاف کر دیا ﴿وَاَصْلَحَ﴾ اور سلاح کی ﴿فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ پس اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک وہ پسند نہیں کرتا ظلم کرنے والوں کو ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ﴾ اور البتہ جس شخص نے انتقام لیا ﴿بَعْدَ ظُلْمِهٖ﴾ ظلم کیے جانے کے بعد ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس یہ لوگ ہیں ﴿مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ نہیں ہے ان پر الزام کا کوئی راستہ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ﴾ پختہ بات ہے الزام کا راستہ ﴿عَلَى الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں پر ہے ﴿يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ﴾ جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر ﴿وَيَبْغُوْنَ﴾ اور سرکشی کرتے ہیں ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے دردناک ﴿وَلَمَنْ﴾ اور البتہ وہ شخص ﴿صَبَرَ﴾ جس نے صبر کیا ﴿وَغَفَرَ﴾ اور معاف کر دیا ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ بے شک یہ البتہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ بہکا دے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ نہیں ہے اس کا کوئی حمایتی ﴿مِّنْ بَعْدِهٖ﴾ اس کے بعد ﴿وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور آپ دیکھیں گے ظالموں کو ﴿لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ جس وقت وہ دیکھیں گے عذاب کو ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہیں گے وہ ﴿هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ﴾ کیا ہے پھر جانے کی طرف ﴿مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ کوئی راستہ۔

ربط آیات

اس سے پہلے سبق میں تم نے پڑھا ﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ پس تمھیں جو چیز بھی دی گئی ہے وہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا اور وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بہت بہتر اور پائیدار ہے۔ مگر یہ حاصل کن لوگوں کو ہوں گی؟ ان لوگوں کو حاصل ہوں گی جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں اور بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب طیش میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ہیں ﴿اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ﴾ جنھوں نے حکم مانا اپنے رب کا ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور اُنھوں نے قائم کی نماز۔ رب تعالیٰ کے احکام میں ایمان کے بعد سرفہرست نماز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مومن اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز تھی۔ جو آدمی نماز پڑھتا تھا ہم سمجھتے تھے کہ یہ مسلمان ہے اور جو نہیں پڑھتا تھا ہم

سمجھتے تھے کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔ افسوس کہ ہم لوگوں نے نماز کی اہمیت ہی کو نہیں سمجھا۔ ایک تو نفس امارہ نے ہمیں دھوکے میں ڈالا ہوا ہے اور کچھ جہالت نے ہمیں غفلت میں ڈالا ہوا ہے۔ جہالت یہ ہے کہ سن رکھا ہے کہ توبہ سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ ایسا ہرگز نہیں ہے سارے گناہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ محض توبہ سے معاف نہیں ہوتے جب تک ان کی قضا نہیں لوٹائی جائے گی۔

تو فرمایا وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ اور معاملہ ان کا آپس میں مشورے سے طے پاتا ہے یعنی ان کی یہ بھی خوبی ہے کہ وہ اپنے معاملات مشورے سے طے کرتے ہیں۔ معاملات مشورے سے طے کرنے میں تفصیل ہے۔

ایک تو وہ احکام ہیں جو قرآن پاک میں اور حدیث پاک میں آ چکے ہیں یا اُمت کے اجماع سے ثابت ہیں۔ ان مسائل اور احکامات میں تو مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے ﴿حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ "سود حرام ہے۔" اب کوئی حکومت اس کے متعلق سوچے کہ سود جاری رہنا چاہیے یا نہیں یا اس کی شرح کیا ہونی چاہیے؟ تو یہ سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ سود حرام ہے۔ اسی طرح شراب اور جوئے کے متعلق سورہ مائدہ آیت نمبر ۹۰ پارہ ۷ میں ہے ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ﴾ "بے شک شراب اور جوا اور بت اور تقسیم کے تیر گندگی ہے۔" شراب اور جوئے کا حرام ہونا قرآن سے اور احادیث متواترہ سے اور اجماع سے ثابت ہے۔ اب کوئی ان کے متعلق سوچے اور مشورہ کرے کہ جاری رکھیں یا نہ رکھیں، لائسنس دیں یا نہ دیں اس کا قطعاً کوئی مجاز نہیں ہے۔

اسی طرح بے شمار مسائل ہیں جو قرآن کریم سے ثابت ہیں، احادیث سے ثابت ہیں۔ اجماع امت سے ثابت ہیں۔ ان کے متعلق مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جو جدید مسائل ہیں ملکی انتظام کے بارے میں دشمنوں سے لڑنے یا صلح کے متعلق۔ اس کے علاوہ کتنے مسائل ہیں جن کے متعلق قرآن کریم میں حدیث شریف میں تصریح نہیں ہے، اُمت کے اجماع سے ثابت نہیں ہیں۔ ایسے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں۔ امن و امان کیسے باقی رکھنا ہے؟ کافروں کے ساتھ لڑائی کرنی ہے یا صلح کرنی ہے۔ لڑائی کرنی ہے تو کس موقع پر؟ ان باتوں میں مشورہ قیامت تک رہے گا۔

ان کی اور خوبی یہ ہے ﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ اور اس چیز میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ مال دیا ہے، علم دیا ہے، بدنی قوت دی ہے، عقل دی ہے۔ اس کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ ان کی اور خوبی ﴿وَ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ کہ جب ان پر کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ انتقام لیتے ہیں۔ دیکھنا بظاہر اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ کے ساتھ تعارض معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہے ﴿وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ جب وہ غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور چوتھے پارے میں ہے کہ فرمایا ﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۳۴] "اور وہ غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔" اور یہاں فرمایا کہ اگر کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرے تو بدلہ لیتے ہیں۔

اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ نے دو آسان باتیں بیان فرمائی ہیں۔

❀ ...... ایک یہ کہ دونوں کا محل جدا جدا ہے۔ اگر کوئی کافر مسلمان کے ساتھ زیادتی کرے تو بدلہ لیتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان کرے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اس کا قرینہ اور دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ [الفتح:۲۱] " وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے مہربان ہیں۔"

❀ ...... دوسری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی اور قصور کر کے اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہے کہ میرے سے غلطی اور قصور ہوا ہے اَڑتا نہیں ہے اور حالات اور قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بے چارے سے اتفاقاً غلطی ہوگئی ہے اور نادم ہے تو اس کو معاف کر دیتے ہیں اور اگر کوئی غلطی کر کے اس پر اکڑتا ہے تو اس سے بدلہ لیتے ہیں۔ کیونکہ اگر بدلہ نہ لیا تو کل کسی اور کے سامنے اکڑے گا، پرسوں کسی اور کے سامنے اکڑے گا یوں اس کی یہ بری عادت پختہ ہو جائے گی تو ایسے سے بدلہ لیتے ہیں۔

جیسے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے فرعون کے باورچی خانے کا افسر اکڑ گیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مکا ٹکا دیا اس کے اکڑنے کی وجہ سے۔ واقعہ پہلے سورۃ القصص میں گزر چکا ہے کہ سخت گرمی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے آبائی مکان سے فرعون کے مکان کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں فرعون کے باورچی خانے کا انچارج افسر جس کا نام قاف تھا ایک بنی اسرائیلی سے اُلجھ رہا تھا۔ یہ افسر بڑا ظالم اور جابر تھا لوگوں سے بیگار لیتا تھا۔ کبھی لکڑیاں، کبھی دوسرا سامان لوگوں سے اٹھوا کر باورچی خانے پہنچاتا تھا مزدوری نہیں دیتا تھا۔ لوگ فرعون کے ڈر کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ایک دن ایک کمزور سا بنی اسرائیلی اس کے قابو آ گیا۔ اس کو اس نے کہا کہ یہ سامان اٹھا کر شاہی باورچی خانے پہنچاؤ۔ اس نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے وجود کو دیکھ کمزور آدمی ہوں یہ لکڑیاں میں اٹھا نہیں سکتا کسی طاقت ور کو بلا لو۔ اور دوسری بات یہ کہ تم مزدوری بھی نہیں دیتے حالانکہ وہاں سے تمھیں مزدوری ملتی ہے۔ افسر نے کہا کہ یہ تو نے ہی لے جانی ہیں۔ یہ بحث وتکرار ہو رہی تھی کہ ادھر سے موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اس مظلوم نے مدد کے لیے ان کو آواز دی اور کہا حضرت! یہ لکڑیوں کا گٹھا دیکھو اور میرا وجود دیکھو کیا میں اس کو اٹھا سکتا ہوں؟ یہ مجھے کہتا ہے کہ تو نے ہی اٹھانا ہے۔

پھر اس کی روزمرہ کی عادت ہے کہ سرکاری خزانہ سے پیسے لے لیتا ہے اور جیب میں ڈال لیتا ہے اور لوگوں سے بیگار لیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بھئی! یہ سچ کہتا ہے بے چارہ کمزور آدمی ہے سامان زیادہ ہے۔ کہنے لگا کہ تمھارے پیٹ کے لیے تو یہ لکڑیوں کا گٹھا لے جا رہا ہوں۔ آپ بھی تو کھانا وہیں سے کھاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے علم میں نہیں ہے کہ تو اس طرح زیادتیاں کرتا ہے اور ہمیں اس طرح کھانا کھلاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگا کہ یہی اٹھائے گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو اس نے اکڑ دکھائی تو موسیٰ علیہ السلام نے ایک مکا ٹکایا پس وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

لہٰذا اگر کوئی اکڑے تو بدلہ لو۔ نرمی اور عاجزی کا اظہار کرے اور ہو بھی مسلمان تو اس کو چھوڑ دو معاف کر دو تو دونوں کا

محل جدا جدا ہے کوئی تعارض نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ اور برائی کا بدلہ برائی ہے اس جیسی۔ اگر کسی نے تمھیں ایک مکا مارا ہے تو تمھیں بھی اسی انداز کا ایک مکا مارنے کی اجازت ہے دو نہیں مار سکتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو گالی نکالی تو ظالم پہلا شخص ہے جس نے ابتداء کی ہے مَا لَمْ تَعْتَدِ الْمَظْلُوْمَ " جب تک مظلوم تعدی نہ کرے۔" اگر مظلوم نے دوسری گالی نکال دی تو یہ اس کے کھاتے میں لکھی جائے گی۔ اس واسطے مسئلہ یہ ہے کہا اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَیْقَظَهَا " فتنہ سویا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس پر جو اس کو جگاتا ہے۔" کوئی بھی قول یا فعل جو فتنے کا باعث ہے از روئے شرع حرام ہے کیونکہ اسلام امن کا مذہب ہے یہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿فَمَنْ عَفَا﴾ پس جس نے معاف کر دیا ﴿وَ اَصْلَحَ﴾ اور ظالم نے اپنی اصلاح کر لی ﴿فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ پس اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ معاف کرنے والے کو اجر اللہ تعالیٰ دے گا ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ظلم تو ایک رتی برابر بھی نہیں ہونا چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو لَمْ یُفْلِتْهُ اس کو چھوڑتا نہیں ہے۔ ﴿وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ﴾ اور البتہ جس نے بدلہ لیا بعد اس کے اس پر ظلم ہوا ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ﴾ پس یہ لوگ ہیں نہیں ہے ان پر الزام کا کوئی راستہ۔ کیوں کہ ان کو بدلہ لینے کا حق تھا ﴿اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ﴾ بے شک الزام کا راستہ ان لوگوں پر ہے ﴿یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ﴾ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں ﴿وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ اور سرکشی کرتے ہیں زمین میں ﴿بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق۔ ان پر الزام کا راستہ ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ عذاب مرنے کے بعد فوراً شروع ہوگا اس میں تاخیر نہیں ہوگی۔

"الترغیب والترہیب" حدیث کی کتاب ہے۔ اس میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے قبر والے کو سزا ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مشاہدے کے طور پر آپ ﷺ کو دکھایا۔ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر دعا کی۔ پوچھا گیا حضرت کیا واقعہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص ایک مظلوم کے پاس سے آنکھیں نیچی کر کے گزر گیا اس کی مدد نہیں کی اس پر ظلم ہو رہا تھا اس کی مدد نہیں کی اس لیے اس کو عذاب ہو رہا ہے۔ آج مدد کرنا تو درکنار ہم تو الٹا شرارت کو بھڑکانے والے ہیں ہلاشیری کرنے والے ہیں (جلتی پر تیل ڈالنے والے ہیں) اور اس پر خوش ہوتے ہیں۔ کیا چھوٹے، کیا بڑے، کیا بیمار کیا تندرست، سب اس بیماری میں مبتلا ہیں۔

فرمایا ﴿وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ﴾ اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا دوسرے کی غلطی کو ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ بے شک البتہ یہ ہمت کے کاموں میں سے اور پختہ کاموں میں سے ہے۔ دوسرے کی زیادتی پر صبر کرنا اور درگزر کرنا۔ اگر ہم دنیا میں کسی کو معاف کریں گے تو اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہ بھی معاف کرے گا۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک امیر آدمی کی وفات کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ کوئی نیکی دکھلاؤ

جس کی وجہ سے میں تجھے بخش دوں۔عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مال دار لوگ گناہ زیادہ کرتے ہیں نیکیوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔اس آدمی نے اپنے دائیں بائیں دیکھا آگے پیچھے دیکھا۔کہنے لگا اے پروردگار! کلمہ کے سوا میرے پاس کوئی نیکی نہیں ہے۔فرمایا کوئی نیکی لاؤ اس نے کہا اے پروردگار! مجھے یاد ہے کہ میں خود بھی ایسا کرتا تھا اور اپنے ملازموں اور نوکروں کو بھی کہا ہوا تھا کہ کوئی کمزور آدمی آجائے تو اس کی مدد کرو کوئی ادھار مانگے تو اسے تم دے دو اگر پیسے نہ دے پھر بھی دے دو۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے بندے تو بندہ عاجز ہو کر ایسا کرتا تھا میں تو قادر مطلق ہوں لہٰذا میں نے تیری ساری لغزشیں معاف کر دیں۔

رب چاہے تو ایک نیکی کی وجہ سے معاف کر دے اور اگر پکڑے تو اس کی پکڑ بہت سخت ہے ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ [سورۃ البروج]

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ بہکا دے، گمراہ کر دے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ نہیں ہے اس کا کوئی حمایتی اس کے بہکانے کے بعد۔لیکن وہ بہکاتا اُسے ہی ہے جو گمراہی پر راضی ہوتا ہے اور ہدایت کا طالب نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ کا دستور ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [سورۃ النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے جس طرف کا اس نے رخ کیا۔"

اور اے مخاطب ایک وقت آئے گا ﴿وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور آپ دیکھیں گے ظالموں کو۔ اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی میدان محشر میں جنت بھی نظر آئے گی اور دوزخ بھی۔آپ دیکھیں گے ظالموں کو ﴿لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ جس وقت وہ ظالم دیکھیں گے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ وہ کہیں گے ﴿هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ کیا پھر جانے کی طرف کوئی راستہ ہے۔ دنیا کی طرف لوٹ جانے کا کوئی راستہ ہے کہ ہم دنیا میں جا کر ایمان لائیں اور نیکی کریں، کفر نہ کریں، ظلم نہ کریں مگر دنیا کی طرف آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔اب وقت ہے کر لو جو کچھ کرنا ہے اللہ تعالیٰ سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَتَرٰىهُمْ﴾ اور آپ دیکھیں گے ان کو ﴿يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا﴾ پیش کیے جائیں گے اس (آگ) پر ﴿خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ﴾ آنکھیں جھکائے ہوئے ذلت سے دیکھتے ہوں گے ﴿مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ﴾ چھپی نگاہ سے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہیں گے وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْٓا﴾ جو ایمان لائے ﴿اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ﴾ بے شک نقصان اٹھانے والے ﴿الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا﴾ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گھاٹے میں ڈالا ﴿اَنْفُسَهُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿وَاَهْلِيْهِمْ﴾ اور اپنے گھر والوں کو ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک ظالم ﴿فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ﴾ دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ﴾ اور نہیں ہوگا ان کے لیے ﴿مِّنْ اَوْلِيَآءَ﴾ کوئی کارساز ﴿يَنْصُرُوْنَهُمْ﴾ جو ان کی مدد کریں ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو

اللہ تعالیٰ بہکا دے ﴿فَمَالَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ نہیں ہے اس کے لیے کوئی راستہ ﴿اِسْتَجِيْبُوْا﴾ قبول کرو تم ﴿لِرَبِّكُمْ﴾ اپنے رب کی بات ﴿مِّنْ قَبْلِ﴾ پہلے اس سے ﴿اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ﴾ کہ آئے وہ دن ﴿لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ نہیں ہے پھرنا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مَا لَكُمْ﴾ نہیں ہوگی تمھارے لیے ﴿مِّنْ مَّلْجَاٍ﴾ کوئی جائے پناہ ﴿يَّوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ﴾ اور نہیں ہوگا تمھارے لیے کوئی انکار کا موقع ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ پس اگر وہ اعراض کریں ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ ان پر نگران بنا کر ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ نہیں ہے آپ کے ذمے مگر پہنچانا ﴿وَاِنَّآ﴾ اور بے شک ہم ﴿اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ جس وقت ہم چکھاتے ہیں انسان کو ﴿مِنَّا رَحْمَةً﴾ اپنی طرف سے رحمت ﴿فَرِحَ بِهَا﴾ تو اترانے لگتا ہے اس کے ساتھ ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر پہنچتی ہے ان کو کوئی برائی ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ﴿فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ﴾ پس بے شک انسان ناشکرا ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلے سبق کے آخر میں تھا کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو دنیا کی واپسی کی خواہش کریں گے۔ واپسی تو نہیں ہوگی مکافات عمل شروع ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ﴾ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ ذلت کی وجہ سے جھکی ہوئی آنکھوں سے دوزخ کے عذاب پر پیش کیے جائیں گے ﴿يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ﴾ وہ چھپی نگاہ سے دیکھیں گے۔ خفی کا معنیٰ پوشیدہ بھی ہوتا ہے اور ذلیل بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اس دن ندامت کی وجہ سے نظریں اوپر نہیں اٹھائیں گے اس لیے ذلت آمیز چھپی (چور) نگاہوں سے دیکھیں گے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ بے شک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے نقصان میں ڈالا اپنے نفسوں کو ﴿وَاَهْلِيْهِمْ﴾ اور اپنے گھر والوں کو ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن۔

انھوں نے اپنی زندگی کے قیمتی سرمایہ کو ضائع کیا ایمان کے بجائے کفر و شرک اختیار کیا، نیکی کے بجائے گناہ اور بدعات اختیار کیں۔ خود بھی گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے اپنے اہل و عیال کو بھی لے ڈوبے۔ کیوں کہ عام طور پر بیوی بچے اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ پھر آواز آئے گی ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ﴾ بے شک ظالم لوگ دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے جس سے کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔ فرمایا ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ﴾ اور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی کارساز ﴿يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جو ان کی مدد کریں اللہ تعالیٰ سے نیچے۔ ظالم لوگ اس دن بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھو! ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ بہکا دے اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں ہے اس کے

لیے ہدایت کا راستہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہدایت اسے دیتے ہیں جو ہدایت کا طالب ہوتا ہے۔ اگر تم ہدایت لینا چاہتے ہو تو ﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ﴾ اپنے رب کی بات کو، اس کے حکم کو تسلیم کرو اور اس پر عمل کرو ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ﴾ پہلے اس سے کہ آ جائے وہ دن جس کے لیے پھرنا نہیں ہے۔ وہ ٹل نہیں سکتا وہ یقیناً آ کر رہے گا لہٰذا اس دن سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اور یاد رکھو! ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىٕذٍ﴾ نہیں ہوگی تمھارے لیے کوئی جائے پناہ اس دن ﴿وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ﴾ اور نہ تمھارے لیے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی۔ اگر زبان سے انکار کریں گے تو ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ دنیا میں تو لوگ دنیا سے چھپ بھی جاتے ہیں مگر قیامت والے دن تو نہ چھپ سکیں گے اور نہ انکار کر سکیں گے۔ اس دن ہر چیز واضح ہو جائے گی اور تمھارے عقائد اور اعمال کا حساب ہو جائے گا۔

مسئلہ رسالت ﷺ

آگے رسالت کا مسئلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ بڑی ہمدردی اور خلوص کے ساتھ ان کو سمجھاتے مگر وہ نہ مانتے الٹا آپ ﷺ کو الٹی سیدھی باتیں کرتے۔ جادوگر، دیوانہ وغیرہ کہتے۔ جس سے آپ ﷺ کو صدمہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی کریم ﷺ! تمھاری پوری خیر خواہی اور تبلیغ کے باوجود ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا﴾ پس اگر یہ لوگ اعراض کریں آپ کی بات پر توجہ نہ دیں ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ تو ہم نے نہیں بھیجا آپ کو ان پر نگہبان بنا کر کہ آپ ان سے حق بات منوا کر چھوڑیں۔ آپ ﷺ ان کے انکار کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں اور ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ سورۃ الغاشیہ پارہ نمبر ۳۰ میں ہے ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ "آپ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں کہ انھیں پکڑ کر زبردستی حق کی طرف لے آئیں۔" ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ نہیں ہے آپ کے ذمے مگر پہنچانا۔ سورۃ الرعد آیت نمبر ۴۰ میں ہے ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ "پس بے شک آپ کے ذمہ پہنچانا ہے اور ہمارے ذمے ہے حساب لینا۔" اور سورۃ یونس آیت نمبر ۹۹ میں ہے ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ "کیا پس آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔" بلکہ ﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرہ:۲۵۶] "تحقیق واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔" اب جو شخص اپنے ارادے اور اختیار سے گمراہی کے راستے پر چلے گا تو پھر اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار رہے۔

آگے اللہ تعالیٰ عام انسانوں کی ناشکری کا حال بیان فرماتے ہیں ﴿وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا﴾ اور بے شک جس وقت ہم چکھاتے ہیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت۔ اسے مال، اولاد، عزت دیتے ہیں تو خوش ہو جاتا ہے اور پھولے نہیں سماتا اور کہتا ہے کہ میں اس قابل تھا کہ مجھے یہ چیزیں ملیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ اور اگر ان کو پہنچے کوئی مصیبت اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے۔ اپنے غلط کرتوت کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہو جائیں ﴿فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ﴾ تو بے شک انسان ناشکرا ہے۔ تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے یہ ذلت اور رسوائی میرے ہی حصے میں آنی تھی۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسان کی یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ مال و دولت، عزت مل جائے تو تکبر کرتا ہے اور مصیبت میں ناشکرا بن جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مومن آدمی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ سکھ چین نصیب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر اسے برداشت کرتا ہے۔

﴿لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ ملک آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے ﴿يَهَبُ﴾ عطا کرتا ہے ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہتا ہے ﴿اِنَاثًا﴾ لڑکیاں ﴿وَّيَهَبُ﴾ اور عطا کرتا ہے ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہتا ہے ﴿الذُّكُوْرَ﴾ لڑکے ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ﴾ یا جوڑے جوڑے دیتا ہے ان کو ﴿ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا﴾ لڑکے اور لڑکیاں ﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ اور کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ﴾ بے شک وہ جاننے والا ہے ﴿قَدِيْرٌ﴾ قادر ہے ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ﴾ اور نہیں ہے شان کسی بشر کی ﴿اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے ﴿اِلَّا وَحْيًا﴾ مگر وحی کے ذریعے ﴿اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ یا پردے کے پیچھے سے ﴿اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا﴾ یا بھیجے پیغام پہنچانے والے کو ﴿فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ﴾ پس وہ وحی بھیجے اپنے حکم کے ساتھ ﴿مَا يَشَآءُ﴾ جو چاہے ﴿اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ بے شک وہ بلند اور حکمتوں والا ہے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ ہم نے وحی کی آپ کی طرف ﴿رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ روح کی اپنے حکم سے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ﴾ آپ نہیں جانتے تھے ﴿مَا الْكِتٰبُ﴾ کتاب کیا ہے ﴿وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ اور نہ ایمان ﴿وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ﴾ اور لیکن ہم نے کیا اس کو ﴿نُوْرًا﴾ نور ﴿نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ﴾ ہدایت دیتے ہیں ہم اس کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں ﴿مِنْ عِبَادِنَا﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَاِنَّكَ﴾ اور بے شک آپ ﴿لَتَهْدِيْۤ﴾ البتہ راہ نمائی کرتے ہیں ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا راستہ ﴿الَّذِيْ﴾ وہ اللہ ﴿لَهٗ﴾ اسی کیلئے ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ﴿تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ﴾ لوٹتے ہیں سب کام۔

توحید باری تعالیٰ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں جتنا زور توحید کے مسئلے پر اور اس کے بعد قیامت اور رسالت کے مسئلے پر دیا ہے اتنا زور اور کسی مسئلے پر نہیں دیا۔ کیونکہ توحید ہی پر تمام عبادتوں کا مدار ہے۔ جب تک توحید نہیں ہوگی کوئی عمل، عمل نہیں بنے

گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بار بار اور مختلف طریقوں کے ساتھ توحید کا ذکر کیا ہے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا۔ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ان میں تصرف بھی اسی کا ہے اس کے سوا نہ کوئی خالق، نہ مالک اور نہ کسی کے پاس کوئی اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک ہے اور متصرف ہے ﴿ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ﴾ پیدا کرتا ہے جو چیز چاہتا ہے ﴿ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا ﴾ عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے لڑکیاں۔ لڑکیاں ہی لڑکیاں دیتا ہے لڑکا نہیں دیتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے لڑکیاں دیں لڑکا نہیں دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے لڑکیاں دیں لڑکا نہیں دیا ﴿ وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴾ اور عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے لڑکے، لڑکیاں نہیں دیتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی۔ نوح علیہ السلام کو بیٹے دیئے بیٹی کوئی نہیں دی۔

بیٹے اور بیٹیاں دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے

مشاہدے کی بات ہے کہ آج بھی کتنے لوگ ہیں کہ ان کے لڑکے ہیں لڑکیاں نہیں اور لڑکیاں ہیں لڑکے نہیں۔ اس کی مرضی ہے لڑکیاں دے یا لڑکے دے یا جوڑے جوڑے دیتا ہے ان کو لڑکے اور لڑکیاں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو لڑکے بھی دیئے اور لڑکیاں بھی دیں۔ آج بھی اکثریت کے ہاں لڑکے بھی ہیں، لڑکیاں بھی ہیں۔ ایسے بھی ہیں دو لڑکے اکٹھے پیدا ہوتے ہیں، ایسے بھی ہیں دو لڑکیاں اکٹھی پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے بھی ہیں لڑکا لڑکی اکٹھے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کا کام ہے اس میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہے ﴿ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ﴾ اور کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ۔ نہ لڑکا دے نہ لڑکی دے۔

دنیا میں کتنے مرد عورتیں ایسی موجود ہیں جو سارا زور لگا بیٹھے ہیں، کیا دوائیاں، کیا ڈاکٹر، کیا حکیم، سب کو دکھا بیٹھے ہیں، دم درود والوں سے دم تعویذ کرا بیٹھے ہیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ جب رب تعالیٰ ہی نے نہیں دینا تو کون دے گا؟ یہاں پر ایک بات سمجھ لیں کہ یہ جو جملہ ہے ﴿ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ﴾ اس سے شیعہ کے ایک فرقہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد کا مرد کے ساتھ نکاح اور عورت کا عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اس کا ترجمہ اس طرح سے کرتے ہیں "یا ان کا نکاح کرا دے مردوں سے یا عورتوں سے۔" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

بھئی! بات تو تخلیق کی ہو رہی ہے، پیدا کرنے کی ہو رہی نکاح کا تو مسئلہ ہی بیان نہیں ہو رہا ہے۔ مگر جب ذہن ٹیڑھا ہو جائے تو آدمی صحیح بات کو بھی ٹیڑھا بنا دیتا ہے۔ یہاں تو مسئلہ خلقت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے جس کو چاہے لڑکیاں اور جس کو چاہے لڑکے عطا کرتا ہے یا جوڑے جوڑے دیتا ہے، لڑکے اور لڑکیاں۔ اور جس کو چاہے بانجھ کر دے۔ اور اگر وہ چاہے تو بانجھ کی اصلاح کر دے بچہ عنایت کر دے۔ جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا نکاح چوبیس پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ ایک سو بیس سال عمر مبارک ہوگئی۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے ان کو تین سو بیس سال [۳۲۰] عمر عطا فرمائی تھی اور بیوی کی عمر ۹۹ سال ہوگئی نہ بچی ہوئی نہ بچہ۔ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمے پھل دیکھ کر دعا کی اے پروردگار!

مریم علیہا السلام کو بے موسمے پھل دے سکتا ہے تو مجھے بھی اولاد عطا فرما ﴿یَّرِثُنِیۡ وَ یَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ﴾ [مریم:٦] "جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔" میری دینی خدمت کا وارث بنا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عین نماز میں گفتگو شروع ہوگئی پیغمبر کے نماز میں فرشتے کے ساتھ گفتگو کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ کیوں؟ رب تعالیٰ کی نماز ہے اور پیغام بھی رب تعالیٰ کا فرشتہ دے رہا ہے۔ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لڑکے کی خوش خبری سناتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ کہنے لگے میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا؟ بیوی میری بانجھ ہے اور میں انتہائی بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں۔ فرمایا اسی طرح ہوگا۔ زکریا علیہ السلام نے کہا کہ مجھے کوئی نشانی بتلا دو جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ میری بیوی با امید ہوگئی ہے۔ فرمایا ﴿اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا﴾ "تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ آپ کلام نہیں کریں گے لوگوں کے ساتھ تین رات تک صحیح سلامت۔" ذکر کے لیے زبان چلے گی، نماز تسبیح کے لیے زبان چلے گی مگر لوگوں کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکو گے۔ جب گفتگو کرنے سے زبان رک جائے تو سمجھ لینا کہ میری بیوی با امید ہوگئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا۔ وہ جوان ہوا، آنکھوں سے دیکھا۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۹۰ میں ہے ﴿وَ اَصۡلَحۡنَا لَہٗ زَوۡجَہٗ﴾ "اور ہم نے اچھا کیا اس کے لیے اس کی بیوی کو۔" یہ جملہ بتلا رہا ہے کہ خرابی بیوی میں تھی ہم نے اس کی بیوی کو ٹھیک کر دیا۔ تو رب تعالیٰ بانجھ کو بھی درست کر سکتا ہے ﴿اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ﴾ بے شک وہ جاننے والا قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بشر کے ساتھ کلام کرنے کی صورتیں

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ﴾ اور نہیں ہے کسی بشر کی شان۔ کسی بشر کے لائق نہیں ہے ﴿اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے براہِ راست ﴿اِلَّا وَحۡیًا﴾ مگر وحی کے ذریعے، وحی کی صورت میں۔ اللہ تعالیٰ بشر کے ساتھ تین صورتوں میں گفتگو کرتا ہے۔ بشر پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر ہو۔ بشر کی شان ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کلام کرے مگر تین صورتیں ہیں ﴿اِلَّا وَحۡیًا﴾ مگر وحی کے ذریعے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ ابوجہل کے سگے بھائی تھے۔ ۸ھ میں مسلمان ہوئے، مخلص مسلمانوں میں سے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا حضرت! کَیۡفَ یَأۡتِیۡكَ الۡوَحۡیُ "آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی وقت تو مجھے فرشتہ نظر نہیں آتا اور دل میں مِثۡلُ صَلۡصَلَةِ الۡجَرَسِ جیسے: جانوروں کے گلے میں گھنٹی لگا تار بجتی رہے تو آواز آتی ہے۔ ایسے ہی دل کے اندر وحی آتی ہے۔ اس کو تم یوں سمجھو کہ جیسے تار گھر میں گئے ہوں تو دیکھا سنا ہوگا کہ کھٹ کھٹ کی آواز آتی ہے۔ اس کو ہم تو نہیں سمجھ سکتے لیکن جو اس فن کے ماہر ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ ایسے ہی اس گھنٹی کی طرح آواز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے تھے۔

دوسری صورت: ﴿اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ یا پردے کے پیچھے سے جیسے معراج والی رات کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

ایک گروہ کہتا ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شریک ہیں کہ معراج والی رات اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ جو کلام کیا ہے وہ پردے کے پیچھے سے کیا ہے آنکھوں کے ساتھ رب تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابتدائی طور پر تو معراج والی رات پردے کے پیچھے سے کلام ہوا ہے لیکن آخر میں اللہ تعالیٰ نے پردہ اُٹھا کر آپ کو دیدار کرایا ہے۔

یا تم اس طرح سمجھو کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رب تعالیٰ کوہ طور پر ہم کلام ہوتے تھے پردے کے پیچھے سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی ﴿رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ﴾ [الاعراف: ۱۴۳] "اے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرادے۔" تو رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ "آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔" تو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا دیدار نہیں کرایا۔ ہاں! قیامت والے دن سب دیکھیں گے۔

رویت باری تعالیٰ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا حضرت! یہ فرمائیں هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ "کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے قیامت والے دن۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس طرح دیکھو گے جس طرح تم سورج اور چاند کو دیکھتے ہو۔ جنت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت رب تعالیٰ کا دیدار ہے۔ مومن اپنے اپنے اعمال کے مطابق رب تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ بعض کو ہفتے کے بعد زیارت ہوگی، بعض کو مہینے کے بعد زیارت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بعد ان کے حسن میں اضافہ ہوگا۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ رب تعالیٰ کے دیدار کے بعد جب واپس آئیں گے تو گھر والے کہیں گے کہ تم پہلے سے زیادہ حسین ہوگئے ہو۔ وہ کہیں گے کہ ہم رب تعالیٰ کا دیدار کر کے آئے ہیں۔ جوں جوں دیدار ہوتا رہے گا ان کا حسن بڑھتا رہے گا۔

تیسری صورت: ﴿أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا﴾ یا بھیجے پیغام پہنچانے والے کو ﴿فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ پس اللہ تعالیٰ وحی بھیجتا ہے اپنے حکم کے ساتھ جو چاہے۔ فرشتہ کبھی تو اصل شکل میں آتا تھا اور کبھی انسانی شکل میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصل شکل میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں تھے۔ فرمایا جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر تھے اور دوسری مرتبہ معراج والی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ ان دو مواقع کے سوا جب بھی جبریل علیہ السلام آتے تھے کسی انسان کی شکل میں آتے تھے۔ کبھی حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں کبھی کسی دیہاتی کی شکل میں آتے تھے۔

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک آدمی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات شروع کر دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوابات دیتے رہے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ جبریل علیہ السلام آئے ہوں اور مجھے پتا نہ چلا ہو مگر اس دفعہ میں بھی نہیں پہچان سکا۔ میں نے اس کو کوئی دیہاتی ہی سمجھا فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ "پس بے شک وہ جبریل تھے تمھارے پاس آئے تھے تمھیں دین سکھانے کے لیے۔"

تو اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ گفتگو کرتا ہے ان تین طریقوں کے ساتھ۔ یا تو دل میں القا کرتا ہے یا پس پردہ یا فرشتہ بھیجتا ہے جو وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بلند ذات اور حکمتوں والا ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ﴾ اور اسی طرح ہم نے وحی کی آپ کی طرف جیسے ہم نے پہلے پیغمبروں کی طرف وحی کی ﴿رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ روح کی اپنے حکم سے۔ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے روح فرمایا ہے۔ جس طرح جان دار چیزوں میں روح کے ساتھ حیات ہے روح نکل جائے تو موت ہے اسی طرح اس قرآن کے ساتھ روحانی زندگی کی حیات ہے۔

فرمایا ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ﴾ اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے ﴿وَ لَا الْاِیْمَانُ﴾ اور نہ ایمان کی تفصیلات کو جانتے تھے۔ اجمالی ایمان تو پیغمبروں کا پیدائشی ہوتا ہے مگر تفصیلات وحی کے ذریعے نازل ہوتی ہیں۔ آج لوگوں کی اکثریت ایمان کی تفصیل کو نہیں جانتی۔ اجمالی ایمان تو ان کا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یہ اجمالی ایمان ہے۔ اور یہ کافی ہے تفصیلاً معلوم نہ بھی ہو۔ تفصیل کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کی تفصیل، کتابوں کی تفصیل، رسولوں کی تفصیل، آخرت کی تفصیل۔ جس طرح اجمالی طور پر مومن میدانِ محشر کو مانتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا تو اجمالی ایمان ہی شرعاً معتبر ہے۔

تو فرمایا آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے، ایمان کیا ہے یعنی اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ ﴿وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ﴾ اور لیکن بنایا ہم نے اس کتاب کو نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعے سے جس کو چاہتے ہیں ﴿مِنْ عِبَادِنَا﴾ اپنے بندوں میں سے۔ رب تعالیٰ کے بندے ہی قرآن کو مانیں اور پڑھیں گے دوسروں کو اس سے کیا مطلب؟ ﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ﴾ اور بے شک آپ راہ نمائی کرتے ہیں ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف آپ کا کام ہے راہ نمائی کرنا، ہدایت دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

سورۃ القصص آیت نمبر ۵۶ میں ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ "بے شک اے پیغمبر! آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" فرمایا ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کا راستہ وہ ہے ﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں ﴿وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ ہے زمین میں سب اسی کا ہے۔ اور یاد رکھو! ﴿اَلَاۤ﴾ خبردار ﴿اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں سب کام۔

وہی مشکل کشا ہے، وہی حاجت روا ہے، وہی فریاد رس ہے، وہی دست گیر ہے، وہی خالق، وہی مالک، وہی متصرف اور مدبر ہے سارے جہانوں کا۔ اس کا نہ کوئی ذات میں شریک ہے نہ صفات میں کوئی شریک ہے نہ افعال میں کوئی شریک ہے۔ یہ عقیدہ ہر مسلمان کو رکھنا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الزُّخۡرُفِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ اِلَیۡہِ یُرَدُّ

۲۵

آیاتہا ۸۹ سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ (۴۳) (۶۳) رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿حٰمٓ ۚ وَ الْكِتٰبِ﴾ قسم ہے کتاب کی ﴿الْمُبِيْنِ﴾ جو کھول کر بیان کرنے والی ہے ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے اس کو ﴿قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا﴾ عربی زبان میں ﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تا کہ تم سمجھ سکو ﴿وَ اِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ ﴿فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ﴾ لوح محفوظ میں ہے ﴿لَدَيْنَا﴾ ہمارے پاس ﴿لَعَلِيٌّ﴾ البتہ وہ بلند ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ حکمت والا ہے ﴿اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ﴾ کیا پس ہم پھیر دیں گے تم سے نصیحت ﴿صَفْحًا﴾ پہلو پھیرتے ہوئے ﴿اَنْ كُنْتُمْ﴾ اس لیے کہ تم ہو ﴿قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ﴾ مسرف قوم ﴿وَ كَمْ اَرْسَلْنَا﴾ اور کتنے بھیجے ہم نے ﴿مِنْ نَّبِيٍّ﴾ پیغمبر ﴿فِي الْاَوَّلِيْنَ﴾ پہلے لوگوں میں ﴿وَ مَا يَاْتِيْهِمْ﴾ اور نہیں آیا ان کے پاس ﴿مِّنْ نَّبِيٍّ﴾ کوئی نبی ﴿اِلَّا كَانُوْا بِهٖ﴾ مگر تھے اس کے ساتھ ﴿يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ٹھٹھا کرتے ﴿فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ پس ہم نے ہلاک کیا ان میں سے سخت گرفت کرنے والوں کو ﴿وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور گزر چکی مثال پہلے لوگوں کی ﴿وَ لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور البتہ اگر آپ سوال کریں ان سے ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَ الْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿لَيَقُوْلُنَّ﴾ البتہ ضرور کہیں گے ﴿خَلَقَهُنَّ﴾ پیدا کیا ہے ان کو ﴿الْعَزِيْزُ﴾ غالب نے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ جاننے والے نے ﴿الَّذِيْ﴾ وہ ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ﴾ جس نے بنایا ہے تمھارے لیے ﴿الْاَرْضَ﴾ زمین کو ﴿مَهْدًا﴾ بچھونا ﴿وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا﴾ اور بنائے اس نے تمہارے لیے اس میں ﴿سُبُلًا﴾ راستے ﴿لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تا کہ تم راہ نمائی حاصل کرو ﴿وَ الَّذِيْ نَزَّلَ﴾ اور وہ ذات ہے جس نے نازل کیا ﴿مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ﴾ آسمان سے پانی ﴿بِقَدَرٍ﴾ اندازے کے ساتھ ﴿فَاَنْشَرْنَا بِهٖ﴾ پس ہم نے زندہ کیا اس کے ذریعے ﴿بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ مردہ شہر کو ﴿كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ﴿وَ الَّذِيْ﴾ اور وہ ذات ﴿خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾ جس نے پیدا کیے جوڑے سب کے سب ﴿وَ جَعَلَ لَكُمْ﴾ اور بنائی تمہارے لیے ﴿مِّنَ الْفُلْكِ﴾ کشتیاں ﴿وَ الْاَنْعَامِ﴾ اور مویشی ﴿مَا تَرْكَبُوْنَ﴾ جن پر تم سوار ہوتے ہو ﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ﴾ تا کہ تم سیدھے ہو جاؤ ان کی پشتوں پر ﴿ثُمَّ تَذْكُرُوْا﴾ پھر یاد کرو تم ﴿نِعْمَةَ رَبِّكُمْ﴾ اپنے رب کی نعمت کو ﴿اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾ جب تم سیدھے ہو کر بیٹھو

ان پر ﴿وَ تَقُوْلُوْا﴾ اور تم کہو ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے تابع کیا ہمارے لیے اس کو ﴿وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ﴾ اور نہیں تھے ہم اس کو قابو کرنے والے ﴿وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف البتہ لوٹنے والے ہیں ﴿وَ جَعَلُوْا لَهٗ﴾ اور بنایا ہے انھوں نے رب کے لیے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا﴾ اس کے بندوں میں سے حصہ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ﴾ بے شک انسان ﴿لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ البتہ ناشکری کرنے والا ہے کھلے طور پر۔

تعارف سورت

اس سورت کا نام زخرف ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے تیسرے رکوع میں اس کی حقیقت بیان ہوگی کہ رب تعالیٰ نے سونے کا ذکر کیوں فرمایا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے سات رکوع اور نواسی آیات ہیں۔ اس سے پہلے باسٹھ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ حٰمٓ کے متعلق پہلے بات بیان ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخفف نام ہیں۔ ح سے مراد حَمِیْدٌ ہے اور م سے مراد مَجِیْدٌ ہے۔ حمید کا معنیٰ ہے قابل تعریف اور مجید کا معنیٰ ہے بزرگی والا۔ ﴿وَ الْكِتٰبِ﴾ میں واو قسمیہ ہے معنیٰ ہے قسم ہے کتاب کی ﴿الْمُبِیْنِ﴾ وہ کتاب جو کھول کر بیان کرتی ہے۔ یہ قرآن کریم ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے اس قرآن کو عربی زبان میں۔ عربی میں کیوں نازل کیا ہے؟ ﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم سمجھ جاؤ اے اہل عرب! کیونکہ آنحضرت ﷺ کی زبان بھی عربی تھی وہاں کے رہنے والے بھی عربی بولتے تھے۔ جو غیر ملکی وہاں رہتے تھے وہ بھی عربی بولتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کی قومی زبان تو عبرانی یا رومی یا کوئی اور تھی لیکن بولتے وہ بھی عربی تھے۔ تو فرمایا کہ ہم نے قرآن کو عربی زبان میں اس لیے نازل کیا ہے تاکہ اے عربو! تم سمجھو اور تمہارے ذریعے ساری دنیا قرآن سمجھے ﴿وَ اِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ قرآن ﴿فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ﴾ اصل کتاب میں ہے۔ اصل کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر فنا ہونے تک تمام چیزیں لوح محفوظ میں درج ہیں۔ لوح کے معنیٰ ہیں تختی اور محفوظ کے معنیٰ حفاظت کی ہوئی۔

دیکھو! یہ قرآن کریم تیس پاروں کا ہمارے سامنے ہے مگر تم نے اشتہار نما ایک صفحے پر بھی لکھا ہوا دیکھا ہوگا۔ اگرچہ اس کو بغیر خردبین کے کوئی نہیں پڑھ سکتا یا حافظ پڑھ لے گا۔ اسی طرح ایک تختی پر سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ فرمایا ﴿لَدَیْنَا﴾ ہمارے پاس ﴿لَعَلِیٌّ﴾ البتہ وہ بلند شان والا ہے ﴿حَكِیْمٌ﴾ حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں وہ سب برحق ہیں مگر سب سے بلند شان والی کتاب یہ قرآن کریم ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں پیغمبر بڑے بلند درجے والے ہیں لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا درجہ اور مقام سب سے بلند ہے۔ تو فرمایا یہ کتاب بڑی بلند شان اور حکمت و دانائی والی ہے۔

اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کے باشندوں کو اور ان کے ذریعے سب کو خطاب فرماتے ہیں ﴿اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا﴾ کیا پس ہم پھیر دیں گے تم سے نصیحت پہلو پھیرتے ہوئے۔ نصیحت کرتے ہوئے کہ ہم تم سے پہلو تہی کریں گے ﴿اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا

مُّسْرِفِيْنَ﴾ اس لیے کہ تم مسرف قوم ہو یعنی حد سے گزرنے والی قوم ہو۔ تم مانو یا نہ مانو ہم نصیحت کرنے سے پہلو تہی نہیں کریں گے۔ ہم ضرور بیان کریں گے تاکہ کل کو تم یہ عذر نہ کرسکو کہ ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾ ''نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔'' لہٰذا ہمیں کیوں سزا دیتے ہو؟ ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾ [المائدہ:۱۹] ''بے شک آیا ہے تمھارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔'' اللہ تعالیٰ کا دستور ہے۔ فرمایا ﴿وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [بنی اسرائیل:۱۵] ''اور ہم نہیں سزا دیتے یہاں تک کہ ہم بھیج دیں رسول۔'' پھر پیغمبر ان کی قومی زبان میں بھیجے تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کی زبان اور ہے اور ہماری زبان اور ہے۔ اور زبان کی باریکیوں کو اہل زبان ہی سمجھتے ہیں۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا سمجھانے کا انداز

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہترین اور زبردست مقرر تھے۔ جن لوگوں نے ان کو سنا ہے وہ جانتے ہیں۔ اور جنھوں نے نہیں سنا وہ کیا جانیں۔

ایک جگہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے کہا شاہ جی! آج پنجابی میں تقریر کریں۔ آج ہم نے آپ کی تقریر پنجابی زبان میں سننی ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ کوئی پنجابی سمجھتا بھی ہے؟ کہنے لگے ہاں! سمجھتے ہیں۔ فرمایا یہ بتاؤ کہ پنجابی میں بے وقوف کو کیا کہتے ہیں؟ ایک نے کہا بے وقوف کہتے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ دوسرے سے پوچھا اس نے کہا اُلّو کہتے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ ایک نے کہا بے سمجھ کہتے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ پھر خود فرمایا کہ جھلّا یوڑ کہتے ہیں۔ تم تو پنجابی ہو کر بھی پنجابی نہیں جانتے پھر کیوں کہتے ہو کہ میں پنجابی میں تقریر کروں۔ تو ہر زبان کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جن کو اس زبان کے ماہر لوگ ہی جانتے ہیں۔

تو فرمایا کیا ہم پہلو تہی کریں گے تمھیں نصیحت کرنے سے اس لیے کہ تم اسراف کرنے والے لوگ ہو ﴿وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ﴾ اور کتنے بھیجے ہم نے پیغمبر ﴿فِي الْاَوَّلِيْنَ﴾ پہلے لوگوں میں ﴿وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ﴾ اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی ﴿اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مگر تھے اس کے ساتھ مذاق کرتے۔ تمام پیغمبروں کے ساتھ مذاق ہوا ہے۔ سورہ ہود آیت نمبر ۳۸ پارہ ۱۲ میں ہے ﴿وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ ''اور جب بھی گزرتا ان کے پاس سے کوئی گروہ ان کی قوم میں سے تو ٹھٹھا کرتے تھے ان کے ساتھ۔'' کوئی کہتا کہ پہلے یہ اپنے آپ کو نبی کہتا تھا اب ترکھان بن گیا ہے۔ کوئی کہتا کہ یہ کشتی کہاں چلائیں گے؟ دوسرا کہتا کہ ہمارے جوہڑ میں چلائیں گے۔ تو فرمایا کہ سارے پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا۔

فرمایا ﴿فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ پس ہم نے ہلاک کیا ان میں سے سخت گرفت کرنے والوں کو۔ ان کو اپنی جماعت اور قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اور بڑے سخت گیر تھے مگر ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخت گیر ہیں ﴿وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور گزر چکی ہے مثال پہلے لوگوں کی۔ نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم اور بے شمار قوموں کے واقعات گزر چکے ہیں۔ یہ ضدی لوگ آپ کے ساتھ کیوں اُلجھتے

ہیں؟ کس لیے جھگڑا کرتے ہیں؟ بنیادی باتیں ساری مانتے ہیں شاخوں کے سلسلے میں جھگڑا کرتے ہیں ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور البتہ اگر آپ ان مکہ والوں سے پوچھیں ﴿مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿لَيَقُوْلُنَّ﴾ تو ضرور کہیں گے ﴿خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمینوں کو غالب نے، جاننے والے نے۔

مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات کو عزیز بھی مانتے تھے اور علیم بھی مانتے تھے۔ آسمانوں اور زمین کا خالق بھی مانتے تھے۔ اسی سورت کی آیت نمبر ۸۷ میں ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ﴾ "اور اگر آپ سوال کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا ہے ان کو ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ تو یقیناً کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔" یہ بھی مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ ان کو پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ او ظالمو! یہ بھی مانتے ہو کہ تمھیں پیدا کرنے والا اللہ، آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اللہ ہے، بارش وہ نازل کرتا ہے، چاند، سورج، ستاروں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ جس رب نے یہ سب کچھ کیا ہے وہ تمہارے سر درد کو دور نہیں کر سکتا، پیٹ درد اور گھٹنوں کے درد کو دور نہیں کر سکتا، وہ تمھیں اولاد نہیں دے سکتا؟ اس میں تم اوروں کے محتاج ہو۔ قبروں اور ڈھیریوں میں تلاش کرتے پھر رہے ہو، گنبد تلاش کرتے پھرتے ہو۔ یہ سارے بڑے بڑے کام جو رب کرتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے کام نہیں کر سکتا؟ کچھ تو عقل سے کام لو۔ ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ جس نے بنائی ہے تمھارے لیے زمین بچھونا۔ اس پر تم چلتے ہو سوتے ہو۔ اس پر تمھاری بود و باش بھی ہے ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا﴾ اور بنائے اس نے تمھارے لیے اس میں راستے۔ سُبُلٌ سَبِيْلٌ کی جمع ہے۔ ﴿لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ تم راہ نمائی حاصل کرو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے گلیوں کے راستے، قصبوں کے راستے، شہروں کے راستے۔ راستوں پر چل کر راہی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ یہ راستے بھی اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں ﴿وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور وہ ذات ہے جس نے نازل کیا آسمان سے پانی ﴿بِقَدَرٍ﴾ ایک اندازے کے ساتھ ﴿فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ پس ہم نے زندہ کیا اس کے ذریعے مردہ شہر کو جو بارش نہ ہونے کی وجہ سے مردہ تھا۔

آج سے چند دن پہلے بارش نہ ہونے کی وجہ سے گرمی کی اتنی شدت تھی کہ لوگ توبہ توبہ کر رہے تھے مگر زبانی، عملی توبہ توبہ کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں عملی توبہ کرنے والا ہزار میں سے کوئی ایک نکل آئے تو بڑی بات ہے۔ زبانی توبہ کا کیا فائدہ؟ کیا تم نے رب تعالیٰ کے جو احکام توڑے ہیں ان کو پورا کیا ہے؟ اور کیا آئندہ کے لیے رب تعالیٰ کے احکامات کے پابند ہو گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر جو مظالم کیے ہیں کیا ان کی تلافی کی ہے؟ محض زبانی توبہ کا کیا فائدہ؟

مثنوی شریف کا ایک واقعہ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی چلتے چلتے ایک عورت پہ نظر پڑ گئی تو اس کو وعظ و نصیحت کی کہ اے بی بی! کیا تم کلمہ پڑھتی ہو؟ اس نے کہا ہاں پڑھتی ہوں۔ نماز پڑھتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ وضو کرتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اس سے وعدہ لیا کہ آئندہ وضو بھی کرو گی اور نماز بھی پڑھو گی۔ وضو اور نماز کا طریقہ بھی

بتایا۔تقریباً ایک سال کے بعد اس عنیزہ نامی بی بی کے علاقے سے گزرے تو اس عورت سے پوچھا کہ کیا وضو کرتی ہو؟ اس نے کہا ہاں! نماز پڑھتی ہو؟ اس نے کہا ہاں! پڑھتی ہوں۔ وضو کے متعلق یہ بھی کہا کہ وضو آپ نے ایک دفعہ کرا دیا تھا اس کے بعد تو میں نے نہیں کیا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری توبہ بی بی عنیزہ کے وضو کی طرح ہے کہ سال گزر گیا اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔ یہی حال ہماری توبہ کا ہے۔

تو فرمایا پس ہم زندہ کرتے ہیں اس بارش کے ذریعے مردہ شہر کو ﴿ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے زمین سے۔ قیامت کا اثبات ہے کہ جیسے تمھارے سامنے سبزیاں اگتی ہیں، فصلیں اگتی ہیں ایک وقت آئے گا اسی طرح تم زمین سے نکالے جاؤ گے ﴿وَالَّذِيْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ جس نے پیدا فرمائے سب جوڑے۔ انسانوں میں جوڑے، حیوانوں میں جوڑے نر مادہ، کیڑے مکوڑوں میں جوڑے۔ حتیٰ کہ علم نباتات والوں نے ثابت کیا ہے کہ درختوں میں بھی نر مادہ ہوتے ہیں۔

پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے کہ استاد مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے ساتھ سفر پر جانا ہے۔ میں فکر میں پڑ گیا کہ اگر انکار کرتا ہوں تو استاد ہیں اور اگر جاتا ہوں تو زادِ راہ کا مسئلہ ہے کہ میرے پاس خرچہ اور کرایہ وغیرہ نہیں تھا۔ خیر میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ ہندوستان کے ایک ضلع میں ایک بوٹی تھی کہ اگر مرد اس کی طرف ہاتھ کرتا تو اس کی شاخیں نیچے آجاتیں اور اگر عورت ہاتھ کرتی تو شاخیں اوپر اٹھ جاتیں۔ خدا کی قدرت۔ فرمایا ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ﴾ اور بنائیں اس نے تمھارے لیے کشتیاں ﴿وَالْاَنْعَامِ﴾ اور مویشی ﴿مَا تَرْكَبُوْنَ﴾ جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ عرب میں تیز رفتار سواری اونٹ کی تھی اور سمندری سفر کشتیوں کے ذریعے کرتے تھے ﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ﴾ تاکہ تم سیدھے ہو جاؤ ان کی پشتوں پر ﴿ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ﴾ پھر یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو ﴿اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾ جب تم سیدھے ہو کر بیٹھو ان گھوڑوں پر، اونٹوں پر۔ اس وقت پڑھو ﴿وَتَقُوْلُوْا﴾ اور تم کہو ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے تابع کیا اس کو ہمارے لیے اور نہیں تھے ہم اس کو قابو کرنے والے۔ گھوڑے کی طاقت دیکھو، اونٹ اور ہاتھی کی طاقت دیکھو کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے ورنہ یہ انسان کے قابو کیسے آسکتے تھے۔

یہ دعا سواری پر سوار ہو کر پڑھنی ہے۔ چاہے سائیکل ہو یا کار ہو چاہے جہاز ہو ﴿وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس تھوڑے سے سفر کے ساتھ آخرت کا سفر بھی یاد رکھو کہ اس تھوڑے سے سفر کے لیے ہم کرایہ خرچہ ساتھ رکھتے ہیں پھر جتنا سفر لمبا ہوتا ہے اتنا زیادہ خرچہ ساتھ لے جاتے ہیں۔ آخرت کا سفر تو بہت لمبا ہے کیا اس کے لیے بھی کرایہ خرچہ ساتھ رکھتے ہو؟ یا اس کے لیے بھی تیاری کرتے ہو؟ اس کا کرایہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہے۔ قربانی اور فطرانہ ہے فرائض اور واجبات اس کا کرایہ ہیں۔ تو اس سفر کے ساتھ آخرت کے سفر کو بھی یاد کر لو کہ بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا﴾ اور بنایا ہے انھوں نے رب کے لیے اس کے بندوں میں سے

حصہ۔ اس کی تفصیل آئے گی کہ عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا بنایا عیسیٰ علیہ السلام کو رب کا بیٹا بنایا، فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں بنایا۔ بیٹا بیٹی جز ہوتے ہیں ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ بے شک انسان البتہ ناشکری کرنے والا ہے کھلے طور پر۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کے احکام کا صریح انکار کرتا ہے۔

﴿ اَمِ اتَّخَذَ ﴾ کیا بنالی ہیں اس نے ﴿ مِمَّا يَخْلُقُ ﴾ اس مخلوق سے جو اس نے پیدا کی ہے ﴿ بَنٰتٍ ﴾ بیٹیاں ﴿ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴾ اور چنا ہے تم کو بیٹوں کے ساتھ ﴿ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ ﴾ اور جس وقت خوش خبری سنائی جاتی ہے ان میں سے کسی ایک کو ﴿ بِمَا ﴾ اس چیز کی ﴿ ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ ﴾ جو بیان کرتا ہے رحمان کے لیے ﴿ مَثَلًا ﴾ صفت ﴿ ظَلَّ وَجْهُهٗ ﴾ ہو جاتا ہے چہرہ اس کا ﴿ مُسْوَدًّا ﴾ سیاہ ﴿ وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ اور وہ دل میں گھٹ رہا ہوتا ہے ﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا ﴾ اور کیا وہ جس کی تربیت کی جاتی ہے ﴿ فِي الْحِلْيَةِ ﴾ زیور میں ﴿ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ ﴾ اور وہ جھگڑا کرنے میں بھی ﴿ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾ بات کھول کر بیان نہیں کر سکتی ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ ﴾ اور بنایا انھوں نے فرشتوں کو ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ ﴾ وہ جو رحمن کے بندے ہیں ﴿ اِنَاثًا ﴾ عورتیں ﴿ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ﴾ کیا وہ حاضر تھے ان کی پیدائش کے وقت ﴿ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ ﴾ تاکید لکھی جائے گی اُن کی گواہی ﴿ وَيُسْئَلُوْنَ ﴾ اور ان سے پوچھا جائے گا ﴿ وَ قَالُوْا ﴾ اور انھوں نے کہا ﴿ لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ ﴾ اور اگر چاہے رحمان ﴿ مَا عَبَدْنٰهُمْ ﴾ نہ عبادت کریں ہم ان کی ﴿ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کوئی علم ﴿ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴾ نہیں ہیں وہ مگر تخمینے کی باتیں کرتے ﴿ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا ﴾ کیا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب ﴿ مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ اس سے پہلے ﴿ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴾ پس وہ اس کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں ﴿ بَلْ قَالُوْٓا ﴾ بلکہ انھوں نے کہا ﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا ﴾ بے شک ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ﴿ عَلٰٓى اُمَّةٍ ﴾ ایک امت پر ﴿ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ ﴾ اور بے شک ہم ان کے نقش قدم پر ﴿ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ راہ پانے والے ہیں ﴿ وَ كَذٰلِكَ ﴾ اور اسی طرح ﴿ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ﴾ نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے ﴿ فِيْ قَرْيَةٍ ﴾ کسی بستی میں ﴿ مِّنْ نَّذِيْرٍ ﴾ کوئی ڈرانے والا ﴿ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ﴾ مگر کہا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا ﴾ بے شک ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ﴿ عَلٰٓى اُمَّةٍ ﴾ ایک امت پر ﴿ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم ان کے نقش قدم پر ان کی اقتداء کرنے والے ہیں ﴿ قٰلَ ﴾ فرمایا پیغمبر نے ﴿ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ ﴾ کیا اگرچہ میں لاؤں تمہارے پاس ﴿ بِاَهْدٰى ﴾ زیادہ ہدایت والی چیز ﴿ مِمَّا ﴾

اس چیز سے ﴿وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ﴾ جس پر پایا تم نے اپنے باپ دادا کو ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ بے شک ہم اس چیز کے ساتھ جو تم دے کر بھیجے گئے ہو منکر ہیں ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھ ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔

یہود کا باطل نظریہ اور عقیدہ تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور نصاریٰ کا باطل نظریہ اور عقیدہ تھا اور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ [توبہ:۳۰]۔ اور مشرکین عرب اور کچھ لوگ یونان میں بھی تھے اور دیگر ملکوں میں بھی تھے جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ﴾ کیا بنا لی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق میں سے جو اس نے پیدا کی ہے بیٹیاں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے لڑکیاں خاص کی ہیں ﴿وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ﴾ اور چنا ہے تم کو بیٹوں کے ساتھ۔ تمھیں چنا ہے لڑکوں کے لیے۔ تمھارے لیے لڑکے اور اپنے لیے لڑکیاں ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ﴾ اور جب خوش خبری دی جاتی ہے ان میں سے کسی ایک کو ﴿بِمَا﴾ اس چیز کی ﴿ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا﴾ جو بیان کرتا ہے رحمان کے لیے صفت ﴿ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا﴾ ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ ﴿وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔

گھر میں بیٹی کا پیدا ہو جانا

آج بھی دیکھو کہ جس کے گھر لڑکا پیدا ہوتا ہے تو بڑی خوشی مناتے ہیں لڈو تقسیم کرتے ہیں اور اگر لڑکی پیدا ہو تو بتاتے ہوئے شرماتے ہیں۔ پھر بڑے حوصلے اور عقیدے والے وہ ہوتے ہیں جو لڑکی کے پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کریں۔ ورنہ کئی لوگ ایسے ہیں کہ لڑکی ہونے پر بیوی کے ساتھ لڑتے ہیں کہ تو نے لڑکی جن دی ہے۔ بھئی! اس میں اس کا کیا دخل ہے؟ اس کے بس میں کیا ہے؟ نہ اس میں کسی مرد کو دخل ہے نہ کسی عورت کو۔ پہلے تم پڑھ چکے ہو سورہ شوریٰ کے آخری رکوع میں ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ "جس کو چاہے بیٹیاں دے جس کو چاہے بیٹے دے ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا﴾ اور جس کو چاہے جوڑے دے، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی ﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ اور جس کو چاہے بانجھ کر دے، کچھ بھی نہ دے۔" مخلوق میں سے کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ لَهٗ اَوْ لِغَيْرِهٖ "جس آدمی نے دو لڑکیوں کی پرورش کی اس کی اپنی ہوں یا بیگانی، وہ بچیاں بالغ ہو گئیں اور ان کی شادی کر دی گئی تو وہ لڑکیاں قیامت والے دن دوزخ کی آگ سے رکاوٹ ہوں گی۔" اس کو دوزخ میں نہیں جانے دیں گی۔ تو فرمایا جب خوش خبری دی جاتی ہے ان میں سے کسی ایک کو تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔

عرب کا ایک مانا ہوا سردار تھا ابوحمزہ اس کی کنیت تھی۔ ہر وقت اس کی مجلس میں دوست احباب بیٹھے رہتے تھے۔ وہ اپنے مقام پر بیٹھا ہوا تھا کہ لونڈی نے آ کر کان میں آہستہ سے کہا کہ سردار جی! تمہارے گھر میں لڑکی ہوئی ہے۔ یہ سنتے ہی اس کا چہرہ اداس اور سیاہ ہو گیا۔ مجلس سے اٹھ کر کہیں چلا گیا اور پھر گھر واپس نہیں آیا۔ اس کی بیوی نے اس کے بارے میں بہت پُر درد قصیدہ کہا۔

مالی حمزۃ لایاتینا قد کان ان لا تلد جنینا

تاللہ ما ذاك بایدینا نحن کزرع نبت ما زرعوا فینا

تم اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالیاں نکالنا ہے۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَسُبُّنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ ''آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا۔'' گالی کیا دیتا ہے یَدْعُوْا لِیْ وَلَدًا ''میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔'' تو رب تعالیٰ کے نہ تو بیٹے ہیں نہ بیٹیاں چہ جائیکہ رب تعالیٰ کی طرف بیٹوں کی نسبت کرنا۔

فرمایا ﴿ اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ ﴾ کیا وہ جس کی تربیت کی جاتی ہے زیورات میں ﴿ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴾ اور وہ جھگڑا کرنے میں بھی بات کھول کر بیان نہیں کر سکتی۔ عورتیں عموماً طبعی طور پر زیورات کو پسند کرتی ہیں اور عورتوں میں شرم وحیا کا مادہ بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہوتا ہے اس لیے وہ بعض چیزیں مجلس میں کھل کر بیان نہیں کر سکتیں۔ بے حیا عورتوں کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا کے سلسلے میں عورت کی گواہی شرعاً مردود ہے چاہے ایک ہو، دو ہوں یا لاکھوں ہوں۔ اس لیے کہ شرم وحیا والی عورت وہ کارروائی جج کے سامنے کھڑے ہو کر بیان نہیں کر سکتی جیسے بلا جھجک مرد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس طرح کرتے دیکھا ہے۔ کیونکہ جو دیکھا ہوتا ہے وہ بیان کرنا ہوتا ہے۔

قتل کے مسئلے پر گواہ بن سکتی ہے۔ شراب نوشی کے سلسلے میں بن سکتی ہے، چوری ڈاکے کے سلسلے میں گواہ بن سکتی ہے۔ تو فرمایا جس کی تربیت زیورات میں ہوئی ہے اور مجلس میں بات کھل کر بیان نہیں کر سکتی ایسی جنس کو رب تعالیٰ کی اولاد بناتے ہو۔ فرمایا ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَةَ ﴾ اور بنایا انھوں نے فرشتوں کو ﴿ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ ﴾ وہ جو رحمن کے بندے ہیں ﴿ اِنَاثًا ﴾ عورتیں بنا دیا ﴿ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ﴾ کیا وہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت اور دیکھتے تھے کہ فرشتے لڑکیاں ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ مِنْ نُّوْرٍ ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔'' اس نور سے جو مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے نہیں۔ جیسے پانی مخلوق ہے، مٹی مخلوق ہے، آگ مخلوق ہے، اسی طرح نور بھی مخلوق ہے۔ اس سے پیدا کیے گئے ہیں۔ فرشتے نہ نر ہیں نہ مادہ ہیں نہ انسانی جنسی خواہشات ان میں ہیں، نہ کھانے کی، نہ پینے کی، نہ سونے کی۔ ان کی خوراک ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ وہ ہر وقت رب تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف رہتے ہیں۔ اور ان ظالموں نے فرشتوں کو جو رب تعالیٰ کے بندے ہیں عورتیں بنا دیا ہے۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ﴿ سَتُکْتَبُ شَهَادَتُهُمْ ﴾ بتاکید ان کی گواہی لکھی جائے گی

﴿وَيُسْـَٔلُوْنَ﴾ اوران سے پوچھا جائے گا کہ کیسے اور کیوں تم نے فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں بنا دیا۔

کافروں کا اور شوشہ سنو! ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿لَوْشَآءَ الرَّحْمٰنُ﴾ اگر چاہے رحمان ﴿مَاعَبَدْنٰهُمْ﴾ ہم ان کی عبادت نہ کریں۔ غیر اللہ کی عبادت رب ہم سے کرواتا ہے تو ہم کرتے ہیں۔ کافروں کا شوشہ دیکھو! کہتے ہیں کہ چاند، سورج، ستاروں، جن، فرشتوں غیر اللہ کی عبادت ممنوع ہے تو رب تعالیٰ ہمیں روکتا کیوں نہیں؟

اس مقام پر رب تعالیٰ نے تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ دوسرے مقام پر تفصیل بیان فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ ''اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے شرک کیا ﴿لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَاعَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ عبادت کرتے ہم اس کے سوا کسی چیز کی ﴿نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا ﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور نہ ہم حرام قرار دیتے کسی چیز کو ﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔'' مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی کے ساتھ کسی چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے اور نہ ہم اپنی مرضی سے کسی کی عبادت کرتے ہیں رب ہی کراتا ہے جو ہم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کی تھیں۔

آگے جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو روکا ہے کیسے کہتے ہو نہیں روکا ﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [النحل:۳۵] ''پس نہیں ہے رسولوں کے ذمے مگر کھول کر بیان کر دینا ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر امت میں ایک رسول اور اس سے کہا گیا کہ لوگوں کو کہیں ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل:۳۶] اور بچو کفر و شرک سے۔'' تو پیغمبروں کے ذریعے رب تعالیٰ نے روکا ہے کہ نہیں روکا؟ اور ایک روکنا اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اندر سے کفر و شرک کرنے کی قوت سلب کر لے اور تمھارے اندر کفر و شرک کرنے کی طاقت ہی نہ ہو۔ پھر تو انسان نہ رہے فرشتے بن گئے کہ فرشتوں میں برائی کی طاقت ہی نہیں ہے۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے نیکی کی قوت بھی رکھی ہے اور بدی کی قوت بھی رکھی ہے پھر اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [سورۃ الکہف:۲۹] ''اپنی مرضی سے جو چاہے ایمان لائے اور اپنی مرضی سے جو چاہے کفر اختیار کرے۔'' تو یہ کس طرح کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہیں روکا۔

تو کہتے ہیں اگر چاہے رحمان تو ہم نہ عبادت کریں ان کی۔ فرمایا ﴿مَالَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں ہے ان کو اس بارے میں کچھ علم ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ نہیں ہیں وہ مگر تخمینے کی باتیں کرتے ہیں (یعنی گمان کے تیر تکے چلا رہے ہیں) ﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا﴾ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے ﴿مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اس قرآن سے پہلے ﴿فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ﴾ پس وہ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والے ہیں اور اس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہو کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور اس میں لکھا ہوا ہو کہ فرشتے عورتیں ہیں۔ ہے کوئی ان کے پاس ایسی کتاب؟ ﴿بَلْ قَالُوْٓا﴾ بلکہ انھوں نے کہا ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ بے شک پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک امت پر، ایک راستے پر ﴿وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان کے نقش قدم پر راہ پانے والے ہیں، ہم ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ہماری بڑی دلیل یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے تھے۔ اس کو کہتے ہیں تقلید

باطل۔ یہ کفر بھی ہے اور شرک بھی ہے اور مذموم بھی ہے۔ اس تقلید کی جتنی تردید کی جائے بجا ہے کہ ایک طرف رب تعالیٰ کا حکم ہے، آنحضرت ﷺ کا حکم ہے اور اس کے مدمقابل باپ دادا کی تقلید ہے۔

تقلید کن مسائل میں ہے؟

پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اہل حق جو تقلید کرتے ہیں حاشا وکلا وہ یہ تقلید نہیں ہے۔ وہ کون سی تقلید کرتے ہیں سمجھ لیں۔ ایسا مسئلہ کہ جس کا حکم قرآن کریم میں نہ ہو، حدیث شریف میں بھی نہ ملے، خلفائے راشدین سے بھی نہ ملے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس مسئلے کی وضاحت نہ فرمائی ہو تو پھر اماموں میں سے کسی ایک کی بات کو مانتے ہیں اس نظریہ کے تحت کہ امام معصوم نہیں ہے۔ امام کو مجتہد سمجھتے ہیں اور مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مقلد، امام کو نبی کی گدی پر بٹھاتے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ کوئی مقلد امام کو نبی کی گدی پر نہیں بٹھاتا کیونکہ نبی تو معصوم ہے اور کوئی مقلد اپنے امام کو معصوم نہیں سمجھتا۔

اسی لیے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیعہ کافر ہیں کہ وہ اپنے اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں، تحریف قرآن کے قائل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں۔ تو ایسی تقلید جو حق کے خلاف ہو یہ کافرانہ حرکت ہے اور یہاں اسی کا ذکر ہے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ﴾ نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے ﴿فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ﴾ کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا ﴿اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ﴾ مگر کہا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ بے شک پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر ﴿وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان کے نقش قدم پر ان کی اقتداء کرنے والے ہیں۔ تمھارے پیچھے نہیں چلیں گے ﴿قٰلَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ﴿اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ﴾ کیا اور اگرچہ لاؤں میں تمھارے پاس ﴿بِاَهْدٰى﴾ زیادہ ہدایت والی چیز ﴿مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ﴾ اس چیز سے جس پر پایا تم نے اپنے باپ دادا کو۔ یعنی اگر دلائل سے ثابت ہو جائے کہ میری بات زیادہ ہدایت والی ہے اس سے جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا پھر بھی نہیں مانو گے ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ بے شک ہم اس چیز کا جو تم دے کر بھیجے گئے ہو منکر ہیں نہیں مانتے۔ اب اس ضد کا کیا علاج ہے؟ ان کو تو چاہیے تھا کہتے ٹھیک ہے دلیل سے ثابت کر دو کہ جو چیز تم پیش کرتے ہو وہ زیادہ ہدایت پر مشتمل ہے تو ہم مان لیں گے۔ مگر انھوں نے صاف کہہ دیا کہ جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا۔ کسی کو پانی میں ڈبویا، کسی پر زلزلہ نازل کیا، کسی پر پتھر برسائے، کسی کو زمین میں دھنسا دیا، طرح طرح کے عذاب قرآن میں مذکور ہیں ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھ اے مخاطب! ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔ اللہ تعالیٰ حق کی تردید سے بچائے اور

حق والوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔

﴿وَ اِذْ﴾ اور جس وقت ﴿قَالَ اِبْرٰهِیْمُ﴾ کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لِاَبِیْهِ﴾ اپنے باپ کو ﴿وَ قَوْمِهٖۤ﴾ اور اپنی قوم کو ﴿اِنَّنِیْ بَرَآءٌ﴾ بے شک میں بے زار ہوں ﴿مِّمَّا﴾ ان چیزوں سے ﴿تَعْبُدُوْنَ﴾ جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿اِلَّا الَّذِیْ﴾ مگر وہ ذات ﴿فَطَرَنِیْ﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے ﴿فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ﴾ پس بے شک وہی میری راہ نمائی کرتا ہے ﴿وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ﴾ اور بنایا اس کو ایک کلمہ ﴿بَاقِیَةً﴾ باقی رہنے والا ﴿فِیْ عَقِبِهٖ﴾ اپنی اولاد میں ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوٹ آئیں ﴿بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ﴾ بلکہ میں نے فائدہ دیا ان لوگوں کو ﴿وَ اٰبَآءَهُمْ﴾ اور ان کے باپ دادوں کو ﴿حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس حق ﴿وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور رسول کھول کر بیان کرنے والا ﴿وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ اور جس وقت آ گیا ان کے پاس حق ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿هٰذَا سِحْرٌ﴾ یہ جادو ہے ﴿وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن ﴿عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے ﴿اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ﴾ کیا یہ تقسیم کرتے ہیں ﴿رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کی رحمت کو ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ﴾ ہم نے تقسیم کی ہے ان کے درمیان روزی ﴿فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ﴾ اور بلند کیا ہم نے ان کے بعض کو ﴿فَوْقَ بَعْضٍ﴾ بعض پر ﴿دَرَجٰتٍ﴾ درجوں پر ﴿لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا﴾ تا کہ بنائیں ان میں سے بعض بعض کو ﴿سُخْرِیًّا﴾ تابع (خدمت گزار) ﴿وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ﴾ اور آپ کے رب کی رحمت ﴿خَیْرٌ﴾ بہت بہتر ہے ﴿مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ﴾ اس چیز سے جس کو یہ اکٹھا کرتے ہیں ﴿وَ لَوْ لَاۤ﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی ﴿اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ کہ ہو جائیں گے لوگ ایک ہی گروہ ﴿لَّجَعَلْنَا﴾ البتہ ہم بناتے ﴿لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ﴾ اس کے لیے جو انکار کرتا تھا رحمان کا ﴿لِبُیُوْتِهِمْ﴾ ان کے گھروں کے لیے ﴿سُقُفًا﴾ چھتیں ﴿مِّنْ فِضَّةٍ﴾ چاندی کی ﴿وَّ مَعَارِجَ﴾ اور سیڑھیاں ﴿عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ﴾ جن پر وہ چڑھتے ہیں ﴿وَ لِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا﴾ اور ان کے گھروں کے دروازے ﴿وَّ سُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ﴾ اور تخت جن پر وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں ﴿وَ زُخْرُفًا﴾ اور سونے کی ﴿وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ﴾ اور نہیں ہیں یہ سب چیزیں ﴿لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ مگر فائدہ دنیا کی زندگی کا ﴿وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ اور آخرت آپ کے رب کے ہاں ﴿لِلْمُتَّقِیْنَ﴾

پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

ربط آیات :

کل کے درس اور سبق میں تم نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے اور خاص طور پر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی نے مشرکین کو حق کے قبول کرنے کی دعوت دی تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا ﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک مسلک پر اور بے شک ہم ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔'' آپ ﷺ کے کہنے پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ نہیں چھوڑنا۔ پھر مشرکین مکہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ تو اپنے عقیدے کی کڑی ان کے ساتھ ملاتے تھے تو اس سے وہ یہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا جو ہمارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کان کھول کر سن لو ﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ ﴾ اور جس وقت فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ ﴾ اپنے باپ کو جس کا نام آزر تھا جیسا کہ سورۃ الانعام ساتویں پارے میں ہے ﴿ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ ﴾ ''جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو۔'' اور اپنی قوم کو بھی کہا ﴿ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴾ بے شک میں بے زار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے والد اور اپنی قوم کی عقیدے کی وجہ سے مخالفت کی اور تم اپنے باپ دادا کے شرکیہ عقیدے کی ڈگر پر چلتے ہو اور ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تمہارا ان کے ساتھ کیا جوڑ ہے؟ تمھاری باتوں کا کوئی ربط اور جوڑ نہیں ہے۔ فرمایا ﴿ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ﴾ مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں صرف اس کی عبادت کرتا ہوں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا ﴿ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴾ بے شک وہی میری راہ نمائی کرتا ہے۔ اس نے مجھے نبوت دی، ہدایت دی اس کے بڑے انعامات اور احسانات ہیں میں اسی رب کو مانتا ہوں باقی سب سے بے زار ہوں ﴿ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ﴾ اور بنایا ابراہیم نے اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں کہ باپ دادا کی غلط بات نہ ماننا صاف لفظوں میں کہہ دینا ہم بے زار ہیں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور تم ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور ان کی باتیں ماننے کے لیے تیار نہیں ہو انھوں نے تو باپ دادا کی غلط باتوں کو تسلیم نہیں کیا اور منہ پر ان کی تردید کی۔ اپنے باپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ﴾ [مریم: ۴۴] ''اے میرے باپ نہ عبادت کر تو شیطان کی۔'' میرے اباجی! تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ اور تم کہتے ہو کہ ہم نے اپنے باپ دادا کا راستہ نہیں چھوڑنا۔ تو کوئی جوڑ ہے ابراہیمی کہلانے کا؟ اور کیا (بنایا) اس کو ایک ایسی بات جو باقی رہنے والی تھی ان کی اولاد میں۔ یہ بات اس واسطے چھوڑی ہے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ تاکہ وہ لوٹ آئیں کفر و شرک سے جن کی یہ عبادت کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کو کیا دیا ہے ﴿ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بلکہ ہم نے فائدہ دیا ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو۔ نہ لات نے دیا، نہ منات نے دیا، نہ عزیٰ نے دیا، نہ اور بتوں نے، نہ چاند، سورج، ستاروں

نے، کسی نے ان کو کچھ نہیں دیا، سب فائدہ میں نے دیا ہے ﴿حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس حق ﴿وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور رسول جو کھول کر بیان کرتا ہے حقیقت کو، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ اور یہ کافر ایسے ظالم ہیں ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ﴾ اور جب آ گیا ان کے پاس حق ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿هٰذَا سِحْرٌ﴾ یہ جادو ہے ﴿وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کے منکر ہیں نہیں مانتے۔ چونکہ عربی تھے قرآن پاک سے متاثر ہوتے تھے مگر کہتے تھے کہ یہ اثر اس کے حق ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جادو ہونے کی وجہ سے ہے۔ چاند کو دو ٹکڑے ہوتے آنکھوں سے دیکھا اور کہا کہ ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ ''یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے۔'' معجزے کو جادو کہہ کر ٹال دیا۔ ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن ﴿عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر۔

دو بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے۔ اس وقت جدے کا وجود نہیں تھا مکہ مکرمہ اور طائف بڑے شہر تھے۔ مکہ مکرمہ میں مالی لحاظ سے اور برادری کے لحاظ سے ولید بن مغیرہ بڑا آدمی تھا اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی بڑا آدمی تھا چودھری اور سردار تھا۔ مکہ میں ولید بن مغیرہ نظر نہیں آیا اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی نظر نہیں آیا۔ ان میں سے کسی ایک پر قرآن کیوں نہیں اتارا گیا۔ اس کا جواب رب تعالیٰ نے دیا ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ کیا یہ تقسیم کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو۔ کیا ان کی مرضی کے مطابق ہم نے نبی بنانا ہے اور وحی اتارنا ہے۔ قرآن ان کی مرضی کے مطابق اتارنا ہے ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ﴾ ہم ہی نے تقسیم کی ہے ان کے درمیان روزی ﴿فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ قَسَّمَ بَيْنَكُم اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَّمَ بَيْنَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان اخلاق تقسیم کیے ہیں جیسا کہ اس نے تمھارے درمیان رزق تقسیم کیے ہیں۔'' تمھارے مزاج اور طبیعتیں اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ کسی کی نرم اور کسی کی سخت، کسی کی طبیعت کوئی نہیں بدل سکتا۔ مثلاً ایک آدمی کا مزاج سخت ہے تو اس کا بدلنا اس کے بس میں نہیں ہے وہ سخت ہی رہے گا۔ مگر وہ اپنی سختی کو کفر کے خلاف استعمال کرے، برائی کے خلاف استعمال کرے، شیطان کے خلاف استعمال کرے۔ اس سے تم یہ مطالبہ نہ کرو کہ نرم ہو جا۔ وہ کیسے نرم ہو جائے رب تعالیٰ نے اس کو سخت بنایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں سختی تھی۔ وہ سختی کو نہیں بدل سکتے تھے مگر انھوں نے اس سختی کو حق کے لیے استعمال کیا اَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ ''عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت تھے۔'' تو ان کی سختی حق کے لیے تھی، دین کے لیے تھی، مزاج کسی کا بدلنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت بیان فرمائی ہے ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ ''وہ کافروں پر سخت آپس میں مہربان ہیں۔'' شیطان کے مقابلے میں سختی کرو، رب تعالیٰ کے احکام پر سختی کے ساتھ قائم رہو۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان مزاج خود تقسیم کیے ہیں جیسا کہ اس نے تمھارے درمیان رزق تقسیم کیے ہیں۔ رزق دیتا بھی وہی ہے اور تقسیم بھی وہی کرتا ہے اور کوئی نہیں ہے۔ ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ﴾ اور ہم نے بلند کیا ان کے بعض

کو بعض پر ﴿دَرَجٰتٍ﴾ درجات کے اعتبار سے۔کسی کو شکل عمدہ دی، کسی کو قد، کسی کو مال، کسی کو اولاد، کسی کو ویسے ترقی دی ہے۔ رب تعالیٰ نے سب کو ایک جیسا نہیں بنایا بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے ﴿لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾۔

تسخیر کا معنیٰ

سُخْرِيًّا تسخیر سے ہے۔تسخیر کا معنیٰ ہے تابع کرنا بعض کو بعض پر۔ اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے تاکہ بعض بعض کو تابع بنائیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو پیسے دیئے ہیں دوسرے کو نہیں دیئے۔ اب یہ کارخانہ بنانا چاہتا ہے تو یہ پیسے لگائے گا دوسرا مزدوری کرے گا۔ خود کام نہیں کر سکتا پیسوں کو چاٹنے سے تو کارخانہ نہیں بن جائے گا، مکان نہیں بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ ایک کو پیسے دیئے ہیں دوسرے کو قوت بدنی دی ہے تاکہ دنیا کا نظام چلتا رہے۔ اگر یہ غریب لوگ دنیا میں نہ ہوں تو نظام چل ہی نہیں سکتا۔ کوئی پانڈی (قلی) بنے گا کوئی مکان بنائے گا، کوئی کارخانہ بنائے گا، کوئی سامان اٹھا کر لائے گا، لے جائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ سُخْرِيًّا مَسخرہ سے ہے تسخیر سے نہیں ہے۔ تو معنیٰ ہوگا کہ ہم نے بعض کو بعض پر بلند کیا ہے درجات میں تاکہ بعض بعض کا مسخرہ کریں، ٹھٹھا کریں۔ جن کے درجات بلند ہیں وہ شرارت کرتے ہیں دوسروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ میں خوب صورت ہوں تو بدصورت ہے، میں بلند قد ہوں تو پست قد ہے، میں موٹا ہوں تو پتلا ہے، میں گورا ہوں تو کالا ہے، میں امیر ہوں تو غریب ہے۔ دنیا میں دونوں باتیں چلتی ہیں تابعداری کرنے والے بھی ہیں اور مذاق اڑانے والے بھی ہیں۔

چھبیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ﴾ ''اے ایمان والو! نہ ٹھٹھا کرے کوئی قوم دوسری قوم کے ساتھ ﴿عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ [الحجرات:۱۱] ''شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔'' اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کے ساتھ ٹھٹھا کریں شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں جن کے ساتھ ٹھٹھا کر رہی ہیں۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ ''بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری شکلوں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے، نیتوں کو دیکھتا ہے دل کس کا اچھا ہے۔ ایک آدمی بڑا خوب صورت ہے اور ہے دوزخ کا ایندھن ابولہب کی طرح۔ بھئی! اس حسن کا کیا فائدہ ہے اس کو؟ اور دوسرا کالے رنگ کا غلام ہے اور ہے جنت کا وارث۔ حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کی طرح۔ تو یہ کالا رنگ اس سے کتنا اعلیٰ ہے۔

فرمایا ﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ﴾ اور آپ کے رب کی رحمت بہت بہتر ہے ﴿مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ اس چیز سے جس کو وہ جمع کرتے ہیں۔ یہ مال و دولت، سونا چاندی، زمینیں اور کارخانے یہ دنیا کی چیزیں ہیں اس کے مقابلے میں رب تعالیٰ کی رحمت جو مومنوں کو ملے گی وہ بہت بہتر ہے کیونکہ دنیا کی چیزیں دنیا میں رہ جائیں گی ساتھ ایمان اور اعمال صالح جائیں گے، اخلاقِ حسنہ

ساتھ جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی سنور جائے گی۔ اگلی بات ذرا توجہ کے ساتھ سمجھ لینا۔

اللہ تعالیٰ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں سونے چاندی کی کوئی قدر نہیں ہے اگر ایک بات نہ ہوتی تو ہم یہ سارا سونا چاندی کافروں کو دے دیتے۔ ان کے مکانوں کی چھتیں اور سیڑھیاں سونے چاندی کی ہوتیں اور دروازے سونے کے ہوتے، کرسیاں سونے کی ہوتیں مگر ایک وجہ سے یہ سارا کافروں کو نہیں دیا۔ وہ وجہ کیا ہے؟ اگر یہ سارا کچھ کافروں کو دے دیتے تو نادان لوگ یہ سمجھتے کہ یہ رب کے بڑے پیارے ہیں اور مقبول ہیں کہ کوٹھیاں سونے چاندی کی ہیں، دروازے اور کرسیاں، سونے چاندی کی ہیں اور وہ بھی کافر ہو جاتے۔ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو ہم سارا کچھ کافروں کو دے دیتے کسی مسلمان کو کچھ نہ دیتے۔

قارون کا انجام

قارون کے واقعے میں تم پڑھ چکے ہو کہ ایک دن وہ بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اس کے گھوڑے کا زین بھی سونے کا تھا اور لگام بھی۔ آگے پیچھے نوکر تھے۔ کچھ لوگوں کے منہ میں پانی آ گیا۔ کہنے لگے ﴿یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾ [القصص:۷۹] ''کاش کہ ہمارے لیے بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے بے شک وہ البتہ بڑی خوش قسمتی والا ہے۔'' کچھ اللہ والے بھی پاس تھے انھوں نے کہا اس طرح نہ کہو دیکھنا اس کا حشر کیا ہوتا ہے؟ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس کی دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا تو کہتے کہ رب تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں اس کی طرح دولت نہیں ملی ورنہ ہم بھی زمین میں دھنسا دیئے جاتے۔ یہ ان لوگوں نے کہا جنھوں نے آرزو کی تھی کہ ہمیں بھی قارون جیسی دولت مل جاتی رب کا شکر ہے کہ ہمیں نہیں ملی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوْ لَاۤ﴾ اور اگر نہ ہوتی یہ بات ﴿اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ﴾ کہ ہو جائیں گے لوگ ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک ہی گروہ کہ سب کافر ہو جائیں گے ﴿لَّجَعَلْنَا﴾ البتہ ہم بناتے ﴿لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ﴾ ان لوگوں کے لیے جو کفر کرتے ہیں رحمان کا۔ جو رحمان کے احکام کے منکر ہیں ﴿لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا﴾ بُیُوْتٌ بَیْتٌ کی جمع ہے بمعنی گھر۔ سُقُفًا سَقْفٌ کی جمع ہے بمعنی چھت۔ ان کے گھروں کی چھتیں ﴿مِّنْ فِضَّةٍ﴾ چاندی سے ﴿وَّ مَعَارِجَ﴾ اس کا مفرد مِعْرَجٌ بھی آتا ہے میم کے کسرے کے ساتھ اور مَعْرَجٌ بھی آتا ہے میم کے فتح کے ساتھ۔ سیڑھی کو کہتے ہیں۔ معارج کا معنیٰ ہوگا سیڑھیاں، سیڑھیاں بھی چاندی کی ﴿عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ﴾ جن پر وہ چڑھتے ہیں جن کے ذریعے وہ اوپر والی منزل اور چھت پر جاتے ہیں ﴿وَ لِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا﴾ اور ان کے گھروں کے دروازے ﴿وَّ سُرُرًا﴾ سَرِیْرٌ کی جمع ہے کرسیاں۔ اور کرسیاں ﴿عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ﴾ جن پر ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی کے ہوتے ﴿وَ زُخْرُفًا﴾ اور سونے کی بھی ہوتیں۔ یہ سب کچھ ان کو دے دیتے اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ سب کافر ہو جائیں گے۔ غلط نتیجہ اخذ کر کے کہ رب ان پر راضی ہے تب سب کچھ ان کو دے دیا ہے۔ فرمایا ﴿وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ﴾ اور نہیں ہیں یہ سب چیزیں ﴿لَمَّا﴾ بمعنیٰ اِلَّا ہے مگر ﴿مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی کا فائدہ، دنیا کی زندگی کا سامان۔ دنیا

کی زندگی کتنی ہوگی؟ دس دن، دس سال، بیس سال، پچاس سال، سوسال آخر موت ہے۔ اور یہ سونا چاندی کافروں کے کام نہیں آئے گا آخرت میں ﴿وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور آخرت آپ کے رب کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دنیا کی زندگی بالکل فانی ہے۔ افسانے اور کہانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ رب تعالیٰ سب کو حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ﴾ اور جو شخص اعراض کرتا ہے ﴿عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کے ذکر سے ﴿نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا﴾ ہم مقرر کرتے ہیں اس کے لیے شیطان کو ﴿فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ پس وہ شیطان اس کا ساتھی ہوجاتا ہے ﴿وَاِنَّهُمْ﴾ اور بے شک وہ (شیاطین) ﴿لَيَصُدُّوْنَهُمْ﴾ البتہ وہ روکتے ہیں ان کو ﴿عَنِ السَّبِيْلِ﴾ سیدھے راستے سے ﴿وَيَحْسَبُوْنَ﴾ اور وہ خیال کرتے ہیں ﴿اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا﴾ یہاں تک کہ جس وقت وہ آئے گا ہمارے پاس ﴿قَالَ﴾ کہے گا ﴿يٰلَيْتَ﴾ اے افسوس ﴿بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ﴾ میرے اور تیرے درمیان ﴿بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ دو مشرقوں کی دوری ہو ﴿فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ پس بہت ہی برا ساتھی ہے ﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ﴾ اور وہ ہرگز نفع نہیں دے گا تم کو آج کے دن ﴿اِذْ ظَّلَمْتُمْ﴾ جس وقت تم نے ظلم کیا ﴿اَنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ عذاب میں شریک ہو ﴿اَفَاَنْتَ﴾ کیا پس آپ ﴿تُسْمِعُ الصُّمَّ﴾ سنا سکتے ہیں بہروں کو ﴿اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ﴾ یا آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور ان کو جو کھلی گمراہی میں ہیں ﴿فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ﴾ پس اگر ہم لے جائیں آپ کو ﴿فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ﴾ پس بے شک ہم ان سے انتقام لینے والے ہیں ﴿اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ﴾ یا ہم آپ کو دکھا دیں وہ چیز ﴿وَعَدْنٰهُمْ﴾ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ﴿فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ﴾ پس بے شک ہم ان پر قادر ہیں ﴿فَاسْتَمْسِكْ﴾ پس مضبوطی کے ساتھ پکڑیں ﴿بِالَّذِيْ﴾ اس چیز کو ﴿اُوْحِيَ اِلَيْكَ﴾ جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ﴿اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ قرآن ﴿لَذِكْرٌ لَّكَ﴾ البتہ نصیحت ہے آپ کے لیے ﴿وَلِقَوْمِكَ﴾ اور آپ کی قوم کے لیے ﴿وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ﴾ اور عن قریب آپ سے سوال کیا جائے گا ﴿وَسْئَلْ﴾ اور آپ سوال کریں ﴿مَنْ اَرْسَلْنَا﴾ ان سے جن کو ہم نے بھیجا ہے ﴿مِنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿مِنْ رُّسُلِنَآ﴾ اپنے رسولوں میں سے ﴿اَجَعَلْنَا﴾ کیا ہم نے بنائے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ﴾

رحمان کے نیچے ﴿اٰلِهَةً﴾ معبود ﴿یُّعْبَدُوْنَ﴾ جن کی عبادت کی جائے۔

انسان کے دل کی مثال مکان کی سی ہے۔ بنے ہوئے مکان میں لوگ رہتے ہوں تو وہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور اگر کوئی نہ رہتا ہو تو پھر وہ محض کھنڈر اور کوڑا کرکٹ کا گھر ہوتا ہے اور وہاں کتے بلے ڈیرا لگا لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر انسان کے دل میں رحمان کو نہ بسایا گیا تو پھر شیطان آ بسے گا مکان تو خالی نہیں رہتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ اور جو شخص اعراض کرتا ہے رحمان کے ذکر سے جس کے دل میں رحمان کی یاد نہ ہو ﴿نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا﴾ ہم اس پر مسلط کر دیتے ہیں شیطان۔ رحمان کی جگہ پھر اس گھر میں شیطان ڈیرے ڈالے گا وہ آ کر بسے گا ﴿فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ﴾ پس وہ شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے ضروری نہیں کہ ابلیس ہو۔ ابلیس ہر بندے کے ساتھ نہیں ہوتا اس کے چیلے چانٹے ہوتے ہیں۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ابلیس نے اپنا تخت سمندر پر لگایا ہوا ہے اس تخت پر بیٹھ کر شیطانوں کی ڈیوٹیاں لگاتا ہے۔ رات کی علیحدہ اور دن کی علیحدہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی ڈیوٹیاں ہوتی ہیں کراماً کاتبین کی۔ رات کی ڈیوٹی والے جونہی فجر کی نماز اللہ اکبر! ہوئی چلے گئے اور دن والے آ گئے۔ عصر کی نماز کے وقت دن والے چلے جاتے ہیں رات والے آ جاتے ہیں۔ اسی طرح شتونگڑوں (چھوٹے شیطانوں) کی بھی ڈیوٹیاں ہوتی ہیں تو ابلیس ہر جگہ نہیں ہوتا۔ ہاں! جیسے ملک کا صدر دورے کرتا ہے کبھی کسی جگہ پہنچتا ہے کبھی کسی جگہ ایسے دورے شیطان بھی کرتا ہے۔ جنات کی تعداد انسانوں سے بہت زیادہ ہے ہر جگہ موجود ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے انسان کے دل کے دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے ان دو فرشتوں کے علاوہ جو کراماً کاتبین ہیں۔ دل میں اچھا خیال آئے تو وہ فرشتے کا القاء ہوتا ہے اور دل کے بائیں طرف شیطان ہوتا ہے بُرے خیالات اور وسوسے شیطان کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جب بُرے خیالات آئیں تو فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھ کر بائیں طرف تھوک دو کہ ہم نے تیرا اثر قبول نہیں کیا۔

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ ''جہاں تک بدن میں خون کا دورہ ہوتا ہے وہاں تک شیطان کا اثر ہوتا ہے۔'' اطباء کہتے ہیں کہ آدمی جب پانی پیتا ہے تو دو منٹ میں اس کا اثر ناخنوں کے نیچے تک پہنچ جاتا ہے۔ خون کا دورہ بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ اور جہاں تک خون کا دورہ ہوتا ہے وہاں تک شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ تو فرمایا جو رحمان کے ذکر سے اعراض کرتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں وہ اس کا ساتھی ہوتا ہے ﴿وَاِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ﴾ اور بے شک وہ شیاطین البتہ روکتے ہیں ان کو سیدھے راستے سے۔ شیطانوں کا کام ہے غلط راستے پر ڈالنا لیکن اس کے باوجود ﴿وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ خیال کرتے ہیں بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ بُرے کام کرنے والا بھی اپنے دل کی تسلی کے لیے اس کی کوئی نہ کوئی تاویل اور خوبی بیان کرتا ہے کہ ہم صحیح کر رہے ہیں اور ہدایت پر ہیں اور گمراہی پر قائم رہتے ہیں اور شیطان ان سے غلط کام کرواتا ہے۔ شیطان کا چیلا شیطان کی بات مانتا ہے اس کے ساتھ اس کی محبت ہوتی ہے اور

اس کے دیئے ہوئے وساوس اور خیالات پر چلتا ہے ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا﴾ یہاں تک کہ وہ جب ہمارے پاس آئے گا جو رب تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے اور اس کا ساتھی شیطان بھی سامنے ہوگا۔ اس وقت ﴿قَالَ﴾ کہے گا ساتھی شیطان کو ﴿یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ﴾ ہائے افسوس! میرے اور تیرے درمیان دو مشرقوں کی دوری ہوتی۔ جتنی مشرق اور مغرب کے درمیان دُوری ہے اتنی دُوری ہوتی۔

المشرقین کی تفسیر

ایک تفسیر کے مطابق مشرقین تغلیباً کہا ہے مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ جیسے ایک اب ہے اور ایک اُم ہے۔ باپ کو ماں پر غلبہ دیتے ہوئے ابوین کہتے ہیں۔ چاند کو سورج پر غلبہ دیتے ہوئے قمرین کہتے ہیں۔

اور دوسری تفسیر کے مطابق مشرقین سے مراد دو مشرقیں ہی ہیں ایک مشرق الصیف اور ایک مشرق الشتاء گرمیوں کا مشرق اور سردیوں کا مشرق۔ آج کل گرمیوں کے موسم میں جہاں سورج طلوع ہوتا ہے یہاں سے چلتے چلتے سردیوں میں اس کونے سے طلوع ہوگا۔ ان دونوں مشرقوں کے درمیان کروڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ تو کہے گا ان کے درمیان جتنی دوری ہے اتنی دوری تیرے اور میرے درمیان ہوتی ﴿فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ﴾ پس بہت ہی برا ساتھی ہے۔ اس وقت اپنے شیطان ساتھی سے لڑے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ﴾ اور وہ قول تمھیں ہرگز نفع نہیں دے گا آج کے دن۔ اس دن ﴿یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ﴾ والا قول تمھیں ہرگز نفع نہیں دے گا کیوں؟ ﴿اِذْ ظَّلَمْتُمْ﴾ اس لیے کہ تم نے ظلم کیا، شرک کیا۔ اپنے نفس پر ظلم کیا، دوسروں پر ظلم کیا، رب تعالیٰ کے احکام توڑے ﴿اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ بے شک تم عذاب میں مشترک ہو گے۔ اے رب تعالیٰ کی یاد سے غافل مرنے والے تم اور تمھارے ساتھی شیطان عذاب میں شریک ہوں گے۔

ملحدین کا اعتراض

بعض ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ انسان تو خاکی ہے اس کو تو دوزخ میں سزا ہوگی جنات تو ناری ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے آگ کے شعلوں سے پیدا کیا ہے تو ناری کو نار سے کیا سزا ہوگی؟ اس کے محققین نے کئی جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ جنات کی تخلیق دنیا کی آگ سے ہوئی ہے جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ تو دنیا کی آگ اس کے مقابلے میں کوئی شے نہیں (بے حقیقت) ہے۔ اس آگ سے پیدا کیے ہوئے جہنم کی آگ میں جلیں گے اگر یہ بات کسی کو سمجھ نہ آئے یعنی ناریوں کو نار میں جلنے کی سزا اگر ان کو سمجھ نہ آئے تو پھر اس طرح سمجھ لو کہ ناریوں کو جہنم کے طبقہ زمہریر میں پھینکا جائے گا۔ وہ انتہائی ٹھنڈا طبقہ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ﴾ کیا پس آپ بہروں کو سنا

سکتے ہیں۔ پھر بہرے بھی وہ کہ جنھوں نے خود کہا ہو کہ ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں ﴿وَفِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ [حم سجدہ:۵] ''اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں ڈاٹ ہیں۔'' جب یہ حالت ہو تو ہدایت کیسے نصیب ہو گی۔ دوپہر کا وقت ہو مطلع بھی صاف ہو کوئی آدمی باہر سڑک پر کھڑا ہو کر آنکھیں بند کر کے کہے کہ مجھے سورج دکھاؤ۔ بھئی! تو آنکھیں بند کی ہوئی ہیں تجھے سورج کیسے دکھایا جائے؟ ؎

آنکھیں اگر ہوں بند تو دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

تو جنھوں نے کانوں میں ڈاٹ لگائے ہوئے ہوں آنکھوں کے آگے پردے لٹکائے ہوئے ہوں کیا آپ ان کو ہدایت دے سکتے ہیں ﴿اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ﴾ یا آپ اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں۔ جنھوں نے قصداً آنکھیں بند کی ہوئی ہیں ﴿وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور کیا آپ اس کو ہدایت دے سکتے ہیں جو کھلی گمراہی میں ہے اور اس گمراہی سے نکلنا بھی نہیں چاہتا۔ طلب کے بغیر رب تعالیٰ کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ طلب ہو گی تو دے گا۔

اس کی مثال تم اس طرح سمجھو کہ ٹونٹی اور نلکے سے پانی تب ہی حاصل کر سکتے ہو کہ برتن کا منہ سیدھا رکھا ہو اور اگر برتن یا گلاس وغیرہ الٹا رکھو گے تو بے شک سارا دن بھی ٹونٹی چلتی رہے گلاس یا لوٹا وغیرہ نہیں بھرے گا۔ یہی حال سمجھو تم کہ جب کسی کے دل میں طلب ہو گی حق کی تو ضرور اس کو ہدایت ملے گی اور اگر دل والا برتن الٹا دے گا تو اس میں کچھ نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] ''پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔'' فرمایا ﴿فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! پس اگر ہم لے جائیں آپ کو دنیا سے آخرت کی طرف تو یہ خیال نہ کرنا یہ بچ جائیں گے ﴿فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ﴾ پس بے شک ہم ان سے انتقام لیں گے۔ یہ عذاب سے چھوٹ نہیں سکتے ﴿اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ﴾ یا ہم آپ کو دکھائیں وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ آپ کی موجودگی میں عذاب آئے ﴿فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ﴾ پس بے شک ہم ان پر قادر ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بددعا کرنا

مکے والوں کی نافرمانی اور زیادتیوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی اے پروردگار! ان پر ایسے سال مسلط فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی کے تھے۔ بارشیں رک گئیں، درخت جھاڑیاں سڑ گئیں، جانور مر گئے۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ اَكَلُوا الْعِظَامَ وَالْمَیْتَةَ وَالْجُلُوْدَ ''ہڈیاں پیس پیس کر پھانکتے تھے، مردار اور چمڑے کھاتے تھے۔ ابوسفیان اس وقت کافر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلہ رحمی کا سبق دیتے ہیں یہ ساری تمھاری برادری ہے دعا کریں ان سے یہ تکلیف رفع ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جان! اللہ تعالیٰ کی توحید کو قبول کر لو، کلمہ پڑھ لو،

اسلام کو تسلیم کرلو پھر دیکھو رب تعالیٰ کی رحمتیں کیسے نازل ہوتی ہیں۔ کہنے لگا یہ بات نہ کرو ویسے دعا کرو۔

کچھ دن ہوئے ہیں ایک بی بی میرے پاس آئی کہ رشتے میں رکاوٹ ہے کوئی تعویذ دے دو۔ میں نے کہا بیٹی! یہ تعویذ لو اور کہا کہ ہر نماز کے بعد تین دفعہ یا رحیم، یا کریم، یا لطیف پڑھ لیا کرنا۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے رشتے میں رکاوٹ کو دور کر دیتے ہیں۔ کہنے لگی کہ اگر نماز پڑھنی ہے تو پھر تعویذ اپنے پاس رکھ لو۔ میں نے کہا ٹھیک ہے رکھ لیتا ہوں تیرے طرح کی کوئی اور بی بی لے جائے گی۔ تعویذ لے کر نہیں گئی کہ نماز کی تلقین کرتے ہیں۔

تو ابوسفیان نے کہا توحید اور کلمے والی بات کو چھوڑو پہلے ہمارے لیے دعا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی عذاب ان سے ٹل گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر عذاب ان پر مسلط کیا۔ تو فرمایا ہم اس پر قادر ہیں کہ آپ کو دکھا دیں وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ﴾ پس آپ مضبوطی کے ساتھ پکڑیں وہ چیز جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی دولتوں میں سے بہت بڑی دولت ہے۔ اس مادی دور میں ہمیں اس کی قدر نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں اس کی قدر و قیمت معلوم ہوگی، میدان محشر میں اس کی قدر معلوم ہوگی۔ پل صراط پر گزرنے کے وقت اس کی قدر معلوم ہوگی۔ تو فرمایا آپ مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ﴿اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ قرآن ﴿لَذِكْرٌ لَّكَ﴾ البتہ آپ کے لیے نصیحت ہے ﴿وَلِقَوْمِكَ﴾ اور آپ کی قوم کے لیے بھی نصیحت ہے۔ اس کو پڑھنا، سمجھنا، اس کے مطابق عمل کرنا ہی ذریعہ نجات ہے۔ فرمایا سن لو ﴿وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ﴾ اور عن قریب تم سے سوال کیا جائے گا کہ قرآن کو مانا ہے یا نہیں، پڑھا ہے یا نہیں، سمجھا ہے یا نہیں، اس کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں۔ یہ سوال تم سے ہوں گے اس سے غافل نہ رہنا۔

آگے شرک کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ فرمایا ﴿وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پوچھ لیں ان سے جن کو ہم نے بھیجا ہے ﴿مِنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿مِنْ رُّسُلِنَآ﴾ اپنے رسولوں کو۔ ان سے پوچھ لیں ﴿اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً﴾ کیا ہم نے بنائے ہیں رحمان کے نیچے معبود ﴿يُّعْبَدُوْنَ﴾ جن کی عبادت کی جائے۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت واقعۂ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ معراج والی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی ہے۔ تو فرمایا آپ پیغمبروں سے پوچھ لیں کہ وہ توحید کے قائل تھے یا نہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے اور نہ مجھے شک ہے میں نے پہلے دن سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور اسی چیز کا سبق میں دنیا کو دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

﴿وَ لَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿اَرْسَلْنَا مُوْسٰى﴾ بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿بِاٰيٰتِنَآ﴾ اپنی نشانیاں دے کر ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف ﴿وَ مَلَا۠ىٕهٖ﴾ اور اس کی جماعت کی طرف ﴿فَقَالَ﴾ پس فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ بے شک میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ﴾ پس جس وقت وہ لائے موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ﴿بِاٰيٰتِنَآ﴾ ہماری نشانیاں ﴿اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ﴾ اچانک وہ لوگ ان نشانیوں کے ساتھ ہنستے تھے ﴿وَ مَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ﴾ اور ہم نہیں دکھاتے تھے ان کو کوئی نشانی ﴿اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا﴾ مگر وہ بڑی ہوتی تھی پہلی سے ﴿وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ﴾ اور ہم نے پکڑا ان کو عذاب میں ﴿لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ باز آجائیں ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ﴾ اے جادوگر ﴿ادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے ﴿بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ جو کچھ عہد کیا ہے اس نے آپ کے ساتھ ﴿اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ﴾ بے شک ہم ہدایت پانے والے ہیں ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ﴾ پس جس وقت ہم نے دور کردیا ان سے عذاب ﴿اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ﴾ اچانک انھوں نے عہد توڑ دیا ﴿وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ﴾ اور اعلان کیا فرعون نے اپنی قوم میں ﴿قَالَ یٰقَوْمِ﴾ کہا اس نے اے میری قوم ﴿اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ کیا نہیں ہے میرے لیے مصر کا ملک ﴿وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ﴾ اور یہ نہریں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ﴾ چلتی ہیں میرے نیچے ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا پس تم نہیں دیکھتے ﴿اَمْ اَنَا خَیْرٌ﴾ بلکہ میں بہتر ہوں ﴿مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ﴾ اس شخص سے جو حقیر ہے ﴿وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ﴾ اور قریب نہیں کہ وہ بیان بھی کر سکے ﴿فَلَوْ لَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ﴾ پس کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن ﴿مِّنْ ذَهَبٍ﴾ سونے کے ﴿اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىٕكَةُ﴾ یا کیوں نہیں آئے اس کے ساتھ فرشتے ﴿مُقْتَرِنِیْنَ﴾ جڑے ہوئے ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ﴾ پس خفیف بنایا اس نے اپنی قوم کو ﴿فَاَطَاعُوْهُ﴾ پس انھوں نے اس کی اطاعت کی ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ﴾ بے شک وہ قوم تھی نافرمان ﴿فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا﴾ پس جس وقت انھوں نے ہمیں غصہ دلایا ﴿انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ ہم نے ان سے انتقام لیا ﴿فَاَغْرَقْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو غرق کردیا ﴿اَجْمَعِیْنَ﴾ سب کو ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا﴾ پس ہم نے کردیا ان کو گئے گزرے ﴿وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ﴾ اور مثال دوسروں کے لیے۔

اس سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ گزر چکا ہے۔ اس رکوع میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اگلے رکوع میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آئے گا۔ ان واقعات کا آپس میں ربط یہ ہے کہ عرب میں اکثریت مشرکین کی تھی جو اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے۔ دوسرے نمبر پر یہود کی آبادی تھی خیبر سارا ان کا تھا اور مدینہ طیبہ میں بھی ان کا کافی زور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا دعویٰ

کرتے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام کے فرمودات پر عمل نہیں کرتے تھے۔ تیسرے نمبر پر آبادی عیسائیوں کی تھی۔ نجران کا علاقہ ان کا تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعوے دار تھے مگر عیسیٰ علیہ السلام کی باتوں پر عمل نہیں کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کا ذکر کر کے حقیقت واضح فرمائی ہے۔

فرمایا ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف۔ فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام تھا ولید بن مصعب بن ریان۔ بڑا ہوشیار، چالاک اور چال باز آدمی تھا جیسے آج کل کے ہمارے لیڈر ہیں ﴿وَ مَلَاۡئِهٖ﴾ اور فرعون کی جماعت کی طرف بھیجا۔ اس علاقے میں دو خاندان قبطی اور سبطی تھے۔ قبطی فرعون کا خاندان تھا اور سبطی بنی اسرائیلی تھے جو مزدور پیشہ لوگ تھے ﴿فَقَالَ﴾ پس فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ بے شک میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔

اس مقام پر اجمال ہے سورۃ الاعراف میں تفصیل ہے ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اگر تو لایا ہے کوئی نشانی تو لا اس کو اگر تو سچوں میں سے ہے ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ پس ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو پس اچانک وہ بڑا اژدہا بن گیا'' وزیر، مشیر اور سارا عملہ فرعون کا بیٹھا ہوا تھا۔ فرعون اپنے بلند تخت کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تاج شاہی پہنے ہوئے بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ۔ اژدہا نے جو منہ فرعون کی طرف کیا تو وہ بدحواس ہو کے نیچے گرا اور اوپر کرسی۔ بڑی عجیب کیفیت تھی لیکن فرعون کے خوف کی وجہ سے دربار سے باہر کوئی نہیں گیا کہ فرعون کا لقب ذوالاوتاد تھا، میخوں والا۔ سولی پر لٹکا کر بدن میں میخیں ٹھونک دیتا تھا۔ تو سارے ڈر گئے کہ اگر بھاگے تو کہے گا کہ مشکل وقت میں تم مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے میں تمہارا علاج کرتا ہوں۔ جب اٹھ کر دوبارہ بیٹھا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

میری ایک نشانی اور ہے۔ ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکتا تھا۔ دلی طور پر فرعون اور ہامان سمجھتے تھے کہ یہ سچی نشانیاں ہیں۔ سورہ نمل آیت نمبر ۱۴ پارہ ۱۹ میں ہے ﴿وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ﴾ حالانکہ یقین کیا اس کے بارے میں ان کی جانوں نے۔'' مگر اقتدار اقتدار ہوتا ہے مانتے نہیں۔ سورہ طٰہٰ میں ہے فرعون کہنے لگا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ تو نکال دے ہمیں اپنی زمین سے جادو کے زور پر اے موسیٰ ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں اس جیسا جادو۔ ہمارے اور اپنے درمیان کوئی وعدہ مقرر کر ہم تیرا مقابلہ کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ﴾ [طٰہٰ: ۵۹] ''تمہارا وعدہ زینت کا دن ہے۔'' عن قریب عید کا دن آ رہا ہے اس دن مقابلہ ہوگا چاشت کے وقت۔ فرعون نے اعلان کیا اور بڑے بڑے جادوگر بلائے۔ چھٹی کا دن تھا لوگ فارغ تھے میدان بھرا ہوا تھا۔ دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور ان کے چند ساتھی تھے غربت کے مارے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے۔ فرعون کے بہتر (۷۲) ہزار جادوگر میدان میں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر ایک نے ایک لاٹھی اور ایک رسی پھینکی، میدان سانپوں کے ساتھ بھر گیا، بعزۃ فرعون کے نعرے لگ رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی اژدہا بن کے ان کے سارے سانپوں کو نگل گئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ دوبارہ لاٹھی بن گئی۔ جادوگر

سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ جادو میں جنس نہیں بدلتی نظر بندی ہوتی ہے۔ سب جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو میں سولی پر لٹکاؤں گا تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تیرہ آدمی اسی وقت وہیں سولی پر لٹکا دیئے گئے اور یہ بات کہہ کر مجلس ختم کر دی کہ باقیوں کو پھر سولی پر لٹکاؤں گا اب وقت ختم ہو گیا لیکن فرعونیوں میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ﴾ پس جس وقت وہ لائے ان کے پاس ہمارے نشانیاں ﴿اِذَاهُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ﴾ اچانک ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے ﴿وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ﴾ اور ہم نے نہیں دکھائی ان کو کوئی نشانی ﴿اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا﴾ مگر وہ بڑی ہوتی تھی پہلی سے۔ مثلاً: عصا مبارک پھینکا اژدہا بن گیا پھر موسیٰ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ روشن ہو گیا اس کے بعد اور نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ طوفان آیا، مکڑیاں مسلط ہوئیں، مینڈک مسلط ہوئے، کھانے پینے کی چیزیں خون بن جاتی تھیں۔ طرح طرح کے عذاب ان پر آئے مگر وہ اتنے ڈھیٹ تھے کہ مانے نہیں۔ فرمایا ﴿وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ اور پکڑا ہم نے ان کو عذاب میں تاکہ وہ باز آ جائیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ﴾ اے جادوگر ﴿ادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے ﴿بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ جو عہد کیا ہے اس نے آپ کے ساتھ، جو وعدہ اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۳۴ پارہ نمبر ۹ میں ہے ﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اگر دور کر دیا ہم سے عذاب، طوفان ٹڈی دل وغیرہ تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تجھ پر اور ضرور بھیج دیں گے تمھارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔'' بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گے۔ جادوگر کیوں کہا؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک جادوگر ہی بڑا افادر ہوتا تھا لہٰذا انھوں نے یہ لفظ بطور ادب استعمال کیا۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ضد اور چڑانے کے لیے کہا اے جادوگر! اپنے رب کو پکارو اس وعدے کے ساتھ جو اس نے تمھارے ساتھ کیا ہے عذاب کے ٹالنے کا ﴿اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ﴾ بے شک ہم راہ راست پر آ جائیں گے ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ﴾ پس جس وقت ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ﴿اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ﴾ اچانک انھوں نے عہد توڑ دیا، سب وعدے توڑ دیئے ﴿وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ﴾ اور پکارا فرعون نے اپنی قوم کے درمیان ﴿قَالَ يٰقَوْمِ﴾ فرعون نے پکار کر کہا اپنی قوم کو اے میری قوم! ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ کیا نہیں ہے میرے لیے مصر کا ملک۔ میں یہاں کا بادشاہ نہیں ہوں، میری حکومت نہیں ﴿وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾ اور یہ نہریں میرے محلات کے نیچے سے نہیں گزرتیں ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو۔ ملک میرا، کوٹھیاں میری، فوجیں میری، دولت میرے پاس، پبلک میرے ساتھ، موسیٰ کے پاس کیا ہے؟ دیکھتے نہیں ہو؟ ﴿اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا﴾ بلکہ میں اس سے بہتر ہوں ﴿الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ﴾ اس شخص سے جو حقیر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو حقیر کہتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کو معزز سمجھتا ہے کہ میرے پاس حکومت ہے، دولت ہے، فوجیں ہیں، لوگ میرے ساتھ ہیں جیسے آج کل کے لیڈر دعوے کرتے ہیں اور ہے بھی حقیقت کہ عوام ان کے ساتھ ہیں اگر عوام ان کا ساتھ نہ دیں تو ایک بھی آگے نہ

آئے۔حق والے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔حق سمجھنے والے،حق کی تائید کرنے والے تھوڑے ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔فرعون کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے بیان کیا ہے۔

مشرکین مکہ کا وفد آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہنے لگا کہ ہمارے تمھارے درمیان جو جھگڑا ہے اس کو ختم کرنے کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ عرب میں سے کسی کو ثالث مان لو وہ جو فیصلہ کرے ہم سارے قبول کرلیں گے یا پھر ووٹنگ کرالو ہم زیادہ ہیں یا تم زیادہ ہو جو زیادہ ہوں ان کی پیروی کی جائے۔اللہ تعالیٰ نے آٹھویں پارے میں ان دونوں شقوں کا رد فرمایا ہے ﴿اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ [الانعام: ۱۱۴] ''کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو فیصلہ کرنے والا تلاش کروں۔'' میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور حکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

دوسری صورت کا رد آیت نمبر ۱۱۶ میں فرمایا ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر آپ اطاعت کریں گے ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو وہ بہکا دیں گے آپ کو راستے سے۔'' اکثریت ہمیشہ گمراہوں کی رہی ہے۔حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق فرمایا ﴿فَمَا وَجَدْنَا فِیْهَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الذاریات: ۳۶] ''پس نہ پایا ہم نے ان میں مسلمانوں کے ایک گھرانے کے سوا۔'' ایک حویلی تھی جس میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو یا تین بیٹیاں تھیں۔اور گنے چنے افراد مومنوں کے رہتے تھے۔بیوی نے بھی ساتھ نہیں دیا باقی ساری آبادی کافروں کی تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی ﴿وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ [ہود: ۴۰] ''اور نہیں ایمان لائے ان کے ساتھ مگر تھوڑے لوگ۔'' ساڑھے نو سو سال کے بعد ایمان لانے والوں کی تعداد سو بھی نہیں تھی۔کوئی نوے لکھتا ہے کوئی ترانوے۔مرد،عورتیں،بوڑھے،بچے سب ملا کر۔باقی سب مشرک تھے۔نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے ساتھ نہیں دیا،بیوی واعلہ نے بھی ساتھ نہیں دیا۔قلت کثرت کوئی شے نہیں ہے ہمیشہ حق پر قائم رہنا چاہیے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ فلاں پیغمبر اور اس کی قوم آئے حساب کے لیے۔سب سے پہلے اس امت کا حساب ہوگا اور سب سے پہلے یہ پل صراط سے گزرے گی اور سب سے پہلے یہ امت جنت میں داخل ہوگی۔فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ''ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے آخری اُمت ہیں اور قیامت والے دن حساب میں پہلی امت ہوں گے۔'' اور جنت میں داخلے کے اعتبار سے بھی ہم پہلے ہیں۔

فرمایا ایسے پیغمبر بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ تین امتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ صرف چار امتی ہوں گے ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ دو امتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک امتی ہوگا۔ فرمایا: وَیَجِیْءُ نَبِیٌّ وَلَیْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ ''اور ایک ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک امتی بھی نہیں ہوگا۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر کے افراد نے بھی ساتھ نہیں دیا۔اکثریت ہمیشہ دوسرے لوگوں کی رہی ہے۔

توفرعون نے کہا بلکہ میں بہتر ہوں اس شخص کی نسبت جو حقیر ہے ﴿وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ﴾ اور قریب نہیں کہ وہ بیان بھی کر سکے۔ کیوں کہ اس کی زبان بھی میری طرح صاف نہیں ہے۔ اس کی حقیقت اس طرح ہے کہ فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم رحمہا اللہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بڑا پیار کرتی تھی۔ کسی وقت بیوی کو خوش کرنے کے لیے باؤل نخواستہ فرعون بھی اٹھالیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے۔ کبھی انگلیاں اس کی ناک میں ڈال دیتے، کبھی آنکھوں میں، کبھی کانوں میں کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینا

فرعون نے کہا یہ بچہ بڑا خطرناک ہے۔ بیوی نے کہا انجان بچہ ہے اس کو کیا معلوم؟ کہنے لگا نہیں دوسرے بچے بھی تو ہیں یہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے تجربہ کے لیے ایک پلیٹ میں ہیرے موتی رکھ دیئے اور دوسری میں جلتا ہوا کوئلہ کہ دیکھتے ہیں کہ انگارے کی طرف جاتا ہے یا ہیرے موتیوں کی طرف۔ موسیٰ علیہ السلام ہیرے موتیوں کی طرف جا رہے تھے جبرئیل علیہ السلام آئے اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ انگارے کی طرف کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جلدی سے لے کر انگارا زبان پر رکھ لیا۔ ننھی منھی زبان تھی متاثر ہوئی اور لکنت پیدا ہوگئی۔ جب نبوت ملی تو دعا کی ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝﴾ [سورہ طہٰ] ''کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے پروردگار! کشادہ کر دے میرا سینہ اور آسان کر دے میرے لیے میرا معاملہ اور کھول دے گرہ میری زبان سے تاکہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔'' اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اٹھانوے فیصد لکنت ختم ہوگئی مگر دو فیصد باقی رہی۔ اس کے مقابلے میں فرعون کی زبان تندرست تھی۔

تو اس کا تقابل کرتا ہے کہ یہ میرے مقابلے میں بیان بھی نہیں کرسکتا اور میری زبان خوب چلتی ہے ﴿فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ﴾ پس کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے۔ اس زمانے میں بادشاہ سونے کے کنگن پہنتے تھے۔ یہ کہتا ہے کہ میں رب کا نائب ہوں رب تعالیٰ کا نائب ہے تو اس کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں ہیں ﴿اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ یا کیوں نہیں آئے اس کے ساتھ فرشتے جڑے ہوئے یعنی لگا تار لائن باندھ کر۔ مثال کے طور پر آج وزیر اعلیٰ نے کہیں جانا ہو تو پولیس کو پسو پڑے ہوتے ہیں اور اگر گورنر نے گزرنا ہو تو سڑکیں بند ہو جاتی ہیں جگہ جگہ پولیس والے کھڑے ہوتے ہیں آگے پیچھے باڈی گارڈ ہوتے ہیں اور اگر صدر جائے تو اور مصیبت ہوتی ہے اگر وزیر اعظم جائے تو افسروں کی نیندیں اُڑ جاتی ہیں کہ کسی طرح سے یہ وقت گزاریں۔ یہ رب تعالیٰ کا پیغمبر ہے تو اس کے آگے پیچھے فرشتوں کی لائن کیوں نہیں لگی ہوئی۔ اقتران کا معنیٰ ہے ملنا تو ﴿مُقْتَرِنِیْنَ﴾ کا معنیٰ ہوگا ملے ہوئے۔ فرشتے آگے پیچھے دائیں بائیں ہوں پتا چلے نبی آ رہے ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ﴾ پس خفیف بنایا اس نے اپنی قوم کو۔ فرعون نے قوم کی مت ماردی۔ لوگ ظاہری چیزوں کو دیکھتے ہیں وہ ظاہری باتیں کرتا تھا لوگوں کی سمجھ میں جلد آتی تھیں۔ عقل ماردی اپنی قوم کی ﴿فَاَطَاعُوْهُ﴾ پس انھوں نے فرعون کی اطاعت کی۔ کیوں کی؟ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ﴾ بے شک تھی وہ قوم نافرمان۔ اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبر بھیجے

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام۔ مگر بدبخت قوم دوسری طرف چلی گئی۔ فرمایا ﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا ہم نے ان سے انتقام لیا۔ فرعون اور اس کی قوم سے ﴿فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا بحرِ قلزم میں۔

موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب بحر قلزم کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاٹھی ماری، راستے بن گئے، یہ پار ہو گئے۔ فرعون نے ہامان کو کہا کہ تم آگے لگو پیچھے فوج اور میں فوج کے پیچھے رہوں گا۔ جب یہ لوگ راستوں پر چلے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی بھی چل پڑا سب وہیں سے سیدھے جہنم رسید ہو گئے۔ فرعون نے واویلا کرتے ہوئے کہا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [یونس:۹۰] "میں ایمان لایا ہوں کہ بے شک کوئی معبود نہیں مگر وہی جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔" رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تم کہتے ہو اور تحقیق تم اس سے پہلے نافرمانی کرتے رہے ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ﴾ "پس آج کے دن ہم بچا لیں گے تیرے جسم کو تاکہ ہو جائے وہ ان لوگوں کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی۔"

فرعون کی لاش آج بھی مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ دنیا جا کر اس کو دیکھتی ہے کہ یہ وہ شخص تھا جو پیغمبر کے مقابلے میں کہتا تھا میں یہ ہوں اور وہ ہوں اور اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا۔ کبھی کبھی اس کی تصویر اخباروں میں بھی آ جاتی ہے۔ تو فرمایا جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا﴾ پس ہم نے ان کو کر دیا گئے گزرے لوگ جن کا نام ونشان نہیں ہوتا ﴿وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ﴾ اور مثال بنا دیا پچھلوں کے لیے کہ نافرمانوں کا یہ حشر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین!]

﴿وَلَمَّا﴾ اور جس وقت ﴿ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ بیان کی گئی ابن مریم علیہما السلام کی ﴿مَثَلًا﴾ مثال ﴿اِذَا قَوْمُكَ﴾ اچانک آپ کی قوم ﴿مِنْهُ﴾ اس مثال سے ﴿يَصِدُّوْنَ﴾ چلانے لگی ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ﴾ کیا ہمارے الٰہ بہتر ہیں ﴿اَمْ هُوَ﴾ یا وہ ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ﴾ نہیں بیان کیا انھوں نے اس کو آپ کے سامنے ﴿اِلَّا جَدَلًا﴾ مگر جھگڑا کرنے کے لیے ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ بلکہ وہ قوم جھگڑالو ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ نہیں ہے وہ مگر بندہ ﴿اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ ہم نے اس پر انعام کیا ﴿وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا﴾ اور بنا دیا ہم نے اس کو مثال ﴿لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ بنی اسرائیل کے لیے ﴿وَلَوْ نَشَآءُ﴾ اور اگر ہم چاہیں ﴿لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ﴾ البتہ ہم بنا دیں تمھاری جگہ ﴿مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ﴾ فرشتے زمین میں ﴿يَخْلُفُوْنَ﴾ وہ خلافت کریں ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ اور بے شک وہ عیسیٰ علیہ السلام البتہ نشانی ہیں قیامت کی ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ پس تم شک نہ کرو اس کے بارے میں

﴿وَاتَّبِعُوۡنِ﴾ اور میری پیروی کرو ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ﴾ یہ سیدھا راستہ ہے ﴿وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ﴾ اور ہرگز نہ روکے تم کو شیطان ﴿اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ﴾ بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ﴾ اور جس وقت آئے عیسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیوں کے ساتھ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿قَدۡ جِئۡتُكُمۡ﴾ تحقیق میں لایا ہوں تمھارے پاس ﴿بِالۡحِكۡمَةِ﴾ حکمت ﴿وَلِاُبَيِّنَ لَـكُمۡ﴾ اور تاکہ میں بیان کروں تمھارے لیے ﴿بَعۡضَ الَّذِىۡ﴾ بعض وہ چیزیں ﴿تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ﴾ جن میں تم اختلاف کرتے ہو ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاَطِيۡعُوۡنِ﴾ اور میری اطاعت کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ﴾ وہ میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے ﴿فَاعۡبُدُوۡهُ﴾ پس تم عبادت کرو اس کی ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ﴾ یہ سیدھا راستہ ہے ﴿فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ﴾ پس اختلاف کیا گروہوں نے آپس میں ﴿فَوَيۡلٌ﴾ پس خرابی ہے ﴿لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا﴾ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا ﴿مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ﴾ دردناک دن کے عذاب سے ﴿هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ﴾ نہیں انتظار کرتے یہ ﴿اِلَّا السَّاعَةَ﴾ مگر قیامت کا ﴿اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً﴾ یہ کہ آئے ان کے پاس اچانک ﴿وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ﴾ اور ان کو خبر بھی نہ ہو ﴿اَلۡاَخِلَّآءُ﴾ دوست ﴿يَوۡمَئِذٍۢ﴾ اس دن ﴿بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ﴾ بعض بعض کے دشمن ہوں ﴿اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ﴾ مگر پرہیزگار۔

ماقبل سے ربط

کل کے درس میں تم نے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پڑھا۔ آج عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آ رہا ہے۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اسراء کا معنیٰ ہے عبد اور ایل کا معنیٰ ہے اللہ۔ تو اسرائیل کا معنیٰ ہوا عبداللہ۔ اور یعقوب کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ ان کی اولاد میں تقریباً چار ہزار پیغمبر آئے ہیں بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل میں تشریف لائے ہیں مگر تمام جہانوں کے لیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ حضرت مریم علیہا السلام تقریباً سولہ سال کی عمر میں جب غسل خانہ سے غسل کر کے باہر آئیں تو ایک موٹے تازے صحت مند آدمی کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔ اس خیال سے کہ اس کی نیت صحیح نہیں ہے ﴿قَالَتۡ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا﴾ [مریم:۱۸] " کہنے لگی میں پناہ لیتی ہوں رحمان کے ساتھ تجھ سے اگر تو ڈرنے والا ہے۔" اگر تو رب سے ڈرتا ہے تو میں رحمن کی پناہ لیتی ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس نے کہا کہ میں انسان

نہیں ہوں میں فرشتہ ہوں جبرئیل علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں تجھے بیٹے کی خوش خبری سنانے کے لیے میں نے تیرے گریبان میں پھونک مارنی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پھونک مارنے سے حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود شروع ہو گیا۔ جب ولادت کا وقت ہوا تو حضرت مریم علیہا السلام پریشان ہوئیں کہ لوگوں کی تسلی کے لیے، لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کیا کروں گی کہ بچہ کہاں سے لائی ہوں۔ لوگوں کا منہ بند کرنا بھی بڑی بات ہے۔ نیک والدین کی بیٹی ہوں پیغمبر کے گھر میں میری تربیت ہوئی ہے:

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

ایسے گھرانے کی عورت کو واقعی پریشان ہونا چاہیے تھا۔ تو خیر تنہائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ رب تعالیٰ نے خوراک کا بھی انتظام کر دیا کہ خشک کھجور پر دانے لگا دیے اور پانی کا بھی انتظام ہو گیا کہ چشمہ جاری کر دیا۔ کھجوریں کھاؤ اور پانی پیو ﴿وَقَرِّيْ عَيْنًا﴾ [سورۃ مریم] "اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو۔" اور اگر لوگ تمھارے ساتھ گفتگو کریں تو ان سے بات نہ کرنا۔

پہلا یا دوسرا دن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب اٹھا کر لے گئیں تو سارے لوگ پیچھے لگ گئے ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا﴾ [سورۃ مریم] "البتہ تحقیق لائی ہے تو ایک چیز اوپری۔" یہ کیا کیا ہے۔ تیرا باپ نیک، تیری ماں نیک، تیرا بھائی نیک، تیرا سارا خاندان نیک۔ یہ طوفان تو کہاں سے لائی ہے؟ کیا مرد، کیا عورتیں، بچے، بوڑھے اکٹھے ہو گئے ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ [سورۃ مریم] "پس مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟" ﴿قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ [پارہ:۱۶] "وہ کہنے لگے ہم کیسے کلام کریں اس بچے کے ساتھ جو گہوارے میں ہے۔" اس بچے سے ہم کیا پوچھیں یہ ہمیں کیا بتلائے گا؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ [سورۃ مریم] "بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے اور مجھے نبی بنانے کا وعدہ کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے ﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ﴾ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کروں۔" کیوں کہ میرا والد تو ہے نہیں والدہ ہی والدہ ہے۔ لمبی چوڑی تقریر کی۔ تو جو صاف ذہن کے لوگ تھے ان کی تو تسلی ہو گئی۔ مگر ہر زمانے میں گندے ذہن کے لوگ زیادہ ہوتے ہیں۔ نہ ماننے والوں نے نہ مانا۔ یہودی ابھی تک ڈٹے ہوئے ہیں کہ یہ بچہ حلال زادہ نہیں ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ [النساء:۱۵۶]۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا﴾ اور جس وقت بیان کی گئی عیسیٰ ابن مریم کی مثال بطور مثال کے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ مریم علیہا السلام کو بغیر خاوند کے رب نے بیٹا دیا ہے۔ جب اس کا ذکر آتا ہے ﴿اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ﴾ اچانک آپ کی قوم اس مثال سے چلانے لگتی ہے۔ یَصِدُّوْن کے عربی میں دو معنیٰ کرتے ہیں۔ ایک تصدیہ کا معنیٰ یعنی تالیاں بجانا۔ سورۃ الانفال میں ہے ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً﴾ "اور نہیں ہے ان مشرکوں کی نماز بیت اللہ شریف کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔" قوالی کرنا۔ یہ ان کی عبادت تھی اور اگر یہ ضَرَبَ کے باب سے آئے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے آوازے کسنا، چیخیں مارنا، شور مچانا۔ اور اگر نَصَرَ سے آئے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے

روکنا۔ یہ ضرب سے ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چیخیں مارنا، آوازے کسنا اور طعن وتشنیع کرنا۔ ﴿وَ قَالُوْٓا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ﴾ کیا ہمارے الٰہ بہتر ہیں ﴿اَمْ هُوَ﴾ یا وہ۔ کہنے لگے دیکھو! ہمارے الٰہ ہیں لات، منات، عزیٰ۔ ان کے نسب نامہ میں کوئی اعتراض نہیں کرسکتا کہ یہ ہم نے بنائے ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہودیوں سے پوچھو وہ کیا کہتے ہیں اور آپ ہم سے عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی منوانا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا﴾ نہیں بیان کیا انھوں نے اس کو آپ کے سامنے مگر جھگڑنے کے لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تم کیا کہتے ہو ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ بلکہ یہ قوم جھگڑالو ہے۔ جھگڑنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ نہیں ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام مگر بندہ ہم نے اس پر انعام کیا کہ بغیر باپ کے پیدا کیا اور نبوت دی، کتاب دی اور بہت سارے معجزات دیئے۔ ظاہری اور باطنی انعامات ان پر کیے۔

مسلمانوں کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا

جس وقت مکے والوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تو کئی ساتھی ہجرت کر کے ملک حبشہ چلے گئے۔ حبشہ عیسائیوں کا ملک تھا اس کے بادشاہ کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا۔ بڑا نیک دل بادشاہ تھا۔ مشرکوں نے مشورہ کیا کہ جا کر نجاشی کو ملیں اور ان کو واپس لے کر آئیں وہاں آرام سے رہ رہے ہیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ کا ایک وفد نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا جس میں عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی تھے۔ یہ اس وقت کافر تھے اور بعد میں دونوں مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہما انھوں نے جا کر نجاشی سے ملاقات کی اور کہا کہ ہمارے کچھ غلام اور کچھ مقروض لوگ بھاگ کر یہاں آئے ہیں ہم ان کو لے جانا چاہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ پہلے غلام بھی تھے بعد میں آزاد کر دیئے گئے تھے اور کچھ ان کے مقروض بھی تھے۔ نجاشی بڑا سمجھ دار آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ جب تک میں دوسرے فریق کی بات نہیں سنوں گا فیصلہ نہیں دوں گا۔ ایک طرف کی بات سن کر فیصلہ دے دینا انصاف کے خلاف ہے۔ چنانچہ مہاجرین کو بلایا گیا۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مہاجرین نے ان کو اپنا متکلم بنایا۔ قریش مکہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص جو اس وقت تک رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے اور عبداللہ بن ربیعہ تھے۔ یہ بھی بعد میں رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے۔ یہ دونوں بڑے ہوشیار چالاک اور ٹیبل ٹاک کے ماہر تھے۔ گفتگو شروع ہوئی۔ نجاشی نے کہا کہ قریش کی طرف سے جو وفد آیا ہے انھوں نے کل مجھے کہا کہ ہمارے کچھ غلام اور مقروض یہاں بھاگ کر آئے ہیں ان کو ہمارے حوالے کرو لہٰذا تم اپنا مدعا بیان کرو اور ان کو جواب دو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک ہمارے بعض ساتھی پہلے غلام تھے مگر اب وہ آزاد ہو چکے ہیں اور بعض نے اگر کسی کا کچھ قرضہ دینا ہے تو وہ کھائیں گے نہیں دے دیں گے اور باقی سارے نہ غلام ہیں نہ مقروض ہیں۔ ہم ان کی برادری کے لوگ ہیں اور ان کی ٹکر کے آدمی ہیں یہ کس حیثیت سے ہمیں لینے کے لیے آئے ہیں ہم تو پہلے ہی ان کے مظالم سے تنگ ہو کر

یہاں آ پھنسے ہیں اس پر عمرو بن العاص نے سمجھا کہ یہ بات تو الٹی پڑگئی ہے۔ تو انھوں نے پینترا بدلا اور کہنے لگے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں ان کو ابن اللہ نہیں مانتے۔ کیوں کہ نجاشی عیسائی تھا مذہبی طور پر اس کے جذبات بھڑکائے۔ نجاشی نے کہا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ آیات پڑھیں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ﴾ نہیں ہے وہ مگر بندہ ہم نے اس پر انعام کیا۔ کہنے لگے دیکھو جی! توہین کر گئے بندہ کہہ گئے۔ نجاشی نے زمین سے تنکا اٹھایا اور اس کا سرا آگے سے پکڑ کر کہا کہ تنکے کے سرے جتنی بھی توہین نہیں کی واقعی عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔

دیکھو! آج بھی بعض جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کو بندہ نہ کہو اس میں ان کی توہین ہے۔ بھئی! بات یہ ہے کہ جب تک بندہ نہ کہیں کسی کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ نماز میں التحیات بھی پڑھنی ہے اور اس میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه بھی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ عبدہ پہلے اور رسولہ بعد میں ہے۔ اگر بندہ کہنے میں توہین ہوتی معاذ اللہ تعالیٰ! تو اللہ تعالیٰ اس کو نماز میں کیوں رکھتا؟

فرمایا نہیں ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام مگر بندہ انعام کیا ہم نے اس پر ﴿وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اور بنایا ہم نے اس کو مثال بنی اسرائیل کے لیے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بھی پیدا کر سکتا ہے۔ فرمایا ﴿وَلَوْ نَشَآءُ﴾ اور اگر ہم چاہیں ﴿لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ﴾ البتہ ہم بنا دیں تمھاری جگہ ﴿مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ﴾ فرشتے زمین میں ﴿یَخْلُفُوْنَ﴾ وہ خلافت کریں۔ ہم قادر ہیں کہ زمین کی خلافت فرشتوں کو دے دیں مگر ہماری طرف سے طے ہے ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ [سورۃ البقرہ: ۳۰] ''خلافت آدم علیہ السلام اور ان کی نسل کے لیے ہے۔'' آدم علیہ السلام سے پہلے دو ہزار سال تک جنات حکمرانی کرتے رہے مگر اب اولاد آدم قیامت تک حکمرانی کرے گی ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ عیسیٰ علیہ السلام ﴿لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ البتہ قیامت کی نشانی ہیں ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ پس ہرگز شک نہ کرو تم قیامت کے بارے میں۔

قیامت کی نشانیاں

قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ دنیا میں فتنے فساد عام ہو جائیں گے، کثرت کے ساتھ قتل ہوں گے، چوری، زنا، ڈاکے، بدمعاشی بڑھتی جائے گی قیامت قریب آ جائے گی۔ آج کوئی یہ کہے کہ آنے والا دن پہلے سے بہتر ہوگا یا آنے والے دنوں میں ہم کوئی خوش خبری سنیں گے حاشا وکلا۔ بلکہ جوں جوں دن گزرتے جائیں گے خرابیاں بڑھتی جائیں گی۔ شراب نوشی کا کثرت سے ہونا، مظالم سے دنیا کا بھرا ہوا ہونا قرب قیامت کی نشانیاں ہیں۔ قیامت کی نشانیوں میں امام مہدی علیہ السلام کا آنا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں ہے لوگ تمام حکمرانوں سے تنگ آ کر دعائیں کریں گے اے پروردگار! ان ظالم حکمرانوں سے ہماری جان چھڑا۔ ہاں! اس سے پہلے بڑی سخت جنگیں ہوں گی اتنی کہ اٹھانوے فیصد لوگ مارے جائیں گے دو فیصد بچیں گے۔ عورتیں ہی عورتیں ہوں گی حتیٰ

یَکُوْنَ لِخَمْسِیْنَ اِمْرَاَۃً الْقَیِّمُ الْوَاحِدُ بخاری شریف کی روایت ہے کہ پچاس پچاس عورتوں کو ایک ایک مرد سنبھالنے والا ہوگا۔ یہ اس کی بیویاں نہیں ہوں گی، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں ہوں گی۔ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا، عیسیٰ نازل ہوں گے، دجال کا خروج ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

تو فرمایا تم قیامت کی نشانیوں میں شک نہ کرو ﴿وَاتَّبِعُوْنِ﴾ اور میری پیروی کرو ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ یہ سیدھا راستہ ہے ﴿وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ اور ہرگز نہ روکے تم کو شیطان ان چیزوں سے ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور جس وقت عیسیٰ علیہ السلام کھلے دلائل لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔ برص والے کے بدن پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ ٹھیک ہو جاتا تھا مادر زاد اندھوں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ بینا ہو جاتے تھے قبر پر کھڑے ہو کر کہتے قُمْ بِاِذْنِ اللهِ۔ وہ زندہ ہو کر باہر آ جاتا تھا۔ چار مردے زندہ ہوئے، مٹی کی چڑیاں بنا کر پھونک مارتے تھے وہ اُڑ جاتی تھیں۔ یہ معجزات قرآن میں ہیں حق اور صحیح ہیں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔

تفسیر فتح البیان میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ترکی اور برطانیہ کا سفیر کسی جگہ کسی مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے تو برطانیہ کے سفیر نے جو عیسائی تھا چوٹ لگائی کہ سنا ہے تمھاری ماں پر لوگوں نے تہمت لگائی ہے۔ اشارہ تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کے الزام کا۔ جن کی صفائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو رکوع نازل کیے اٹھارہ آیتیں نازل فرمائیں۔ تو برطانیہ کے سفیر نے یہ چوٹ کی کہ سنا ہے کہ تمھاری ماں پر تہمت لگی تھی۔ ترکی کا سفیر بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اس نے کہا جی ہاں! ہماری ماں پر تو صرف تہمت لگی تھی اور کہنے والے کہتے ہیں کہ تمھاری ماں تو بچہ بھی ساتھ لے کر آئی تھی ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ [النساء: ۱۵۶] یہودی اب بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام العیاذ باللہ حرامی تھے اور یہی عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے۔

مرزا قادیانی کا دجل

کہتا ہے کہ یہ مولوی بڑے بُرے ہیں کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عزت نہیں کرتا۔ میں ان کی عزت کرتا ہوں ان کی ماں کی عزت کرتا ہوں ان کے باپ یوسف نجار کی عزت کرتا ہوں ان کے چھ بہن بھائیوں کی عزت کرتا ہوں۔ اس ظالم سے کوئی پوچھے کہ ان کا باپ کہاں سے نکل آیا اور چھ بہن بھائی کہاں سے آ گئے۔ یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے اور ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ اپنے عقائد کو درست رکھے۔ جب تک عقائد اور نظریات درست نہیں ہوں گے کچھ بھی قبول نہیں ہوگا۔ تو فرمایا شیطان تمھیں نہ روکے وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

اور جس وقت عیسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیاں لے کر آئے ﴿قَالَ﴾ فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نے ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ﴾ تحقیق میں لایا ہوں تمھارے پاس دانائی کی باتیں ﴿وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ اور تاکہ بیان کروں میں تمھارے سامنے ﴿بَعْضَ الَّذِيْ﴾ بعض وہ چیزیں

﴿تَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ﴾ جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ اُس وقت یہودیوں نے شریعت کو اپنے ہی بدل اور بگاڑ دیا تھا جیسے آج کل کے اہل بدعت نے دین کو بدل اور بگاڑ دیا ہے۔ بدعات کو سنت بنا دیا۔

بدعات اور خرافات

بدعت کے خلاف بات کرو تو ان کے مولوی اور پیر بھڑوں کی طرح پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ یقیناً ان لوگوں نے دین کا نقشہ بگاڑ دیا ہے۔

اعلان ہوا ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو اس سال عرق گلاب کے ساتھ غسل دیا جائے گا۔ پہلے دودھ کے ساتھ دھوتے تھے۔ یہ سب خرافات ہیں۔ ان بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے اس پر تو عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ جن کے ہاتھ پر چالیس ہزار ہندو مسلمان ہوئے۔ ان سے غیر اللہ کی پوجا چھڑا کر انھیں رب تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا۔ چاند، سورج، ستاروں سے ہٹا کر، دریائے جمنا کی پوجا سے ہٹا کر رب تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا۔ اور آج یہ جاہل ان کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ جہالت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یاد رکھنا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام چیزوں کا حکم بتلایا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے جوں جوں قیامت کا وقت قریب آئے گا بدعات کثرت سے ہوں گی ہر سال کوئی نہ کوئی نئی بدعت ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اعلان نبوت فرمایا تو سارے یہودی مخالف ہو گئے کہ یہ ہمارا دین بگاڑنا چاہتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمھارے پاس آیا ہوں تاکہ بیان کروں بعض وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ اَطِیْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو۔ اور یاد رکھو خرق عادت کے طور پر میرے ہاتھ پر جو عجیب وغریب چیزیں ظاہر ہوتی ہیں ان کی وجہ سے میں رب نہیں بن گیا اور نہ ہی میرا رب بننے کا دعویٰ ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ یاد رکھو! ﴿اِنَّ اللّٰہَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ھُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ﴾ وہی میرا رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ یہ معجزات اسی نے مجھے عطا فرمائے ہیں ﴿فَاعْبُدُوْہُ﴾ پس اس کی عبادت کرو ﴿ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ﴾ یہ سیدھا راستہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو یہ سبق دیا لیکن ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ﴾ پس اختلاف کیا گروہوں نے ﴿مِنْ بَیْنِھِمْ﴾ آپس میں۔ ﴿وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ﴾ "عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔" یہودیوں نے کہا حلال زادہ نہیں ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ مشرکوں نے کہا کہ ہمارے الٰہوں کا تو نسب نامہ ہے اس کا نسب نامہ کہاں ہے لا کر دکھاؤ۔

عیسائیوں کے فرقے

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ احزاب سے عیسائیوں کے گروہ مراد ہیں۔ عیسائیوں کے ایک گروہ کا نام نسطوریہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور ایک گروہ کا نام یعقوبیہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام اور رب تعالیٰ کو آپس میں گڈمڈ مانتے ہیں یہ حلولیہ ہیں تیسرے گروہ کا نام ملکائیہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا رکن مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا تین چیزوں کے مجموعہ کا نام

ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک، عیسیٰ علیہ السلام دو اور جبرئیل علیہ السلام تین۔ اور بعض جبرئیل علیہ السلام کی جگہ حضرت مریم علیہا السلام کو تیسرا رکن مانتے ہیں کہ یہ تین مل کر نظام دنیا چلا رہے ہیں۔ تو فرمایا پس اختلاف کیا گروہوں نے آپس میں ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو ظالم ہیں ﴿مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ﴾ دردناک دن کے عذاب سے ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ نہیں انتظار کرتے یہ ﴿اِلَّا السَّاعَةَ﴾ مگر قیامت کا۔

یاد رکھنا! آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے قیامت سامنے ہے، فرشتے بھی سامنے، جنت دوزخ بھی سامنے آجائے گی مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "جو فوت ہو گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔" فرمایا ﴿اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً﴾ یہ کہ قیامت آئے گی ان کے پاس اچانک ان کو پتا بھی نہیں چلے گا ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی ﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ﴾ اَخِلَّا خلیل کی جمع ہے۔ خلیل کا معنیٰ ہے دوست۔ اس دن دوست ﴿بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ بعض بعض کے دشمن ہوں گے ﴿اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ مگر متقیوں کی دوستی برقرار رہے گی۔ نیکوں کی دوستی وہاں بھی کام آئے گی اور رب تعالیٰ کی رحمت کا سبب بنے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کسی کے گناہوں کا پلا بھاری ہو جائے گا تو رب تعالیٰ اس کو دوزخ میں پھینکنے کا حکم دیں گے۔ تو اس کے متقی ساتھی کہیں گے اے پروردگار! یہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا، ہمارے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اس کے گناہ زیادہ ہیں سزا بھگت کر جائے گا۔ یہ کہیں گے اے پروردگار! ہم اس وقت تک جنت میں نہیں جائیں گے جب تک ہمارے ساتھی جنت میں نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ تم دوزخ میں داخل ہو کر ان کو لے آؤ جن جن کو تم پہچانتے ہو۔ دوزخ تمہارے لیے باغ و بہار کی طرح ہوگی۔ یہ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ ہے۔ اسی واسطے جماعت کے ساتھ نماز کی بڑی اہمیت ہے اور اجتماعی زندگی بڑی اونچی چیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اہل علم گناہ گار ساتھی کا بازو پکڑ کر دوزخ سے باہر لے آئے۔ تو فرمایا اس دن دوست بعض بعض کے دشمن ہوں گے مگر متقیوں کی دوستی وہاں بھی برقرار رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متقی بنائے اور ان کی دوستی نصیب فرمائے۔

﴿يٰعِبَادِ﴾ اے میرے بندو! ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ﴾ نہیں خوف تم پر ﴿الْيَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں پر ﴿وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴾ اور تھے فرماں بردار (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ داخل ہو جاؤ جنت میں ﴿اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ﴾ تم اور تمہاری بیویاں ﴿تُحْبَرُوْنَ﴾ تمہاری عزت کی جائے گی ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ﴾ پھیرے جائیں گے ان پر ﴿بِصِحَافٍ﴾ پیالے ﴿مِّنْ ذَهَبٍ﴾ سونے کے ﴿وَّاَكْوَابٍ﴾ گلاس ﴿وَفِيْهَا مَا﴾ اور ان میں وہ چیز ہو گی ﴿تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ﴾ جس کو چاہیں گے نفس ﴿وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ﴾ اور لطف اٹھائیں گی ان سے آنکھیں ﴿وَاَنْتُمْ

﴿فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور تم ان میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے ﴿وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ﴾ اور یہ ہے وہ جنت ﴿اُوْرِثْتُمُوْهَا﴾ جس کا تمھیں وارث بنایا گیا ہے ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ﴿لَكُمْ فِیْهَا﴾ تمھارے لیے اس میں ہوں گے ﴿فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ﴾ پھل بہت زیادہ ﴿مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ جن کو تم کھاؤ گے ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ بے شک مجرم لوگ ﴿فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کے عذاب میں ﴿خٰلِدُوْنَ﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ﴾ نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے ﴿وَ هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ اور وہ اس میں مایوس ہوں گے ﴿وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ﴿وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ لیکن وہ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں ﴿وَ نَادَوْا﴾ اور وہ پکاریں گے ﴿یٰمٰلِكُ﴾ اے مالک علیہ السلام! ﴿لِیَقْضِ عَلَیْنَا﴾ چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر ﴿رَبُّكَ﴾ آپ کا رب ﴿قَالَ﴾ وہ کہے گا ﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ بے شک تم رہنے والے ہو ﴿لَقَدْ جِئْنٰكُمْ﴾ البتہ تحقیق لائے ہیں ہم تمھارے پاس ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ﴾ لیکن اکثریت تمھاری ﴿لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ حق کو پسند نہیں کرتی۔

ربط آیات

اس سے پہلے سبق کے آخر میں تھا کہ قیامت والے دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقیوں کی دوستی وہاں بھی برقرار رہے گی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے انعام کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰعِبَادِ﴾ اے میرے بندو! ﴿لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ﴾ نہیں خوف تم پر آج کے دن تم اپنے امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام میں پہنچ چکے ہو اب آئندہ تمھیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ تم ہمیشہ کے لیے امن و سکون میں رہو گے ﴿وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ تم غمگین ہو گے گزشتہ زندگی پر کیوں کہ کفر و شرک اور معاصی سے پاک گزری ہے لہٰذا تمھیں اس زندگی کے اعمال پر کوئی غم نہیں ہوگا۔ فرمایا یہ بشارت ان لوگوں کے لیے ہے ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر، ہمارے احکامات پر عمل کیا، توحید و رسالت، قیامت اور تقدیر پر ایمان لائے ﴿وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ﴾ اور تھے وہ فرماں بردار اللہ تعالیٰ کے۔ پھر ان سے کہا جائے گا ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ﴾ داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں۔ اہل ایمان کی قدر دانی ہوگی کہ ان کی بیویوں کو بھی جنت میں ساتھ ملا دیا جائے گا۔

سورۃ مومن میں ہے کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے ایمان والوں کے لیے اس طرح دعائیں کرتے ہیں ﴿رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ﴾ ''اے رب ہمارے اور داخل کر ان کو رہنے کے باغوں میں ﴿الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ﴾ جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے ﴿وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ﴾ اور ان کو بھی جو نیک ہوں ان کے آباؤ اجداد میں سے اور ان

کے بیویوں اور اولادوں میں سے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [آیت:۸] ''بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿تُحْبَرُوْنَ﴾ تم سب کی عزت کی جائے گی تمہارا احترام ہوگا۔

جنت کی نعمتیں

آگے اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو جنتیوں کو ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ﴾ پھیرے جائیں گے ان پر سونے کے پیالے اور آب خورے۔ صحاف کا معنیٰ رکابیاں، پیالے اور آکواب کا معنیٰ گلاس یا آبخورے۔ مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کے کھانے کے لیے سونے کے برتن استعمال کیے جائیں گے ﴿وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ﴾ اور اس جنت میں وہ چیز ہوگی جس کو ان کے نفس چاہیں گے ﴿وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ﴾ اور لطف اٹھائیں گی جن سے آنکھیں ﴿وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور تم ان میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے وہاں سے کبھی نکالے نہیں جاؤ گے۔

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال

مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایران کے سفر کے دوران میں کسی مجوسی سے پانی مانگا تو اس نے چاندی کے آب خورے یا گلاس میں پانی دیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پینے سے انکار کر دیا۔ دوبارہ پھر مانگا تو وہ پھر چاندی کے برتن میں پانی لایا۔ کیوں کہ ان کا طریقہ تھا کہ وہ بڑے آدمیوں کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی چیزیں دیتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی کا وہ برتن پھینک دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَا تَشْرَبُوْا فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا فَاِنَّ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ''اے ایمان والو! سونے چاندی کے برتنوں میں مت کھاؤ پیو کیونکہ یہ دنیا میں کافروں کے لیے اور آخرت میں ہمارے لیے ہیں۔'' آخرت میں کافر ان سے محروم رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے ایسا شخص پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈالتا ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال نہ مردوں کے لیے جائز ہے نہ عورتوں کے لیے۔ جنت میں سونے چاندی کے برتن ہوں گے اور جنت میں ہر جنتی کی ہر خواہش پوری کی جائے گی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اونٹوں کو بہت پسند کرتا ہوں کیا مجھے یہ جانور جنت میں میسر ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تمہاری یہ خواہش پوری ہوگی۔ اسی طرح ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کھیتی باڑی کا بڑا شوق ہے کیا یہ شوق جنت میں پورا کر سکوں گا؟ فرمایا جونہی کوئی شخص کاشتکاری کی خواہش کا اظہار کرے گا تو اس کے سامنے فوراً زمین تیار کی جائے گی اس میں بیج ڈالے گا، فصل اُگ کر بڑی ہوگی پھر پک کر تیار ہو جائے گی پھر دیکھتے ہی دیکھتے فصل کاٹ کر اناج کے ڈھیر لگا دیئے جائیں گے اور اس طرح تمہاری خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔

آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا اصل چیز جنت کا داخلہ ہے۔ اگر وہ تمھیں حاصل ہو گیا تو پھر تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ اگر چاہو گے تو یاقوت کے سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہو گے جا سکو گے وہ تمھیں بڑی تیزی سے ساتھ اڑا کر لے جائے گا۔ حتیٰ کہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرلو گے مگر نہ کوئی تھکاوٹ ہوگی نہ کسی حادثے کا خطرہ ہوگا اور تم ان میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے۔

فرمایا ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا ﴾ اور یہی ہے وہ جنت جس کا تمھیں وارث بنایا گیا ہے جو تمھیں وراثت میں دی گئی ہے ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ان اعمال کے بدلے جو تم نے کیے تھے۔ جنت میں داخلے کے لیے بنیادی شرط ایمان ہے لیکن ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی کامیابی کا ذکر فرمایا ہے وہاں ایمان کی شرط لگائی ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۹۴ میں ہے ﴿ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ﴾ ''پس جو شخص نیک عمل کرے گا بشرطیکہ وہ ایمان رکھتا ہو پس ناقدری نہیں ہوگی اس کی کوشش کی۔'' اور سورۃ البینہ پارہ ۳۰ میں ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے اچھے یہ لوگ بہترین مخلوق ہیں ﴿ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا بدلہ ہے رہنے کے باغات ہیں۔''

فرمایا اس جنت میں ﴿ لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ ﴾ تمھارے لیے بہت سے پھل ہوں گے ﴿ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ جن سے تم کھاؤ گے ﴿ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴾ [سورۃ الواقعہ] ''نہ وہ قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے۔'' یہ پھل سدا بہار ہوں گے اور کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جونہی درخت سے پھل توڑا جائے گا اس جگہ فوراً دوسرا پھل لگ جائے گا۔ جب کوئی جنتی کسی پھل کی خواہش کرے گا درخت جھک کر اس کے قریب آجائے گا۔ ماننے والوں کو تو یہ انعامات ملیں گے۔ آگے نافرمانوں کے انجام کا ذکر کیا ہے۔

فرمایا ﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴾ بے شک مجرم لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے دنیا میں کفر، شرک، منافقت اور الحاد کو اختیار کیا۔ ان کے لیے سخت عذاب ہوگا ﴿ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ ﴾ جو ان سے ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا بلکہ روز بروز دن بدن بڑھتا رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا ﴿ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴾ اور وہ اس عذاب میں آس توڑ بیٹھیں گے یعنی مایوس ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سورہ شوریٰ آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿ یَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴾ ''کہیں گے کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت ہے مگر وہ نکل نہیں سکیں گے۔

فرمایا ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ ہم نے تو دنیا میں ان کی طرف پیغمبر بھیجے، کتابیں بھیجیں، مبلغ بھیجے، عقل و شعور دیا، ہدایت کے تمام اسباب مہیا کیے مگر انھوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا لہٰذا ہم نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ لیکن یہ خود ہی ظالم اور بے انصاف تھے۔ انھوں نے اپنے ارادے اور اختیار سے غلط راستہ اختیار کیا اور جہنم میں پہنچ گئے۔ عذاب سے تنگ آکر کیا کریں گے۔

فرمایا﴿ وَ نَادَوْا یٰمٰلِكُ ﴾ اور پکاریں گے دوزخی اے مالک علیہ السلام ۔ دوزخ کے داروغے کا نام مالک ہے، علیہ السلام ۔ پکاریں گے اے مالک علیہ السلام ! ﴿ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ﴾ اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ وہ ہمارا فیصلہ کردے ہمیں موت دے دے تاکہ ہم عذاب سے چھوٹ جائیں لیکن ﴿ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی ﴾ [سورۃ الاعلیٰ] ''نہ مریں گے وہاں اور نہ جئیں گے وہاں۔'' وہاں تو تکلیف ہی تکلیف ہوگی۔ جنتیوں سے درخواست کریں گے ﴿ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''کہ بہادو ہمارے اوپر تھوڑا سا پانی یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھیں روزی دی ہے'' اس میں سے کچھ ہمیں دے دو ﴿ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴾ [الاعراف:۵۰] ''جنتی کہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں حرام کی ہیں کافروں پر۔''

فرمایا داروغہ دوزخ حضرت مالک علیہ السلام کو کہیں گے اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہم پر فیصلہ کردے کہ ہمیں ماردے۔ ﴿ قَالَ ﴾ وہ کہے گا ﴿ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴾ بے شک تم اسی مقام میں رہنے والے ہو تمہاری درخواست قبول نہیں کی جائے گی نہ تم یہاں سے نکل سکو گے اور نہ ہی تمھیں موت آئے گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا ہوگا۔ سورہ فاطر آیت نمبر ۳۷ میں ہے ﴿ وَ هُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ﴾ ''اور وہ دوزخی دوزخ میں چیخیں گے چلائیں گے گدھے کی طرح آوازیں نکالیں گے۔'' کہیں گے ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دے ہم اچھے کام کریں گے سوائے ان کے جو کرتے رہے۔'' ایک ہزار سال تک رب تعالیٰ کی طرف سے جواب ہی نہیں آئے گا۔ ہزار سال کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا ﴿ قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴾ [المومنون:۱۰۸] ''ذلیل ہو کر دوزخ میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام نہ کرو۔''

﴿ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ البتہ تحقیق ہم تمہارے پاس سچا دین لائے ہیں جس میں انسانیت کی فلاح کا پروگرام ہے ﴿ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴾ لیکن اکثریت تمہاری حق کو پسند نہیں کرتی۔ اپنا خود ساختہ دین بنایا ہوا ہے۔ اپنی قوم، برادری اور ملکی رسم و رواج پر چلتے ہیں حق کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب گرفت آئے گی تو ان کی بات بھی کوئی نہیں سنے گا اور انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہوگا۔

﴿ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا ﴾ کیا انھوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات ﴿ فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴾ پس بے شک ہم بھی ٹھہرانے والے ہیں ﴿ اَمْ یَحْسَبُوْنَ ﴾ کیا وہ گمان کرتے ہیں ﴿ اَنَّا لَا نَسْمَعُ ﴾ کہ ہم نہیں سنتے ﴿ سِرَّهُمْ ﴾ ان کی پوشیدہ بات ﴿ وَ نَجْوٰىهُمْ ﴾ اور ان کی سرگوشی کو ﴿ بَلٰی ﴾ کیوں نہیں ﴿ وَ رُسُلُنَا ﴾ اور ہمارے بھیجے ہوئے ﴿ لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴾ ان کے پاس لکھتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ﴾ اگر ہو رحمٰن کے لیے اولاد ﴿ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴾ پس میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوں ﴿ سُبْحٰنَ ﴾ پاک ہے ﴿ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ رب آسمانوں کا اور زمین کا ﴿ رَبِّ الْعَرْشِ ﴾ جو رب ہے عرش کا ﴿ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴾ ان چیزوں سے جو

یہ بیان کرتے ہیں ﴿فَذَرْهُمْ﴾ پس چھوڑ دیں ان کو ﴿یَخُوْضُوْا﴾ گھسے رہیں ﴿وَیَلْعَبُوْا﴾ اور کھیلتے رہیں ﴿حَتّٰی یُلٰقُوْا﴾ یہاں تک کہ ملاقات کریں ﴿یَوْمَهُمُ الَّذِیْ﴾ اپنے اس دن سے ﴿یُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہی ذات ہے ﴿فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ﴾ آسمانوں میں معبود ﴿وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ اور زمین میں الٰہ ﴿وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہ حکمت والا سب کچھ جاننے والا ہے ﴿وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ﴾ اور بڑی برکت والی ہے وہ ذات ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جس کی بادشاہی ہے آسمانوں میں اور زمین میں ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ﴿وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم ﴿وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں مالک وہ ﴿یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ﴾ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿الشَّفَاعَةَ﴾ سفارش کے ﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ مگر وہ جس نے گواہی دی حق کی ﴿وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾ اور وہ جانتے ہیں ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں ﴿مَّنْ خَلَقَهُمْ﴾ کس نے پیدا کیا ہے ان کو ﴿لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ البتہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ﴾ پس یہ کدھر پھرے جاتے ہیں ﴿وَقِیْلِهٖ﴾ اور قسم ہے رسول کی بات کی ﴿یٰرَبِّ﴾ کہ اے پروردگار! ﴿اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ﴾ بے شک یہ لوگ ایسی قوم ہیں ﴿لَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے درگزر کریں ﴿وَقُلْ سَلٰمٌ﴾ اور کہیں سلام ﴿فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ﴾ پس عن قریب یہ جان لیں گے۔

مشرکین کی تردید

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا رد فرمایا ہے۔ دنیا میں کافر، مشرک ہمیشہ دین حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ مکے اور عرب کے کافروں اور مشرکوں نے بھی دین حق کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا ذکر فرمایا ہے ﴿اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا﴾ کیا انھوں نے ایک بات ٹھہرالی ہے، کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو پھر سن لیں ﴿فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ﴾ پس بے شک ہم بھی ٹھہرانے والے ہیں۔ ہم نے بھی پختہ ارادہ کر لیا ہے ان کی ہر تدبیر کو ناکام بنانے کے لیے تل گئے ہیں۔ سورۃ الانفال آیت نمبر ۳۰ میں ہے ﴿وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ﴾ ''اور وہ خفیہ تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی خفیہ تدبیر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔'' اسی کی تدبیر غالب آئے گی۔ چنانچہ کافروں کے سارے منصوبے اللہ تعالیٰ نے ناکام بنائے اور وہ اسلام کا راستہ نہ روک سکے۔ قریش مکہ نے دین اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے پورا زور لگایا۔ جو آدمی مسلمان ہوتا اس پر تشدد کرتے تاکہ وہ اسلام کو چھوڑ دے۔ اس کے رشتہ داروں کو مار

مار کر اس شخص کو اپنے پرانے دین میں واپس آنے پر مجبور کرتے۔ اگر کوئی شخص باہر سے مکہ مکرمہ میں آتا تو اس کو کہتے کہ اس نبی کے پاس نہ بیٹھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے کہ یہ شخص دیوانہ ہے الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے لہٰذا اس کے قریب نہ جانا۔

اعشیٰ شاعر اور ضماد کاہن کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات

اعشیٰ عرب کا مشہور شاعر تھا جو صَناجۃ العرب یعنی عرب کا باجا کہلاتا تھا۔ جونہی کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف کوئی شعر کہہ دیتا تھا تو وہ فوراً مشہور ہو جاتا تھا اور لوگ اس کی بات پر یقین کر لیتے تھے۔ یہ مکہ مکرمہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ابوجہل اور اس کی پارٹی بڑی پریشان ہوئی کہ اگر یہ آدمی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متاثر ہو گیا تو پھر سارا عرب اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے اعشیٰ شاعر کو اناج سے لدے ہوئے سو اونٹ محض اس لیے دیئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہ کرے۔ چنانچہ یہ شخص اناج لے کر واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں اونٹ سے گرا گردن ٹوٹ گئی اور وہیں مر گیا۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کاہن اور دیوانوں کے مشہور معالج تھے۔ ان کو معلوم ہوا مکہ مکرمہ میں ایک نوجوان دیوانہ ہو گیا ہے کیوں کہ مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیوانہ مشہور کر دیا تھا۔ تو یہ از خود علاج کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ قریش مکہ نے ان کو روکا مگر انھوں نے کہا اگر وہ دیوانہ ہے تو میں معالج ہوں اس کا شافی علاج کروں گا۔ چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ جب حضرت ضماد رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے خطبہ پڑھا: اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ۔ خطبہ سنا تو گرویدہ ہو گیا۔ کہنے لگا لوگ غلط کہتے ہیں کہ یہ شخص مجنون ہے اس کی زبان سے تو اللہ تعالیٰ نے وہ کلام جاری کیا ہے جس کا اثر سمندر کی گہرائیوں تک پہنچتا ہے۔ وہ اسی مجلس میں مسلمان ہو گیا۔

تو قریش مکہ نے حق سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ تو فرمایا کیا انھوں نے پختہ بات ٹھہرائی ہے پس بے شک ہم بھی ٹھہرانے والے ہیں پختہ بات۔ کر لیں یہ جتنی تدبیریں کر سکتے ہیں ﴿اَمْ یَحْسَبُوْنَ﴾ کیا یہ گمان کرتے ہیں ﴿اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰىھُمْ﴾ ہم نہیں سنتے ان کی خفیہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو۔ فرمایا ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں ہم ان کے متعلق سب کچھ سنتے اور جانتے ہیں ﴿وَرُسُلُنَا لَدَیْھِمْ یَکْتُبُوْنَ﴾ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی تمام پوشیدہ تدبیروں کو لکھتے ہیں۔ ہمارے کراماً کاتبین ان کی ہر چیز نوٹ کر رہے ہیں قیامت والے دن ان کے سامنے ان کا نامۂ اعمال پیش ہو گا اور آخری فیصلہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ان کافروں اور اہل کتاب کو جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں ﴿اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ﴾ اگر ہو رحمن کی کوئی اولاد ﴿فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ﴾ تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ اِنْ نافیہ ہے اور عابدین کا معنیٰ ہے انکار کرنے والے۔ کیوں کہ یہ مادہ اگر باب نصر ینصر سے آئے تو معنیٰ ہوتا ہے عبادت کرنا اور اگر سَمِعَ سے آئے تو معنیٰ ہوتا ہے انکار کرنا۔ تو معنیٰ ہوگا نہیں ہے رحمان کے لیے اولاد، میں انکار کرنے والوں میں سے ہوں۔

دوسری تفسیر: عَبَدَ کو نَصَرَ سے بنایا جائے تو پھر اِن شرطیہ ہے اور شرط کا خارج میں ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ تو معنیٰ ہو گا آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر رحمان کا ولد ہوتا تو میں سب سے پہلے عبادت کرتا، اس کی تعظیم و تکریم کرتا مگر نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور نہ میں اس کی تعظیم کرنے کے لیے تیار ہوں ﴿سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا رب ﴿رَبِّ الْعَرْشِ﴾ جو عرش عظیم کا بھی رب ہے وہ پاک اور منزہ ہے ﴿عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے عزیر (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور کوئی کہتا ہے عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، کوئی کہتا ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ سب غلط کہتے ہیں ﴿فَتَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ [الاعراف:۱۹۰] ''اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے ان سے جن کو یہ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔'' فرمایا ﴿فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا﴾ پس ان کو چھوڑ دیں گھسے رہیں یہ باطل چیزوں میں۔ شرکیہ اور کفریہ عقائد میں یہ پھنسے رہیں ﴿وَیَلْعَبُوْا﴾ اور کھیل کود میں لگے رہیں ﴿حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ﴾ یہاں تک کہ یہ ملیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، قیامت کا دن۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور اپنے عقیدہ اور عمل کا جواب دیں گے اور انہیں اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اگر آخرت کی سزا سے بچنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائیں، حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور قیامت پر ایمان لائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ اور وہی ذات ہے جو آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی آسمانوں میں معبود ہے اور نہ زمین میں معبود ہے آسمانوں میں فرشتے ہیں، چاند، سورج، ستارے ہیں مگر ان میں کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ زمین میں انسان ہیں، جنات ہیں، چرند، پرند ہیں، شجر حجر ہیں، مگر کوئی بھی ان میں عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ یہ سب مخلوق ہیں۔ عبادت کے لائق صرف خالق ہے وہ وحدہ لاشریک ہے اس کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں ہے ﴿وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ﴾ اور بڑی بابرکت ہے وہ ذات ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جس کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ وہاں بھی بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

﴿وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ وہ کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ کے سوا قیامت کا وقت کوئی

نہیں جانتا۔سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۷ میں ہے ﴿ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ﴾ ''نہیں ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے وقت پر مگر وہی۔''

البتہ قیامت کی بعض نشانیوں کا علم اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بتایا ہے جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔مثلاً: مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا، امام مہدی علیہ السلام کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، آسمانوں سے دجال کا ظاہر ہونا، یاجوج ماجوج کی یورش، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، مشرق و مغرب اور جزیرہ عرب میں زمین کا دھنس جانا وغیرہ۔باقی قیامت کے عین وقوع کا علم کسی کو نہیں ہے۔تو فرمایا اسی کے پاس ہے قیامت کا علم ﴿ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور حساب کتاب ہوگا ﴿ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ ﴾ اور نہیں اختیار ہوگا ان کو جن کو یہ اللہ تعالیٰ سے نیچے پکارتے ہیں سفارش کا۔جن کو مشرک لوگ اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں قیامت والے دن سفارش کر کے چھڑالیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو سفارش کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔سورۃ الزمر آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ ''آپ فرمادیں کہ سفارش تو ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔'' جس کو وہ اجازت دے گا وہ سفارش کرے گا اور اس کے لیے کرے گا جس کے لیے اجازت دے گا۔کافر مشرک کو نہ تو سفارش کا اختیار ہوگا اور نہ مشرک کافر کے لیے سفارش ہوگی۔تو فرمایا اور نہیں مالک وہ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے، سفارش کا ﴿ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ ﴾ مگر وہ جس نے گواہی دی حق کی۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دی کلمہ توحید کو قبول کیا ﴿ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ اور وہ جانتے ہیں کہ کن لوگوں کے حق میں سفارش کی جاسکتی ہے۔کافر مشرک سفارش کا اہل نہیں ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین رحمہم اللہ سفارش کے اہل ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ایسے لوگوں کی سفارش کریں گے جن کا خاتمہ کلمہ توحید پر ہوا ہوگا۔کسی کافر مشرک یا منافق کے حق میں سفارش نہیں کرسکیں گے۔سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۹ میں ہے ﴿ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ ہاں! وہ سفارش کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے اور جس کی بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہوگی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے سلسلہ میں صفت خالقیت کا ذکر فرمایا ہے۔فرمایا ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے ﴿ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔مشرک اس بات کے قائل تھے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔سورہ زمر آیت نمبر ۳۸ پارہ ۲۴ میں ہے ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ ''اگر آپ ان مشرکوں سے پوچھیں کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔'' تو مشرک اللہ تعالیٰ کو زمینوں، آسمانوں، چاند، سورج، ستاروں کا خالق مانتے تھے تو ظالمو! جب خالق، مالک ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے حاجت روا، مشکل کشا دوسرے کس طرح بن گئے؟ عبادت کے لائق دوسرے کس طرح بن گئے؟

فرمایا ﴿ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ تو یہ لوگ کدھر پھرے جاتے ہیں یہ کس اندھیرے میں ٹکریں مار رہے ہیں؟ جب خالق اللہ

تعالیٰ ہے تو نظام چلانے والا بھی وہی، عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے۔

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس شکایت کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کی۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی نے اور خصوصاً آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی ساری عمر تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا اور اس راستے میں ماریں کھائیں، طعنے سنے، ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی تکالیف برداشت کیں لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائی۔ تو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقِيْلِهٖ﴾ اور قسم ہے نبی کی اس بات کی ﴿يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے میں نے پوری کوشش کی ہے۔ میں نے ان کو مختلف طریقوں سے اور مثالوں سے سمجھایا ہے مگر ان پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا یہ ایمان نہیں لاتے۔

سورۃ الفرقان آیت نمبر ۳۰ میں ہے ﴿يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ اللہ تعالیٰ کا رسول قیامت والے دن بارگاہ رب العزت میں شکایت پیش کرے گا کہ اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے قرآن پاک کو پس پشت ڈال دیا تھا ان کو تیرے قرآن کا نظام پسند نہ آیا یہ اپنے لیے اِدھر اُدھر سے قانون حاصل کرتے رہے اب آپ ہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں۔ تو فرمایا قسم ہے رسول ﷺ کی بات کی کہ اے میرے پروردگار! بے شک یہ لوگ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ﷺ ان کفار و مشرکین کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ﴾ پس درگزر کریں ان سے آپ ان کی حرکتوں سے پریشان نہ ہوں ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ [الرعد: ۴۰] ''کیونکہ آپ کے ذمے میرا پیغام پہنچانا ہے اس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو پھر حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔'' ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ [البقرۃ: ۱۱۹] ''اور نہیں سوال کیا جائے گا آپ سے دوزخیوں کے بارے میں'' کہ آپ نے ان کو ہدایت دے کر جنت میں کیوں نہیں پہنچایا؟ کیوں کہ یہ آپ کی ذمہ داری ہی نہیں۔ آپ کے ذمہ ہے ہمارا پیغام کھول کر پہنچا دینا۔

تو فرمایا آپ ان سے درگزر کریں، ان سے تعرض کریں ﴿وَقُلْ سَلٰمٌ﴾ اور ان کو سلام کہہ کر الگ ہو جائیں۔ اسے سلام متارکت کہتے ہیں۔ جب تم کسی طرح نہیں مانتے تو پھر ہم تمہارے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے بلکہ علیحدگی اختیار کر لیں گے تم اپنا کام کرتے رہو اور ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ مگر ایک بات یاد رکھو! ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عن قریب یہ جان لیں گے۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ بعض نتائج تو دنیا میں سامنے آ جائیں گے اور حتمی فیصلہ آخرت میں ہوگا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ مَکِیَّۃٌ

پارہ ⇦ اِلَیۡہِ یُرَدُّ

(۲۵)

آیاتھا ۵۹ ﴿۴۴﴾ سُوْرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۶۱﴾ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿حٰمٓ ۚ وَ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾ قسم ہے کتاب کی جو کھول کر بیان کرنے والی ہے ﴿اِنَّآ﴾ بے شک ہم نے ﴿اَنْزَلْنٰہُ﴾ نازل کیا ہے اس کتاب کو ﴿فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ﴾ برکت والی رات میں ﴿اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ﴾ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں ﴿فِیْھَا﴾ اس رات میں ﴿یُفْرَقُ﴾ جدا کیا جاتا ہے ﴿کُلُّ اَمْرٍ﴾ ہر معاملہ ﴿حَکِیْمٍ﴾ حکمت والا ﴿اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا﴾ معاملہ ہماری طرف سے ﴿اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ﴾ بے شک ہم بھیجنے والے ہیں ﴿رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ﴾ رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے ﴿اِنَّہٗ ھُوَ﴾ بے شک وہی ﴿السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ سننے والا، جاننے والا ہے ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ﴾ رب ہے آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَمَا بَیْنَھُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ﴾ اگر ہو تم یقین کرنے والے ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ﴿یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے ﴿رَبُّکُمْ﴾ وہ تمھارا رب ہے ﴿وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور رب ہے تمھارے پہلے آباؤ اجداد کا ﴿بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ﴾ بلکہ یہ لوگ شک میں ﴿یَّلْعَبُوْنَ﴾ کھیل رہے ہیں ﴿فَارْتَقِبْ﴾ پس آپ انتظار کریں ﴿یَوْمَ﴾ اس دن کا ﴿تَاْتِی السَّمَآءُ﴾ لائے گا آسمان ﴿بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ﴾ دھواں کھلا ﴿یَّغْشَی النَّاسَ﴾ ڈھانپ لے گا لوگوں کو ﴿ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ یہ عذاب ہے دردناک ﴿رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ﴾ (کہیں گے) اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے عذاب کو ﴿اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں ﴿اَنّٰی لَھُمُ الذِّکْرٰی﴾ کیوں کر ہوگا ان کیلئے نصیحت حاصل کرنا ﴿وَقَدْ جَآءَھُمْ﴾ اور تحقیق آچکا ان کے پاس ﴿رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ﴾ رسول کھول کر بیان کرنے والا ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْہُ﴾ پھر روگردانی کی انھوں نے اس سے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ﴿مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ﴾ یہ سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے ﴿اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ﴾ بے شک ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو ﴿قَلِیْلًا﴾ تھوڑی مدت تک ﴿اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ﴾ بے شک تم پھر کفر کی طرف لوٹنے والے ہو۔

تعارف سورت

اس سورت کا نام سورۃ الدخان ہے۔ عربی میں دخان کا معنیٰ ہے دھواں۔ اسی رکوع میں آیت کریمہ آرہی ہے جس میں

دخان کا لفظ موجود ہے۔ دھویں سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل بھی آ رہی ہے۔ دخان کا لفظ چوں کہ موجود ہے اس لیے اس سورت کا نام دخان ہے یعنی وہ سورت جس میں دھویں کا ذکر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اس سے قبل تریسٹھ [۶۳] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس میں تین [۳] رکوع اور انسٹھ [۶۹] آیتیں ہیں۔ ﴿حٰمٓ﴾ کے متعلق بات پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی طرف اشارہ ہے۔ ح سے مراد حمیدٌ ہے اور م سے مراد مجیدٌ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت اور بزرگی سب سے زیادہ ہے ﴿وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ واو قسمیہ ہے۔ معنیٰ ہوگا قسم ہے اس کتاب کی جو کھول کر بیان کرتی ہے۔ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس میں توحید کے مسائل کھول کر بیان کیے گئے ہیں شرک کا کھلے لفظوں میں رد کیا گیا ہے۔ عبادات اور دیگر مسائل کھول کر بیان کیے گئے ہیں۔ بڑی وضاحت کے ساتھ خوب بیان ہوئے ہیں ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ بے شک ہم نے اس کو اتارا ہے برکت والی رات میں۔ برکت والی رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ سورۃ القدر میں ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [پارہ: ۳۰] "بے شک ہم نے اس کو اتارا ہے لیلۃ القدر میں۔" اور لیلۃ القدر رمضان المبارک کے مہینے میں ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [البقرہ: ۱۸۵]۔

آسمان دنیا پر ایک مقام ہے بیت العزت اور بیت العظمت بھی اسے کہتے ہیں۔ تو رمضان المبارک کی آخری راتوں میں لوح محفوظ سے بیت العزت یا بیت العظمت تک سارا قرآن کریم لیلۃ القدر کو نازل کیا گیا۔ پھر بیت العزت اور بیت العظمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر پورے تیئیس (۲۳) سال میں نازل ہوا۔ تقریباً چھیاسی (۸۶) سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور باقی مدینہ طیبہ میں کچھ سفر میں کچھ حضر میں اترا۔ جس رات قرآن کریم نازل ہوا ہے اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اتنی برکت والی رات ہے۔

لیلۃ مبارکہ کی تفسیر :

اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کی تفسیر یہی کرتے ہیں کہ اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس رات سے مراد شب برأت لی ہے جو پندرھویں شعبان کی رات ہے۔ اس کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ مخلوق کے رزق کا فیصلہ فرماتے ہیں کہ اس سال اس کو اتنا رزق ملے گا اس کو اتنا رزق ملے گا۔ اس سال جس جس نے پیدا ہونا ہے ان کی پیدائش لکھی جاتی ہے اور جس نے مرنا ہوتا ہے اس کی موت درج کی جاتی ہے۔ بڑے رجسٹر سے چھوٹے میں۔ یہ بیمار ہوگا، یہ تندرست ہوگا وغیرہ۔ یہ فیصلے پندرھویں شعبان کو ہوتے ہیں۔ تو دونوں تفسیروں کی تطبیق ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے نازل ہونے کا فیصلہ پندرھویں شعبان کو فرمایا اور نازل لیلۃ القدر میں کیا۔ کیوں کہ بعض چیزوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے مگر عمل اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں نافرمانوں کو دنیا کے عذاب سے بھی اور آخرت کے عذاب سے بھی۔ اس کے لیے ہم نے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ﴾ اس رات میں

جدا کیا جاتا ہے بکھیرا جاتا ہے ﴿ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴾ ہر معاملہ حکمت والا ﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے فرشتے اُترتے ہیں لیلۃ القدر کو اور روح بھی۔'' روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اور فرشتوں کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اترتے ہیں۔ جہاں کہیں کوئی عبادت میں مصروف ہوتا ہے اس کو سلام کہتے ہیں۔ آناً فاناً دنیا میں گھوم جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بکھیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور سلامتی اترتی ہے ﴿ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴾ طلوع فجر تک۔

فرمایا ﴿ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ﴾ یہ معاملے ہماری طرف سے ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے ﴿ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴾ بے شک ہم رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہلے پیغمبر گزرے آخر میں تمام پیغمبروں کے امام اور سردار ہم نے بھیجے اور کتاب مبین بھیجی۔ یہ پیغمبروں کو بھیجنا ﴿ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ آپ کے رب کی رحمت ہے۔ رب مجبور نہیں۔ اگر وہ کوئی پیغمبر نہ بھیجتا کوئی کتاب نہ نازل کرتا اس کو کوئی نہیں پوچھ سکتا تھا۔ زمین آسمان اور جو کچھ اس نے بنایا ہے اپنی مرضی اور اختیار سے بنایا ہے اس پر کوئی جبر نہیں تھا ﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ بے شک وہی ہے سننے والا سب باتوں کو قریب کی ہوں یا دور کی، آہستہ ہوں یا اونچی ہوں۔ اور جانتا ہے سب کے حالات اور نیتوں کو ﴿ رَبِّ السَّمٰوٰتِ ﴾ وہ رب ہے آسمانوں کا۔ آسمانوں میں جو مخلوق ہے فرشتے وغیرہ سب کی تربیت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ فرشتوں کے علاوہ بے شمار مخلوق ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے ﴿ وَالْأَرْضِ ﴾ اور زمین کا رب ہے۔ زمین میں جو مخلوق ہے انسان ہیں، جنات ہیں، حیوانات، کیڑے مکوڑے، ان سب کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ سمندر میں بے شمار مخلوق ہے ساری مخلوق کو جاننے والا، پیدا کرنے والا، پالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا اور کوئی پالنے والا نہیں ہے ﴿ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ اور جو کچھ زمین اور آسمان کے درمیان ہے، فضا ہے، خلا ہے، یہ پرندے جو ہمارے سروں پر کافی، کافی دیر تک پر پھیلا کر اڑتے رہتے ہیں، ان کی الگ دنیا ہے۔ ان سب چیزوں کا رب بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ کوئی جان دار چیز ایسی نہیں مگر اس کے رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے ﴿ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ ''نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے والا جانور مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اس کی روزی۔'' ﴿ إِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ﴾ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ جب ہر چیز کا رب وہی ہے تو ﴿ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ﴾ نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق مگر وہی اللہ تعالیٰ۔ اس کے سوا نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریاد رس، نہ دست گیر، نہ کوئی نذر و نیاز کے لائق ہے، نہ کوئی پکارنے کے قابل ہے یہ ساری صفتیں صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں ﴿ يُحْيِي وَيُمِيتُ ﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔

جب ماں کے پیٹ میں بچے کی شکل و صورت بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ اس میں روح ڈال دو۔ اس کے بعد بچہ تقریباً پانچ ماہ تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے پھر دنیا میں آتا ہے۔ یہ دنیا کی زندگی اس کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس پر موت طاری کرتے ہیں پھر موت کے بعد اس کو قبر کی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ قبر کی زندگی بھی زندگی ہے پھر اس کے بعد قیامت والی زندگی ہے۔ قبر والی زندگی کا ہمیں شعور نہیں ہو سکتا۔ اگر تم کسی مردے کو قبر میں دیکھو تو اس میں زندگی والے آثار تمھیں نظر نہیں آئیں گے مگر ہوتا سب کچھ ہے۔ تکلیف بھی ہوتی ہے اور آرام بھی ہوتا ہے، مزے بھی کرتا

ہے اور غمگین بھی ہوتا ہے۔ سزا بھی برداشت کرتا ہے اور رحمتوں سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔ تو زندہ کرنے والا بھی وہی ہے اور مارنے والا بھی وہی ہے ﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ وہ تمھارا بھی رب ہے اور جو تمھارے آباؤ اجداد پہلے گزرے ہیں ان کا بھی رب ہے۔ اگر کوئی آدمی رب کا مفہوم سمجھ لے تو ان شاء اللہ تعالیٰ شرک کے قریب بھی نہیں جائے گا۔ رب کا معنیٰ ہے پالنے والا۔ تو تربیت کے سلسلے میں جتنی چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب رب تعالیٰ کے پاس ہیں۔ مثلاً: جان دار چیز کو مزاج کے موافق غذا کی ضرورت ہے، ہوا کی ضرورت ہے، پانی کی ضرورت ہے، لباس کی ضرورت ہے، رہائش کے لیے مکان کی ضرورت ہے یہ تمام چیزیں رب تعالیٰ کے پاس ہیں۔ یہ ساری ضروریات پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

سورہ فاطر آیت نمبر ۱۵ پارہ ۲۲ میں ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ ''اے انسانو! تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور وہ رب غنی ہے، بے نیاز ہے۔'' کوئی گھڑی ایسی نہیں ہے کہ تم اس میں رب تعالیٰ سے بے نیاز رہ سکو۔ رب تعالیٰ اپنی قدرت کے نمونے دکھاتا رہتا ہے مگر کوئی انسان ہو تو اس سے عبرت حاصل کرے۔ دیکھو! چند دن پہلے کتنی شدید گرمی تھی کہ کئی لوگ اس گرمی کے نذر ہو گئے، لوگوں نے اذانیں دینا شروع کر دیں، دعائیں مانگیں، نماز استسقاء پڑھی کہ پروردگار! ہم پر بارش برسا۔ جب رب تعالیٰ نے بارش برسائی تو پھر دعائیں شروع ہو گئیں کہ اب بارش بند کر دے۔ یہ سب رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

وہی سورج کی کرنیں جن میں تمہاری حیات ہے تیز ہو جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ وہی پانی جو زندگی کا سبب ہے وہی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ انسان ان چیزوں پر غور تو تب کرے کہ انسانیت ہو۔ آج اکثر انسان تو حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ فرمایا ﴿بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ﴾ بلکہ یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں۔ قرآن پاک کے متعلق شک ہے، نبی کریم ﷺ کے متعلق شک ہے، قیامت کے بارے میں شک ہے، حالاں کہ قرآن محکم ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت حق ہے، قیامت حق ہے ان چیزوں میں کسی شک شبے کی گنجائش نہیں ہے ﴿فَارْتَقِبْ﴾ پس آپ انتظار کریں ﴿یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ﴾ اس دن کا جس دن لائے گا آسمان دھواں کھلا، واضح ﴿یَّغْشَى النَّاسَ﴾ ڈھانپ لے گا لوگوں کو ﴿هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ یہ عذاب ہے دردناک۔

آپ ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں مکے والوں پر قحط کا مسلط ہونا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ جب مکہ والوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کیا، توحید کا انکار کیا، قیامت کا انکار کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے بددعا فرمائی کہ اے پروردگار! ان پر ایسے سال مسلط فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مسلط فرمائے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات سال قحط ہوا۔ بخاری شریف کی روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ سال آئے کہ ہر شے جھلس گئی، پانی کے جو تھوڑے بہت چشمے تھے وہ ختم

ہو گئے، جانور مرنے لگے، بندے بھوک میں مبتلا ہوئے، وہ مردار جانور جن کو لوگ پھینک آتے تھے، ان بدبودار جانوروں کو جا کر کھانے لگ جاتے تھے۔ وہ وقت بھی آیا کہ ہڈیاں پیس پیس کر کھاتے تھے، چمڑے کھاتے تھے۔ ابوسفیان آنحضرت ﷺ کے پاس آئے جوان کے نمائندے تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ کہنے لگے اے محمد ﷺ! آپ کی قوم کتنی تکلیف میں ہے دیکھتے نہیں ہو ان کے لیے دعا کرو یہ تکلیف ان سے دور ہو جائے تو پھر ہم آپ کی بات مانیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چچا جان! اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو جاؤ میری رسالت کو مان لو اللہ تعالیٰ عذاب فوراً دور کر دے گا۔ کہنے لگا اس بات کو چھوڑ دو بس دعا کرو ہمارے لیے۔ یہ جو سات سال ان پر قحط کے مسلط ہوئے ان کے سامنے دھواں ہی دھواں ہوتا تھا۔ اٹھتے تھے بھوک کی وجہ سے سامنے دھواں نظر آتا تھا، گر جاتے تھے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس دھوئیں سے یہ دھواں مراد لیتے ہیں۔ جو مکے والوں پر چھایا ہوا تھا اور ان پر مسلط تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ دجال ظاہر ہوگا۔ مہدی علیہ السلام آئیں گے، زمین میں کثرت سے زلزلے آئیں گے، حجاز سے دھواں نکلے گا، کثرت سے سیلاب آئیں گے، خسف بالمشرق، مشرق کا ایک حصہ زمین میں دھنس جائے گا وَ خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، یورپ کے علاقوں میں سے ایک حصہ زمین میں دھنس جائے گا، وَخَسْف بِجَزِيْرَةِ الْعَرَب اور عرب کے جزیرے میں بھی ایک علاقہ زمین میں دھنس جائے گا۔

اپنا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ جہاں اس وقت امریکہ کی فوجیں عرب میں بیٹھی ہیں اور بدمعاشی کا اڈا بنا ہوا ہے ممکن ہے یہی زمین دھنسا دی جائے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس دھوئیں سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو آسمان کی طرف سے آئے گا اور سب کو وہ دھواں نظر آئے گا۔ ان تفسیروں کا آپس میں کوئی تعارض نہیں۔ پہلا دھواں بھی واقع ہوا اور اگلا بھی واقع ہوگا۔

تو فرمایا کہ انتظار کریں اس دن کا جس دن لائے گا آسمان دھواں واضح جو چھا جائے گا لوگوں پر۔ وہ دردناک عذاب ہے اس وقت لوگ دعائیں کریں گے ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ﴾ اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے عذاب ﴿إِنَّا مُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں ﴿أَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى﴾ کیوں کر ہوگا ان کے لیے نصیحت حاصل کرنا ﴿وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور تحقیق آ چکا ان کے پاس رسول کھول کر بیان کرنے والا ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ پھر انھوں نے اعراض کیا اس رسول سے، نہ مانا ﴿وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ﴾ اور کہنے لگے یہ معلم ہے لوگ اس کو سکھاتے ہیں۔

چودھویں پارے میں ہے ﴿يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ کہ اس کو ایک انسان سکھاتا ہے، تعلیم دیتا ہے۔ ایک غلام تھا رومی جس کا نام جبر تھا اور بعض نے عائش اور بعض نے یسار لکھا ہے۔ اس بے چارے کا کوئی وارث نہیں تھا۔ جب وہ بیمار ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ اس کی تیمارداری کرتے تھے، اپنی توفیق کے مطابق کھانا وغیرہ دیتے تھے۔ تو مکے والوں نے یہ الزام لگا دیا کہ یہ عیش نامی غلام اس کو تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چودھویں پارے میں اس کا رد فرمایا کہ ﴿لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا

لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ [النحل: ۱۰۲] جس کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ وہ اس کا استاد ہے وہ بے چارہ تو عربی ہی نہیں جانتا اس کی زبان تو عجمی ہے، رومی ہے۔ ٹوٹے پھوٹے عربی کے جملے بولتا تھا۔ اور یہ قرآن تو فصیح و بلیغ عربی میں ہے۔ یہ عجمی اس کو کیسے سکھا سکتا ہے۔ الزام کی کچھ نہ کچھ مناسبت تو ہونی چاہیے۔ مگر شوشے چھوڑنے والے شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔

تو کہنے لگے مُعلَّم ہے، سکھایا ہوا ہے ﴿مَجْنُوْنٌ﴾ دیوانہ ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے دیوانہ بھی کہا، شاعر اور ساحر بھی کہا، مسحور بھی کہا، کذاب بھی کہا، بہت کچھ کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کیا۔ فرمایا ﴿اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا﴾ بے شک ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت تک، دور کرنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت تک۔ یہ عذاب تو دور ہو جائے گا مگر کوئی اور عذاب نازل ہو جائے گا، عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے ﴿اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾ بے شک تم اے مشرکو! کفر، شرک کی طرف لوٹنے والے ہو۔ تم اتنے ضدی ہو کہ کفر و شرک کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں عذاب دینا ہے تم اپنا کام کرو رب اپنا کام کرے گا۔

﴿يَوْمَ نَبْطِشُ﴾ جس دن ہم پکڑیں گے ﴿الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ پکڑ بڑی ﴿اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں ﴿وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے ﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی قوم کو ﴿وَجَآءَهُمْ﴾ اور آیا ان کے پاس ﴿رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ﴾ رسول عزت والا ﴿اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ﴾ یہ کہ حوالے کرو میرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ﴿اِنِّيْ لَكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ رسول ہوں امانت دار ﴿وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ اور یہ کہ نہ سرکشی کرو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ﴿اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ﴾ بے شک میں لایا ہوں تمھارے پاس ﴿بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی دلیل ﴿وَ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ﴾ اور بے شک میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب کی ﴿وَ رَبِّكُمْ﴾ اور تمھارے رب کی ﴿اَنْ تَرْجُمُوْنِ﴾ کہ تم مجھے سنگسار کرو ﴿وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے ﴿فَاعْتَزِلُوْنِ﴾ پس مجھ سے الگ رہو ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ﴾ پس پکارا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو ﴿اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ﴾ بے شک یہ قوم ﴿مُّجْرِمُوْنَ﴾ مجرم ہیں ﴿فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا﴾ پس لے کر چلیں میرے بندوں کو رات کو ﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ بے شک تمھارا پیچھا کیا جائے گا ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ﴾ اور چھوڑ دے سمندر کو ﴿رَهْوًا﴾ رکا ہوا ﴿اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک وہ ایک لشکر ہے جو غرق کیا جائے گا ﴿كَمْ تَرَكُوْا﴾ کتنے چھوڑے انھوں نے ﴿مِنْ جَنّٰتٍ﴾ باغات ﴿وَّ عُيُوْنٍ﴾ اور چشمے ﴿وَّ زُرُوْعٍ﴾ اور کھیتیاں ﴿وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ اور عمدہ مقام ﴿وَّ نَعْمَةٍ﴾ اور خوشی کی چیزیں ﴿كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ جن میں وہ آسودہ حال تھے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ہوا ﴿وَ اَوْرَثْنٰهَا﴾ اور

ہم نے وارث بنا دیا ان چیزوں کا ﴿قَوْمًا اٰخَرِیْنَ﴾ دوسری قوم کو ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ﴾ پس نہ رویا ان پر آسمان ﴿وَالْاَرْضُ﴾ اور زمین ﴿وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ اور نہ ہوئے وہ مہلت دیئے ہوؤں میں سے۔

ربط آیات

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ مکے والوں پر نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سات سال قحط مسلط کیا لیکن انھوں نے کوئی بات تسلیم نہ کی۔ جہاں ان کا پارہ تھا وہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اور دھمکی دی اور فرمایا اس دن کا انتظار کرو ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ ﴿اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔

اَلْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى کی تفسیر

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ﴿اَلْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ کی تفسیر بدر کا واقعہ ہے۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا، سترہ رمضان المبارک جمعہ کا دن تھا، کافر مشرک ایک ہزار کی تعداد میں بڑی ٹھاٹ باٹ کے ساتھ اچھلتے کودتے ہوئے، نعرے مارتے، شادیانے بجاتے ہوئے آئے کہ آج مسلمانوں کا صفایا کر دینا ہے، گانے والی عورتیں ساتھ لائے کہ ہماری کامیابی کے گیت گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ان کو بری طرح شکست ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ آنحضرت ﷺ قیادت فرما رہے تھے، آٹھ تلواروں کا ایک ہزار تلوار کے ساتھ مقابلہ تھا۔ تین سو تیرہ کے مقابلے میں ایک ہزار آدمی تھے۔ عالم اسباب میں کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا مگر رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اس دن کا انتظار کرو جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ۔ بڑے بڑے ستر کافر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے باقیوں کو بھاگنے کا رستہ نہ ملا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط مسلط کیا، انھوں نے نہ مانا۔ بدر میں ان کو بڑی بری شکست ہوئی مگر نہ مانا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو پریشان نہ ہوں ایسے منکر اور سرکش پہلے بھی گزرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے فرعون کی قوم کو ﴿وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ﴾ اور آیا ان کے پاس رسول بڑی عزت والا حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ عقائد کی کتابوں میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور تیسرا درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ تو تمام مخلوق میں تیسرے درجے والا پیغمبر ہم نے ان کی طرف بھیجا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ سخت سے سخت کام کی بیگار ان سے لیتا تھا، پیسے نہیں دیتا تھا اور یہی کام اس کے کارندوں کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں دو مطالبے رکھے۔ ایک فرمایا ﴿يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الاعراف: ۱۰۴] ''اے فرعون بے شک میں بھیجا ہوا ہوں رب العالمین کی طرف سے۔'' اور میرے ساتھ میرا بھائی ہارون بھی ہے ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ [طٰہٰ: ۴۷] ''بے شک ہم

بھیجے ہوئے ہیں آپ کے رب کی طرف سے۔'' اس میں توحید کی دعوت بھی ہوگئی اور رسالت کی دعوت بھی آ گئی۔

دوسرا مطالبہ تھا کہ تو بنی اسرائیل کو آزاد کر دے میں ان کو ارض مقدس شام لے جانا چاہتا ہوں۔ ان کو میرے حوالے کر و تاکہ یہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ ساتھ غلام قوم کی آزادی کا مطالبہ بھی کیا۔

فرمایا ﴿ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ﴾ یہ کہ حوالے کر و میرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ﴿ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴾ بے شک میں تمہارے لیے رسول ہوں امانت دار۔ جو رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہی پہنچا تا ہوں اپنی طرف سے کمی بیشی نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ کی دوسری تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ ﴿ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ﴾ اے اللہ کے بندو! جو میں تم سے کہتا ہوں اس کو ادا کرو۔ میں تمھیں رب تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی کا حکم دیتا ہوں کہ توحید مان لو، رسالت قبول کر لو، قیامت کو حق مانو اور جو تمہارے ذمے عبادات ہیں ان کو قبول کرو۔ میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے امانت داری کے ساتھ پہنچا تا ہوں۔ اور اے فرعونیو! ﴿ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور یہ کہ سرکشی نہ کر و اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں۔ یعنی نافرمانی نہ کرو ﴿ اِنِّیْٓ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴾ بے شک میں لایا ہوں تمہارے پاس کھلی دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں عطا فرمائی تھیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے ان میں سے ایک لاٹھی کا سانپ بن جانا، گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے تو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ یہ نشانیاں دیکھنے کے باوجود فرعون، ہامان نے اور ان کی فوج نے موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اپنی اس تبلیغ سے باز آ جاؤ ورنہ ہم تمھیں پتھروں سے سنگسار کریں گے۔

اس دھمکی کا جواب دیتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ﴾ اور بے شک میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب کی اور تمھارے رب کی ﴿ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴾ اس بات کی کہ تم مجھے رجم کرو۔ رجم کا معنیٰ ہوتا ہے کہ پتھر مار مار کے ختم کر دینا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حکم ہے کہ شادی شدہ مرد اور عورت بدکاری کریں اور شرعی ثبوت ہو جائے کہ چار شرعی گواہ ہوں یا وہ خود اقرار کریں تو ان کی سزا رجم ہے کہ میدان میں کھڑا کر کے سارے لوگ ان کو پتھر مار مار کے ختم کر دیں۔ تو فرمایا میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب کی مدد کے ساتھ اور تمہارے رب کی مدد کے ساتھ۔ اس بات سے کہ تم مجھے رجم کرو ﴿ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ ﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے ﴿ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴾ تو مجھ سے کنارہ کشی کرو، الگ ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے ساتھ لڑائی جھگڑا تو کرنا نہیں۔ میں نے بات تم کو سمجھا دی ہے اگر یہ بات تمھیں ہضم نہیں ہوتی تو الگ رہو یہ دھمکیاں دینے کا کیا معنیٰ ہے کہ ہم تمھیں رجم کر دیں گے۔ جب فرعون کے ظلم کی حد ہو گئی ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗٓ ﴾ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اپنے رب سے دعا کی ﴿ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴾ بے شک یہ قوم مجرم ہے۔ میں نے ان کو حق کی بات کہی ان کو نشانیاں بھی دکھائیں جو آپ نے میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائیں مگر یہ کوئی بات ماننے کے قریب نہیں آئے۔ الٹا زیادتیاں کیں، ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا ﴿ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا ﴾ پس لے جاؤ میرے بندوں کو رات کو ﴿ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴾ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ حکم یہ ہوا کہ ان کو یہ پروگرام بتا دو کہ تمھیں یہاں سے ہجرت کرنا ہے۔ ارض مقدس شام کے علاقے میں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خفیہ طور پر سارا پروگرام

اپنی قوم کو بتادیا کہ فلاں رات کوہمیں یہاں سے چلے جانا ہے اپنا ضروری سامان تیار کرلو باقی تمہارا انتظام رب تعالیٰ خود کریں گے۔

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا

مصر بڑا آباد علاقہ تھا چنانچہ لوگ جب مصر سے چلے ہزاروں کی تعداد میں مرد عورتیں تھیں، بچے بھی ساتھ تھے۔ رات کے پرسکون وقت میں ایک بچہ آواز نکالے تو شور مچ جاتا ہے۔ پھر عورتیں تو ایسی مخلوق ہیں کہ ان کو سو بار بھی چپ رہنے کا کہو تو یہ چپ نہیں رہ سکتیں وہ غیر اختیاری طور پر بولتی رہتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو ایسا سلایا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل تو سارے غائب ہو گئے ہیں۔ فرعون کو اطلاع دی اس نے فوراً ایمرجنسی نافذ کر دی اور فوج لے کر تعاقب کے لیے چل پڑا۔ اپنے وزیر اعظم ہامان کو کہا تم فوج کے آگے رہو اور جو عوام ساتھ آئے ہیں فوجی تعاون کے لیے وہ فوج کے پیچھے رہیں اور میں تمہارے پیچھے ہوں گا۔ یہ ہوتے کون ہیں مصر سے جانے والے ان کا یہاں سے جانا ہمارے لیے نقصان دہ ہے۔ مفت کے مزدور ہمارے ہاتھوں سے نکل کے جارہے ہیں اور بدنامی علیحدہ ہے موسیٰ علیہ السلام بحر قلزم پر پہنچے تو رب تعالیٰ کا حکم ہوا کہ پانی پر لاٹھی مارو راستے بن جائیں گے تم بحر قلزم کو پار کر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پانی کے بلاک بن گئے۔ اس طرف کا پانی ادھر کھڑا ہو گیا اور اُس طرف کا اُدھر کھڑا ہو گیا درمیان میں راستے بن گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام ساتھیوں کو لے کر بحرِ قلزم عبور کر گئے ایک بچہ بھی پیچھے نہ رہا۔ فرعونی جب بحر قلزم میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریائے قلزم کو حکم دیا کہ چل پڑو۔ فرعونی سارے کے سارے غرق ہو کر جہنم رسید ہوئے کسی کو یہ بھی علم نہ ہوا کہ کہاں گئے ہیں۔

فرعون نے بڑی واویلا کی۔ کہنے لگا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ﴾ ''میں ایمان لاتا ہوں کہ بے شک کوئی الٰہ نہیں ہے سوائے اس کے جس پر ایمان لائے ہیں بنی اسرائیل۔'' میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا [یونس: ۹۰،۹۱] ﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ ''اب تم یہ کہتے ہو اور تحقیق تم نافرمانی کرتے تھے اس سے پہلے اور تھے تم فسادیوں میں سے۔'' ساری زندگی تیری نافرمانی میں گزری ہے ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً﴾ [سورۃ یونس: ۹۲] ''پس آج کے دن ہم بچالیں گے تیرے جسم کو تاکہ ہو جائے وہ ان لوگوں کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی۔'' آج تیرے بدن کو کنارے پر پھینکیں گے تاکہ پچھلوں کے لیے نشانی ہو جائے، عبرت ہو جائے کہ یہ تھا خدائی کا دعوے دار اور انجام یہ ہوا۔

چنانچہ پانی میں ڈوب کر مر گیا۔ پانی اندر جانے کے بعد وہ مشکیزے کی طرح ہو گیا پھر رب تعالیٰ نے اس کے بدن کو کنارے پر پھینک دیا۔ اب تک اس کی نعش مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ کسی کسی وقت اس کا فوٹو اخبار میں آ جاتا ہے آدمی دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے کہ یہ وہ خبیث ہے جو کہتا تھا انا ربکم الاعلیٰ جس نے موسیٰ علیہ السلام کو مصیبت میں ڈالا ہوا تھا۔ یہ تھا جس نے بنی اسرائیل کے بارہ ہزار بچے قتل کیے تھے اور ان کے مکان گرائے تھے۔

فرمایا ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا﴾ اور چھوڑ دے سمندر کو رکا ہوا ﴿اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک وہ لشکر ہے جو غرق کیا جائے گا۔ فرمایا ﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ﴾ کتنے ہی چھوڑے انھوں نے باغات ﴿وَّعُيُوْنٍ﴾ اور چشمے ﴿وَّزُرُوْعٍ﴾ اور کھیتیاں چھوڑیں ﴿وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ اور عمدہ مقام۔ کوٹھیاں اور بڑی بڑی بلڈنگیں چھوڑیں جن میں قالین بچھے ہوئے تھے اور بڑے آسائش کے سامان تھے وہ سب چھوڑ گئے ﴿وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ اور خوشی کی چیزیں اور نعمتیں جن میں وہ آسودہ حال تھے۔ وہ سب چیزیں پیچھے رہ گئیں اور وہ سیدھے جہنم میں پہنچ گئے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ہوا کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو بحرِ قلزم میں غرق کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی ﴿وَاَوْرَثْنٰهَا﴾ اور ہم نے وارث بنایا ان چیزوں کا ﴿قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری قوم کو۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ دوسری قوم سے مراد کون ہیں؟

بنی اسرائیل وادی تیہ میں :

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے مفسر ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی وادی تیہہ میں پہنچے جس کو آج کل کے جغرافیے میں وادی سینائی کہتے ہیں جو چھتیس (۳۶) میل لمبی اور چوبیس (۲۴) میل چوڑی ہے۔ ۱۹۶۷ء میں اس پر یہود نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اب کچھ حصہ مصر کو دے دیا ہے اور وہ حصہ جو فوجی اہمیت کا حامل ہے اور جہاں تیل کے چشمے ہیں وہ سب یہودیوں کے پاس ہے۔ حالانکہ جغرافیے کے لحاظ سے یہ مصر کا حصہ ہے۔ وادی سینائی سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ جیسے ہمارے ہاں مری ہے۔ تو علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ بنی اسرائیل جب وادی تیہہ میں پہنچے اور ان کو یقین ہو گیا کہ فرعون تباہ ہو گیا ہے اور اس کی فوجیں بھی تباہ ہو گئی ہیں تو کچھ لوگ ان میں سے واپس مصر چلے گئے۔ اور سورۃ الشعراء آیت نمبر ۵۹ پارہ نمبر ۱۹ میں آتا ہے ﴿وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ "اور ہم نے وارث بنایا بنی اسرائیل کو۔" کچھ واپس چلے گئے اور باقی وہیں رہے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ فوری طور پر بنی اسرائیل وارث نہیں بنے کچھ عرصہ کے بعد بنے۔ فوری طور پر فرعون کے تباہ ہونے کے بعد وہاں کے دوسرے لوگوں نے قبضہ کر لیا۔ بعد میں یہ زمین اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دے دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ پس نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین فرعونیوں کے تباہ ہونے پر۔

زمین و آسمان کا رونا :

اس مقام پر مفسرین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت کوئی مومن فوت ہوتا ہے تو اس پر آسمان اور زمین روتی ہے۔ زمین کے رونے کی وجہ وہ جگہ ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا، اُٹھتا، بیٹھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا بندہ جب فوت ہو جاتا ہے تو آسمان کے دو دروازے بھی روتے ہیں۔ ایک وہ دروازہ جس سے اس کے نیک اعمال اوپر جاتے ہیں۔ اب وہ بند ہو گیا۔ اور دوسرا وہ کہ جس سے اس پر رب کی رحمتیں اور رزق نازل ہوتا تھا۔ تو مومن جب

فوت ہوتا ہے زمین بھی روتی ہے، آسمان بھی روتا ہے۔ اور فرعونیوں کے مرنے پر نہ زمین روئی اور نہ آسمان رویا بلکہ آنحضرت ﷺ نے ایک جنازہ دیکھ کر فرمایا: مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِّنْهُ ''یہ آرام پانے والا ہے یا اس سے آرام حاصل ہو گیا ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! اس کا کیا معنیٰ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ مومن ہے تو دنیا کی مصیبتوں سے اس کی جان چھوٹ گئی جنت کی خوشیوں اور نعمتوں میں چلا گیا تو یہ راحت پانے والا ہے اور اگر یہ برا ہے تو يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَ الْبَلَدُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ ''تو اس سے بندوں نے راحت حاصل کر لی، سڑکوں اور دیواروں نے راحت حاصل کر لی، حیوانوں اور درختوں نے راحت حاصل کر لی۔'' یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

تو برے آدمی کا مرنا دوسروں کے لیے راحت ہے۔ تو زمین اور آسمان ان پر کیوں روئے گا؟ تو فرمایا نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین روئی ﴿وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ اور نہ ہوئے وہ مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے کہ جب رب تعالیٰ کا عذاب اور گرفت آئی تو ان کو مہلت نہ ملی فوراً اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اگر یہ مکے والے باز نہیں آتے تو انتظار کریں ان کا بھی وہی حشر ہو گا کہ دنیا میں بھی تباہی اور آخرت میں بھی تباہی۔

﴿وَ لَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو ﴿مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ ایسے عذاب سے جو توہین کرتا تھا ﴿مِنْ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف سے ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا﴾ بے شک وہ فرعون سرکش تھا ﴿مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ حد سے گزرنے والا ﴿وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے چنا بنی اسرائیل کو ﴿عَلٰى عِلْمٍ﴾ علم کی بنیاد پر ﴿عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ جہان والوں پر ﴿وَ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ اور دی ہم نے ان کو ﴿مِّنَ الْاٰيٰتِ﴾ نشانیاں ﴿مَا فِيْهِ﴾ جن میں ﴿بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ﴾ انعام اور احسان تھا کھلا ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ مکے والے ﴿لَيَقُوْلُوْنَ﴾ البتہ کہتے ہیں ﴿اِنْ هِيَ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى﴾ مگر ہماری پہلی ہی موت ﴿وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ﴾ اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے ﴿فَاْتُوْا﴾ پس لے آؤ تم ﴿بِاٰبَآىِٕنَآ﴾ ہمارے باپ دادوں کو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿اَهُمْ خَيْرٌ﴾ کیا یہ بہتر ہیں ﴿اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ﴾ یا تبع کی قوم ﴿وَّ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور وہ جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو ہلاک کیا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ بے شک وہ مجرم تھے ﴿وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو ﴿وَ الْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿وَ مَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿لٰعِبِيْنَ﴾ کھیلتے ہوئے ﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ﴾ نہیں پیدا کیا ہم نے ان کو ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ﴾ بے شک فیصلے کا دن

﴿مِيْقَاتُهُمْ﴾ ان کا مقرر وقت ہے ﴿أَجْمَعِيْنَ﴾ سب کا ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى﴾ اس دن نہیں کفایت کرے گا کوئی دوست ﴿عَنْ مَّوْلًى﴾ کسی دوست سے ﴿شَيْـًٔا﴾ کچھ بھی ﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ﴾ مگر وہ جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ﴿إِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک وہ غالب ہے مہربان ہے۔

تذکرۂ بنی اسرائیل

موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور فرعون کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ ان آیات میں بھی ان کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَلَقَدْ نَجَّيْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی ﴿بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ﴾ بنی اسرائیل کو ﴿مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ ایسے عذاب سے جو ان کو اذیت پہنچاتا تھا۔ وہ کہاں سے ہوتا تھا؟ ﴿مِنْ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف سے ہوتا تھا۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی کہ فرعون اور فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے بحر قلزم میں غرق کیا اور بنی اسرائیلیوں کو نجات دے کر وادی تیہ میں پہنچایا اور فرعون کے ظلم سے نجات دی ﴿إِنَّهٗ﴾ بے شک وہ فرعون ﴿كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ سرکش تھا حد سے بڑھنے والا تھا۔ ان لوگوں میں سے تھا جو عدل وانصاف کی حدود پھلانگنے والے تھے۔ فرعون بڑا ظالم تھا اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ اپنے اقتدار کی خاطر بارہ ہزار بچے قتل کروائے تاکہ اس کے اقتدار پر کوئی زد نہ پڑے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا دشمن اس کے گھر میں پالا اور اپنی قدرت بتلائی کہ تم کون ہوتے ہو ہمارے فیصلوں کو ٹالنے والے ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

فرمایا ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے چنا، انتخاب کیا بنی اسرائیل کا ﴿عَلٰى عِلْمٍ﴾ علم کی بنیاد پر ﴿عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ جہان والوں پر۔ اپنے زمانے میں بنی اسرائیل ساری قوموں سے اونچی قوم تھی۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے چار ہزار پیغمبر بھیجے، تین مشہور کتابیں ان پیغمبروں پر نازل ہوئیں۔ تورات موسیٰ علیہ السلام پر، زبور داؤد علیہ السلام پر، انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر۔ فرمایا ہم نے ان کا انتخاب کیا علم کی بنیاد پر جہان والوں پر ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ﴾ اور ہم نے دیں ان کو نشانیاں ﴿مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ﴾ جن میں انعام اور احسان تھا کھلا۔ یہ لوگ جب وادی تیہ میں پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جہاد کا حکم دیا۔ کہنے لگے ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ [مائدہ: ۲۴] ''پس آپ جائیں اور آپ کا رب جائے اور جا کر لڑو بے شک ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس چالیس سال کے لیے ان پر حرام کر دی۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ وادی تیہ بڑا کھلا میدان تھا جہاں کوئی درخت بھی نہیں تھا کہ چند آدمی اس کے سائے میں بیٹھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بادلوں کے ذریعے سائے کا انتظام کیا۔ جب سورج چڑھتا بادل آ جاتے سورج کے غروب ہونے تک گہرے بادلوں کے سائے رہتے۔ اور ان کے کھانے کے لیے من وسلویٰ کا انتظام فرمایا۔ پکی پکائی کھیر اور بھنے ہوئے بٹیر ان کو مل جاتے تھے مگر ان لوگوں نے کہا ﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ [البقرہ: ۶۱] ''ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر۔'' ہم کو تو لہسن، پیاز چاہئیں، گندم اور دال چاول چاہئیں۔ پانی کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا پتھر پر لاٹھی مارو۔ وہاں ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا اس سے بارہ

چشمے جاری ہو گئے۔ اس کے علاوہ بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائیں۔ تو دیں ہم نے ان کو نعمتیں جن میں انعام واحسان اور آزمائش تھی کھلی۔ یہ واقعات بیان فرما کر پھر اللہ تعالیٰ مکے والوں کو متوجہ کرتے ہیں۔

فرمایا ﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ بے شک یہ مکے والے ﴿ لَيَقُوْلُوْنَ ﴾ البتہ کہتے ہیں ﴿ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى ﴾ نہیں ہے یہ مگر ہماری پہلی موت جو ہم مرتے ہیں اس موت کے بعد ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴾ اور دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ بس مر گئے، ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں، چورا چورا ہو گئیں، دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ قیامت ہے ہی نہیں۔ تم کہتے ہو دوبارہ اٹھنا ہے تو پھر اس طرح کرو ﴿ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ ﴾ پس لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو۔ یہ ہمارے آباؤ اجداد کی قبریں ہیں ان کو اٹھا کر ہمیں دکھا دو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر ہو تم سچے کہ مرے ہوئے دوبارہ اٹھتے ہیں تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ واقعی مردے دوبارہ زندہ ہوا کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا وقت مقرر کیا ہوا ہے کسی کی فرمائش سے تو اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں بدلتا۔

قوم تبع :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ﴾ کیا یہ بہتر ہیں مکے والے یا تبع کی قوم بہتر ہے۔ تبع کا لفظ دو مرتبہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ ایک یہ اور دوسرا سورت ق میں۔ یہ کون بزرگ تھے؟ مستدرک حاکم میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا اَدْرِیْ اَتُبَّعٌ نَبِيٌّ اَمْ لَا ''میں نہیں جانتا تبع نبی تھے یا نہیں تھے۔'' قوم کی اضافت نبی کی طرف ہوتی ہے۔ قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح۔ یہاں پر قوم کی اضافت تبع کی طرف ہوئی ہے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یمن کے علاقہ میں ایک قبیلہ تھا حمیر۔ اس قبیلے کا ایک آدمی تھا اسعد بن مُلیک۔ یہ آدمی پہلے آگ کی پوجا کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت دی آگ کی پوجا سے توبہ کر کے خداوند عزیز کی توحید کا قائل ہو گیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے دو لڑکے دیئے۔ ایک کا نام کریب اور دوسرے کا نام کرب تھا۔ تفسیروں میں اس کی کنیت ابو کرب بھی آتی ہے اور ابو کریب بھی آتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نو سو سال پہلے گزرا ہے۔ بڑا نیک اور پرہیزگار آدمی تھا اَوَّلُ مَنْ كَسَى الْكَعْبَةَ ''یہ پہلا شخص ہے جس نے کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھایا تھا۔'' قوم کو بڑا سمجھایا مگر قوم نے اس کی اطاعت نہیں کی۔ اس کے لمبے چوڑے قصیدے بھی آتے ہیں۔ پہلی کتابوں کا علم بھی رکھتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا بھی اس کو علم تھا۔

اس کے ایک قصیدے کے ایک شعر کا یہ ترجمہ ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب کے سچے رسول ہیں۔ اگر میری عمر ان کی عمر تک لمبی کر دی جائے تو میں ان کی خدمت کروں گا:

شهدت على احمد انه رَسُوْلُ بارمن الناس
فَلَوْ مُدَّتْ عَلٰى عمری اِلٰى عمره لَكُنْتُ وزيرًا له وَزنًا

اس کا ایک خط عقیدت بھرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہے۔ اس پیارے خط کے الفاظ بھی تم سن لو۔ یہ خط نقل در نقل ہوتے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان کے پاس تھا۔ بالآخر یہ خط ان کے پاس پہنچا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نام خالد بن زید تھا۔ ان کے ایمان لانے کا سبب بھی یہی خط تھا تبع کا جس کا نام اسعد بن ملیک تھا۔ وہ لکھتا ہے:

''حقیر اور ناقص بندے کی طرف سے اِلٰی محمد بن عبد الله نَبِیِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو عبداللہ کے بیٹے نبی ہیں وَرَسُوْلِه اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں خاتم النّبیّین خاتم النبیین ہیں وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رب العالمین کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔''

یہ اوپر عنوان تھا۔ خط کا مضمون کیا ہے؟ سنیے:

''اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اٰمَنْتُ بِكَ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ پر ایمان لا چکا ہوں وَبِكِتَابِكَ الَّذِیْ یُنْزَلُ اِلَیْكَ اور اس کتاب پر بھی ایمان لا چکا ہوں جو آپ کی طرف اتاری جائے گی وَاَنَا عَلٰی دِیْنِكَ وَ مِلَّتِكَ اور میں آپ کے دین اور ملت پر ہوں آپ کے طریقے پر ہوں وَاٰمَنْتُ بِرَبِّكَ اور میں آپ کے رب پر ایمان لایا ہوں وَرَبِّ كُلِّ شَیْءٍ جو ہر شے کا رب ہے اس پر ایمان لایا ہوں وَاٰمَنْتُ بِكُلِّ مَا جَآءَ بِرَبِّكَ اور میں ہر اس شے پر ایمان لایا ہوں جو آپ کے رب کی طرف سے آئی ہے مِنْ شَرائع الاسلام اسلام کے احکام جب بھی نازل ہوں گے میرا سب پر ایمان ہے۔ حضرت! فَاِنْ اَدْرَكْتُكَ فَبِهَا وَ نِعْمَتْ اگر میں نے آپ کا دور پالیا تو میری بڑی خوش قسمتی ہوگی، میرے واسطے بڑی سعادت ہوگی وَاِنْ لَّمْ اَدْرِكْكَ اور اگر حضرت! آپ کا زمانہ نہ پاسکا فَاشْفَعْ لِیْ میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرنا وَلَا تَنْسَانِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اور قیامت والے مجھے نہ بھلا دینا فَاِنِّیْ مِنْ اُمَّتِكَ پس میں آپ کی امت کا ایک فرد ہوں الْاَوَّلِیْن جو آپ کی امت کے اول افراد ہیں وَ بَایَعْتُكَ اور میں نے آپ کی روحانی بیعت کی ہے قَبْلَ مَجِیْئِكَ آپ کے آنے سے پہلے وَ اَنَا عَلٰی مِلَّتِكَ اور میں آپ کی ملت پر ہوں وَمِلَّةِ اَبِیْكَ اِبراهیم اور آپ کے دادا ابراہیم کی ملت پر ہوں۔''

یہ اسعد بن ملیک تبع رحمہ اللہ نے خط لکھا تھا ثُمَّ خَتَمَ الْكِتٰبَ پھر اس نے خط پر مہر لگائی اور مہر کے الفاظ یہ ہیں وَنَقَشَ عَلَیْهِ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ م بَعْدُ پہلے بھی معاملہ رب کے قبضۂ قدرت میں ہے اور بعد میں بھی معاملہ رب کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

یہ خط ہے اسعد بن ملیک رحمۃ اللہ علیہ کا جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے نو سو سال پہلے لکھا تھا۔ آخر تک بے چارہ کوشش کرتا رہا مگر قوم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بہتر ہیں یا قوم تبع ﴿وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور وہ جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو ہلاک کیا۔ کیوں ہلاک کیا؟ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ﴾ بے شک وہ مجرم تھے۔ یہ مکے والے بھی مجرم ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ آگے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿لٰعِبِیْنَ﴾ کھیلتے ہوئے۔ کھیل تماشے کے طور پر نہیں پیدا کیا۔ ان کے بنانے کا کوئی مقصد ہے۔

دیکھو! اسکول، کالج، یونیورسٹی، مدرسہ، جامعہ، دارالعلوم ہوتا ہے۔ ان کے بنانے کا مقصد تعلیم ہوتا ہے۔ یہ زمین آسمان بنا کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ایک نصاب رکھا ہے، ہمیں ایک کورس دیا ہے۔ اس کو پڑھو اور اس پر عمل کرو اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ "یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔" جو بروقت کھیتی بوئے گا کٹائی کے وقت اچھی فصل کاٹے گا۔" شاعر نے کہا ہے:

از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

"اے بندے! عمل کے بدلے سے غافل نہ ہو۔ گندم کا بیج ڈالو گے گندم کاٹو گے، جو کا بیج ڈالو گے جَو کاٹو گے۔"

آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم بوتے تو کچھ نہیں اور خیال ہمارا یہ ہے کہ ہم ان شاء اللہ فصلیں کاٹیں گے۔ کرتے کچھ نہیں اور خیال ہے کہ ہم جنت کے وارث ہیں۔ ساری کامیابیاں ہمارے لیے ہیں۔ عربی کے ایک شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے

دخل الذنوب الی الذنوب و ترتقی

طرق الجنان بها و فوز العامل

وَ نَسِیْتَ ان الله اخرج آدمه

منها الی الدنیا بذنبٍ واحدٍ

"اے بندے! میری بات سنو! گناہوں کی بوریوں پر بوریاں (تھیلوں پر تھیلے) بھرتے جا رہے ہو۔ اتنے بورے (تھیلے) لے کر جنت میں کیسے جاؤ گے؟ اور بھول گئے ہو آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک گناہ کی وجہ سے جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا۔" تم گناہوں کے بورے لے کر جنت میں کیسے جاؤ گے۔ کاش! کہ ہمارے اندر غیرت والا مادہ ہو اور ہم ہر چیز سے عبرت حاصل کریں۔ تو فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا ﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ نہیں پیدا کیا ہم نے ان دونوں کو مگر حق کے ساتھ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کھانے پینے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ انھوں نے دنیا میں آنے کا مقصد یہی سمجھا ہے کہ بس کھاؤ، پیو، کماؤ، آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے۔

فرمایا سن لو! ﴿اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ﴾ بے شک فیصلے کا دن ان کا مقرر وقت ہے ﴿اَجْمَعِیْنَ﴾ سب کا ایک دن آئے گا توحید اور شرک کا فیصلہ ہوگا، سنت اور بدعت کا فیصلہ ہوگا، ایمان اور کفر کا فیصلہ ہوگا، سچے اور جھوٹے کا فیصلہ ہوگا، نیکیوں اور برائیوں کا فیصلہ ہوگا۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ فرمایا کان لگا کر (غور سے) سن لو ﴿یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْـًٔا﴾ اس دن نہیں کفایت کرے گا کوئی دوست کسی دوست کی کچھ بھی۔ دنیاوی دوستی قطعاً کوئی فائدہ نہیں دے گی سوائے متقیوں کے۔ اس سے

پہلی سورت میں پڑھ چکے ہو ﴿اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ﴾ ''دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقیوں کی دوستی برقرار رہے گی۔'' تو فرمایا نہیں کفایت کرے گا کوئی دوست کسی دوست کی کچھ بھی قیامت والے دن ﴿وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ﴾ مگر وہ جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ رب تعالیٰ کی رحمت ہوگی ایمان والوں پر، نیک عمل کرنے والوں پر ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ بے شک وہ غالب ہے اس کو فیصلے سے کوئی روک نہیں سکتا ،مہربان ہے۔ اُسی پر رحمت کرے گا جو اہل اور مستحق ہوگا۔ قیامت حق ہے ہر آدمی کو اس کی فکر کرنی چاہیے اور دور بھی نہیں ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے اور دوزخ بھی سامنے۔

﴿اِنَّ﴾ بے شک ﴿شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ﴾ تھوہڑ کا درخت ﴿طَعَامُ الْاَثِیْمِ﴾ گناہ گاروں کی خوراک ہے ﴿كَالْمُهْلِ﴾ جیسے تلچھٹ (پگھلے ہوئے تانبے کی طرح) ﴿یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ﴾ (جوش مارے گا) جو کھولتا ہے پیٹوں میں ﴿كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ﴾ جیسے کھولتا ہوا پانی ﴿خُذُوْهُ﴾ پکڑو اس کو ﴿فَاعْتِلُوْهُ﴾ پس گھسیٹو اس کو ﴿اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِیْمِ﴾ جہنم کے درمیان تک ﴿ثُمَّ صُبُّوْا﴾ پھر ڈالو ﴿فَوْقَ رَاْسِهٖ﴾ اس کے سر پر ﴿مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ﴾ گرم پانی کا عذاب ﴿ذُقْ﴾ چکھ لے مزہ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ﴾ بے شک تو غالب اور عزت والا تھا ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ ﴿مَا﴾ وہ چیز ہے ﴿كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ﴾ جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ بے شک پرہیزگار ﴿فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ﴾ امن والی جگہ میں ہوں گے ﴿فِیْ جَنّٰتٍ﴾ باغوں میں ﴿وَّعُیُوْنٍ﴾ اور چشموں میں ﴿یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ﴾ پہنیں گے باریک ریشم کا لباس ﴿وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ اور موٹے ریشم کا لباس ﴿مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ آمنے سامنے بیٹھیں گے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ہوگا ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ﴾ اور ہم ان کا نکاح کر دیں گے ﴿بِحُوْرٍ عِیْنٍ﴾ سفید رنگ کی موٹی موٹی آنکھوں والی عورتوں کے ساتھ ﴿یَدْعُوْنَ فِیْهَا﴾ طلب کریں گے جنتی ان باغوں میں ﴿بِكُلِّ فَاكِهَةٍ﴾ ہر قسم کے پھل ﴿اٰمِنِیْنَ﴾ امن کے ساتھ ﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا﴾ نہیں چکھیں گے ان باغوں میں ﴿الْمَوْتَ﴾ موت کو ﴿اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى﴾ مگر وہ پہلی موت ﴿وَوَقٰىهُمْ﴾ اور بچائے گا ان کو اللہ تعالیٰ ﴿عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾ شعلہ مارنے والی آگ کے عذاب سے ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ﴾ یہ مہربانی ہے آپ کے رب کی طرف سے ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہ ہے وہ کامیابی بڑی ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿یَسَّرْنٰهُ﴾ ہم نے آسان کیا ہے قرآن پاک کو ﴿بِلِسَانِكَ﴾ آپ کی زبان پر ﴿لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ

نصیحت حاصل کریں ﴿فَارْتَقِبْ﴾ پس آپ انتظار کریں ﴿اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ﴾ بیشک یہ بھی انتظار کرنیوالے ہیں۔

ربطِ آیات !

اس سے پہلے رکوع کے آخر میں تھا ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ بے شک ان سب کے فیصلے کا دن مقرر ہے یعنی قیامت والا دن۔ قیامت برحق ہے ضرور آئے گی سب کا فیصلہ ہوگا۔ اصولی طور پر دو گروہ ہوں گے:

①...... کافر مشرک۔

②...... دوسری طرف مومن موحد۔

پھر ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بُرے لوگوں کے بھی درجے ہیں اور نیکوں کے بھی درجے ہیں۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ دونوں گروہوں کی خوراک کا ذکر فرماتے ہیں۔ مجرموں کی خوراک کیا ہوگی؟ ارشاد ربانی ہے ﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ﴾ بے شک تھوہڑ کا درخت ﴿طَعَامُ الْاَثِيْمِ﴾ گناہ گاروں کی خوراک ہے۔ وہ تھوہڑ کا درخت دنیا میں موجود نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ وہ اتنا کڑوا ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا کے دریاؤں میں ڈال دیا جائے تو تمام دریا کڑوے ہو جائیں۔ اور اتنا بدبودار ہوگا کہ اگر ایک قطرہ دنیا میں پھینکا جائے تو مشرق سے مغرب تک دنیا اس کی بدبو سے مرجائے گی۔ بھوک کے دردناک عذاب کے وقت اس کے کھانے پر مجبور ہوں گے۔ بغیر بھوک کے اس کو کون کھائے گا۔

تو فرمایا تھوہڑ کا درخت گناہ گاروں کی خوراک ہے ﴿كَالْمُهْلِ﴾ جیسے تیل کے نیچے تلچھٹ ہوتی ہے، گندمند۔ اس طرح کی اس کی شکل ہوگی نہایت بُری۔ اور مُہل کا معنیٰ پگھلے ہوئے تانبے کا بھی کرتے ہیں۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا ہوتا ہے بڑا گرم۔ تو حدت کی شدت کے اظہار کے لیے اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے ﴿يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ﴾ جوش مارے گا پیٹوں میں، اُبلے گا ﴿كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ﴾ جیسے گرم پانی کھولتا ہے، ابلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے ﴿خُذُوْهُ﴾ پکڑو اس مجرم کو ﴿فَاعْتِلُوْهُ﴾ پس گھسیٹو اس کو ﴿اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ﴾ جہنم کے درمیان کی طرف۔ جن فرشتوں کی ڈیوٹی لگی ہوگی وہ مجرم کو کنارے سے کھینچ کر جہنم کے درمیان میں لے جائیں گے۔ فرشتوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ دوزخ میں ایسے ہوں گے جیسے دفتر میں بیٹھے ہیں۔ دوزخی چیخیں گے۔ سورہ فاطر آیت نمبر ۳۷ پارہ ۲۲ میں ہے ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ ''اور وہ دوزخ میں چیخیں ماریں گے، واویلا کریں گے۔'' مگر فرشتے ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ ایک ایک مجرم اتنا روئے گا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس کے رخسار پر آنسوؤں کی وجہ سے نالیاں سی بن جائیں گی جیسے پہاڑی علاقوں میں ندیاں بہتی ہیں کہ ان میں کشتی چلاؤ تو چل پڑے گی اور جب آنکھوں سے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون آئے گا۔

تو فرمایا ان کو جہنم کے درمیان تک گھسیٹ کر پہنچاؤ ﴿ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ﴾ پھر ڈالو اس کے سر پر ﴿مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ﴾ گرم پانی کا عذاب۔ فرشتے جب گرم پانی سر پر ڈالیں گے تو سارا چمڑا پاؤں تک اتر جائے گا۔ فوراً دوسرا چمڑا پہنا دیا

جائے گا۔سورۃ النساء آیت نمبر ۵۴ پارہ ۵ میں ہے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا﴾ ''جب بھی ان کے چمڑے جل جائیں گے ہم ان کے لیے دوسرے چمڑے تبدیل کر دیں گے۔'' رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کتنی دفعہ چمڑے جلیں گے اور کتنی دفعہ بدلیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر مسلمان کو دوزخ کے عذاب سے بچائے۔تو فرمایا پھر ڈالو اس کے سر پر گرم پانی کا عذاب۔کہا جائے گا ﴿ذُقْ﴾ چکھ اے مجرم! مزہ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ بے شک تو دنیا میں غالب اور عزت والا تھا اب مزہ چکھ۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ ابو جہل مجلسوں میں بیٹھ کر کہا کرتا تھا کہ وادئ بطحا میں مجھ سے زیادہ عزت والا کون ہے۔یہ مٹھی بھر مسلمان میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور دنیا میں اس قسم کے بہت متکبر اور سرکش لوگ ہوئے جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقت ور اور سب سے زیادہ عزت والا سمجھتے تھے۔تو ان سے کہا جائے گا چکھو اپنے کیے کا، مزہ تم بڑے غالب اور عزت والے تھے ﴿اِنَّ هٰذَا مَا﴾ بے شک یہ ایسی چیز ہے ﴿كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ﴾ جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے۔جب اللہ تعالیٰ کے نبی تمھیں بُرے انجام سے ڈراتے تھے کہ جب مر کر مٹی ہو جائیں گے، ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی ﴿قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [سورہ یٰسین] ''کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔'' پھر ہم کیسے زندہ ہوں گے۔تو تم حشر کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے تھے لو آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور سزا کا مزہ چکھ لو۔مجرموں کی سزا کو بیان کرنے کے بعد اب نیکوں کے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ﴾ بے شک متقی، پرہیز گار جو کفر و شرک سے بچتے رہے اور خدا اور رسول کے احکام پر عمل کرتے رہے وہ امن و چین کے مقام میں ہوں گے۔وہ مقام کیا ہے؟ ﴿فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ باغوں میں ہوں گے اور چشموں میں ہوں گے۔آگے جنتیوں کے لباس کا ذکر ہے۔فرمایا ﴿يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ پہنیں گے باریک ریشم کا لباس اور موٹے ریشم کا لباس۔کسی کو باریک پسند ہوتا ہے اور کسی کو موٹا کپڑا پسند ہوتا ہے۔ریشم دنیا میں مردوں کے لیے حرام ہے اور آخرت میں حلال ہوگا ﴿مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھیں گے کوئی جنتی کسی سے روگردانی نہیں کرے گا۔ہر جنتی کے دل میں دوسرے کی الفت اور محبت ہوگی۔فرمایا ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ہوگا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴾ اور ہم ان کا نکاح کر دیں گے سفید رنگ کی موٹی موٹی آنکھوں والی عورتوں کے ساتھ۔حوروں کی خلقت دنیا کی مٹی سے نہیں ہے بلکہ وہ زعفران، کافور، مشک اور عنبر سے پیدا کی گئیں ہیں۔یہ دنیاوی عورتوں کے علاوہ ہوں گی۔

جنتیوں کے لیے نعمت

آگے اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا ہے ﴿يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ﴾ طلب کریں گے جنتی

ان باغوں میں ہر قسم کے پھل امن کے ساتھ۔احادیث میں آتا ہے کہ جونہی کسی جنتی کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش پیدا ہوگی اس پھل کا درخت جنتی کے قریب آ کر جھک جائے گا۔ یہ پھل توڑ کر کھائے گا اس جگہ فوراً دوسرا پھل لگ جائے گا۔ پھر امن اور دل جمعی کے ساتھ جو بھی طلب کریں گے،حاصل کرنے میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوگی اور نہ ہی انتظار کرنا پڑے گا۔ پھلوں کے علاوہ کھانے کے لیے پرندوں کا گوشت ہوگا۔ سورۃ واقعہ آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ﴾ ''اور پرندوں کا گوشت جو وہ چاہیں گے۔'' دنیا میں ہر طرح کی نعمتوں کے میسر ہونے کے باوجود موت کا ڈر سوار رہتا ہے اور نعمتوں کے زوال کا خطرہ بھی رہتا ہے مگر جنت میں ایسی کوئی فکر نہیں ہوگی جنت کی زندگی بھی دائمی ہوگی اور موت کا بھی خطرہ نہیں ہوگا۔

فرمایا ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ﴾ نہیں چکھیں گے ان باغوں میں موت کو ﴿إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ﴾ مگر وہ پہلی موت جو دنیا میں آچکی ہے اب دوبارہ موت نہیں آئے گی ﴿وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ اور بچائے گا ان کو اللہ تعالیٰ شعلہ مارنے والی آگ کے عذاب سے۔اب ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی ﴿فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ﴾ یہ مہربانی ہے آپ کے رب کی طرف سے کہ دنیا میں اس نے صحیح عقیدہ اور اچھا عمل نصیب کیا کہ جس کے نتیجے میں یہ نعمتیں حاصل ہوئیں جو بڑی اور دائمی ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے ﴿ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ یہ ہے وہ کامیابی بڑی۔

سورت آل عمران آیت نمبر ۱۸۵ میں ہے ﴿فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ''جو دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا پس وہ کامیاب ہوگیا۔'' آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دوزخ سے بچنا چاہتے ہو اور جنت میں جانا چاہتے ہو تو قرآن کریم کو سمجھو اور اس پر عمل کرو اس کے مطابق عقیدہ اور عمل بناؤ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ﴾ پس پختہ بات ہے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن پاک کو آپ کی زبان پر ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ان کی مادری زبان میں نازل کیا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی زبان بھی عربی، خاندان قریش کی زبان بھی عربی اور قرآن کریم بھی عربی زبان میں نازل کیا تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہماری زبان اور ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی زبان اور ہے ہمیں سمجھ ہی نہیں آرہی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں سمجھ نہیں آیا۔اب اگر کوئی نہیں سمجھے گا اور اپنا عقیدہ اور عمل قرآن کے مطابق نہیں بنائے گا تو اللہ تعالیٰ سزا دینے میں حق بجانب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے پیغمبر! ﴿فَارْتَقِبْ﴾ پس آپ انتظار کریں کیوں کہ ﴿إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ﴾ بے شک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ جو آپ کے مخالف ہیں وہ آپ کی ناکامی اور شکست کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ اس بات کا انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کیا فیصلہ فرماتے ہیں؟ آپ انتظار کریں اور دیکھیں کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ اِلَيۡهِ يُرَدُّ

(۲۵)

آیاتہا ۳۷ — سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۴۵) (۶۵) — رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿حٰمٓ ○ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ﴾ اتاری ہوئی ہے کتاب ﴿مِنَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ جو غالب ہے ﴿الْحَکِیْمِ﴾ جو حکمت والا ہے ﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ بے شک آسمانوں میں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ مومنوں کے لیے ﴿وَفِیْ خَلْقِکُمْ﴾ اور تمہارے پیدا کرنے میں ﴿وَمَا یَبُثُّ﴾ اور جو بکھیرے ہیں اس نے ﴿مِنْ دَآبَّۃٍ﴾ جانور ﴿اٰیٰتٌ﴾ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ﴿وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ﴾ اور رات کے مختلف ہونے میں ﴿وَالنَّہَارِ﴾ اور دن کے ﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ﴿مِنْ رِّزْقٍ﴾ رزق ﴿فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ﴾ پس زندہ کیا اس کے ذریعے زمین کو ﴿بَعْدَ مَوْتِہَا﴾ اس کے خشک ہو جانے کے بعد ﴿وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ﴾ اور ہواؤں کے پھیرنے میں ﴿اٰیٰتٌ﴾ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عقل رکھتی ہے ﴿تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں ﴿نَتْلُوْہَا﴾ جن کو ہم پڑھتے ہیں ﴿عَلَیْکَ﴾ آپ پر ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ﴾ پس کس بات پر ﴿بَعْدَ اللّٰہِ﴾ اللہ کی بات کے بعد ﴿وَاٰیٰتِہٖ﴾ اور اس کی آیتوں کے بعد ﴿یُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان لائیں گے ﴿وَیْلٌ﴾ ہلاکت ہے ﴿لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ﴾ ہر بہتان تراش گناہ گار کے لیے ﴿یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ جو سنتا ہے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿تُتْلٰی عَلَیْہِ﴾ جو پڑھی جاتی ہیں اس پر ﴿ثُمَّ یُصِرُّ﴾ پھر اصرار کرتا ہے ﴿مُسْتَکْبِرًا﴾ تکبر کرتے ہوئے ﴿کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْہَا﴾ گویا کہ سنا ہی نہیں ان آیات کو ﴿فَبَشِّرْہُ﴾ پس اس کو خوش خبری سنا دے ﴿بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ دردناک عذاب کی ﴿وَاِذَا عَلِمَ﴾ اور جس وقت جانتا ہے ﴿مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں میں سے ﴿شَیْئًا﴾ کسی چیز کو ﴿اتَّخَذَہَا ہُزُوًا﴾ بناتا ہے ان کو ٹھٹھا کیا ہوا ﴿اُولٰٓئِکَ﴾ ایسے لوگ ہیں ﴿لَہُمْ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے رسوا کرنے والا ﴿مِنْ وَّرَآئِہِمْ جَہَنَّمُ﴾ ان کے آگے دوزخ ہے ﴿وَلَا یُغْنِیْ عَنْہُمْ﴾ اور نہیں کفایت کرے گی ان سے ﴿مَّا کَسَبُوْا شَیْئًا﴾ جو انھوں نے کمائی ہے کچھ بھی ﴿وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا﴾ اور نہ وہ جن کو انھوں نے بنایا ہے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ کارساز ﴿وَلَہُمْ عَذَابٌ

﴿عَظِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے بڑا ﴿هٰذَا هُدًى﴾ یہ قرآن سراسر ہدایت ہے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے ﴿مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ﴾ بڑا سخت دردناک۔

تعارفِ سورت

اس سورت کا نام جاثیہ ہے۔اس سورت کے آخر میں آئے گا ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً﴾ تو اس لفظ کے ساتھ سورت کا نام جاثیہ ہے۔اس کی وضاحت اپنے مقام پر آئے گی۔یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔اس سے پہلے چونسٹھ [۶۴] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔اس کے چار رکوع اور سینتیس [۳۷] آیتیں ہیں۔﴿حٰمٓ﴾ کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام کی طرف اشارہ ہے۔ حا سے مراد حَمِیْدٌ ہے اور میم سے مراد مَجِیْدٌ ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ ﴿تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ﴾ یہ کتاب اتاری ہوئی ہے۔کس کی طرف سے اتاری گئی ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ جو غالب ہے ﴿الْحَكِیْمِ﴾ حکمت والا ہے۔یہ کتاب کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے نہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے خود بنائی ہے نہ کسی اور نے ان کو بتلائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔اس کا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بے شک آسمانوں میں اور زمین میں ﴿لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ البتہ نشانیاں ہیں مومنوں کے لیے۔آسمان کی بلندی کو دیکھو پھر اس بات پر غور کرو کہ اس کے نیچے نہ ستون، نہ دیوار۔پھر اس پر سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھو یہ ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے۔پھر زمین کی کشادگی کو دیکھو اس میں پہاڑ، دریا وغیرہ کو دیکھو یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

مومنوں کے لیے فرمایا دور نہ جاؤ ﴿وَفِیْ خَلْقِكُمْ﴾ اور تمھارے پیدا کرنے میں رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حقیر قطرے سے لوتھڑا بنایا پھر اس کی بوٹی بنائی پھر انسانی شکل تیار کی، آنکھیں بنائیں، ناک کان بنائے، زبان بنائی، ہاتھ پاؤں بنائے، پھر اس میں روح ڈالی۔اس چھوٹے سے وجود میں دل، جگر، گردے، معدہ بنایا۔یہ مستقل چھوٹا سا ایک کارخانہ ہے۔تم اپنی خلقت پر غور کرو۔تو رب تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں آجائے گی۔﴿وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور جو اس نے بکھیرے ہیں جانور۔جانوروں کی شکلیں دیکھو، اونٹ کو دیکھو، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ کی شکل دیکھو، کتے بلی وغیرہ کی شکلیں دیکھو، سانپ، بچھو کی شکل دیکھو۔چھوٹی چھوٹی مینڈکیاں دیکھو۔بے شمار اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جس کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی قدرت کا یقین ہو جاتا ہے ﴿اٰیٰتٌ﴾ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ﴿وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ اور رات دن کے مختلف ہونے میں۔رات سیاہ، دن سفید، کبھی رات بڑھ جاتی ہے کبھی دن بڑھ جاتا ہے۔کسی جگہ دن رات چھوٹے چھوٹے ہیں اور کسی جگہ بڑے بڑے ہیں۔جنوبی افریقہ میں ہم نے دیکھا ہے کہ شام کی نماز سوا پانچ بجے پڑھتے ہیں اور فجر چھ

بجے پڑھتے ہیں۔دن وہاں بہت لمبا ہوتا ہے۔﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور وہ جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے ﴿مِنْ رِّزْقٍ﴾ رزق۔ یہاں رزق سے مراد بارش ہے کیوں کہ بارش رزق کا سبب ہے۔سبب کے اوپر رزق کا اطلاق کیا ہے۔بارشیں نہ ہوں تو فصلیں نہیں اگتیں، نہ درخت اگتے ہیں۔ایسے سمجھو جیسے ہر شے مردہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بارش نازل ہوتی ہے ﴿فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ پس زندہ کیا اس کے ذریعے زمین کو اللہ تعالیٰ نے ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے خشک ہونے کے بعد مرنے کے بعد۔اب زمین سرسبز ہوگئی، درخت اگ آئے، فصلیں اگیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ﴿وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ﴾ اور ہواؤں کے پھیرنے میں۔کبھی ہوا مشرق کی طرف سے کبھی مغرب کی طرف سے چلتی ہے، کبھی گرم اور کبھی سرد چلتی ہے۔پھر ہوا عالم اسباب میں زندگی کا ذریعہ ہے۔لیکن اگر یہی ہوا تیز ہوجائے تو پھر بربادی ہے وہی پانی جو انسان کی زندگی کا ذریعہ ہے سیلاب بن جائے تو بہا کے لے جاتا ہے، مکان تباہ ہوجاتے ہیں۔مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

پہلے زمانے میں سورج گرہن لگتا تو لوگ صدقہ وخیرات کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، استغفار کرتے تھے، ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کیا ہوگیا ہے؟ آج طوفان آجائیں ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔مجال ہے کہ کوئی نماز کی طرف آجائے، دین کی طرف آجائے، گناہوں سے توبہ کرلے۔کوئی گرمی سے مرتا ہے، کوئی سردی سے مرتا ہے، کوئی سیلاب میں مرتا ہے مگر عبرت کوئی نہیں حاصل کرتا۔معاف رکھنا! ہم بڑے ڈھیٹ ہیں۔

تو فرمایا ہواؤں کے پھیرنے میں ﴿اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو عقل رکھتی ہے، عقل سے کام لیتی ہے ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں ﴿نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ جو پڑھی جاتی ہیں آپ پر حق کے ساتھ۔

یہ قرآن پاک ہے رب تعالیٰ کا کلام ہے، رب تعالیٰ نے اس کو اتارا ہے، اس کی آیات حق ہیں، اس کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔صرف اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم پر عمل ہوجائے تو انسان، انسان بن جاتا ہے اور اس کو حقیقی زندگی نصیب ہوجاتی ہے۔قرآن کریم کے بغیر انسان، انسان نہیں بن سکتا۔اور صحیح معنیٰ میں انسان بن جائے تو ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ ہے [سورۃ البینۃ: پارہ ۳۰] اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہے اور اگر انسانیت چھوڑ دے تو ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ [ایضاً] ''تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بدتر ہے۔'' ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ [الاعراف: ۱۷۹] ''مویشیوں کی طرح، گدھوں کی طرح ہے، بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔'' فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم پڑھتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ﴾ پس کس بات پر اللہ تعالیٰ کی بات کے بعد ﴿وَاٰيٰتِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے بعد ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان لائیں گے۔اللہ تعالیٰ کی بات سے زیادہ وزنی کوئی بات ہے؟ زیادہ پکی اور محکم کوئی بات ہے؟ اللہ تعالیٰ کی آیات سے زیادہ محکم کوئی شے ہے؟ اس کے بعد یہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔فرمایا ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ﴾ ہلاکت ہے، خرابی ہے ہر بہتان تراش کے لیے ﴿اَثِيْمٍ﴾ جو گناہ میں ڈوبا ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور نبوت کی دلیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں جب نبوت کا دعویٰ کیا تو جن لوگوں کے ذہن صاف تھے وہ فوراً ایمان لے آئے۔ عورتوں میں سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ اگر تم دیکھو اور سوچو تو ان تینوں کا ایمان ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور نبوت کی دلیل ہے۔ اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی، معجزات نہ ہوتے، چاند دوٹکڑے نہ ہوتا، معراج جسمانی نہ ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ ان تینوں کا مسلمان ہونا ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی بڑی دلیل ہے۔

کیونکہ مرد میں جتنے عیب اور خامیاں ہوتی ہیں ان کو جتنا بیوی جانتی ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ معاذ اللہ تعالیٰ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خوبیاں اور کمال نہ ہوتے اور کوئی خامی ہوتی تو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان نہ لاتیں۔ وہ کہتیں میں جانتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ہیں۔ تو ان کا ایمان لانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

دوسرے نمبر پر آدمی کا لنگوٹیا یار اس کی خوبیوں اور کمزوریوں کو جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لنگوٹیے یار اور دوست ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمالات نہ ہوتے کوئی کمزوری ہوتی ابوبکر ایمان نہ لاتے اور کہتے میں لنگوٹیا یار ہوں سب کچھ جانتا ہوں۔ لیکن یقین جانو! ابوبکر رضی اللہ عنہ جب سامنے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت اور نبوت عطا فرمائی ہے جہاں دایاں پاؤں تھا وہیں رہا جہاں بایاں پاؤں تھا وہیں رہا اٹھایا نہیں اور کہا اٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ. تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

تیسرے نمبر پر گھریلو خادم اور نوکر آدمی کی خوبیوں اور کمزوریوں سے واقف ہوتا ہے۔ زید بن حارثہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منہ بولا بیٹا بھی بنایا تھا جس کو عربی میں متبنّٰی کہتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ نبوت سے پہلے پندرہ سال کا عرصہ گزرا ہے۔ یہ پندرہ سال زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ سفر میں بھی اور حضر میں بھی، گھر میں بھی اور باہر بھی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی خامی اور کمزوری ہوتی تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہتے نہیں میں ان کا خادم ہوں میں سب کچھ جانتا ہوں۔ لیکن وہ بھی فوراً ایمان لے آئے۔ تو ان تینوں بزرگوں کا ایمان میں پہل کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات باکمال تھے اور مخلوق والے عیوب سے پاک تھے۔ لیکن اس کے باوجود کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مفتری کہا، کذاب کہا، جادوگر کہا، کسی نے مسحور کہا، کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا۔ فرمایا ویل ہے بہتان تراش کے لیے۔ ویل کا معنیٰ ہلاکت بھی ہے اور ویل جہنم کے ایک طبقے کا نام بھی ہے وہ اتنا گہرا ہے کہ مجرم جب اس میں پھینکے جائیں گے تو آگ کے شعلوں میں جلتے ہوئے ستر سال کے بعد نیچے پہنچیں گے۔ یہ بہتان تراش گناہوں میں ڈوبے ہوؤں کے لیے ہے۔

وہ کیا کرتا ہے ﴿يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ سنتا ہے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ﴿تُتْلٰى عَلَيْهِ﴾ جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں ﴿ثُمَّ

﴿يُصِرُّ﴾ پھر وہ اصرار کرتا ہے، ضد کرتا ہے، اَڑ جاتا ہے ﴿مُسْتَكْبِرًا﴾ تکبر کرتے ہوئے۔ قرآن پاک کو سنتا ہے، سمجھتا نہیں۔ پھر اپنے کفر و شرک اور گناہوں پر اصرار کرتا اور اَڑا رہتا ہے۔ تکبر کرتے ہوئے، حق کو ٹھکراتے ہوئے۔ تکبر کہتے ہیں بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ ''حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔'' ﴿كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ گویا کہ اس نے آیات سنی ہی نہیں ہیں۔ سنی کو ان سنی کر دیتا ہے۔ یہ انسان کی بہت بُری حالت ہے کہ حق سن کر قبول نہ کرے اپنی غلطی پر ڈٹا رہے ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسے شخص کو خوش خبری سنا دیں دردناک عذاب کی۔ یہ طنز اور استہزاء ہے عذاب کی خوش خبری نہیں ہوتی۔ پھر عذاب بھی دردناک۔ یہ دین کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، خدائی احکام کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں ﴿وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا﴾ اور جب جانتا ہے ہماری آیات میں سے کسی چیز کو ﴿اتَّخَذَهَا هُزُوًا﴾ بناتا ہے اس کو ٹھٹھا کیا ہوا۔ ان کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ کہتا ہے یہ کیسا قرآن ہے کہ اس میں مکھی اور مکڑی کا ذکر ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ایسے لوگ ہیں ان کے لیے عذاب ہے رسوا کرنے والا، ذلیل کرنے والا ﴿مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ﴾۔ وراء کا لفظ دو معنوں کے لیے آتا ہے۔ آگے کے لیے بھی اور پیچھے کے لیے بھی۔ یہاں آگے کے معنیٰ میں ہے کیونکہ وفات کے بعد آدمی آگے جاتا ہے۔ تو معنیٰ ہوگا اور ان کے آگے دوزخ ہے وہ قبر میں بھی اور آخرت میں بھی مبتلائے عذاب رہیں گے ﴿وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا﴾ اور نہیں کفایت کرے گی ان سے جو انھوں نے کمائی کی ہے کچھ بھی۔ ان کا مال، اولاد، صدارت، وزارت، ان کو عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ یار دوست عذاب سے نہیں بچا سکیں گے ﴿وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ﴾ اور نہ وہ بچا سکیں گے جن کو انھوں نے بنایا ہے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کارساز۔ نہ لات کام آئے گا، نہ منات وعزّٰی، نہ ہبل اور نہ اور کوئی ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہوگا بڑا ﴿هٰذَا هُدًى﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم یہ نری ہدایت ہے ﴿الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ہدایت ہے پرہیز گاروں کے لیے۔'' ماننے والوں کے لیے ہدایت ہے، دوسروں کے لیے کچھ بھی نہیں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا ﴿لَهُمْ عَذَابٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے، سزا ہے ﴿مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ﴾ بڑی سخت دردناک۔ رِجز کا معنیٰ ہے سیئ العذاب سخت عذاب، شدید عذاب۔ الیم کا معنیٰ دردناک۔ آج دنیا کی آگ میں کوئی انگلی داخل نہیں کر سکتا اور وہ آگ تو اس سے انہتر گنا تیز ہے اور سر سے پاؤں تک سارا عذاب میں مبتلا ہوگا ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ [فاطر: ۳۷] ''اور وہ اس میں چیخیں ماریں گے۔'' ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ [ہود: ۱۰۶] ''ان کے لیے گدھے کی آوازیں ہوں گی۔'' کوئی ان کی شنید نہیں ہوگی۔ جنھوں نے رب تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا، قرآن سنا نہ سمجھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے بنائے جنھوں نے قرآن کریم کو سمجھا اور اپنا عقیدہ اور عمل قرآن کے مطابق بنایا۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿سَخَّرَ لَكُمُ﴾ جس نے مسخر کیا تمھارے لیے ﴿الْبَحْرَ﴾ سمندر کو ﴿لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ﴾ تا کہ چلیں کشتیاں اس میں ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ اس کے حکم سے ﴿وَ لِتَبْتَغُوْا﴾ اور تا کہ تم تلاش کرو ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس کے فضل سے ﴿وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ تم شکر ادا کرو ﴿وَ سَخَّرَ لَكُمْ﴾ اور تابع کیا تمھارے لیے ﴿مَّا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ سب اسی کی طرف سے ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ﴿یَغْفِرُوْا﴾ وہ درگزر کریں ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿لَا یَرْجُوْنَ﴾ جو نہیں امید رکھتے ﴿اَیَّامَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دنوں کی ﴿لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا﴾ تا کہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ اس چیز کا جو وہ کماتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ جس نے اچھا عمل کیا ﴿فَلِنَفْسِهٖ﴾ پس اپنے نفس کے لیے ہوگا ﴿وَ مَنْ اَسَآءَ﴾ اور جس نے برائی کی ﴿فَعَلَیْهَا﴾ پس اس کے نفس پر پڑے گی ﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے ﴿بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل کو ﴿الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ﴾ کتاب اور حکم ﴿وَ النُّبُوَّةَ﴾ اور نبوت دی ﴿وَ رَزَقْنٰهُمْ﴾ اور رزق دیا ان کو ﴿مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ پاکیزہ چیزوں سے ﴿وَ فَضَّلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو فضیلت دی ﴿عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ جہان والوں پر ﴿وَ اٰتَیْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے دی ان کو ﴿بَیِّنٰتٍ﴾ واضح چیزیں ﴿مِّنَ الْاَمْرِ﴾ دین کی ﴿فَمَا اخْتَلَفُوْۤا﴾ پس نہیں اختلاف کیا انھوں نے ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا﴾ مگر بعد اس کے ﴿جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ کہ آ گیا علم ان کے پاس ﴿بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ﴾ آپس میں سرکشی کرتے ہوئے ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ﴾ بے شک آپ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿فِیْمَا﴾ ان چیزوں میں ﴿كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لیے مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ کسی مقام پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرما کر سمجھایا کہ دیکھو! ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی ناشکری کرو تو کتنی ظلم کی بات ہے۔ اور کسی مقام پر اپنی گرفت اور عذاب کا ذکر فرمایا کہ دیکھو فلاں فلاں قوم نے نافرمانی کی اپنے رب کے احکام کی خلاف ورزی کی تو ان کو پکڑا، گرفت کی اُسی مقام پر۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں طریقے اختیار فرمائے ہیں۔

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ﴾

جس نے مسخر کیا، تابع کیا تمھارے لیے سمندر کو ﴿لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ﴾ تاکہ چلیں کشتیاں اس میں ﴿بِأَمْرِهِ﴾ اس کے حکم کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمھارے تابع کیا یعنی تمھارے کام میں لگا دیا تمھیں کشتیاں بنانے کا طریقہ سکھایا اور چلانے کا۔ سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں ادھر کا سامان اُدھر اور اُدھر کا اِدھر لاتے ہو ﴿وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور تاکہ تلاش کرو تم اللہ تعالیٰ کے فضل کو، اللہ تعالیٰ کے رزق کو تلاش کرو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ اور تاکہ تم شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا۔ کشتی کنارے لگے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ غرق ہونے سے بچ گئے ہیں۔ سامان بیچنے اور خریدنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فائدہ دیا ہے نعمتیں عطا فرمائی ہیں ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تابع کیا تمھارے لیے ﴿مَّا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ چاند، سورج، ستارے تمھارے کام میں لگا دیئے ہیں ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بھی تمھارے تابع کر دیا ہے۔ خود زمین تمھارے تابع کی کہ اس میں کاشت کرو، مکان بناؤ، زمین میں پہاڑ ہیں، درخت ہیں، دریا ہیں، یہ سب تمھارے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ کی ان نعمتوں سے تم فائدہ اٹھاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرو ﴿جَمِيعًا مِّنْهُ﴾ سب اسی کی طرف سے ہیں، اس کی پیدا کردہ چیزیں ہیں۔ اس کے سوا کسی کا ان پر کوئی اختیار نہیں ہے رب تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے ﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے۔ آسمانوں کی بلندی کو دیکھو، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھو، درخت، پہاڑ، دریا، فصلوں کو دیکھو۔ ہر چیز میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی قدرت نظر آئے گی۔

کفارِ مکہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں تبلیغ شروع کی تو کافروں نے بے حد سختیاں شروع کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمزور ساتھیوں پر۔ جیسے: بلال رضی اللہ عنہ، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، حضرت ابو فکیہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا۔ ابو جہل نے ان کو برچھی مار کر شہید کر دیا۔ عورتوں میں اول شہیدہ فی الاسلام ہیں۔ اور مردوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے لڑکے حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ پہلے شہید ہیں۔ کافروں نے مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر کر زیادتی کی۔ ان کو پتا چلا تو دوڑ کر آپ کی مدد کے لیے آئے۔ تو کافروں نے کہا کہ پہلے اس تیز آدمی کی خبر لو اور ان کو شہید کر دیا۔ کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہتے تھے سٰحِرٌ كَذَّابٌ ''تو جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے''، معاذ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ ابھی ان کی ساری باتیں برداشت کرنا ہیں۔ نہ گالیوں کا جواب دینا ہے، نہ مار کا جواب دینا ہے۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کو حکم تھا كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ ''اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔'' پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قوت عطا فرمائی تو حکم دیا کہ اپنا دفاع کرو۔ یہ پہلے کا حکم ہے۔

فرمایا ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ آپ کہہ دیں ان لوگوں کو جو مومن ہیں۔ کیا کہنا ہے ﴿يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ

اللہِ﴾ وہ درگزر کریں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے آنے والے جو دن ہیں ان کی امید نہیں رکھتے۔ تم ان سے درگزر کرو ﴿لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ تاکہ خود اللہ تعالیٰ بدلہ دے اس قوم کو اس چیز کا جو وہ کماتے تھے۔ تم ان کی گرفت نہ کرو، ہاں! حق بیان کرو اور مسئلہ یاد رکھنا! غلط بات کا معقول طریقے سے رد کرنا فرض کفایہ ہے۔ احسن طریقے کے ساتھ حق کی بات کو بیان کرنا، نرمی اور شفقت کے ساتھ۔ وہ گالیاں دیتا رہے تم سنتے رہو، وہ سختی پر اتر آئے تم نرمی کرو۔ لیکن اگر غلط بات کرے تو اس کا جواب دو۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر مسلمانوں میں سے ایک نے رد کر دیا تو سارے گناہ سے بچ گئے اور اگر کسی نے بھی رد نہ کیا تو سب گناہ گار ہوں گے۔ اسی لیے باطل کا رد کرنا بہت ضروری ہے مگر جھگڑا فساد نہیں کرنا۔ احسن طریقے سے جواب دینا ہے جیسے قرآن کریم نے سبق دیا ہے ﴿وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ [النحل:۱۲۵] ''اور جھگڑا کریں ان کے ساتھ اس بات کے ساتھ جو بہتر ہو تاکہ مزید بدمزگی نہ ہو۔''

ڈاڑھی کا مسئلہ

نارمل سکول جو اب کالج بن گیا ہے اس میں میں نے چالیس سال درس دیا ہے۔ اب چلنے پھرنے سے رہ گیا ہوں نہیں جا سکتا۔ کلاسوں کی تعداد کافی ہوتی تھی۔ پرنسپل اور پروفیسر حضرات بھی بیٹھتے تھے۔ ایک دن میں نے ڈاڑھی کا مسئلہ بیان کیا کہ اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اس کو سنت سمجھتے ہیں۔ ڈاڑھی سنت نہیں واجب ہے اور واجب فرض کی طرح حکم کی ایک قسم ہے۔ میں نے احادیث کے کچھ حوالے بھی دیئے اور بزرگوں کے اقوال بھی پیش کیے۔ ایک صاحب کھڑے ہو کر جھگڑنے لگے۔ اس نے کہا کہ مولانا صاحب آپ ڈاڑھی پر اتنا زور دیتے ہیں یہ تو فطرت کے خلاف ہے۔ میں نے کہا کہ فطرت کے خلاف کیسے ہے؟ تو کہنے لگا کہ اگر فطرت کے مطابق ہوتی تو جب بچہ پیدا ہوتا تو ڈاڑھی کے ساتھ پیدا ہوتا۔ میں نے اس کو اس انداز میں جواب دیا کہ اگر فطرت کا یہ معنیٰ ہے تو پھر آپ اپنے سارے دانت نکال دیں۔ کیوں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے منہ میں دانت نہیں ہوتے یہ تو نے دانت فطرت کے خلاف کیوں رکھے ہوئے ہیں؟ یہ تو نے کپڑے خلاف فطرت کیوں پہنے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے بدن پر کوئی سوٹ بوٹ نہیں ہوتا ننگے پھرو۔ میں نے کہا کہ تمہارا بولنا بھی فطرت کے خلاف ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو رو، رو کرتا ہے۔ اب تم رُوں رُو کرو تاکہ کوئی نہ سمجھے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ جو تو نے فطرت کا معنیٰ بیان کیا ہے یہ چلنا پھرنا بھی خلاف فطرت ہے، کھانا پینا بھی خلاف فطرت ہے (حضرت تو پھر بُرے کو گھر پہنچا کے آتے تھے۔ بلوچ) اس کو کہتے ہیں ﴿جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ جس نے عمل کیا اچھا ﴿فَلِنَفْسِهٖ﴾ پس اپنے نفس کے لیے کیا ہے ﴿وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا﴾ اور جس نے برا عمل کیا پس اس کے نفس پر پڑے گا۔ نیکی کا فائدہ اپنے آپ کو ہے، برائی کا نقصان اپنے آپ کو ہوتا ہے ﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہ یقین رکھو کہ قیامت ہے اور دور بھی نہیں ہے

بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے، ثواب بھی نظر آئے گا، عذاب بھی نظر آئے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ ''جو مرا تحقیق اس کی قیامت قائم ہوگئی۔'' یہاں تک اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ آگے نعمتوں کی ناقدری کرنے والوں کا ذکر ہے۔

بنی اسرائیل کا تعارف :

فرمایا ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکم اور بادشاہی۔ اسرائیل سریانی یا عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے اللہ کا بندہ۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ بیٹے عطا فرمائے تھے۔ ایک یوسف علیہ السلام اور گیارہ اور تھے۔ لڑکی کوئی نہیں تھی۔ ان کی آگے جو نسل چلی وہ بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتابیں دیں۔ پہلی کتاب تورات موسیٰ علیہ السلام کو ملی۔ موسیٰ علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ موسیٰ بن عمران بن فہر بن لاوی بن یعقوب علیہم السلام۔ قرآن کریم کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں تورات بڑی جامع، مانع کتاب ہے۔ دوسری کتاب زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو دی اور تیسری مشہور کتاب انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی۔

تو فرمایا ہم نے ان کو کتاب دی اور حکم، بادشاہی بھی دی۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ جیسے یوسف علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور وہ بھی تھے جو بادشاہ تھے نبی نہیں تھے جیسے طالوت رحمۃ اللہ علیہ۔ جن کا ذکر دوسرے پارے کے آخر میں آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کتابیں بھی دیں اور بادشاہی بھی دی ﴿وَالنُّبُوَّةَ﴾ اور نبوت دی۔ ان میں نبی بھی ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کم وبیش چار ہزار پیغمبران میں آئے ہیں۔ کسی قوم میں ایک نبی آئے تو اس کا سر بلند ہو جاتا ہے ان میں تو اللہ تعالیٰ نے چار ہزار پیغمبر بھیجے۔

﴿وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور ہم نے ان کو رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے ساتھ وادی تیہ میں جس کو آج کل کے جغرافیہ میں وادی سینائی کہتے ہیں۔ اس کی لمبائی چھتیس (۳۶) میل اور چوڑائی چوبیس (۲۴) میل ہے۔ سطح سمندر سے تقریباً چار پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ جب وادی تیہ میں پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ عمالقہ قوم کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ اس وقت شام عراق ایک ہی ہوتا تھا۔ اردن اور لبنان بھی شام کا حصہ تھے، مغربی قوتوں نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور ایسا ذہن بگاڑ دیا ہے کہ کافروں کے ساتھ تو مل سکتے ہیں آپس میں نہیں مل سکتے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس کے ساتھ ان کا جوڑ ہو جائے گا، روس کے ساتھ ہو سکتا ہے مگر مسلمانوں کے ساتھ نہیں ملیں گے۔ یہ ساری خباثت یورپ کی ہے جنھوں نے مسلمانوں کے ذہن بگاڑ دیئے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ حملہ کرو اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا۔ ان لوگوں نے کہا کہ وہاں تو بڑے تن آور لوگ ہیں ہم تو ان کے ساتھ نہیں لڑ سکتے آپ جائیں اور آپ کا رب جا کر لڑے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس ان پر چالیس سال کے لیے حرام کر دی۔ تو ہزاروں کی تعداد میں ہیں وادی تیہ میں کیا کھائیں گے اور کیا پئیں گے نہ

وہاں کوئی بڑا سایہ دار درخت، نہ مکان ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے پینے کے لیے من وسلویٰ کا انتظام کیا اور سائے کے لیے بادل بھیجے، پینے کے لیے بارہ چشمے جاری کر دیئے۔

تو فرمایا ہم نے ان کو رزق دیا پاکیزہ ﴿وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے ان کو فضیلت دی جہان کے لوگوں پر۔ اس وقت جو قومیں تھیں ان پر ان کو برتری حاصل تھی ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ اور دیں ہم نے ان کو واضح چیزیں۔ دین کے معاملے میں واضح دلیلیں دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزات صادر فرمائے۔ دوسرے پیغمبروں کو معجزات عطا کیے ﴿فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ پس نہیں اختلاف کیا انھوں نے مگر بعد اس کے کہ آ گیا ان کے پاس علم۔ یہودی اس وقت بھی بڑے صاحب علم تھے مگر ضدی تھے۔ یہودی دنیا کی ذہین اور ضدی قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ذہانت ہے کہ تمام عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، روس وغیرہ ان کے سامنے مغلوب ہیں۔ بڑے بڑے طاقت ور ملکوں کو انھوں نے پریشان کیا ہوا ہے۔

میں افریقہ کے سفر میں تھا تو وہاں کے لوگوں نے مجھے بتلایا کہ یہاں یہودیوں کے سونے اور تانبے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ اور یہ بھی بتلایا کہ یہاں یہودیوں نے ایک خفیہ اجتماع کیا ہے مسلمانوں کے خلاف کہ مسلمان روز بروز دنیا میں بڑھتے جا رہے ہیں اور اسلام اسلام کرتے پھرتے ہیں ان کے متعلق سوچو۔ وہاں انھوں نے کوئی سازش تیار کی پھر معلوم نہیں کیا ہوا۔ انھوں نے ساری دنیا کو مصیبت میں ڈالا ہوا ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان نہیں رہے۔ اگر یہ صحیح معنیٰ میں مسلمان ہوں تو کسی چیز کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹] ''اور تم بلند ہو غلبہ تمھارا ہوگا بشرطیکہ تم مومن ہو۔''

تو فرمایا پس نہیں اختلاف کیا انھوں نے مگر اس کے بعد کہ آ گیا ان کے پاس علم ﴿بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں سرکشی کرتے ہوئے۔ حق والوں پر انھوں نے ظلم کیے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک آپ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے۔ حقیقی فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن فرمائیں گے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کیا ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ ''بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر۔'' اور مختلف قسم کے ان پر عذاب نازل ہوئے لیکن حقیقی فیصلہ قیامت والے دن ہوگا۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ﴾ پھر ٹھہرایا ہم نے آپ کو ﴿عَلٰى شَرِيْعَةٍ﴾ ایک شریعت پر ﴿مِّنَ الْاَمْرِ﴾ دین کے معاملہ میں ﴿فَاتَّبِعْهَا﴾ پس آپ اس کی پیروی کریں ﴿وَلَا تَتَّبِعْ﴾ اور آپ نہ پیروی کریں ﴿اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی

خواہشات کی ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ جو نہیں جانتے ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ﴾ وہ ہرگز کفایت نہیں کریں گے آپ کو ﴿مِنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا﴾ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی شے کی ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور بے شک ظالم ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ بعض بعض کے رفیق ہیں ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ رفیق ہیں متقیوں کے ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ یہ بصیرت کی باتیں ہیں لوگوں کے لیے ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةٌ﴾ اور رحمت ہے ﴿لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین کرنے والی ہے ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ﴾ کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ ﴿اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ﴾ جو کماتے ہیں برائیاں ﴿اَنْ نَّجْعَلَهُمْ﴾ کہ ہم کر دیں ان کو ﴿كَالَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرح ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کرتے ہیں اچھے ﴿سَوَآءً﴾ برابر ہو گی ﴿مَّحْيَاهُمْ﴾ ان کی زندگی ﴿وَمَمَاتُهُمْ﴾ اور ان کی موت ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿وَخَلَقَ اللّٰهُ﴾ اور پیدا کیے اللہ تعالیٰ نے ﴿السَّمٰوٰتِ﴾ آسمان ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ﴾ اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو ﴿بِمَا كَسَبَتْ﴾ جو اس نے کمائی کی ہے ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ﴾ کیا پس آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو ﴿اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ بنا لیا ہے معبود اپنی خواہش کو ﴿وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کیا ہے ﴿عَلٰى عِلْمٍ﴾ علم پر ﴿وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ﴾ اور مہر لگا دی اس کے کانوں پر ﴿وَقَلْبِهٖ﴾ اور اس کے دل پر ﴿وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ﴾ اور ڈال دیا اس کی آنکھوں پر ﴿غِشٰوَةً﴾ پردہ ﴿فَمَنْ يَّهْدِيْهِ﴾ پس کون ہدایت دے گا اس کو ﴿مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے سبق میں تم نے پڑھا اور سنا کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کتابیں دیں، حکومت اور نبوت عطا فرمائی اور روزی کے لیے پاکیزہ چیزوں کا بندوبست کیا۔ اُس زمانے کے لوگوں پر فضیلت بخشی، کھلی نشانیاں عطا فرمائیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا اور فرقہ بندی میں مبتلا ہو گئے اور ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے نبی آخر الزمان کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ وہ تو دین پر قائم نہ رہ سکے ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ پھر ٹھہرایا ہم نے آپ کو ایک شریعت پر دین کے معاملہ میں ﴿فَاتَّبِعْهَا﴾ پس آپ اس کی پیروی کریں اور کفار اور مشرکین اور اہل کتاب کے تعصب اور عناد کی پروانہ کریں اور ان کی خواہش پر اپنے دین حق کی تبلیغ

میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور آپ نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی جن کو کچھ علم نہیں ہے۔ وہ جاہل اور نادان لوگ ہیں۔ ان کے کہنے میں بالکل نہیں آنا۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اس آخری شریعت کا پابند ہے تو پھر امت تو بطریق اولیٰ پابند ہے اور کوئی بھی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ پھر شریعت کی پابندی میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ اس کو ترقی ملتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں اور آخرت میں نجات حاصل ہوتی ہے۔

تو فرمایا کہ ہم نے آپ کو ایک شریعت پر مقرر کیا ہے آپ اسی کا اتباع کریں اور بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں کیونکہ ﴿اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ بے شک وہ ہرگز کفایت نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ بھی وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی کام نہیں دے سکتے اگر آپ نے ان کی طرف جھکاؤ کر لیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی اور رفیق ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا حامی و ناصر، رفیق اور کارساز ہوتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ فرمایا ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ یہ بصیرت کی باتیں ہیں لوگوں کے لیے یعنی توحید کے دلائل، قرآن کریم کی حقانیت اور شریعت کا اتباع لوگوں کے لیے بصیرت ہیں۔ بصیرت دل کی روشنی کو کہتے ہیں ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی راہ نمائی کرتی ہیں ﴿وَّرَحْمَةٌ﴾ اور رحمت ہیں۔ جو آدمی صحیح عقیدہ اختیار کرے گا اور اچھے عمل کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔

سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۶ میں ہے ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت قریب ہے نیکی کرنے والوں کے۔'' اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے ہر وقت شامل حال ہوتی ہے۔ فرمایا یہ سب کچھ ﴿لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو یقین کرنے والی ہے اللہ تعالیٰ کی توحید پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور قیامت پر کہ ایک وقت پر ہر چیز نے فنا ہونا ہے اور پھر دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ کیونکہ اگر قیامت قائم نہ ہو تو نیک اور بد کا کوئی امتیاز نہ رہے حالانکہ نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ﴾ کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ جو کماتے ہیں برائیاں ﴿اَنْ نَّجْعَلَهُمْ﴾ کہ ہم کر دیں گے ان کو ﴿كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور عمل کرتے ہیں اچھے۔ کیا برائیاں کرنے والے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے۔ ایک آدمی ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تکالیف برداشت کرتا ہے۔ دوسرا آدمی ایمان سے خالی برائیوں میں پڑ کر عیش وعشرت کی زندگی گزارتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ﴿سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ﴾ کہ ان کی زندگی اور موت بھی برابر ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں! ﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ بُرا ہے جو وہ فیصلہ

کرتے ہیں کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہے۔ ہرگز برابر نہیں ہوسکتیں۔ اگر نیک اور بد برابر ہو جائیں تو پھر اندھیر نگری بن جائے گی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عقائد اور اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ ایک آدمی کا عقیدہ قرآن وسنت کے مطابق ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے، حلال حرام کی تمیز کرتا ہے۔ اور دوسرا آدمی ہے کہ اس کا عقیدہ قرآن وسنت کے خلاف اور کفریہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور گناہوں میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ مومن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جگہ دے گا اور کافر ومشرک جہنم میں سڑے گا یہ دونوں کسی صورت بھی برابر نہیں ہو سکتے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی توحید اور قدرت کی دلیل بیان فرماتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے ﴿وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اور پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ ان کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا کیا ہے اور ان کو پیدا کرنے کا کوئی مقصد ہے۔ دنیا میں کوئی چھوٹا سا کمرہ بھی بغیر مقصد کے نہیں بناتا تو کیا اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور زمینیں بے مقصد بنائی ہیں؟ ہرگز نہیں!

سورت ص آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾ "اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے کار ﴿ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ یہ کافروں کا گمان ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ زمین و آسمان کی پیدائش کا کوئی مقصد نہیں ہے۔" بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ اے انسان! تو ان میں رہ کر آخرت کے امتحان کی تیاری کر۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں نصاب دیا، پیغمبر کو معلم بنا کر بھیجا جس طرح کا عمل کرو گے آگے نتیجہ آنے والا ہے۔

فرمایا ﴿وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ﴾ اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو اس چیز کا جو اس نے کمائی ہے۔ دنیا میں تو نہ نیک کو پورا نیکی کا بدلہ ملا ہے اور نہ ہر بُرے کو برائی کی صحیح سزا ملی ہے۔ بلکہ کتنے مجرم ہیں جو دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں مگر وہاں ایسا نہیں ہوگا ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾ [سورۃ النباء: پارہ ۳۰] "بے شک اللہ تعالیٰ نے حتمی فیصلے کا دن مقرر کیا ہے۔" ﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ [المدثر: ۳۸] "ہر شخص اپنی کمائی میں پھنسا ہوا ہے، اپنے عمل میں گروی ہے۔" تو فرمایا تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو جو اس نے کمائی کی ہے ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا، کسی پر زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ پورا پورا بدلہ ملے گا۔ کامیاب وہی ہوں گے جو خواہشات کو چھوڑ کر خدا رسول کے احکام کی پابندی کریں گے۔ اور جو خدا رسول کے مقابلے میں خواہشات کی پیروی کریں گے وہ ناکام ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ کیا پس آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے بنا لیا ہے معبود اپنی خواہش کو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پوری زندگی کے لیے قرآن پاک کی صورت میں اور سنت کی صورت میں دستور دیا ہے کہ اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔ جو آدمی قرآن وسنت کو چھوڑ کر رسومات و بدعات اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے اس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا لیا ہے معبود وہی ہوتا ہے جس کی مکمل اطاعت کی جائے۔ تو جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور احکام دین کی اطاعت کے بجائے خواہشات کے پیچھے چلتا ہے تو اس نے اپنی خواہش کو معبود بنایا ہوا ہے ﴿وَاَضَلَّهُ

اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کیا ہے علم پر یعنی وہ جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ دیدہ و دانستہ خواہشات کی پیروی کر رہا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کر دیا ﴿وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ﴾ اور مہر لگا دی اس کے کانوں پر اور اس کے دل پر ﴿وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً﴾ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

سورۃ النساء میں یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ ان کی عہد شکنی، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، انبیاء ﷺ کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں۔ فرمایا ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ [النساء:۱۵۵] ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مہر لگا دی ان کے کفر کی وجہ سے۔'' زبردستی اللہ تعالیٰ ہدایت کسی کو نہیں دیتے۔ جو طالب ہو اس کو دیتے ہیں۔ تو جب اس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا اور اللہ تعالیٰ کو معبود خالص ماننے کے لیے تیار نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت کے دروازے بند کر دیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ [النساء:۱۱۵] ''ہم پھیر دیتے ہیں جدھر وہ جانا چاہتا ہے اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔''

تو فرمایا اور مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں پر اور اس کے قلب پر اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ﴿فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ﴾ پس کون اس کو ہدایت دے گا اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے بعد ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ایسے بدنصیب آدمی کی حالت میں غور نہیں کرتے کہ ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت قبول کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی استعداد ہی کو خراب کر دے اور ہمیشہ کے لیے رب تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائیں۔

﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿مَا هِیَ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا﴾ مگر ہماری دنیا کی زندگی ﴿نَمُوْتُ وَ نَحْیَا﴾ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں ﴿وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ﴾ اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں ﴿اِلَّا الدَّهْرُ﴾ مگر زمانہ ﴿وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ اور نہیں ہے ان کو اس کا کچھ علم ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ﴾ نہیں ہیں وہ مگر گمان کرتے ﴿وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ﴾ اور جس وقت تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ﴿اٰیٰتُنَا﴾ ہماری آیتیں ﴿بَیِّنٰتٍ﴾ صاف صاف ﴿مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ﴾ نہیں ہوتی ان کی دلیل ﴿اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا﴾ مگر یہ کہ وہ کہتے ہیں ﴿ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ﴾ لاؤ ہمارے آباؤ اجداد کو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے ﴿ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ﴾ پھر وہ تم کو موت دیتا ہے ﴿ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ﴾ پھر وہ تم کو جمع کرے گا ﴿اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن کی طرف ﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ جس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں

جانتے ﴿وَ لِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ ملک آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ نقصان اٹھائیں گے باطل پر چلنے والے ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ﴾ اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو ﴿جَاثِيَةً﴾ گھٹنوں کے بل بیٹھنے والا ﴿كُلُّ اُمَّةٍ﴾ ہر گروہ کو ﴿تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا﴾ بلایا جائے گا اس کے اعمال نامہ کی طرف ﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ﴾ اس دن تم کو بدلہ دیا جائے گا ﴿مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کا جو تم کرتے تھے ﴿هٰذَا كِتٰبُنَا﴾ یہ ہماری کتاب ہے ﴿يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ﴾ جو بولتی ہے تمھارے اوپر حق کے ساتھ ﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ﴾ بے شک ہم لکھواتے تھے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے تھے ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس بہ ہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ﴾ پس داخل کرے گا ان کو ان کا رب ﴿فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت میں ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ یہی ہے وہ کامیابی کھلی۔

کافروں کے مختلف گروہ تھے۔ بعض قیامت کے قائل تھے وہ کہتے تھے کہ قیامت آئے گی اور بعض قیامت کے قائل نہیں تھے اور کہتے تھے کہ قیامت کوئی چیز نہیں ہے۔ انھی لوگوں کا ذکر ہے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو قیامت کے قائل نہیں تھے۔ کہتے تھے قیامت نہیں آئے گی۔ کیا کہا ﴿مَا هِيَ﴾ نہیں ہے یہ ﴿اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ مگر ہماری دنیا کی زندگی ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور کوئی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ بڑے زوردار الفاظ میں کہتے تھے ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ [المومنون: ۳۷] ''اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔'' اور تعجب کرتے ہوئے کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ [سورۃ ق: ۳] ''کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہوجائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔'' اور یہ بھی کہتے تھے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [سورہ یٰسین] ''ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔'' بس یہی دنیا کی زندگی ہے ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ اور ہمیں نہیں ہلاک کرتا مگر زمانہ۔'' بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جو دہریے قسم کے لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ زمانہ خود بخود چل رہا ہے اس کا چلانے والا کوئی نہیں ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دہر سے مراد موت ہے۔ چونکہ وہ موت کے تو قائل تھے ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ تو مطلب ہوگا کہ یہی ہم کو ہلاک کرتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ دہر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

زمانے کو گالی مت دو

حدیث پاک میں آتا ہے: لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنِّيْ اَنَا الدَّهْرُ ''زمانے کو گالی نہ دو بُرا نہ کہو میں دہر (زمانہ) ہوں۔ تم زمانے کو گالی دو گے تو میری طرف آئے گی۔ ہاں! زمانے میں رہنے والے لوگوں کی برائی کی بات کرنا علیحدہ چیز ہے کہ اس

زمانے کے لوگ بُرے ہیں۔ مثلاً ہود علیہ السلام کے زمانے میں نافرمان قوم پر جب ہوا مسلط کی گئی تو اس کے متعلق آتا ہے ﴿فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ [حٰم سجدہ:۱۶] ''منحوس دنوں میں ان پر عذاب آیا۔'' حالانکہ ذاتی طور پر دنوں میں کوئی نحوست نہیں ہے۔ اگر ذاتی طور پر نحوست ہوتی تو ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی کیسے بچتے ؟ نحوست تو ان لوگوں کے کفر و شرک کی وجہ سے تھی۔ تو یہ کہنا کہ زمانے کے لوگ خراب ہیں صحیح ہے اور براہِ راست زمانے کو بُرا کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف برائی کی نسبت ہوتی ہے۔

تو کہتے تھے کہ ہمیں نہیں ہلاک کرتا مگر زمانہ ﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ اور نہیں ہے ان کو اس کا کچھ علم۔ یہ ویسے صدری نسخے ہیں۔ زمانہ کس کے قبضے میں ہے وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ نہیں ہیں وہ مگر گمان کی باتیں کرتے، اٹکل کی باتیں کرتے ہیں، دلیل کوئی نہیں ہے۔ فرمایا ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ اور جب ان پر پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں صاف صاف جن میں قیامت کا ذکر ہے تو کیا کہتے ہیں؟ ﴿مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا﴾ نہیں ہوتی ان کی حجت، دلیل مگر یہ کہ وہ کہتے ہیں ﴿ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ﴾ لے آؤ ہمارے باپ دادا کو جو مر چکے ہیں زندہ کر کے ہمارے سامنے۔ اگر قیامت ہے تو ہم دیکھ لیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔ آؤ ہمارے ساتھ ہم تمھیں دکھاتے ہیں کہ یہ ہمارے باپ کی قبر ہے، یہ ہمارے دادا کی قبر ہے ان کو زندہ کر کے دکھاؤ تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ کل قیامت آئے گی اور اگر تم اس طرح نہیں کر سکتے تو ہم قیامت کو کیسے مان لیں؟

اس کے جواب میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلِ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کو کہہ دیں مارنا اور زندہ کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے ﴿اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہی تم کو مارے گا۔ موت وحیات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم تمہارے باپ دادوں کو زندہ کر کے تمہارے سامنے لاکر کھڑا کر دیں۔ زندہ کرنا، مارنا رب تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم سے یہ مطالبہ بے جا ہے موت وحیات رب تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے پھر وہی تمھیں مارے گا ﴿ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ پھر وہ تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن کی طرف۔ سن لو! ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ جس قیامت کے دن میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے تم تسلیم کرو یا نہ کرو قیامت آکر رہے گی ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ویسے ہی شوشے چھوڑتے ہیں اور لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہو، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بھی قائل ہو۔ کیونکہ اس بات کا انکار کافر و مشرک نہیں کرتے تھے کہ ان سے جب پوچھا جاتا تھا کہ تمھیں کس نے پیدا کیا ہے تو کہتے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ''اس سارے نظام کو چلانے والا کون ہے۔'' کہتے اللہ تعالیٰ ہی چلاتا ہے۔ جب تم یہ ساری چیزیں تسلیم کرتے ہو تو قیامت کے انکار کا کیا معنیٰ ہے کہ ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ جو تمھیں مارتا جلاتا ہے وہی دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا۔ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے ہر چیز پر تصرف بھی اسی کا ہے اور ملک بھی اسی کا ہے اسی رب تعالیٰ کا ہم تمھیں حوالہ دیتے ہیں کہ وہی تمھیں جمع کرے گا

﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی ﴿يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ اس دن نقصان اٹھائیں گے باطل پر چلنے والے۔ اس دن باطل پرستوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔ پھر افسوس کریں گے اور کہیں گے ﴿يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ [الزمر:۵۶] ''ہائے افسوس اس چیز پر جو میں نے کوتاہی کی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔'' اور کبھی کہیں گے ﴿اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ [الاحزاب:۶۷] ''بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی پس انھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا سیدھے راستے سے۔'' مذہبی پیشواؤں نے ہمیں گمراہ کیا، سیاسی پیشواؤں نے ہمیں گمراہ کیا ان کو سزا دے ڈبل اور ان پر لعنت بھیج۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم سب کو سزا ہوگی ڈبل۔

تو فرمایا اس دن نقصان اٹھائیں گے باطل پر چلنے والے ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً﴾ اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو کہ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے ہوں گے جیسے ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں۔ یہ حالت بڑے ادب کے ساتھ بیٹھنے کی ہے اور جاثیہ کا معنیٰ مُجْتَمِعَةٌ بھی کرتے ہیں کہ دیکھیں گے آپ ہر گروہ کو اکٹھے۔ یہودیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا، عیسائیوں کو دوسری جگہ اکٹھا کیا جائے گا، ہندوؤں کو تیسری جگہ اکٹھا کیا جائے گا۔ اسی طرح اعمال کے اعتبار سے بھی الگ الگ گروہ ہوں گے۔ زانیوں کا الگ گروہ، چوروں کا الگ گروہ، ڈاکوؤں کا الگ گروہ، جوئے بازوں کا الگ گروہ، دھوکے بازوں کا الگ گروہ۔ سورۃ الزمر آیت نمبر ۷۱ پارہ ۲۴ میں ہے ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ ''اور چلائے جائیں گے کافر لوگ جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔'' تو فرمایا آپ ان کو دیکھیں گے گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے۔ یا معنیٰ ہوگا آپ ان کو دیکھیں گے اکٹھے ہوں گے ﴿كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا﴾ ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے اعمال نامہ کی طرف۔ پیدائش سے لے کر وفات تک کا سارا ریکارڈ ساتھ ہوگا ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ [سورۃ ق:۱۷] ''ایک فرشتہ دائیں بیٹھا ہے اور ایک فرشتہ بائیں بیٹھا ہے۔'' دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا برائیاں لکھتا ہے ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [سورہ انفطار: پارہ ۳۰] ''وہ باعزت لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔'' فعل بھی لکھتے ہیں قول بھی لکھتے ہیں۔ آنکھوں کے اشارے تک لکھتے ہیں۔ جس وقت ریکارڈ سامنے آئے گا پھر کہیں گے ﴿يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ [الکہف:۴۹] ''افسوس ہمارے لیے کیا ہے اس کتاب کو کہ یہ نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو مگر اس نے اس کو سنبھال رکھا ہے۔'' سب کچھ اس میں درج ہے ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ چیزیں بھی درج ہوں گی۔ حکم ہوگا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [بنی اسرائیل:۱۴] ''پڑھ اپنی کتاب کافی ہے تیرا نفس آج کے دن تجھ پر محاسبہ کرنے والا۔'' قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی استطاعت عطا فرمائیں گے کہ وہ اپنی کتاب خود پڑھے۔ جب پڑھنا شروع کرے گا۔ چند ورق پڑھے گا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ذرا ٹھہر جا هَلْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ ''کیا میرے فرشتوں نے تجھ پر کوئی زیادتی تو نہیں کی۔'' کہے گا نہیں میں نے جو کچھ کیا ہے وہ لکھا ہے۔ حکم ہوگا آگے پڑھو چند ورق اور پڑھے گا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے بتلاؤ میرے فرشتوں نے تجھ پر کوئی زیادتی تو نہیں کی؟ کہے گا نہیں میں نے جو کچھ کیا ہے وہی کچھ لکھا ہے۔ تو بندہ اپنے اعمال

نامہ کو خود پڑھے گا۔ آج دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن کے حافظے کمزور ہیں۔ قیامت والے دن حافظہ قوی کر دیا جائے گا۔ سب کچھ یاد آ جائے گا۔

تو فرمایا ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے اعمال نامہ کی طرف۔ ہر ایک کا رول نمبر ہوگا۔ پھر مومنوں کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور دوسروں کو بائیں ہاتھ میں ﴿اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ﴾ آج کے دن تمھیں بدلہ دیا جائے گا ﴿مَا﴾ اس چیز کا ﴿کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو کچھ تم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿هٰذَا کِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ﴾ یہ ہماری کتاب ہے جس میں تمہارے اعمال ہیں بولتی ہے تمہارے او پر حق کے مطابق۔ اس میں نرا (سراسر) حق ہی حق ہے۔ قول، فعل اور اشارے میں کوئی زیادتی نہیں ہے بغیر کسی کمی بیشی کے سب کچھ اس میں موجود ہے ﴿اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ﴾ بے شک ہم لکھواتے تھے ﴿مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کو جو تم کرتے تھے۔ محکمہ کراماً کاتبین کے فرشتے لکھتے تھے۔ دو کی ڈیوٹی دن کی اور دو کی رات کی ہوتی ہے۔ عصر اور فجر کی نماز کے وقت ان کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں۔ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں طرف بیٹھا ہے اور برائیاں لکھنے والا بائیں طرف ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ [سورہ ق:۱۸] ''نہیں بولتا وہ کوئی لفظ مگر اس کے پاس نگران ہوتا ہے تیار۔'' زبان سے نیکی و بدی کی جو بھی بات نکلی فوراً لکھ لیتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا رحم اور فضل دیکھو کہ نیکی کی بات زبان سے نکلتی ہے یا کوئی فعل ہوتا ہے تو اس کو وہ فوراً لکھ لیتا ہے اگر بری بات کوئی زبان سے نکلتی ہے اور برائیاں لکھنے والا فرشتہ لکھنے کی تیاری کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ حکم دیتا ہے کہ نہ لکھو لَعَلَّهٗ یَتُوْبُ ''ہوسکتا ہے توبہ کرے۔'' اگر بندہ فوراً توبہ کر لے تو وہ برائی نہیں لکھتا۔ اگر توبہ نہ کرے تو پھر حکم دیتا ہے کہ لکھو کیونکہ دائیں طرف والا فرشتہ افسر ہے بائیں طرف والے کا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مجلس سے اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ۔

فرمایا کہ مجلس میں اگر کوئی کمی کوتاہی ہے تو اس دعا کی برکت سے وہ غلطیاں اور گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر بندے نے مجلس میں نیکیاں ہی کی ہوں گی تو یہ دعا نیکیوں پر مہر لگ جائے گی۔

تو فرمایا بے شک ہم لکھواتے ہیں وہ چیز جو تم کرتے ہو ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کرتے ہیں اچھے ﴿فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ﴾ پس داخل کرے گا ان کو ان کا رب ﴿فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت میں۔ وہ رحمت کا مقام جنت ہے ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ﴾ یہی ہے وہ بڑی کامیابی۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو نصیب فرمائے۔

﴿ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور بہ ہر حال وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) ﴿ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِیْ ﴾ کیا پس نہیں تھیں میری آیتیں ﴿ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ ﴾ پڑھی جاتیں تم پر ﴿ فَاسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ پس تم نے تکبر کیا ﴿ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴾ اور تھے تم لوگ جرم کرنے والے ﴿ وَاِذَا قِیْلَ ﴾ اور جس وقت کہا جاتا ہے ﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا ﴾ اور جو قیامت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿ قُلْتُمْ ﴾ تم کہتے تھے ﴿ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ﴾ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ﴾ ہم نہیں خیال کرتے مگر خیال کرنا ﴿ وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴾ اور نہیں ہیں ہم یقین کرنے والے ﴿ وَبَدَا لَهُمْ ﴾ اور ظاہر ہو جائیں گی ان کے لیے ﴿ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا ﴾ برائیاں جو وہ کرتے تھے ﴿ وَحَاقَ بِهِمْ ﴾ اور گھیر لے گی ان کو ﴿ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ وہ چیز جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿ وَقِیْلَ ﴾ اور کہا جائے گا ﴿ الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ ﴾ آج کے دن ہم نے بھلا دیا تم کو ﴿ كَمَا نَسِیْتُمْ ﴾ جیسا کہ تم نے بھلا دیا تھا ﴿ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ اس دن کی ملاقات کو ﴿ وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ﴾ اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴾ اور نہیں ہے کوئی تمھاری مدد کرنے والا ﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک تم نے ﴿ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ﴾ بنا لیا تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ٹھٹھا کیا ہوا ﴿ وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ﴾ اور دھوکے میں ڈالا تم کو دنیا کی زندگی نے ﴿ فَالْیَوْمَ ﴾ پس آج کے دن ﴿ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا ﴾ نہیں نکالے جائیں گے اس دوزخ سے ﴿ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ اور نہ ان کو معافی کا موقع دیا جائے گا ﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تعریف ﴿ رَبِّ السَّمٰوٰتِ ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا ﴿ وَرَبِّ الْاَرْضِ ﴾ اور زمین کا رب ہے ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ تمام جہانوں کا رب ہے ﴿ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ ﴾ اور اسی کے لیے ہے بڑائی ﴿ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں ﴿ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ اور وہی ہے غالب حکمت والا۔

ربط آیات

کل کے سبق کی آخری آیت کریمہ میں تم نے پڑھا کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی کامیابی ہے بڑی۔ اب دوسری مد کے لوگوں کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور بہر حال وہ لوگ جو کافر ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے، رسالت کے اور قیامت کے ان سے پوچھا جائے گا ﴿ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ ﴾ کیا پس نہیں تھیں میری آیتیں پڑھی جاتیں تم پر۔ کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر مبلغ تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ تمھیں نیکی کا راستہ نہیں بتلایا تھا؟ کافر لوگ جواب دیں گے ﴿ قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ﴾ "تحقیق آیا تھا

ہمارے پاس ڈرانے والا ﴿فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ [سورۃ الملک] ''پس ہم نے جھٹلا دیا اس کو اور ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے کوئی شے نازل نہیں کی۔'' فرمایا ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ﴾ ''نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں۔'' ﴿فَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾ پس تم نے تکبر کیا ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُجْرِمِينَ﴾ اور تھے تم مجرم لوگ۔ اب تم اپنے جرم کی سزا ہمیشہ کے لیے بھگتو۔ تم نے تکبر کیا، حق کو ٹھکرایا باطل پر ڈٹے رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِذَا قِيلَ﴾ اور جس وقت کہا جاتا تھا ﴿إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا﴾ اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے ضرور آئے گی۔ دنیا میں جب تمھیں یہ کہا جاتا تھا رب کا وعدہ سچا ہے قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿قُلْتُمْ﴾ تم کہتے تھے ﴿مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ﴾ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے۔ قیامت کیا چیز ہوتی ہے۔ تم نے قیامت کا انکار کیا اور کہا ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ ''ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔'' کل کے سبق میں تم پڑھ چکے ہو انھوں نے کہا ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا﴾ ''نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔'' کوئی قیامت نہیں ہے ﴿إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا﴾ ہم نہیں خیال کرتے مگر وہ خیال کرنا ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ﴾ اور نہیں ہیں ہم یقین کرنے والے کہ قیامت آئے گی۔

عقیدۂ آخرت

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے قیامت کا عقیدہ بھی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ اپنی صفات اور افعال میں وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں تمام کے تمام برحق پیغمبر تھے اور اپنی اپنی قوموں کے لیے پیغمبر تھے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور تمام قوموں کے لیے پیغمبر ہیں۔ اسی طرح قیامت پر ایمان کہ ایک دن ساری کائنات فنا ہو جائے گی پھر دوبارہ زندہ ہو کر میدان محشر میں پیشی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانا ہے، فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔ یہ بنیادی عقائد ہیں ان کو تسلیم کیے بغیر کوئی آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

تو مشرکین مکہ کہتے تھے کہ ہم قیامت پر یقین رکھنے والے نہیں ہیں ہم نہیں مانتے ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا﴾ اور ظاہر ہو جائیں گی برائیاں جو وہ کرتے تھے۔ بس مرنے کی دیر ہے قیامت شروع ہو جائے گی۔ مرتے وقت ہی فرشتے نظر آتے ہیں ملک الموت اور اس کے پیچھے تقریباً اٹھارہ فرشتے کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر نیک ہے تو ملک الموت روح قبض کر کے ان کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ فرشتے خوشبودار جنت کے کفن میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں اور جنت کے ہر دروازے والے فرشتے کہتے ہیں کہ اس کو اس دروازے سے لے کر جاؤ۔ سات آسمان طے کر کے ہیڈ کوارٹر علیین تک پہنچاتے ہیں نام درج کرانے کے لیے۔ اور اگر بد ہے تو جہنم کے بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ﴾ [الاعراف: ۴۰] ''ان کے

لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔'' اس کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ سات زمینوں کے نیچے سجین مقام ہے جو کافروں اور مشرکوں کی روحوں کا ٹھکانا ہے ان کا نام وہاں درج کیا جاتا ہے۔ تو مرنے کے ساتھ ہی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن مرنے کے بعد افسوس کرنا کام نہیں آئے گا نہ توبہ کا موقع ملے گا اور نہ توبہ قبول ہوگی۔ کیوں کہ ایمان بالغیب کا اعتبار ہے۔ جب سب کچھ سامنے آ گیا تو ایمان بالغیب تو نہ رہا۔

تو فرمایا کہ ظاہر ہو جائیں گی برائیاں جو وہ کرتے تھے ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ آج تو کہتے ہیں کہ عجیب ہے کہ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز آگ میں تھوہر اور ضریع کا درخت بھی ہوگا، سانپ اور بچھو بھی ہوں گے اس میں بندے جل کر مریں گے بھی نہیں اور سانپ بچھو جلیں گے بھی نہیں۔ آج یہ جن چیزوں کا مذاق اڑاتے ہیں وہ ساری چیزیں سامنے آ جائیں گی ﴿وَقِيْلَ﴾ اور کہا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ﴾ آج کے دن ہم تم کو بھلا دیں گے۔ رب تعالیٰ تو نسیان سے پاک ہے۔

سورۃ مریم آیت نمبر ۶۴ پارہ ۱۶ میں ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ''اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا'' یہاں بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ پروا نہیں کرے گا ﴿كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ جیسا کہ تم نے بھلا دیا تھا اس دن کی ملاقات کو۔ جس طرح تم نے اس دن کی پروا نہیں کی رب تعالیٰ اپنی رحمت سے تمھیں بھلا دیں گے ﴿وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ دوزخ میں جاؤ ہمیشہ کے لیے۔ آج دنیا کی آگ میں کوئی آدمی انگلی نہیں ڈال سکتا اور بخاری شریف اور مسلم شریف کے مطابق جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے اور جہنم کا ایک طبقہ دوسرے طبقے سے پناہ مانگتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اے پروردگار! اس کی حرارت اور تپش نے مجھے جلا دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو سانس لے لے۔ تو یہ جو سخت گرمی ہے یہ جہنم کا ایک سانس ہے اور یہ جو سخت سردی ہوتی ہے یہ بھی جہنم کے ٹھنڈے طبقے کا ایک سانس ہے۔

تو فرمایا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور نہیں ہے کوئی تمہاری مدد کرنے والا۔ دوزخ میں تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کر سکے گا ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک تم نے ﴿اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ بنایا تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ٹھٹھا کیا ہوا۔

کافروں کا قرآنی سورتیں کے ناموں کا مذاق اڑانا

قرآن کریم کی ایک سورت کا نام بقرہ ہے۔ بقرہ کا معنیٰ ہے گائے اور ایک سورت کا نام نساء ہے نساء کا معنیٰ ہے عورتیں، ایک کا نام مائدہ ہے۔ مائدہ کا معنیٰ ہے دسترخوان۔ ایک کا نام انعام ہے انعام کا معنیٰ ہے مویشی۔ ایک کا نام نحل ہے۔ نحل کا معنیٰ ہے شہد کی مکھیاں۔ ایک کا نام ہے عنکبوت، عنکبوت کا معنیٰ ہے مکڑی۔ تو کافر لوگ آپس میں بیٹھ کر گپیں مارتے تھے اور اس طرح

قرآن کریم کا مذاق اُڑاتے تھے۔ایک کہتا بھائی مجھے گائے کے ساتھ پیار ہے لہٰذا بقرہ مجھے دے دو میں اس کا دودھ پیتا رہوں گا۔دوسرا کہتا میں کھانے کا بڑا شوقین ہوں مائدہ مجھے دے دو۔تیسرا کہتا کہ میں عورتوں کا بڑا شوقین ہوں سورۃ النساء میرے حصے میں رہنے دو۔کوئی کہتا کہ میں جانوروں کا بڑا شوقین ہوں انعام میرے پاس رہنے دو۔کوئی کہتا مجھے شہد کی مکھیوں کے ساتھ بڑا پیار ہے لہٰذا نحل میری ہے۔کسی کو کہتے کہ بھئی! تجھے عنکبوت دیں گے۔تو اس طرح قرآن کریم کا مذاق اڑاتے۔

او ظالمو! رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو باتیں بیان کی ہیں وہ تمھیں سمجھانے کے لیے ہیں تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے۔تو فرمایا کہ یہ دوزخ میں تمہارا ٹھکانا اس لیے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کیا ہے ﴿وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ اور دھوکے میں ڈالا تمھیں دنیا کی زندگی نے۔تم نے دنیا کو سمجھا آخرت کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔آج دنیا کا حال یہ ہے کہ ہر چیز کو مادی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ان مغربی قوتوں نے ذہن ایسا بنا دیا ہے کہ ہر چیز کو مادی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اگرچہ سارے ایسے نہیں ہیں الحمدللہ! دین پر چلنے والے بھی موجود ہیں لیکن دین پر چلنے والے اور دین کی کوشش کرنے والے نسبتاً بہت کم ہیں مگر موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ "میری امت میں سے ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔" دنیا کی کوئی طاقت ان کو حق سے ہٹا نہیں سکے گی۔"مصیبتیں جھیلیں گے، تکلیفیں برداشت کریں گے حق کو نہیں چھوڑیں گے۔لیکن دنیا کی اکثریت گمراہ ہے۔فرمایا ﴿فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا﴾ پس آج کے دن نہ نکالے جائیں گے اس دوزخ سے ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ اور نہ ان کو معافی کا موقع دیا جائے گا۔بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مجرم کو کہا جاتا ہے کہ معافی مانگ لو، ضمانت دے دو کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرو گے لیکن قیامت والے دن کافروں کو معافی کا موقع نہیں دیا جائے گا ﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تعریف ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا ﴿وَرَبِّ الْاَرْضِ﴾ اور زمین کا رب ہے۔زمین میں جتنی مخلوق ہے تمام کا رب اللہ تعالیٰ ہے ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں کا رب ہے۔انسان کے جہان کا رب، فرشتوں کے جہان کا رب، جنات اور حیوانات کے جہان کا رب۔سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اگر ہم رب کا ہی مفہوم سمجھ لیں تو شرک کے قریب نہیں جائیں گے۔رب کا معنیٰ ہے تربیت کرنے والا۔تربیت کے لیے ہوا کی بھی ضرورت ہے، خوراک کی بھی ضرورت ہے، لباس کی بھی ضرورت ہے، رہائش کی بھی ضرورت ہے۔یہ تمام ضروریات پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔تو رب بھی وہی ہے اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہیں۔اس کے سوا نہ کوئی مالک ہے، نہ خالق ہے، نہ کوئی رب ہے۔اور جو پروردگار ہے وہی مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس اور دست گیر ہے۔جب یہ بات سمجھ آجائے گی تو شرک قریب نہیں آسکتا۔مگر ہم نے تو قرآن کی بنیادی اصطلاحات ہی کو نہیں سمجھا۔

﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے بڑائی ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں۔اللہ تعالیٰ سے بڑی ذات کوئی نہیں ہے۔اللہ اکبر کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بڑا ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔باقی ہر چیز فانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کی نہ ابتداء، نہ انتہاء، نہ اس کے لیے موت، نہ بیماری، نہ صدمہ، نہ دکھ، نہ تکلیف، وہ ہر کمزوری سے پاک ہے۔ ہم اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔

دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں کہ تری پہچان یہی ہے

اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا اس کو اس کی قدرتوں اور نشانیوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، تمام جہان پیدا کیے اور سب کی ضروریات پوری کرنے والا ہے، وہ رب ہے۔ اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کا ہر کام حکمت کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اپنی حکمتوں کو خود سمجھتا ہے، ہم تم نہیں سمجھ سکتے۔

الحمد للہ! آج ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ بمطابق ۴ مارچ ۲۰۱۴ء، پچیسواں پارہ مکمل ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡاَحۡقَافِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ حٰمٓ
(۲۶)

آیاتہا ۳۵ (۴۶) سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (۶۶) رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ﴾ یہ کتاب اتاری ہوئی ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿الْعَزِيْزِ﴾ جو غالب ہے ﴿الْحَكِيْمِ﴾ جو حکمت والا ہے ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ﴾ نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿وَمَا بَيْنَهُمَآ﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور ایک مقرر مدت تک ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿عَمَّآ﴾ اس چیز سے ﴿اُنْذِرُوْا﴾ جس چیز سے ان کو ڈرایا گیا ﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ اعراض کرتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بھلا تم بتلاؤ ﴿مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ وہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿اَرُوْنِيْ﴾ دکھاؤ مجھے ﴿مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ کیا پیدا کیا ہے انھوں نے زمین سے ﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ﴾ یا ان کے لیے کوئی شراکت ہے ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿اِيْتُوْنِيْ﴾ لاؤ میرے پاس ﴿بِكِتٰبٍ﴾ کوئی کتاب ﴿مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ﴾ اس سے پہلے ﴿اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ یا کوئی نشانی علم کی ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿وَمَنْ اَضَلُّ﴾ اور کون زیادہ گمراہ ہے ﴿مِمَّنْ﴾ اس سے ﴿يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جو پکارتا ہے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ﴾ اس کو جو نہیں پہنچ سکتا اس کی پکار کو ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ﴾ اور جس وقت جمع کیے جائیں گے لوگ ﴿كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً﴾ ہوں گے وہ ان کے دشمن ﴿وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور ہوں گے وہ ان کی عبادت کا انکار کرنے والے۔

تعارف سورت

اس سورت کا نام سورۃ الاحقاف ہے۔ احقاف جمع ہے حِقْفٌ کی۔ اس کا معنیٰ ہے ریت کا ٹیلا۔ اس سورہ میں قوم عاد کا ذکر ہے جہاں وہ رہتے تھے وہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے تھے اس وجہ سے اس کا نام احقاف ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے پینسٹھ [۶۵] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے چار رکوع اور پینتیس [۳۵] آیات ہیں۔

﴿حٰمٓ﴾ کے متعلق کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی طرف اشارہ ہے۔ حا سے حمید مراد ہے اور میم سے مجید مراد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔

﴿تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ﴾ یہ ہمارے سامنے جو کتاب ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ کتاب اتاری ہوئی ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ جو غالب ہے ﴿الْحَكِیْمِ﴾ جو حکمت والا ہے۔ ﴿الْعَزِیْزِ﴾ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کتاب ساری دنیا پر غالب ہوگی کافروں نے، مخالفوں نے بڑی رکاوٹیں کھڑی کی ہیں مگر الحمد للہ! یہ قرآن پھیلتا ہی گیا ہے۔ ﴿الْحَكِیْمِ﴾ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی باتیں حکمت والی ہیں۔ اس کتاب کا موضوع اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔ آگے توحید کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَیْنَهُمَاۤ﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مثلاً: چاند، سورج، ستارے ہیں، فضا ہے، پہاڑ ہیں، دریا ہیں، درخت، ٹیلے اور فصلیں ہیں اور بے شمار مخلوق ہے جو کچھ بھی ہے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ان کو پیدا کیا ہے ان کے پیدا کرنے کا کوئی مقصد ہے بے فائدہ نہیں بنایا ﴿وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور ایک مدت مقرر تک۔ ان کی ایک میعاد مقرر ہے۔ اس کے بعد نہ زمین رہے گی اور نہ آسمان۔ کیوں کہ جس مقصد کے لیے ان کو بنایا تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔

اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ اسکول، کالج، یونیورسٹی کی عمارت بنائی جاتی ہے، مدارس تعمیر کیے جاتے ہیں تو ان کا مقصد ہوتا ہے کہ ان میں پڑھنے والے پڑھیں گے اور ایک ان کی تعلیم کے لیے نصاب ہوتا ہے اور اس نصاب کو پورا کرنے کے لیے وقت ہوتا ہے کہ یہ نصاب تم نے دو سال میں پورا کرنا ہے یا چار سال میں مثال کے طور پر۔ نصاب مکمل ہونے کے بعد امتحان ہوتا ہے۔ تو یہ عمارتیں بے مقصد نہیں بنائی گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بے مقصد نہیں بنایا۔ اس کے لیے دین ایک نصاب ہے، انبیائے کرام علیہم السلام معلم ہیں۔ انھوں نے ہمیں بتایا ہے کہ تم اپنا عقیدہ درست کرو، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو۔ جو کام کرنے کے ہیں وہ بھی بتائے اور جو نہ کرنے کے ہیں وہ بھی بتائے ہیں۔ ہم نے اس نصاب کی تکمیل کرنی ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ امتحان لیا جائے گا۔ جب مقصد پورا ہو جائے گا تو زمین اور آسمان کی عمارت کو ختم کر دیا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بے مقصد نہیں بنایا۔

عقل مندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ [آل عمران:۱۹۱] ''اے ہمارے رب! تو نے آسمانوں اور زمین کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔'' مقصد پورا ہو جانے کے بعد ان کو ختم کر دیا جائے گا۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۱۰۴ میں ہے ﴿یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ ''جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو مثل لپیٹ دینے طومار کے لکھے ہوئے کاغذوں کو'' اور زمینوں کے اوپر پہاڑ، ٹیلے برابر کر دیے جائیں گے۔ کوئی نشیب وفراز نہیں ہوگا۔ سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے ﴿لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا﴾ ''نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ ٹیلا۔'' مشرق سے لے کر مغرب تک میدان ایسے ہموار ہوگا کہ اگر انڈا مشرق سے لڑھکایا جائے تو مغرب تک کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ اور اگر شمال سے لڑھکایا جائے تو جنوب تک کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ لیکن ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، انکار کیا ﴿عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا﴾ ان چیزوں سے جن سے ان کو ڈرایا گیا ﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ اعراض کرنے والے ہیں۔ ان کو کفر سے ڈرایا

گیا، شرک سے ڈرایا گیا، رب تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرایا گیا کہ باز آ جاؤ ورنہ رب تعالیٰ کا عذاب اس دنیا میں بھی آ سکتا ہے اور آ تا رہا ہے۔ اور مرنے کے بعد پھر عذاب الٰہی ہے۔ یہ ساری باتیں ان کو کھول کر بتلائی گئیں لیکن وہ اعراض کرتے رہے کوئی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بھلا تم بتلاؤ مجھے، خبر دو مجھے ﴿مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ وہ جن کو تم پکارتے ہو (مشکل کشا، حاجت روا، سمجھ کر) اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿اَرُوْنِيْ﴾ دکھاؤ مجھے، بتلاؤ مجھے ﴿مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ کیا پیدا کیا ہے انھوں نے زمین سے۔ مشرقی حصہ پیدا کیا ہے، مغربی حصہ پیدا کیا ہے، پہاڑ پیدا کیے ہیں، دریا پیدا کیے ہیں، کیا چیز پیدا کی ہے؟

غیر اللہ کو پکارنا

پکارنے والوں نے فرشتوں کو بھی پکارا: یا جبرائیل، یا میکائیل، یا اسرافیل کہا اور پیغمبروں کو بھی پکارا یا رسول اللہ مدد کہا۔ اچھے بھلے سمجھ دار لوگ گمراہ ہیں۔ احمد رضا خان صاحب بریلوی کہتے ہیں:

ع بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا

ہم جو یا رسول اللہ! کا جملہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگتے ہیں تو اے نجدی، وہابی اس سے تجھے کیا تکلیف ہوتی ہے؟ دیکھنا! اگر یا رسول اللہ! کا جملہ پیار اور محبت کی وجہ سے کہا جائے اور عقیدہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب کا نہ ہو اور نہ اس جملے کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی جائے تو پھر صحیح ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ جیسے ایک بندے کو راستے پر چلتے چلتے ٹھوکر لگے اور گر جائے اور منہ سے نکلے ہائے بے بے۔ اب بے بے وہاں کھڑی تو نہیں ہے۔ چونکہ ماں کے ساتھ پیار ہوتا ہے اور پیار کی وجہ سے یاد آتی ہے، حاضر و ناظر کے نظریے سے کوئی نہیں کہتا۔ لہٰذا یہ صحیح ہے۔ اگر حاضر و ناظر سمجھ کر مدد کے لیے کہتا ہے تو پھر صحیح نہیں ہے مدد صرف رب تعالیٰ سے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رب تعالیٰ کی مدد کے محتاج تھے۔ تو فرمایا آپ ان مشرکوں سے کہیں کہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے بتلاؤ مجھے کیا پیدا کیا ہے انھوں نے زمین سے ﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ یا ان کے لیے کوئی شراکت ہے آسمانوں میں یا سات آسمانوں میں سے کسی کا کوئی مشرق کا حصہ بنایا ہو یا مغرب کا یا شمال کا یا جنوب کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے۔ محض ڈھکوسلا نہ مارنا ﴿اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ﴾ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب ﴿مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ﴾ اس قرآن سے پہلے کی کوئی مستند کتاب ہو اس کتاب سے کوئی حوالہ دو کہ دیکھو! اس میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں چیز پیدا کی ہے، فلاں نے فلاں چیز پیدا کی ہے، فلاں نے فلاں چیز پیدا کی ہے ﴿اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ یا کوئی نشانی علم کی۔ دلیل ہمیشہ دو قسم کی ہوتی ہے نقلی، عقلی۔ نقلی کا معنیٰ ہے کتاب سے نقل کی جائے کہ لو جی! یہ دلیل فلاں کتاب کے اتنے نمبر صفحے پر ہے۔ یا عقلی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ بغیر دلیل کے تو دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا لہٰذا کوئی دلیل پیش کرو نقلی یا عقلی کہ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حصہ دار ہے اور وہ بھی حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حصہ دار اور شریک ہی کوئی نہیں ہے تو پھر حاجت روا اور

مشکل کشا اور فریادرس بھی کوئی نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ پر جو مشکل وقت آئے ہیں ان میں مجموعی حیثیت سے سب سے زیادہ مشکل مقام بدر کا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ تین سو بارہ ساتھی تھے تیرھویں آپ ﷺ تھے۔ جمعرات کی عشاء کی نماز پڑھا کر آپ ﷺ سرخ رنگ کے چمڑے کے خیمے میں تشریف لے گئے اور نفل نماز شروع کی۔ لمبا قیام، لمبا رکوع اور سجود کیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا انسان کون سی حالت میں رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ لِلرَّبِّ وَ هُوَ سَاجِدًا ''بندہ سب سے زیادہ قریب اپنے رب کے سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔'' سب سے زیادہ عاجزی کی حالت سجدے کی ہوتی ہے کہ ہاتھ پاؤں زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہیں گھٹنے، ناک، پیشانی بھی زمین کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اور مسئلہ یاد رکھنا کہ جب تک ناک اور پیشانی دونوں سجدے میں زمین پر نہ لگیں تو سجدہ نہیں ہوتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَمَسَّ اَنْفُ الْاَرْضَ ''اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جس کا ناک زمین پر نہ لگے۔'' ہاں! اگر ناک پر زخم ہے یا پیشانی پر زخم ہے تو پھر بات علیحدہ ہے، مجبوری ہے۔ مجبوری کی حالت کے مسائل الگ ہیں۔ اور سجدے میں بازو زمین سے اونچے ہوں۔ بازو زمین پر پھیلانے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ جیسے کتا یا درندے اپنے بازو پھیلا دیتے ہیں تم اس طرح سجدے میں اپنے بازو نہ پھیلاؤ۔ اور ہاتھ پیٹ اور ران کے ساتھ بھی نہ لگیں اور اتنے باہر بھی نہ نکالو کہ ساتھ والے نمازی کو تکلیف ہو اور وہ تنگ ہو جائے۔

تو آنحضرت ﷺ نے سرخ رنگ کے چمڑے میں داخل ہو کر نفل شروع کیے، سجدے میں گئے، رونا شروع کر دیا اور دعا مانگی اے پروردگار! یہ جو بندے میں ساتھ لے کر آیا ہوں یہ میری پندرہ سال کی کمائی ہے۔ اے پروردگار! اگر ان کو شکست ہوئی تو قیامت تک تیری توحید کا ذکر کرنے والا اور ماننے والا تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ روتے بھی ہیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں۔ اگر اپنے اختیار میں ہوتا تو اپنی مدد خود کر لیتے۔ رب تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر کر مانگنے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خیمے سے باہر تھے آپ ﷺ کی گریہ زاری سنی تو اندر داخل ہوئے اور کہنے لگے حضرت! بس کرو لَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰی رَبِّكَ ''آپ نے بڑی زاری کی ہے رب تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔'' آپ ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے۔ یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر تھے سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بلند مرتبہ اور شان والے ہو کر اپنی مدد نہیں کر سکے رب تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں تو اور کون ہے جو حاجت روا، مشکل کشا اور فریادرس ہو سکے، دست گیر ہو سکے۔ پچھلے دنوں ملک عراق میں کئی حکومتوں نے جن میں ہماری حکومت بھی ان کے ساتھ تھی صدام کے خلاف کارروائی کی، بغداد پر بم باری ہوئی تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے روضہ کے کچھ حصہ اور آس پاس کی عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ جس پر ان کو معذرت کرنی پڑی کہ پائیلٹ

کی غلطی سے ہوا ہے قصداً نہیں ہوا۔

خیر یہ بات تو الگ ہے مگر سوال یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ السلام ہماری تمھاری اور دنیا کی مدد کرتے ہیں اور وہاں بغداد میں تشریف فرما ہوتے ہوئے اپنے روضہ اور ماحول کی حفاظت نہیں کر سکے، وہاں دست گیری نہیں کی، اردگرد کی قبروں کو بچاتے، جن کی بے حرمتی ہوئی، عمارتوں کو بچاتے۔ مگر یہ بات سمجھنے والوں کے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ بے شک وہ اپنے مقام پر بہت بلند بزرگ ہیں لیکن وہ خدا تو نہیں ہیں اور نہ ہی خدائی اختیارات ان کے پاس ہیں۔ خدائی اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ان بزرگوں کی تو ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی توحید کی اشاعت میں گزری ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ السلام کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے "فتوح الغیب" اس میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس کو ضرور پڑھو۔ عربی میں تھی اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے مولانا حکیم محمد صادق نے میرے مشورے سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

گکھڑ میں لوگوں کو کتابوں کا شوق نہیں ہے بس یہی ہے کہ مولوی صاحب کا درس سن لیں۔ حالانکہ بعض چیزیں کتابوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ میرے پاس اس کے ایک دو نسخے تھے وہ کوئی مولوی لے گیا اور واپس نہیں کیے اور مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ وہ کون مولوی صاحب لے گئے ہیں۔ مگر اس ظالم نے واپس نہیں کیے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی حاجت روائی کرنے والا نہیں۔ تو فرمایا لاؤ کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی نشانی علم کی، باقی ماندہ علم کی بات کہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا انھوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں یا ان کے لیے کچھ شراکت ہے آسمانوں میں۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی نقلی یا عقلی دلیل پیش کرو ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔ اور سن لو ﴿وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ﴾ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے ﴿يَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ جو پکارتا ہے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مَنۡ﴾ اس کو ﴿لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ﴾ جو نہیں پہنچ سکتا اس کی پکار کو قیامت کے دن تک، نہیں قبول کرنے والا اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور نہ ان کے اختیار میں ہے ﴿وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ﴾ اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔ اب دیکھو! یہاں سے جو کوئی شخص کہتا ہے ''یا غوث اعظم دستگیر میری مدد کرو۔'' وہ تو اپنی قبر میں، جنت کے مزوں میں ہیں ان کو کیا معلوم کہ مجھے کس نے پکارا ہے اور کہاں سے پکارا ہے؟ کیوں پکارا ہے؟ وہ ہزاروں میل کی مسافت پر ہیں۔ اسی پر قیاس کریں دوسرے بزرگوں کو۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ بزرگوں میں سے ہیں چالیس ہزار ہندو ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان کی کتاب ہے ''کشف المحجوب'' پہلے فارسی زبان میں تھی اب اس کا اردو ترجمہ ہو گیا ہے۔ اس کو پڑھو۔ وہ اپنے شاگرد کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا نہ کوئی گنج بخش ہے اور نہ رنج بخش ہے۔ نہ کوئی خزانہ دیتا ہے اور نہ کوئی دکھ دے سکتا ہے۔ اور آج کل تو تاریخ بالکل الٹ ہو گئی ہے۔ ان کی جگہ آج کل شرابیوں، منشیات فروشوں اور اغوا کاروں کا اڈا بنی ہوئی ہے۔

تو فرمایا اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے نیچے ایسے کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا کو قبول نہیں کر سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں ﴿وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ﴾ اور جس وقت لوگ جمع کیے جائیں گے ﴿كَانُوۡا لَهُمۡ اَعۡدَآءً﴾ ہوں

گے وہ ان کے دشمن جن کو یہ پکارتے ہیں وہ ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے کہ ظالمو! تم کیا کرتے رہے ہو ہم نے کب کہا تھا کہ اس طرح کرنا ﴿وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور ہوں گے وہ ان کی عبادت کا انکار کرنے والے۔ وہ عبادت کرنے والوں کی عبادت کا انکار کریں گے کہ ہمیں کیا پتا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ہم نے تمھیں شرک کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہمیں پکارنا یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی مستعان نہیں ہے واللہ المستعان ''اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔''

اور ہر نماز میں ہمارا یہ سبق ہے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد مانگنا مافوق الاسباب شرک ہے اور شرک سے بڑی قبیح چیز کوئی نہیں ہے۔ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور قرآن پاک میں جتنا رد شرک و بدعات کا ہے شاید ہی کسی اور چیز کا ہو لیکن لوگ آج جہالت کی وجہ سے شرک و بدعات میں مبتلا ہیں۔ رب تعالیٰ شرک و بدعت سے بچائے۔

﴿وَ اِذَا﴾ اور جس وقت ﴿تُتْلٰى﴾ تلاوت کی جاتی ہیں ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿اٰيٰتُنَا﴾ ہماری آیتیں ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ صاف صاف ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾ کہتے ہیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لِلْحَقِّ﴾ حق کے بارے میں ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جس وقت آ گیا حق ان کے پاس ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ یہ جادو ہے کھلا ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ کیا یہ کہتے ہیں پیغمبر نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِ افْتَرَيْتُهٗ﴾ اگر بالفرض میں نے اس کو گھڑا ہے ﴿فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ﴾ پس نہیں مالک تم میرے لیے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿شَيْئًا﴾ کچھ بھی ﴿هُوَ اَعْلَمُ﴾ وہ خوب جانتا ہے ﴿بِمَا﴾ ان چیزوں کو ﴿تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ جن میں تم گھسے رہتے ہو ﴿كَفٰى بِهٖ﴾ کافی ہے وہ ﴿شَهِيْدًا﴾ گواہ ﴿بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ﴾ میرے اور تمھارے درمیان ﴿وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ اور وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ نہیں ہوں میں نیا رسولوں میں سے ﴿وَ مَاۤ اَدْرِيْ﴾ اور میں نہیں جانتا ﴿مَا يُفْعَلُ بِيْ﴾ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ ﴿وَ لَا بِكُمْ﴾ اور نہیں جانتا کیا کیا جائے گا تمھارے ساتھ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ﴾ میں نہیں اتباع کرتا ﴿اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ﴾ مگر اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف ﴿وَ مَاۤ اَنَا﴾ اور نہیں ہوں میں ﴿اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ مگر ڈرانے والا کھول کر ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بھلا بتلاؤ ﴿اِنْ كَانَ﴾ اگر ہے یہ قرآن ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ﴾ اور تم اس کا انکار کرتے ہو ﴿وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے بنی اسرائیل میں سے ﴿عَلٰى مِثْلِهٖ﴾ اس جیسی چیز پر ﴿فَاٰمَنَ﴾ پس وہ ایمان لایا ﴿وَ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ اور تم نے تکبر کیا

﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔

ربط آیات

کل کے سبق کی آخری آیت کریمہ میں تم نے پڑھا کہ ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ﴾ اور جس وقت اکٹھے کیے جائیں گے لوگ قیامت والے دن۔ تو جن کی عبادت کی گئی ہے یہ عبادت کرنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے انکار کرنے والے ہوں گے۔ تو یہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اس دن رسوا ہوں گے اور آج ان کی حالت یہ ہے جو غیر اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں ان کو حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس سمجھتے ہیں۔ حق کو سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا﴾ اور جس وقت تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں ﴿بَیِّنٰتٍ﴾ صاف صاف۔ معنیٰ کے لحاظ سے واضح، مطلب کے لحاظ سے واضح۔ صاف آیتیں پیش کی جاتی ہیں ﴿قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لِلْحَقِّ﴾ حق کے بارے میں ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جب حق ان کے پاس آ گیا۔ کہتے ہیں ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ یہ جادو ہے کھلا۔

قرآن کریم عربی میں ہے اور جس ذات پر نازل ہوا وہ بھی عربی اور جن کی طرف نازل ہوا جو اول مخاطب تھے وہ بھی عربی تھے۔ تمام مکے والے عربی تھے اور عربی میں ایسے فصیح و بلیغ کہ ان کے نو عمر بچے اور بچیاں جس طرح عربی بولتے اور سمجھتے تھے ہم لوگ پچاس پچاس سال پڑھ کر بھی اس طرح بول اور سمجھ نہیں سکتے۔ چوں کہ ہماری مادری زبان عربی نہیں ہے۔ ان کے اَن پڑھ لوگ ایسے شعر کہتے تھے کہ ہم ساٹھ ساٹھ سال پڑھا کر بھی ان جیسے شعر نہیں کہہ سکتے۔ وہ قرآن کریم کو سمجھتے تھے اور اس کے اثر کے بھی قائل تھے اور کہتے تھے کہ اس کا اثر اس لیے ہے کہ یہ کھلا جادو ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کو جادوگر کہتے تھے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ خود بھی جادو کہہ کر ٹھکرا دیتے تھے اور دوسروں کو بھی کہتے ﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ [الانبیاء: ۳] "کیا پس تم پھنستے ہو جادو میں اور تم دیکھ رہے ہو۔" صاحب بصیرت ہو، اچھے بھلے سمجھ دار ہو کر تم جادو میں پھنستے ہو۔

تو فرمایا کہ جب حق ان کے پاس آیا تو حق کے منکروں نے کہا یہ جادو ہے کھلا۔ اور سنو! ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں پیغمبر نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے اپنے پاس سے۔ یہ الزام بھی انھوں نے آپ پر لگایا حالانکہ ان کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ آپ ﷺ نے کسی سے کوئی چیز نہیں سیکھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں ﴿الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ "رسول جو نبی امی ہے۔" امی کا معنیٰ ہے ان پڑھ۔ اور دوسری صفت فرمایا ﴿وَلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ﴾ [عنکبوت: ۴۸] "اور نہ آپ لکھتے تھے دائیں ہاتھ سے۔" آپ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا جانتے تھے۔ یہ سب ان کے علم میں تھا مگر زبان لوگوں کے منہ میں ہے شوشے چھوڑنے سے باز نہیں آتے۔ بعض کہتے تھے ﴿اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ "اس کو سکھاتا ہے ایک آدمی۔" اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ [النحل: ۱۰۳] "اس آدمی کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے۔"

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کا نام یعیش اور بعض عائش بتلاتے ہیں۔ وہ بے چارہ تو اچھی طرح عربی بول بھی نہیں سکتا تھا۔ چونکہ غریب اور پردیسی تھا اور وہاں اس کا کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ بیمار ہو جاتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تیمارداری کے لیے جاتے تھے اس کو پانی لا دیا اور کوئی اس کی ضرورت کی چیز ہوتی تو لا دیتے۔ اس بے چارے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی سکھانی تھی جو خود صحیح معنیٰ میں عربی نہیں بول سکتا تھا؟ تو مخالف کبھی کوئی شوشہ چھوڑ دیتے کبھی کوئی شوشہ چھوڑ دیتے۔ اس مقام پر اس شوشے کا ذکر ہے۔

فرمایا کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم نے خود قرآن کو گھڑ لیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِ افْتَرَيْتُهٗ﴾ بالفرض اگر میں نے اس کو گھڑا ہے ﴿فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ پس تم مالک نہیں ہو میرے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے کے لیے تم کسی شے کے بھی مالک نہیں ہو اگر میں نے گھڑا ہے تو میں نے جرم کیا ہے اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا اور تم مجھے بچا نہیں سکو گے ﴿هُوَ اَعْلَمُ﴾ وہ خوب جانتا ہے ﴿بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ ان چیزوں کو جن میں تم گھسے ہوئے ہو۔ جن میں تم مصروف رہتے ہو۔ کبھی مجھے شاعر کہتے ہو، کبھی کاہن کہتے ہو، کبھی مسحور اور کبھی جادوگر، کبھی مجنون اور کبھی کذاب، معاذ اللہ تعالیٰ۔ جن باتوں میں تم مصروف ہو رب تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے ﴿كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾ کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔ اللہ تعالیٰ کی پہلی گواہی تو یہ کتاب ہے جو اس نے مجھ پر نازل فرمائی تم اس کے مثل ایک سورت نہیں لا سکتے۔

پھر چاند کا دو ٹکڑے ہونا اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے۔ تمہارے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کیا جو تم نے اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس کے اوپر تھا۔ یہ پہاڑ مکہ مکرمہ سے مشرق کی طرف ہے اور یہ پہاڑ دنیا میں سب سے پہلے قائم ہوا اور اسی پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے بلایا تھا، آواز دی تھی۔ آج جو حاجی لبیك اللّٰهم لبیك کہتے ہوئے جاتے ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کا جواب ہے۔ اور دوسرا ٹکڑا جبل ابی قُعیقعان پر تھا۔ کافی دیر تک وہ ٹکڑے اس طرح رہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ دیکھنے کے بعد فوراً ایمان لے آتے کیونکہ ان کے مطالبے پر ہوا تھا لیکن قرآن پاک میں تصریح ہے کہ ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ [سورۃ القمر] ''کہ یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے۔'' کہہ کر اعراض کر گئے اور ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ اس کے علاوہ اور کئی معجزات ہیں، پتھروں کا سلام کرنا، درختوں کا چل کر آنا۔

مسلم شریف کی روایت ہے بڑا کھلا میدان تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی باپردہ جگہ نہیں تھی میدان کے کناروں پر درخت تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درختوں کو آنے کا اشارہ فرمایا۔ درخت زمین کو چیرتے ہوئے آئے سب نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کی ٹہنیاں پکڑ کر نیچے کیں وہ جھک گیا پھر دوسرے کی ٹہنیاں نیچے کیں وہ بھی جھک گیا، پردہ ہو گیا۔ ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ان کو اپنی جگہ جانے کا اشارہ فرمایا۔ وہ پھر زمین کو چیرتے ہوئے اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ (ان درختوں کی جگہ اب مسجدیں بنی ہوئی ہیں نشانی کے طور پر۔ میں نے وہ دونوں مسجدیں دیکھی ہیں۔ مرتب)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ:

ایک موقع پر پانی کی قلت تھی لوٹے میں تھوڑا سا پانی تھا ستر، اسی آدمی تھے نماز کا وقت ہوگیا کہنے لگے حضرت پانی نہیں ہے بخاری شریف کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوٹے میں انگلیاں ڈالیں۔ راوی کہتے ہیں ایسے لگتا تھا کہ انگلیوں سے پانی نکل رہا ہے ستر، اسی آدمیوں نے وضو کیا اور خوب سیر ہو کر پیا بھی، پانی پھر بچ گیا۔ یہ بے شمار معجزات اللہ تعالیٰ کی گواہی ہیں۔

تو فرمایا کافی ہے گواہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ اور وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ نہیں ہوں میں نیا رسولوں میں سے۔ میں پیغمبروں میں سے نیا تو نہیں ہوں بدعت کا معنیٰ ہوتا ہے نوخیز، جدید۔ نئی چیز پر لوگ تعجب کرتے ہیں۔ پہلے سے اس طرح کی چیز ہو تو لوگوں کو تعجب نہیں ہوتا۔

سعودیہ میں جب سب سے پہلے پکی سڑک پر ڈرائیور ٹرک کو لے کر گزرا تو ایک بوڑھا چرواہا تھا اس کے ساتھ بچے بھی تھے۔ ٹرک کو دیکھ کر اس نے بچوں کو کہا: ضِرُّوْا اَيُّهَا الصِّبْيَان ضِرُّوْا جَاءَ الشَّيْطَان "بچو! بھاگ جاؤ شیطان آگیا ہے۔" چوں کہ اس نے اس سے پہلے ٹرک کو گزرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا تو تعجب کیا۔ تو بندہ جب کوئی نئی چیز دیکھتا ہے اس پر تعجب کرتا ہے۔

تو فرمایا میں کوئی نیا پیغمبر تو نہیں ہوں مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر گزرے ہیں۔ میں خاتم النبیین ہوں۔ سورۃ الرعد آیت نمبر ۳۸ پارہ ۱۳ میں ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ "اور ہم نے بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد۔" وہ کھاتے پیتے بھی تھے، تمام لوازمات بشریہ ان کے ساتھ تھے، بیمار بھی ہوتے تھے، تندرست بھی ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے گھوڑا تیز چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گر پڑے۔ گرنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دایاں پہلو زخمی ہوا، کافی خراشیں آئیں، دائیں پاؤں کا ٹخنا بھی نکل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی دن تک مسلسل بیٹھ کر نماز پڑھی، کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔

تو فرمایا آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں کہ تمھیں سمجھ نہ آئے کہ پیغمبر کس کو کہتے ہیں مجھ سے پہلے کئی پیغمبر گزرے ہیں ﴿وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ﴾ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمھارے ساتھ کیا ہوگا۔ مگر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض نے یہ تفسیر کی ہے لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ پیغمبر کو جس دن نبوت ملتی ہے تو پہلے دن ہی اس کو اپنی نجات اور بخشش کا یقین ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر اپنی بخشش کو یقینی نہ جانے تو دوسروں کو دعوت دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

احمد رضا خان بریلوی نے بڑا ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے کے انیس (۱۹) سال بعد اپنی بخشش اور مغفرت کا یقین ہوا۔ جب سورت فتح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ "تاکہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے جو پہلے ہو چکیں آپ کے لیے لغزشیں اور جو بعد میں ہوں گی۔" یہ سو

نبوت کے انیسویں سال نازل ہوئی ہے ۶ھ میں حدیبیہ کے سفر میں واپسی پر۔ میں نے اپنی کتاب "ایضاح الحق" میں لکھا ہے کہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر کسی اور سے چھوٹی سی بھی غلطی ہو جائے تو تم لوگ چوک میں کھڑے ہو کر احتجاج کرتے ہو کہ توہین کر گیا، توہین ہو گئی۔ اور خان صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بخشش کا علم انیس سال بعد ہوا۔ یہ کیا کوئی کم توہین ہے؟ کہ انیس سال لوگوں کو دعوت دیں اور خود اپنا علم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے؟

یقین جانو! جس دن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو نبوت ملتی ہے اسی دن اس کو مغفرت کا یقین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ معنیٰ کرنا کہ مجھے معلوم نہیں، میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہو گا مرنے کے بعد قطعاً غلط ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق دنیاوی معاملات کے ساتھ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا ہو گا اور تمھارے ساتھ کیا ہو گا؟ فتح ہو گی یا شکست ہو گی، مصیبتیں آئیں گی یا راحت ہو گی، بیماریاں ہوں گی یا تندرستی ہو گی، یہ ساری باتیں غیب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور غیب کا علم رب جانتا ہے میں نہیں جانتا۔

اور اگر آیت کریمہ کا تعلق آخرت کے ساتھ بھی ہو تو پھر معنیٰ ہو گا کہ آخرت کی زندگی جو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے نہ ختم ہونے والی ہے اس کی تفصیلات سے میں واقف نہیں۔ نفس بخشش تو یقینی ہے باقی ابد الآباد زندگی میں رب تعالیٰ کی طرف سے جو نوازشیں ہوں گی ان کی تفصیل کا مجھے علم نہیں ہے۔ تو فرمایا میں نہیں جانتا کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور میں نہیں جانتا کیا کیا جائے گا تمھارے ساتھ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ﴾ میں نہیں اتباع کرتا مگر اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف ﴿وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا کھول کر رب تعالیٰ کے عذاب سے، رب تعالیٰ کی گرفت سے کہ اگر رب تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو دنیا میں بھی عذاب آئے گا اور مرنے کے بعد بھی آئے گا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَیْتُمْ﴾ بھلا بتلاؤ تم ﴿اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اگر ہے قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَكَفَرْتُمْ بِهٖ﴾ اور تم اس کا انکار کرتے ہو ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے بنی اسرائیل میں سے اس کی حقانیت کی۔ وہ عبد اللہ بن سلام ہیں۔ جب انھوں نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لائے ہیں تو فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیان فرما رہے تھے أَفْشُوا السَّلَامَ "آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔" وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ "غریبوں، کمزوروں کو کھانا کھلاؤ۔" وَلَيِّنُوا الْكَلَامَ "جس وقت کسی کے ساتھ کلام کرو تو نرمی کے ساتھ کرو۔" وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ "اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو اور لوگ سوئے ہوئے ہوں۔" یہ پہلا سبق سنتے ہی وہیں مسلمان ہو گئے۔ کہنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو آیتیں سنا رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

اور یہ بھی کہا کہ حضرت! یہودی آ رہے ہیں میں پردے کے پیچھے چھپ جاتا ہوں ان سے میرے متعلق پوچھیں کہ عبد اللہ بن سلام کیسا آدمی ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے: اَفْضَلُنَا وابن افضلنا "ہم میں سب سے بہتر ہے اور سب سے بہتر کا بیٹا ہے اعلمنا وابن اعلمنا ہم میں سے سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا

ہے خَیْرُنَا وَابْنُ خَیْرِنَا ہم میں سب سے زیادہ نیک ہے اور سب سے زیادہ نیک کا بیٹا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا اگر عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے کہنے لگے: اعاذہ اللہ الاسلام "اللہ تعالیٰ اس کو اسلام سے بچائے۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کہا ہے کہ عبداللہ بن سلام نیک بھی اور عالم بھی ہے، پھر نیک اور عالم کا بیٹا بھی ہے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر۔ کہنے لگے وہ بڑا سمجھدار آدمی ہے اسلام کو قبول نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اسلام سے بچائے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پردے سے باہر آ کر کہنے لگے: اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ. بخاری شریف میں ہے کہنے لگے شَرُّنَا وَابْنُ شَرِنَا "ہم میں سے سب سے بڑا شرارتی ہے اور سب سے بڑے شرارتی کا بیٹا ہے۔" وہی لوگ ہیں ایک لمحہ میں پھر گئے۔

فرمایا اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے بنی اسرائیل میں سے ﴿عَلٰی مِثْلِہٖ﴾ اس جیسی چیز پر۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس جیسی کتاب تورات پر کیوں کہ وہ بھی قرآن کے مثل ایک عظیم الشان کتاب ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ تورات میں بھی قرآن کریم کی حقانیت موجود ہے۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مثل کا لفظ زائد ہے اور معنیٰ ہوگا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس کتاب پر شہادت پیش کی لہٰذا تمھارے پاس انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اس نے تو اس کتاب کے حق ہونے کی گواہی دی۔ ﴿فَاٰمَنَ﴾ پس وہ ایمان لایا ﴿وَاسْتَکْبَرْتُمْ﴾ اور تم نے تکبر کیا اور انکار کر دیا ﴿اِنَّ اللہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو جبراً۔ جو طالب ہوتا ہے ہدایت اسی کو دیتا ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿کَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے بارے میں ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو مومن ہیں ﴿لَوْ کَانَ خَیْرًا﴾ اگر ہوتا یہ (ایمان) بہتر ﴿مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْہِ﴾ نہ سبقت کرتے یہ لوگ ہم سے اس کی طرف ﴿وَ اِذْ لَمْ یَھْتَدُوْا﴾ اور جس وقت انھوں نے ہدایت حاصل نہ کی ﴿بِہٖ﴾ اس قرآن سے ﴿فَسَیَقُوْلُوْنَ﴾ پس وہ بہ تاکید کہیں گے ﴿ھٰذَآ اِفْكٌ قَدِیْمٌ﴾ یہ بہتان ہے پرانا ﴿وَمِنْ قَبْلِہٖ﴾ اور اس سے پہلے ﴿کِتٰبُ مُوْسٰٓی﴾ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ﴿اِمَامًا﴾ راہ نمائی کرنے والی تھی ﴿وَّ رَحْمَۃً﴾ اور رحمت تھی ﴿وَ ھٰذَا کِتٰبٌ﴾ اور یہ کتاب ہے ﴿مُّصَدِّقٌ﴾ تصدیق کرنے والی ہے ﴿لِّسَانًا عَرَبِیًّا﴾ عربی زبان میں ہے ﴿لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ﴾ تاکہ ڈرائے ان لوگوں کو ﴿ظَلَمُوْا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿وَبُشْرٰی لِلْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور خوش خبری ہے نیکی کرنے والوں کے لیے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ﴿رَبُّنَا اللہُ﴾ ہمارا پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ پھر ڈٹے رہے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ﴾ پس نہیں خوف ہوگا ان پر ﴿وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ ہیں جنت والے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کرتے رہے ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو ﴿بِوَالِدَيْهِ﴾ اس کے والدین کے بارے میں ﴿اِحْسٰنًا﴾ احسان کرنے کا ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ﴾ اٹھایا اس کو اس کی ماں نے ﴿كُرْهًا﴾ تکلیف میں ﴿وَّوَضَعَتْهُ﴾ اور جنا اس کو ﴿كُرْهًا﴾ تکلیف میں ﴿وَحَمْلُهٗ﴾ اور اس کا اُٹھانا ﴿وَفِصٰلُهٗ﴾ اور اس کا دودھ چھڑانا ﴿ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ تیس ماہ تک ہے ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ﴾ یہاں تک کہ جب پہنچا وہ ﴿اَشُدَّهٗ﴾ اپنی قوت کو ﴿وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ اور پہنچا چالیس سال تک ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ﴾ اے میرے رب! میری قسمت میں کردے ﴿اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ﴾ کہ میں شکر ادا کروں آپ کی نعمتوں کا ﴿الَّتِيْٓ﴾ وہ نعمتیں ﴿اَنْعَمْتَ عَلَيَّ﴾ جو آپ نے مجھ پر کی ہیں ﴿وَعَلٰى وَالِدَيَّ﴾ اور میرے ماں باپ پر بھی کی ہیں ﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا﴾ اور یہ کہ میں عمل کروں ایسے اچھے ﴿تَرْضٰىهُ﴾ جن پر آپ راضی ہوں ﴿وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ اور درست کردے میرے لیے میری اولاد کو ﴿اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ﴾ بے شک میں نے رجوع کیا آپ کی طرف ﴿وَاِنِّيْ﴾ اور بے شک میں ﴿مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

ربط آیات

کل کے سبق میں تم نے پڑھا گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے بنی اسرائیل میں سے یعنی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے وہ قرآن سن کر ایمان لے آئے۔ حالانکہ ان کی زبان عربی نہیں تھی۔ کیونکہ یہودیوں کی اصلی زبان عبرانی تھی۔ تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی۔ ملکی سطح پر عربی بولتے تھے ان کی زبان عربی نہیں تھی اور ایمان لے آئے۔ اور تم عربی ہو کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ تو کافروں نے کہا کہ ہم دین اسلام میں کوئی خیر نہیں پاتے۔ اگر ہم اس میں کوئی خیر سمجھتے تو ہم ایمان لانے میں ان غریب غرباء سے پہل کرتے یہ ہم سے پہلے مسلمان نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے بارے میں جو مومن ہیں۔ کیا کہا؟ ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا﴾ اگر ہوتا یہ ایمان بہتر ﴿مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ تو نہ سبقت کرتے یہ لوگ ہم سے اس کی طرف۔ اگر دین اسلام، ایمان واقعی بہتر ہوتا تو یہ غریب غربا لوگ اس کو اختیار کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف بلکہ ہم ان سے پہلے ایمان لے آتے۔ ایمان اگر کوئی اچھی چیز ہوتی تو ہمیں نہیں سمجھ آسکتا تھا ان کو سمجھ آگیا ہے۔ فرمایا ﴿وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ﴾ اور جس وقت انھوں نے ہدایت حاصل نہ کی اس قرآن سے ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾ پس بہ تاکید یہ تو پرانا بہتان ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ حالانکہ ایمان بہت بڑی دولت ہے لیکن اگر کسی کا ذہن صاف نہ ہو اور اس کی حقیقت کو نہ سمجھے تو جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان نہیں دیتا۔ ایمان

طالب کو ملتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

حدیث پاک کئی دفعہ سن چکے ہو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَ مَنْ لَّا يُحِبُّ ''اللہ تعالیٰ دنیا اس کو بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا وَ لَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ ''اور ایمان نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔''
ضدی کافر تو رب تعالیٰ کے دشمن ہیں ﴿لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [الزمر: ۷] ''اللہ تعالیٰ راضی نہیں اپنے بندوں کے لیے کفر پر۔'' ان کو ایمان کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے؟ ضد اور تکبر ہو طلب نہ ہو تو جبراً ایمان کہاں سے آئے گا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے: كُلُّ فِعْلٍ وَ قَوْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنِ الصَّحَابَةِ اَنَّهُ هُوَ بِدْعَةٌ ''ہر وہ فعل یا قول جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔'' اگر یہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں ضرور سبقت کرتے کیونکہ لَمْ يَتْرُكُوْا خَصْلَةً مِّنْ خِصَالِ الْخَيْرِ اِلَّا وَ قَدْ بَادَرُوْا اِلَيْهَا ''کوئی اچھی خصلت ایسی نہیں جس کی طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سبقت نہ کی ہو۔'' لہٰذا دین میں بعد کی تمام ایجاد کی ہوئی چیزیں چاہے قول ہوں یا فعل ہوں وہ یقیناً بدعت ہیں۔ کیونکہ خیر اور خوبی والی کوئی خصلت ایسی نہیں ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہ گئی ہو لہٰذا جو انھوں نے نہیں کیا وہ بدعت ہے۔ فرمایا الٹا کافر کہتے ہیں کہ اگر ایمان اچھی چیز ہوتی تو ان غریب غربا کو سمجھ آ سکتا تھا ہمیں نہیں آ سکتا تھا اور جس وقت انھوں نے قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کی تو ضرور کہیں گے یہ جھوٹ ہے پرانا۔ قرآن کریم کو ﴿اِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾ کہا معاذ اللہ تعالیٰ۔

﴿وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً﴾ اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی تورات، راہ نمائی کرنے والی۔ امام کا معنیٰ راہ نمائی کرنے والا اور وہ کتاب رحمت تھی۔ اب ﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ﴾ اور یہ جو ہمارے سامنے کتاب ہے تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں ان کی تصدیق کرنے والی ہے ﴿لِّسَانًا عَرَبِيًّا﴾ اس کی زبان عربی ہے کیوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے، قوم عربی تھی اس لیے قرآن کو ان کی زبان میں اتارا۔ کیوں اتارا گیا؟ ﴿لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ تاکہ ڈرائے ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ہے۔ سب سے بڑا ظلم شرک ہے ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] ''بے شک البتہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' یہ بات حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے ساران رحمۃ اللہ علیہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمائی تھی۔

تو فرمایا تاکہ وہ ڈرائے ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ﴿وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور خوش خبری ہے نیکی کرنے والوں کے لیے کہ رب تم سے راضی ہے مرنے کے بعد کی تمھاری زندگی راحت اور آرام کی زندگی ہوگی جنت میں جا کر تم خوشیاں حاصل کرو گے۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا رب ہمارا پالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کی ضرورت کی جتنی چیزیں ہیں خوراک، لباس، پانی، ہوا، سورج وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے

پاس نہیں ہیں تو پھر وہ معبود اور الٰہ کیسے بن سکتے ہیں؟ تو فرمایا وہ لوگ جنھوں نے کہا رب ہمارا اللہ تعالیٰ ہے ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ پھر ڈٹے رہے۔ صرف زبان سے نہیں کہا بلکہ اس پر ڈٹے رہے کہ رب ہمارا اللہ ہے ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ پس نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ آئندہ جو خدشات ہونے والے ہوتے ہیں ان کو عربی میں خوف کہا جاتا ہے جب مومن جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان کو آئندہ کوئی خوف نہیں ہوگا نہ موت کا نہ بیماری کا نہ اور کسی قسم کا خوف ہوگا۔ اور حزن کہتے ہیں گزشتہ چیز پر افسوس کرنا تو گزشتہ پر غمگین نہیں ہوں گے کیونکہ ایمان لائے اور اعمال اچھے کیے، بُرے کاموں سے بچتے رہے۔ غمگین تو وہ لوگ ہوں گے جو ایمان نہیں لائے۔ وہ کہیں گے ﴿لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴾ [سورۃ الحجر: ۲] "کاش ہم مسلمان ہوتے۔" تو فرمایا نہیں خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ ہیں جنت والے، جنت میں داخل ہوں گے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں۔ کیوں؟ ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کرتے رہے۔ ایمان لائے، عمل اچھے کیے، برائیوں سے بچتے رہے، تکلیفیں برداشت کیں اللہ تعالیٰ ان عملوں کا بدلہ ضرور دیں گے۔

والدین کے حقوق

آگے اللہ تعالیٰ والدین کے متعلق تاکیدی حکم دیتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا﴾ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو اس کے والدین کے بارے میں احسان کرنے کا۔ وصیت ایسے حکم کو کہتے ہیں جو بڑا پختہ ہو اسی لیے آدمی مرتے وقت جو بات کہتا ہے اس کو وصیت کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہایت ضروری ہوتی ہے بدلنے والی نہیں ہوتی ہے آخری بات ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے والدین کے بارے میں تاکیدی حکم دیا ہے کہ اے بندے! ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ماں باپ کے متعلق سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳ پارہ ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے مومن کو حکم دیا ہے ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ "پس نہ کہو ان کو اُف اور نہ ان کو ڈانٹو۔" اُف کا معنیٰ ہے ہوں ہاں۔ مثلاً: ماں بلاتی ہے بیٹے کو یا بیٹی کو یا باپ بلاتا ہے۔ بعض علاقوں میں ہاں کہتے ہیں اور بعض علاقوں میں ہوں کہتے ہیں۔ تو آپ ہوں ہاں کہنے کے مجاز نہیں ہیں کیونکہ ان لفظوں میں کھردراپن ہے ادب نہیں ہے۔ جی کا لفظ بولنا چاہیے۔ یاد رکھنا! یہ قرآن کا حکم ہے ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ﴾ "اُف یعنی ہوں ہاں نہیں کہہ سکتا اور ان کو جھڑکنا بھی نہیں۔" فرض کرو ماں باپ سے کوئی نقصان ہو گیا ہے دنیا کا، تو ان کو مت جھڑکو کہ اب دین کا نقصان ہوگا۔ یہ نقصان بہت زیادہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے "ادب المفرد" یہ حدیث کی کتاب ہے۔ اس میں ہے کہ بیٹی بیٹے کا ماں باپ کے آگے کھڑا ہونا عقوق الوالدین کی مد میں آتا ہے اور باپ کے کندھا کے ساتھ کندھا ملا کر چلنا بھی عقوق الوالدین کی مد میں آتا ہے۔ ہاں! اگر باپ بوڑھا ہے اور اس کو پکڑ کر چلتا ہے تو وہ الگ بات ہے۔ یا باپ خود کسی کام کے لیے آگے بھیجتا ہے تو الگ بات ہے ورنہ باپ کے آگے چل نہیں سکتا۔ اور آج کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے خدا پناہ! بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے... مغربی دنیا

نے دنیائے کفر نے ہماری تہذیب اور کلچر کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ ماں باپ کو جھڑکا بلکہ مارا پیٹا جاتا ہے بلکہ وہ جائیداد کی وجہ سے قتل کر دیئے جاتے ہیں، گھر سے باہر نکال دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے مسلمانوں کو اور ماں باپ کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تو فرمایا ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے والدین کے بارے میں اچھا سلوک کرنے کا ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا﴾ اٹھایا اس کو اس کی ماں نے تکلیف میں۔ تکلیف برداشت کر کے پیٹ میں اٹھائے رکھا ﴿وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ اور جنا اس کو تکلیف میں۔ والدہ اولاد کے لیے تین قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی ہے۔

① پیٹ میں اٹھانے کی۔ ② جننے کی۔ ③ پھر دودھ پلانے کی اور اس مدت میں دیکھ بھال کرنے کی۔

اس لیے خدمت کا حق والدہ کا زیادہ ہے بہ نسبت باپ کے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ میں والدین میں سے کس کے ساتھ نیکی کا سلوک کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ماں کے ساتھ۔ اس نے دوبارہ سوال کیا کہ کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماں کے ساتھ۔ تیسری دفعہ بھی یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب چوتھی مرتبہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا باپ کے ساتھ۔ اس لیے ائمہ کرام، محدثین عظام اور فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ باپ کی نسبت ماں کا حق زیادہ ہے۔ گویا خدمت ماں کی زیادہ کرنی چاہیے البتہ ادب واحترام باپ کا زیادہ ہونا چاہیے۔

تو فرمایا اُٹھایا اس کو ماں نے پیٹ میں تکلیف کے ساتھ اور جنا تکلیف میں ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ بچے کا اٹھانا پیٹ میں اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ تک ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳۳ میں ہے ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ "اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ یہ اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔" چنانچہ جمہور ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال تک ہے۔ اس لحاظ سے حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے۔ اور دودھ پلانے کی مدت چوبیس مہینے ہوئی تو کل مدت تیس مہینے ہوگئی۔ انسان کا بچہ عام طور پر نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات چھ، سات اور آٹھ ماہ میں بھی ولادت ہو جاتی ہے۔ تو کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے یعنی چھ ماہ میں پیدا ہونے والا بچہ شرعی طور پر جائز تصور ہوگا اور چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے والا بچہ ناجائز تصور ہوگا اور عموماً بچہ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر ایسے بھی واقعات ہیں کہ جن میں مدت حمل بہت زیادہ پائی گئی ہے۔ چین کے مشہور حکیم لاوزے اسی سال تک ماں کے پیٹ میں رہے۔

تو فرمایا اس کا اٹھانا اور دودھ چھڑانا تیس ماہ تک ہے ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ جب وہ پہنچ گیا اپنی قوت کو، جوانی کو ﴿وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ اور پہنچا چالیس سال تک۔ جب آدمی اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر لیتا ہے اور اس کی ظاہری اور باطنی قوتیں پوری ہو جاتی ہیں اور وہ طاقت ور ہو جاتا ہے تو نیک بخت اور سعادت مند ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿رَبِّ

﴿اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ﴾ اے میرے رب! میری قسمت میں کر دے مجھے توفیق دے دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں ﴿اَنْعَمْتَ عَلَیَّ﴾ جو آپ نے مجھ پر کی ہیں ﴿وَعَلٰى وَالِدَیَّ﴾ اور میرے والدین پر کی ہیں۔ ظاہری نعمتیں، باطنی نعمتیں، وجود بخشا، عقل وفہم عطا فرمایا، خوراک پانی کا انتظام فرمایا، جسمانی ضروریات پوری فرمائیں اور مجھے اس بات کی بھی توفیق دے ﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا﴾ اور یہ کہ میں عمل کروں ایسے اچھے ﴿تَرْضٰىهُ﴾ جن پر آپ راضی ہوں۔ اور سعادت مند آدمی یہ دعا بھی کرتا ہے ﴿وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ اور درست کر دے میرے لیے میری اولاد کو۔ میری اولاد کو بھی نیک بنا۔ اپنے لیے بھی دعا کرتا ہے، اپنے والدین کے لیے بھی دعا کرتا ہے اور اولاد کے لیے بھی دعا کرتا ہے۔ اے پروردگار! میری اولاد کو بھی درست کر دے۔ یہ وہ لوگ کرتے ہیں جن کا تعلق دین کے ساتھ ہے۔ اور جن کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے وہ دنیاوی سارے کام بچوں کے لیے کرتے ہیں ان کا دین کے ساتھ، عقیدے اور اچھے اعمال، نماز، روزہ وغیرہ کا خاطر خواہ خیال نہیں ہوتا لیکن یاد رکھنا! اپنی اولاد کے ایمان کی فکر کرو، دین کی فکر کرو، اپنے سے بھی زیادہ اولاد کی فکر کرو خاتمہ ایمان پر ہو، کلمہ پر ہو۔ بڑا سخت مسئلہ ہے بھولنے والا مسئلہ نہیں ہے۔ ہر آدمی کو فکر ہونی چاہیے کہ میری اولاد کلمہ پر مرے۔ اس کے لیے محنت ہونی چاہیے بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اے پروردگار! ﴿اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ﴾ بے شک میں نے رجوع کیا آپ کی طرف۔ میں اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں مجھے معافی دے دے ﴿وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور بے شک میں مسلمان ہوں میں اقرار کرتا ہوں کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور اسلام پر قائم رکھے اور ماں باپ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اولاد کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ سارا سبق ہے اس کو یاد رکھو۔

﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ﴾ کہ ہم قبول کرتے ہیں ان سے ﴿اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾ وہ بہتر کام جو انھوں نے کیے ﴿وَنَتَجَاوَزُ﴾ اور درگزر کرتے ہیں ﴿عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ﴾ ان کی برائیوں سے ﴿فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ﴾ یہ ہیں جنت والوں میں ﴿وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ﴾ یہ وعدہ ہے سچا ﴿كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾ جو ان سے کیا جاتا ہے ﴿وَالَّذِیْ قَالَ﴾ اور وہ شخص جس نے کہا ﴿لِوَالِدَیْهِ﴾ اپنے والدین سے ﴿اُفٍّ لَّكُمَآ﴾ اُف ہے تمھارے لیے ﴿اَتَعِدٰنِنِیْٓ﴾ کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو ﴿اَنْ اُخْرَجَ﴾ کہ میں نکالا جاؤں گا (قبر سے) ﴿وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ﴾ اور تحقیق گزر چکی ہیں قومیں ﴿مِنْ قَبْلِیْ﴾ مجھ سے پہلے ﴿وَهُمَا﴾ اور وہ دونوں ﴿یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ﴾ فریاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿وَیْلَكَ اٰمِنْ﴾ افسوس تیرے لیے ایمان لے آ ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿فَیَقُوْلُ﴾ پس وہ کہتا ہے ﴿مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ نہیں ہیں یہ مگر قصے

کہانیاں پہلے لوگوں کی ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ ثابت ہو چکی ہے ان پر بات ﴿فِيْٓ اُمَمٍ﴾ امتوں میں ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں ﴿مِّنَ الْجِنِّ﴾ جنوں میں سے ﴿وَالْاِنْسِ﴾ اور انسانوں میں سے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ بے شک یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ﴾ اور ہر فرقے کے لیے درجات ہیں ﴿مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ان عمال کی وجہ سے جو انھوں نے کیے ہیں ﴿وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور تا کہ پورا پورا بدلہ دے ان کو ان کے اعمال کا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ﴾ اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿عَلَى النَّارِ﴾ آگ پر ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ﴾ تم نے کھا لیا ہے اپنی پاکیزہ چیزوں کو ﴿فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾ اپنی دنیا کی زندگی میں ﴿وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ اور تم نے فائدہ اٹھا لیا ہے ان سے ﴿فَالْيَوْمَ﴾ پس آج کے دن ﴿تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ تمھیں بدلہ دیا جائے گا ذلت ناک عذاب کا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ تم تکبر کرتے تھے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق ﴿وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾ اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے۔

ربط آیات

اس سے پہلے سبق میں سعادت مند کی دعا کا ذکر تھا کہ وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے توفیق دے دے میں شکر ادا کروں آپ کی ان نعمتوں کا جو آپ نے میرے اوپر کیں اور میرے والدین پر کیں اور مجھے توفیق دے کہ میں ایسے اعمال کروں کہ جن سے آپ راضی ہوں اور میری اولاد کی بھی اصلاح فرما بے شک میں آپ کی طرف رجوع کرنے والا ہوں اور میں مسلمان ہوں۔

آگے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾ کہ ہم قبول کرتے ہیں ان سے وہ بہتر اعمال جو انھوں نے کیے ہیں ﴿وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ اور ہم درگزر کرتے ہیں ان کی برائیوں سے۔ ایسے نیک بندوں کی نیکیاں قبول ہوتی ہیں اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں۔ چھوٹی موٹی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں ﴿فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ﴾ جنت والوں میں شامل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے رحمت کے مقام میں داخل فرمائے گا اپنے سچے وعدے کے مطابق ﴿وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے سچا جو ان سے کیا جاتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے گا اور کفر و شرک اور نفاق سے بچتا رہے گا، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور والدین کی خدمت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے ضرور جنت میں پہنچائے گا ﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ﴾ اور وہ شخص جس نے کہا اپنے والدین سے ﴿اُفٍّ لَّكُمَآ﴾ میں بے زار ہوں تم سے۔ اُف کا لفظ بیزاری کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہ آدمی والدین سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳ میں ہے ﴿ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ ﴾ "پس نہ کہو ان دونوں کے لیے اُف۔" لیکن بد بخت انسان اپنے والدین سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے ﴿ أَتَعِدَانِنِيٓ أَنْ أُخْرَجَ ﴾ کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے کہ میں مرنے کے بعد دوبارہ قبر سے نکالا جاؤں گا، حساب کتاب ہوگا، جزا سزا ہوگی ﴿ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ﴾ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں مگر آج تک کوئی زندہ تو نہیں ہوا لہٰذا میں کیسے تسلیم کر لوں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ یہ بد بخت والدین سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے اور والدین اس کے لیے دعائیں کر رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں۔ فرمایا ﴿ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ ﴾ اور وہ دونوں یعنی والدین فریاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کے لیئے کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق دے۔

کہتے ہیں ﴿ وَيْلَكَ اٰمِنْ ﴾ افسوس ہے اور تیری بربادی ہو ایمان لے آ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور قیامت کے قائم ہونے پر ﴿ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے قیامت قائم ہوگی اور جزا و سزا ہوگی، نیک جنت میں جائیں گے اور بُرے دوزخ میں جائیں گے۔ مگر اس نصیحت کے جواب میں ﴿ فَيَقُوْلُ ﴾ پس وہ بیٹا کہتا ہے ﴿ مَا هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴾ نہیں ہیں تمھاری یہ باتیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں۔ اَسَاطِیْر اُسْطُوْرہ کی جمع ہے۔ اُسْطُوْرہ کا معنیٰ ہے کہانی۔ کہنے لگا یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں میں نہیں مانتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں کہ ثابت ہو چکی ہے ان پر بات اللہ تعالیٰ کے عذاب کی۔ کیوں کہ انھوں نے ضد اور عناد سے کام لیا اور ایمان اور قیامت کا انکار کیا والدین کی بے ادبی کی لہٰذا ان پر عذاب کی بات ثابت ہوگئی اور یہ لوگ ﴿ فِيْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ان امتوں میں شامل ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں ﴿ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے۔ انھوں نے بھی توحید و رسالت اور قیامت کا انکار کیا اور سزا کے مستحق ہوئے یہ بھی سزا کے مستحق ہوئے ﴿ إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾ بے شک یہی لوگ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے۔ اور نیک بخت وہ ہیں جنھوں نے توحید کو تسلیم کیا، رسالت اور قیامت کا اقرار کیا۔

نیک بخت کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نیک بخت، سعادت مند کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اظہار نبوت فرمایا تو یہ پہلے ہی دن ایمان لے آئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی ام رومان بھی ایمان لے آئیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی والدہ ام خیر اور باپ ابو قحافہ بھی بڑی دیر کے بعد ایمان لے آئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی چار پشتیں صحابی ہیں۔ خود بھی اور والدین بھی اور بیٹے بھی اور

پوتے عتیق بن عبدالرحمٰن بھی۔

اور شقی وہ ہیں جو قبول نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے لوگوں کی صفتیں بیان فرمادی ہیں۔ فرمایا ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ اور ہر ایک فرقے یا ہر ایک شخص کے لیے درجے ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے جو انھوں نے کیے ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درجات کا تعلق تو ایمان والوں کے ساتھ ہوتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں اور جو لوگ کفر اور معصیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے درکات ہوتے ہیں۔ درکات کا ذکر اس مقام پر نہیں ہے مگر مطلب یہ ہے کہ ہر نیکی کرنے والے آدمی کے لیے اس کی نیکی کے مطابق درجہ ہے۔ کیونکہ نیکی کبھی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے کبھی اوسط درجے کی اور کبھی ادنیٰ درجے کی۔ اسی طرح برائی کے بھی درکات ہوتے ہیں کوئی کفر میں بڑھا ہوا ہوتا ہے کوئی اس میں کم تر اور کوئی اس سے کم تر ہوتا ہے۔ اور یہ درجات اس وجہ سے ہوتے ہیں ﴿وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور تاکہ پورا پورا دیا جائے ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی کہ تھوڑے جرم کی زیادہ سزا دی جائے یا نیکیوں سے کم اجر ملے ایسا نہیں ہوگا۔ یہ بدلہ کس دن دیا جائے گا؟ فرمایا ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ﴾ اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں آگ پر اور ان سے کہا جائے گا ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾ تم نے کھا پی لیا ہے اپنی پاکیزہ چیزوں کو اپنی دنیا کی زندگی میں ﴿وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ اور تم نے فائدہ اٹھا لیا ہے ان سے۔ تمہاری نیکیوں کا بدلہ بھی تمھیں دنیا میں دے دیا گیا ہے۔ کافر جو نیکی کے کام دنیا میں کرتے ہیں تو ان کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں کثرت مال، شہرت اور نیک نامی کی شکل میں مل جاتا ہے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتا ہے اچھی صحت کی شکل میں کبھی مال و دولت کی شکل میں اور کبھی اعلیٰ عہدوں کی شکل میں پھر آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بعض اوقات دنیا میں بھی کسی حد تک ان کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے مگر پورا پورا بدلہ آخرت میں ملے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں وسعت پیدا فرمادے یعنی امت خوش حال ہو جائے کہ روم اور فارس والے لوگ لَا يَعْبُدُوْنَ اللہَ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرح کی فراوانی عطا کر رکھی ہے۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں جو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرتے ہیں مگر دنیا میں فراوانی نہیں ہے لہٰذا آپ ان کے لیے دعا کریں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا تمھیں اس بات میں کچھ تردد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو آخرت میں پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کہ جس دن کافروں کو جہنم رسید کیا جائے گا تو انھیں کہا جائے گا کہ تم نے اپنے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں مال و دولت اور نیک نامی کی شکل میں لے لیا ہے۔ اب یہاں تمھارے لیے کوئی بدلہ نہیں ہے۔

تو فرمایا، کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے کھا پی لیا ہے پاکیزہ چیزوں کو اپنی دنیا کی زندگی میں اور ان سے فائدہ اٹھا لیا

ہے ﴿فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ پس آج کے دن تمھیں ذلت ناک عذاب کا بدلہ دیا جائے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اس وجہ سے کہ تم تکبر کرتے تھے زمین میں، دنیا کی زندگی میں ناحق۔ دوسروں کو حقیر سمجھتے تھے کمزوروں اور غریبوں پر ظلم کرتے تھے جس کا تمھیں حق نہیں تھا اگر اللہ تعالیٰ کسی کو جسمانی طور پر طاقت ور بنادے مال و دولت سے نواز دے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ دوسروں کو وہ دھکے مارتا پھرے اور زیادتیاں کرے اس کا تو اللہ تعالیٰ نے حق نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا تو حکم ہے ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ "اور نہ چل زمین پر اکڑ کر ﴿اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۳۷] تم نہیں پھاڑ سکتے زمین کو اور نہیں پہنچ سکتے پہاڑوں کی بلندی تک۔" تم بہرحال پانچ چھ فٹ کے انسان ہی رہو گے لہٰذا ناحق غرور و تکبر نہ کرو اور آج تمھیں اس وجہ سے بھی ذلت ناک عذاب دیا جائے گا ﴿وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾ اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے۔ تم دنیا میں کفر و شرک، کھیل تماشے اور لہو ولعب میں مصروف رہے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے پیغمبروں کی رسالت کو تسلیم نہ کیا اور نہ ہی قیامت کو حق مانا لہٰذا آج ذلت ناک عذاب کا مزہ چکھو۔

﴿وَاذْكُرْ﴾ اور آپ ذکر کریں ﴿اَخَا عَادٍ﴾ قوم عاد کے بھائی کا ﴿اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ﴾ جب ڈرایا انھوں نے اپنی قوم کو ﴿بِالْاَحْقَافِ﴾ احقاف میں ﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ﴾ اور تحقیق گزر چکے تھے ڈرانے والے ﴿مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ اس سے آگے ﴿وَمِنْ خَلْفِهٖ﴾ اور اس کے پیچھے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ﴾ کہ نہ عبادت کرو مگر صرف اللہ تعالیٰ کی ﴿اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ بے شک میں خوف کھاتا ہوں تم پر ﴿عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب کا ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿اَجِئْتَنَا﴾ کیا آپ آئے ہیں ہمارے پاس ﴿لِتَاْفِكَنَا﴾ تاکہ آپ ہٹا دیں ہمیں ﴿عَنْ اٰلِهَتِنَا﴾ ہمارے معبودوں سے ﴿فَاْتِنَا﴾ پس آپ لے آئیں ہم پر ﴿بِمَا﴾ وہ چیز ﴿تَعِدُنَآ﴾ جس سے ہمیں ڈراتے ہیں ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بے شک علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَاُبَلِّغُكُمْ﴾ اور میں پہنچاتا ہوں تمھیں ﴿مَّآ﴾ وہ چیز ﴿اُرْسِلْتُ بِهٖ﴾ جو مجھے پیغام دیا گیا ہے ﴿وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ﴾ اور لیکن میں دیکھتا ہوں تم ﴿قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴾ لوگ نادانی کرتے ہو ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ﴾ پس جب دیکھا انھوں نے اس عذاب کو ﴿عَارِضًا﴾ بادل کی شکل میں ﴿مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ﴾ جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آرہا تھا ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿هٰذَا عَارِضٌ﴾ یہ بادل ہے ﴿مُّمْطِرُنَا﴾ جو ہم پر بارش برسائے گا ﴿بَلْ﴾ بلکہ ﴿هُوَ مَا﴾ وہ چیز ہے ﴿اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ﴾ جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے ﴿رِيْحٌ﴾ یہ ہوا ہے ﴿فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اس میں عذاب ہے دردناک ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ﴾ یہ ملیا میٹ کرتی

ہے ہر چیز کو ﴿بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ اپنے رب کے حکم سے ﴿فَاَصْبَحُوْا﴾ پس صبح کی ان لوگوں نے ﴿لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ﴾ نہیں دیکھا جاتا ہے سوائے ان کے ٹھکانوں کے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو۔

ربط آیات

پچھلے سبق میں منکر توحید ورسالت اور معاد کا ذکر تھا اب اسی سلسلے میں قوم عاد کا ذکر فرماتے ہیں کہ انھوں نے انکار کیا تو ان کا کیا انجام ہوا۔ ارشاد ربانی ہے ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ﴾ اور آپ ذکر کریں عاد قوم کے بھائی کا یعنی حضرت ہود علیہ السلام کا۔ یہ اسی قوم کے ایک فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے چار سو اسی (۴۸۰) سال قوم کو تبلیغ کی، توحید کی دعوت دی مگر وہ ایمان نہیں لائی اور کفر وشرک ہی میں مبتلا رہے صرف چند لوگ ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ﴾ جب ڈرایا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو احقاف میں۔ احقاف جمع ہے حقفٌ کی اور حقف کا معنی ہے ریت کا ٹیلا۔ چونکہ اس علاقے میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے تھے اس لیے اس کو احقاف کہتے ہیں۔ احقاف کا علاقہ بحرین، عمان، حضر موت اور مغربی یمن کے درمیان کا علاقہ ہے۔ آج کل اس کا نام نجران ہے۔ اس علاقے میں حضرت ہود علیہ السلام تشریف لائے۔ عاد بڑے قدوقامت اور ڈیل ڈول کی حامل، صحت مند قوم تھی۔ یہ لوگ اتنے متکبر تھے کہ باقی دنیا کو چیلنج کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم سجدہ:۱۵] ''ہم سے زیادہ طاقت ور دنیا میں کون ہے۔'' تو فرمایا جب ڈرایا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو احقاف میں ﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ﴾ اور تحقیق گزر چکے ڈرانے والے اس سے آگے اور اس کے پیچھے۔ ان سے پہلے بھی ڈرانے والے نبی گزر چکے تھے اور ان کے بعد بھی آئے۔

ہود علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے ہود بن عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد بن اوس بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ تو ان سے پہلے ان کے دادا حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام مبعوث ہوئے اور ان کے بعد اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت کئی رسول مبعوث ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام کے علاوہ ہزاروں پیغمبر تشریف لائے۔ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور کفر وشرک سے منع فرمایا اور ان کو کفر، شرک کے برے انجام سے ڈرایا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی قوم کو یہی سبق دیا ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ کہ نہ عبادت کرو مگر صرف اللہ تعالیٰ کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، دست گیر، بگڑیاں بنانے والا نہیں ہے۔ ان کے تم چڑھاوے چڑھاتے ہو اور اپنی حاجتوں میں ان کو پکارتے ہو وہ تمھارے کسی کام نہیں آسکتے اور نہ ہی ان کو خدائی اختیارات حاصل ہیں۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی اور کفر وشرک سے باز نہ آئے تو ﴿اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بے شک میں خوف کھاتا ہوں تم

پر بڑے دن کے عذاب سے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تو فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اللہ تعالیٰ کی گرفت میں نہ آ جاؤ۔

اس کے جواب میں ﴿قَالُوۡۤا﴾ قوم کے لوگوں نے کہا ﴿اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِکَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا﴾ اے ہود علیہ السلام! کیا آپ آئے ہیں ہمارے پاس تاکہ آپ ہٹا دیں، پھیر دیں ہمیں ہمارے معبودوں سے۔ صرف ایک خدا کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان تمام معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے آئے ہیں۔ سورہ ہود میں ہے ﴿یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحۡنُ بِتَارِکِیۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِکَ وَ مَا نَحۡنُ لَکَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ [ہود: ۵۳] "قوم نے کہا اے ہود علیہ السلام! نہیں لائے آپ ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی، واضح دلیل اور نہیں ہم چھوڑنے والے اپنے معبودوں کو آپ کی بات کی وجہ سے اور نہیں ہیں ہم آپ پر ایمان لانے والے۔" اُلٹا یہ کہا ﴿اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىکَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ﴾ "ہم نہیں کہتے مگر تکلیف پہنچائی ہے تمھیں ہمارے خداؤں میں سے بعض نے۔" آپ پاگلوں والی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) کہ ہمارے خداؤں کی توہین کرتے ہیں ہمارے خداؤں نے آپ کو پاگل بنا دیا ہے ہم اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں آپ ہمیں عذاب کی دھمکی دیتے ہیں ﴿فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾ پس لے آئیں وہ چیز جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں اگر ہیں آپ سچوں میں سے۔ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہم پر عذاب لے آئیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ بے شک علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ جانتا ہے کہ اس نے تم پر کب عذاب بھیجنا ہے یہ میرا کام نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کی تاریخ سے واقف ہوں۔ میرا کام یہ ہے ﴿وَ اُبَلِّغُکُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ﴾ اور میں پہنچاتا ہوں تمھیں وہ چیز جو پیغام مجھے دیا گیا ہے۔ میں تمھیں توحید کی دعوت دے رہا ہوں، قیامت سے آگاہ کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا رہا ہوں اور انجام بد سے آگاہ کر رہا ہوں، اپنا فرض منصبی پورا کر رہا ہوں ﴿وَ لٰکِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ﴾ اور لیکن میں تمھیں دیکھ رہا ہوں تم لوگ نادانی کرتے ہو، حماقت کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو، کفر، شرک پر اڑے ہوئے ہو اور الٹا چیلنج کرتے ہو کہ جو عذاب لانا ہے لے آ۔ یہ کتنی حماقت کی بات ہے کہ اپنے منہ سے عذاب مانگ رہے ہو۔ بالآخر قوم پر عذاب کا وقت آ گیا۔

قومِ عاد پر اللہ تعالیٰ کا عذاب

اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر تین سال تک قحط مسلط کر دیا۔ جب یہ قوم عاد سخت قحط میں مبتلا ہو گئی تو اس نے ایک وفد دعا کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اس زمانے میں بیت اللہ کی عمارت تو سیلاب کی وجہ سے منہدم ہو چکی تھی مگر پھر بھی لوگ اس جگہ کا طواف کرتے تھے اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے۔ تو ایک وفد مکہ مکرمہ بھیجا اور خود بتوں سے مانگنے لگے کہ قحط دور کر دو۔ بہر حال اِدھر قوم نے دعا کی اُدھر وفد نے بارش کے لیے دعا کی تو بادل کا ایک ٹکڑا ان کی

طرف متوجہ ہوا۔ انھوں نے خوشی کے مارے بھنگڑا ڈالا اور کہنے لگے اب بارش ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ﴾ پس جب انھوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی شکل میں جوان کی وادیوں کے سامنے سے آرہا تھا ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ ترمذی شریف میں روایت ہے اس بادل کے ٹکڑے سے بھی آواز آئی:

خُذُوْا رِمَادًا رِمَادًا لَا تَبْقِيْ مِنَ الْاَحَدِ مِنْ عَادٍ.

"یہ سیاہی مائل جلا ہوا بادل لے لو یہ قوم عاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔"

انھوں نے کانوں سے یہ آواز سنی مگر نہیں مانے اس میں سے رب تعالیٰ نے بڑی تیز ہوا چلائی۔ ہوا نے ان کی پانچ پانچ من، چھ چھ من کی لاشوں کو میل میل، دو دو میل دور پھینک دیا۔ ایسے لگتے تھے جیسے کھجوروں کے تنے اکھڑے پڑے ہیں۔ تو فرمایا کہ جب دیکھا انھوں نے عذاب کو بادل کی شکل میں جوان کی وادیوں کے سامنے سے آرہا تھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا۔ مگر ادھر سے ارشاد ہوا ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ﴾ بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے کہ لے آؤ وہ چیز جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو ﴿رِيْحٌ﴾ یہ ہوا ہے تیز و تند ﴿فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اس میں دردناک عذاب ہے ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ جو ملیامیٹ کرتی ہے ہر شے کو اپنے رب کے حکم سے۔ سورۃ الحاقہ میں ہے ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ﴾ جوان پر متواتر سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی۔ حتیٰ کہ فرمایا ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ﴾ [آیت: ۷-۸] "کیا آپ دیکھتے ہیں ان میں سے کسی ایک فرد کو بھی بچا ہوا۔" فرمایا ﴿فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ﴾ پس صبح کی انھوں نے ان کے ٹھکانوں کے سوا کچھ نہیں نظر آتا تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کبھی آسمان پر بادل اٹھتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو جاتے۔ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ پریشان کیوں ہو جاتے ہیں؟ تو فرمایا عائشہ مجھے ڈر ہے کہ یہ بادل ویسے ہی نہ ہوں جیسے قوم عاد پر آئے تھے اور انھیں تباہ کر دیا تھا۔ اسی لیے جب تیز ہوا چلتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ "اے اللہ میں اس ہوا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بہتری کا سوال کرتا ہوں وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کے شر سے۔"

بہرحال فرمایا قوم عاد کو ہلاک کر دیا گیا ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو۔ اللہ تعالیٰ نے عاد قوم کا حال عبرت حاصل کرنے کے لیے بیان کیا ہے کہ اتنے قوی بدن والے نہیں بچ سکے تو اگر تم بھی نافرمانی کرو گے تو تمھارا بھی یہی حشر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے اور نافرمانی سے بچائے۔

﴿وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو قدرت دی ﴿فِيْمَآ﴾ ان چیزوں میں ﴿اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ﴾ کہ نہیں قدرت دی ہم نے تم کو ان میں ﴿وَ جَعَلْنَا لَهُمْ﴾ اور بنائے ہم نے ان کے لیے ﴿سَمْعًا﴾ کان ﴿وَّ اَبْصَارًا﴾ اور آنکھیں ﴿وَّ اَفْـِٕدَةً﴾ اور دل ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ﴾ پس نہ کام آئے ان کے ﴿سَمْعُهُمْ﴾ ان کے کان ﴿وَ لَآ اَبْصَارُهُمْ﴾ اور نہ ان کی آنکھیں ﴿وَ لَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ﴾ اور نہ ان کے دل ﴿مِّنْ شَیْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا ﴿وَ حَاقَ بِهِمْ﴾ اور گھیر لیا ان کو ﴿مَّا﴾ اس چیز نے ﴿كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا ﴿مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى﴾ تمھارے ارد گرد کی بستیوں کو ﴿وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ﴾ اور پھیر پھیر کر بیان کیں ہم نے آیتیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تا کہ یہ لوٹ آئیں ﴿فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ﴾ پس کیوں نہ مدد کی ان کی انھوں نے ﴿اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو بنایا انھوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿قُرْبَانًا﴾ تقرب کے لیے ﴿اٰلِهَةً﴾ معبود ﴿بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ﴾ بلکہ وہ گم ہو گئے ان سے ﴿وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ﴾ اور یہ ان کا جھوٹ تھا ﴿وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور وہ جو افترا کرتے تھے ﴿وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ﴾ اور جس وقت پھیر دیا ہم نے آپ کی طرف ﴿نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ ایک گروہ جنات میں سے ﴿يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ سنتے تھے وہ قرآن ﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ﴾ پس جس وقت وہ جنات حاضر ہوئے تلاوت کے وقت ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اَنْصِتُوْا﴾ خاموش رہو ﴿فَلَمَّا قُضِیَ﴾ پس جب وہ ختم کیا گیا ﴿وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ﴾ وہ پھرے اپنی قوم کی طرف ﴿مُّنْذِرِيْنَ﴾ ڈراتے ہوئے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿يٰقَوْمَنَآ﴾ اے ہماری قوم! ﴿اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا﴾ بے شک ہم نے سنی ایک کتاب ﴿اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ جو نازل کی گئی موسیٰ علیہ السلام کے بعد ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ جو تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں ﴿يَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ﴾ راہنمائی کرتی ہے حق کی ﴿وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور سیدھے راستے کی طرف ﴿يٰقَوْمَنَآ﴾ اے ہماری قوم! ﴿اَجِيْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ﴾ بات مانو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی ﴿وَ اٰمِنُوْا بِهٖ﴾ اور اس پر ایمان لاؤ ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ بخش دے گا تمھارے گناہ ﴿وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ اور پناہ دے گا تمھیں دردناک عذاب سے ﴿وَ مَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ﴾ اور جو قبول نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات کو ﴿فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ﴾ پس وہ نہیں عاجز کرنے والا زمین میں ﴿وَ لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ﴾ اور نہ اس کا کوئی کارساز ہے ﴿اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

ماقبل سے ربط

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو توحید سے انکار اور تکبر و غرور کی وجہ تباہ و برباد کیا اور مشرکین مکہ کو یہ بات سمجھائی کہ اگر تم نے بھی قوم عاد کی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید اور ہمارے پیغمبر کی رسالت کا انکار کیا اور قیامت کا انکار کیا تو تمہارا انجام بھی ان کی طرح ہوگا۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو قدرت دی عاد، ثمود قوم کو ان چیزوں میں ﴿اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ﴾ نہیں قدرت دی تم کو ان میں۔ ان کو جیسے وجود دیئے، جسمانی قوت دی، مال و دولت دی، دنیا کی ترقی کے جتنے اسباب دیئے وہ تمھیں نہیں دیئے۔ سورۃ سبا آیت نمبر ۴۵ میں ہے ﴿وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ﴾ "اور نہیں پہنچے یہ لوگ اس کے عشر عشیر کو بھی جو ہم نے ان کو دیا۔" مشرکین مکہ کس بات پر اکڑتے ہیں ان کو تو سابقہ قوموں کے مقابلے میں دسواں حصہ بھی مال و دولت اور طاقت نہیں دی۔ یہ اس علاقے میں آباد ہیں جہاں زراعت کا سرے سے نام تک نہیں تھا۔

تو فرمایا ہم نے ان کو قدرت دی ان چیزوں میں کہ نہیں قدرت دی ہم نے تم کو ان چیزوں میں ﴿وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـٕدَةً﴾ اور ہم نے بنائے ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ کان سننے کے لیے، آنکھیں دیکھنے کے لیے، دل غور و فکر کرنے کے لیے۔ کانوں کے ساتھ حق کو سنتے، آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھتے، دل کے ذریعے حق کو سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عظیم نعمتیں عطا فرمائیں مگر انھوں نے ان کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا ﴿فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ پس نہ کام آئے ان کے ان کے کان اور نہ آنکھیں اور نہ دل کچھ بھی۔ کسی چیز نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ یہ لوگ اندھے، بہرے بن گئے حق کو قبول کرنے کے بجائے انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت شروع کر دی ﴿اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ وہ اندھے اور بہرے ہو چکے تھے ﴿وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور گھیر لیا ان کو اس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ وہ قیامت کا، اللہ تعالیٰ کی گرفت کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو گھیر لیا۔

صرف قوم عاد کی بات نہیں بلکہ اے مکے والو! جس قوم نے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار، رسالت اور قیامت کا انکار، احکام الٰہیہ کا تمسخر اڑایا اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا۔ اس سے تم عبرت حاصل کرو۔ اگر تم باز نہ آئے تو تمھارا بھی ویسا ہی حشر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا تمھارے اردگرد کی بستیوں کو۔ قوم ثمود، قوم لوط کو تباہ کیا۔

مکے والے جب شام کے تجارتی سفر پر جاتے تھے ان اجڑی ہوئی بستیوں پر سے گزر کر جاتے تھے۔ ان کی طرف دیکھ کر عبرت حاصل کرو یہ لوگ بھی تمھاری طرح نافرمان تھے لہٰذا ان کو ہم نے ہلاک کیا اور تم ان کے حالات سے واقف ہو۔

فرمایا ﴿وَ صَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ اور ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیات کو، دلائل کو تاکہ یہ لوٹ آئیں

ہدایت کی طرف اور کفر،شرک چھوڑ دیں۔مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے اختیار کیے۔یہاں فرمایا ﴿فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ﴾ پس کیوں نہ مدد کی ان لوگوں کی ان جھوٹے خداؤں نے ﴿اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً﴾ جن کو بنایا انھوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے تقرب کے لیے معبود۔

تمام پرانے اور نئے مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا بہت سے معبود بنا رکھے تھے جن کے متعلق ان کا عقیدہ تھا ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر:۳] ''ہم تو ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا تقرب دلاتے ہیں۔'' ان کی عبادت کر کے ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ان کے سوا اللہ تعالیٰ تک ہماری پہنچ نہیں ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی فریاد براہ راست سنتا ہے وہ ساری مخلوق کا رب ہے، مالک، خالق ہے اور وہی سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے اس نے خدائی اختیارات کسی کو نہیں دیئے۔ہر شے کا رب، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاتے ہیں ان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔جن کو تم پکارتے ہو، سجدے کرتے ہو، حاجتیں مانگتے ہو، مصیبت کے وقت وہ تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

تو فرمایا پس کیوں نہ مدد کی ان کی انھوں نے جن کو بنایا انھوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے تقرب کے لیے الٰہ ﴿بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ﴾ بلکہ وہ تو گم ہو گئے ان سے۔ان میں سے تو کوئی نظر ہی نہ آیا وہ کیا مدد کرتے۔فرمایا ﴿وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ﴾ اور یہ تو ان کا جھوٹ تھا کہ فلاں خدا کا شریک ہے اور فلاں خدا کا شریک ہے۔ان کو اللہ تعالیٰ نے اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔کوئی کہتا ہے عزیر علیہ السلام ہمیں چھڑا لیں گے اور کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات دہندہ سمجھتا ہے، کوئی پیروں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھتا ہے کہ یہ ہماری حاجات پوری کرتے ہیں اور ہماری بگڑیاں بناتے ہیں اور پھر قیامت والے دن ہمیں ساتھ لے کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

حالانکہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن ہوں یا ملائکہ ہوں، نبی، ولی، سب اسی کے محتاج ہیں ﴿یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [الرحمٰن:۲۹] ''زمین، آسمان کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی سوالی ہے۔'' مافوق الاسباب نہ کوئی پکار کو سنتا ہے اور نہ کوئی مدد کرتا ہے یہ ان کا جھوٹ تھا ﴿وَ مَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ اور وہ جو افتراء کرتے تھے جو من گھڑت باتیں کرتے تھے اور کرتے ہیں سب جھوٹ کا پلندہ ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی کو پکارو، اسی سے مانگو۔جن قوموں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود، مشکل کشا بنایا اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا کوئی ان کو خدائی گرفت سے نہ بچا سکا۔آج تم اے مکے والو! ان کی عمارتوں کے کھنڈر آنکھوں سے دیکھتے ہو لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو۔

تم اشرف المخلوقات ہو کر نافرمانی کرتے ہو۔اب جنات کا قصہ سن لو۔ان میں خیر کی استعداد کم ہے لیکن وہ قرآن کو سننے کے ساتھ ہی ایمان لے آئے۔فرمایا ﴿وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ اور جس وقت پھیر دیا ہم نے آپ کی طرف ایک

گروہ جنات میں سے متوجہ کردیا آپ کی طرف۔

شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول بخاری شریف کی روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے جنات اور شیاطین اوپر آسمانوں کی طرف آتے جاتے تھے اور فرشتوں کی کچھ نہ کچھ گفتگو سن لیتے تھے۔ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملی اس دن پہرے سخت کردیئے گئے۔ جنات میں یہ بات پھیلی کہ ہم پہلے اوپر آتے جاتے تھے سنتے تھے اتنی سختی نہیں تھی اب اتنی سختی ہوگئی ہے اس کی وجہ تلاش کرو۔ تو اس سلسلے میں انھوں نے نصیبین کے مقام پر جو جزائر میں ہے اور بعض نے نینوا بھی لکھا ہے جو عراق میں ہے۔ وہاں کانفرنس منعقد کی اور اس پر غور کیا کہ ہم پر پابندی کیوں لگی ہے؟ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں وفود بھیجے۔ ان میں سے ایک وفد عرب کے علاقہ میں تہامہ کے مقام پر گیا ان میں سے پانچ جنوں کے نام ہمیں ملے ہیں۔ ابن درید ہ کے حوالے سے ایک کا نام منشی، دوسرے کا نام ناشی تھا، تیسرے کا نام مناصین، چوتھے کا نام ماضر اور پانچویں کا نام الاحقب تھا۔ ان کو عرب کے علاقے کی طرف بھیجا گیا کہ تم وہاں جا کر تحقیق کرو کہ ہم پر پابندی کیوں لگی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت چند ساتھیوں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تبلیغ کے سلسلے میں طائف کے سفر پر تھے۔ مکہ اور طائف کے درمیان بطن نخلہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتھیوں کو نماز پڑھانا شروع کی۔ اس وقت نہ تو اذان تھی اور نہ پانچ نمازیں فرض تھیں۔ فجر اور عصر کی نمازیں تھیں شام کی نماز فرض نہیں تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قرآن کریم پڑھ رہے تھے کہ یہ پانچ یا سات یا نو جنات نصیبین کے مقام سے پہنچے، عربی جانتے تھے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت سے متاثر ہوئے اور آسمانوں پر جانے کی پابندی کی وجہ بھی سمجھ گئے کہ نزول قرآن کی وجہ سے آسمانی راستوں پر سخت پہرے لگادیئے گئے ہیں۔ اور یہ جنات وہیں ایمان لے آئے۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو دیکھا اور نہ پتا چلا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ اٰذَنَتْهُمْ شَجَرَةٌ۔ جب یہ جنات ایمان قبول کر کے چلے گئے تو درخت نے بتلایا کہ اس طرح جنات آئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن سن کر ایمان لے آئے اور چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز میں ساٹھ آیات سے لے کر سو آیات تک پڑھتے تھے اور اس سے کم اور زیادہ بھی ثابت ہیں مگر ائمہ کو حکم ہے مقتدیوں کا خیال رکھیں کہ مقتدیوں میں بوڑھے بھی ہوں گے، بیمار، کمزور اور مسافر بھی ہوں گے، حاجت مند بھی ہوں گے لہٰذا نماز ہلکی پھلکی پڑھائیں۔

جن صحابی ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جن صحابی کہلائیں گے یا نہیں۔ جمہور فرماتے ہیں کہ وہ صحابی ہیں اگرچہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نہیں دیکھا مگر انھوں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور صحابی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو اور ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو، وہ صحابی ہے۔اس کے بعد سورہ جن نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے جنات کی پوری تقریر بیان فرمائی۔ان جنات نے جب واپس جا کر قوم کو ڈرایا اور ایمان کی دعوت دی تو جو ان میں سے سعادت مند تھے وہ ایمان لے آئے اور جو انسانوں کی طرح ضدی تھے وہ ایمان نہ لائے۔سورۃ جن آیت نمبر ۱۱ میں ہے ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ كُنَّا طَرَآىِٕقَ قِدَدًا﴾ "اور بے شک ہم میں سے نیکوکار بھی ہیں اور اس کے علاوہ یعنی بدکار بھی ہم مختلف راستوں پر بٹے ہوئے ہیں۔"

جنات میں مسلمان بھی ہیں، یہودی، عیسائی اور ہندو، سکھ وغیرہ بھی ہیں۔ جتنے فرقے انسانوں میں ہیں اس سے زیادہ جنات میں ہیں۔انسان میں خیر زیادہ ہے بہ نسبت جن کے۔چونکہ جنات میں استعداد کم تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنات میں کوئی مستقل پیغمبر نہیں بھیجا ان کو انسانوں کے تابع رکھا۔ان کی بود و باش بھی انسانوں میں ہے۔ہر جگہ اور ہر گھر میں رہتے ہیں۔جس وقت نمازی نماز میں سلام پھیرتا ہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے تو دائیں بائیں طرف والے نمازیوں کی نیت کرتا ہے۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جب انسان جنگل میں اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو سلام کے وقت دائیں بائیں والے فرشتوں کی نیت کرے اور اس کے آس پاس جو مومن جنات ہیں ان کی نیت کرے۔تو جنات ہر مقام پر موجود ہوتے ہیں۔ان کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ اور جس وقت پھیرا ہم نے ایک گروہ آپ کی طرف جنات کا ﴿يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ سنتے تھے وہ قرآن بڑے غور سے ﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ﴾ پس جس وقت وہ حاضر ہوئے تلاوت کے وقت ﴿قَالُوْٓا﴾ کہا انھوں نے ایک دوسرے کو ﴿اَنْصِتُوْا﴾ خاموش رہو۔قرآن پاک کے آداب میں سے ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو خاموشی کے ساتھ سنا جائے۔پھر نماز میں ہوں تو سننا فرض اور واجب ہے۔اگر نماز میں کوئی آدمی امام کے ساتھ قرأت کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور نماز سے باہر اگر قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو سننا مستحب ہے خاموشی اختیار کرے۔

اسی لیے فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا گناہ گار ہے کیوں کہ لوگ اپنے کاموں میں لگے ہوتے ہیں یا سوئے ہوتے ہیں یا کوئی تعلیم میں لگا ہوا ہے یا کوئی بیمار ہے تو وہ تو نہیں سن سکتے لہٰذا بلند آواز سے پڑھنے والا یہ گناہ گار ہوگا۔مگر قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی اور شور ہوگا اور ایسے لوگ پیدا ہوں گے قُرَّاءٌ فَسَقَةٌ ''پڑھنے والے نافرمان اور فاسق ہوں گے۔'' قرآن پاک کا ادب یہ ہے کہ ایسی جگہ پڑھو جہاں لوگ توجہ کے ساتھ سنیں، نہیں سنتے تو آہستہ پڑھو۔

یہ مسئلہ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اگر ایک آدمی بھی نماز پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے قرآن پڑھنے والا گناہ گار ہوگا لَا يَجُوْزُ بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے خاموشی سے پڑھو۔

تو جنات نے ایک دوسرے کو کہا خاموش رہو ﴿ فَلَمَّا قُضِیَ ﴾ پس جس وقت قرآن کریم کی تلاوت پوری کر لی گئی ﴿ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴾ وہ پھرے اپنی قوم کی طرف ڈراتے ہوئے۔ یہاں سے واپس جا کر اپنی قوم کو رپورٹ پیش کی ﴿ قَالُوْا ﴾ کہنے لگے ﴿ یٰقَوْمَنَآ ﴾ اے ہماری قوم! ﴿ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا ﴾ بے شک ہم نے سنی ہے ایک کتاب ﴿ اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ﴾ جو نازل کی گئی موسیٰ علیہ السلام کے بعد۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں لیا اس کی وجہ بعض حضرات تو یہ بتاتے ہیں کہ جنات یہودی تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں اصل بات یہ ہے کہ مرکزی کتاب تو تورات ہی تھی انجیل کی حیثیت ضمیمے کی تھی جیسے اخبار شائع ہوتا ہے اور بعد میں ضمیمہ شائع کرتے ہیں۔

انجیل رب تعالیٰ کی سچی کتاب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے لیکن ہے تورات کا تتمہ اور ضمیمہ، اصل کتاب تورات ہی ہے۔ اس لیے اس کا حوالہ دیا کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے یہ اس کے بعد نازل ہوئی ہے ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ﴾ جو تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے ہیں۔

تورات، انجیل، زبور کی تصدیق کرتی ہے اور دیگر آسمانی صحیفوں کی تصدیق کرتی ہے ﴿ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ ﴾ یہ کتاب حق کی راہ نمائی کرتی ہے ﴿ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ اور سیدھے راستے کی راہ نمائی کرتی ہے لہٰذا ﴿ یٰقَوْمَنَآ ﴾ اے میری قوم ﴿ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ ﴾ بات مانو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ہم تو وہیں اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب تمھیں دعوت دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات مان لو ﴿ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ ﴾ اور اس پر ایمان لے آؤ۔ نتیجہ کیا ہوگا ﴿ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ وہ تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔ اب تک جو گناہ تم نے کیے ہیں وہ رب تعالیٰ معاف کر دے گا ﴿ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾ اور تمھیں پناہ دے گا پروردگار دردناک عذاب سے۔

اور یہ بھی ان کا بیان ہے ﴿ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ ﴾ اور جو قبول نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی بات کو ﴿ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ ﴾ پس وہ نہیں ہے عاجز کرنے والا زمین میں اللہ تعالیٰ کو۔ وہ رب تعالیٰ کے فیصلوں کو ٹال نہیں سکتا۔ اور یاد رکھنا! ﴿ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ﴾ اور نہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے کوئی کارساز، کوئی ساتھی، کوئی پناہ دینے والا۔ اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کے داعی پر ایمان لاؤ تمہاری نجات اسی میں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات نہیں مانتے ﴿ اُولٰٓىٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ یہی لوگ ہیں کھلی گمراہی میں۔ یہ جنات کی تقریر ہے جو انھوں نے بطن نخلہ کے مقام پر مسلمان ہونے کے بعد واپس جا کر نصیبین کے مقام پر اپنے جنات کو رپورٹ پیش کی۔

﴿ اَوَ لَمْ یَرَوْا ﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے ﴿ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین ﴿ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ ﴾ اور تھکا نہیں ان کو پیدا کرنے کی وجہ سے ﴿ بِقٰدِرٍ ﴾

اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی﴾ اس بات پر کہ وہ زندہ کرے مردوں کو ﴿بَلٰٓی﴾ کیوں نہیں ﴿اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿عَلَى النَّارِ﴾ آگ پر ﴿اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ دوزخ حق نہیں ہے ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں ﴿وَرَبِّنَا﴾ ہمارے رب کی قسم ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ پس چکھو تم عذاب ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ جیسے صبر کیا بڑی ہمت والے پیغمبروں نے ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ اور آپ جلدی نہ کریں ان کے لیے ﴿كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ﴾ گویا کہ جس دن وہ دیکھیں گے ﴿مَا﴾ اس عذاب کو ﴿یُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ﴾ کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک ہی گھڑی دن میں ﴿بَلٰغٌ﴾ یہ پہنچا دینا ہے ﴿فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ پس نہیں ہلاک کی جائے گی مگر وہ قوم جو نافرمان ہے۔

ربط آیات

اس سے پہلے دو قسم کے آدمیوں کا ذکر تھا۔ ایک وہ جو کہتے ہیں ﴿قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ﴾ "اے میرے رب مجھے توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کروں ان نعمتوں کا جو آپ نے مجھ پر کیں اور میرے والدین پر کیں آپ کا وعدہ سچا ہے قیامت آئے گی۔" اور اس کے مدمقابل دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر تھا جنھوں نے کہا اپنے والدین کو کہ تف تمھارے اوپر کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے۔ یعنی بڑی سختی کے ساتھ قیامت کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھانے کے لیے فرماتے ہیں تاکہ اتمام حجت ہو جائے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

فرمایا ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین۔ اس بات کا انکار کرنے والا تو کافروں، مشرکوں کا ایک فرد بھی نہیں تھا کہ آسمان و زمین اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے پیدا کیے ہیں۔ چند دہریوں کے سوا کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے اور یہ دہریے بھی بعد میں پیدا ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے رب کوئی نہیں ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔

ان بڑی عمر والے حضرات کو یاد ہوگا کہ ١٩٣٧ء یا ١٩٣٨ء میں جب روس پورے عروج پر تھا اور اس نے اپنے باطل نظریات منوانے کے لیے پانچ کروڑ انسانوں کو قتل کیا رب تعالیٰ کے خلاف بغاوت کی کہ رب کوئی شے نہیں ہے اور اپنے ملک سے دو جنازے نکالے ایک خدا کا اور ایک مذہب کا۔ وہ اس طرح کہ چار پائیوں پر علامتی چیزیں رکھیں اوپر پھول ڈالے اور

بے شمار مخلوق بھنگڑے ڈالتی ہوئی ساتھ چلی سرحد پر جا کر ان کو لاتیں رسید کیں، ڈنڈے مارے اور پھینک کر واپس آ گئے کہ ہم نے خدا اور مذہب کا جنازہ ملک سے نکال دیا ہے۔ یہاں اب نہ مذہب ہے اور نہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ہٹلر نے ان پر حملہ کر دیا اور روسیوں کو ایسا ذلیل کیا کہ وہی لیڈر جنھوں نے خدا اور مذہب کا جنازہ نکلوایا تھا انھوں نے اعلان کیا کہ ہر فرقے اور مذہب والا اپنے اپنے انداز میں دعا کرے کہ اس بلا سے ہماری جان چھوٹ جائے۔ جب ہٹلر نے چھتر مارے تو ان کو خدا یاد آیا۔ لیکن مشرکین عرب رب تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے۔

سورۃ الزمر آیت نمبر ۳۸ پارہ ۲۴ میں ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ "اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو تو یقیناً کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔" تو فرمایا کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین ﴿وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ﴾ اور وہ نہیں تھکا ان کو پیدا کرنے کی وجہ سے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ﴿بِقٰدِرٍ﴾ قادر ہے ﴿عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ کہ وہ زندہ کرے مردوں کو۔ جس نے زمین آسمان پیدا کیے ہیں، دریا پہاڑ پیدا کیے ہیں وہ رب مردوں کو پیدا نہیں کر سکتا ﴿بَلٰٓى﴾ کیوں نہیں وہ قادر ہے ﴿اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہندوستان پر جب انگریز قابض ہوا تو اس نے مسلمانوں کے ذہن بگاڑنے کے لیے کئی فتنے کھڑے کیے۔ ایک طرف عیسائیوں نے اپنی تبلیغ شروع کی، مرزا قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کروایا۔

دیانند سرسوتی کا قرآن پاک پر اعتراض

آریہ سماج کے منہ پھٹ لیڈر دیانند سرسوتی کو کھڑا کیا۔ اس نے اسلام کے خلاف کتاب لکھی "ستھیارتھ پرکاش" اس کے چودھویں باب میں اس نے قرآن پاک پر اعتراضات کیے ہیں۔ بسم اللہ سے لے کر والناس تک۔ اس آیت کریمہ پر بھی اس نے اعتراض کیا ہے۔ کہتا ہے کہ اے مسلمانو! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمھارا یہ قرآن سچا ہے تو یہ بتلاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ چوری کرنے اور زنا کرنے پر بھی قادر ہے کیونکہ چوری، زنا بھی تو شے ہیں۔ اگر قادر نہیں ہے تو پھر تمھارا قرآن جھوٹا ہے۔

بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اس سے مناظرے بھی کیے اور کتابیں بھی لکھیں۔ حضرت کی ایک کتاب ہے "انتصار الاسلام" اردو میں ہے۔ اس میں اس کے سوالات بھی ہیں اور جوابات بھی ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ چوری تو ہوتی ہے غیر کی ملک میں پنڈت جی! پہلے تم غیر کی ملک ثابت کرو دلیل سے پھر اعتراض کرنا۔ جب ہے ہی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تو اپنی شے میں چوری کا کیا مطلب ہے؟ رہی بات زنا کی تو زنا کے لیے آلات زنا کی ضرورت ہے تم رب تعالیٰ کے لیے اعضاء ثابت کرو دلیل کے ساتھ پھر زنا کی بات کرنا۔ لہٰذا قرآن سچا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جو منکر ہیں قیامت کے ان کو اس دن معلوم ہو جائے گا۔

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ﴾ اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں آگ پر۔ محشر والے

دن جنت بھی سامنے ہوگی اور دوزخ بھی سامنے ہوگا ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ "اور قریب کر دی جائے گی جنت متقیوں کے ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ﴾ [الشعراء: ۹۰-۹۱] اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو گمراہوں کے لیے۔" ابھی اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حساب کتاب میں ہوں گے کہ جنت بھی سامنے اور دوزخ بھی سامنے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا ﴿اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ دوزخ حق نہیں ہے؟ اس وقت ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں حق ہے ﴿وَرَبِّنَا﴾ ہمارے رب کی قسم ہے۔ آج تو کہتے ہیں نا ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ قیامت کب آئے گی ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا﴾ [النازعات: ۴۲] "یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔" تو آج تو یہ باتیں کرتے ہیں وہاں سب کچھ مان جائیں گے کیوں کہ ہر شے سامنے نظر آ رہی ہوگی ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ پس چکھو تم عذاب اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے دوزخ کا، جنت کا، قیامت کا، اللہ تعالیٰ کی توحید کا، رسالت کا۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا بھی ذکر کیا ہے اور رسالت کا بھی اور قیامت کا بھی۔ اور یہ تینوں اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ ان کو جب آنحضرت ﷺ بیان فرماتے تھے تو کافر آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے اور ستاتے تھے زبانی بھی اور فعلی بھی۔ آپ ﷺ کو دیوانہ کہتے، جادوگر کہتے، مسحور کہتے، شاعر کہتے، کاہن کہتے اور پتھر بھی مارتے تھے، طبعی طور پر انسان کو ان چیزوں سے کوفت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ اے نبی کریم ﷺ! صبر کریں ان کی باتوں پر ﴿كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ جیسے صبر کیا بڑی ہمت والے پیغمبروں نے آپ سے پہلے۔ نوح علیہ السلام جب لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تو لوگ ان کو پاگل کہہ کر دھکے مار کر نکال دیتے تھے ﴿وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾ [سورۃ القمر] "اور کہا انھوں نے یہ دیوانہ ہے اور جھڑک دیا۔" اور حضرت صالح علیہ السلام کو کہا ﴿هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ [ایضاً] "یہ بڑا جھوٹا اور شرارتی ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے جب طائف والوں کو توحید کی دعوت دی تو انھوں نے آپ ﷺ کے خلاف بڑی غلط زبان استعمال کی اور پتھروں کی بارش کر دی کہ آپ ﷺ لہولہان ہو گئے۔ واپسی پر جب آپ ﷺ سد عآرب کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ کو کھڑاک (کھڑکا) سا محسوس ہوا، دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام سامنے ہیں کہنے لگے کہ یہ میرے ساتھ ملك الجبال ہے اس کی ڈیوٹی پہاڑوں پر ہے۔ اس نے آگے آ کر بڑی عقیدت کے ساتھ سلام کیا۔ شراح حدیث فرماتے ہیں کہ اس کا نام اسماعیل تھا عرض کرنے لگا کہ میری ڈیوٹی ان پہاڑوں پر ہے اور طائف میں آپ علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس پر رحمان غصے میں ہے اس نے مجھے بھیجا ہے اگر آپ علیہ السلام چاہیں تو ان پہاڑوں کو ایسے ملا دوں کہ یہ سب درمیان میں کچلے جائیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا نہیں! ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو کسی وقت ہدایت دے دے یا ان کی اولاد در اولاد کو ہدایت دے دے۔ میں صبر کروں گا ان کو کچلنے کا حکم نہیں دیا۔ ان کو میری پہچان نہیں ہے اس لیے انھوں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ طائف والے آپ ﷺ کے ساتھ اتنے غلط طریقے سے پیش آئے کہ رب تعالیٰ ایسی حلیم ذات کو بھی غصہ

آ گیا، فرشتے بھی جذبات میں آ گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کیا۔

تو فرمایا آپ صبر کریں جیسا کہ ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ اور ان کے لیے جلدی نہ کریں عذاب کے مانگنے میں۔ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب وہ وقت آئے گا ان کی حالت دیکھنے والی ہوگی۔ فرمایا ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ﴾ گویا کہ جس دن وہ دیکھیں گے عذاب کو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ قیامت والے دن کافر دوزخ کے عذاب میں جلیں گے وہ یوں محسوس کریں گے ﴿لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ﴾ کہ نہیں رہے وہ دنیا میں مگر ایک ہی گھڑی دن میں مثلاً: دن کے چوبیس گھنٹے ہیں تو کہیں گے ہم دنیا میں ایک ہی گھنٹہ رہے ہیں۔ واقعی آخرت کی لمبی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی گھنٹہ، منٹ اور سیکنڈ بھی نہیں ہے۔ آج ہم اس زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے اربوں کھربوں سال نہ ختم ہونے والی زندگی نہ رب تعالیٰ کی نعمتیں ختم ہوں گی اور نہ عذاب ختم ہوگا۔ وہ ابد الآباد، ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ آج جو دنیا میں عذاب مانگتے ہیں اس دن جہنم کے داروغوں سے کہیں گے دعا کرو اپنے پروردگار سے ﴿يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ [مومن: ۴۹] "کہ وہ تخفیف کر دے ہم سے ایک دن ہی عذاب۔" وہ کہیں گے کیا تمھارے پاس نہیں آئے تھے رسول کھلی نشانیاں لے کر اس وقت تو تم نے ان کی بات نہیں مانی، تکبر کیا، غرور کیا ﴿إِنَّكُم مَّاكِثُونَ﴾ [زخرف: ۷۷] "تم رہنے والے ہو اسی مقام میں۔" اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں کھول کر سمجھائی ہیں۔

فرمایا ﴿بَلٰغٌ﴾ یہ پہنچا دینا ہے۔ ہم نے حق بات تم تک پہنچا دی ہے۔ اے مکے والو! اور دوسرے لوگو! کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خبر نہیں ہوئی ﴿فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُونَ﴾ پس نہیں ہلاک کی جائے گی مگر وہ قوم جو نافرمان ہے۔ جو رب تعالیٰ کے احکام نہیں مانتے وہ ہلاک ہوں گے۔ دنیا میں بھی ہلاکت، قبر میں بھی ہلاکت، آخرت میں بھی ہلاکت۔ آج سمجھ جاؤ ورنہ ساری عمر ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے رہو گے۔ سورہ فرقان آیت نمبر ۲۷ پارہ ۱۹ میں ہے ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ "اور جس دن کاٹیں گے ظالم لوگ اپنے ہاتھوں کو افسوس کی وجہ سے کاش کہ میں فلاں کو ساتھی نہ بناتا پیغمبر کا راستہ اختیار کرتا۔" آج بڑا قیمتی وقت ہے اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔ اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنی اولاد کی اصلاح کی بھی فکر کرو۔ رب تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

آج بروز جمعرات ۱۶ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ بتاریخ ۱۸ مارچ ۲۰۱۴ء اٹھارھویں جلد مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذالك

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالا۔